از جامع المنقول والمعقول

حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری مدظلہ

(استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان)

تلمیذ رشید

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی

مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہما اللہ

مع افادات

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ

اُستاذ القراء حضرت قاری محمد طاہر رحیمی رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ مُلتان پاکستان

(061-4540513-4519240

خصوصیات

- محدثین قدیم وجدید کے علوم ومعارف کی امین
- مشکوٰۃ المصابیح کی پہلی مفصل تحقیقی شرح
- حدیث کا مکمل معرب عربی متن
- ہر لائن کے نیچے سلیس اردو ترجمہ
- ہر حدیث کی تشریح، مشکل الفاظ کی تسہیل
- حدیث سے جدید وقدیم فقہی مسائل کا استنباط
- آئمہ فقہاء کے مذاہب مع دلائل
- فقہ حنفی کے ترجیحی مدلل ومسکت جوابات
- سوال وجواب میں اہم نکات کی عقدہ کشائی
- لغوی، اصلاحی اور صرفی نحوی مباحث
- تفصیلی مباحث میں عنوانات وپیراگرافی
- طویل مباحث میں مختلف امور کے ذریعے تفصیلات کو اقرب الی الفہم بنایا گیا ہے
- مغلق ومجمل مقامات کی دلنشین شرح
- مطبوعہ تمام شروحات کی نسبت زیادہ جامع

جلد اوّل

قدیم وجدید شارحین حدیث کے علوم ومعارف
کی امین مشکوٰۃ شریف کی پہلی مفصل اُردو شرح

خیر المفاتیح

اُردو شرح

مشکوٰۃ المصابیح

از جامع المنقول والمعقول حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری مدظلہ (استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان)
تلمیذ رشید : حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی - مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمہما اللہ

مع افادات

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ
شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ
حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین دھلوی رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(061-4540513-4519240

خیر المفاتیح

تاریخ اشاعت............ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

ناشر.............. ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت................ سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ.... چوک فوارہ.... ملتان   مکتبہ رشیدیہ...... راجہ بازار...... راولپنڈی

ادارہ اسلامیات........ انار کلی....... لاہور   یونیورسٹی بک ایجنسی.... خیبر بازار....... پشاور

مکتبہ سید احمد شہید...... اردو بازار...... لاہور   ادارۃ الانور........ نیو ٹاؤن....... کراچی نمبر 5

مکتبہ رحمانیہ....... اردو بازار .... لاہور   مکتبہ المنظور الاسلامیہ.... جامعہ حسینیہ.... علی پور

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K   119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE   BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

برصغیر میں علم حدیث کی باضابطہ تدریس امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے حجاز سے واپسی پر ہوئی۔ آپ کے حلقہ درس سے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خوب استفادہ کیا' پھر شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے شاہ عبدالقادر' شاہ رفیع الدین' مولانا رشید الدین کشمیری رحمہم اللہ نے دینی علوم وفیوض کا اکتساب کیا۔ یہ سلسلہ سند حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے واسطہ سے محدث عصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تک پہنچا۔ حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند کے علمی ماحول میں تدریس حدیث کی نشاۃ ثانیہ فرمائی اور اس مبارک سلسلہ میں تجدیدی وتحقیقی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ دارالعلوم دیوبند کی مرکزی درس گاہ سے ہزاروں افراد نے جہاں علمی پیاس بجھائی۔ وہاں عملی واخلاقی تربیت کا بھی وافر حصہ حاصل کیا اور نہ صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام کے ہر کونہ تک دارالعلوم دیوبند کا علمی وروحانی فیض منتقل ہوا۔ **اولئک آبائی فجئنی بمثلھم**

جامعہ خیر المدارس ملتان کیا ہے؟ دارالعلوم دیوبند کے اسی فیض کی ایک تابندہ مثال ہے جو اپنے سرپرست اول حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی برکات وحسنات جاریہ کی ایک واضح دلیل ہے اور اپنے بانی استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے اخلاص وللّٰہیت کی مظہر وہ عظیم دینی درس گاہ ہے جسے پاکستان کی پہلی مکمل اسلامی یونیورسٹی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جامعہ خیر المدارس ملتان کی طرح برصغیر کے وہ مدارس جو انہی امتیازی صفات کے ساتھ خدمت دین میں مصروف ہیں اور اپنے قابل رشک نظم ونسق کے ساتھ اسلاف کی متعین کردہ حدود میں فریضہ تعلیم وتربیت سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کے حالات کا تتبع کرنے پر یہی سامنے آتا ہے یہ بلاواسطہ یا بالواسطہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا فیض ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مدارس دینیہ کو اپنی حفاظت میں رکھیں کہ موجودہ دور میں یہ واقعۃً اسلام کے قلعے ہیں جو امت مسلمہ کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا کام کررہے ہیں۔

''جامعہ خیر المدارس ملتان'' نے اپنے تابناک ماضی اور حال میں امت مسلمہ کی کیسے رہنمائی فرمائی؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ آپ کے ہاتھوں میں علم حدیث کی مشہور کتاب ''مشکوۃ المصابیح'' کی یہ علمی وتحقیقی شرح بھی جامعہ ہی کا فیض ہے۔ وہ کہنہ مشق خدا رسیدہ مدرس جو یہاں طلباء کی تعلیمی وتربیتی کاوش میں مصروف عمل ہیں ان میں کتاب ہذا کے شارح جامع المعقول والمنقول استاذ الحدیث حضرت مولانا شبیر الحق کشمیری مدظلہ العالی بھی ہیں۔ جو اپنے تبحر علمی' اخلاص وللّٰہیت اور سادگی ودرویشی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اکابرین میں سے استاذ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اور حضرت علامہ محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ کے تلمیذ

رشید ہیں اس کے ساتھ ولی کامل حضرۃ الشیخ مولانا محمد موسی روحانی بازی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالخالق رحمانی رحمہ اللہ کے ان دو واسطوں سے حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے علوم و معارف کے امین ہیں۔ بلا مبالغہ آپ کی شخصیت اس دور میں اکابر کے علم وعمل کی تابندہ مثال ہے۔ وہی اکابر جیسا خلوص، علم و فضل میں تبحر و تعمق، سادگی و تواضع، ہمہ وقت علمی مذاکرہ، دارالحدیث کی مسند تدریس ہو یا عام مجلس...... آپ کی باتیں یوں معلوم ہوتی ہیں گویا علم وعمل کی مجسم تصویر ہے جو سامنے کردی گئی ہے۔ بندہ کا اکثر و بیشتر ہر طبقہ کے اہل علم حضرات سے رابطہ رہتا ہے لیکن اسلاف کی یادیں تازہ کرنے میں آپ کا وجود مسعود اپنی مثال آپ ہے۔ جو حضرات آپ سے متعارف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ علامہ اقبال کا یہ شعر گویا آپ ہی کیلئے لکھا گیا ہے۔

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل   اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو   رزم ہو یا بزم پاک دل و پاک باز

اللہ تعالیٰ آپ کو جملہ کمالات کے ساتھ بخیر و عافیت جامعہ کی رونق بنائے رکھیں۔ آمین۔

ادارہ کی درخواست پر حضرت مولانا مدظلہ العالی نے مشکوۃ شریف کی اپنی تقریر طباعت کیلئے نہ صرف عنایت فرمائی بلکہ گاہے بگاہے ہماری سرپرستی وحوصلہ افزائی بھی فرماتے رہے۔ آپ ماشاء اللہ جامعہ میں عرصہ سولہ سال سے مشکوۃ شریف کا درس دے رہے ہیں۔ ہر سال جید الاستعداد طلباء آپ کے علمی و تحقیقی نکات انفرادی طور پر محفوظ رکھتے آرہے ہیں۔ ملک کے طول وعرض میں موجود آپ کے تلامذہ اور دیگر علماء و مدرسین حضرات کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ حضرت مدظلہ العالی کی یہ تقریر کتابی شکل میں شائع ہو جائے اور اسلاف و اخلاف محدثین حضرات کے یہ علمی جواہر پارے محفوظ ہو جائیں تا کہ دیگر مدرسین وطلباء کیلئے استفادہ آسان ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ شرح پہلی مرتبہ شائع ہو کر آپ کے سامنے ہے۔ چونکہ طالب علم کی اصل کاپی نہایت مخدوش حالت میں تھی اس لئے ادارہ نے مسودہ کی تبییض وتصحیح کیلئے علماء کرام کی خدمات لیتے ہوئے اس کو بہتر انداز میں شائع کرنے کی سعی کی ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا مفتی سعود کشمیری صاحب مدظلہ (فاضل جامعہ فریدیہ اسلام آباد) مولانا حبیب الرحمٰن سلمہ الرحمٰن (تلمیذ حضرت کشمیری مدظلہ و فاضل جامعہ خیر المدارس) نے شبانہ روز کاوش کر کے اس کی تصحیح و تزئین کا کام کیا ہے۔ **فجزاهم الله احسن الجزاء .**

انسانی ہمت وقدرت کے مطابق ادارہ نے تقریباً ایک سال کی محنت کے بعد اس عظیم شرح کو شائع کیا ہے۔ ’’نکردن یک عیب وکردن صد عیب‘‘ کے مطابق ہمیں اقرار ہے کہ ہم اس کا حق ادا نہیں کر سکے۔ اس سلسلہ میں حضرت مدظلہ العالی کے تلامذہ و دیگر مستفیدین حضرات سے گزارش ہے کہ کتاب ہذا کے جن لفظی و معنوی اغلاط پر مطلع ہوں تو براہ کرم ادارہ کو ضرور مطلع فرمادیں تا کہ آئندہ ایڈیشن بہتر سے بہتر انداز میں شائع ہو سکے۔ حتی الامکان کوشش کی ہے کہ انداز طباعت ایسا عام فہم ہو کہ طلباء وطالبات بآسانی عبارت پڑھ کر سمجھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے خدمت حدیث کی اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائیں اور حضرت مولانا مدظلہ العالی کے علم وعمل میں برکات عطا فرمائیں اور ان کا فیض اہل علم میں جاری فرمائیں۔

کتاب ہذا کی ترتیب تصحیح اور اشاعت کے مراحل میں جن اراکین ادارہ نے علمی و عملی حصہ لیا ہے اللہ پاک انہیں اپنی شایان شان اجر عظیم سے نوازیں اور اسے احقر ناشر اور تمام مستفیدین کیلئے ذخیرہ آخرت بنائیں۔ آمین یارب العالمین

والسلام محمد اسحٰق غفرلہ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ بمطابق ستمبر ۲۰۰۸ء

مختصر حالات صاحب تقریر

استاذ الحدیث جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا شبیر الحق صاحب کشمیری مدظلہ العالی

نام ونسب: شبیر الحق بن مولانا عبداللطیفؒ بن محمد زبیرؒ۔ نسبت: کشمیری۔

ولادت باسعادت: آپ کی ولادت ۱۳۷۲ھ بمطابق ۱۹۵۲ء کو سنگڑی سید پور مضافات مظفر آباد (آزاد کشمیر) میں ہوئی۔ تاریخی نام: روحان اظہار صغیر ایاس۔

ابتدائی تعلیم: آپ نے پرائمری تک تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی پھر درس نظامی کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے مدرسہ عربیہ انوار الاسلام ایبٹ آباد ضلع ہزارہ (سرحد) میں تشریف لے گئے اور ابتدائی کتب سے لے کر مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد مشہور و معروف دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں اکابر وقت سے دینی علوم میں فراغت حاصل کی۔

دورہ حدیث شریف: آپ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں شعبان ۱۳۹۲ھ میں دورہ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔ آپ نے دورہ حدیث کے سال جن اساتذہ کرام سے استفادہ کیا۔ ان حضرات کے اسمائے گرامی مع کتب احادیث یہ ہیں۔

بخاری شریف	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (لاہور) متوفی ۱۳۹۴ھ
مسلم شریف	حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب اشرفی مدظلہ العالی
ترمذی شریف مع شمائل، ابن ماجہ شریف، مؤطئین	حضرت مولانا محمد موسیٰ خان صاحب رحمہ اللہ (لاہور) متوفی ۱۴۱۹ھ
ابوداؤد شریف	شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہ العالی
نسائی شریف، طحاوی شریف	حضرت مولانا محمد عبید اللہ صاحب اشرفی مدظلہ العالی

تکمیل: پھر جامعہ خیر المدارس ملتان کے علمی وروحانی ماحول میں ایک سال تکمیل کی غرض سے تشریف لائے اور یہاں استاذ الاساتذہ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ المتوفی ۱۴۱۰ھ سے فنون کی کتب پڑھیں۔

تدریس: تکمیل کے بعد آپ شروع میں کچھ عرصہ ڈیرہ غازیخان پھر قصبہ مڑل ملتان میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے پھر اکابر نے آپ کو جامعہ خیر المدارس ملتان میں طلب فرمالیا۔ چنانچہ جامعہ ہذا میں آپ اس وقت سے تاحال تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس عرصے میں جہاں آپ قطبی، سلم العلوم، شرح جامی، مختصر المعانی جیسی فنون کی اہم کتابیں پڑھاتے رہے ہیں وہاں تقریباً سولہ سال سے مشکوٰۃ شریف بھی پڑھا رہے ہیں اور متواتر کئی سال تک طحاوی شریف، موطئین اور ابوداؤد شریف پڑھانے کے بعد جامع ترمذی شریف کی تدریس کا شرف رکھتے ہیں۔ دورہ حدیث شریف کی کتابوں کے ساتھ ساتھ ایک عرصہ تک تکمیل کی کتابیں بھی آپ کے زیر درس رہی ہیں۔

آپ کمال حلم وشفقت اور محبت ورافت کا مجسمہ ہیں۔ استحضار حافظہ ورسوخ فی العلم، ذہانت، تفقہ فی الدین اور تبحر علمی میں اپنے اساتذہ استاذ المحدثین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ اور ولی کامل حضرت الشیخ مولانا محمد موسیٰ خان روحانی بازی رحمہ اللہ کے جانشین ہیں آپ کا انداز تدریس منفرد ہے بلا مبالغہ پیچیدہ سے پیچیدہ علمی مسائل کو طلباء کے سامنے نہایت آسان اور دلچسپ پیرائے میں بیان فرماتے ہیں اور مرتب انداز سے اہم مسائل کی تفہیم میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ جس کا مشاہدہ قارئین کو اس شرح میں جابجا ہوگا۔ جب آپ قرآن وسنت کے رموز ونکات اور دقیق علمی مباحث بیان فرماتے ہیں تو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی یاد تازہ فرما دیتے ہیں۔

کشمیر کی اقلیم کا ایک درویش بے کلیم بطحاء کی وادیوں کے ترانے سنا گیا

اجازت نامہ

ازمؤلف: حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری مدظلہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد! الحاج حضرت مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب زید مجدھم (مالک ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان) کتب دینیہ اور خصوصاً علم حدیث سے متعلق درسی اور غیر درسی کتب اور ان سے متعلق شروح حواشی اور فوائد کی اشاعت میں شب وروز کوشاں رہتے ہیں۔ (اللهم زد فزد)

اسی جذبہ خیر کی بنا پر اوائل ماہ شوال المکرم ۱۴۲۸ھ میں مولانا زید مجدھم نے بندہ سے مشکوۃ المصابیح کی احادیث کی تشریحات وتوضیحات سے متعلق درس کے دوران بیان شدہ فوائد کے اس مجموعہ کے متعلق دریافت کیا جو کہ ۱۴۱۹ھ میں مولوی عبدالغفور سلمہٗ نے ضبط کیا تھا جس پر بندہ نے عرض کیا کہ اس میں عمیق ودقیق نظر ثانی کے بغیر اشاعت مناسب نہیں۔

اس پر مولانا موصوف زید مجدھم نے یقین دلایا کہ تصحیح کیلئے ایک فاضل عالم کی خدمات مہیا ہیں جس پر بندہ نے موجود شدہ فوائد کا مجموعہ حضرت مولانا کے سپرد کردیا چنانچہ مولانا زید مجدھم نے اپنی نگرانی میں خاص توجہ سے نظر ثانی اور تصحیح کا کام کرایا اور مواقع قلیلہ میں بعض فوائد کا اضافہ بھی کیا اور سہولت استفادہ کیلئے متون احادیث کو اعراب اور ترجمہ سے بھی مزین کردیا۔

فجزاه الله تعالیٰ خير الجزاء في الدارين

امید ہے کہ یہ مجموعہ طلبہ حدیث کیلئے مفید ثابت ہوگا۔ بارگاہ خداوندی میں التجاء ودعا ہے کہ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ محض اپنے لطف وکرم سے اس مجموعہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور بندہ ضعیف اور مولانا موصوف زید مجدھم کیلئے صدقہ جاریہ اور ذخیرہ آخرت بنائے **آمین یارب العالمین رحم الله عبداقال امینا.**

کتبہ العبد الضعیف شبیر الحق کشمیری عفا اللہ عنہ

مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۴-۶-۱۴۲۹ھ

اجمالی فہرست

فہرست عنوانات

خیر المفاتیح جلد اول

کتاب العلم

☆....☆....☆....☆....☆

مقدمۃ الکتاب

شروع فی المقصود سے پہلے چند مباحث کا جان لینا ضروری ہے

۱-حدیث کے لغوی واصطلاحی معنیٰ ۲-علم حدیث کی تعریف (موضوع غرض وغایت فائدہ) ۳-حدیث اور خبر کے درمیان نسبت
۴-فضائل علم حدیث ۵-حجیت حدیث ۶-ضرورت حدیث ۷-ازالۂ شبہات منکرین حدیث ۸-تاریخ تدوین حدیث
۹-آداب طالب حدیث ۱۰-کتاب المصابیح اور مشکوٰۃ کا تعارف ۱-سبب تالیف ۲-وجہ تسمیہ ۳-عدد احادیث مشکوٰۃ ۴-شروح وحواشی مشکوٰۃ ۵-وجوہ فرق بین المشکوٰۃ والمصابیح ۶-حالات صاحب مصابیح ۷-حالات مؤلف مشکوٰۃ

البحث الاول: حدیث کے لغوی واصطلاحی معنیٰ

حدیث کے لغوی معنیٰ جدید اور خبر کے ہیں۔

جمہور محدثین کی اصطلاحی تعریف۔ اصطلاح میں حدیث کا لفظ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل وتقریر پر بولا جاتا ہے۔ الحدیث اقوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم و افعالہ و تقریراتہ' تقریر سے مراد یہ ہے کہ کسی صحابیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود علم ہوجانے کے نکیر نہ فرمائی ہو بلکہ سکوت فرما کر اس کو برقرار رکھا ہو۔ اور بعض محدثین حدیث کے معنیٰ میں توسیع فرماتے ہوئے صحابی اور تابعی کے قول وفعل اور تقریر کو بھی حدیث میں داخل کرتے ہیں۔

حدیث کی تفصیلی تعریف آگے ملاحظہ ہو۔ رتو اس صورت میں حدیث کی تین قسمیں ہوں گی۔

(۱) مرفوع یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل اور تقریر۔

(۲) موقوف یعنی صحابی کا قول وفعل اور تقریر وسمی موقوفا لانہ' وقف علی الصحابۃ و لم یتجاوز بہ الی النبی علیہ السلام

(۳) مقطوع یعنی تابعی کا قول وفعل اور تقریر و سمی مقطوعاً لانہ قطع عن الصحابی ایضاً لیکن مطلق حدیث سے مرفوع ہی مراد ہوتی ہے اور موقوف پر حدیث کا اطلاق کسی قرینے سے ہوتا ہے۔ اصول حدیث کی بقیہ تفصیل جلد ثالث کے شروع میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث کی وجہ تسمیہ اور دونوں معنوں میں مناسبت

اس کی دو وجوہ ہیں۔ (۱) حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح البخاری میں اور علامہ بخاریؒ فتح المغیث میں و نیز علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث بمعنی حادث وجدید ہے چونکہ قرآن کریم قدیم ہے اس لئے اس کے مقابلے میں سنت پر لفظ حدیث بولا گیا ہے لیکن یہ وجہ تسمیہ بہت بعید ہے۔

(۲) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ مقدمہ فتح الملہم (شرح صحیح مسلم ص ۱) میں فرماتے ہیں کہ حدیث بمعنی خبر ہے اور یہ لفظ باری تعالیٰ کے ارشاد و امابنعمۃ ربک فحدث سے ماخوذ ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ والضحیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تین نعمتیں ذکر فرمائی ہیں (۱) الم یجدک یتیما فاویٰ (۲) ووجدک ضالاً فھدی (۳) ووجدک عائلاً فاغنیٰ الآیۃ یعنی ایوا..... ہدایت..... اغناء اس کے بعد لف ونشر غیر مرتب کے طور پر ادائے شکر نعمت کے لئے تین احکام دیئے ہیں۔ نعمت ایواء کے مقابلے میں فاما الیتیم فلا تقھر اور تیسری نعمت اغناء کے مقابلے میں و اما السائل فلا تنھر اور دوسری نعمت ہدایت کے مقابلے میں و اما بنعمۃ ربک فحدث۔ جس کا

مطلب یہ ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے آپ کو علوم نبوت کی ہدایت عطا کی ہے اس لئے آپ اس نعمت کو بیان کیجئے تو حدیث نبوی ہدایت ربانیہ کا تذکرہ بیان اور اخبار ہے اور تحدث کے معنیٰ اخبار و تذکرہ ہی کے آتے ہیں۔

البحث الثانی علم حدیث کی تعریف

هو علم يشتمل على نقل ما اضيف الى النبى صلى الله عليه وسلم قولاً و فعلاً و تقريراً او صفةً او حالاً و على ضبطه و تحرير لفظه پھر صفات نبویہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) جسمانیہ مثلاً زمان و مکان ولادت حلیہ مبارک قد و قامت شکل و صورت کیفیت قعود و قیام و اکل و شرب (۲) روحانیہ مثلاً سخاوت شجاعت و رحمت و شفقت و صبر و غیر ذلک۔

سوال یہ تعریف آثار صحابہ کو شامل نہیں۔ لہٰذا ناقص و غیر جامع ہے۔

جواب۔ آثار صحابہ احوال رسول میں بالتبع داخل ہیں کیونکہ ان آثار کی قدر و قیمت صحابی رسول ہونے کی وجہ سے ہی ہے۔

علم حدیث کا موضوع

اقوال النبى صلى الله عليه و آله وسلم و افعاله وتقريراته' يا ذات الرسول صلى الله عليه و آله وسلم من حيث انه نبى و رسول لا من حيث انه بشر و جسم

اس لئے اصل مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد کی تیئیس سالہ زندگی ہے اور بچپن کی زندگی کے احوال اس میں بالتبع داخل ہیں۔

علم حدیث کی غرض و غایت

هو الفوز بسعادة الدارين بعد العمل على مرضياته و الكف عن غير مرضياته.

(فائدہ) علم حدیث

هى معرفة الاحكام الشرعية ودلائلها و تفسير القرآن الحكيم والعصمة عن الخطاء فى نقل الروايات.

البحث الثالث حدیث اور خبر کے درمیان نسبت

یہاں چار لفظ ہیں۔ حدیث سنت' خبر اور اثر' ان میں سے اول کے دو لفظ اور آخری دو لفظ باہم مترادف ہیں۔ باقی حدیث اور خبر کے درمیان نسبت کے متعلق علماء کے تین اقوال ہیں۔ اول جمہور محدثین کے نزدیک عموم و خصوص مطلق ہے یعنی حدیث خاص اور خبر عام ہے کیونکہ اس قول کی رو سے حدیث کا اطلاق صرف مرفوع پر ہوتا ہے اور خبر کا اطلاق مرفوع موقوف مقطوع تینوں پر بلکہ ہر تاریخی خبر اور عام واقعہ و خبر پر بھی ہوتا ہے۔ **فكل حديث خبر و ليس كل خبر بحديث**۔ دوم بعض محدثین کے نزدیک حدیث اور خبر مترادف اور مساوی ہیں۔ یعنی دونوں کا اطلاق مرفوع موقوف مقطوع تینوں پر ہوتا ہے علامہ نووی (شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۳ پر) فرماتے ہیں کہ جمہور خلف و سلف کے نزدیک حدیث و اثر میں کوئی فرق نہیں بلکہ دونوں ہی کا اطلاق احادیث مرفوعہ موقوفہ مقطوعہ سب پر ہوتا ہے۔ علامہ لکھنوی نے بھی (ظفر الامانی ص ۵۴) میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

سوم بعض علماء کے نزدیک تباین ہے کہ حدیث کا اطلاق صرف مرفوع پر اور خبر کا اطلاق صرف موقوف اور مقطوع پر ہوتا ہے۔

و هذا مسلك فقهاء خراسان

البحث الرابع: علم حدیث کے فضائل

علم حدیث کے اہم فضائل پانچ ہیں۔ (۱) قرآن کے بعد علم حدیث تمام علوم سے من کل الوجوہ یعنی موضوع غایت ثمرہ تاثیر معلومات

ان سب ہی وجوہ سے اشرف وافضل ہے حتیٰ کہ جمہور محدثین ومتکلمین کے نزدیک علم تفسیر سے بھی افضل ہے کیونکہ علم تفسیر کا موضوع کلام لفظی ہے جو حروف وصوت سے مرکب ہونے کی بنا پر حادث ہے اور علم حدیث کا موضوع ذات رسالت ہے جو بالاتفاق جمیع العلماء تمام حوادث و مخلوقات حتیٰ کہ عرش وکرسی اور بیت اللہ سے بھی افضل ہے اور شرافت علم شرافت موضوع ہی سے ہوتی ہے۔

۲- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے پڑھنے اور پڑھانے والوں اور اس کی تبلیغ کرنے والوں کے لئے بہت سی دعائیں فرمائی ہیں۔ جو سعادت عظمیٰ ہے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **نضر الله عبداً سمع مقالتی فحفظها ووعاها واداها فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقيه الیٰ من هوا فقه منه (رواه الشافعي والبيهقي فی المدخل مشکوٰۃ ص۳۵)**

۳- حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے **قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اللهم ارحم خلفائی قلنا و من خلفاؤک يا رسول الله قال الذين يحفظون احاديثي و يبلغونها الى الناس رواه فی مسند البزار** اس سے یہ معلوم ہوا کہ حدیث کی نشر واشاعت اور تبلیغ وتعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کی بعثت کا مقصد تبلیغ اسلام ہے اور تعلیم حدیث بھی تبلیغ اسلام ہی کا ایک اہم شعبہ ہے۔

۴- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے **قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان اولى الناس بی يوم القيامة اكثرهم علیٰ صلوٰة رواه الترمذی و ابن حبان مشکوٰۃ ص ۸۶** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس قدر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجے گا اسی قدر اس کو قیامت کے روز آپ کا قرب زیادہ حاصل ہوگا اور کثرت درود کی توفیق جتنی حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کو میسر آتی ہے اتنی دوسروں کو نہیں آتی کیونکہ وہ ہر حدیث کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔

۵- امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے **لولا السنة لما فهم القرآن احدمنا** امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ **جميع ماتقوله الائمة شرح للسنة و جميع ماتقوله السنة شرح للقرآن** داؤد ابن علی ظاہری کہتے ہیں **من لم يعرف حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يميزبين صحيحه و سقيمه فليس بعالم**۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک کا قول ہے کہ **الاسناد من الدين ولولاالاسناد لقال من شاء ماشاء**۔

البحث الخامس: حدیث کی حجیت

قرآن کی بہت سی آیات صراحۃً اس بات پر دال ہیں کہ حدیث نبوی شرعاً حجت ہے اور اس کی اتباع بھی ضروری ہے یہاں بطور نمونہ دس آیات پیش کی جاتی ہیں۔

۱- قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونی يحببكم الله و يغفرلكم ذنوبكم. (پ۳ سورہ آل عمران رکوع)

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ [illegible] کریم کا مطلق اتباع محبوبیت الٰہی اور مغفرت ذنوب کا واحد ذریعہ ہے۔

۲- قل اطيعوا الله والرسول فان تولوا فان الله لايحب الكفرين (پ۳ سورۃ آل عمران ع۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اطاعت الٰہی کی طرح اطاعت نبوی بھی واجب ہے اور اس سے روگردانی کفر ہے۔

۳- يا يها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولی الامر منكم فان تنازعتم فی شیٔ فردوه الى الله والرسول ان كنتم تومنون بالله واليوم الآخر. (پ ۵ سورة النساء ع ۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اطاعت الٰہی کی طرح اطاعت نبوی بھی ایک مستقل چیز ہے کیونکہ اللہ اور رسول کے لئے الگ الگ اطیعوا کا صیغہ لایا گیا ہے۔ بخلاف اولی الامر کے کہ ان کی اطاعت مستقل چیز نہیں بلکہ وہ خدا اور رسول کی اطاعت کے تابع ہے کیونکہ اولی الامر کے لئے مستقل صیغہ نہیں لایا گیا۔ اس سے منکرین حدیث کا یہ قول غلط ثابت ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں آپ کی سیرت کا اتباع امیر ہونے کی وجہ سے واجب تھا۔ دوسری بات **فردوه الى الله والرسول** سے معلوم ہوئی کہ اختلاف کی صورت میں

خدا اور رسول کی طرف مراجعت واجب ہے اور ظاہر ہے کہ رد الی اللہ سے مراد قرآن کی طرف رجوع ہے تو رد الی الرسول سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حدیث کی طرف مراجعت کے بغیر اور کیا ہوسکتا ہے جبکہ یہ حکم تا قیامت باقی ہے۔

۴- فلا وربک لایومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیماً (پ۵ سورۃ النساء ع۹)

اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اپنے اختلافات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیصلہ لینا اور پھر دل و جان سے اس کو تسلیم کرنا ایمان کی شرط اولین ہے۔

۵- من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (پ۵ سورۃ النساء ع۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول خدا کی اطاعت بعینہٖ خدا کی اطاعت ہے۔

۶- وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم (پ۱۴ سورۃ النحل ع۶)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے مطالب کی تشریح حضور علیہ السلام کا فرض منصبی ہے۔ لہٰذا احادیث نبوی متن قرآن کی تفسیر اور شرح ٹھہری اور اس کے خلاف قرآن کی تشریح کرنا باطل ہو گیا۔

۷- لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر و ذکر اللہ کثیراً (پ۲ سورۃ احزاب ع۳)

اس سے واضح ہوا کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی کا نقشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے مطابق بنائیں لیکن اس کا احساس وہ شخص کرسکتا ہے جس کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کا فکر باقی ہو اور وہ خدا کی یاد سے غافل نہ ہو۔

۸- وماکان لمومن و مومنۃ اذاقضی اللہ و سولہ امراان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ رسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً (پ۲۲ سورۃ الاحزاب ع۵)

اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے بعد ایماندار کے لئے بجز اس فیصلے کے قبول کر لینے کے اور کوئی راستہ نہیں اس کا اپنا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس فیصلے سے انکار کھلی گمراہی ہے۔

۹- وماآتکم الرسول فخذوہ ومانھٰکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب (پ۲۸ سورۃ الحشر ع)

اس عام عنوان سے یہ پتہ چلا کہ رسول خدا اپنے قول یا فعل یا تقریر سے جو چیز امت کو دیں اس پر عمل کرنا اور جس چیز سے روک دیں اس سے باز رہنا واجب ہے اور خلاف ورزی کرنے والے کے لئے شدت عذاب کی وعید ہے۔

۱۰- لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتٰب والحکمۃ (پ۴ سورۂ آل عمران ع۱۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم بھی دیتے تھے اور حکمت کا مصداق آپ کی سنت ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ اپنی کتاب الرسالت ص۲۴ میں فرماتے ہیں **وسمعت من ارضیٰ من اھل العلم بالقرآن یقول الحکمۃ سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم** اور حافظ ابن کثیرؒ تفسیر ابن کثیر (ص۱۸۴ ج۱) پر **ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ** کی تفسیر میں فرماتے ہیں **یعنی السنۃ قالہ و الحسن وقتادۃ و مقاتل بن حیان و ابومالک وغیرھم و قیل الفھم فی الدین ولامنافات**

مطلب یہ ہے کہ حکمت نبویہ کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔بعض مفسرین نے اس کی تفسیر سنت نبویہ سے کی ہے اور بعض نے فہم دین سے۔ لیکن ان دونوں اقوال کا مآل اور مقصود ایک ہی ہے کیونکہ درحقیقت حکمت نام ہے دانائی اور عقل وفہم کے اس کامل ترین فرد کا جس سے صحیح وغلط اور حق و باطل میں آسانی سے تمیز ہو جائے پھر جس طرح اس نورانی عقل اور باطنی فہم پر حکمت کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح اس کے آثار ونتائج پر بھی کبھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔چنانچہ قرآن کریم میں حضرت لقمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا **ولقد آتینا لقمٰن الحکمة** (پ۲۱ ع۱۱)۔ اس کے بعد حکمت لقمان کی تشریح ان اشیاء سے فرمائی شکر الٰہی۔ممانعت شرک، خدمت والدین، اتباع الصلحاء، نماز اور صبر کی تاکید، فخر وغرور کی مذمت، میانہ روی آہستہ گفتار، تو بعض مفسرین نے حکمت کے پہلے معنیٰ کی طرف توجہ کی یعنی فہم دین نور نبوت اور معرفت الٰہیہ اور بعض نے ثانوی معنیٰ کو بیان کیا ہے یعنی سنت وحدیث بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کے ساتھ جس حکمت کی تعلیم دیتے تھے اس کا مصداق آپ کی سنت ہے اور قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہے **وانزل الله علیک الکتب والحکمة** (پ۵ سورۃ النساء ع۱۷) میں اس آیت سے واضح ہوا کہ کتاب الٰہی کی طرح حکمت وسنت بھی منزل من اللہ ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ کتاب کے الفاظ ومعانی دونوں منزل من اللہ ہیں اور حکمت اور سنت کے صرف معانی منزل من اللہ ہیں اور الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔پس جب سنت رسول بھی منزل من اللہ ہے تو نہ صرف اس کا اتباع لازم ہے بلکہ اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن کا مطالبہ ہے **وآمنوا بما انزلت** (پ۱ ع۵)

البحث السادس حدیث کی ضرورت کے بیان میں

اس کے بنیادی دلائل تین ہیں **دلیل-۱: اعتدالی**۔یعنی انسان میں فطرۃ تین قوتیں عاقلہ، شہویہ، غضبیہ موجود ہیں۔قوت عاقلہ قدرت نے اس کو اس لئے عطا کی کہ اس کے ذریعے منافع اور مضار کی معرفت حاصل ہو۔اور شہویہ اس لئے کہ اس کے ذریعے اپنے فوائد اکل وشرب لباس ومکان وغیرہ کے لئے جدوجہد کرے۔اور غضبیہ اس لئے کہ اگر دوسری طاقت اس کے ساتھ ان فوائد کے حصول میں مزاحمت کرے تو اس کے ذریعے مدافعت اور مقابلہ کرے۔پھر ان تینوں قویٰ میں سے ہر ایک کے تین درجات ہیں۔مُفْرِطَة، مفرِّطَة، متوسطہ۔پس قوت عاقلہ کے لئے جُرْبُزَہْ (مکاری حیلہ تجاوز) مفرطہ ہے۔مثلاً ذات باری تعالیٰ کی مکانیت وماہیت اور حقیقت صفات سے بحث کرنا۔اور بلادت وغباوت مفرّطہ ہے یہ دونوں درجات ناقص ہیں۔اور حکمت درجہ متوسط ہے جو محمود ہے وعلیٰ ہذا۔شہویہ کے لئے وقاحت وفجور (بے شرمی وبدکاری) مفرطہ ہے اور خناثت وخمول (بجھنا) مفرطہ ہے۔اور عفت معتدلہ ہے اسی طرح غضبیہ کے لئے تہور (تخریب وہدم) مفرطہ اور جبن مفرّطہ اور شجاعت متوسطہ ہے پھر حکمت عفت وشجاعت ان تینوں اوصاف متوسطہ کے مجموعے کا نام عدالت ہے جو خلق حسن کے لئے اصل الاصول ہے پھر ہمارے لئے ہر وقت کے تین درجات میں تمیز کرنا نہایت دشوار ہے لہٰذا ایک ایسے معلم کا ہونا ضروری ہے جو محمود ومذموم میں خط فاصل کھینچ دے یہ معلم بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں ہوسکتا لیکن ظاہر ہے کہ خود ذات باری کا براہ راست ہم پر افاضہ کرنا ممکن نہیں لہٰذا ایک ایسے برگزیدہ شخص کی ضرورت ہوئی جو ذات حق سے حصول فیوض کے قابل ہو اور وہ نبی مرسل ہے پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی تعلیم وتبلیغ کا نام حدیث ہے جو حق وباطل کمال ونقص محمود ومذموم میں ممیّز وفارق ہے۔

دلیل-۲: عنصری یعنی جسم انسانی عناصر اربعہ آگ ہوا پانی اور مٹی سے مرکب ہے چنانچہ تصادم عضوین کے وقت صدور حرارت آثار آگ میں سے ہے۔اور بدن کا تورم ہوا کا اور پسینہ پانی کا اثر ہے وعلیٰ ہذا جسم کے کھجلانے اور رگڑنے سے اجزائے ارضیہ کا مشاہدہ ہوتا ہے اور پھر ان چاروں میں سے ہر عنصر سے بطور ثمرہ ونتیجہ چند خصائل رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔مثلاً عنصر آتش سے ترفع اور اشتعال اور عنصر ہوا سے شہوت وریا اور عنصر آب سے تذبذب اور تلون مزاجی اور عنصر مٹی سے بخل وحرص کیونکہ زمین ہر ناجنس کو اپنی جنس بنا دیتی ہے تو ان خصائل مذمومہ کا علاج اور ازالہ ضروری ہوا۔اس بناء پر ازالہ تعلّی کیلئے نماز اور ازالہ شہرت وجاہ کے لئے حج اور حصول استقلال وپختگی کے لئے روزہ اور ازالہ بخل وطمع کے لئے زکوٰۃ مقرر کی گئی۔لیکن پھر ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں ان عبادات اربعہ کے صرف قواعد واصول بیان کئے گئے ہیں اور ان اصول کی پوری جزئیات وفروعات سے وہ خاموش ہے مثلاً ہر نماز کی تعداد رکعات نماز کے شرائط وفرائض وواجبات، نماز کی پوری کیفیت زکوٰۃ کا نصاب وزکوٰۃ

کی مقدار وغیر ذلک اس لئے حدیث نبوی کی ضرورت ہے جس میں ان اصول کی پوری تفاصیل وتشریحات مذکور ہیں تو قرآن متن اور حدیث اس کی شرح ہے اسی حقیقت کی طرف قرآن نے اشارہ کیا کہ **وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم** (پ۱۴ع۱۲)۔

دلیل-۳: مراجعت صحابہ کرامؓ یعنی صحابہ کرامؓ قرآن مجید کے لغوی مفہوم سے بخوبی واقف تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے قرآن فہمی اور دیگر مسائل زندگی میں بارہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کیا۔ یہاں اس کی صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی مثال: جب یہ آیت نازل ہوئی کہ **الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون** (پ ۷ ع ۱۵) تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین گھبرائے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور کہا یارسول اللہ **اینالم یظلم نفسہ** یعنی ہم میں سے کون ایسا ہے کہ جس نے اپنی زندگی میں کوئی گناہ اور ظلم نہ کیا ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے **ان الشرک لظلم عظیم** (پ۲۱ع۱۱)۔

دوسری مثال: جب یہ آیت نازل ہوئی **وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود** (پ۲ ع ۷) تو حضرت عدی ابن حاتمؓ نے دو دھاگے سفید اور سیاہ لے لئے اور ان کے امتیاز کو آیت کا مصداق ٹھہرایا۔ تو آنحضرتؐ نے اس کی تشریح فرمائی کہ خیط ابیض اور خیط اسود سے مراد صبح صادق کا نور اور رات کی ظلمت ہے نہ کہ دھاگے اور پھر اس کی توضیح کے لئے **من الفجر** کا لفظ بھی اترا۔ حافظ ابن قیمؒ نے (اعلام الموقعین ص ۲۳۰ تا ص ۳۴۱ ج ۴ میں تقریباً ۱۱۰ صفحات میں) دین کے باب میں صحابہ کرامؓ کے سینکڑوں سوالات اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات نقل کئے ہیں۔ جب صحابہ کرامؓ قرآن مجید کے لفظی ترجمے سے بخوبی واقف ہوتے ہوئے حدیث کے محتاج تھے تو امت بطریق اولیٰ حدیث کی محتاج ہے۔ سچ فرمایا امام اعظمؒ ابوحنیفہ نے کہ **لو لا السنة لما فھم القرآن احدمنا**'

البحث السابع منکرین حدیث کے شبہات اور ان کے جوابات

اس زمانے میں ایک گمراہ فرقہ اہل قرآن کے نام سے پیدا ہوا ہے جس نے حجیت حدیث کا انکار کیا ہے۔ اس فرقے کا بانی مبانی عبداللہ چکڑالوی ہے جو پہلے حنفی تھا پھر غیر مقلد بن گیا۔ اس کے بعد حدیث کی کتب میں سے صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو مانتا تھا باقی احادیث کا منکر ہو گیا لیکن پھر اس نے ان دو کتب کی صحت کا بھی انکار کر دیا اور ان کتب حدیث کی توہین کی وجہ سے مرتد ہو گیا۔ اس زمانے میں جس قدر منکرین حدیث موجود ہیں وہ سب اسی کی معنوی اولاد ہیں۔ اس زمانے میں دو بڑے منکرین حدیث ہیں۔ (۱) اسلم جیراج پوری جو ہندوستان میں مقیم ہے۔ (۲) غلام احمد پرویز جو پاکستان کی پیداوار ہے۔ ان منکرین حدیث کے چند شبہات مع جوابات یہ ہیں۔

پہلا شبہ: قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کا کام صرف قرآن پہنچانا ہے۔ باقی رہی تشریح وتفسیر تو وہ امت اور مرکز ملت کے سپرد ہے جیسا کہ ارشاد ہے **ماعلی الرسول الاالبلغ** (پ۷ع۳)۔

جواب: دراصل امت دو قسم پر ہے **امت دعوت** یعنی کفار اور **امت اجابت** یعنی اہل اسلام تو کفار کے مقابلے میں آپ کی حیثیت صرف پیغام رسانی کی ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا مضمون کی آیات کے سیاق وسباق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں ایک طرف تو کفار کو دھمکی دی جارہی ہے کہ ہمارے رسول کا کام صرف تبلیغ احکام کا تھا جو کر چکے اور منوانا ان کے ذمے نہیں۔ لہٰذا اگر تم نہیں مانو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے نہ کہ پیغمبر کا اور دوسری طرف ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ کا فریضہ محض تبلیغ تھا جو آپ نے ادا کر دیا۔ اب آپ سرخرو ہو گئے اور اس کا سوال آپ سے نہ ہوگا کہ کفار نے کیوں نہ مانا۔ باقی امت اجابت یعنی اہل اسلام کے لئے آپ مبلغ ہونے کے ساتھ مربی بھی ہیں اور معلم کتاب بھی مفسر قرآن بھی ہیں اور شارع بھی۔ مطاع مطلق بھی ہیں اور خصومات میں قاضی بھی۔ اسوہ حسنہ بھی ہیں اور نور ہدایت بھی۔ داعی الی اللہ بھی ہیں اور سراج منیر بھی۔ چنانچہ قرآن پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سب مختلف شانیں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً ارشاد خداوندی ہے کہ

ویزکیھم و یعلمھم الکتٰب والحکمة (پ۴) **لتبین للناس مانزل الیھم** (پ۱۴)

اور یحل لھم الطیبت و یحرم علیھم الخبٰئث(پ۹) اور من یطع الرسول فقد اطاع اللہ(پ۵)
اور حتی یحکموک فیما شجر بینھم (پ۵)اور لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ(پ۲۱)
قدجاء کم من اللہ نور (پ۶)و داعیا الی اللہ باذ نہ و سراجاً منیراً (پ۲۲)۔

دوسرا شبہ :۔ اگر حدیث نبوی شرعی حجت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی طرح حدیث کے لکھوانے کا بھی اہتمام فرماتے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو حدیث کی کتابت سے منع فرمادیا تھا چنانچہ صحیح مسلم (ص۴۱۴ ج۲) میں ابی سعید خدریؓ کی روایت کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے لاتکتبوا عنی و من کتب غیر القرآن فلیمحہ۔

جواب یہ شبہ تین وجوہ سے باطل ہے :۔ پہلی وجہ :اس لئے کہ شرعاً کسی منقول چیز کے حجت اور سند بننے کے لئے اس کا لکھا ہوا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کا محفوظ ہونا ضروری ہے خواہ وہ حفاظت زبانی ہو یا تحریری ہو بشرطیکہ اس کا ناقل ثقہ اور قابل اعتماد ہو۔ چنانچہ قرآن کریم نے کفار سے شرک کے بارے میں دلیل کا مطالبہ ان الفاظ میں کیا ہے ایتونی بکتٰب من قبل ھٰذا او اثرۃ من علم ان کنتم صٰدقین (پ ۲۶) یعنی تم میرے پاس لاؤ کوئی تحریری کتاب جو اس سے پہلے کی ہو یا اور کوئی زبانی نقل لاؤ جو علمی ہو اگر تم سچے ہو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح کتاب حجت ہے اسی طرح زبانی نقل بھی حجت ہے جبکہ وہ مستند طریقہ سے ثابت ہو۔ اس معیار و اصول کے مطابق احادیث نبویہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زیادہ تر زبانی اور ضبط صدر کے طور پر محفوظ کی گئی تھیں لہٰذا وہ حجت ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے و اذکرن مایتلی فی بیوتکن من ایٰت اللہ و الحکمۃ (پ۲۲) جب امہات المومنین کو حکمت وحدیث کے یاد کرنے کا حکم تھا تو دوسرے صحابہ کرامؓ کو بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں انما کنا نحفظ الحدیث صحیح المسلم (ص۱۰ ج۱) سنن ابن ماجہ (ص۴) اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے احادیث سنتے رہتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجلس سے اٹھ جاتے تو ہم آپس میں ان احادیث کا ورد کرتے تھے مجمع الزوائد (ص۱۶)

دوسری وجہ :اس لئے کہ شبہ میں جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے عدم حجیت حدیث پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کے آخر میں یہ لفظ بھی ہیں کہ وحدثوا عنی ولا حرج اگر حدیث حجت نہ ہوتی تو آپ اس کی روایت کرنے سے بھی منع فرمادیتے۔ حاصل یہ کہ اس حدیث سے صرف کتابت حدیث کی ممانعت معلوم ہوتی ہے نہ کہ حجیت حدیث کی ممانعت۔

تیسری وجہ :اس لئے کہ کتابت حدیث کی ممانعت صرف ابتدائی زمانے میں تھی۔ بعد میں یہ ممانعت منسوخ ہوگئی کیونکہ زندگی کے آخری ایام میں آپ نے خود حدیث لکھوائی تھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں صدقات کے لئے جانوروں کی زکوٰۃ کے مسائل ''کتاب الصدقہ'' کے نام سے لکھوائے تھے۔ لیکن پھر اس کے بھیجنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوگیا بعد میں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے اس پر عملدرآمد فرمایا سنن ابی داؤد (ص۱۵۶ ج۱) جامع الترمذی (ص۷۹ ج۱) اب رہی یہ بات کہ ابتدائے اسلام میں کتابت حدیث سے کیوں منع کیا گیا تھا تو اس کی ایک خاص وجہ تھی وہ یہ کہ قرآن مجید کے نہ صرف معانی بلکہ الفاظ بھی وحی اور منزل من اللہ تھے ان کا محفوظ رکھنا بھی مطلوب تھا۔ کیونکہ الفاظ قرآنیہ کے ساتھ بھی بہت سے احکام شرعیہ متعلق تھے۔ مثلاً نماز میں فریضہ قرأۃ ادا کرنا اور ان کی تلاوت پر اجر وثواب کا حصول وغیرہ ذٰلک بخلاف حدیث کے کہ اس کے صرف مضامین کا محفوظ رکھنا ضروری تھا نہ کہ الفاظ کا بھی۔ اس لئے ابتدائے اسلام میں صرف الفاظ قرآنیہ کی کتابت پر پوری توجہ مرکوز کردی گئی اور ان کے ساتھ حدیث کی کتابت سے ممانعت فرمادی گئی تاکہ حدیث کا قرآن کے ساتھ اختلاط نہ ہو جائے۔ بعد میں جب قرآن کی لفظی حفاظت کا اطمینان ہوگیا تو اس وقت آپ نے تحریر حدیث کی نہ صرف اجازت مرحمت فرمائی بلکہ حسب ضرورت آپ نے اس کا حکم بھی فرمایا۔ اس کے متعلق چند مستند ثبوت یہ ہیں۔

عہد رسالت میں کتابت حدیث کے چند شواہد

۱-حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں سوائے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے اور کسی کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں نہیں تھیں اور حضرت عبداللہؓ کے پاس زیادہ احادیث اس وجہ سے تھیں کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔ (صحیح البخاری ص۲۲ ج۱)

۲-حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کی سب باتیں لکھ لیتا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے مجھے منع کیا اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں بہت سی باتیں آپ غصے میں بھی فرما جاتے ہوں گے۔ اس پر میں نے حدیث لکھنی چھوڑ دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا **اکتب فوالذی نفسی بیدہ لایخرج منہ الاحق**۔ (سنن ابی داؤد ۵۱۳ و ۵۱۴ کتاب العلم)

۳-حضرت رافع بن خدیجؓ کا بیان ہے **قلنا یا رسول اللہ انا نسمع منک اشیاء افنکتبھا قال اکتبوا ذٰلک ولاحرج مجمع الزوائد** (ص۵۱)

۴-حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ایک اہم خطبہ دیا۔ ابو شاہ یمنی نے اس کے لکھوانے کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ **اکتبوا الابی فلاں** صحیح البخاری (ص۲۲ ج۱)

۵-حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں دیت قصاص زکوٰۃ حرم مدینہ اور دیگر مسائل کی بہت سی احادیث درج تھیں۔ (صحیح البخاری صحیح المسلم، مسند احمد) الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث عہد نبوی اور عہد صحابہ میں زبانی یاد بھی کی جاتی تھیں اور لکھی بھی جاتی تھیں ہر طرح انہیں محفوظ کیا گیا ہے لہذا وہ بلا شبہ حجت ہیں۔

تیسرا شبہ: ۔قرآن پاک میں ہر چیز کا بیان ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

ونزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شئی۔ (پ۱۴) لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

جواب قرآن میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ وضاحت قرآن میں کہیں بھی نہیں کہ نمازوں کی کل تعداد کتنی ہے۔ ہر نماز کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے۔ ہر نماز کی تعداد رکعت کتنی ہے نماز کی پوری کیفیت کیا ہے۔ نماز کے شرائط فرائض واجبات کیا ہیں۔ اسی طرح زکوٰۃ کا حال ہے کہ زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے۔ کن اموال میں ہے اور کن میں نہیں۔ ماہوار ہے یا سالانہ مال کی ہر جنس میں اس کی مقدار کیا ہے۔ زکوٰۃ کے شرائط ومصارف کیا ہیں ان سب امور کی تشریح سے قرآن مجید خاموش ہے اور ان امور کی تفصیل حدیث وفقہ میں ملتی ہے وعلیٰ ھذا روزے اور حج اور دیگر احکام کا بھی یہی حال ہے۔ اس لئے **تبیاناً لکل شئی** کا مطلب یہ ہے کہ فلاح دارین کے تمام اصول وقواعد وکلیات قرآن میں بیان کردئے گئے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ تمام فروعات وجزئیات بھی قرآن میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ کیونکہ یہ تو خلاف واقعہ ہے اور ظاہر ہے کہ اصول تشریح کے محتاج ہوتے ہیں اور وہ تشریح خود قرآن کریم کے بیان کے مطابق جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہے جیسا کہ خود قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے **وماانزلنا علیک الکتٰب الالتبین لھم الذی اختلفوا فیہ** (پ۱۴) تو خود قرآن مجید نے حدیث کی حجیت اور ضرورت بیان کردی لہٰذا یہ بھی **تبیانا لکل شئی** کے مصداق میں داخل ہے اس سے خارج نہیں۔

چوتھا شبہ: ۔اکثر حدیثیں خبر واحد ہیں اور خبر واحد ظنی ہوتی ہے اور شریعت میں ظن کا اعتبار نہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے **وان الظن لایغنی من الحق شیا** (پ۲)۔

جواب: ظن کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کی بنیاد کسی صحیح دلیل وعلم پر نہ ہو یعنی ظن بمعنیٰ تخمینہ اور اٹکل اس کا اتباع تو جائز نہیں۔ قرآن پاک میں جہاں بھی اتباع ظن کی مذمت کی گئی ہے اس سے مراد یہی ہے چنانچہ شبہ میں پیش کردہ آیت کا ماقبل یہ ہے **ومالھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن** ظاہر ہے کہ اس میں ظن علم کے مقابلے میں ہے معلوم ہوا کہ یہاں ظن سے مراد وہ گمان ہے جس کی بنیاد علم پر نہیں بلکہ جہل پر

ہو۔دوسری قسم ظن کی وہ ہے جس کی بنیاد کسی صحیح دلیل وعلم پر ہو جس کو جانب راجح اور ظن غالب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔شرعی ظنی مسائل میں ایسا ظن قابل استناد اور لائق حجت ہے چنانچہ قرآن کریم نے حضرت عائشہؓ کے واقعہ افک کے موقعہ پر ایسے ظن کا حکم دیا ہے**لولا اذسمعتموہ ظن المؤمنون والمومنٰت بانفسھم خیراً**۔(پ۱۸)تو خبر واحد سے حاصل شدہ ظن بھی اسی نوع کا ہوتا ہے لہٰذا خبر واحد بھی معتبر اور حجت ہے۔

خبر واحد کی حجیت کے دلائل

۱-شرعاً قانوناً عرفاً ہر لحاظ سے خبر واحد کو سند مانا گیا ہے چنانچہ حد زنا کے علاوہ تمام حدود وقصاص اور مالیات وغیرہ کے بارے میں قرآن نے دو عادل گواہوں کی شہادت معتبر قرار دی ہے مثلاً دَین کے بارے میں فرمایا**واستشھد واشھیدین من رجالکم** (پ۳)اور دنیا کی تمام عدالتوں میں دو معتبر گواہوں کی گواہی پر دیوانی اور فوجداری ہر قسم کے مقدمات میں فیصلے دیئے جاتے ہیں اور دنیا کا ننانوے فی صد کاروبار خبر واحد پر چل رہا ہے۔اگر خبر واحد حجت نہ ہو تو ایک منٹ میں دنیا کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے۔

۲-حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے ممالک کے سلاطین کے نام جو دعوت نامے بھیجے تھے وہ خبر واحد ہی کی شکل میں تھے۔

۳-قرآن کریم میں ہے**یایھاالذین آمنوا ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا**(پ۲۶)اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک فاسق خبر دے تو باوجود فسق کے وہ خبر قابل رد نہیں بلکہ تحقیق کرنی چاہئے اگر خبر واحد حجت نہ ہوتی تو رد کرنے کا حکم ہوتا اور نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر ایک ثقہ اور عادل آدمی کوئی خبر دے تو اس کو بلا دریغ قبول کر لینا چاہئے۔

۴-حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خبر واحد پر عمل کرتے ہوئے مہاجرت فرمائی تھی چنانچہ قرآن میں ہے**وجاء رجل من اقصا المدینۃ یسعیٰ** (پ۲۰)الغرض خبر واحد بشرطیکہ اس کا ناقل ثقہ ہو بالاتفاق معتبر ہے اور قرآن وعقل کی رو سے حجت ہے البتہ عقائد کے بارے میں حجت نہیں کیونکہ ان کی بنیاد قطعیت اور یقین پر ہوتی ہے لہٰذا ان کے سلسلے میں قطعی دلائل ہی معتبر ہیں لیکن عملی زندگی میں ہر انسان مکلّف ہی اس بات کا ہے کہ ظن غالب پر عمل کرے کیونکہ یقینی علم کا حصول ہر جگہ اور ہر مسئلے میں اس کے لئے ممکن نہیں۔

پانچواں شبہ: اکثر حدیثیں روایت بالمعنیٰ ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بعینہ محفوظ نہیں تو ممکن ہے کہ معانی تبدیل ہو گئے ہوں لہٰذا احادیث کی صحت کا یقین نہیں ہو سکتا۔

جواب یہ ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ اکثر احادیث روایت بالمعنیٰ ہیں کیونکہ حدیث نام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل وتقریر کا۔ظاہر ہے کہ فعل وتقریر میں روایت باللفظ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہاں سرے سے الفاظ نبویہ ہی نہیں۔باقی رہ گئیں احادیث قولیہ تو ان میں سے اذان اقامت تشہد اذکار وادعیہ کی احادیث نیز احادیث قدسیہ احادیث اخلاق احادیث جوامع الکلم یہ تمام روایت باللفظ ہیں۔علیٰ ہذا احکام کلیہ کی اکثر احادیث بھی روایت باللفظ ہیں۔

روایت بالمعنیٰ کا حصہ بہت قلیل ہے۔بہر حال اکثر احادیث بالفاظہا مروی ہیں پھر یہ عجیب منطق ہے کہ قلیل کی وجہ سے کثیر کو بھی ترک کر دیا جائے کیونکہ یہ بات تمام عقلا اور حکما کے قاعدہ مسلمہ **للاکثر حکم الکل** کے خلاف ہے پھر جو قلیل حصہ بالمعنیٰ مروی ہے اس کے راوی بھی صحابہ کرامؓ ہیں جو عربی میں مہارت کے علاوہ نبوت کے مزاج شناس اور احادیث کے ماحول سے پورے واقف تھے اور مترادف الفاظ کی خصوصیات کو خوب جانتے تھے ظاہر ہے کہ اس صورت میں روایت بالمعنیٰ میں کوئی خدشہ باقی نہیں رہ جاتا البتہ ایسے شخص کی روایت بالمعنیٰ محدثین کے نزدیک مقبول ومعتبر نہیں جو اس کی ان شرائط سے آگاہ نہ ہو۔

چھٹا شبہ:۔ اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول وفعل شرعی حجت ہوتا تو قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض افعال پر تنبیہ نہ کی جاتی حالانکہ پانچ افعال پر تنبیہ کی گئی ہے اور وہ یہ ہیں۔

۱-غزوۂ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں فرمایا کہ **ماکان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتی یثخن فی الارض**(پ۱۰ع۵)

۲-غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض منافقین کے اجازت طلب کرنے پران کواجازت مرحمت فرمادی حق تعالیٰ نے اس پرتنبیہ فرمائی **عفا الله عنک لم اذنت لهم** (پ۱۰ع۱۳)

۳-آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ ابن ابی ابن سلول منافق کی نماز جنازہ پڑھائی اس پر آیت نازل ہوئی **ولاتصل علیٰ احدمنهم مات ابدا** (پ۱۰ع۱۷)۔

۴-آپ نے بعض ازواج کی دل جوئی کے لئے شہد کواپنے اوپرحرام قراردیا تو یہ آیت نازل ہوئی **یا یهاالنبی لم تحرم ما احل الله لک تبتغی مرضات ازواجک** (پ۲۸ع۹)

۵-ایک موقعہ پرآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رؤسائے مکہ کوتبلیغ فرمارہے تھے اس دوران میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ نابینا صحابی تشریف لائے اورکوئی مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف التفات نہ فرمایااس پرحق تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہ نازل ہوئی۔**عبس وتولیٰ ان جاء ہ الاعمی** (پ۳۰ع۵)۔

جواب: قرآن پاک سے پوری صراحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اورخصوصاً امام الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ومحفوظ ہیں اور ہرقسم کے گناہوں سے پاک ہیں البتہ بعض اوقات پیغمبرانہ اجتہاد میں خلاف اولیٰ کے ارتکاب کی معمولی سی لغزش ہوجاتی ہے توحق تعالیٰ تنبیہ فرمادیتے ہیں اوراس کی بھی اصلاح کردیتے ہیں۔

عصمت انبیاء کے متعلق چند دلائل

۱-نبوت اوررسالت انتخاب الٰہی ہوتا ہے کہ جوہستی حق تعالیٰ کے علم محیط وقدیم میں علم وعمل دونوں کے اعتبار سے کامل اوراس عہدے کے لائق ہوتی ہے اسی کواس عہدے پرفائزفرماتے ہیں کمال علم یہ ہے کہ نبی کے علم اورمعلومات میں کوئی غلطی نہیں ہوتی اورکمال عمل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاعمل ہرقسم کے گناہ سے پاک اورمحفوظ ہوتا ہے اب اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم یاعمل میں کوئی غلطی پیدا ہو جائے تواس سے اللہ تعالیٰ کے انتخاب اوران کے علم محیط میں نقص لازم آتا ہے جوکہ عقلاً محال ہے لہٰذا عقلی طورپرثابت ہوا کہ نبی کے علم وعمل دونوں کاصحیح ہوناضروری ہے۔اسی حقیقت کی طرف قرآن نے اشارہ کیا **الله اعلم حیث یجعل رسلته** (پ۸)

۲-سورۂ حج ع۱۰میں فرمایا کہ **الله یصطفی من الملئکة رسلاً و من الناس** (پ۱۷)اورسورۂ انعام ع۱۰میں اٹھارہ انبیاء کاذکرکرنے کے بعد فرماتے ہیں **واجتبینٰهم و هدینٰهم الی صراط مستقیم** (پ۷)اصطفاء کے معنی ہیں چن کرپسند کرنااوراجتباء کے معنیٰ ہیں پسند کرناتوناممکن ہے کہ حق تعالیٰ جس ہستی کوچن کرپسند کرلیں اس میں کسی قسم کانقص اورعیب پیدا ہو۔ورنہ انتخاب باری اورعلم باری غلط ٹھہرے گا۔(والعیاذباللہ)

۳-امام الانبیاء علیہ السلام کے متعلق ارشاد خداوندی ہے **انک لعلیٰ هدی مستقیم** (پ۱۷) دوسری جگہ فرمایا **انک لمن المرسلین علیٰ صراط مستقیم** تیسری جگہ فرمایا **والنجم اذهویٰ ماضل صاحبکم و ماغوی** (پ۲۷)

مطلب یہ ہے کہ جس طرح ستارہ طلوع سے غروب تک ایک خاص رفتار کے ساتھ اپنے مقررشدہ راستہ پرٹھیک چلتا رہتا ہے ایک منٹ اورایک انچ بھی ادھرادھرنہیں ہوتا ٹھیک اسی طرح آفتاب رسالت بھی حق تعالیٰ شانہ کے مقررکردہ راستہ پرچلتا رہتا ہے اس سے سرموانحراف نہیں کرتا۔اس آیت میں ضلالت سے علمی غلطی اورغوایت سے عملی غلطی مراد ہے۔توآپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرقسم کی غلطی سے محفوظ اور پاک ہیں۔حاصل یہ کہ قرآن وعقل دونوں کی روسے انبیاء علیہم السلام کامعصوم اوربے گناہ ہوناضروری ہے۔

اب رہ گئے وہ پانچ واقعات جوشبہ میں پیش کئے گئے ہیں توان کاجواب یہ ہے کہ یہ پیغمبرکی معصیت کی دلیل نہیں بلکہ الٹاعصمت کی دلیل ہیں کیونکہ پورے قرآن پاک میں تلاش کرنے سے صرف یہی پانچ آیات ایسی ملتی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض افعال پر تنبیہ کی گئی ہے۔اس سے ایک بات تویہ نکلتی ہے کہ حق تعالیٰ کی دائمی سنت یہ ہے کہ اگرخدا کاپیغمبراپنے اجتہاد میں کہیں معمولی سی لغزش بھی کھاجاتا

ہے تو حق تعالیٰ خاموش نہیں رہتے بلکہ فوراً وحی جلی کے ذریعے اس کی اصلاح فرما دیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ تیئیس سالہ نبوی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ہزاروں افعال واقوال سرزد ہوئے ان پانچ امور کے سوا باقی سب اللہ کی نگاہ میں صحیح اور پسندیدہ تھے کیونکہ اگر ان میں سے کوئی اور فعل بھی خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتا تو ضرور اس پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید میں تنبیہ کی جاتی۔

دوسری بات ان پانچ امور میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ گناہ تو چہ جاء و کجا خلاف اولیٰ کا بھی پیغمبر سے صادر ہونا حق تعالیٰ کو گوارا نہیں۔ کیونکہ جن امور پر تنبیہ کی گئی ہے غور سے دیکھا جائے تو ان میں گناہ کی کوئی بات نہیں' زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ کہہ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء ہر عمل میں احسن واولیٰ پہلو کو اختیار کرتے ہیں ان پانچ امور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے جس پہلو کو احسن سمجھا' اللہ کی نگاہ میں وہ غیر احسن اور خلاف اولیٰ تھا۔ نہ یہ کہ گناہ تھا اس لئے تنبیہ کی گئی مثلاً سورۂ عبس میں جس واقعہ پر تنبیہ کی گئی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نابینا صحابی کی طرف توجہ نہ فرمانا اس خیال سے تھا کہ ان کا مسئلہ اتنا اہم نہیں تھا جتنا توحید کا مسئلہ اہم ہے کیونکہ وہ صحابی مشرف باسلام تھے وہ کوئی جزئی اور فرعی مسئلہ پوچھتے ہونگے جبکہ ایمان اور توحید کا مسئلہ اصل الاصول ہے ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اجتہاد اس حیثیت سے سراپا حکمت اور صواب تھا لیکن علام الغیوب کے علم محیط میں دوسرا پہلو اہم تھا کیونکہ متیقن شی کو موہوم شے پر ترجیح ہوا کرتی ہے تو صحابیؓ کے جواب دینے کا فائدہ متیقن تھا لیکن روسائے مکہ کو تبلیغ کا فائدہ متیقن نہ تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابیؓ کی طرف التفات فرمانا چاہئے تھا۔ بہر کیف یہاں دو پہلو تھے اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک تھے۔ پیغمبرانہ اجتہاد میں ایک پہلو بہترین تھا اسے اختیار فرمایا گیا لیکن حق تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ جو پہلو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوڑ دیا ہے وہ اس سے بہتر تھا۔ غور کیجئے کہ اس میں کون سا گناہ تھا جس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارتکاب کیا یہ تو محض خلاف اولیٰ کے ارتکاب اور ترک اولیٰ پر تنبیہ تھی نہ یہ کہ کوئی گناہ تھا (العیاذ باللہ) دوسرے واقعات کو بھی اسی پر قیاس کر لیں مثلاً جنگ کے قیدیوں کو معاف کر دینا اور ان سے فدیہ لے کر اسلامی دفاع کو مضبوط کرنا کون سا گناہ ہے یا کسی شخص کی معذرت خواہی پر اس کو معذور سمجھنا جبکہ علم غیب بھی نہ ہو اس میں کیا جرم ہے۔ علیٰ ہذا ابن سلول کے بیٹے حضرت عبداللہ جو مخلص صحابی تھے ان کی دل جوئی کے لئے اور نیز ابن سلول کے خاندان میں سے ایک جماعت کے متوقع اسلام کی خاطر منافق کی نماز جنازہ پڑھانا کیسے گناہ ہوسکتا ہے اسی طرح اپنی زوجہ کی دل جوئی کے لئے کسی مباح چیز کو ترک کر دینا کیونکر جرم ہے۔ غرضیکہ یہ تمام معاملات ایک پہلو سے صحیح تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پہلو کو بہترین سمجھ کر اختیار فرمایا لیکن علام الغیوب نے تنبیہ فرمائی کہ ان معاملات کا دوسرا پہلو بہترین تھا اور یہ خلاف اولیٰ ہے۔

ساتواں شبہ احادیث میں تعارض ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ **اذا تعارضا تساقطا**۔

جواب تمام احادیث میں تعارض نہیں ہے مثلاً احادیث فضائل ومناقب' احادیث اخلاق' احادیث واحوال حشر ونشر' احادیث جنت و نار۔ احادیث رقاق' احادیث معجزات' احادیث صفات باری تعالیٰ وغیر ذٰلک۔ ان میں کوئی تعارض نہیں باقی احکام ومسائل کی بعض احادیث میں محض ظاہری تعارض پایا جاتا ہے جو عدم فہم مراد کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن اگر ہر حدیث کے مصداق میں غور وخوض کیا جائے تو ان میں بھی توفیق وتطبیق یا ترجیح وتنسیخ کی صورتیں ممکن ہیں تو مختلف احادیث کو اولاً مختلف حالات پر محمول کر کے تطبیق دینی چاہئے یا رواۃ کی ثقاہت و عدالت کے تفاوت سے بعض کو بعض پر ترجیح دینی چاہئے یا تاریخ کے معلوم ہونے کی صورت میں مقدم کو منسوخ اور موخر کو ناسخ کہنا چاہئے اگر یہ تمام راستے مسدود ہو جائیں تو تب تساقط کا راستہ اختیار کرنا چاہئے آخر خود قرآن پاک کی بعض آیات میں بھی ظاہری تعارض پایا جاتا ہے اس میں بھی مذکورہ بالا اصول اختیار کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ مطلق تعارض حجیت کے لئے مانع نہیں۔

البحث الثامن تاریخ تدوین حدیث

جاننا چاہئے کہ ضبط حدیث دو قسم پر ہے۔ (۱) ضبط صدر (۲) ضبط کتاب۔ پہلے زمانے میں ضبط صدر زیادہ معروف اور مروج تھا کہ سینے

میں یاد رکھتے تھے کیونکہ اس وقت حافظے بہت قوی تھے۔ پھر ضبط کتابت کی دوقسمیں ہیں (۱) مطلق کتابت (۲) کتابت بصورت تصنیف۔ مطلق کتابت حدیث قرون اولیٰ میں مختلف فیہ تھی ابتداء بعض حضرات فرماتے تھے کہ کتابت حدیث مکروہ ہے تا کہ الفاظ حدیث کا الفاظ قرآنیہ کے ساتھ التباس اور اختلاط نہ ہو جائے لیکن پھر اخیر زمانے میں سب حضرات اس امر پر متفق ہو گئے کہ کتابت حدیث بلاشبہ جائز بلکہ مستحسن ہے اور اب اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ کتابت حدیث بصورت تصنیف کے پانچ طبقات ہیں۔

طبقہ اولیٰ طبقہ تابعین

اول صدی ہجری کے آخر میں خلیفہ برحق حضرت عمر بن عبدالعزیز المتوفی ۱۰۱ھ نے امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری المتوفی ۱۲۴ھ اور قاضی مدینہ امام ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اندلسی المتوفی ۱۲۰ھ کو حکم دیا کہ وہ اپنی اپنی یادداشت کے مطابق ایک ایک کتاب حدیث میں تصنیف کریں چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے امام ابوبکر بن محمد کو یہ خط لکھا کہ **انظر ماکان من حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم فاکتبه فانی خفت دروس العلم و ذهاب العلماء مفتاح السنه مطبوعه مصر** (ص ۲۱) مشہور قول کے مطابق امام ابن شہاب زہری نے اولین کتاب ضبط فرمائی تو آپ اول المدونین ہوئے اور پھر امام ابوبکر بن محمد نے تصنیف فرمائی۔

طبقہ ثانیہ طبقہ تبع تابعین

اس طبقہ میں مختلف علماء نے کتب احادیث بترتیب ابواب لکھی ہیں۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں امام مالکؒ نے موطا مالک لکھا اور مکہ مکرمہ میں ابن جریجؒ نے اور واسط میں ھشیم نے اور یمن میں معمر بن راشد نے اور خراسان میں عبداللہ ابن مبارکؒ نے اور کوفہ میں سفیان ثوریؒ نے اور شام میں عبدالرحمٰن اوزاعیؒ نے اور بصرہ میں ربیع بن صبیح نے اور رے میں جریر بن عبدالحمیدؒ نے ایک ایک کتاب تصنیف فرمائی یہ زمانہ تقریباً ۱۵۰ھ (ڈیڑھ صدی) کا تھا۔

طبقہ ثالثہ طبقہ مسانید

مسند وہ کتاب ہے جس میں صحابہ کرامؓ کی ترتیب رتبی یا ترتیب حروف ہجایا ترتیب تقدم و تاخر اسلامی کے لحاظ سے احادیث مذکور ہوں مثلاً مسند دارمی وغیرہ اس طبقہ میں امام احمد بن حنبلؒ نے مسند احمد اور عثمان بن ابی شیبہؒ نے مصنف ابن ابی شیبہ اور اسحاق بن راھویہ نے مسند اسحاق لکھی یہ زمانہ دوسری صدی کا آخر اور تیسری صدی کا اول تھا۔ ان تینوں طبقات میں کتب احادیث مخلوط تھیں یعنی حدیث مرفوع اور موقوف وغیرہ میں نیز حدیث صحیح اور حسن وضعیف میں کوئی خاص امتیاز نہ تھا۔

طبقہ رابعہ طبقہ صحاح ستہ

اس طبقہ میں مصنفین صحاح ستہ نے صحیح سند کے ساتھ صرف مرفوع احادیث لکھیں اور صحاح ستہ کو مرتب فرمایا پھر صحاح ستہ میں بھی سب سے اول امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری نے صحیح بخاری مرتب فرمائی اس کے بعد ان کی اتباع میں باقی صحاح بھی لکھی گئیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے الفیۃ الحدیث میں ان چاروں طبقات کو منظوم کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اول جامع الحدیث والاثر	ابن شهاب آمر لهٗ عمر
اول الجامع للابواب	جماعة فی العصر ذواقتراب
کابن جریج و هشیم مالک	و معمر وولدا لمبارک
و اول الجامع باقتصار	علی الصحیح فقط البخاری

طبقہ خامسہ طبقہ متاخرین

اس طبقہ میں متاخرین محدثین نے اپنی سندوں سے خود روایت نہیں کی بلکہ جو متقدمین نے اپنی سندوں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اسی کو

بحذف الاسانید صحابی کے نام سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ذکر کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا عن ابی هريرة چنانچہ علامہ محی السنہ ابومحمد حسین بن مسعود فراء بغوی نے کتاب المصابیح اور صاحب مشکوٰۃ ولی الدین ابوعبداللہ خطیب تبریزیؒ نے مشکوٰۃ المصابیح مرتب فرمائی۔

البحث التاسع طالب حدیث کیلئے ضروری آداب

بنیادی آداب یہ ہیں۔ ۱- تصحیح نیت واخلاص یعنی علم حدیث میں محنت صرف اس لئے کرے کہ حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے اور احکام اسلامیہ کا علم ہو جائے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے من تعلم علماً مما يبتغى به وجه الله لايتعلمه الا ليصيب به عرضاً من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة (اى ريحها) رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ مشکوٰۃ (ص ۳۴، ۳۵ ج ۱)

۲- اخلاق حمیدہ کا اہتمام حضرت ابو عاصم نبیل فرماتے ہیں کہ من طلب هذا الحديث طلب اعلىٰ امور الدين فيجب و ان يكون هو خير الناس ۳- پوری محنت سے کام لے اور اس موقع کو غنیمت سمجھے محدث یحییٰ بن ابی کثیر فرماتے ہیں لايستطاع العلم براحة الجسم امام شافعیؒ فرماتے ہیں لايفلح من طلب هذا العلم بالتملل (رنجیدگی ناگواری سستی) وغنى النفس (لاپرواہی بے نیازی) ولكن من طلبه بذلة النفس و ضيق العيش وخدمة العلم افلح، اور مشہور شعر ہے۔

من طلب العلىٰ سهر الليالى بقدر الكدتكتسب المعالى

اور شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

پے علم چوں شمع باید گداخت کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

غرضیکہ اپنی تمام قوتیں تحصیل حدیث میں صرف کردے مثلاً قوت دماغ قوت فکر قوت عمل، صحت عافیت فراغت۔

۴- کلمات تعظیم یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی تعظیمی لفظ کہے مثلاً عزوجل یا عزاسمہ یا جل مجدہ یا سبحانہ وتعالیٰ وغیرہا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر صلوٰۃ بھیجے اور صحابہؓ کے نام پر رضی اللہ عنہم اور آئمہ کے نام پر رحمہم اللہ کہے۔

۵- عبادات اخلاق، آداب کی جو حدیث پڑھے اس پر عمل کرے کیونکہ اس سے حدیث محفوظ بھی ہو جاتی ہے اور ثواب بھی ملتا ہے حضرت وکیعؒ فرماتے ہیں۔ اذاردت ان تحفظ الحديث فاعمل به اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ماكتبت حديثا الا وقد عملت به حتى مربى ان النبى صلى الله عليه وسلم احتجم واعطىٰ اباطيبة الحجام دينا راً فاحتجمت واعطيت الحجام ديناراً لیکن طالب علم کو نوافل کی اتنی کثرت نہ کرنی چاہئے کہ پڑھنے میں اور تکرار ومطالعے میں حرج ہو۔

۶- اپنے شیخ اور استاذ کی تعظیم کرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے تواضعوا لمن تعلمون منه اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انا عبدمن علمنى حرفا ان شاء باع و ان شاء اعتق اور استاذ کی تعظیم کا معیار یہ ہے کہ پس پشت بھی کوئی ایسا قول وفعل نہ ہونے دے جو استاذ تک پہنچنے کی صورت میں اس کے لئے باعث اذیت ہو اور یہ بھی ادب ہے کہ علمیت میں استاذ کی ترجیح کا اعتقاد رکھے ورنہ علم سے انتفاع نہ ہوگا۔

۷- عدم بخل یعنی دوسرے طالب علم کو علمی فائدہ پہنچانے میں بخل نہ کرے حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ من بخل بالعلم ابتلى بثلاث اما ان يموت فيذهب علمه، و ينسىٰ اويتبع السلطان۔ البتہ نااہل سے کتمان علم ضروری ہے اور نااہل وہ شخص ہے جو علم کو سمجھ نہ سکے یا علم کی تحصیل دنیوی غرض کے لئے کرے یا ریا کار ہو یا بے ادب ہو۔

۸- عدم حیاء یعنی تحصیل علم میں اور سوال کرنے میں حیا اور تکبر سے قطعاً پرہیز رکھے اور عمر وغیرہ میں اپنے سے چھوٹے سے استفادہ کرنے میں عار نہ کرے۔ امام بخاریؒ حضرت مجاہد سے نقل فرماتے ہیں۔ لاينال العلم مستحى ولا متكبر۔

۹- خواندہ تعلیم کا ساتھیوں سے خوب تکرار کرے۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں وليذاكر بمحفوظه وليباحث اهل المعرفة فان

المذاکرۃ تعین علی دوامہ اور حضرت ابن عباسؓ کا فرمان ہے مذاکرۃ العلم ساعۃً خیر من احیاء لیلۃ۔

۱۰- شامی وغیرہ میں ہے کہ حدیث اور فقہ کی کتابوں اور دوسری دینی کتب کو بغیر طہارۃ کے ہاتھ نہ لگائے کیونکہ یہ مکروہ ہے (یہ پوری تقریر مقدمہ اوجز المسالک سے ماخوذ اور ملخص ہے)۔

البحث العاشر کتاب المصابیح اور مشکوٰۃ کا تعارف

اسکے مؤلف ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبیداللہ الخطیب تبریزی (المتوفی ۷۴۳ھ) ہیں آپ نے اپنے استاذ شیخ علامہ طیبی کے حکم پر کتاب المصابیح میں اضافات وتغیرات کر کے اور پندرہ سد گیارہ (۱۵۱۱) احادیث کا اضافہ فرما کر مشکوٰۃ مرتب فرمائی۔ آپ نے مشکوٰۃ کی احادیث کو تین فصلوں پر تقسیم کیا ہے۔ **فصل اول** میں مصابیح کی صحاح یعنی بخاری ومسلم کی احادیث نقل فرمائی ہیں اور **فصل ثانی** میں اسکی حسن یعنی (ابوداؤد وترمذی وغیرہ) کی احادیث ذکر کی ہیں اور **فصل ثالث** میں وہ احادیث ہیں جو انہوں نے ضعیف کی ہیں۔ آپ مشکوٰۃ کی تالیف سے ۷۳۷ھ میں فارغ ہوئے اور پھر فراغت سے چھ سال بعد ۷۴۳ھ میں وفات پائی۔ اسکی مزید تفصیل اس اصل کتاب ''صاحب مشکوٰۃ کا تعارف'' پر ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ سبب تصنیف مشکوٰۃ

مصابیح میں حدیث کا ماخذ اور راوی مذکور نہیں تھا۔ اس طرز پر بعض اہل علم کو کلام تھا کیونکہ حوالہ کتاب نہ ہونے کی وجہ سے تلاش ماخذ میں بہت دقت ہوتی ہے اور ذکر سند کے بغیر صحت حدیث پر پورا اعتماد بھی نہیں ہوتا اس لئے علامہ طیبی اور مولف نے اس کا احساس کر کے باہم مشورہ کیا اور بالآخر مصابیح کی تکمیل کا کام مولف کے سپرد ہوا۔ چنانچہ آپ نے راوی اور ماخذ کے ساتھ ساتھ فصل ثالث کا بھی اضافہ فرمایا اور بہت تتبع اور تلاش کے بعد کئی سال میں نہایت محنت کے ساتھ مشکوٰۃ المصابیح مرتب فرمائی اور جن احادیث کا حوالہ نہ مل سکا وہاں بیاض چھوڑ دیا۔ اس کے بعد محشین اور شارحین نے اس کو پورا کیا لیکن بعض جگہ اب بھی بیاض باقی ہے۔

سوال: صاحب مصابیح پر علماء کا اعتراض بسبب ترک ذکر اسناد کے تھا وہ بات تو اب بھی باقی رہی کیونکہ صاحب مشکوٰۃ نے فقط صحابی اور کتاب کا نام ذکر کیا ہے اور تمام سند ذکر نہیں کی۔

جواب: جب کتاب کا نام ذکر کر دیا تو گویا پوری سند حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کر دی کیونکہ خود اس صاحب کتاب نے پوری سند ذکر کی ہے۔

۲۔ وجہ تسمیہ مشکوٰۃ المصابیح

مشکوٰۃ کے لغوی معنیٰ دیوار کے اندر کا وہ طاقچہ جس میں چراغ رکھا ہو۔ تو مصنف کا مطلب یہ ہے کہ محی السنۃ کی کتاب المصابیح مثل چراغ کے ہے اور میری کتاب معمولی درجے کی مثل طاقچے کے ہے جو چراغ سے کم درجہ رکھتا ہے تو اس میں مصنف نے نہایت درجے کا ادب اختیار کیا ہے یا مصابیح سے مراد احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ تو احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظروف ہیں اور میری کتاب ظرف کے درجے میں ہے۔ جو مظروف سے کم مرتبہ رکھتی ہے۔ اس کی مزید تفصیل اصل کتاب کے شروع میں ''تسمیۃ الکتاب'' بیسویں بات میں ملاحظہ ہو۔

۳۔ عدد احادیث مشکوٰۃ

اس کی مفصل بحث آگے صفحہ پر آرہی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ شروح وحواشی مشکوٰۃ

۱- الکاشف عن حقائق السنن جو شرح طیبی کے نام سے معروف ہے۔ مصنفہ علامہ حسین بن عبداللہ بن محمد طیبی شافعی (استاذ صاحب مشکوٰۃ) یہ سب سے پہلی شرح ہے۔ ۲- علامہ میر سید شریف جرجانی کا حاشیہ مشکوٰۃ۔

۳-المیسر'' مصنفہ علامہ شیخ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی۔

۴- مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح پانچ ضخیم جلدوں میں مصنفہ علامہ نورالدین ملاعلی بن سلطان محمد صاری حنفی یہ سب سے اہم اور قابل اعتماد ومطول شرح ہے۔ ۵-اللمعات باللغۃ العربیۃ

۶-اشعۃ اللمعات باللغۃ الفارسیۃ یہ دونوں محدث الہند شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیفات ہیں۔ پہلے لمعات لکھی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ اس کو آسان زبان میں لکھو تو اس پر بزبان فارسی اشعۃ اللمعات لکھی۔ شیخ عبدالحقؒ نے عربی شرح کے شروع میں اصول حدیث کے متعلق ایک مقدمہ لکھا جو بہت مختصر مگر جامع اور پرمغز ہے یہ مقدمہ مشکوٰۃ کے شروع میں مطبوع ہے۔

۷-مظاہر حق بزبان اردو مصنفہ علامہ نواب قطب الدین خان صاحب شاہجہان آبادی تلمیذ شاہ محمد اسحاقؒ سب سے پہلے خود شاہ صاحبؒ نے شروع فرمائی تھی پھر آپ کے ایماء پر نواب صاحبؒ نے مکمل کی۔

۸-التعلیق الصبیح مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ۔ ۹-المرآت مصنفہ حضرت مولانا محمد عبداللہؒ۔

۱۰-منہاج المشکوٰۃ مصنفہ شیخ عبدالعزیز ابہریؒ۔

۱۱-التعلیق الفصیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح مصنفہ قاضی ابوعبیداللہ شمس الدین بن شیخ شیرمحمد۔

۱۲-مراۃ التناقیح لمشکوٰۃ المصابیح مصنفہ قاضی ابوالفضل عبیداللہ علوی حنفی۔

۱۳-اشرف التوضیح تقریر اردو مشکوٰۃ المصابیح مصنفہ شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ۔

۱۴-نفحات التنقیح فی شرح المشکوٰۃ المصابیح مصنفہ شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ۔

۱۵-التقریر البدیع علی مشکوٰۃ المصابیح مصنفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یٰسین صابر مدظلہ العالی۔

۱۶-تحفۃ المرأۃ فی دروس المشکوٰۃ مصنفہ حضرت قاری محمد طاہر رحیمی مہاجر مدنی رحمہ اللہ۔ ۱۷-خیر المفاتیح اردو شرح مشکوٰۃ المصابیح مصنفہ شیخ الحدیث مولانا شبیر الحق کشمیری مدظلہ ودیگر اکابرین.........اوران کے علاوہ بہت سے حواشی وشروح ہیں۔

۵۔مشکوٰۃ المصابیح اورمصابیح کے درمیان

وجوہ فرق ص ۳۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۶۔حالات صاحب المصابیح

آپ ۴۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور شوال ۵۱۶ھ میں بمقام شہر مرو بعمر ۸۰ سال انتقال ہوا۔ اور اپنے استاذ فقیہ خراسان قاضی حسین مروزی کے پاس دفن کئے گئے۔ آپ کی کنیت ابومحمد اور لقب محی السنہ اور اسم گرامی حسین بن مسعودؒ ہے۔ پورا نام ونسب یہ ہے محی السنہ ابومحمد حسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی رحمہ اللہ۔

محی السنہ:۔ان کا لقب محی السنۃ اس لئے ہے کہ انہوں نے مصابیح سے پہلے ایک کتاب شرح السنہ لکھی جب اس سے فارغ ہوئے تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں فرمایا احیاک اللہ کما احییت سنتی۔ اس وجہ سے آپ کا لقب محی السنہ ہوا۔ یہ آپ کے والد ماجد کی صفت ہے اور آپ کے والد ماجد کو فراء اس لئے کہتے ہیں کہ وہ فرو یعنی پوستین بناتے تھے یا بیچتے تھے۔ باقی یحییٰ بن زیاد فراء نحوی دوسرے عالم ہیں۔ البغوی یہ بغ یا بغشور کی طرف نسبت ہے جو خراسان کی حدود میں ہرات اور مرو کے درمیان ایک شہر تھا۔ مرکب امتزاجی میں بسا اوقات نسبت پہلے جز کی طرف ہوتی ہے مثلاً معدیکرب سے معدی اور بعلبک سے بعلی اس لئے شور کو حذف کر کے بغ کی طرف نسبت کی تو بغوی ہوگیا اور بغوی میں واؤ کا اضافہ اس لئے ہوا کہ یہ بغی بمعنی زانیہ کے ساتھ ملتبس نہ ہو یا واؤ کی زیادتی خلاف قیاس ہے مرقاۃ (ص ۱۱ ج ۱)۔

محی السنہ کے خاص حالات: ۔ آپ کو خصوصاً تین فنون میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ (۱) تفسیر (۲) حدیث (۳) فقہ۔ شافعیؒ مذہب رکھتے تھے۔ تمام عمر تصنیف اور حدیث تفسیر وفقہ کے درس میں مشغول رہے۔ ہمیشہ باوضو درس دیتے تھے فقہ میں قاضی حسین بن محمد مروزی کے اور حدیث میں ابوالحسن داؤدی کے شاگرد ہیں۔ یعقوب بن احمد صیرفی اور علی بن یوسف جوینی اور دیگر محدثین سے بے شمار فوائد حاصل کئے۔ قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ نہایت سادہ غذا استعمال کرتے تھے۔ حتیٰ کہ بلا سالن صرف روٹی پر گزارہ فرماتے تھے۔ بڑھاپے میں لوگوں کے کہنے پر روٹی کیساتھ زیتون کا تیل استعمال فرمانے لگ گئے تھے۔ (مرقاۃ ص ۱۰ الطبقات الشافعیہ ص ۲۱۴ ج ۴ اشعۃ اللمعات ص ۲۹)

تصنیفات: ۔ تفسیر میں معالم التنزیل اور حدیث میں شرح السنہ، مصابیح اور فقہ میں کتاب التہذیب لکھی۔

۷۔ احوال مولف المشکوٰۃ

آپ کا لقب ولی الدین اور نام محمد اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔ آپ کے والد ماجد کا مشہور نام تو عبداللہ ہے مگر خود مؤلف نے اپنے رسالے الاکمال فی اسماء الرجال کے آخر میں اپنے والد کا نام عبیداللہ ذکر کیا ہے پورا نام ونسب یہ ہے ولی الدین ابوعبداللہ محمد بن عبیداللہ العمری الخطیب التبریزی الشافعی العمری۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف نسبت ہے اور اگر حضرت عمر بن الخطابؓ کی طرف نسبت کی جائے تو فاروقی کہا جاتا ہے۔ الخطیب التبریزی آپ تبریز شہر میں خطیب تھے۔ اس لئے آپ کو خطیب تبریزی کہتے ہیں۔ آپ آٹھویں صدی کے ممتاز اور جید علماء میں سے تھے نہایت عابد وزاہد اور اپنے وقت کے بے نظیر عالم تھے۔ آپ نے اپنے استاد وشیخ علامہ طیبی کے حکم پر مصابیح میں اضافات و تغیرات کر کے اور پندرہ سو گیارہ (۱۵۱۱) احادیث کا اضافہ فرما کر مشکوٰۃ المصابیح مرتب فرمائی۔ استاد کی خدمت میں پیش کی تو وہ بے حد خوش ہوئے آپ مشکوٰۃ کی تالیف سے ۷۳۷ھ میں رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع کو عید کا چاند نظر آنے سے کچھ دیر قبل فارغ ہوئے اور پھر فراغت سے چھ سال بعد ۷۴۳ھ میں وفات پائی۔ پھر جن صحابہ تابعین محدثین کا ذکر مشکوٰۃ میں آیا ان کے احوال میں ایک رسالہ الاکمال فی اسماء الرجال لکھا جو مشکوٰۃ کے آخر میں ملحق ہے۔ آپ اس رسالے کی تصنیف سے بروز جمعہ ۲۰ رجب ۷۴۰ھ میں فارغ ہوئے۔

پہلی بات: یہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح علم حدیث میں ہے اور علم حدیث کی تعریف موضوع غرض و غایت' حجیت حدیث کے دلائل اور منکرین حدیث کے اشکالات اور ان کے جوابات مقدمہ میں تفصیل سے بیان کردی گئی ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری بات: اس کی وجہ تسمیہ اور وجہ تصنیف اور دیگر اہم متعلقات اور مصنفؒ کے حالات مابعد میں عنقریب آرہے ہیں صاحب مشکوٰۃ خود بیان فرمائیں گے۔

تیسری بات: مصنفؒ نے اپنی کتاب کی ابتداء بسم اللہ اور اس کے بعد الحمد للہ سے کیوں کی؟

چوتھی بات: صاحب مشکوٰۃ نے خطبہ کے اندر اولاً وابتداءً تحمید کو بیان کیا اور اس کے بعد تصلیہ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیان کیا۔لیکن صاحب مشکوٰۃ نے تحمید کو بیان کرتے وقت دو جملے ارشاد فرمائے۔(۱) **الحمد لله** (۲) **نحمده**۔ بظاہر تکرار لازم آتا ہے کیونکہ ایک جملہ سے کام پورا ہوسکتا تھا اور تکرار عبث اور مستدرک ہے؟

اس کا جواب سمجھنے سے پہلے کچھ تمہیدی باتیں سمجھ لی جائیں۔مقدمہ تمہیدی کا حاصل یہ ہے کہ من جملہ اقسام' جملہ کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ جملہ اسمیہ ۲۔ جملہ فعلیہ۔اور پھر جملہ اسمیہ دو قسم پر ہے (۱) جملہ اسمیہ اصلیہ (۲) جملہ اسمیہ معدولہ عن الفعلیہ۔اسمیہ اصلیہ وہ جملہ ہے (جس کی علامت یہ ہوتی ہے) جس کا مبتدا اسم جامد ہوتا ہے جیسے زید قائم۔اور جملہ اسمیہ معدولہ عن الفعلیہ وہ جملہ ہے (جس کی علامت یہ ہوتی ہے) جس کا مبتدا اسم مصدر ہو جیسے الحمد للہ۔ جملہ اسمیہ اصلیہ کے مدلول میں حدوث اور تجدد پایا جاتا ہے۔(جیسے زید قائم یہ کہ قیام زید کیلئے ثابت ہے) جس طرح جملہ فعلیہ کے مدلول میں تجدد اور حدوث ہوتا ہے اور جملہ اسمیہ معدولہ عن الفعلیہ کے مدلول میں دوام اور استمرار ہوتا ہے۔

اس تمہیدی مقدمہ کے بعد اب تکرار کے اشکال کا **پہلا جواب** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو انسانوں پر نعمتیں ہیں ان میں دو حیثیتیں ہیں۔

(۱) مسلسل اور لگاتار ہونے کی حیثیت مثلاً سانس لینا یہ سانس لگاتار آتا ہے اس اعتبار سے اس میں دوام اور استمرار ہے۔(۲) جزئی ہونے کی حیثیت یعنی ہر ایک مستقل جزئی ہے۔جیسے ہر سانس مستقل جزئی ہے اس اعتبار سے ان میں تجدد اور حدوث ہے۔تو مصنفؒ نے چاہا کہ اللہ کی نعمتوں پر دونوں حیثیتوں سے شکر الٰہی ادا کیا جائے۔لہذا ایک جملہ اسمیہ معدولہ عن الفعلیہ (الحمد للہ) لائے جو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا جملہ فعلیہ (نحمدہ) لائے جو کہ تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرا جواب۔اللہ کی نعمتوں کی دو قسمیں ہیں (۱) جو دائمی ہیں ظاہری طور پر مثلاً حیات سمع بصر وغیرہ۔(۲) جو حادث ہیں بعض اوقات حاصل ہوتی ہیں اور بعض اوقات نہیں ہوتی۔مثلاً صحت شباب وغیرہ۔

تو مصنفؒ نے چاہا کہ اللہ کی دونوں قسم کی نعمتوں پر شکر الٰہی بجالایا جائے تو اس لئے پہلی قسم کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے **الحمد لله** جملہ اسمیہ لائے جو کہ دوام پر دال ہے اور دوسری قسم کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے **نحمده**' جملہ فعلیہ لائے جو کہ تجدد اور حدوث پر دال ہے۔

تیسرا جواب: حمد کی دو قسمیں ہیں۔(۱) حمد خالق لنفسہ (۲) حمد مخلوق لخالقہ۔ حمد خالق لنفسہ **کماقال النبی صلی الله علیه و آله وسلم لااحصی ثناءً علیک انت کمااثنیت علی نفسک** (الحدیث) حمد خالق لنفسہ میں دوام پایا جاتا ہے اور حمد

مخلوق لخالقہ میں تجدد اور حدوث پایا جاتا ہے تو اس لئے پہلی قسم کی حمد کو بیان کرنے کے لئے الحمد للہ جملہ اسمیہ لائے اور دوسری قسم کی حمد کو بیان کرنے کے لئے نحمدہ جملہ فعلیہ لائے۔ **چوتھا جواب**: حمد کی دو قسمیں ہیں (۱) اخبار حمد (۲) انشاء حمد۔ پہلے جملہ سے مقصود اخبار حمد ہے اور دوسرے جملے سے مقصود انشاء حمد ہے۔ یعنی پہلے جملے سے حمد کی خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ثابت ہے اور دوسرے جملے سے سوال مقدر یعنی کیا آپ بھی حمد کرتے ہیں یا نہیں تو اس کا جواب فرمایا ہاں ہاں کیوں نہیں نحمدہ' ہم بھی اس کی تعریف بیان کرتے ہیں۔

پانچویں بات: دوسرا جملہ نحمدہ ہے۔

سوال نحمد مضارع جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اور جمع متکلم کا صیغہ اس وقت لاتے ہیں جب فعل میں تعدد ہو حقیقۃً یا اظہار عظمت شان مقصود ہو اور یہ دونوں باتیں یہاں نہیں ہیں۔ کیونکہ حامد صرف مصنف ہیں تو واقعہ میں تعدد نہیں اور یہ مقام مقام حمد ہے اور حمد میں خشوع و خضوع ہوتا ہے۔ مقام حمد تواضع اور انکساری کا مقتضی ہے۔ لہذا دوسری صورت بھی نہیں ہو سکتی۔

پہلا جواب: یہاں اظہار عظمت شان حمد مقصود ہے اظہار شان حامد مقصود نہیں۔ بلکہ حمد کی شان کی عظمت کو بتلانا ہے۔ یعنی اللہ کی تعریف یہ بہت عظیم الشان امر ہے جس کے لئے ایک مکمل جماعت چاہئے۔ تنہا آدمی سے حمد باری تعالیٰ متعذر ہے۔

دوسرا جواب۔ مصنفؒ اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ اچھے کاموں میں دوسروں کو بھی شریک کر لینا چاہئے۔ ہمدردی اور مواسات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جمع کا صیغہ لائے۔

تیسرا جواب:۔ مصنفؒ نے حمد کو اقرب الی الاجابت کرنے کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا یعنی سب مل کر جب حمد کریں گے تو قبولیت کے زیادہ قریب ہوگی۔ جیسے جماعت کی نماز وغیرہ کہ جب اولیاء کی قبول ہوگی تو دوسروں کی بھی قبول ہو جائے گی۔ کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی جید اور ردی دونوں کو ملا کر فروخت کرے تو مشتری کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ جید رکھ لے اور ردی واپس کر دے بلکہ اگر واپس کرے تو دونوں کو واپس کرے اور اگر رکھے تو دونوں کو رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے تو وہ خود ایسے کیسے کر سکتا ہے کہ بعض کی نماز کو قبول کرے اور بعض کی نماز قبول نہ کرے۔

چوتھا جواب:۔ مصنفؒ کی مراد یہ ہے کہ صرف حمد باللسان ہی نہیں بلکہ میرے ہر عضو سے حمد کا صدور ہو رہا ہے۔ مثلاً بازو ہاتھ آنکھ کان وغیرہ اس لحاظ سے یہ ایک جماعت ہے اس لئے مصنف نے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔

چھٹی بات: تیسرا جملہ نستعینہ' ہے۔

سوال: اس کا ماقبل والے جملے (نحمدہ) کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ پہلے اور دوسرے جملے کا آپس میں تعلق تو یہ ہے کہ وہ دونوں حمد کیلئے ہیں؟

جواب:۔ یہ جملہ ایک وہم کو دور کرنے کے لئے ہے جو ماقبل والے جملے نحمدہ' سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ وہم یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنفؒ کا نظریہ یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے حالانکہ یہ نظریہ معتزلہ وغیرہ کا ہے۔ تو اس وہم کو دور کرنے کے لئے مصنفؒ آگے نستعینہ' لائے کہ ہم اس (حمد کے لئے بھی) اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں کہ ہم کوئی کام بھی اس کی مدد کے بغیر نہیں کر سکتے خصوصاً حمد باری تعالیٰ جو کہ امر عظیم ہے اس کے بارے میں مدد طلب کرتے ہیں۔

ساتویں بات: ونستغفرہ' یہ چوتھا جملہ ہے۔

سوال: ماقبل میں حمد بیان کی ہے اب استغفار کس بناء پر ہے ماقبل کے ساتھ ربط کیا ہے؟

جواب۔ (۱) یہ جملہ بھی ایک وہم کا ازالہ کرنے کے لئے ہے جو کہ پہلی کلام سے ہوتا تھا۔ ماقبل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہم کیسے حمد باری تعالیٰ بیان کر سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو صحیح نہیں ہے حمد کا حق کون ادا کر سکتا ہے۔ جواب (۲) حمد باری تعالیٰ ایک امر عظیم ہے جو کما حقہ ادا نہیں ہو سکتا یقیناً کبھی کوتاہی ہو جاتی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے لا احصی ثناءً علیک الخ ہم کوئی بھی کام کما حقہٗ ادا نہیں کر سکتے باوجودیکہ حمد اس سے اعلیٰ ہے۔ اس لئے ہم اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

آٹھویں بات: سوال بندہ تو اپنے افعال کا خالق نہیں ہے تو حمد استعانت' استغفار کی نسبت مصنفؒ نے اپنی طرف کیوں کی۔
جواب: مصنفؒ کا اپنی طرف نسبت کرنا کسباً ہے کیونکہ بندہ اپنے افعال کا کسب کرتا ہے اس کا سبب ہے۔

ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا

یہ جملہ خامسہ ہے اس کا ماقبل کے ساتھ تعلق یہ ہے کہ یہ مقام حمد ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر شئی کا حصول کے لئے اس کے اسباب کا وجود اور موانع کا ازالہ ضروری ہے (کسی مطلوب کو حاصل کرنے کے لئے امرین کا ہونا ضروری ہے (۱) اسباب کا مہیا ہونا (۲) موانع کا زائل ہونا۔ چونکہ باری تعالیٰ کی حمد بھی ایک طاعت ہے اس کو بجالانے کے لئے بھی دونوں کا ہونا ضروری ہے تو اس لئے پہلے (نستعينه و نستغفره) سے طلب استعانت اور طلب مغفرت یہ اسباب حمد بیان کئے کہ حمد کے لئے استعانت باری اور استغفار ضروری ہے اور نعوذ بالله من شرور الخ سے موانع کا ازالہ چاہتے ہیں اور حمد باری تعالیٰ بلکہ ہر نیک کام کے لئے موانع سب سے بڑے ذنوب ومعاصی ہیں۔ اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی ہے۔ ذنوب ومعاصی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) ذنوب ومعاصی ظاہری (۲) ذنوب ومعاصی باطنی۔ ظاہری جیسے جھوٹ وغیرہ اور باطنی جیسے حسد کینہ بغض وغیرہ۔ اسی وجہ سے مصنفؒ دو الفاظ لائے ہیں شرور انفسنا اور سيئات اعمالنا۔ کہ شرور سے مراد باطنی ذنوب اور معاصی اور سيئات اعمالنا سے مراد ظاہری ذنوب ومعاصی ہیں۔ دونوں قسم کے ذنوب ومعاصی سے بچنے کی درخواست کی گئی ہے۔

من يهده الله فلا مضل له' ومن يضلله فلا هادى له'

یہ جملہ سادسہ اور سابعہ ہیں۔ ان کا ماقبل کے ساتھ تعلق یہ ہے کہ ماقبل میں شرور انفسنا سيئات اعمالنا میں افعال کی نسبت اپنی طرف کی ہے تو وہم پیدا ہوا کہ مصنفؒ کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال اختیاریہ کا خود خالق ہے حالانکہ یہ عقیدہ باطل ہے تو اس وہم کے ازالہ کے لئے فرمایا کہ من يهده الله فلا مضل له 'کہ جسے اللہ ہدایت دینا چاہیں اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اس کا ہادی کوئی نہیں۔ ان کی نسبت اپنی طرف کیوں کی؟

جواب یہ ہے کہ اکتساباً نسبت اپنی طرف کردی ہے۔

یہاں ایک نکتہ یہ ہے کہ من يهده الله میں لفظ اللہ کو اسم ظاہر لائے اور من يضلل میں ضمیر پر اکتفا کیا تو اس نکتہ کا جواب صوفیاء یہ بتاتے ہیں کہ یہ ایسا ادباً کیا ہے کہ اگرچہ افعال حسنات وسیئات سب کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف افعال حسنہ کی نسبت کرنی چاہئے۔ افعال سئیہ کی نہیں کرنی چاہئے۔

سوال: من يضلله میں من موصولہ ہے اور یضللہ الخ جملہ اس کا صلہ ہے تو صلہ میں موصول کی طرف عائد کا ہونا ضروری ہے جو کہ یہاں موجود نہیں؟

جواب: ۔ بعض نسخوں میں ہٗ ضمیر موجود ہے و مَن يضلله "نہ رہا بانس نہ بجی بانسری"

دوسرا جواب: بعض جگہ اس عائد کو محذوف بھی کردیتے ہیں یہاں نہ لاکر اور من يهده الله میں لاکر یہ تنبیہ کردی کہ کبھی لاتے ہیں اور کبھی نہیں لاتے۔

واشهد ان لا اله الا الله الخ... واشهد ان محمداً عبده و رسوله'

سوال: اس میں شہادتین کا بیان ہے۔ شہادت توحید' شہادت رسالت' شہادتین کو خطبہ کے اندر بیان کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی (کیوں ذکر کیا؟)

جواب: علامہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے "لمعات التنقیح" میں بحوالہ ترمذی ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس خطبہ میں شہادتین نہ ہوں وہ بے کار ہاتھوں کی طرح ہے یعنی غیر مفید ہے۔ "خطبة بلاشهادة كاليدالجزما" تو مصنفؒ نے چاہا کہ مشکوٰۃ المصابیح کا خطبہ فائدہ سے خالی نہ ہو بلکہ فائدہ مند ہو۔ تو اس بے برکتی سے بچنے کے لئے صاحب مشکوٰۃ نے خطبہ میں شہادتین کو ذکر کیا۔

سوال: اشهد میں اسلوب سے کیوں ہٹ گئے ماقبل میں حمد کو بیان کرتے وقت صاحب مشکوٰۃ نے جمع کے صیغے استعمال کیلئے اور

شہادتین کو بیان کرتے وقت واحد کا صیغہ استعمال کیا اس اسلوب کے تغیر میں کیا حکمت ہے؟

پہلا جواب: یہ مقام مقام توحید ہے اس میں انفراد ضروری ہے۔ اور شہادۃ علی الرسالۃ کو شہادۃ علی التوحید کے تابع کر دیا گیا ہے۔

دوسرا جواب: یہاں شہادت سے مراد تصدیق قلبی ہے اور ظاہر ہے کہ آدمی اپنی تصدیق قلبی پر تو مطلع ہوسکتا ہے دوسروں کی تصدیق قلبی پر مطلع نہیں ہوسکتا اس لئے واحد کا صیغہ استعمال کیا۔

شهادة تكون للنجاة وسيله و لرفع الدرجات كفيلة

مصنف نے فرمایا ایسی شہادت جو نجاۃ کا وسیلہ ہو اور رفع درجات کا ذریعہ ہو۔

سوال: عبارت کتاب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شہادۃ جس طرح نجات کا وسیلہ ہے اسی طرح رفع درجات کا بھی ذریعہ ہے۔ اور یہ مشہور کے خلاف ہے اس لئے کہ مشہور تو یہ ہے کہ شہادۃ نفس نجاۃ کا ذریعہ ہے اور اعمال صالحہ رفع درجات کا ذریعہ ہیں۔

جواب: شہادۃ میں دو حیثیتیں ہیں۔

۱۔ شہادۃ مجردۃ یعنی **شهادت من حيث هي قطع نظر من حيث انها مقرونة او غير مقرونة ۱۲)**

۲۔ شہادۃ مقرونۃ بالاعمال الصالحہ

اول صرف نفس نجاۃ کا ذریعہ ہے ثانی رفع درجات کا بھی ہے اور قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ **المطلق اذا يطلق يراد به الفرد الكامل**۔ یہاں مشکوٰۃ میں شہادۃ کا لفظ مطلق ذکر کیا ہے۔ شہادت مطلق ہے تو اس کا فرد کامل مراد ہوگا۔ اور وہ فرد کامل شہادت مقرونۃ بالاعمال الصالحۃ ہے جو کہ نجاۃ اور رفع درجات دونوں کا ذریعہ ہے۔ **الذی بعثه . ای الی مکانها**۔

- یہ شہادت رسالۃ کا ہی تتمہ ہے۔ مصنفؒ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت کو بیان فرما رہے ہیں۔

وطرق الایمان الخ اس کی دو تقریریں ہیں۔

پہلی تقریر: طرق الایمان سے مراد انبیاء اور ان کے متبعین و جانشین علماء ربانین اور اتقیا لوگ ہیں۔ تو اس تقریر کے مطابق آثار نشانات کا مٹ جانا اور روشنیوں کا بجھ جانا اور ارکان کا کمزور ہو جانا یہ کنایہ ہے کہ ان کی تعلیمات ختم ہو چکی تھیں اور ان کا علم وعمل باقی نہیں رہا تھا ماننے والے سب ختم ہو چکے تھے تو ایسے وقت میں انسانیت کو پیاس تھی ضرورت تھی ایک ایسے رہنما کی جو آ کر ان کی روحانی تشفی کا سبب بنے تو ایسے وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔

سوال: اس وقت بعض عیسائی راہب موجود تھے؟

جواب: وہ رہبانیت اختیار کر چکے تھے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے تھے وہ انسانیت کی رہنمائی کے لئے موجود نہ تھے۔

دوسری تقریر: یہ ہے کہ طرق سے مراد ایمان کامل کے اسباب اور صفات ہیں (یعنی ایسی اشیاء جو کہ ایمان کامل کا سبب بنتی ہیں) یعنی ریاضات عبادات اور مجاہدات اور اخلاق حسنہ وغیرہ اور یہ چاروں جملے عفت آثار خبت انوار وہن ارکان اور جہالت امکنہ پر کنایہ ہیں اس بات سے کہ ان کے ساتھ انصاف باقی نہیں رہا تھا۔ یعنی وہ اشیاء نہیں تھیں جو کامل ایمان کا اور اخلاق حسنہ ریاضات کا سبب بنیں ...... جہل مکانہا سے مراد خانقاہیں مدارس و مساجد بھی مراد لئے گئے ہیں کہ ان کی راہنمائی کرنے والا کوئی موجود نہ تھا۔ لہٰذا انسانیت کو روحانی طور پر راہبر و رہنمائی کی ضرورت تھی اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔

حاصل دونوں صورتوں کا یہی ہے کہ انسانیت بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت زیادہ محتاج تھی جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا۔

فشيد صلوات الله .... الى ..... من معالمها

معالم معلم کی جمع ہے جس کا معنی ہے علامت اور نشانی۔ عفا عفو سے ہے جس کا معنی ہے مٹانا۔ من العلیل یہ بیان مقدم ہے من کان علی شفا سے'' اور شفی ماضی کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے تندرستی دینا۔ شفا دینا اور محل شفا میں شفا کا معنی ہے کنارہ یہ اسم جامد ہے۔ تو یہاں پر

صنعات بدیعیہ میں سے صنعت تجنیس پائی جاتی ہے پہلے شفا کا معنی تندرستی اور دوسرے شفا کا معنی کنارہ۔

واوضح سبیل الهدایه

یہ ماقبل کا تتمہ ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہ ہدایت کو واضح کیا اور سعادت کے خزانوں کو ظاہر فرمایا اس کے لئے جو راہ ہدایت پر چلنا چاہے اور خزائن سعادت کا مالک بننا چاہے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخفاء اور اظہار کو مقید کیوں کیا حالانکہ اس میں عموم ہے جمیع امت کے لئے ہے۔

جواب: اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سب کے لئے عام ہیں لیکن مصنفؒ نے جو قید لگائی ہے کہ راہ ہدایت اس کے لئے واضح ہے جو اس پر چلنا چاہے اسی طرح کنوز سعادت اس کے لئے ظاہر فرمائے جو ان کا ملک بننا چاہے اس بنا پر کہ ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے طلب شرط ہے۔ اس سے انتفاع اہل طلب کو ہوگا۔

امابعد فان التمسک یهدیه الی ......الابیان کشفه

اس عبارت میں مصنفؒ اپنی کتاب کے لئے علم حدیث کو منتخب کرنے کی وجہ بیان کر رہے ہیں کہ علم حدیث کے اہم ہونے کی وجہ سے اس کو منتخب کیا تو مصنفؒ نے اس کی اہمیت کی دو وجہیں ذکر کی ہیں حالانکہ وجوہ تو زیادہ ہیں۔

۱- پہلی وجہ: یہ بیان کی کہ فلاح انسانی کا مدار و مناط اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے اور اتباع نبوی موقوف ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال، اور تقریرات کے جاننے پر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال، تقریرات کو جاننا یہ علم حدیث پر موقوف ہے تو گویا فلاح انسانی علم حدیث پر موقوف ہے اسی وجہ سے علم حدیث کو منتخب کیا۔

۲- دوسری وجہ: یہ بیان کی گئی کہ فہم قرآن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر موقوف ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات قول و فعل و تقریر کو حدیث کہتے ہیں تو فہم قرآن بلاواسطہ علم حدیث پر موقوف ہے کیونکہ اس کے بغیر فہم قرآن ممکن نہیں۔ مثلاً آپ قرآن کو لغت سے حل کرنا چاہیں کہ **اقیموا الصلوۃ** کا کیا مطلب ہے۔ تو آپ قیام صلوٰۃ کو نہیں سمجھ سکتے اسی طرح **اتوا الزکوٰۃ** اس کی مقادیر کہ اہل غنم وغیرہ کی کیا مقدار ہے۔ یہ سب اشیاء احادیث مبارکہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہیں اسی وجہ سے علم حدیث کو اہمیت حاصل ہے۔

امابعد

امابعد کے استعمال کے دو مقام ہیں۔

(۱) جس جگہ متکلم سابقہ اسلوب کو بدلنا چاہے کسی دوسرے اسلوب کی طرف تو اس وقت امابعد استعمال کرتے ہیں۔ جیسے یہاں پر ہے اما بعد سے پہلے اور اسلوب ہے اور امابعد کے بعد اور اسلوب ہے۔

(۲) دوسرا مقام خطبہ میں ہے کہ خطبہ میں **امابعد** کو ذکر کرتے ہیں۔ حضرت شیخ علامہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ خطبہ میں **امابعد** کا ذکر مسنون و مستحب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی وعظ فرماتے تو خطبہ میں امابعد کو ذکر کرتے۔

باقی اختلاف اس بات میں ہے کہ اس کا متکلم اول کون ہے تو شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے چھ اقوال نقل ذکر کئے ہیں۔

(۱) حضرت داؤدؑ (۲) یعقوبؑ (۳) یعرب بن قحطان، (۴) حضرت کعب بن لوئی (۵) قیس ابن ساعدہ (۶) سحبان بن وائل۔

الراجح هو الاول یا یہ کہ حضرت داؤدؑ کا متکلم اول ہونا حقیقۃً ہے اور باقی کا اضافۃً ہے۔

یهدیه کا معنی سیر طریقہ **لایستتب** بمعنی لایتمر۔ **الاقتفاء** بمعنی الاتباع **لما** میں ما سے مراد علوم ہیں۔

من مشکوٰۃ: مشکوٰۃ کا لغوی معنی ہے طاقچہ۔ اور اس سے مراد وہ خاص جگہ مراد ہے کہ جس سے علوم و معارف کا صدور ہوتا ہے لیکن یہاں مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب اطہر ہے۔

اعتصام: مضبوطی سے پکڑنا اور **حبل الله** سے مراد قرآن پاک ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ قرآن کوحبل سے کیوں تعبیر کیا۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیث میں قرآن کوحبل کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہےاور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح حبل کنویں سے پانی نکالنے کاذریعہ بنتا ہےاور پانی حیاۃ جسمانی کی بقاء کاذریعہ بنتا ہےاسی طرح قرآن بھی انسان کی روحانی حیاۃ کی بقاء کاذریعہ ہےاور بیان کی کشف کی طرف اضافت اضافۃ بیانیہ ہے۔وگرنہ دونوں کا معنی ایک ہی ہےاور لایتعو کا معنی وہی ہے جو لایستتب کا ہے۔یہ صرف تفنن فی العبارۃ کے لئے مختلف الفاظ لائے ہیں کہ معنی ایک لیکن الفاظ مختلف تاکہ عبارت مختلف رنگوں سے جگمگاتی ہوئی چلی جائے۔

وکان کتاب المصابیح الی ......علام کالاغفال

یہاں سے مصنفؒ سبب تالیف بیان فرماتے ہیں۔جس کا حاصل یہ ہے کہ ۶ھ کے اوائل میں ایک عالم گزرے ہیں جن کا نام حسین تھا اوران کی کنیت ابومحمد اور لقب محی السنہ اور نسبت البغوی تھی اوران کے والد کا نام مسعود تھا اوران کا لقب الفراء تھا۔باقی رہی یہ بات کہ ان کا لقب الفراء کیوں ہے تواس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فرو یہ ایک قسم کا کپڑا ہے یہ فرو کے بائع یا صانع تھے۔اسی وجہ سے ان کا لقب فراء ہوگیا۔(بائع الفرو یا صانع الفرو) یہ بات یادرکھیں۔فراء سے مراد وہ نحوی مشہورنحوی مراد نہیں ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ ان کے بیٹے حسین بن مسعود کی کنیت البغوی کیوں ہے؟اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بغوی یا تو یہ ماخوذ ہے بغ سے یا یہ ماخوذ ہے بغشور سے۔بغشور یہ ایک بستی کا نام ہے جو کہ ہراۃ اور مروہ کے درمیان میں ہے۔اگر یہ بغ سے ماخوذ ہوتواس صورت میں اشکال ہوگا کہ اگر یہ بغ کی طرف منسوب ہےتو بغی ہونا چاہئے نہ کہ بغوی واؤ کا اضافہ کیونکہ؟اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے ساتھ اسماء محذوفۃ الاعجاز والا معاملہ کیا گیا ہے جیسے دم کی طرف نسبت کریں تو دموی ہوتا ہےھکذا ھنا۔دوسرا جواب یہ ہے کہ نامناسب معنی سے بچنے کے لئے واؤ کا اضافہ کیا۔اس لئے کہ بغی کا معنی زانی بھی ہے۔اور یہ بہت ہی نامناسب معنی ہے۔اس لئے واؤ کو زائد کر دیا۔اوراگر بغشور کی طرف منسوب ہےتو بغشور مرکب امتزاجی ہےاوراس میں نسبت دوسرے اسم کی طرف ہوا کرتی ہے جبکہ یہاں پر پہلے اسم کی نسبت ہورہی ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات پہلے اسم کی طرف بھی نسبت کردیتے ہیں جیسے بعلبک میں بعل اور معدیکرب میں معدی کہتے ہیں پھروہی واؤ والا سوال ہوگا تو اس کے وہی ماقبل میں بیان کردہ دوجواب ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ ان کا لقب محی السنۃ کیوں ہےاس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے ایک کتاب علم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لکھی جس کا نام شرح السنۃ رکھا جب اس کے لکھنے سے فارغ ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعا دی (اوکما قال)۔مصنفؒ کے حالات مقدمہ میں گزرچکے ہیں وہاں ملاحظہ فرمالئے جائیں۔

احیاک اللہ کما احییت سنتی

اس وقت سے ان کا لقب محی السنۃ پڑ گیا۔پھراس کے شکریے میں ایک اور کتاب علم حدیث میں لکھی جس کا نام مصابیح تھا۔یہ کتاب مصابیح اپنے باب میں انتہائی جامع کتاب ہےاور احادیث شواردہ اور اوابدہ پر مشتمل تھی۔لیکن شیخ محی السنۃ نے اس میں اسلوب یہ اختیار کیا کہ اسناد کوحذف کردیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرنے والے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی ذکرنہیں کیا اور نہ ہی حوالہ درج کیا۔ان کا اس طرح کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ ان کو نامعلوم نہ تھا بلکہ محض اختصار کی بنا پرحذف کردیا نیز ان کا اسی طرح کرنا (بلا سند حدیث کو ذکرکرنا) باعث اشکال نہ تھا اس لئے کہ شیخ محی السنۃ ان ثقات محدثین میں سے ہیں جن کا صرف متن حدیث کو ذکرکرنا باسند حدیث کو بیان کرنے کے مترادف ہے۔لیکن بایں ہمہ بانشان بےنشان سے بہتر تونہیں ہوسکتا۔یعنی بے سند بیان کرنا باسند بیان کرنے کی طرح نہیں ہوسکتا تو بعض ناقدین اور طاعنین نے طعن کیا طاعنین کے طعن اور ناقدین کے نقد اور معترضین کے اعتراض سے بچنے کے لئے اوراس کو ختم کرنے کے لئے صاحب مشکوٰۃ نے اورکتاب لکھی جس کا نام ہے۔**مشکوٰۃ المصابیح** ہے جس کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرنے والے صحابی کا نام تلاش کرکے ذکر کیا اور حوالہ کتاب جہاں مہیا ہوسکا اس کو بھی درج کردیا۔

کہا جاتا ہے کہ ۴۴۳۴ حدیثیں مصابیح میں تھیں صاحب مشکوٰۃ نے ان میں سے ہرایک کوروایت کرنے والے صحابی کو معلوم کیا اور

جہاں جہاں کتاب کا حوالہ ملتا گیا اس کو بھی درج کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے ۱۵۱۱ احادیثوں کا اضافہ کیا یہ کل ۵۹۴۵ حدیثوں کا مجموعہ ہے تو اس طرح مشکوۃ میں احادیث کی کل تعداد پانچ ہزار نو سو پینتیس ہوئی۔ مشکوۃ میں کل فصلوں کی تعداد ایک ہزار اڑتیس (۱۰۳۸) اور کل ابواب کی تعداد تین سو ستائیس اور کل کتب کی تعداد انتیس (۲۹) ہے۔ جو کہ آپ کے سامنے مشکوۃ المصابیح کے نام سے ہے۔ محنت شاقہ کے ساتھ ماخذ اور سند کو درج کیا۔ یہ بات یاد رکھیں یہ کوئی مستقل کتاب نہیں یہ مصابیح کا تتمہ ہے۔

شواہد اور اوابد کا مصداق

باقی رہی یہ بات کہ کتاب المصابیح کے بارے میں آیا تھا کہ یہ احادیث شواردہ اور احادیث اوابدہ پر مشتمل ہے تو احادیث شوارد اور اوابد کا مصداق کیا ہے۔ **شواردہ:** شاردۃ کی جمع ہے بھاگنے والے اونٹ کو کہتے ہیں (لغوی اعتبار سے) اور اوابد جمع ہے آبدۃ کی جس کا معنی ہے جنگلی جانور، وحشی جانور، اب مصداق و مفہوم اس سے پہلے ایک بات سمجھ لیں کہ احادیث کی دو قسمیں ہیں۔

۱- وہ احادیث جو حدیث کی بڑی بڑی کتابوں (کتب اصول) میں مذکور ہیں لیکن عام طالبین حدیث کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

۲- وہ احادیث جن کی معانی مقصودہ پر دلالت واضح نہیں ان میں خفاء ہے پہلی قسم کی احادیث کو تشبیہ دی گئی ہے بھاگے ہوئے جانوروں کے ساتھ اس کو تعبیر کیا شواردۃ کے ساتھ۔ (۱) جس طرح بھاگے ہوئے جانوروں کے ملنے میں دشواری ہوتی ہے اسی طرح ان احادیث کے حاصل کرنے میں طالبین کو دشواری ہوتی ہے۔ اور دوسری قسم کی احادیث کو تشبیہ دی گئی ہے وحشی جانوروں کے ساتھ انہیں کو تعبیر کر دیا اوابدۃ کے ساتھ۔

(۲): جس طرح وحشی جانور انسان سے غیر مانوس ہوتے ہیں اسی طرح یہ احادیث بھی جن میں خفا ہوتا ہے عقول عامہ سے غیر مانوس ہوتی ہیں۔ یہ شواردۃ اولیہ کی تفسیر و تقریر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کی ہے اور صاحب مرقاۃ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اوابدہ یہ تفسیر ہے شواردۃ کی۔ اور مطلق احادیث کو تشبیہ دی ہے وحشی جانوروں کے ساتھ اور اوابدہ عطف تفسیری ہے شواردہ کے لئے وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح وحشی جانوروں کو قابو رکھنے کے لئے بڑی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کا حصول مشکل ہوتا ہے اسی طرح احادیث کو سمجھنے کے لئے اور محفوظ کرنے کے لئے بہت محنت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کا حصول دشوار ہے ان کی حفاظت کے لئے مکمل توجہ اور کتابت کے ساتھ ان کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہے تھوڑی سے غفلت کے ساتھ نکل جائیں گی ضرورت ہے ضبط صدری اور ضبط حسی کی۔

العلم صید و الکتابة له قید: اس بیان سے صاحب مصابیح کے مختصر حالات بھی معلوم ہو گئے کہ ان کا نام لقب کنیت و نسبت کیا ہے اور ان کے والد کا نام کیا ہے اور لقب و کنیت کیا ہے اور ان کی وجوہ تسمیہ اور ان کی تاریخ پیدائش کو مؤرخین نے ضبط نہیں کیا اور کہا جاتا ہے صاحب مصابیح تمام علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ خصوصاً تین فنون میں علم حدیث، علم تفسیر، علم فقہ میں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ان کے بارے میں فرمایا۔

وے جامع است درسہ فن — وہر یکے را بکمال رسانندہ

محدث بے نظیر مفسر بے عدیل — فقیہ شافعی صاحب فقہ است

شیخ محی السنۃ حسین البغوی کے بارے میں مشہور ہے کہ خشک روٹی کھاتے تھے البتہ اخیر عمر میں تلامذہ کے کہنے پر اور ان کے اصرار پر زیتون کا تیل بطور سالن کے استعمال فرمانے لگے۔

ان کی تین تصانیف مشہور ہیں۔ شرح السنۃ، مصابیح، معالم التنزیل علم تفسیر میں یہ نایاب علمی تفسیر تفسیر البغوی کے نام سے معروف ہے اور ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے طبع شدہ ہے اور ان کی وفات ۵۱۶ھ میں ہوئی انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللھم اغفر له و ارحمه۔

صاحب مشکوۃ کا تعارف

صاحب مشکوۃ کا نام محمد ہے کنیت ابو عبداللہ اور لقب ولی الدین پہلی نسبت تبریزی اور دوسری نسبت العمری سلسلہ نسب کے اعتبار سے عمر بن عبدالعزیز کے خاندان میں سے ہیں۔ والد کا نام عبداللہ بعض نے کہا عبیداللہ ہے ان کی تصانیف میں سے دو مشہور کتابیں ہیں۔

(۱) مشکوٰۃ المصابیح اس کی تصنیف سے ۷۳۷ھ میں فارغ ہوئے اور (۲) کتاب الاکمال فی اسمأ الرجال جو کہ اسی مشکوٰۃ کے آخر میں لگا ہوا ہے اس رسالہ میں جو روایات مشکوٰۃ شریف میں ہیں ان کے نقل کرنے والے راویوں کے مختصر حالات کا ذکر ہے ان کی وفات صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکی۔ ۷۳۷ھ سے لے کر ۷۴۳ھ تک کے درمیان حصہ میں وفاۃ ہوئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

فاستخرت اللہ الخ یہ عبارت ماقبل پر تفریع کا بیان ہے کہ جب لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کیا تو ضرورت پیش آئی کہ صاحب مصابیح سے اعتراض کو دور کیا جائے تو میں نے اللہ سے استخارہ کیا خیر طلب کی۔

واستوفقت اس کو تین طرح پڑھا گیا ہے۔ نسخہ مختلف ہیں تین نسخے ہیں۔

۱- **واستوفقت**: یہ توفیق سے ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کی۔

۲- **واستوقفت**: یہ وقوف سے ہے کہ میں نے اللہ سے آگاہی طلب کی۔ علم طلب کیا۔

۳- **واستوثقت**۔ یہ وثوق سے ہے میں نے اللہ تعالیٰ سے وثوق اعتماد طلب کیا۔

فاعلمت میں نے بانشان بنا دیا **اغلفہ** جس کو صاحب مصابیح نے بے نشان رکھا (ما سے مراد احادیث ہیں یعنی ان کی سند اور حوالہ جات کو ذکر کیا) **مقرہ** پس میں نے ہر حدیث کو اس کے مناسب مقام میں رکھا۔ مثل سے آئمہ متقنون کا مصداق بیان کر رہے ہیں ان کا مصداق بیان کرتے ہوئے ۱۳ محدثین کا ذکر کیا جن کی احادیث کو یہاں مشکوٰۃ میں بیان کیا ہے۔ ان کے حالات ان کی کتب پڑھنے کے وقت معلوم ہو جائیں گے۔ **واللہ اعلم بالصواب**۔ صحیح قول کے مطابق ماجہ یزید کی بیوی کا نام اور محمد کی والدہ ہے۔ صحیح نسخوں کے مطابق یہاں ابن کا ہمزہ مکتوب ہے جیسا کہ اس صورت میں ہوتا ہے یزید ابن ماجۃ۔ ان کی وفات ۲۷۳ میں ہوئی۔

وانی اذانسبت الخ سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں سوال کی تقریر یہ ہے کہ اے صاحب مشکوٰۃ آپ سے بھی صاحب مصابیح والا اعتراض مکمل طور پر ساقط نہیں ہوسکتا۔ آپ پر بھی سوال ہوتا ہے کہ آپ نے بھی تو پوری سندوں کو ذکر نہیں کیا۔ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرنے والے صحابی کا نام ذکر کر دیا ہے؟

تو اس کا جواب یہ دیا کہ میں حوالہ کتاب دے چکا ہوں جن میں پوری سند مذکور ہے میرا کسی حدیث کے متعلق کتاب کا حوالہ دینا حدیث کی پوری سند کو بیان و ذکر کر دینا ہے لہذا مجھ پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔

وسردت الکتب......الی...... احسن اللہ جزاک

اس حصہ عبارت میں ان چند تصرفات کا بیان ہے جن کو صاحب مشکوٰۃ نے اپنی کتاب میں اختیار کیا۔

پہلی بات: کتب ابواب کے عنوانات قائم کرنے میں وہی ترتیب و اسلوب اور طریقہ اختیار کیا ہے جو صاحب مصابیح کا تھا۔

دوسری بات: مشکوٰۃ شریف میں عمومی طور پر اور اکثری طور پر ہر باب تین فصلوں پر مشتمل ہوگا (کہیں اس کے خلاف بھی ہوگا)

تیسری بات:۔ فصل اول کا مصداق کہ فصل اول کے عنوان کے تحت ان احادیث کو ذکر کیا جائے گا جن احادیث کی تخریج شیخین (بخاری و مسلم) نے ہر دونوں نے کی ہو یا ان دونوں میں سے کسی ایک نے کی ہو۔

تیسری بات کا تتمہ: دفع دخل مقدر سوال یہ ہے کہ جو کہا ہے کہ فصل اول میں صرف شیخین کی احادیث مذکور ہوں گی تو شبہ ہوتا ہے کہ یہ حدیثیں صرف بخاری و مسلم میں موجود ہیں ان کے علاوہ کسی نے ان کی تخریج نہیں کی ہوگی حالانکہ یہ تو خلاف واقعہ ہے۔

جواب ان کی دوسروں نے بھی تخریج کی ہوگی لیکن حوالہ صرف شیخین ہی کا دیا جائے گا پھر سوال ہوگا کہ یہ تو ترجیح بلا مرجح ہے؟ جواب! یہ ترجیح بلا مرجح نہیں کیونکہ شیخین کا جو مقام و مرتبہ بلند ہے کسی اور کا نہیں۔ یہی مرجح ہے۔

چوتھی بات: فصل ثانی کے مصداق کی تعیین کا بیان کہ فصل ثانی میں بخاری و مسلم کے ماسوا کی احادیث مذکور ہوں گی۔

پانچویں بات:۔ فصل ثالث کے مصداق کی تعیین کا بیان کہ اس میں باب کے مضمون کے مناسب جو روایات ہوں گی وہ اس فصل ثالث میں ذکر کی جائیں گی۔ مرفوع بھی ہوں گی اور موقوف بھی۔

چھٹی بات:۔ فصل ثالث میں جو احادیث ذکر کی جائیں گی ان میں بھی شرط مذکور کا التزام باقی رہے گا یعنی پہلے راوی کا نام اور حوالہ کتاب بھی درج ہوگا۔

ساتویں بات:۔ فصل اول اور فصل ثانی میں اصالۃً مرفوع احادیث مذکور ہوں گی اور فصل ثالث میں صحیح مرفوع بھی ہوں گی اور موقوف بھی ہوں گی۔

آٹھویں بات:۔ بعض اوقات مصابیح کے ایک خاص باب کے تحت احادیث مذکور ہوں گی لیکن مشکوٰۃ المصابیح کے اندر اس باب میں وہ حدیث مذکور نہیں ہوگی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ وہ مصابیح میں مکرر مذکور ہوگی لہٰذا ہم صرف اسی باب میں ذکر کریں گے جس کے ساتھ اس کی مناسبت زیادہ ہوگی۔

نویں بات:۔ بعض اوقات مصابیح کے اندر کوئی حدیث پوری مذکور نہیں ہوگی یا بعض حصہ مذکور ہوگا۔ یہاں مشکوٰۃ میں بھی اس کو اختصار پر باقی رکھا جائے گا لیکن کیف ما اتفق نہیں۔ بلکہ اس کا داعی اور سبب اور مقتضی موجود ہوگا۔ مثلاً وہ مقتضی یہ ہے کہ جتنی حدیث مصابیح میں مذکور تھی باب کے ساتھ اتنے حصے کی ہی مناسبت ہے متروک حصے کی مناسبت نہیں ہے۔

دسویں بات:۔ بعض اوقات مصابیح میں حدیث کا ایک حصہ مذکور ہوگا اور باقی حصہ متروک ہوگا۔ اور مشکوٰۃ میں متروک حصہ بھی مذکور ہوگا۔ اس الحاق کا بھی کوئی نہ کوئی مقتضی ہوگا۔ مثلاً وہ مقتضی یہ ہے کہ متروک حصے کی باب کے ساتھ مناسبۃ زیادہ ہے بنسبۃ مذکور کے یا متروک حصہ فوائد کثیرہ پر مشتمل ہے۔

گیارہویں بات:۔ بعض اوقات ایسا ہوگا کہ مشکوٰۃ المصابیح میں فصل اول کے تحت حدیث کو ذکر کیا جائے گا ذکر کرنے کے بعد حوالہ غیر شیخین کا دیا جائے گا جو درحقیقت اعتراض ہوگا صاحب مصابیح پر کہ انہوں نے ان احادیث کو ''الصحاح'' عنوان کے تحت ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ احادیث شیخین کی ہیں حالانکہ درحقیقت وہ حدیثیں غیر شیخین کی ہیں۔

بارہویں بات:۔ بعض اوقات فصل ثانی میں حوالہ شیخین کا ہوگا یہ بھی درحقیقت اعتراض ہوگا صاحب مصابیح پر کہ انہوں نے اس کو ''الحسان'' عنوان کے تحت درج کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیر شیخین کی احادیث ہیں حالانکہ ان کی تخریج شیخین نے بھی کی ہوتی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں جب ان دو باتوں میں سے کوئی بات تمہارے سامنے آجائے تو فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرنا مجھ پر الزام نہ لگانا یہ نہ کہنا کہ تم نے جلد بازی میں شیخ پر اعتراض کر دیا ہے ہوسکتا ہے کہ آپ نے بخاری و مسلم کا پورا مطالعہ نہ کیا ہو اگر پورا مطالعہ کرتے اور تتبع کرتے تو شاید آپ کو مل جاتی بلکہ میں نے چار کتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے وہ چار کتابیں یہ ہیں۔

(۱) بخاری۔ (۲) مسلم (۳) جامع مسند حمیدی (۴) جامع الاصول الجزری۔

تیرہویں بات:۔ بعض اوقات مصابیح کے اندر حدیث کے الفاظ اور ہوں گے اور مشکوٰۃ المصابیح اور ہوں گے یعنی متن مختلف ہوں گے۔ اس کا پس منظر طرق حدیث یعنی حدیث کی سندوں کا مختلف ہونا ہے۔ تتمہ۔

سوال آپ نے اسی سند کے لفظ ذکر کیوں نہیں کیے جس کو صاحب مصابیح نے ذکر کیا ہے؟

جواب۔ ہوسکتا ہے مجھے اس سند پر اطلاع ہی نہ ہوئی ہو۔

چودھویں بات:۔ بعض جگہ صاحب مشکوٰۃ ایک حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اخیر میں یہ لفظ کہیں گے **ماوجدت هذه الرواية في كتب الاصول**۔

پندرہویں بات:۔ بعض اوقات صاحب مشکوٰۃ المصابیح روایت کو ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ کہیں گے۔

وجدت خلاف هذه الرواية في كتب الاصول ان دونوں باتوں کے کہنے میں میں نے جلدی نہیں کی۔

تتمہ (۱) جب ان دو باتوں میں سے کوئی اگر کتب الاصول میں دیکھ لو اور تمہیں مل جائیں تو کوتاہی کی نسبت میری طرف نہ کرنا۔ آگے

فرمایا کہ میں اسی شخص کے لئے دعا گو ہوں جو مجھے اطلاع کردے میری زندگی میں اور میری وفات کے بعد حاشیہ کتاب میں درج کردے۔

سوال: اگر آپ محنت کرتے پورا مطالعہ چھان بین کرتے تو شاید آپ کو یہ روایت کتب اصول میں مل جاتی۔

جواب: میں نے محنت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی میں نے بشری طاقت کے مطابق پوری کوشش کی ہے۔

سولہویں بات:۔ بعض اوقات مصابیح کے اندر ایک حدیث کی کیفیت مذکور ہوگی لیکن وجہ مذکور نہیں ہوگی۔ اور یہاں مشکوٰۃ میں وجہ کیفیت بھی مذکور ہوگی۔ اس پر سوال ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے تو اپنی طرف سے کوئی وجہ ذکر ہی نہیں کی؟ جواب یہ ہے کہ انہوں نے محدثین کے اقوال ذکر کئے ہیں اور ان اقوال کا ذکر کرنا بمنزلہ وجوہ بیان کرنے کے ہے۔

سترہویں بات:۔ بعض اوقات مصابیح کے اندر حدیث کی کیفیت مذکور نہیں ہوگی اور مشکوٰۃ میں بھی حدیث کی کیفیت مذکور نہیں ہوگی۔ شیخ کی پیروی کرتے ہوئے صاحب مشکوٰۃ نے بھی اس کو بیان نہیں کیا۔

اٹھارہویں بات:۔ بعض اوقات مصابیح کے اندر حدیث کی کیفیت مذکور نہیں ہوگی لیکن مشکوٰۃ المصابیح کے اندر مذکور ہوگی اور یہ ذکر کرنا تعرض یا کسی وجہ سے ہوگا مثلاً بعض لوگوں نے مصابیح کی بعض حدیثوں کے متعلق یہ کہہ دیا کہ یہ موضوع ہیں صاحب مشکوٰۃ اس کی کیفیت بیان کر کے یہ کہیں گے کہ مصابیح کی حدیثیں موضوع نہیں زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ حدیث غریب ہے ضعیف ہے وغیرہ۔

انیسویں بات: بعض اوقات ایک حدیث کے آخر میں خالی جگہ چھوڑی ہوئی ہوگی۔ (دونوں حدیثوں کے درمیان) یہ وہاں ہوگا جہاں حوالہ کتاب پر مجھ کو اطلاع نہ ہوئی فرماتے ہیں میں دعا گو ہوں اگر تم کو حوالہ مل جائے تو درج کر دینا ان میں سے بعض تو پر ہو چکی ہیں اور بعض تشنہ تکمیل ہیں۔

بیسویں بات:۔ تسمیة الکتاب۔ میں نے اس کتاب کا نام مشکوٰۃ المصابیح رکھا۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مشکوٰۃ کا معنی ہے طاقچہ۔ اور مصابیح جمع ہے مصباح کی جس کا معنی ہے چراغ تو جس طرح طاقچہ چراغ پر مشتمل ہوتا ہے اسی طرح یہ کتاب کے مجموعہ پر مشتمل ہے۔ اس مناسبت کی وجہ سے اس کا نام مشکوٰۃ المصابیح رکھا۔

یا بعنوان آخر: چراغ جب طاقچے میں آجاتا ہے تو اس کی روشنی زیادہ ہو جاتی ہے (اگر چراغ بلا طاقچہ ہو کھلی جگہ ہو رکھا تو اس کی روشنی منتشر ہوتی ہے مضبوط نہیں ہوتی کم ہوتی ہے۔ اور طاقچہ میں رکھنے سے بڑھ جاتی ہے) اسی طرح مصابیح میں مذکور احادیث بلا سند اور بلا حوالہ ہونے کی وجہ سے اتنی زیادہ روشن نہ تھی۔ تو مشکوٰۃ میں بالسند اور باحوالہ ہونے کی وجہ سے زیادہ روشن ہوگئی گویا یوں سمجھو کہ چراغ طاقچے میں آ گیا۔

بعنوان ثالث: مطلقاً ہر حدیث رسول اللہ چراغ کی طرح ہے۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کتاب میں آ گئیں گویا چراغ اس مجموعے میں طاقچے میں آ گیا۔ اس وجہ سے اس کا نام مشکوٰۃ المصابیح رکھا۔

اکیسویں بات:۔ قبولیت کتاب کے لئے دعا کا بیان کہ قبولیت عند اللہ کے لئے دعا ضروری ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح اور مصابیح کے درمیان وجوہ فرق

(۱) مصابیح کے اندر کسی حدیث کی سند مذکور نہیں حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرنے والے صحابی کا نام بھی مذکور نہیں۔ مشکوٰۃ میں سنداً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرنے والے صحابی کا نام ہر حدیث کے ساتھ مذکور ہے۔

(۲) مأخذ مصابیح کے اندر کسی حدیث کا حوالہ کتاب درج نہیں مشکوٰۃ میں حوالہ کتاب ہر جگہ مذکور ہیں۔

(۳) مصابیح کے اندر ہر باب کے تحت دو عنوان ہیں۔ (۱) الصحاح (۲) الحسان اور یہاں مشکوٰۃ میں تین عنوان ہیں۔ الفصل الاول۔ الفصل الثانی۔ الفصل الثالث۔

(۴) مصابیح کے اندر شیخین کی احادیث کو بیان کرنے کے لئے الصحاح کا عنوان اختیار کیا گیا ہے اور مشکوٰۃ میں شیخین کی احادیث کو بیان کرنے کے لئے الفصل الاول کا عنوان اختیار کیا گیا ہے۔

(۵) مصابیح کے اندر غیر شیخین کی احادیث کو بیان کرنے کے لئے الحسان کا عنوان اختیار کیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ میں غیر شیخین کو بیان کرنے کیلئے الفصل الثانی کا عنوان اختیار کیا گیا ہے۔

(۶) مصابیح کے اندر اصالۃً مرفوع احادیث ہی مذکور ہیں جبکہ مشکوٰۃ کی فصل ثالث میں مرفوع کے ساتھ موقوف احادیث بھی مذکور ہیں۔

(۷) اختصار حدیث مصابیح میں ایک حدیث ایک خاص باب میں مذکور ہوگی۔ مشکوٰۃ المصابیح کے اندر وہ حدیث اس باب میں مذکور نہیں ہوگی۔ (وجہ گزر چکی)

(۸) بعض اوقات مصابیح میں حدیث کا ایک حصہ مذکور ہوگا اور ایک حصہ متروک ہوگا (مختصر ہوگی) اور مشکوٰۃ میں مذکور بھی مذکور ہوگا اور متروک بھی مذکور ہوگا۔

(۹) مصابیح کے اندر بعض احادیث الصحاح کے عنوان کے تحت مذکور ہوں گی جس سے اشارہ ہوگا کہ یہ شیخین کی ہیں لیکن مشکوٰۃ میں فصل اول کے عنوان کے تحت حوالہ غیر شیخین کا ہوگا۔

(۱۰) مصابیح کے اندر بسا اوقات الحسان کے تحت ایک حدیث مذکور ہوگی جس سے اشارہ ہوگا کہ یہ حدیث غیر شیخین کی ہے لیکن مشکوٰۃ میں الفصل الثانی کے تحت حوالہ شیخین کا ہوگا۔

(۱۱) مصابیح کے اندر حدیث کا متن اور ہوگا اور مشکوٰۃ میں اس سے مختلف ہوگا۔

(۱۲) مصابیح کے اندر ماوجدت ھذہ الروایۃ فی کتب الاصول کے الفاظ نہیں اور مشکوٰۃ میں حدیث ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ مذکور ہوں گے۔

(۱۳) مصابیح کے اندر **وجدت خلافها فی کتب الاصول** کے الفاظ نہیں ہوں گے اور مشکوٰۃ میں ہوں گے۔

(۱۴) مصابیح میں بسا اوقات ایک حدیث کی کیفیت مذکور ہوگی لیکن وجہ مذکور نہ ہوگی۔ اور مشکوٰۃ کے اندر کیفیت کیساتھ ساتھ وجہ کیفیت بھی مذکور ہوگی۔

(۱۵) مصابیح کے اندر بعض اوقات کیفیت مذکور نہیں ہوگی اور مشکوٰۃ کے اندر کیفیت مذکور ہوگی۔

(۱۶) مصابیح کے اندر حدیث کے اخیر میں خالی جگہ نہیں ہوگی اور مشکوٰۃ المصابیح میں دو حدیثوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑی ہوگی۔

یہ وجوہ فرق مصابیح اور مشکوٰۃ المصابیح کے درمیان ہیں۔

اکیسویں بات قبولیت دعا کا بیان تھا۔ چنانچہ اس قبولیت دعا کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنی دعا قبول ہوئی کہ یہ کتب تقریباً ۶۰۰ سال سے پڑھائی جارہی ہے اور درس نظامی میں داخل ہوگئی۔ اور بہت سے علماء نے اس کتاب کی خدمت کی ہے اور اس کی مختلف شروحات مختلف علماء نے لکھی ہیں۔ اس کی سب سے پہلی شرح صاحب مشکوٰۃ کے استاد نے لکھی۔ جس کا نام **الکاشف عن حقائق سنن المحمدیه** اب یہ طیبی نام سے مشہور ہے۔ استاد کی نسبت طیبی تھی اس لئے کتاب کا نام بھی طیبی ہے جب مشکوٰۃ المصابیح کتاب لکھ کر استاد کے پاس لے گئے تو استاد نے پسند کر کے فرمایا میں اس کی شرح لکھوں گا۔

فاستحسنها۔ چند برس پہلے قلمی نسخوں کی شکل میں تھی۔ اب ادارۃ القرآن سے ۱۲ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ ۷۴۳ھ کے اندر استاد شرح لکھ کر فارغ ہو چکے تھے جبکہ کتاب کی تکمیل ۷۳۷ھ میں ہوئی۔ ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ کے نام سے اس کی شرح ۱۰ جلدوں میں لکھی، کوئی استاد بھی مرقاۃ سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ مشکوٰۃ کی تدریس کیلئے معاون دو شرحیں ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھی ہیں۔

(۱) لمعات التنقیح (۲) اشعۃ اللمعات فارسی میں ہے یہ لمعات کا خلاصہ ہے اور اس کی ایک شرح التعلیق الصبیح مولانا ادریس کاندھلوی نے لکھی ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے مشورے سے اور ان کے حکم سے لکھی جس میں زیادہ استفادہ طیبی سے کیا گیا اور مظاہر حق مولانا قطب الدین نے لکھی ہے یہ دو ہیں۔ مظاہر حق قدیم (عربی) مظاہر حق جدید (اردو)۔ فرمایا سبق پڑھانے کے لئے قدیم دیکھے اور عوام کو درس دینے کے لئے جدید دیکھے واللہ اعلم۔ باقی صاحب مشکوٰۃ نے دعا کی قبولیت کے آخر میں **الا باللہ العلی العظیم** کی بجائے **العزیز الحکیم** کہا ہے اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ **الا باللہ العزیز الحکیم** بھی صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب**

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انما الاعمال
عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی
بالنیات وانما لامرئ ما نوی فمن کانت هجرته الی اللہ ورسوله فهجرته الی اللہ ورسوله
نیت کرے جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف
ومن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او امرأة یتزوجها فهجرته الی ما هاجر الیه. متفق علیه
ہے کہ اسے پہنچے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض ہے تو اس کی ہجرت اس چیز کی طرف ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ حدیث النیہ: یہ حدیث محدثین کے ہاں حدیث انما الاعمال بالنیات یا حدیث النیہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس حدیث کے متعلق چند باتیں ہیں جو ترتیب سے ذکر کی جائیں گی۔

الامر الاول ۔ بیان شان ورود حدیث

بعض روایتوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت رہتی تھی جو مشہور ام قیس سے تھی۔ اس کو ایک آدمی نے پیغام نکاح بھیجا تو ام قیس نے ایک شرط لگائی کہ تم مدینہ میں ہجرت کر کے آ جاؤ تو پھر میں نکاح کروں گی۔ اس شخص نے محض نکاح کی غرض سے ہجرت کی تو چونکہ اس کی نیت فاسدہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اور پوری امت کی اصلاح کے لئے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ حدیث ارشاد فرمائی انما الاعمال بالنیات الخ ہجرت ایک عظیم ترین عبادت ہے جو محض رضائے الٰہی کے لئے ہونی چاہئے تھی مگر اس نے نیت فاسدہ سے ہجرت کی تھی چنانچہ بعد میں اس کا نام مہاجر ام قیس ہو گیا۔

سوال: یہ کام صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ محض نکاح کی غرض ہجرت کرے؟

جواب: یہ کوئی مستبعد نہیں صحابہ کے اندر کمالات بتدریج پیدا ہوئے۔

الامر الثانی ۔ اس حدیث کو پہلے ذکر کرنیکی وجوہات

سوال:۔ اس حدیث کو کتاب کے شروع میں سب سے پہلے کیوں لائے؟ سرفہرست کیوں ذکر کیا؟

جواب کئی وجوہ ہیں (۱) صاحب مشکوٰۃ کا اس حدیث کو اپنے پیش رو امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ اور صاحب مصابیح کی اتباع کرتے ہوئے سرفہرست ذکر کیا ہے۔ (۲) اس حدیث اور مبداء کو کتب الحدیث ہونے کی وجہ سے ذکر کیا ہے۔ کتب کی ابتداء خصوصاً کتب حدیث کی ابتدا اس حدیث سے ہونی چاہئے۔ اکثر محدثین خصوصاً عبدالرحمٰن بن مھدی رحمہ اللہ کا قول ہے جو بھی کوئی کتاب لکھے خصوصاً علم حدیث میں تو وہ اس کو ابتداء میں ذکر کرے۔ (۳) اس حدیث کے عظیم الشان ہونے کی وجہ سے سرفہرست ذکر کیا باقی رہی یہ بات کہ عظیم الشان کیسے ہے؟ وہ اس طرح کہ بعض علماء محدثین کا قول ہے کہ یہ نصف العلم ہے۔ بایں طور کہ اعمال دو قسم پر ہیں۔ (۱) اعمال ظاہرہ (۲) اعمال باطنہ۔

اور نیت باطنی میں سے اہم شے ہے گویا باطنی کے ذکر سے نصف العلم کو بیان کیا گیا۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثلث العلم ہے۔ بایں طور کہ اعمال کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) اعمال لسانیہ (۲) اعمال جوارحہ (۳) اعمال قلبیہ۔

اور نیت اعمال قلبیہ کے ساتھ متعلق ہے تو اس لحاظ سے یہ ثلث العلم ہے۔ اور بعض نے کہا یہ حدیث ۷۰ فقہی ابواب پر مشتمل ہے تو ان ائمہ کے اقوال سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس حدیث کو اہمیت حاصل ہے اس لئے اس حدیث کو سرفہرست ذکر کیا۔ (۴) تصحیح النیہ پر تنبیہ کرنے کے لئے اس حدیث کو مقدم کیا کہ معلم اور متعلم کو چاہئے کہ پڑھنے پڑھانے سے پہلے اپنی نیت کا جائزہ لے اچھی نیت ہونی چاہئے اپنی نیت کو درست کر لیں کم از کم نیت فاسدہ نہیں ہونی چاہئے۔ (۵) اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ طالب حدیث کے لئے نوع من الہجر ۃ

کا ہونا بھی ضروری ہے کچھ نہ کچھ مشقت برداشت کرنا بھی ضروری ہے تو اس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ کمرہ سے اٹھ کر درس گاہ میں آ جائے ہجرۃ باطنہ تو ہر حال میں ضروری ہے تو گویا اس سے تحصیل علم کے آداب کی طرف اشارہ ہے۔

الامر الثالث. راوی حدیث کے حالات

حضرت عمر بن الخطابؓ اس حدیث کے راوی ہیں۔ حضرت کا نام عمر اور والد کا نام خطاب اور کنیت ابو حفص اور لقب فاروق اور امیر المومنین سب سے پہلے انہی کو کہا گیا۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کا لقب خلیفہ رسول اللہ تھے۔ قصہ اسلام مشہور ہے۔ نبوت کے چھٹے سال اسلام لائے اسلام لانے والے مردوں میں سے ۴۰ یا ۴۱ نمبر پر ہیں۔ آپؓ کی پیدائش عام الفیل کے ۱۳ برس بعد ہوئی۔ اور آپؓ کا مشرف باسلام ہونا درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا ثمرہ تھا۔ (مراد پیغمبر) اسلام لانے سے پہلے بڑے جبار تھے۔ قریش کے امیر سمجھے جاتے تھے۔ آپؓ کے اسلام لانے سے اسلام کو بڑا دبدبہ و رعب حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے دو وزیر آسمان میں ہیں اور دو وزیر زمین میں ہیں۔ آسمان میں جبرئیل میکائیل اور زمین میں ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کا زمانہ خلافت تقریباً ساڑھے دس برس کا ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے دن ۱۳ھ میں خلیفہ بنے۔ اور ۲۳ھ ۲۶ ذوالحجہ کو حالت نماز میں آپؓ پر حملہ ہوا اور آپؓ کو زخمی کیا گیا۔ اور یکم محرم ۲۴ھ کو شہادۃ ہوئی حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپؓ سے ۵۰۰ سے زائد احادیث مروی ہیں۔ اور استعداد کا عالم اتنا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب او کما قال علیہ السلام**۔

الامر الرابع. حدیث کے مفردات کا بیان

کلمہ ''انما'' جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ حصر کے لئے ہے۔ **انما مفید للحصر** ہے عام ازیں یہ کلمہ بسیطہ ہو یا مرکبہ عام ازیں اس کا مفید للحصر ہونا منطوقاً ہو یا مفہوماً ہو۔ **الاعمال**۔ یہ جمع ہے عمل کی اور عمل اور فعل میں کیا فرق ہے۔ **فیه قولان**۔

(۱) **القول الاول**. قول مترادف۔ (۲) راجح یہی ہے کہ دونوں میں فرق ہے۔

(۱) عمل کی نسبت صرف ذوالعقول کی طرف ہی ہوتی ہے اور فعل کی نسبت میں تعمیم ہے کبھی ذوی العقول کی طرف ہوتی ہے اور کبھی غیر ذوی العقول کی طرف ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ فعل البہیمہ کہا جاتا ہے عمل البہیمہ نہیں کیا جاتا۔

(۲) عمل کے اندر قصد و اختیار کا ہونا ضروری ہے فعل میں تعمیم ہے خواہ ارادہ کا دخل ہو یا نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مرتعش کی حرکات کو فعل کہا جاتا ہے عمل نہیں کہا جاتا۔ (۳) عمل کے اندر دوام مطلوب ہوتا ہے۔ فعل میں تعمیم ہے خواہ دوام ہو یا نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ترغیب کے مقام میں **عملوا الصالحات** کہا۔ **فعلو الصالحات** نہیں کہا۔

تیسر الفظ ہے نیات۔ جمع ہے نیہ کی بتشدید و بغیرھا۔ نیہ کا لغوی معنی ہے۔ **انبعاث القلب نحو مایراہ' موافقا لغرضه من جلب نفع او دفع ضرر حالاً او مالاً**۔ دل کا میلان ایسی چیز کی طرف جس کو اپنے مطلوب کے موافق سمجھ رہا ہو۔

نیت کا اصطلاحی معنی۔ **الارادة المتوجهه الی العمل ابتغاءً لمرضاة الله و امتثالاً لحکمه.**

نیت اور ارادے میں فرق۔ نیت کے اندر ناوی کی غرض کو دخل ہوتا ہے اور ارادے میں مرید (صاحب ارادہ) کی غرض کو دخل ہونا ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی طرف ارادہ کی نسبت کی جاتی ہے نیت کی نہیں۔

الامر الخامس . با کے متعلق کا بیان

اس میں کلام با کا متعلق افعال خاصہ میں سے ہے یا افعال عامہ میں سے ہے۔ اگر افعال خاصہ میں سے ہے تو وہ کونسا ہے؟ اس کے بارے میں پہلا قول فقہاء کا ہے۔ فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ بالنیات کا متعلق فعل خاص ہے۔ باقی فعل خاص کونسا ہے؟ اس میں اختلاف

ہے پہلا قول احناف کا اور دوسرا قول مالکیہ اور شوافع کا ہے۔قول احناف وہ فعل خاص ثواب ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے انما ثواب الاعمال بالنیات کلمہ انما حصر کا ہے۔بعنوان آخر لیست الاعمال مثوبۃً الابالنیات۔

قول شوافع و مالکیہ:۔وہ فعل خاص صحت مصدر سے ہے تقدیری عبارت یوں ہوگی انما صحۃ الاعمال بالنیات یابعنوان آخر لیست الاعمال صحیحۃً الابالنیات :

سوال:۔اختلاف کاثمرہ کہاں ظاہر ہوگا؟ جواب:ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ وضو بلانیت صحیح ہوگا یا نہیں۔شوافع کہتے ہیں وضو میں نیت ضروری ہے اور عندالاحناف وضو میں نیت ضروری نہیں۔

احناف۔کے نزدیک بغیر نیت کے وضو ہوجاتا ہے یعنی مفتاح للصلوۃ ہوجاتا ہے اور شوافع کے نزدیک سرے سے صحیح ہی نہیں ہوگا۔

احناف کی دلیل۔وانزلنا من السماء ماءً طهوراً (الآیۃ) اس سے معلوم ہوا کہ پانی کا مطہر ہونا اس کی ذاتیات میں سے ہے۔اگر پانی کو استعمال کرنے کے بعد بھی طہارۃ حاصل نہ ہو تو مطہریت کا ثبوت پانی کے لئے محتاج ہوا۔امرآخر کی طرف اور یہ تو مجہول ذاتی ہے۔یعنی کسی دوسری شئے کے ثبوت کے ساتھ مقید کردیں گے تو مجہول ذاتی لازم آئے گا۔اور یہ بالاتفاق عقلاء باطل ہے۔

لہٰذا وضو کے صحیح ہونے کے لئے نیت کوئی شرط نہیں ہے۔

شوافع کی دلیل۔بطریق قیاس الوضوء عمل و کل عمل لایصح الابالنیۃ. فالوضوء لایصح الابالنیۃ۔صغری تو واضح ہے اور کبری کی دلیل انما الاعمال بالنیات۔لہٰذا صحیح نتیجہ نکلے گا فالوضوء لایصح الابالنیۃ۔

احناف کی طرف سے جوابات۔پہلا جواب یہ استدلال تب تام ہوتا جب فعل خاص صحۃ متعین ہو ہم اس کو نہیں مانتے بلکہ یہاں بالنیات کا متعلق لفظ ثواب ہے۔**دوسرا جواب** استدلال تب تام ہوتا جب باء کا تعلق صحت ہو یہاں متعلق لفظ کمال ہے۔یعنی انما کمال الاعمال بالنیات یابعنوان آخر لیست الاعمال کاملۃ الابالنیات۔

تیسرا جواب: یہ بات تسلیم کرتے ہیں۔فعل خاص صحت ہے لیکن اعمال میں تخصیص ہے۔اس سے مقاصد مراد ہیں وسائل مراد نہیں اور وضو وسائل میں سے ہے۔لہٰذا اس کے لئے نیت ضروری نہیں۔

چوتھا جواب: یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ باء کا متعلق صحت ہے اور اعمال میں عموم ہے لیکن وضوء میں دو حیثیتیں ہیں۔(۱) وضو من حیث انہا عبادۃ (عبادۃ ہونا) (۲) من حیث انہا مفتاح للصلوٰۃ ایک عبادۃ ہونے کی حیثیت دوسری مفتاح صلوٰۃ ہونے کی حیثیت تو اس کے عبادت ہونے کی حیثیت سے نیت کا ہونا ضروری ہے اور مفتاح صلوٰۃ ہونے کی حیثیت سے نیت ضروری نہیں کیونکہ حیثیات کے مختلف ہونے سے حکم مختلف ہوجاتا ہے تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نیت سے عبادت بنے گی۔عبادت ہونے کے لئے وضوء نیت پر موقوف ہوگا۔

پانچواں جواب: حدیث کا مقصود فقہی مسائل بتلانا نہیں بلکہ یہ مسئلہ بتلانا ہے کہ اشیاء کا حسن وقبح نیت کے تابع ہوتا ہے یہی حدیث کا مدلول ہے بسا اوقات عمل بڑا خطرناک ہوتا ہے لیکن نیت فاسد نہ ہونے کی وجہ سے مواخذہ نہیں ہوتا۔مثلاً حاطب بن ابی بلتعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز فاش کیا مگر نیت فاسد نہ ہونے کی وجہ سے مواخذہ سے بچ گئے اور بسا اوقات عمل بظاہر بڑا اونچا ہوتا ہے لیکن نیت فاسد ہونے کی وجہ سے وبال کا باعث بن جاتا ہے۔جیسے منافقین کا مسجد ضرار بنانا۔

قول ثانی۔باء کا متعلق فعل عام ہے یعنی وجود اب تقدیری عبارت یوں گی انما وجود الاعمال بالنیات۔

سوال۔آپ نے کہا اعمال کا وجود نیت پر موقوف ہے حالانکہ اعمال کے وجود کے لئے تو کوئی نیت ضروری نہیں۔

جواب۔وجود سے مراد وجود حسی نہیں بلکہ وجود شرعی وجود عنداللہ مراد ہے اور وہ بغیر نیت کے نہیں ہوتا۔

عام لوگ سمجھتے ہیں کہ عمل کا وجود صرف حسی ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں نیت سے وجود میں آتا ہے۔انما کا حصر حصر کلی ہے۔شارع نے قلب کیا۔نیۃ المؤمن خیر من عملہ وجود شرعی نیت کی وجہ سے حاصل ہوا۔

الامر السادس . بیان کیفیت باء

با کے متعلق دوقول ہیں ۱-استعانت کے لئے ہو یعنی عمل پر اجروثواب ملنے میں نیت ممدومعاون ہے جیسے کتبت بالقلم۔ میں نے قلم کی مدد کے ساتھ لکھا۔
۲-یہ مصاحبۃ کے لئے ہو۔یعنی عمل کے ساتھ نیت مقرون ہونی چاہیئے۔اگر عمل کا نیت کے ساتھ اقتران ہے تو پھر اجروثواب ملے گا والا فلا۔
سوال: مصاحبۃ کا تقاضا تو یہ ہے کہ عمل کے ابتداء سے انتہاء تک نیت کا اقتران ضروری ہے حالانکہ صرف ابتدا میں نیت کرلی جائے تو یہی کافی ہے۔
جواب: نیت کے ایک دفعہ (ابتداء میں) پائے جانیکے بعد جب تک منافی نیت نہ ہو تو نیت استصحاب حال کی بناء پر باقی رہتی ہے
دوسرا سوال۔اس مصاحبۃ کا تقاضا یہ ہے کہ تقدیم النیۃ علی العمل جائز نہ ہو حالانکہ صوم میں نیت پہلے مستحب ہے۔
جواب: ان اعتراضات سے بچنے کی وجہ سے صاحب مرقاۃ نے فیصلہ کیا ہے کہ راجح یہ ہے کہ با استعانۃ کے لئے ہے ھذا ھو الراجح۔

الامر السابع: مصداق اعمال کا بیان

کیا اعمال میں کوئی تخصیص ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ باجماع علماء اعمال کفار اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کا نیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔اور نیز پھر اعمال کی تین قسمیں ہیں۔(۱) طاعات وحسنات۔(۲) مباحات (۳) معاصی اس پر اجماع ہے کہ معاصی مستثنیٰ ہیں۔معاصی کے اندر نیت صالحہ کرنی خود گناہ ہے پس راجح پہلی دو قسمیں ہیں۔
نیز پھر اعمال تین قسم پر ہیں۔(۱) لسانیہ اقوال (۲) اعمال جوارح۔افعال (۳) اعمال قلب۔اس میں کلام چلا کہ اعمال کی ان تینوں قسموں میں بھی کوئی تخصیص ہے یا نہیں۔راجح یہی ہے کہ تینوں قسمیں اس کا مصداق ہیں کوئی تخصیص نہیں۔البتہ بعض مخصصین نے اعمال لسان کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔دلیل تخصیص یہ ہے کہ عمل لسان کو قول سے تعبیر کیا جاتا ہے اعمال سے نہیں۔حدیث میں تو اعمال کا ذکر ہے۔
جواب۔تمہارا یہ فرق عرف کی وجہ سے ہے لغت کی وجہ سے نہیں۔حدیث کا ورود لغت کے اعتبار سے ہے۔نیز بعض اور لوگوں نے اعمال قلب کو بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے۔دلیل تخصیص اعمال قلب میں سے نیت بھی ایک عمل ہے اس کے لئے تو ایک اور نیت کی ضرورت ہے الخ اس سے تسلسل لازم آئے گا۔اور تسلسل باطل ہے لہذا اعمال قلب اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔
جواب۔اعمال قلب داخل ہیں لیکن اعمال قلب میں سے نیت مستثنیٰ ہے۔
دلیل استثناء۔دلیل عقلی ہے جیسے ان اللہ علی کل شئی قدیر میں اللہ تعالیٰ خود مستثنیٰ ہیں اور نیز نیت محتملات میں موثر ہوگی موضوعات میں موثر نہیں ہوگی۔صریح الفاظ طلاق وحریت میں نیت موثر نہیں ہوگی۔مثلاً کوئی کہتا ہے انت طالق پھر کہتا ہے میری نیت طلاق دینے کی نہیں تھی تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی طلاق ہو جائے گی۔بیع میں لفظ مضارع محتملات میں سے ہے سین سوف حال استقبال یہ محتملات میں سے ہیں۔
سوال۔بسا اوقات عمل کے خلاف نیت ہوتی ہے تب بھی اس کو اجروثواب ملتا ہے۔جیسے حدیث میں ہے گھوڑے تین قسم پر ہیں تیسری قسم کے گھوڑے وہ ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے پالے گئے ہوں ان کے بارے میں ہے کہ اگر مالک اس کو پانی نہیں پلانا چاہتا لیکن وہ نہر سے گزرتے ہوئے پانی پی لیتا ہے تو اس پر بھی اجروثواب ملے گا۔اسی طرح کھیتی کے بارے میں آتا ہے۔
جواب۔جب کوئی امر کلی کئی جزئیات پر مشتمل ہو تو امر کلی کی نیت تمام جزئیات کی نیت سمجھی جائے گی۔ہر ہر جزئی پر نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

الامر الثامن . متروک میں نیت موثر ہوتی ہے یا نہیں؟

اس میں دو قول ہیں۔(۱) مطلقاً موثر نہیں۔(۲) مطلقاً موثر ہے۔قول فیصل یہ ہے کہ ترک دو قسم پر ہے۔(۱) ترک مجرد (۲) ترک غیر مجرد۔ترک مجرد یہ ہے کہ معصیت کے اسباب بھی نہ ہوں اور موانع کا ازالہ بھی نہ ہو۔ترک غیر مجرد اس کے برعکس۔ یعنی معصیت کے اسباب بھی موجود ہوں اور موانع کا ازالہ بھی ہو۔تو دوسری قسم ترک غیر مجرد میں نیت موثر ہوگی ترک مجرد میں موثر نہیں ہوگی۔
سوال:۔ثواب تو فعل پر ملتا ہے نہ کہ ترک پر؟ جواب نفس کو روکنا بھی تو ایک فعل ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا کہ

اعمال میں سے افضل عمل کونسا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حفظ اللسان۔زبان کو مالا یعنی سے روکنا' تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفظ اللسان کو عمل ہی نہیں افضل الاعمال قرار دیا ہے۔عنین (نامرد) زنا کو چھوڑ دے تو کوئی اجر وثواب نہیں۔

الامر التاسع . تلفظ باللسان کا حکم

زبان سے نیت کا تلفظ کرنا مشروع ہے یا نہیں۔اس پر تو اتفاق ہے کہ اصل نیت فعل قلب ہے اس کے ہوتے ہوئے اگر کوئی زبان سے تلفظ کرے تو مشروع ہے یا غیر مشروع۔تو تلفظ کی دو صورتیں ہیں۔(۱) تلفظ بالجہر (۲) تلفظ بدون الجہر۔تلفظ بالجہر بالاتفاق غیر مشروع ہے۔اور تلفظ بدون الجہر کے بارے میں تین قول ہیں۔(۱) مستحب ہے لیکن مطلق نہیں ان لوگوں کے لئے جن کے خیالات برقرار نہ رہ سکتے ہوں اگر نیت قلبی کے بغیر تلفظ کا استحضار نہ ہو سکے تو مستحب ہے۔صاحب ہدایہ کا یہی مذہب ہے۔(۲) سرے سے مشروع ہی نہیں بلکہ مکروہ ہے کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیت کا تلفظ کیا ہو۔اور ابن نجیم نے یہ کہا ہے کہ ائمہ اربعہ سے بھی منقول نہیں۔(۳) مباح ہے مشروع ہے اس لئے کہ حج کے بارے میں آتا ہے اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی و تقبلہ منی اس پر قیاس کرتے ہوئے دیگر عبادات میں بھی مشروع قرار دیا گیا ہے۔لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حج مشکل ہے تو اس میں آسانی طلب کی ہے دوسرے اعمال کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

قول فیصل یہ ہے کہ اگر ازالہ غفلت کی ضرورت ہو تو تلفظ کرنا چاہئے ورنہ نہیں۔

الامر العاشر : نیت کی حکمت

نیت کے مشروع ہونے کی حکمت کیا ہے؟ جواب۔الامتیاز۔

امتیاز العبادۃ عن العادۃ . امتیاز العبادۃ عن العادۃ سنت یا نفل قضا یا ادا کے درمیان امتیاز۔

الامر الحادی عشر . جملہ ثانیہ کے مفردات کا بیان

و انما لامریٔ مانویٰ۔امری اصل اس کا اطلاق ذکور پر ہوتا ہے لیکن احکام مشترکہ میں عورتیں بھی تبعاً اس کے تحت داخل ہوتی ہیں۔

اس لفظ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس کا عین کلمہ (ر) کا اعراب لام کلمہ (ء) کے تابع ہوتا ہے جیسے جاء امرءٌ رایت امراً. مررت بامریٍ. مانویٰ اس سے پہلے مضاف محذوف ہے ای جزاءُ مانویٰ۔اس میں ما موصولہ ہے نوی جملہ صلہ ہے عائد محذوف ہے مانویٰ' مطلب یہ ہوگا کہ کسی شخص کو مانویٰ کے مطابق جزا ملے گی۔ان کان حسن فحسن و ان کان شراً فشر۔اس پر ایک اشکال ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان میں نفلی روزہ کی نیت کرے تو مانویٰ کے مطابق نفلی روزہ تو نہ ہوگا۔

جواب بشرطیکہ مانویٰ کی صلاحیت ہو نفلی روزے کی رمضان میں صلاحیت ہی نہیں۔

الامر الثانی عشر : جملہ ثانیہ کا جملہ اولیٰ کے ساتھ تعلق

اس کے بارے میں دو قول ہیں۔

قول اول۔جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کی تاکید ہے: قول ثانی جو راجح ہے کہ جملہ ثانیہ جملہ اولیٰ کے لئے تاسیس ہے تاکید اعادۃ المعنی کو کہتے ہیں۔

تاسیس افادۃ المعنی کو کہتے ہیں دونوں میں فرق کیا ہے کہ (۱) جملہ اولیٰ میں نفس عمل کی کیفیت کا بیان ہے اور جملہ ثانیہ میں عاملین کی کیفیت کا بیان ہے۔

(۲) جملہ اولیٰ کی نیابۃ فی النیۃ کی عدم مشروعیۃ پر دلالت نہیں۔جبکہ جملہ ثانیہ میں نیابۃ فی النیۃ کی عدم مشروعیت پر دلالت ہے۔اس لئے کہ اس میں ہے ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق جزا ملے گی۔جو خود اس نے کی ہوگی۔(۳) جملہ اولیٰ کی نیت کے تعدد اور عدم تعدد پر کوئی دلالت نہیں۔جملہ ثانیہ میں نیت کے تعدد پر دلالت ہے اس لئے کہ کلمہ ما عموم کے لئے ہے لکھا ہے مسجد میں آنے کے لئے اسی قسم کی نیت کر سکتا ہے۔(۴) جملہ اولیٰ کا تعلق نفس عمل کے ساتھ ہے اور جملہ ثانیہ کا تعلق وجہ عمل اور غرض عمل کے ساتھ ہے کہ غرض اچھی ہونی چاہئے صاحب مشکوٰۃ نے اسی آخری کو پسند کیا ہے۔

الامر الثالث عشر. جملتین کے مفردات کا بیان

فمن کانت هجرته الی الله و رسوله فجهرته الی الله و رسوله و من کانت هجرته الخ۔ان جملوں میں ہجرۃ کالفظ آیا ہے۔
ہجرۃ کی تحقیق،ہجرۃ کالغوی معنی۔انتقال من مکان الیٰ مکان۔اصطلاحی معنی۔انتقال من مکان الی مکان لرضاء الله تعالیٰ۔
پھر ہجرۃ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) ہجرۃ ظاہرہ (۲) ہجرۃ باطنہ۔ہجرۃ ظاہرہ پھر دو قسم پر ہے۔
۱- انتقال من دار الفساد الی دار الامن کهجرة الصحابه من المکة الی الحبشه۔
۲-انتقال من دار الکفر الی دار الاسلام کهجرة الصحابه من مکه مکرمة الی المدینة المنوره قبل فتح المکه۔
کیونکہ فتح مکہ کے بعد تو خود مکہ مکرمہ دارالاسلام بن گیا تھا۔ہجرۃ کی یہ دونوں قسمیں تا قیام قیامت باقی رہیں گی۔
ہجرۃ باطنہ: مانهی الله عنه کو چھوڑ دینا۔معاصی وذنوب کو چھوڑ دینا یہ ہجرۃ ہر وقت ہر مسلمان کی طرف متوجہ ہے۔
والمهاجر مہاجر حقیقی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منہیات کو چھوڑ دے۔

الامر الرابع عشر. جملتین کا جملہ ثانیہ کے ساتھ ارتباط

جس کا حاصل یہ ہے کہ ان میں جملہ سابقہ انما لامرئ مانوی کے اجمال کی تفصیل کا بیان ہے کہ ہر شخص کو مانوی کے مطابق جزا ملے گی۔ ان کا ن حسن فحسن و ان شرفشر ان کان قبیح فقبیح۔اس قاعدہ کلیہ کی توضیح ایک مثال جزئی کے ذریعہ کی اور وہ مثال جزئیہ ہجرۃ والاعمل ہے کہ اگر یہ ہجرۃ والاعمل بنیت صحیحہ ہو تو ہجرۃ مقبولہ اور اگر بنیت فاسدہ ہو تو ہجرۃ مردودہ وغیر مقبولہ ہوگی۔

الامر الخامس عشر. چند سوالوں کے جوابات

سوال: مثال کے اندر ہجرۃ والاعمل کیوں پیش کیا۔جواب:(۱) شان ورود کی وجہ سے۔جواب (۲) تاکہ ہجرۃ کے ماسوا کا حکم بطریق اولیٰ معلوم ہو جائے وہ کیسے؟ اس طرح کہ ہجرۃ والاعمل عظیم ترین عمل ہے کیونکہ عزیز واقارب اور اولاد کو چھوڑنے کی وجہ سے قربانیوں صعوبتوں پر مشتمل ہونیکی وجہ سے عظیم ہے۔اتنا بڑا عمل جب بنیت فاسدہ ہو تو باطل ہو جاتا ہے تو دوسرے اعمال تو بطریق اولیٰ بنیت فاسدہ سے باطل ہو جائینگے۔

سوال: ایک لفظی اشکال دونوں جملوں میں شرط وجزا کے لحاظ سے تغایر نہیں بلکہ تغایر کا ہونا ضروری ہے۔

جواب: (۱) شرط کی جانب نیت وقصد مقدر اور جزا کی جانب اجر وثواب مقدر ہے۔جواب (۲) شرط کی جانب دنیا کا لفظ اور جزا کی جانب فی العقبیٰ کا لفظ مقدر ہے۔جواب (۳) جزا محذوف ہے اور مذکور اس کی علت ہے ای فهجرة مقبوله علت کو جزا کے قائم مقام بنادیا۔
(۴) فهجرته' الی الله و رسوله کنایہ ہے مقبولۃ سے اور مضمون کے اعتبار سے تغایر کا پایا جانا کافی ہے۔الفاظ میں تغایر ضروری نہیں۔

سوال: لفظوں میں اتحاد کا کیا فائدہ ہے؟ جواب: کلام عرب میں بسا اوقات تکرار سے عظمت شان بتلانا مقصود ہوتی ہے۔یہ ہجرۃ کا عمل عظیم ہے۔تبرک اور التذاذ کے لئے اللہ اور رسول کے تذکرے میں تکرار ہے۔

سوال: امرأة دنیا میں داخل ہے عطف الخاص علی العام میں نکتہ کیا ہے؟ جواب: تاکہ شان ورود کی طرف ذہن منتقل ہو جائے یا تاکہ فتنہ نساء کے اخر الفتن ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے فتن دنیا میں سے اشد ضرراً ونقصاناً کے اعتبار سے ہے۔سوال۔ دوسرے جملے میں دوبارہ دنیا اور عورت کا ذکر کیوں کیا نہیں؟ جواب کہ حقارت بتلانے کے لئے دوبارہ ذکر نہیں کیا۔

الامر السادس عشر. متفق علیہ

یہ ایک اصطلاح ہے وہ حدیث جس پر شیخین ایک راوی سے تخریج کرنے پر اتفاق کیا ہو اگرچہ دوسرے علماء کا بھی اس پر اتفاق ہوتا ہے لیکن متفق علیہ سب علماء کے متفق ہونے کی وجہ سے نہیں کہتے بلکہ وجہ وہی ہے جو پہلے ذکر کی ہے۔

والله اعلم بالصواب. تم حدیث النیة بعون الله خالصةً.

کِتَابُ الْاِیْمَانِ

ایمان کے ابواب

(چند مباحث کا بیان)

الامر الاول:۔ بیان ترکیب۔ کتاب الایمان یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو کہ ھذا ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے ھذا کتاب الایمان بعنوان آخر ھذا بحث کتاب الایمان بحث مضاف کتاب الایمان مضاف الیہ بحث مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا اور مضاف والا اعراب مضاف الیہ پر جاری کر دیا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنایا جائے تو مضاف کا اعراب مضاف الیہ پر جاری کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو منصوب پڑھنے کی بھی گنجائش ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے اذکر کتاب الایمان۔ بعنوان آخر اذکر مباحث کتاب الایمان۔

الامر الثانی: کتاب الایمان کو مقدم کرنے کی وجہ کا بیان ۔یعنی کتاب الایمان کو باقی کتب کے عنوانات پر مقدم کیوں کیا؟ اس کی متعدد وجوہات ہیں۔ وجہ (۱)۔ اول مایجب علی المکلف ہونے کی وجہ سے کیونکہ بالغ ہونے کے بعد سب سے پہلے آدمی کی طرف ایمان والا حکم متوجہ ہوتا ہے تو اس وجہ سے اس کو ذکر میں بھی مقدم کیا۔ وجہ (۲)۔ اصل الاصول یعنی تمام عبادات اور اعمال صالحہ کا موقوف علیہ ہونے کی وجہ سے مقدم کیا اور موقوف علیہ کیونکہ موقوف پر مقدم ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو مقدم کیا۔ وجہ (۳)۔ علی الاطلاق تمام عبادات سے ایمان افضل ہے اسی وجہ سے کتاب الایمان کو مقدم کیا کیونکہ مفضول سے افضل مقدم ہوتا ہے اس لئے اس کو مقدم کیا۔

الامر الثالث: دفع دخل مقدر۔ سوال: اس عنوان کے تحت آنے والی احادیث میں جیسے ایمان کا ذکر ہے ایسے ہی اسلام کا بھی ذکر ہے تو صاحب مشکوٰۃ کو ایمان کے ساتھ اسلام کو بھی ذکر کرنا چاہئے تھا۔

پہلا جواب:۔ ملا علی قاریؒ نے اس کے دو جواب ذکر کئے ہیں فرماتے ہیں کہ پہلے جواب کا حاصل یہ ہے کہ بعض علماء نے ایمان و اسلام میں ترادف کا قول ذکر کیا ہے اور مترادفین میں سے ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے۔

دوسرا جواب۔ ایمان اصل ہے اور اسلام فرع ہے تو اصل کا ذکر فرع کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے۔

الامر الرابع: ایمان کے لغوی معنی کا بیان۔ ایمان یہ باب افعال کا مصدر ہے بمعنی تصدیق اور مجرد میں امن سے ماخوذ ہے۔ ایمان بمعنی تصدیق سے ماخوذ ہے اور امن ماخوذ منہ ہے سوال: ان کے درمیان مناسبت کیا ہے؟ جواب: اس سے پہلے بطور تمہید کے یہ سمجھ لیا جائے کہ باب افعال کے کئی خاصے ہیں ان میں سے یہاں دو متحقق ہو سکتے ہیں ا۔ صیرورت ۔۲۔ تصییر اگر صیرورت مراد لیں تو پھر ماخوذ اور ماخوذ منہ کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ مصدق (انسان) تصدیق کی وجہ سے اپنے مکذوب ہونے سے ذاامن ہو جاتا ہے۔ اور خصوصاً تصدیق شرعی کی وجہ سے عذاب الٰہی ابدی سے ذاامن (امن والا) ہو جاتا ہے اور بالخصوص تصدیق شرعی کامل ہونے کی وجہ سے مطلقاً عذاب الٰہی سے ذاامن ہو جاتا ہے اور اگر خاصہ تصییر مراد ہو تو پھر ماخوذ اور ماخوذ منہ کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ مصدق (انسان) تصدیق کی وجہ سے دوسرے کو اپنی تکذیب سے ذاامن بنا دیتا ہے یعنی مصدق دوسرے شخص کو امن والا بنا دیتا ہے کہ میں تیری تکذیب نہیں کروں گا میری طرف سے تجھے کوئی مشقت نہیں آئے گی۔

الامر الخامس: ایمان کا شرعی معنی۔ **التصدیق بجمیع ماعلم کونه من دین محمد صلی الله علیه وسلم بالضرورة۔** ان تمام امور کی تصدیق کرنا جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ہونا بالضرورۃ معلوم ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ بالضرورۃ کا مطلب کیا ہے؟ اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ (ا) ان امور کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں سے ہونا جو عوام وخواص کے درمیان مشہور ہوں۔

سوال۔ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی امر ایسا ہو جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہو لیکن بین العوام والخواص مشہور نہ ہو تو اسکے معلوم نہ ہوتے ہوئے بھی مومن ہو؟ **جواب:**۔ عوام سے مراد عوام کالانعام نہیں بلکہ عوام سے مراد علماء ہیں اور خواص سے مراد مجتہدین ہیں اور ان دونوں حضرات کو وہ امور معلوم ہوتے ہیں۔ (۲) بالضرورۃ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان امور کا دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو۔ پہلا مطلب علامہ زمخشری نے بیان کیا ہے دوسرا مطلب علامہ تفتازانی نے بیان کیا ہے۔

سوال:۔ حدیث جبرئیل سے معلوم ہوتا ہے ایمان شرعی کیلئے صرف امور ستۃ کی تصدیق کافی ہے زائد امور کہاں سے نکال لئے۔

جواب:۔ حدیث جبرئیل میں بعض امور ایسے ہیں جو دین کی تمام ضروریات کو اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں تو ایمان شرعی کے لئے تمام ضروریات دین کے امور پر (ایمان) لانا واجب ہے۔ گویا یہ نکاح کا ایجاب وقبول ہے۔

الامر السادس:۔ ایمان کے لغوی معنی واصطلاحی معنی میں فرق۔ اس میں چند فرق بیان کئے جاتے ہیں۔

ا۔ ایمان بمعنی تصدیق لغوی مطلق تصدیق کا نام ہے یعنی اس کا متعلق عام ہے خواہ ضروریات دین ہوں یا نہ ہوں لیکن ایمان بمعنی تصدیق شرعی کا متعلق خاص ہے یعنی وہ امور جن کا دین محمد کی ضروریات میں سے ہونا ضروری ہے۔ ۲۔ ایمان بمعنی تصدیق لغوی مطلق ہے خواہ تصدیق اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو لیکن ایمان بمعنی تصدیق شرعی خاص ہے اس میں تصدیق بالاختیار ہونا ضروری ہے۔

سوال۔ تصدیق منطقی اور تصدیق شرعی میں کیا فرق ہے؟

جواب تصدیق منطقی عام ہے خواہ اذعان علی وجہ التسلیم ہو یا علی وجہ التسلیم نہ ہو۔ لیکن تصدیق شرعی خاص ہے یعنی تصدیق علی وجہ التسلیم ہو جاننے کے ساتھ ماننا بھی ضروری ہے۔

الامر السابع: چند سوالات اور ان کے جوابات کا بیان۔ **سوال:** ایمان شرعی کا مقتضیٰ یہ ہے کہ نائم کو مومن نہ کہا جائے اس لئے کہ ایمان شرعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالاختیار اور بالقصد ہو اور نائم میں قصد واختیار نہیں ہوتا حالانکہ وہ بالاتفاق مومن ہے۔

پہلا جواب:۔ کون کہتا ہے کہ نائم میں قصد واختیار نہیں ہے بلکہ اس میں قصد واختیار ہے اس لئے کہ تصدیق شرعی اختیاری میں ایک مرتبہ اختیار پائے جانے کے بعد جب تک اس کا منافی نہیں پایا جائے گا اس وقت تک اس کا حکم باقی سمجھا جائے گا۔ اور نائم میں کوئی منافی نہیں پایا گیا۔

دوسرا جواب: کہ دو چیزیں ہیں۔ ا: وجود ۲: استحضار۔ نائم میں اگرچہ استحضار نہیں ہوتا لیکن وجود ہوتا ہے اور ایمان شرعی اختیاری کے معتبر ہونے کے لئے وجود کافی ہے استحضار کا نہ پایا جانا مضر نہیں۔

سوال:۔ ایمان شرعی اختیاری کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ شخص جس سے اقرار کا مطالبہ کیا جائے اور وہ اقرار پر قدرت رکھتا ہے اس کے باوجود انکار کرتا ہے تو اس کو مومن کہنا چاہئے اس لئے کہ اس میں تصدیق شرعی موجود ہے حالانکہ یہ بالاتفاق کافر ہے۔

جواب: تصدیق شرعی اختیاری کے عندالشریعۃ معتبر ہونے کی جو شرائط ہیں ان شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ ہے کہ مطالبہ کے وقت جبکہ اقرار پر قدرت موجود ہو (یعنی گناہ نہ ہو) تو اس وقت اقرار کا بالفعل پایا جانا ضروری ہے اور مادہ نقض میں یہ شرط نہیں پائی جاتی۔ **اذا انتفی الشرط فانتفی المشروط. اذافات الشرط فات المشروط۔**

سوال:۔ اس ایمان شرعی اختیاری کا مقتضیٰ یہ ہے کہ وہ شخص جو علامات مختصہ بالکفار کا مرتکب ہو مثلاً زنار پہننا اور مثلاً القاء قرآن

فی القاذورات العیاذ باللہ (یعنی قرآن کو گندگی میں ڈالنا) کا مرتکب ہو اس کو مومن کہنا چاہئے اس لئے کہ تصدیق تو اس میں بھی پائی جاتی ہے حالانکہ وہ بالا جماع کافر ہے۔ جواب:۔ تصدیق شرعی اختیاری کے عندالشریعۃ معتبر ہونے کی شرائط میں سے ایک اہم شرط یہ ہے کہ اس میں علامات دالۃ علی الکفر میں سے کسی علامات کا نہ پایا جانا ضروری ہے یعنی علامات مختصہ بالکفار اس میں نہ پائی جائیں اور مادہ نقض میں زنار اور القاء قرآن فی القاذورات یہ علامات دالۃ علی الکفر ہیں لھذا یہ مومن نہیں بلکہ کافر ہے۔

الامر الثامن:۔ ایمان کے بسیط یا مرکب ہونے کا بیان۔ یعنی ایمان ذو اجزاء ہے یا نہیں تو اس میں کئی مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب جمہور متکلمین اور احناف کا ہے کہ ایمان بسیط ہے یعنی ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے (تصدیق سے مراد مطلق نہیں بلکہ چند شرائط مذکورہ کے ساتھ خاص ہے یعنی اس کا متعلق خاص یعنی امور شرعیہ ہوں اور تصدیق بالاختیار ہو اور علی وجہ التسلیم ہو ان تمام شرائط سے مقید تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے) نہ اقرار لسانی حقیقت ایمان کا جزء ہے اور نہ ہی اعمال ارکانی حقیقت ایمان کا جزء ہیں۔ بلکہ اقرار لسانی احکام دنیوی کے اجراء کیلئے شرط ہے اور اعمال ارکانی اگرچہ حقیقت ایمانی کا جز نہیں لیکن بایں ہمہ بے فائدہ بھی نہیں بلکہ مکملات ایمان کا ذریعہ ہیں۔ دخول جنت بدخول اولی کا ذریعہ ہے اور درجات عالیہ کا ذریعہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ انکے دلائل کیا ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

اہل جمہور کی پہلی دلیل:۔ کلام میں اصل اور اولیٰ وراجح یہ ہوتا ہے کہ اس کو ایسے معنی پر محمول کیا جائے جو اس کے معنی لغوی وحقیقی کے قریب ہو اور (جو جس معنی سے) زیادہ مناسبت ہو الا یہ کہ دلائل قطعیہ سے کسی لفظ کا معنی لغوی وحقیقی سے کسی دوسرے معنی کی طرف نقل ہونا ثابت ہو جائے۔ (تو الگ بات ہے ورنہ حقیقت اور اصل یہی ہے) اور ظاہر ہے کہ ایمان کا لغوی معنی تصدیق ہے اور کسی دوسرے معنی کی طرف نقل ہونا بھی ثابت نہیں ہے اور اس کی مناسبت زیادہ ہے۔ بنسبۃ اقرار لسانی اور اعمال ارکانی سے فرق صرف اتنا ہے کہ تصدیق شرعی خاص ہے اور معنی لغوی عام ہے اور فرق صرف تقیید اور عدم تقیید کا ہے تو چونکہ اس کی سرحد، ایمان کی سرحد کے ساتھ زیادہ ہے اس لئے اس کو اسی معنی لغوی تصدیق قلبی پر محمول کیا جائے۔

دوسری دلیل:۔ حدیث جبرئیل میں جبرئیلؑ نے ایمان کے متعلق سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند امور ذکر کئے ان تو من باللہ و ملئکتہ و کتبہ الخ تو اس سے معلوم ہوا کہ فقط تصدیق قلبی کا نام ایمان ہے۔

تیسری دلیل:۔ وہ نصوص جن میں اعمال صالحہ کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے مثلاً ان الذین آمنوا و اعملوا الصالحات جیسی متعدد آیات ہیں۔ عطف میں اصل مغائرت ذاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی نظر میں ایمان الگ چیز ہے اور اعمال الگ چیز ہے اس کے علاوہ اور بھی متعدد آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جز نہیں ہیں۔ طریق استدلال یہ ہے کہ اگر اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزء ہوں تو لازم آئے گا جزء (اعمال صالحہ) کا عطف کل (ایمان) پر ہو اور جزء کا کل پر عطف یہ کلام عرب میں شائع ذائع نہیں ہے۔ لیکن متعدد نصوص ایسی ہیں جن میں اعمال صالحہ کا عطف ہے ایمان پر اور یہ قرآن میں شائع ذائع ہے تو معلوم ہوا اعمال صالحہ کی قید کے بغیر ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

چوتھی دلیل:۔ وہ نصوص جن میں ایمان کو معصیت کے ساتھ مقترن کیا گیا ہے ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان بسیط ہے۔ طریق استدلال یہ ہے کہ قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ شئی کا اپنی جزء کی ضد کے ساتھ اقتران نہیں ہوتا حالانکہ قرآن میں متعدد نصوص ایسی ہیں جن میں ایمان کو معصیت کے ساتھ مقترن کیا گیا ہے جیسے وان طائفتان من المومنین اقتتلوا اور بھی متعدد آیات ہیں جن میں ایمان کو معصیت کے ساتھ مقترن کیا گیا ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اگر اعمال صالحہ کو حقیقت ایمان کا جزو مان لیا جائے تو اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جز بنتے ہیں اور معصیت اعمال صالحہ کی ضد ہے تو ایمان اعمال صالحہ کی ضد یعنی معصیت کے ساتھ اقتران لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے تو گویا معلوم ہوا کہ ایمان فقط تصدیق قلبی کا نام ہے۔ ورنہ شئی (ایمان) کی جز (اعمال صالحہ) کی ضد (معصیت) کا شئی (ایمان) کے ساتھ اقتران لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں۔

پانچویں دلیل:۔ تارکین اعمال صالحہ کے ساتھ مومنین جیسا معاملہ کیا جانا جیسے ان کی نماز جنازہ پڑھنا اور مومنین کے قبرستان میں دفن کرنا وغیرہ تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے ورنہ تارک اعمال صالحہ کے ساتھ مومن جیسا معاملہ نہ کیا جاتا تو

مومنین جیسا معاملہ کیا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جز نہیں ہیں۔

سوال:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک شخص کا جنازہ نہیں پڑھایا اس کی وجہ یہ تھی کہ محض اس نے قرضہ دینا تھا۔ تو یہاں معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں؟ **جواب:**۔ جز کے انتفاء سے کل کا انتفاء لازم نہیں آتا۔ لہٰذا یہاں اعمال صالحہ کے ایک جز کے منتفی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ایمان سے خارج ہو گیا۔

چھٹی دلیل:۔ قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ خطاب کر کے معاصی سے توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

مثلاً فرمایا یایہا الذین اٰمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحاً۔ الایۃ۔ توبہ کا حکم بظاہر انہی لوگوں کو ہوگا جو مرتکب معاصی ہیں تو مرتکب معاصی لوگوں کو بھی الذین اٰمنوا کہا گیا ہے معلوم ہوا مرتکب معصیت مؤمن ہے۔ اس دلیل کی مزید تفصیل دلیل نمبر ۴ میں گزر چکی ہے۔

دوسرا مذہب **مرجیہ** کا ہے۔ مرجیہ یہ ارجا سے ماخوذ ہے بمعنی موخر کرنا پس پشت ڈالنا' تو مرجیہ اپنے عقیدہ فاسدہ پر قائم رہنے اور اپنے باطل نظریے پر قائم رہنے کے لئے نصوص کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اس لئے ان کو مرجیہ کہتے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے یعنی ایمان کی حقیقت صرف تصدیق قلبی ہے نہ کہ اقرار لسانی ایمان کا جز ہے اور نہ اعمال ارکانی اور نہ ہی اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں۔

سوال:۔ جب ان کے نزدیک بھی ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے تو پھر کہ جمہور متکلمین' احناف اور مرجیہ کے مذہب کے درمیان فرق کیا ہوا۔ **جواب:**۔ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے کہ جمہور متکلمین و احناف اقراء باللسان کی حیثیت کو شرط ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں اور اعمال ارکانی کو تکمیل ایمان ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں بخلاف مرجیہ کے کہ وہ کہتے ہیں اقرار لسانی اور اعمال ارکانی کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے تو جمہور کے نزدیک اعمال صالحہ کا ہونا مفید اور نہ ہونا نقصان دہ ہے اور مرجیہ کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔ **سوال**۔ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین میں احناف کو مرجیہ سے تعبیر کیا ہے؟

جواب:۔ خیر الاصول میں مولانا خیر محمد صاحبؒ نے ذکر کیا ہے کہ اس فرقہ سے مراد فرقہ غسانیہ ہے جس کا بانی غسان بن ابان ہے جو کہ اصولاً یعنی عقائد کے لحاظ سے مرجیہ تھا اور فروعاً یعنی مسائل کے لحاظ سے امام اعظم ابوحنیفہ کا متبع اور مقلد تھا تو شیخ کی مراد وہ فرقہ غسانیہ مراد ہے۔

دوسرا جواب:۔ ارجاء کے دو معنی ہیں۔ (۱) اعمال صالحہ کو حقیقت ایمان کی جز نہ سمجھنا لیکن مکملات للایمان کے لئے حیثیت تسلیم کرنا۔ (۲) نہ ہی اعمال صالحہ کو حقیقت ایمان کی جز سمجھنا اور نہ ہی حیثیت تسلیم کرنا۔ بعنوان آخر ارجاء بالمعنی الاول یہ ہے کہ اعمال صالحہ کو حقیقت ایمان کا جز قرار نہ دیا جائے لیکن با ایں ہمہ اعمال صالحہ کو تسلیم کیا جائے نفعاً و ضرراً اور ارجاء بالمعنی الثانی یہ ہے کہ نہ جز تسلیم کیا جائے اور نہ ہی مفید اور نقصان دہ سمجھا جائے تو اب ہم کہتے ہیں کہ کتابوں میں ان کی مراد حنفیہ (مرجیہ) سے ارجاء بالمعنی الاول ہے نہ کہ ثانی اور حنفیہ اعمال صالحہ اور اعمال ارکان کو تسلیم کرتے ہیں شرطیت کی حیثیت سے نہ کہ تشطریت کی حیثیت سے۔

دلیل مرجیہ:۔ ان حضرات کی دلیل وہ نصوص ہیں کہ جن میں محض تصدیق قلبی کے پائے جانے پر دخول جنت کو مرتب کیا گیا ہے مثلاً اسی باب کی فصل ثالث کی دوسری روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہے، جس میں ہے کہ جو اس حال میں مرا کہ اس کو معلوم ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور اس طرح اور احادیث بھی ہیں تو ان سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔

اس دلیل کا پہلا جواب:۔ دخول جنت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مطلق دخول جنت یعنی خواہ سیدھا جنت میں جائے خواہ کچھ دیر دوزخ میں گناہوں کی سزا بھگت کر بعد میں جنت میں جائے۔ (۲) دخول جنت اولیٰ یعنی دوزخ میں جانے کے بغیر سیدھے جنت میں جانا نصیب ہو جائے۔ تو نفس تصدیق قلبی پر مطلق دخول جنت کا مرتب ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دخول جنت بدخول اولیٰ مطلق نفس تصدیق قلبی پر مرتب ہو جائے لا الہ الا اللہ پڑھنے سے جو جنت کی بشارات ہیں وہاں مطلق دخول فی الجنۃ مراد ہے۔ دخول اولی نہیں دخول اولی کا وعدہ اس صورت میں ہے جب کہ تصدیق قلبی کے ساتھ اعمال صالحہ بھی مل جائیں اس طرح سے سب نصوص میں تطبیق ہو جائے گی۔

دوسرا جواب:۔ اگر اس فاسد نظریے کو تسلیم کر لیا جائے تو قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص **داله علی ترغیب الاعمال**

الصالحه اور داله علی تر هیب ارتکاب المعاصی بے فائدہ ہو جائیں گی اور یہ بہت بڑی خرابی ہے۔

تیسرا مذہب کرامیہ کا ہے۔ محمد بن کرام ایک شخص تھا جو کہ اس فرقہ کا رہبر تھا اس لئے اس کو کرامیہ کہتے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان بسیط ہے یعنی ایمان کی حقیقت فقط اقرار لسانی ہے۔ تصدیق قلبی ہو یا نہ ہو اعمال صالحہ ہوں یا نہ ہوں۔ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی شخص کے مومن ہونے کے لئے فقط اقرار لسان کو کافی سمجھا جاتا تھا اور اس پر دلیل یہ ہے کہ ایک صحابیؓ نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور وہ ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھنے لگ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قصہ بتایا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا **هل شققت قلبه**' کہ تو نے اس کے دل کو پھاڑ لیا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس نے چونکہ اقرار لسانی کر لیا تھا اس لئے اس کو قتل نہیں کرنا چاہئے تھا اور وہ مومن تھا۔

الزامی جواب اگر ایمان کی حقیقت صرف اقرار باللسان ہو تو اس میں منافقین بھی شامل ہو جائیں گے جو صرف اقرار لسانی کے علاوہ نماز وغیرہ بھی پڑھتے تھے۔ ان کا مومن ہونا ثابت ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کا جو جواب آپ دیں گے۔ وہی ہمارا جواب ہوگا۔

تحقیقی جواب :۔ ایمان دو قسم پر ہے (۱) **المنجی عن العذاب الابدی** (۲) **المنجی عن السیف** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اقرار لسان کو کافی سمجھا جاتا تھا وہ ثانی کے حق میں ہے یعنی **المنجی عن السیف** کے لئے تھا اور وہ محل نزاع نہیں ہے محل نزاع اول ایمان کی قسم اول ہے اور اس میں فقط اقرار لسانی کافی نہیں بلکہ تصدیق قلبی ضروری ہے۔

فائدہ :۔ محققین نے یہ کہا ہے کہ یہ اقرار لسانی اگر تصدیق قلبی کے موافق ہو تو ناجی اور اگر یہ اقرار لسانی تصدیق قلبی کے مخالف ہو تو ھالک ہے۔ تو کوئی معتد بہ اختلاف نہیں ہے۔ (شیخ ابن ہمام)

چوتھا مذہب :۔ **بعض محققین اشاعرہ اور احناف کا دوسرا قول ہے** :۔ ایمان مرکب ہے یعنی ایمان کی حقیقت و ماہیت میں دو چیزیں داخل ہیں۔ (۱)۔ تصدیق قلبی (۲)۔ اقرار لسانی اور یہ دونوں ماہیت ایمان کا رکن ہیں البتہ فرق اتنا ہے کہ تصدیق قلبی رکن لازم ہے یعنی **حالاً من الاحوال** کسی حالت میں بھی ساقط نہیں ہوتا۔ لیکن اقرار لسانی حالت عجز میں ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ دل ایمان سے مطمئن ہو۔ **وقلبه مطمئن بالایمان** (الآیہ)

دلیل (۱) مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله** (کما قال) تو قول اقرار لسانی سے ہوگا تو اس حدیث کے مضمون سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اقرار لسانی ضروری ہے۔

جواب :۔ جمہور متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مدلول یہ ہے کہ احکام دنیوی کے اجراء کے لئے اقرار لسانی کا پایا جانا ضروری ہے۔ جیسا کہ قرینہ اس پر یہ ہے کہ یہاں اقرار لسانی پر انتہائے جنگ وقتال اور جہاد کو مرتب کیا گیا ہے یہ اس بات پر دال ہے کہ اقرار لسانی دنیوی احکام کے اجراء کے لئے ہے کیونکہ قتال یہ دنیوی حکم ہے (یعنی اس حدیث میں اقرار لسانی پر قتال کے موقوف ہونے کو مرتب کیا گیا ہے) جواب دینے کی ضرورت تو نہیں تھی کیونکہ یہ احناف کا قول بھی ہے۔

دلیل (۲)۔ اقرار لسانی میں دو احتمال ہیں (۱) حقیقت ایمان میں داخل ہو (۲) خارج ہو۔

احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اقرار لسانی کو حقیقت ایمان میں داخل قرار دیا جائے۔ کیونکہ ادخال میں نفع ہے اور اخراج میں نقصان ہے۔ اس لئے کہ اگر حقیقتاً اقرار لسانی خارج ہو اور ہم اس کو حقیقت ایمان میں داخل کریں تو فائدہ ہوگا اور مواخذہ نہیں ہوگا اور اگر بالفرض داخل ہے اور ہم اگر اس کو حقیقت ایمان سے خارج کر دیں تو اس پر مواخذہ ہوگا۔ اس لئے اس کو حقیقت ایمان میں داخل مانیں گے خارج نہیں مانیں گے۔

پانچواں مذہب :۔ **جمہور محدثین اور فقہائے شوافع و مالکیہ کا ہے** :۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ ایمان مرکب ہے یعنی حقیقت ایمان تین چیزوں سے مرکب ہے (۱) تصدیق قلبی (۲) اقرار لسانی (۳) اعمال جوارحہ سے۔ یہ تینوں ایمان کا جزو ہیں۔

دلیل :۔ وہ نصوص ہیں جن میں اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق ہوتا ہے جیسے قرآن پاک کی آیت **و ما کان الله لیضیع ایمانکم** ای صلاتکم اور حدیث وفد عبدالقیس (جو کہ مشکوٰۃ میں ہے) وہاں بھی ایمان کا اطلاق اعمال صالحہ پر ہوا ہے۔ تو ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اقرار لسانی اور اعمال جوارحہ کا ایمان کے لئے ہونا ضروری ہے اور یہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں۔

جواب:۔ جمہور متکلمین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ آپ کا استدلال تب تام ہوتا جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ **اطلاق الجز علی الکل** کے قبیل سے ہے حالانکہ اس میں یہ احتمال بھی تو ہے کہ **اطلاق الاصل علی الفرع** یا **اطلاق الاثر علی المؤثر** کی قبیل سے ہو۔ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**۔ لہٰذا یہ دلیل قابل استدلال نہیں۔

سوال: فرق باطلہ کا اختلاف تو کوئی باعث تعجب نہیں لیکن اہل حق کا اختلاف خصوصاً اصل اصول ایمان کے مسئلے میں کیسے ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ کوئی اختلاف نہیں محض تعبیر اور عنوان کا اختلاف ہے یعنی ایمان کی تعبیر بسیط ہونے کے ساتھ کی جائے یا مرکب ہونے کے ساتھ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور متکلمین فرماتے ہیں کہ بسیط کے ساتھ کی جائے اور جمہور محدثین اور فقہائے شوافع و مالکیہ فرماتے ہیں مرکب کے ساتھ کی جائے۔ باقی اس بات میں اتفاق ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔

سوال:۔ باقی رہی یہ بات کہ عنوان میں کیوں اختلاف ہوا ہے؟ اور اس اختلاف کا پس منظر کیا ہے؟

جواب:۔ ہر فریق کا مقصود اپنے زمانے کے فرق باطلہ پر علی وجہ المبالغہ رد کرنا ہے تو جس کے زمانے میں جس کا مقتضی تھا اس نے اسی تعبیر و عنوان سے رد کر دیا ہے چونکہ جمہور متکلمین کا مقصود فرق باطلہ میں سے خوارج پر رد کرنا ہے جن کا عقیدہ یہ تھا کہ اعمال صالحہ کا تارک کافر ہوتا ہے تو ان پر علی وجہ المبالغہ رد کیا ہے کہ ایمان تو ہے ہی بسیط۔ اعمال صالحہ اس میں داخل ہی نہیں ہیں اور جمہور محدثین اور فقہاء کا مقصود فرق باطلہ میں سے معتزلہ پر رد کرنا تھا جن کا عقیدہ یہ تھا کہ تارک اعمال صالحہ مومن باقی نہیں رہتا اگر چہ کافر بھی نہیں ہوتا اور فرقہ مرجیہ پر رد کرنا مقصود تھا جن کا عقیدہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں تو جمہور محدثین نے ان پر رد کرنے کے لئے کہ علی وجہ المبالغہ کہا کہ اعمال صالحہ تو ایمان کا جزو ہیں۔ تو حاصل یہ ہے کہ زمانے کے حالات کے مطابق اور مقتضی کے مطابق تعبیر کو اختیار کیا ہے۔

بعنوان ثانی یوں کہا جائے کہ ایمان کے دو درجے ہیں۔(۱) نفس ایمان (۲) کامل ایمان۔ جن اہل حق نے یہ کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو نہیں یعنی نفس ایمان کا جزو نہیں اور جن اہل حق نے یہ کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہے یعنی کامل ایمان کا جزو ہے اب اس میں کوئی اشکال نہیں۔

بعنوان ثالث یوں کہا جائے گا کہ ایمان دو قسم پر ہے(۱) **المنجی عن دخول النار** (۲) **المنجی عن الخلود فی النار**۔ جن اہل حق نے یہ کہا ہے کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو نہیں ہے تو اس سے مراد وہ ایمان ہے جو **المنجی عن الخلود فی النار** ہو۔ اور جن اہل حق نے یہ کہا کہ حقیقت ایمان کا جزو ہے تو **المنجی عن دخول فی النار** ہو۔ یعنی وہ ایمان جو جہنم میں داخل ہونے سے بچائے وہ ایمان ہے جو اعمال صالحہ کے ساتھ ہو۔

بعنوان رابع یوں کہا جائے گا کہ اجزاء دو قسم پر ہیں (۱) اجزائے حقیقیہ ترکیبیہ جن کے انتفاء سے کل منتفی ہو جاتا ہے مثلاً درخت کی جڑوں کو بالکل کاٹ دینے سے درخت باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح انسان کا سر کاٹ دینے سے انسان باقی نہیں رہتا (۲) اجزائے عرفیہ تزیینیہ کہ جس کے انتفاء سے شئی تو منتفی نہیں ہوتی لیکن شئی کی چمک دمک ختم ہو جاتی ہے۔ حسن و جمال منتفی ہو جاتا ہے مثلاً درخت کی شاخیں کاٹ دیں تو درخت منتفی تو نہیں ہوگا لیکن اس کا حسن و جمال ختم ہو جائے گا اور اسی طرح انسان کے اعضاء کاٹ دیئے جائیں تو انسان ختم تو نہیں ہوگا لیکن اس کا حسن و جمال منتفی ہو جائے گا۔ اس کے بعد اب ہم کہتے ہیں جن اہل حق نے یہ کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو نہیں یعنی اجزائے حقیقیہ ترکیبیہ نہیں کہ ان کے انتفاء سے ایمان منتفی ہو جائے اور جن اہل حق نے یہ کہا کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جزو ہیں یعنی اجزائے عرفیہ وتزیینیہ ہیں۔

چھٹا مذہب خوارج اور معتزلہ کا ہے:۔ وہ کہتے ہیں ایمان امور ثلثہ سے مرکب ہے۔ ا۔ تصدیق قلبی ۲۔ اقرار لسانی ۳۔ اعمال جوارحہ سے۔

سوال:۔ جمہور محدثین اور معتزلہ و خوارج کے مذہب کے درمیان فرق کیا ہوا جبکہ جمہور کے نزدیک بھی ایمان امور ثلثہ سے مرکب ہے اور ان کے نزدیک بھی امور ثلثہ سے مرکب ہے۔

جواب:۔ زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے کہ جمہور کے نزدیک اعمال صالحہ اجزائے عرفیہ تزیینیہ ہیں اور خوارج و معتزلہ کے نزدیک اعمال صالحہ یہ اجزائے حقیقیہ ترکیبیہ ہیں کہ جن کے انتفاء سے ایمان منتفی ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معتزلہ و خوارج کے نزدیک اعمال صالحہ کا تارک اور کبائر

کا مرتکب ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور پھر فرق یہ ہے کہ آیا وہ کافر ہوتا ہے یا نہیں ہوتا تو معتزلہ کے نزدیک منزلۃ بین المنزلتین کے قائل ہیں اور خوارج اسکے قائل نہیں لیکن جمہور کے نزدیک اعمال صالحہ کا تارک اور مرتکب کبائر ایمان سے بھی خارج نہیں ہوتا۔ لہٰذا فرق واضح ہے۔

دلیل۔ انکی دلیل یہ ہے وہ نصوص کہ جن میں اعمال صالحہ کے تارک سے ایمان کی نفی کی گئی ہے جیسے لا ایمان لمن له امانة له۔ اسی طرح حدیث ابو ہریرہؓ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا زنی العبد خرج منه الایمان تو معلوم ہوا کہ یہ مومن نہیں رہیگا۔ زانی سے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔

جواب۔ یہ نصوص زجر علی وجه المبالغه پر محمول ہیں یا مستحل پر محمول ہیں یعنی وہ شخص جوان کاموں کو جائز اور حلال سمجھتا ہے اسکے بارے میں فرمایا ہے۔

الامر التاسع: ایمان کے ساتھ اقرار کے تعلق کی کیفیت کا بیان۔

اس میں متعدد قول ہیں (۱) اقرار لسانی کا ایمان کے ساتھ احکام دنیوی کے اجرا کے لئے شرطیت کا تعلق ہے۔ جیسا کہ مذہب جمہور متکلمین واحناف کا ہے۔ (۲) اقرار لسانی نسیاً منسیاً نہ شرطیت کی حیثیت معتبر ہے اور نہ شطریت کی حیثیت معتبر ہے جیسا کہ مذہب مرجیہ ہے۔

(۳) اقرار لسانی تو عین ایمان ہے۔ جیسا کہ کرامیہ کا قول ہے۔ (۴) اقرار لسانی کا ایمان کے ساتھ رکن ہونے کا تعلق ہے۔ جو رکن حالت اضطراری میں ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ اشاعرہ کا قول ہے (۵)۔ اقرار لسانی ایمان کا جزو تزیینی ہے۔ جیسا کہ جمہور محدثین وفقہاء کا قول ہے۔

(۶)۔ اقرار لسانی ایمان کا جزو حقیقی اور ترکیبی ہے۔ جیسا کہ معتزلہ وخوارج کا قول ہے۔

الامر العاشر۔ ایمان کیساتھ اعمال صالحہ کے عمل کی کیفیت کا بیان۔

۱- اہل حق کے ہاں مکمل للایمان ہونے کا تعلق ہے۔ ۲- جمہور محدثین حضرات کے نزدیک اجزاء عرفیہ تزیینیہ ہونے کا تعلق ہے۔

۳- معتزلہ اور خوارج کے نزدیک اجزاء حقیقیہ ترکیبیہ ہونے کا تعلق ہے۔ ۴- مرجیہ کے نزدیک کوئی تعلق ہے ہی نہیں۔

الامر الحادی عشر۔ بیان ہل الایمان یزید وینقص۔ آیا ایمان زیادتی اور نقصان کو قبول کرتا ہے یا نہیں۔ اس میں تین قول ہیں۔

۱۔ احناف فرماتے ہیں الایمان لایزید ولا ینقص۔ (ایمان نہ زیادتی کو قبول کرتا ہے اور نہ نقصان کو)

۲۔ مالکیہ فرماتے ہیں الایمان یزید ولکن لاینقص۔ یزید بالطاعات۔ (ایمان زیادتی کو تو قبول کرتا ہے لیکن نقصان کو قبول نہیں کرتا) اور ایمان میں زیادتی نیک اعمال کے ساتھ ہوگا۔

۳۔ جمہور محدثین فرماتے ہیں الایمان یزید و ینقص یزید بالطاعات و ینقص بالمعاصی۔ (ایمان زیادتی کو قبول کرتا ہے طاعات کے ساتھ اور نقصان کو قبول کرتا ہے گناہوں کے ساتھ)

دلیل۔ احناف کے نزدیک ایمان کی حقیقت فقط تصدیق قلبی ہے اور تصدیق قلبی نہ بڑھتی ہے اور نہ کم ہوتی ہے لہٰذا الایمان لایزید ولاینقص۔ اور مالکیہ کے نزدیک ایمان بڑھتا ہے لیکن کم نہیں ہوتا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ نصوص میں زیادتی ایمان کا ذکر ہے جیسے و اذا تلیت علیهم آیاته زادتهم ایماناً اس لئے ایمان میں زیادتی مانتے ہیں کہ تسلیم خم چونکہ ایمان کے کم ہونے کا ذکر نہیں اس لئے ایمان نہیں کم ہوتا۔ نصوص میں نقصان ایمان کا ذکر نہیں ہے۔

جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ ایمان بڑھتا بھی ہے طاعات کے ذریعہ اور کم بھی ہوتا ہے معاصی کے ذریعہ سے۔

دلیل۔ یہ ہے کہ چونکہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور اعمال ارکانی اور اقرار لسانی کے مجموعے کا۔ اور نیز زیادتی کا ذکر تو نصوص میں ہے اور قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ کل مایقبل الزیادۃ یقبل النقصان لہٰذا ایمان زیادتی اور نقصان دونوں کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور دونوں کو قبول کرتا ہے۔ یہ قابل للزیادۃ والنقصان ہے۔

یہ بھی کوئی حقیقی اختلاف نہیں لفظی اختلاف ہے۔ جنہوں نے کہا ایمان بسیط ہے انہوں نے کہا الایمان لایزید ولا ینقص اور جنہوں نے مرکب ہونے کا قول کہا انہوں نے کہا الایمان یزید و ینقص۔ بعنوان آخر ایمان کے دو درجے ہیں۔

نمبر(۱)۔نفس ایمان۔(۲)۔کامل ایمان۔جنہوں نے نفس ایمان کا اعتبار کیا ہے انہوں نے کہا **الایمان لایزید و لاینقص** اور جنہوں نے کامل ایمان کا اعتبار کیا ہے انہوں نے کہا **الایمان یزید و ینقص**.

بعنوان ثالث:۔تصدیق میں دو اعتبار ہیں۔۱۔مقولہ کم ہونے کی حیثیت سے۔۲۔مقولہ کیف ہونے کی حیثیت سے۔کم کا مطلب یہ ہے کہ مقدار اور کیف کا مطلب یہ ہے کہ قوۃ وضعف ہو۔تو جن حضرات نے مقولہ کم میں سے ہونے کی حیثیت کے اعتبار سے کیا انہوں نے کہا **الایمان لایزید و لا ینقص** اور جنہوں نے مقولہ کیف میں سے ہونے کی حیثیت کے اعتبار سے کیا انہوں نے کہا **الایمان یزید و ینقص** یعنی ایمان قوی اور ضعیف ہوتا ہے کہاں ابوبکر صدیقؓ کا ایمان ہے اور کہاں دیگر صحابہؓ کا اور باقی عوام کا ایمان ہے۔(اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کم ہے یا زیادہ)

بعنوان رابع:۔زیادتی میں دو اعتبار ہیں(۱)نفس تصدیق کے اعتبار سے زیادتی ہو(۲)مصدق بہ مومن بہ کی تصدیق کی اعتبار سے زیادتی ہو۔نیز متعلقات تصدیق میں اضافہ تدریجاً ہوتا رہا ہے تو جنہوں نے نفس تصدیق کی زیادتی کا اعتبار کیا وہ انہوں نے کہا **الایمان لایزید و لاینقص** اور جنہوں نے متعلقات تصدیق کی زیادتی کا اعتبار کیا انہوں نے کہا **الایمان یزید و ینقص** اور متعلقات تصدیق تدریجاً فتدریجاً بڑھتے رہے ہیں اور اس قسم کی زیادتی کوئی باعث فضیلت نہیں ہے۔اس لئے اب یہ اعتراض بھی وارد نہیں ہوگا کہ پہلے وفات پانے والے صحابہ کرامؓ کا ایمان تھوڑا ہوا۔لیکن یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک تھا اس کے بعد تو نسخ وغیرہ کا مسئلہ بھی ختم ہوگیا۔

الامر الثانی عشر:۔**بیان نسبة بین الایمان و الاسلام** ایمان واسلام کے درمیان نسبت کا دارومدار ان کے مفہوم پر ہے۔اس میں تین قول ہیں(۱)امام غزالیؒ کا قول یہ ہے کہ ان کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔ایمان اخص مطلق ہے اور اسلام اعم مطلق ہے **کل مومن فھو مسلم و کل مسلم فلیس بمؤمن** اس لئے کہ وہ ایمان اور اسلام کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔الایمان تسلیم باطنی مع تسلیم الظاہری اور اسلام انقیاد الظاہری(۲)دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے اس قول کے قائلین کے نزدیک ایمان کی حقیقت فقط انقیاد باطنی ہے اور اسلام کی حقیقت فقط انقیاد ظاہری ہے۔اور کل تین مادے ہوتے ہیں ایک مادہ اجتماعی اور دوسرا افتراقی مادہ اجتماعی جیسے مومن کامل صوفی اس میں انقیاد باطنی اور انقیاد ظاہری دونوں پائے جاتے ہیں اور مادہ افتراقی نمبر(۱)فاسق وفاجر اس میں مادہ انقیاد ظاہری نہیں لیکن انقیاد باطنی پایا جاتا ہے اور مادہ افتراقی نمبر(۲)منافق اس میں انقیاد ظاہری پایا جاتا ہے لیکن انقیاد باطنی نہیں پایا جاتا۔اور تیسرا قول یہ ہے کہ ان کے درمیان تلازم ہے۔تساوی کی نسبت ہے **کل مسلم فھو مؤمن. و کل مومن فھو مسلم**۔یہ محققین کا قول ہے ایمان اللہ کے نزدیک معتبر ہے انقیاد باطنی مع انقیاد ظاہری کے اور اسلام اللہ کے نزدیک معتبر ہے انقیاد ظاہری مع انقیاد باطنی کے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ
حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے اس نے کہا کہ ہم ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اچانک ایک شخص ہم پر ظاہر ہوا جس کے کپڑے نہایت
يَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لا يُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُالسَّفَرِ وَلَا
سفید اور بال بہت زیادہ سیاہ تھے اس پر سفر کا نشان معلوم نہ ہوتا تھا اور نہ ہم میں سے اسے کوئی جانتا تھا۔یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔
يَعْرِفُهُ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ
اپنے دونوں زانو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں زانوؤں سے لگا دیئے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں زانوؤں پر رکھ لئے اور کہا اے محمد مجھے

كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِسْلَامِ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اسلام کی خبر دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تو نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے

وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَ تُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ

اور رمضان کے روزے رکھے۔ بیت اللہ شریف کا حج کرے جبکہ تو اس کی طرف زادراہ کی طاقت رکھے۔ اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ ہم نے

اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْاَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ

تعجب کیا کہ آپ سے پوچھتا ہے اور تصدیق کرتا ہے۔ اس نے کہا مجھے ایمان کے متعلق خبر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ پر فرشتوں پر اور اس کی

تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ

کتابوں اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اس کی اچھی اور بری تقدیر پر بھی تیرا ایمان ہو۔ اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ

اس نے کہا احسان کے متعلق مجھے خبر دیں فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح بندگی کرے کہ تو دیکھتا ہے اس کو اگر نہیں دیکھ سکتا۔ پس وہ دیکھتا ہے تجھ کو اس نے کہا پس

عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنْ اَمَارَاتِهَا قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ

قیامت کے متعلق مجھے خبر دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے تو پوچھ رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے۔ اس نے کہا پس مجھ کو اس کی

رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِى الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا

علامتوں کے متعلق خبر دو۔ آپ نے فرمایا۔۔۔۔۔ لونڈی اپنے مالک کو جنے گی اور۔۔۔۔۔ تو دیکھے ننگے پاؤں والے ننگے بدنوں والے مفلسوں کو بکریوں کے چرواہوں کو کہ

ثُمَّ قَالَ لِىْ يَا عُمَرُ اَتَدْرِىْ مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ

عمارتوں میں فخر کریں گے۔ راوی نے کہا پھر وہ شخص چلا گیا۔ میں دیر تک ٹھہرا رہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے عمر تو جانتا ہے وہ سوالات پوچھنے والا

دِيْنَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ اَبُوْهُرَيْرَةَ مَعَ اخْتِلَافٍ وَفِيْهِ وَاِذَا رَاَيْتَ الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الصُّمَّ

کون تھا میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جاننے والا ہے۔ فرمایا پس تحقیق وہ جبرئیلؑ تھا دین سکھلانے کیلئے آیا تھا (مسلم) ابو ہریرہؓ نے تھوڑے سے

الْبُكْمَ مُلُوْكَ الْاَرْضِ فِىْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَرَاَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ

اختلاف الفاظ کے ساتھ اسے بیان کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں جس وقت تو ننگے پاؤں والوں اور ننگے جسموں والوں بہروں اور گونگوں کو زمین کا بادشاہ دیکھے۔

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْاٰيَةَ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

پانچ چیزیں ہیں کہ ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر یہ آیت پڑھی تحقیق اللہ کے نزدیک علم ہے قیامت کا اور برسانا ہے مینہ کا آخر آیت تک۔

تشریح۔ الامر الاول۔ وجہ تسمیہ بعنوان حدیث جبرئیل اس حدیث مبارک کا عنوان یہ حدیث جبرئیل ہے۔ باقی رہی یہ بات اس حدیث جبرائیل کیوں کہتے ہیں اس حدیث کو حدیث جبرئیل اس لئے کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ مضمون ذکر کیا گیا ہے۔ جبرئیلؑ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اور ان سے سوال کرنا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سوالات کا جوابات دینا تو اس وجہ اور مناسبت سے اس کا نام حدیث جبرئیل رکھ دیا گیا۔

الامر الثانی ۔ وجوہ بدایت حدیث۔ جبرئیلؑ صاحب مشکوٰۃ نے کتاب الایمان کا عنوان ذکر کرنے کے بعد حدیث جبرئیلؑ کو ذکر کیوں کیا؟ وجوہ بدایت کیا ہیں؟

جواب ۔ اس حدیث کا تعلق مابعد کی احادیث سے ایسے ہے جیسے سورۃ الفاتحہ کا بقیہ قرآن سے تعلق ہے۔ یعنی جیسے قرآن میں سورۃ الفاتحہ

قرآن کے اہم مضامین پر اجمالاً مشتمل ہے اسی طرح یہ حدیث بھی باقی احادیث کے اہم مضامین پر مشتمل ہے اسی وجہ سے اس کو مقدم کیا ہے۔ اس لئے کہ اس میں اہم مضامین ہیں مثلاً ایمان اسلام احسان قیامت کے متعلق بحث ہے۔

سوال۔ اس میں معاملات کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب۔ معاملات از قبیل ضرورت ہے از قبیل مقاصد نہیں اور اس حدیث میں مقاصد کا بیان تھا۔ **واللہ اعلم بالصواب**۔

الامر الثالث۔ راوی کے مختصر حالات کا بیان۔ جو ماقبل میں گزر چکا ہے۔

الامر الرابع۔ بیان حصص حدیث وتقطیع حدیث۔ "**قال بینما**" سے لے کر "**وقال یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم**" تک۔

یہ حدیث کا پہلا حصہ ہے جس میں جبرئیلؑ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی کیفیت اور شان کا بیان ہے۔ یعنی بیان کیفیت **مجیت جبرئیل فی خدمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم** جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم صحابہ کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک ایک شخص آ گیا ان کا آنا ایسا تھا گویا کہ سورج طلوع ہو گیا اور آفتاب نکل آیا اس پر انتہائی سفید لباس تھا اور انتہائی کالے سیاہ بال تھے جن پر سفر کے کوئی نشانات بھی نہیں محسوس ہوتے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہیں کے باشندے ہیں لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی ان کو پہچانتا نہیں تھا۔ الغرض وہ حاضر ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے اتنے قریب ہوئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر بہیئت مخصوصہ یعنی دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے رانوں پر رکھ لئے۔ یہاں تک کیفیت مجی جبرئیلؑ کا بیان تھا۔ یعنی حدیث کے پہلے حصے کا بیان۔ **کیف جاء جبرئیلؑ فی خدمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم . لم جاء . متیٰ جاء**.

الامر الخامس:۔ اجوبۃ الاسئلہ۔ (اس حصہ کے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات)

سوال (۱): **بینما نحن** میں بین یہ **لازم الاضافت** ہے اور اس میں اصل یہ ہے کہ اس کی اضافت مفرد کی طرف ہوتی ہے یہاں تو جملے کی طرف ہو رہی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب:۔ جہاں پر یہ قاعدہ ہے کہ بین کی اضافت مفرد کی طرف ہوتی ہے وہاں یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب بین کا اقتران ہو جائے ماکافہ یا الف اشباع کے ساتھ ہو تو وہاں بین کی اضافت جملہ کی طرف ہوتی ہے۔ جملہ اسمیہ ہو یا جملہ فعلیہ ہو۔ بعض حضرات نے اسمیہ کی تخصیص کر دی ہے لیکن محققین فرماتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے الا یہ کہ کثرت بتلانی مقصود ہو۔

ذات یوم۔ سوال: یوم سے پہلے ذات کا اضافہ کیوں کیا گیا ہے؟

جواب۔ تعیین مراد کے لئے ذات کا اضافہ کیا گیا ہے اس لئے کہ یوم کا حقیقی معنی نہار ہے اور مجازی معنی مطلق وقت ہے۔ لیکن جب یوم کی طرف ذات کی اضافت ہو جائے تو اس وقت معنی حقیقی ہی مراد ہوتا ہے تو اسی معنی کو یعنی نہار کو بتلانے کے لئے ذات کا اضافہ کیا گیا یعنی جبرئیل دن ہی میں آئے نہ کہ رات میں قلع۔ طلع بمعنی جاء کے ہے۔

سوال:۔ جآء کو چھوڑ کر طلع کو کیوں ذکر کیا گیا؟

جواب۔ کیونکہ جائی (آنے والا) واقع میں جبرئیل تھے جو کہ فرشتہ ہونے کی وجہ سے نور ہیں اور نور کے لئے طلع کا لفظ بولا جاتا ہے اس لئے طلع کا لفظ ذکر کیا ہے۔ نیز جائی (جبرئیلؑ) کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے۔ کہ گویا آنے والا آفتاب و مہتاب تھا۔

قولہ رجل شدید بیاض الثیاب اس میں **رجل** موصوف اور **شدید بیاض الثیاب** مضاف الیہ مل کر صفت ہے۔

سوال:۔ رجل موصوف نکرہ ہے اور (**شدید بیاض الثیاب**) صفت بوجہ اضافت پر مشتمل ہونے کے معرفہ ہے تو موصوف صفت میں مطابقت نہ ہوئی حالانکہ ان کے درمیان تعریف وتنکیر کے لحاظ سے مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

جواب: شدید یہ صفت کا صیغہ ہے اور قاعدہ ہے کہ صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو تو غیر مفید للتعریف ہوتا ہے تو یہ

اضافت لفظی ہے اور اضافت لفظی تخفیف لفظی کا فائدہ دیتی ہے تعریف کا فائدہ نہیں دیتی۔

قولہ الشعر۔ باقی رہی یہ بات کہ شعر سے مراد کون سے بال ہیں۔ بعض کہتے ہیں داڑھی کے بال مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں سر کے بال مراد ہیں لیکن میری رائے یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں۔ لایری علیه اثر السفر یہ رجل کی صفت ہے۔

قولہ و لایعرفه منا احد۔ دفع دخل مقدر۔

سوال (۵) عدم معرفت کی نسبت اپنی طرف کرنی تو صحیح ہے لیکن باقیوں کی طرف نسبت کیسے درست ہے۔ کیا یہ عالم الغیب تھے کہ اس طرح کہہ دیا (ولا تعرفہ منا احد) جواب۔ مقایسۃ یعنی سب کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہوئے عدم معرفت کی نسبت سب کی طرف کر دی کہ جب مجھ جیسا نہیں پہچان سکا تو اوروں نے کیسے پہچانے ہوں گے۔ یا قرائن کی وجہ سے معلوم ہو گیا ہوگا بنظر تعجب کہ بعض بعض کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ (حتیٰ کہ بعض جگہوں پر لکھا ہے کہ اول وھلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ پہچان سکے۱۲) اس وجہ سے ان کو معلوم ہو گیا ہوگا۔

سوال: (۶) حتی جلس۔ حتی کا ترتب کس پر ہے آیا محذوف پر ہے یا مذکور پر ہے۔ جواب۔ محذوف پر ہے۔ جودنی ہے ای فلدنی حتیٰ جلس۔

سوال (۷): عام طور پر قعود اور جلوس میں فرق ذکر کیا جاتا ہے کہ لیٹا ہوا اگر بیٹھ جائے تو اس کو جلوس اور اگر کھڑا ہوا بیٹھ جائے تو اس کو قعود سے تعبیر کرتے ہیں تو یہاں تقاضا یہ تھا کہ اس کو قعود سے تعبیر کرتے؟ جواب۔ یہ فرق اکثری ہے کلی نہیں۔ لغت میں یہ ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ بعض حضرات نے کہا ہے یہ روایت بالمعنی ہے لیکن صحیح جواب پہلا ہی ہے روایت بالمعنی پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال (۸): الیٰ غایۃ کیلئے موضوع ہے اور جلوس میں کوئی امتداد نہیں ہوتا حالانکہ الیٰ تو امتداد کے لئے آتا ہے۔

جواب۔ یہاں الیٰ عند کے معنی میں ہے یا مع کے معنی میں ہے۔ اپنے حقیقی معنیٰ میں نہیں یعنی امتداد کیلئے نہیں ہے۔

قولہ فاسند رکبتیه الیٰ رکبتیه ووضع کفیه علی فخذیه۔

سوال: (۹): ضمائر اربعہ کا مرجع کیا ہے؟ جواب۔ ضمیر اول، ضمیر ثانی اور ضمیر ثالث کا مرجع متعین ہے کہ ضمیر اول کا مرجع رجل جائی ضمیر ثانی کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ضمیر ثالث کا مرجع رجل جائی ہے۔ لیکن ضمیر رابع کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔ پہلا احتمال رجل جائی تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ رجل جائی (جبرئیلؑ) نے اپنی ہتھیلیوں کو اپنی رانوں پر رکھا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا جبرئیل نے اپنی ہتھیلیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھا تو اس پر سوال ہوگا کہ عام طور پر یہ طریقہ تو بیٹھنے کا نہیں ہوتا۔ تو اس کا جواب عنقریب آ جائے گا۔

سوال (۱۰): جبرئیلؑ کے اس ہیئت مخصوصہ (یعنی سفید لباس اور کالے بال) میں آنے کی حکمت کیا تھی؟

جواب۔ اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ متعلمین کو چاہئے کہ لباس صاف ستھرا ہونا چاہئے خصوصاً جب کہ علم حدیث کو حاصل کیا جائے اس وقت زیادہ صاف ستھرا ہونا چاہئے۔ صاف ستھرا کہا ہے گراں قدر یعنی مہنگا نہیں کہا۔ اور اس لئے کہ علم کو قوتوں (جوانی) کے زمانے میں حاصل کیا جائے اور مخصوص ہیئت میں بیٹھنے سے استاد کے سامنے بیٹھنے کے آداب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نیز اس مخصوص شکل میں آنے کی حکمت یہ ہے کہ تعجب کے اسباب کو جمع کرنا ہے تاکہ حاضرین متوجہ ہو جائیں اور تعلیم کا مقصود بھی پورا ہو سکے۔

سوال (۱۱):۔ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام دحیہ قلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرامؓ نے ان کو کیوں نہ پہچانا۔

جواب۔ یہ ان کا دحیہ قلبی کی صورت میں آنا اکثری تھا اور اس مرتبہ ان کی صورت میں نہیں آئے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ پہچان سکے تھے۔

الامر السادس: وقال یا محمد اخبرنی عن الاسلام سے لے کر دوسرے قال یا محمد تک۔

یہ حدیث کا دوسرا حصہ ہے اس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا

پہلا سوال کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا اور جبرئیل امین کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا یعنی جواب کی تصدیق کرنا اور پھر صحابہ کرامؓ کا اس پر تعجب کرنا اس حدیث میں یہ امور مذکور ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جبرئیلؑ نے ہیئت مخصوصہ میں بیٹھنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ندا کرتے ہوئے اپنے پہلے سوال کا تذکرہ کیا اسلام کے متعلق اور یوں کہا یامحمد **اخبرنی عن الاسلام** جس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان خمسہ کو بیان فرمایا۔ (۱) شہادتین ۔شہادت توحیدؔ شہادت رسالت (۲) اقامت صلوٰۃ۔ (۳) ایتاء زکوٰۃ۔ (۴) صیام رمضان (۵) حج بیت اللہ۔ تو اس جواب کی جبرئیلؑ نے تصدیق کی۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں ہمیں اس پر تعجب ہوا کیونکہ بظاہر سوال کرنا قرینہ ہے اس بات کا کہ پہلے سے جواب معلوم نہیں تھا اور جواب کی تصدیق کرنا یہ قرینہ ہے اس بات پر کہ جواب پہلے سے معلوم تھا۔

الامر السابع : اس حصے کے متعلق چند سوالات اور جوابات

سوال (۱) عام طریقہ یہ ہے کہ حاضر ہونے کے بعد سلام کیا جاتا ہے پھر بات کی جاتی ہے جبرئیل علیہ السلام نے سلام نہیں کیا بلکہ سوالات کرنا شروع کر دیئے؟

جواب: اپنے حال کو سامعین سے مخفی رکھنے کے لئے سلام نہیں کیا تا کہ صحابہؓ یہ سمجھیں کہ یہ بدوی ہے آداب مجلس سے بالکل واقف ہی نہیں اور مقام رسالت ونبوت کے آداب کا پتہ نہیں ہے اور ایک اجنبی سا سمجھ کر میری ہر بات کی طرف توجہ کریں تا کہ آنے والی تعلیم مفید ہو۔

دوسرا جواب بعض احادیث میں سلام بھی مذکور ہے لیکن یہ غیر صحاح کی روایتیں ہیں۔

قولہ ان تومن باللہ۔ سوال: یہ تعریف الشئی بنفسہ ہے جو صحیح نہیں۔ جواب: علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ معرف میں ایمان شرعی اور تعریف میں ایمان لغوی مراد ہے ای **تعتقد و تصدق فلادور**۔ پھر ایمان باللہ سے مراد توحید ہے یعنی حق تعالیٰ شانہ کے وجود کو تسلیم کرنا اور پھر اس کو اپنی ذات وصفات مخصوصہ میں **وحدہ لاشریک لہ** تسلیم کرنا اور ان تمام صفات ثبوتیہ وسلبیہ کا اعتقاد رکھنا اور ان پر پختہ یقین کرنا جو قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔

دلائل وجود باری تعالیٰ: دلیل (۱)۔ وہ صانع جس نے محیر العقول کارخانہ بنایا ہے اور ان گنت کمالات انسان کو دیئے ہیں وہ کون ہے؟ ملحد اور دہریہ کہتا ہے کہ وہ ہیولیٰ ومادے کی استعداد اور صورت نوعیہ وطبیعت کا اقتضاء ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ مادہ خود اندھا بہرا گونگا اور تمام کمالات سے عاری اور قصد وعلم شعور وارادہ اور حیات سے خالی ہے تو وہ دوسرے کو کمالات کیسے دے سکتا ہے۔ لہٰذا لامحالہ موجد میں دائمی حیات اور غایت درجے کی قوت وعلم ارادہ شعور اور دیگر کمالات تسلیم کرنا پڑیں گے۔ تو انہی کمالات وصفات کے موصوف کو اہل اسلام اللہ کہتے ہیں۔ قرآن کی متعدد آیات میں بھی مصنوعات سے صانع پر استدلال کو دہرایا گیا ہے مثلاً ارشاد ہے **ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنہار لأیٰت لاولی الالباب**. (پ۴) اور **ومن ایٰتہ اللیل والنہار والشمس والقمر** (پ۱۲) اور **وفی الارض ایٰت للموقنین** (پ۲۶) و **من ایٰتہ ان خلقکم من تراب** لآیات (پ۲۱)۔

دلیل (۲) ایک اعرابی نے وجود باری تعالیٰ پر یہ دلیل بیان کی **ان البعر لیدل علی البعیر وان اثار الاقدام لتدل علی المسیر فسماء ذات ابراج وارض ذات فجاج وبحار ذات امواج الایدل ذلک علیٰ وجود اللطیف الخبیر فتح الملھم** (ص۱۶۳ج ۱)

دلائل توحید باری تعالیٰ: دلیل (۱) معاذ اللہ اگر متعدد مثلاً دو خدا فرض کر لئے جائیں تو ان میں سے کسی کا عاجز ہونا ممکن ہے یا دونوں کا قادر ہونا ضروری ہے شق اول تو محال ہے کیونکہ عجز منافی ہے وجوب وجود کے اور شق ثانی پر اگر ان میں سے ایک نے کسی امر کا مثلاً ایجاد زید کا ارادہ کیا تو دوسرے کا اس کے خلاف ارادہ کرنا ممکن ہے یا نہیں اگر ممکن نہیں تو اس کا عجز لازم آئے گا جو منافی ہے وجوب وجود کے اور اگر دوسرا پہلے کے خلاف کا ارادہ کر سکتا ہے تو مراد کا ترتب اس کے ارادے پر ضروری ہے یا نہیں مگر ضروری نہیں تو مراد کا تخلف ارادۂ قادر مطلق سے لازم آئے گا جو کہ محال ہے اور اگر ترتب ضروری ہے تو پھر دو مختلف مرادوں کا اجتماع لازم آئے گا کیونکہ ایک واجب کے ارادے سے ایک مراد اور دوسرے واجب کے ارادے سے دوسری مراد اول کی ضد پیدا ہوئی تو اجتماع ضدین لازم آ گیا جو محال ہے اور مستلزم محال خود محال ہے تو معلوم ہوا کہ واجب کا تعدد محال ہے اور وحدت واجب ثابت ہوگئی۔ وھو المطلوب۔

دلیل (۲) تعدد واجب کی صورت میں شے موجود میں دو خداؤں کی زور آزمائی ہوتی جس کی وجہ سے وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر تباہ ہو جاتی

اسی کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے **لو کان فیھمآ الٰھۃ الا اللہ لفسدتا** (پ ۱۷)

دلیل (۳)۔ ایک خدا تدبیر عالم کے لئے کافی ہے یا نہیں اگر کافی ہے تو دوسرا بیکار۔ اور اگر کافی نہیں تو پہلا محتاج ہے۔

دلیل (۴)۔ سورج چاند سے لے کر انسان حیوان گھاس پات تک یہ سب ایک مقرر نظام اور متعین اصول کے پابند نظر آتے ہیں تو نظام کی یہ وحدت و یکسانی منتظم کی وحدت کی کھلی دلیل ہے یہ بالکل واقعاتی استدلال ہے جو نظام فطرت پر مبنی ہے قرآن نے بھی اس طرف اشارہ کیا چنانچہ فرمایا **ماتریٰ فی خلق الرحمن من تفوت** (پ ۲۹) اور **وما کان معہ من الٰہ اذالذھب کل الٰہ بما خلق ولعلا بعضھم علی بعض** (پ ۱۸) اور **قل لو کان معہ الٰھۃ کما یقولون اذالابتغوا الیٰ ذی العرش سبیلاً** (پ ۱۵)۔

قولہ وملائکتہ یہ ملک کی جمع ہے جو ملئک سے مخفف ہے اور ملئک اصل میں مالک تھا الک یا لک الوکۃ باب ضرب بمعنیٰ پیغام رسانی۔ پھر مالک میں قلب مکانی کر کے لام کو ہمزہ پر مقدم کر دیا۔ ملئک ہو گیا پھر تخفیف کے لئے ہمزہ کی حرکت لام کی طرف نقل کر کے ہمزے کو حذف کر دیا ملک ہو گیا اور پھر جمع میں وہ ہمزہ لوٹا دیا گیا ہے۔

ملائکہ کی معنوی تحقیق ملائکہ کے لغوی معنیٰ قاصد اور پیغام رساں کے ہیں اور شرعاً وہ جواہر مجردہ نورانیہ (فلاسفہ) یا اجسام لطیفہ نورانیہ (متکلمین) ہیں جو خدا تعالیٰ کی قدرت سے مختلف اشکال اختیار کر سکتے ہیں جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے **خلقت الملائکۃ من نور و خلقت الجان من نار** اور قرآن مجید میں ہے **فتمثل لھا بشراً سویاً** پ (۱۶) **ایمان بالملئکہ** کا مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کی ان تمام صفات پر ایمان لائے جو قرآن اور صحیح احادیث سے ثابت ہیں مثلاً یہ کہ ان کا خارجی وجود ثابت ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے مکرم و فرمانبردار بندے ہیں اور معصیت سے پاک ہیں اور وہ خدا تعالیٰ اور انبیاء کے درمیان پیغام رسانی کا کام کرتے ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے **بل عباد مکرمون** (پ ۱۷) **لایعصون اللہ ماامرھم و یفعلون مایومرون** (پ ۲۸) **اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلاً و من الناس** (پ ۱۷)۔

قولہ و کتبہ ایمان بالکتب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو جو کتابیں اور صحف عطا فرمائے ہیں وہ سب برحق ہیں اور ان کے مضامین بھی برحق ہیں۔ قرآن مجید میں جن کتب کا نام ذکر کیا گیا ہے ان پر تفصیلاً اور جن کا نام ذکر نہیں کیا گیا ان پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے۔ تفصیل کے ساتھ چار کتب کا ذکر ہے قرآن زبور تورات انجیل اور باقی ایک سو صحیفے ہیں جن میں سے دس حضرت آدمؑ پر اور پچاس حضرت شیثؑ پر اور تیس حضرت ادریسؑ پر اور دس حضرت ابرہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے اور ان سب کا نزول رمضان المبارک میں ہوا۔

قولہ و رسلہ ایمان بالرسل کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا پختہ یقین رکھا جائے کہ تمام انبیاء اور رسل خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور معصوم ہیں اور انہوں نے اپنا فرض منصبی پورا کیا ہے اور جو کچھ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کو دیا ہے وہ سب برحق ہے اور ہر نبی کی امت پر اس کی اطاعت غیر مشروط طور پر واجب تھی۔ مشہور یہ ہے کہ انبیاء اور رسل کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم وبیش ہے ان میں سے رسول تین سو پندرہ ہیں۔ بحوالہ حدیث ابی ذر (مشکوٰۃ ص ۵۱۱ ج ۲)۔

رسول اور نبی میں فرق۔ رسول وہ ہے جو مخاطبین کو جدید شریعت پہنچائے خواہ وہ اس کے اعتبار سے جدید ہو خواہ مرسل الیہم کے اعتبار سے جدید ہو اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو شریعت جدیدہ ہو خواہ قدیمہ ہو تو ان دونوں کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ **فکل رسول نبی ولاعکس** ۔ مگر اس وجہ فرق پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ صاحب شریعت مستقلہ نہ تھے لیکن اس کے باوجود قرآن میں ان کے بارے میں وکان رسولاً نبیاً وارد ہوا ہے اس لئے بہترین فرق وہ ہے جو علامہ حافظ ابن تیمیہ نے کتاب النبوات میں ذکر کیا ہے کہ نبی وہ ہے جس کو اصلاح ناس کے لئے بھیجا گیا ہو اور رسول وہ ہے (جو بالذات مخالفین کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہو اور) جس کو دشمنوں کے ساتھ مقابلے کا حکم بھی ہو خواہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو (کذا فی ارشاد القاری ص ۶۶)

قولہ والیوم الآخر روز قیامت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وقوع پر اور اس میں واقع ہونے والے امور پر پختہ یقین

رکھا جائے مثلاً عالم برزخ قبر کی زندگی اور بعث جسمانی اور حساب و کتاب اور جنت و نار وغیر ذلک پھران پانچ ایمانیات یعنی ایمان کے مذکورہ بالا ارکان خمسہ کا ذکر قرآن میں بھی متعدد جگہ آیا ہے مثلاً ارشاد خداوندی ہے۔ **ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاخر والملئکۃ والکتب والنبین** (پ۲) اور **ومن یکفر باللہ وملئکتہ و کتبہ ورسلہ والیوم الآخر فقد ضل ضلاً بعیداً** (پ۵)۔

قولہ و تومن بالقدر خیرہ و شرہ۔ ایمان بالقدر کا مطلب یہ ہے کہ راحت ونعمت اور کلفت ومصیبت میں سے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے حق میں مقدر ہے اس کے برحق ہونے پر ایمان لائے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے **قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا** پ۱۰ اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے خیر ہو یا شر یہ سب حق تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کے تحت ہے تو تقدیر مظہر ہے مجبر نہیں اور اس مسئلے کی پوری تفصیل باب الایمان بالقدر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سوال: **و تومن بالقدر** میں دوسری ایمانیات کے برخلاف عامل اور متعلق کا اعادہ کیوں کیا گیا؟ جواب (۱) چونکہ یہ مسئلہ محیر العقول تھا اس لئے اہتمام شان کے لئے ایسا کیا گیا ہے **کذافی التعلیق الصبیح** جواب (۲) ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ فرق سے اس طرف اشارہ ہے کہ پہلی چیزوں میں سے کسی چیز کا انکار کرنا کفر کو مستلزم ہے لیکن تقدیر کا انکار کفر کو مستلزم نہیں۔

سوال (۲): جبرئیلؑ نے نداء باسمہ کیوں کی۔ یعنی یا محمد کیوں کہا کسی وصف کو ذکر کر دیتے۔ کیونکہ قرآن میں آتا ہے **لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا۔** (الایۃ) جواب۔ یہ ممانعت بنی آدم کے لئے ہے ملائکہ کو نہیں اور جبرئیل تو ملائکہ میں سے ہیں۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ محمد کا وصفی معنی مراد ہے لیکن یہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

سوال (۳): اخبرنی امر کا صیغہ ہے جو کہ بظاہر آمر کی عظمت شان پر دلالت کرتا ہے حالانکہ معاملہ تو اس کے برعکس ہے۔ اس لئے کہ یہاں مخاطب زیادہ عظمت والا ہے۔ جواب۔ کوئی تلازم نہیں ہے یہ قاعدہ کلی نہیں ہے کبھی اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے جیسے غلام اپنے آقا سے کہتا ہے **انظر الی ساعۃ**۔ تو یہاں آمر عظمت والا نہیں بلکہ مخاطب عظمت والا ہے۔

سوال (۴): جبرئیلؑ نے اپنے سوالات میں سے سوال عن الاسلام کو مقدم کیوں کیا؟

جواب۔ اسلام کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے اور ایمان کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ ظاہر دلیل ہے باطن کی اور دلیل ذو دلیل سے مقدم ہوتی ہے اس لئے اسلام کو مقدم کیا۔ یا بعنوان آخر یوں کہا جائے مرتبے کے اعتبار سے اعلیٰ افضل عقائد ہیں۔ یہاں ترقی من الادنیٰ الی الاعلیٰ مقصود ہے۔

سوال (۵): بعض روایات میں اس کے برعکس ہے یعنی سوال عن الایمان مقدم ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب۔ اصل الاصول ہونے کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

سوال (۶): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیتے ہوئے لفظ اسلام اسم ظاہر کو ذکر کیوں کیا حالانکہ مقام مقام ضمیر ہے۔

جواب: بسا اوقات مقام ضمیر میں اسم ظاہر کو ذکر کیا جاتا ہے شئی کی عظمت شان کو بتلانے کیلئے اور یہاں بھی اسلام کی عظمت شان مقصود ہے۔

سوال (۷): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بننے کیلئے ارکان خمسہ کا ہونا ضروری ہے اور فقہاء کہتے ہیں شہادتین شہادت توحید و رسالت پر اکتفا کافی ہے۔ اگر شہادتین پر اکتفا کافی ہے تو پھر باقی امور کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں ذکر کیا اور اگر باقی امور بھی ضروری ہیں تو پھر فقہاء نے شہادتین پر کیوں اکتفا کو کافی کہا۔ جواب۔ مسلمان بننے کیلئے تمام امور ضروری ہیں باقی فقہاء نے صرف شہادتین پر اکتفا کو اس لئے کافی کہا ہے کہ یہ بمنزل ایجاب وقبول کے ہیں۔ جیسے نکاح کے ایجاب وقبول سے باقی چیزیں خود بخود اسکے ضمن آجاتی ہیں۔ مثلاً نان نفقہ سکنہ وغیرہ اسی طرح شہادتین کے ضمن میں بھی باقی سب امور آجاتے ہیں اس میں کوئی تناقض نہیں رہا۔ تو شہادتین باقی امور کو متضمن ہیں۔

سوال (۸): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان خمسہ کو بیان کرتے ہوئے حج کو استطاعت کے ساتھ مقید کیا باقی امور کو استطاعت کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ حالانکہ جس طرح اس کے لئے استطاعت ضروری ہے اس طرح باقی امور کے لئے بھی تو استطاعت ضروری ہے تو اس کو مقید

کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جواب نظم قرآنی کے ساتھ توافق (پیدا کرنے) کے لئے کہ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے **ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلاً**۔

سوال (۹) قرآن میں کیوں مقید بالاستطاعت کیا ہے؟ جواب حج والے حکم کے لئے امور زائدہ بھی ہیں کہ جن کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا۔ مثلاً زادوراحلہ آنے جانے کا کرایہ اوراسی طرح امن وغیرہ تو اس لئے اس کو استطاعت کی قید کے ساتھ مقید کیا۔

سوال (۱۰): نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارکان خمسہ کو بیان کرتے ہوئے فعل مضارع کے صیغے بیان فرمائے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب۔ کہ فعل مضارع چونکہ دوام واستمرار پر دلالت کرتا ہے تو یہ بات بتلانی مقصود ہے کہ ان ارکان خمسہ میں دوام واستمرار ضروری ہے۔

سوال (۱۱):۔ جبرئیلؑ نے جواب کی تصدیق کیوں کی؟ اوراس کی حکمت کیا ہے؟

جواب۔ اس میں حکمت ناظرین کو جواب کے محفوظ کرنے پر آمادہ کرنا ہے کہ یہ صحیح جواب ہے اوراس جواب پر برانگیختہ کیا ہے۔

سوال (۱۲):۔ دفع دخل مقدر آیا اس جواب سے سائل کو بھی اطمینان ہوا ہے یا نہیں؟

جواب سائل کو بھرپور اطمینان ہوا ہے۔

سوال (۱۳):۔ صحابہ کرامؓ نے تعجب کیوں کیا تھا؟ وجوہ تعجب کیا ہیں؟ جواب۔ تعجب کی پہلی وجہ یہ ہے کہ سوال کرنا قرینہ تھا اس بات پر کہ جواب معلوم نہیں اور تصدیق کرنا قرینہ ہے اس بات پر کہ جواب معلوم ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے سوال کا جواب نبی ہی دے سکتا تھا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ نیز تصدیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے حالانکہ حال یہ ہے **لايعرفه' منا احد** تو یہ وجوہ تعجب ہیں جن کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے تعجب کیا۔

الامر الثامن: **قال فاخبرني عن الايمان** الخ سے حدیث کے تیسرے حصہ کا بیان ہے۔

جس میں جبرئیل امینؑ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے سوالات میں دوسرا سوال کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کا جواب دینا اور جبرئیل امین کا جواب مذکور کی تصدیق کرنا یہ امور مذکور ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل امین نے دوسرا سوال ایمان کے متعلق کیا اور یوں فرمایا **اخبرني عن الايمان**۔ جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ امور ستہ کی تصدیق کا نام ایمان ہے۔ (۱) ایمان باللہ (۲) ایمان بالملائکہ (۳) بالکتب (۴) ایمان بالرسل (۵) ایمان بالیوم الآخر (۶) ایمان بالقدر الخیر والشر۔ تو اس جواب کی جبرئیلؑ امین نے تصدیق فرمائی اور فرمایا **صدقت**۔

الامر التاسع: اس حصہ کے متعلق چند سوالات وجوابات۔ سوال (۱): سوال وجواب میں بظاہر مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ سوال تو بظاہر حقیقت ایمان کے متعلق تھا۔ جواب میں متعلقات ایمان کو ذکر کیا؟ جواب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب میں متعلقات ایمان کو ذکر کرنا اس بات کا قرینہ ہے کہ جبرئیل امین کا مقصود بھی اور منشاء بھی ایمان کے متعلقات کے بارے میں سوال کرنا تھا۔ **فتطابقا**۔

سوال (۲):۔ یہ تعریف الشئی بنفسہ ہے اس لئے کہ سوال میں ایمان کے متعلق پوچھا گیا اور جواب میں بھی ایمان کو ذکر کر دیا گیا؟

جواب: سوال میں معرف ایمان شرعی ہے اور معرف ایمان لغوی مراد ہے۔ تو تعریف الشئی بنفسہ نہ ہوئی بلکہ بالغیر ہوئی۔

سوال (۳):۔ امور ستہ میں سے ملائکہ کے ذکر کو رسل کے ذکر پر مقدم کیوں کیا وجہ تقدیم کیا ہے۔

جواب: ترتیب واقعی کا لحاظ کرتے ہوئے ملائکہ کے ذکر کو مقدم کیا اس لئے کہ ترتیب واقعی میں پہلے فرشتے وحی لاتے ہیں پھر آدمی رسل بنتا ہے اور رسول وپیغمبر کا ہونا بعد میں ہوتا ہے تو اس ترتیب واقعی کا لحاظ کرتے ہوئے ملائکہ کو مقدم کیا نہ کہ افضلیت کے اعتبار سے۔ (یعنی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ملائکہ چونکہ رسل سے افضل ہیں اس لئے ملائکہ کو مقدم کیا گیا۔ بلکہ ملائکہ کا درجہ رسولوں کے درجے کے بعد ہے)۔

سوال (۴): امر سادس کے ساتھ ایمان کا اعادہ کیوں کیا؟ یعنی **ان تؤمن بالقدر خيره** کیوں کہا۔ جواب! ایمان بالتقدیر کی عظمت شان

کو بتلانے کے لئے اعادہ کیا۔ باقی رہی یہ بات کہ قدر کی تعریف کیا ہے۔ اس کی تفصیل باب القدر کے تحت آجائے گی۔

سوال (۵):۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان ان امور ستہ پر بند ہے جبکہ ماقبل میں کہا کہ ایمان کی تعریف یہ ہے بجمیع ماعلم کو نه من دین محمد صلی الله علیه وسلم بالضرورة۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جمیع ماعلم کی تصدیق ضروری ہے۔ جواب: ان امور ستہ میں سے بعض امور ایسے ہیں جو کہ تمام امور شرعیہ کو متضمن ہیں پس اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

سوال (۶): اس حدیث سے ایمان اور اسلام میں کیا تعلق معلوم ہوا ہے۔ جواب۔ مفہوماً تغایر ہے یعنی اسلام اور ایمان کے مفہوم میں تغایر ہے اور حقیقت میں تلازم ہے۔ اسلام ظاہری امور کا نام ہے اور ایمان باطنی امور کا نام ہے۔

سوال (۷): حدیث جبرئیل میں ایمان کا جواب جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے آیا اس میں اعمال صالحہ کا ذکر نہیں ہے۔ جب کہ آگے حدیث وفد عبدالقیس آرہی ہے اس میں ایمان کی تفسیر کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر آیا ہے۔ بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔

جواب:۔ کوئی تعارض نہیں ہے مقام مختلف ہیں۔ ایک مقام مقام تعلیم ہے اور دوسرا مقام مقام موعظت یعنی وعظ ونصیحت ہے۔ مقام تعلیم میں حقائق بیان کئے جاتے ہیں اور مقام موعظت میں اس کے ساتھ اعمال صالحہ کی ترغیب دی جاتی ہے نیز مخاطب بھی مختلف ہیں یعنی یہاں صحابہ کرامؓ کی جماعت اور وہاں عبدالقیس کی جماعت جو کہ ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئی تھی وہ مخاطب ہیں۔

سوال (۸)۔ یہاں پر صحابہ کرامؓ کے تعجب کو ذکر کیوں نہیں کیا گیا۔ اگر صحابہؓ نے تعجب کیا تو مذکور کیوں نہیں کیا گیا اور اگر تعجب نہیں کیا تو وجوہ تعجب تو موجود تھیں تو پھر کیوں ذکر نہیں کیا گیا؟ جواب صحابہؓ نے تعجب کیا ہے لیکن یہاں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اکتفاء بما سبق کرتے ہوئے۔

سوال (۹)۔ جبرئیلؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر جواب کی تصدیق کیوں کی؟ جواب۔ حاضرین کو برانگیختہ کرنے کے لئے اور اس بات پر تنبیہ کرنے کیلئے کہ جواب درست ہے اس کو محفوظ کرلو۔ یا برائے دفع دخل مقدر کہ آیا سائل کو بھی اطمینان ہوا یا نہیں ہوا؟ جواب اطمینان ہوگیا۔

الامر العاشر: قال اخبرنی عن الاحسان۔ یہاں سے حدیث کا چوتھا حصہ شروع ہو رہا ہے اس میں جبرئیل امینؑ کا اپنے سوالات میں سے تیسرے سوال کا ذکر کرنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا پھر جبرئیل امینؑ کا جواب مذکور کی تصدیق کرنا یہ امور مذکور ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جبرئیل امینؑ نے تیسرا سوال احسان کے متعلق کیا اور فرمایا اخبرنی عن الاحسان تو نبی کریم صلی اللہ نے جواب میں ارشاد فرمایا ان تعبدالله کانک تراہ فان لم تکن تراہ کانه' یراک۔ تو جبرئیل نے فرمایا صدقت آپ نے سچ فرمایا۔

الامر الحادی عشر: اس حصہ سے متعلق شدہ چند سوالات اور ان کے جوابات۔

سوال نمبر (۱): جبرئیل کو سوال عن الاحسان کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی اور یہ سوال کیوں کیا گیا؟

جواب: تاکہ امت کو مزینات ایمان واسلام اور مکملات ومحسنات ایمان واسلام کا بھی علم حاصل ہو جائے۔ یعنی معلوم ہو جائے کہ وہ کون سے امور اور کونسی چیزیں ہیں کہ جن کو عمل میں لانے سے اسلام اور ایمان حسن اور کمال والا بن جاتا ہے۔ اس لئے سوال عن الاحسان کی ضرورت پیش آئی اور یہ سوال کیا گیا۔

سوال (۲)۔ سوال عن الاحسان کو سوال عن الاسلام والایمان سے مؤخر کیوں کیا گیا؟

جواب: ترتیب طبعی کا تقاضا یہی تھا اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ مکمل الشئی شئی سے مؤخر ہوتی ہے تو چونکہ احسان یہ ایمان واسلام کے لئے مکمل ہے اس لئے احسان کو مؤخر کیا گیا اور نیز احسان ایسی کیفیت ہے جو کہ ایمان واسلام کو عارضی ہے گویا کہ ایمان واسلام معروف کا درجہ ہے اور احسان عارض کا درجہ ہے اور عارض معروض کے بعد ہوتا ہے اس لئے سوال عن الاحسان کو مؤخر کیا گیا۔

سوال (۳) جبرئیل امینؑ نے جس احسان کے متعلق سوال کیا وہ کونسا احسان ہے اور اس کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: احسان کا استعمال دو طریق پر ہے۔ (۱) بدون حرف جار کے واسطے کے (۲) حرف جار کے واسطے سے۔ جب لفظ احسان کا

استعمال بدون حرف جر کے واسطہ کے ہوتو اس وقت اس کا معنی یہ ہوتا ہے کسی کام کو حسن اور کمال والا بنا دینا جیسے **احسن العمل** کام کو خوبصورت بنایا اور کمال والا بنایا اور جب لفظ احسان کا استعمال بواسطہ حرف جر کے ہو تو اس وقت اس کا معنی ہوتا ہے حسن السلوک جیسے **احسن الیہ**۔

اور یہاں پر پہلا معنی مراد ہے دوسرا معنی مراد نہیں یعنی مطلب یہ ہوگا کہ وہ کونسی چیز ہے کہ جس کو عمل میں لانے سے ایمان اور اسلام ذا حسن اور ذا کمال بن جاتے ہیں۔

سوال (۴)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا **ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک** اسکا مطلب کیا ہے اور اسکا حاصل کیا ہے۔

جواب۔ اس جواب کی کئی تقریریں کی گئی ہیں کچھ صحیح اور کچھ غلط۔ ان میں کچھ صحیح کا بیان ہوگا اور کچھ غلط تقریر کی نشاندہی بھی ہوگی۔

التقریر الاول:۔ پہلی صحیح تقریر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں دو حالتوں کا بیان فرمایا (۱) عابد عبادت کرتے وقت یہ سمجھے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ (۲) عابد عبادت کرتے وقت یہ سمجھے کہ اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ یعنی میں مرئی رب ہوں صرف عقیدہ نہیں بلکہ اپنے ہر قول وفعل حرکت وسکون سے اس کا استحضار ہو۔ ایک لحظہ ولحہ کیلئے بھی غفلت نہ ہو۔ اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ اے عابد جب ان دو حالتوں میں سے کوئی ایک حالت تجھے نصیب ہو جائے تو تو یہ سمجھ کہ میرا ایمان اور اسلام ذا حسن اور ذا کمال بن گیا۔ صوفیا اپنی اصطلاح میں پہلی حالت کو سیر فی اللہ اور دوسری حالت کو سیر الی اللہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

التقریر الثانی: جواب کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مقام بیان کئے۔ (۱) مقام مشاہدہ (۲) مقام مراقبہ۔

درحقیقت مقام مراقبہ مقام مشاہدہ تک پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اب جواب کا حاصل یہ ہے کہ اے مخاطب عابد جب تجھے ان دو مقاموں میں سے کوئی مقام حاصل ہو جائے تو سمجھ کہ مقام احسان حاصل ہو گیا۔

التقریر الثالث: عبادت کی دو حالتیں ہیں (۱) وہ عبادت جو اللہ کو دیکھ کر کی جائے اور (۲) وہ عبادت جو اللہ کو بغیر دیکھے ایسی عبادت کی جائے جو مشابہ ہو اس عبادت کے جو اللہ کو دیکھ کر کی جائے۔ احسان یہ ہے کہ بغیر دیکھے ایسی عبادت کی جائے جو مشابہ ہو حضور میں، توجہ میں، ایسی عبادت کے جو اللہ کو دیکھ کر کی جائے۔ بغیر دیکھ کر عبادت کرنا یہ مشبہ اور دیکھ کر عبادت کرنا یہ مشبہ بہ ہے اور وجہ تشبیہ چمک دمک اور اخلاص ہے۔

سوال (۵): اللہ کو دیکھ کر عبادت کرنا اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جب کہ رویت باری تعالیٰ دنیا میں ممکن ہو حالانکہ رویت باری تعالیٰ دنیا میں ممکن نہیں۔

جواب۔ اس کا منشاء و مقصود (یعنی عبادت کو بنا سنوار کر کرنا اخلاص سے کرنا) اے بندے تیرا خدا کو دیکھنا نہیں بلکہ خدا کا تجھ کو دیکھنا ہے جو ہر حال میں متحقق ہے۔ اسی وجہ سے عبادت میں جزا محذوف ہے **فاحسن العبادۃ ایضاً** اصل میں عبارت یوں ہے **فان لم تکن تراہ فاحسن العبادۃ ایضاً** مذکور جزا کی علت ہے۔

التقریر الرابع: چوتھی تقریر جو متصوفین (بتکلف صوفی بننے والے) نے کی ہے وہ یہ ہے کہ (**ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک** اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جزا میں) جواب کے اندر مقام محو (مٹا دینا) کی طرف اشارہ ہے یعنی اگر تم اپنے آپ کو بارگاہ رب میں فنا کردو گے اور اپنے آپ کو مٹادو گے تو اللہ کی رویت حاصل ہو جائے گی۔ **ای افنیت نفسہ بالکلیہ فانہ تراہ**۔

لیکن یہ تقریر غلط ہے نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اس لئے کہ نصوص قطعیہ دال ہیں اس بات پر کہ رویت باری دنیا میں نہیں ہو سکتی۔ نیز قواعد عربیہ کے بھی خلاف ہے نیز اگلا جملہ اس پر منطبق نہیں ہوتا بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ اگر قواعد عربیہ کے مطابق ہوتی تو پھر جزا کو مجزوم ہونا چاہئے تھا۔ **یراک حال کونک مرائیاً لہ**۔ **واللہ اعلم بالصواب وباللہ التوفیق**۔

الامر الثانی عشر: **قال فاخبرنی عن الساعۃ**۔ یہ حدیث کا پانچواں حصہ ہے جس میں جبرئیل امین کا اپنے سوالات سے چوتھا سوال کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جبرئیل امین نے اپنا چوتھا سوال قیامت کے متعلق کیا اور کہا

فاخبرنی عن الساعة جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاماالمسئول عنھا باعلم من السائل۔

الامر الثالث عشر: چند سوالوں کے جوابات۔

سوال (٦)۔ سوال عن الایمان، سوال عن الاسلام اور سوال عن الاحسان سے قیامت سے متعلق سوال کا کیا تعلق ہے۔

جواب:۔ مذکورہ تینوں سوالوں اور اس کے درمیان کئی مناسبتیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تیسرے سوال سوال عن الاحسان کا جواب دیا ان تعبدالله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه' یراک اس سے رؤیت باری تعالیٰ کا شوق پیدا ہوا اور ظاہر ہے کہ رؤیت باری دنیا میں تو ہو نہیں سکتی بلکہ آخرت میں ہوگی تو اس لئے داعیہ پیدا ہوا کہ سوال کیا جائے کہ قیامت کب آئے گی تا کہ رؤیت باری تعالیٰ حاصل ہو جائے اور یہی وجہ زیادہ صحیح اور راجح ہے۔

سوال (٧) قیامت کا وقوع تو یقینی ہے اور وہ چیز جس کا وقوع یقینی ہو اس کے متعلق تو نہیں سوال کیا جاتا اور جبرئیل نے قیامت کے وقوع کے بارے میں سوال کیا۔

جواب: جبرئیل کا سوال نفس وقوع کے اور نفس مجیت کے متعلق نہیں تھا بلکہ کس وقت قیامت واقع ہوگی اس کے بارے میں سوال تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیاماالمسئول عنھا باعلم من السائل۔

سوال (٨)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب ارشاد فرمایا اس میں مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم تسویہ فی العلم کو بیان کرنا ہے یا تسویہ فی عدم العلم کو بیان کرنا ہے؟ جواب بعض جہلاء نے کہا ہے کہ مقصود تسویہ فی العلم کو بیان کرنا ہے۔ بایں طور کہ اے جبرئیل جیسے تجھے نفس وقوع کے بارے میں علم ہے اتنا ہی مجھے علم ہے لیکن قول فیصل یہ ہے کہ اگر لغت کا لحاظ رکھیں تو تسویہ فی العلم کی گنجائش ہے بایں طور کہ اے جبرئیل جس طرح نفس وقوع قیامت کا تجھے علم ہے ایسی ہی مجھے نفس وقوع قیامت کا علم ہے یعنی جس طرح تجھے تعیین وقوع کا علم نہیں ایسے ہی مجھے بھی پتہ نہیں۔

سوال (٩)۔ کتنا مختصر جواب ہوسکتا تھا لاادری لااعلم۔ یہ جواب دے دیتے اتنا لمبا جواب دینے کی کیا ضرورت تھی۔ ماالمسئول عنھا باعلم من السائل ۔بعنوان آخر ایجاز کو چھوڑ کر اطناب کو کیوں اختیار کیا۔ اس کا کیا فائدہ ہے۔

جواب اس کے کئی فائدے ہیں۔ (١) ایک فائدہ یہ ہے کہ عموم کو بتلانا مقصود ہے کہ اے جبرئیل قیامت تک جو بھی اس مسئلے کا سائل اور مسئول ہوگا ان کا حال بھی ایسے ہی ہوگا جو میرا اور تیرا حال ہے۔ (٢) ایک فائدہ نفی علم علی وجہ المبالغہ ہے کہ اے جبرئیل میں مسئول جو افضل الرسل وافضل الانبیاء ہوں اور تم سائل ہو افضل الملائکہ ہو جب تم اور ہم کو قیامت کا علم نہیں تو باقیوں کو بطریق اولیٰ علم نہیں ہوگا۔ اور یہ مقصود لاادری یا لااعلم کہنے سے کیسے حاصل ہوسکتا تھا۔ اسی وجہ سے لمبی عبارت ذکر کی۔ (٣) کلام جبرئیل کے ساتھ موافقت کی وجہ سے لمبا جواب دیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ روایتوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت جبرئیل سے یہی سوال کیا تو حضرت جبرئیل نے یہی جواب دیا تھا تو اب تنبیہ کر دی کہ میں بھی وہی جواب دیتا ہوں جو تم دے چکے ہو۔

الامر الرابع عشر: قال فاخبرنی عن اماراتھا۔ یہ حدیث کا چھٹا حصہ ہے۔ جس میں حضرت جبرئیل کا پانچواں سوال کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا مذکور ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جبرئیل نے اپنا پانچواں سوال علامات قیامت کے بارے میں کیا اور یوں فرمایا فاخبرنی عن اماراتھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں دو علامتیں بیان فرمائیں ولادۃ الامۃ ۔٢۔ رویت تطاول

الامر الخامس عشر: اس حصہ کے متعلق چند سوالات وجوابات۔

سوال (١٠):۔ سوال عن اماراتھا کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ جواب جب قیام قیامت کے متعین وقت کے بارے میں علم نہ ہو کا تو اس کی علامت کے بارہ میں سوال کیا گیا تا کہ عمل کی فکر باقی رہے۔ جذبہ عمل اور شوق عمل فکر آخرت باقی رہے۔ نیز سب فسادات سے بچانے والا عقیدہ استحضار قیامت ہے۔ جس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان تلدالامة ربتھا۔

سوال (۱۱): ان تلد الامۃ ربتھا اس میں ربتھا کو مونث کیوں ذکر کیا؟ جواب۔ ربہ یہ نفس کی تاویل میں تانیث نہیں مراد نفساً نسمۃ کی تاویل میں ہے (یعنی بعض احادیث میں ربھا کا لفظ بھی مذکور ہے (یعنی ذی روح چیز)۔

سوال (۱۲): ان تلد الامۃ ربتھا اس علامت کا مطلب ومفہوم کیا ہے؟ جواب:۔ اس کے کئی مطلب بیان کئے گئے ہیں ان میں سے پہلا مطلب یہ ہے کہ ولادۃ الامۃ یہ کنایہ ہے وسعت اسلام اور غلبہ اہل اسلام سے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو بلاد کفر اور بلاد مشرکین پر غلبہ حاصل ہوگا جس میں غلام قید ہوں گے اور جس میں مال غنیمت میں جواری (لونڈیاں) حاصل ہوں گے ان جواری کے ساتھ مسلمان وطی کریں گے اس وطی کے نتیجہ میں اولاد پیدا ہوگی اور یہ اولاد آقا اور سید کی ہوگی جو قائم مقام سید اور مولیٰ کے ہوگی اور ان کی ماں رعایا میں سے ہیں اسی کو کنایۃً فرمایا ان تلد الامۃ ربتھا۔ یہ علامت کیسے بن گئی جواب ہر کمال راز وال است۔ یعنی جب یہ کمال حاصل ہوا تو زوال بھی ہوگا تو قیامت آئے گی۔

سوال (۱۳): یہ علامت تو صحابہؓ کرام کے زمانے میں پائی گئی اس لئے کہ غلبہ اہل اسلام کو شروع ہوگیا تھا تو اسکے باوجود قیامت نہیں آئی۔

جواب: یہ جو علامات بیان کی ہیں یہ نفس علامت قیامت کا بیان ہے۔ علامات مقرونہ بالساعۃ کا بیان نہیں۔ اور یہ کوئی مستبعد نہیں صحابہ کے زمانے سے شروع ہو چکی ہیں۔

ان تلد الامۃ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے بادشاہوں اور حکمرانوں کی رغبت الی الجواری سے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کی رغبت حرہ کی بنسبت جواری (لونڈیوں) کی طرف زیادہ ہوگی اب وہ ان جواری سے جماع کریں گے اس کے نتیجہ میں اولاد پیدا ہوگی اور یہی اولاد ان حکمرانوں کی جانشین بنے گی اور ان کے قائم مقام بنے گی اور ماں رعایا میں سے ہوگی اسی کو فرمایا ان تلد الامۃ ربتھا۔

اور ایک تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے کثرت جہالت سے امور دینیہ کا کوئی اہتمام نہ ہونے سے اور ام ولدہ کی بیع کی کثرت سے (کنایہ ہے) جس کا حاصل یہ ہے کہ جہالت کا دور دورہ ہوگا اور امور دینیہ کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا اور ام ولدہ کی بیع جو کہ شرعاً ناجائز ہے کثرت سے ہونے لگے گی۔

پھرتے پھراتے ماں اس بچہ کے پاس آجائے گی۔ (محض جہالت کی وجہ سے) اور وہ بچہ اس کا مالک بن جائے گا اور ماں بمنزلہ باندی کے ہوگی تو یہ ہے ان تلد الامۃ ربتھا۔

ایک چوتھا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے عقوق والدین سے جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاد اپنے والدین کے ساتھ ایسا معاملہ کرے گی جو معاملہ آقا اور سید اپنی باندی کے ساتھ کرتا ہے تو یہ اولاد بمنزلہ آقا اور سردار کے ہوگی اور ماں بمنزلہ لمۃ کے ہوگی تو یہی ہے ان تلد الامۃ ربتھا یعنی خادم (یعنی اولاد) مخدوم بن جائیں گے اور مخدوم (والدین) خادم بن جائیں گے انقلاب احوال ہوجائے گا۔

اور یہی چوتھا قول ومطلب زیادہ راجح ہے میرے نزدیک اور یہی راجح قرار دیا گیا ہے نیز اس کے مابعد والی علامت اسی پر منطبق ہوتی ہے اور اسی کے مناسب ہے اور دوسری علامت یہ ہے کہ رذیل قسم کے لوگ اور گھٹیا قسم کے لوگ عمارتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کریں گے برہنہ پاؤں برہنہ جسم مفلس لوگ بکریوں کے چرواہے سب کے سب عمارتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کریں گے یعنی اسافل کا اعزہ بن جانا۔

حفاۃ۔ جمع ہے حاف بمعنی برہنہ پا۔ ننگے پاؤں والا۔

عراۃ۔ جمع ہے عاری برہنہ جسم والے عالۃ جمع ہے عائل کی بمعنی فقیر۔ رعاء جمع ہے راع کی بمعنی چرواہا بکریاں چرانے والا۔

الشاء جمع ہے شاۃ بمعنی بکری۔ بنیان عمارت کو کہا جاتا ہے۔ یتطاولون فخر کریں گے۔

الامر السادس عشر: قال ثم انطلق الخ' سے یہ حدیث کا ساتواں حصہ ہے جو کہ اس حدیث جبرئیل کا تتمہ ہے جس میں رجل جائی کا تعارف اور ان کی حیثیت کی غرض بیان کرنا مقصود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ یہ ارشاد فرماتے ہیں وہ رجل جائی اپنے ان سوالات و جوابات کے بعد وہ چلے گئے اور کچھ وقفہ کے گزرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا اے عمر کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ (رجل

جائی) سائل کون تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا اللہ و رسولہ اعلم کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جاننے والے ہیں یہ کنایہ تھا کہ ہمیں معلوم نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سائل جبرئیل امین تھے اور ان کے آنے کی غرض تمہیں تعلیم دین دینا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے آنے کی غرض یوں بیان فرمائی اتاکم یعلمکم دینکم الخ۔

الامر السابع عشر: اس حصہ کے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات کا بیان۔

قولہ' فلبثت ملیاً الخ۔ سوال (۱۴): ملیًا ای زمانا طویلا طویل زمانے کا مصداق کیا ہے؟ تو دوسری روایت میں اس کا مصداق تین دن مذکور ہیں سوال یہ ہے کہ تین دن عرف میں طویل زمانہ تو نہیں کہلاتا۔ تو پھر ملیاً کیوں کہا؟

جواب۔ شدت طلب کا تقاضا یہ تھا کہ فوری بیان ہو کہ یہ شخص کون ہے تو چونکہ شدت سے طلب تھی تو شدت طلب میں تھوڑا سا زمانہ ایک ساعۃ بھی طویل زمانہ دکھائی دیتا ہے اسی لئے ملیاً فرمایا۔

سوال (۱۵): بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جب جبرئیل امین مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو فرمایا ان کو بلا کر لاؤ تو صحابہؓ تلاش کرنے چلے گئے اور تلاش کیا تو کہیں بھی نظر نہ آئے تو صحابہ کرامؓ واپس آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ نہیں ملے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تعارف کرایا کہ وہ جبرئیل تھے۔ تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً تعارف کرا دیا تھا اور ماقبل کی حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کچھ وقفہ کے بعد تعارف کرایا تو دونوں حدیثوں میں تعارض ہوا۔

جواب:۔ کوئی تعارض نہیں ہوسکتا ہے کیوں کہ حضرت عمرؓ رجل جائی کے چلے جانے کے بعد خود کسی ضروری امر کی وجہ سے اٹھ کر چلے گئے ہوں (اس یقین پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بتلا ہی دیں گے ۱۲) اور باقی صحابہ کرامؓ وہیں بیٹھے رہے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی صحابہ کو تو اسی وقت بتلا دیا ہو اور حضرت عمرؓ کو کچھ وقفہ یعنی تین دن کے بعد بتلایا ہو۔

سوال (۱۶):۔ اتاکم یعلمکم دینکم ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیلؑ تمہیں تعلیم دین دینے کے لئے آئے تھے یعنی معلم بن کر آئے حالانکہ معلم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ہیں اس لئے کہ تعلیم جوابات سے ہوئی ہے نہ کہ سوالات سے تو پھر معلم کی نسبت جبرئیل کی طرف کیسے کر دی؟

جواب۔ حسن السوال بھی نصف العلم ہے۔ یا پھر سبب تعلیم جبرئیلؑ بنے تھے اس لئے مجازی طور پر معلم کی نسبت ان کی طرف کر دی۔

سوال (۱۷):۔ اسولہ اربعہ سے تعلیم حاصل ہوئی (اسئولہ اربعہ سے مراد سوال عن الاسلام سوال عن الایمان اور سوال عن الاحسان اور سوال عن الامارات الساعۃ ہیں) لیکن سوال عن الساعۃ سے کوئی تعلیم حاصل نہیں ہوئی۔

جواب: چیزیں دو قسم کی ہیں ا۔ ممایعلم ۔ مما یمکن ان یعلم ۲۔ ممالایعلم ۔ ممالایمکن ان یعلم۔ اب ہم کہتے ہیں اس سے بھی تعلیم ہوئی ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قیامت کی تعیین غیر ممکن العلم ہے۔ یعنی قیامت کی تعیین کا علم وہ ہے جس کا حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

سوال (۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل دین اسلام ایمان اور احسان کے مجموعے کا نام ہے جب کہ قرآن میں فرمایا ان الدین عنداللہ الاسلام۔ اور اسلام سے مراد کامل اسلام ہے تو تعارض ہو گیا۔ جواب۔ کوئی تعارض نہیں کیونکہ قرآن میں اجمال اور حدیث میں تفصیل ہے۔

فائدہ: حدیث کے شروع میں کہا تھا کہ کچھ سوالات ہیں کیف جاء جبرئیل ۔ لم جاء ۔ متی جاء۔ ان میں سے کیف جاء کا جواب بھی ہو گیا اسی حدیث سے اور اسی حدیث سے لم جاء کا جواب بھی ہو گیا لیکن متیٰ جآء کا جواب معلوم نہیں ہوا۔ تو اس کا کیا جواب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جبرئیلؑ کا یہ آنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخیری زندگی میں ہوا تھا اور حجۃ الوداع کے بعد جبرئیلؑ آئے تھے۔

سوال (۱۹): اس زمانے میں آنے کی اور سوال و جواب کرنے میں کیا حکمت تھی؟ جواب۔ حکمت یہی تھی کہ ۲۳ برس کے زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متفرق احکامات کو متفرق زمانوں اور متفرق جگہوں میں بیان فرمایا تھا جن کو یاد رکھنے اور ضبط کرنے میں دشواری ہوتی

ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا جن کے آنے سے دین کا جوہر اور خلاصہ ایک ہی مجلس میں بیان ہو گیا۔

قولہ ورواہ ابو ہریرہ......الخ: یہ حدیث کا آٹھواں حصہ ہے جس میں ایک فائدے کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ حدیث حضرت عمرؓ سے مروی ہے اسی طرح یہ حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے صرف فرق الفاظ کا ہے حضرت عمرؓ کی مروی حدیث میں **ان تری الحفاۃ العراۃ** کے لفظ ہیں اور مروی ابو ہریرہ میں **اذا رایت الحفاۃ العراۃ** کے الفاظ ہیں۔اور مروی ابو ہریرہ میں **الصم البکم ملوک الارض فی خمس** الخ کے الفاظ ہیں جبکہ مروی عمرؓ نہیں ہیں۔تو باقی رہی یہ بات کہ علامت قیامت کیسے بنے گی۔جواب یہ ہے کہ حاصل علامت قیامت یہ ہے جب اذلۃ اعزہ بن جائیں گے اور برہنہ پاؤں برہنہ جسم لوگ اور گھٹیا قسم کے لوگ ذلیل قسم کے لوگ اعزہ بن جائیں ملوک الارض یعنی زمین کے بادشاہ بن جائیں تو قیامت آجائے گی گونگے اور بہرے لوگ حکمران بن جائیں گے۔

قولہ' الصم البکم ۔سے حقیقۃً گونگا اور بہرہ ہونا مراد نہیں بلکہ گونگے سے مراد یہ ہے کہ لوگ حق گوئی کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے اور بہرے ہونے سے مراد یہ ہے کہ حق سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں گے۔یہ متکبرین سے کنایہ ہے۔

قولہ' فی خمس اس جار مجرور کا تعلق محذوف کے ساتھ ہے جو کہ داخل ہے اور اس کا تعلق سوال **عن الساعۃ** کے ساتھ ہے اور **فی خمس لایعلمھن** یہ خبر ہے۔مبتدا محذوف کی جو کہ علمھما ہے اصل میں عبارت یوں ہے **علمھما و داخل فی خمس لایعلمھن الا اللہ**۔مطلب یہ ہے کہ تعیین قیامت کا علم ان پانچ چیزوں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استشہاد کے یہ آیت پڑھی **ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث ویعلم مافی الارحام و ماتدری نفس ماذا تکسب غداً و ماتدری نفس بای ارض تموت (الآیۃ)**

اور دوسرا قول یہ ہے **فی خمس**۔اس کا تعلق رایت کے ساتھ ہے اور جار مجرور کا متعلق متکبرین ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ جب جاہل لوگ اور متکبرین حکمران ہوں اور دن رات ایسے منصوبے بنائیں جو ان کے بس میں نہیں تو سمجھ لو کہ قیامت قریب ہے لیکن شراح نے اس کو مرجوح قول قرار دیا ہے۔راجح پہلا قول ہے۔

قولہ' ملوک الارض۔اگر رویت سے مراد رویت بصری ہو تو پھر **ملوک الارض** حال ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا اور اگر رویت سے مراد رویت قلبی ہو تو پھر یہ مفعول ثانی رایت کا ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔

متفق علیہ۔اس پر ایک اشکال ہے وہ یہ ہے کہ متفق علیہ اس کو کہتے ہیں جس کو امام بخاری و مسلم دونوں ایک ہی صحابی سے روایت نقل کی ہے اور اس حدیث جبرئیل کو امام مسلم نے حضرت عمر بن الخطابؓ سے نقل کی ہے اور امام بخاریؒ نے اس کو حضرت ابو ہریرہ سے نقل کیا تو اس کو متفق علیہ کہنا صحیح نہیں ہے۔اور یہ کہا جائے کہ چونکہ اس کو دونوں نے نقل کیا ہے اس لئے اس حدیث جبرئیل کو متفق علیہ کہہ دیا ورنہ اس پر اشکال مذکور وارد ہوتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اس کی
شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ
گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز کا اچھی طرح پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔حج کرنا اور
رَمَضَانَ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
رمضان کے روزے رکھنا۔

تشریح: الامر الاول: بیان حاصل مضمون حدیث جس کا حاصل یہ ہے کہ عمارت اسلام پانچ چیزوں سے بنی ہے اور اس کی بناء پانچ امور پر ہے۔۱۔شہادتین (شہادت توحید' شہادت رسالت) ۲۔اقامت صلوۃ ۳۔ایتاء زکوۃ ۴۔حج ۵۔صوم رمضان۔

الامر الثانی: امورخمسہ میں وجہ حصر: وجہ حصر یہ ہے کہ عبادت کا تعلق قول سے ہوگا یا فعل سے۔ اگر قول سے ہوتو دوصورتیں ہیں قولی ہوگا یا غیر قولی اگر قولی ہوتو شہادتین ہے اور غیر قولی ہوتو صوم ہے اور اگر فعلی ہوتو پھر تین حال سے خالی نہیں، فقط بدنی ہوگی یا فقط مالی ہوگی یا دونوں سے مرکب ہوگی۔ اگر فقط بدنی ہوتو صلوٰۃ' اور اگر فقط مالی ہوتو زکوٰۃ' اور اگر دونوں سے مرکب ہوتو حج ہے۔

الامر الثالث: ان امور کو اس حدیث میں اکٹھا ذکر کرنے کی وجہ؟ جس کا حاصل یہ ہے کہ شہادتین کو سرفہرست ذکر کیا اہم اور اصل ہونے کی وجہ سے اور نماز کو اول مایجب علی المکلف ہونے کی وجہ سے اس کے بعد ذکر کیا یعنی اسلام کے بعد اول مایجب نماز ہے اور اس کے بعد زکوٰۃ کو نظم قرآنی کے توافق کی وجہ سے ذکر کیا اس لئے کہ قرآن کریم میں عمومی طور پر زکوٰۃ کو صلوٰۃ کا قرین بنایا گیا جیسے اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ اور باقی رہی یہ بات کہ حج کو صوم پر مقدم کیوں کیا یا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اہمیت کے پیش نظر ایسا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں قدرۃ کے باوجود ترک حج کو کفر کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ ومن کفر فان الله غنی حمید۔ میں اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ نعمتوں کی ناشکری کی قباحت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ شارع نے اس کو کفر کے لفظ سے تعبیر کیا لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم حدیث میں بھی حج کے نہ کرنے پر باوجود استطاعت کے سخت وعید آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص باوجود استطاعت کے حج نہ کرے وہ مجوسی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے کتنی سخت وعید ہے تو حج کی اہمیت کو بتلانے کے لئے صوم پر مقدم کیا۔ اب صوم ذکر کے اعتبار سے پانچویں نمبر پر آ گیا ہے۔

الامر الرابع: سوال: بعض روایات میں صوم کا ذکر حج کے ذکر سے مقدم ہے۔

جواب۔ ترتیب وقوعی اور نفس الامری کا لحاظ کیا ہے۔ صحیح ترتیب یہی ہے جو کہ یہاں مذکور ہے اس میں صرف راویوں کا تسامح ہے یا وہ روایتیں جن میں صوم کا ذکر مقدم ہے ان روایات کو روایت بالمعنی پر محمول کیا جائے گا۔

الامر الخامس: بنی الاسلام علی خمس یہ پہلا جملہ ہے اور یہ پہلا جملہ کئی استعاروں پر مشتمل ہے جس کا حاصل سمجھنے سے پہلے یہ بات سمجھ لی جائے کہ اس حدیث میں فی خمس ممیز ہے جس کی تمیز مقدمہ بمنزل مذکور کے ہے۔ یعنی دعائم ای علی خمس دعائم اس کے بعد استعاروں کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کو ایسے خیمہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو خیمہ پانچ ستونوں پر قائم ہو بایں طور کہ چار ستون اطراف میں ہوں اور ایک وسط میں ہو (تو وہ خیمہ اسلام ہے اور ستون امور خیمہ ہیں) گویا اسلام مشبہ اور خیمہ مشبہ بہ ہے تو اسلام کا لفظ یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور وہ مشبہ بہ غیر مذکور ستون اس کے لوازم میں سے ہے تو یہ استعارہ تخییلیہ ہے اور پانچ کا ہونا خمسہ کا لفظ یہ اس کے مناسبات میں سے ہے تو یہ استعارہ ترشیحیہ ہے۔ کیونکہ پانچ ستونوں کا ہونا کوئی فرض وواجب نہیں ہے۔

الامر السادس: وجہ تشبیہ یہ ہے خیمہ ماینبغی کے حصول اور مالاینبغی سے بچاؤ کا ذریعہ ہے اور گرمی سردی سے بچانا ہے اسی طرح اسلام کا بھی یہی حال ہے کہ یہ جہنم کی گرمی سردی سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

الامر السابع: سوال: مبنی اور مبنی علیہ میں تغایر ہوتا ہے اور یہاں پر تغایر نہیں؟ جواب۔ حروف جارہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں علیٰ من کے معنی میں ہے۔

الامر الثامن: راوی کے مختصر حالات ابن عمرؓ اس سے حضرت عمرؓ کے سارے بیٹے مراد نہیں ہوتے' بلکہ فقط عبداللہ بن عمرؓ ہوتے ہیں اور احادیث میں جہاں کہیں بھی ابن عمر کا لفظ آئے اس سے مراد یہی عبداللہ بن عمرؓ ہوتے ہیں اور عبادلہ اربعہ میں سے ایک ہیں اور یہ ان چھ صحابہؓ میں سے ہیں جو کثیر الرواۃ ہونے میں مشہور ہیں۔ ان کی پیدائش وحی کے نازل ہونے سے ایک سال پہلے ہوئی اور ان کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی اور عبداللہ ابن عمر اپنے والد محترم کے ساتھ ہی مکہ میں اسلام لائے اور یہ بہت چھوٹی عمر کے تھے اور یہ غزوہ بدر میں تو شریک نہ ہو سکے لیکن غزوہ احد میں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تھی ایک قول یہ ہے کہ اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی تھی کیونکہ اس وقت ان کی عمر صرف ۱۴ سال تھی۔ (اور یہ متبع بالرسول سمجھے جاتے تھے) اور بہت اہل علم سمجھے جاتے تھے اور ان کو زہد اور سمجھ بوجھ اللہ نے اعلیٰ درجے کا عطا کیا ہوا تھا حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے بعض دنیا کی طرف مائل ہو گئے یا دنیا انکی طرف مائل ہوگئی۔ سوائے عمرؓ کے اور انکے بیٹے

کے وہ دنیا کی طرف مائل نہیں ہوئے اور حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں ما رایت اورع من ابن عمر ولد اعلم من ابن عباس۔

الامر التاسع:۔ ترکیب نحوی کا بیان شهادة ان لا اله...... الخ معطوف علیہ ہے اور "اقام الصلوة" "ایتاء الزکوة" "والحج" وصوم رمضان یہ معطوفات ہیں۔ لفظ شهادة اور اس کے چار معطوفات کے اعراب میں تین احتمال ہیں۔

(۱) اُن پر جر ہے خمس سے بدل ہونیکی وجہ سے۔ (۲) اُن پر رفع ہے مبتدا محذوف کی خبر ہونے پر مبتدا محذوف ھی ہے یہ سب مل کر اس کی خبر ہیں یا ہر ایک کا الگ الگ مبتدا محذوف ہے۔ ای احدها شهادة ان لا اله...... الخ ثانيها اقام الصلوة...... الخ وثالثها ایتاء الزکوة...... الخ وعلی هذا القیاس۔ (۳) سب پر نصب ہے۔ فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ای اعنی ...... الخ

الامر العاشر:۔ بیان مقصد۔ اس حدیث کو یہاں پیش کرنے سے مقصد مرجیہ کی تردید کرنا ہے کہ وہ اعمال کے ضرورت کے قائل نہیں ہیں اور یہ حدیث اعمال کی ضرورت پر واضح دلیل ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کی چند اوپر ستر شاخیں ہیں ان میں افضل
قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِیْمَانِ (صحیح البخاری وصحیح مسلم)
لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور سب سے کمتر تکلیف دہ چیز کا راستہ سے دور کرنا ہے اور حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات۔ ہریرۃ ہرۃ کی تصغیر ہے یہ کنیت ہے باقی ان کی کنیت ابو ہریرہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ ان کو طبعی طور پر بلیوں سے محبت وانس زیادہ تھا تو ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آستین سے بلی کا بچہ نکلا جو کہ اندر گھسا ہوا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا انت ابو ہریرۃ تو اس دن سے انہوں نے اپنی کنیت انتزاع اور تبرک کی وجہ سے ابو ہریرہ رکھ دی تو یہ کنیت اتنی مشہور ہوئی اتنی مشہور ہوئی کہ انکا اصل نام کیا ہے اس میں اختلاف ہو گیا تو راجح قول یہ ہے کہ انکا اصل نام زمانہ جاہلیت میں عبدالشمس تھا اور زمانہ اسلام میں عبدالرحمٰن یا عبداللہ تھا۔ اور یہ ۷ھ میں مشرف باسلام ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چار سال رہے اور ذخیرہ احادیث میں سب سے زیادہ کثیر تعداد ان سے حدیثیں مروی ہیں تقریباً ۵۰۰۰ کے اوپر کچھ حدیثیں ان سے مروی ہیں سوال یہ ہے کہ ہریرہ کی اضافت ابو کی طرف ہو رہی ہے اور ہریرۃ کا تلفظ غیر منصرف ہے حالانکہ یہاں اضافت موجود ہے اور اضافت یا تو منصرف بنا دیتی ہے یا منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے تو جواب یہ ہے کہ انکی یہ کنیت اتنی کثیر الاستعمال ہے اور مشہور ہے کہ یہ قائم مقام علم کے ہے اضافت کا اعتبار ہی نہیں ہے۔

الامر الثانی: حدیث کے حصص کا بیان وتفصیل۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے تین حصے ہیں (۱) پہلے حصے کا حاصل یہ ہے کہ ایمان ذوشعب یا ذوخصال متعددہ یعنی ذوصفات متعددہ ہیں۔ چنانچہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ (۲) اور دوسرے حصہ میں ان ذوشعب متعددہ میں سے ادنیٰ اور اعلیٰ وافضل کی تعیین کا بیان ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے ان شعبوں میں سے اعلیٰ وافضل شعبہ لا اله الا الله کہنا ہے اور ان شعبوں میں سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے (۳) اور تیسرے حصے میں درمیانی شعبوں میں ایک خاص اور اہم شعبے کا بیان ہے کہ حیا ایمان کا ایک اہم ترین شعبہ ہے۔ شعبہ درخت کی ٹہنی کو کہتے ہیں یہاں مراد خصلة ہے۔

الامر الثالث: مفردات کا بیان اور سوالات وجوابات۔ بضع کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے لیکن یہاں مراد سات ہیں جیسا کہ دوسری روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ الایمان سبع و سبعون شعبة۔ جیسا کہ بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ (صحیح بخاری ۲۰ باب امور الایمان)

سوال: یہاں فرمایا کہ الایمان بضع و سبعون شعبة اور دوسری حدیث میں آتا ہے الایمان بضع و ستون شعبة جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷ باب عدد شعب الایمان) تو دونوں میں تعارض ہوا۔

پہلا جواب۔ کوئی تعارض نہیں اصولی جواب جو کہ امام نوویؒ نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ اعداد میں تعارض نہیں ہوتا۔ دوسرا جواب کہ

خصال اسلام ایمان کا علم تدریجاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تو الایمان بضع و ستون شعبة یہ روایت زمان سابق پر محمول ہے اور الایمان بضع و سبعون شعبة یہ بعد والے زمانے پر محمول ہے۔لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔**تیسرا جواب** کہ شعب ایمان کچھ ایسے ہیں جو متقارب المفہوم ہیں جنہوں نے متقارب المفہوم کو ایک شمار کیا انہوں نے بضع وستون کہا اور جنہوں نے متقارب المفہوم کو علیحدہ علیحدہ شمار کیا انہوں نے الایمان بضع و سبعون شعبة کہا۔**چوتھا جواب** کہ یہاں محض کثرت بتلانی مقصود ہے عدد تحدید وتعیین کے لئے نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے سبعون ذراعاً فاسلکوہ تو اس آیت میں بھی کثرت بتلانا مقصود ہے۔

استعارات:۔ نیز یہ جملہ چند استعاروں پر مشتمل ہے۔شعبہ اصل میں درخشاں شاخ کو کہتے ہیں تو ایمان کو سرسبز وشاداب درخت کے ساتھ تشبیہ دی اور تشبیہ دے کر ارکان تشبیہ میں سے صرف مشبہ یعنی ایمان کو ذکر کرنا یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور مشبہ بہ غیر مذکور یعنی سرسبز ہونا ہے یہ اس کے لوازمات میں سے ہے تو شعبہ کا ذکر استعارہ تخییلیہ ہے اور کثرت کا ہونا مناسبات میں سے ہے تو سبعون کا ذکر یہ استعارہ ترشیحیہ ہے یہ تین استعارے اس میں پائے جاتے ہیں۔

سوال:۔افضلها لا اله الا الله کہنے سے تو آدمی مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ وہ محمد رسول اللہ نہ کہے تو پھر لا الٰہ الا اللہ کیسے افضل ہوا؟

جواب (۱) یہاں ذکر الجز بارادۃ الکل مراد ہے لہٰذا یہاں پورا کلمہ مراد ہے جواب (۲) افضل واعلیٰ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اسلام لانے کے لئے بھی کافی ہو جائے اور جواب (۳) کہ جب اقرار توحید کی نسبت۔باقی امور صوم حج صلوۃ وغیرہ کی طرف کی جائے تو یہ ان امور کے اعتبار سے افضل ہے فلا اشکال فیہ۔

قولہ اماطة الاذی: گزرگاہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانے کی دو صورتیں ہیں (۱) راستے میں کوئی چیز گری پڑی ہو اس کو ہٹا دینا (۲) ابتداہی سے راستے میں کوئی گندی چیز نہ ڈالنا۔یہاں مراد دونوں ہیں کسی کے ساتھ تخصیص نہ کی جائے۔التخصیص من غیر تخصیص نہ کیا جائے۔

سوال:۔درمیانی شعبوں میں سے ''الحیا'' کی تخصیص کیوں؟

پہلا جواب:۔ حیا کی عظمت کو بتلانے کے لئے کہ ان درمیانی شعبوں سے حیا ایک ایسا شعبہ ہے جس کو عمل میں لانے سے کئی خصال وصفات کے حصول کا ذریعہ ہے اگر حیا نہیں تو کچھ نہیں۔

دوسرا جواب (برائے دفع دخل مقدر) حیا تو فطری چیز ہے غیر اختیاری چیز ہے اور ایمان کی سب خصلتیں اختیاری ہیں۔

تو خلاصہ جواب یہ ہے حیاء کی دو قسمیں (۱) حیا طبعی (۲) حیاء شرعی۔حیا طبعی یہ ہے کہ اپنی طبیعت کی ملامت کی وجہ سے نامناسب کام کو چھوڑ دینا اور حیاء شرعی یہ ہے کہ شارع کی ملامت کی وجہ سے کسی نامناسب کام کو چھوڑ دینا' اسی طرح یہ حیاء عرضی بھی ہے اور یہاں ہر حیاء شرعی مراد ہے جو کہ اختیاری ہے باقی سب غیر اختیاری ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے سلامت رہیں

مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَانَهَى اللّٰهُ عَنْهُ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا

اور کامل مہاجر (ہجرت کرنے والا) وہ ہے جو اس چیز کو چھوڑ دے جسے اللہ نے منع کیا ہے۔یہ لفظ بخاری کے ہیں اور مسلم میں ہے کہ ایک آدمی نے

سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مسلمانوں میں کون بہتر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات: راوی کا نام عبداللہ ابن عمرو ہے یہ صحابی ابن صحابی ہیں اور عجیب لطیفہ یہ ہے کہ ان کی

اوران کے اباجان کی عمر کے درمیان صرف بارہ سال کا وقفہ ہے اور یہ کثیر العلم تھے اور اس کے ساتھ ساتھ کثیر العبادت صحابہ میں سے سمجھے جاتے تھے۔
عبداللہ ابن عمروؓ کے پاس ذخیرہ حدیث زیادہ ہے از روئے وجود کے حتیٰ کہ ابو ہریرہؓ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں لیکن نقل کے اعتبار سے حضرت ابو ہریرہؓ سے زیادہ حدیثیں منقول ہیں اس کی وجہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں حدیثیں لکھتا تھا اور ابو ہریرۃ لکھتے نہیں تھے اور ان کو مرکز اسلام میں رہنے کا موقع زیادہ ملا وعظ ونصیحت کا موقعہ زیادہ ملا ان کے تلامذہ بہت اچھے تلامذہ تھے تو انہوں نے اپنے استاد ابو ہریرہؓ کا فیضان آگے تک پہنچایا تو اس وجہ سے ان سے زیادہ احادیث منقول ہیں۔ باقی ان (راوی) کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس بارے میں چار قول ذکر کئے گئے ہیں (۱) ۶۵ (۲) ۶۷ (۳) ۷۲ (۴) ۶۲ ذوالحجہ میں وفات پائی اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ کہاں وفات پائی بعض کہتے ہیں مکہ میں، بعض کہتے ہیں طائف میں اور بعض کہتے ہیں مصر میں وفات پائی، یہی آخری قول راجح ہے۔ اور کل عمر ۷۲ سال پائی۔

الامر الثانی: المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده۔ یہ حدیث کا پہلا حصہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کامل مسلمان وہ شخص ہے کہ جس کی ایذا رسانیوں سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، جس کی ذات سے دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد کے لئے اس طرح بیدار ہونا کہ حضرت عائشہؓ کو پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے ہیں یا نہیں۔ یہ محض امت کو تعلیم دینے کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔ تو اس حدیث میں کامل مسلمان ہونے کا معیار بتلایا گیا کہ کامل مسلمان وہ ہے جو کسی مسلمان کے دکھ کا باعث نہ بنے۔

الامر الثالث: چند سوالات اوران کے جوابات۔

سوال: المسلم یہ معرفہ ہے جو کہ مبتداء ہے اور خبر من سلم المسلمون الخ یہ بھی معرفہ ہے اور قاعدہ ہے کہ جب مبتداء اور خبر معرفہ ہوں تو حصر کا فائدہ دیتا ہے تو اب معنی یہ بنے گا کہ مسلمان ہے ہی وہ شخص جس میں وصف مذکور پائی جائے اس کا مقتضی یہ ہے کہ جس کے اندر یہ صفت مذکور نہ ہو وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں حالانکہ اس کے علاوہ بھی مسلم ہیں۔

جواب: المسلم سے نفس مسلم نہیں مسلم کامل مراد ہے جیسا کہ کلام عرب میں قاعدہ ہے کہا جاتا ہے المال الابل۔ مال تو اونٹ ہیں اس کا مطلب یہ نہیں، کہ اونٹ کے علاوہ مال ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل اور کامل مال اونٹ ہیں اسی طرح الناس العرب یعنی لوگ تو عرب ہیں تو جس طرح ان محاوروں میں مبتدا خبر دونوں معرفہ ہیں۔ حصر کو بتلانے کے لئے نہیں بلکہ کمال کو بتلانے کے لئے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی المسلم سے مراد کامل مسلمان ہے کوئی عام مسلمان مراد نہیں۔ (یہ اتنی بڑی صفت ہے کہ جس کے ذریعہ کامل مسلمان بن جاتا ہے ۱۲)

سوال: کامل مسلمان بننے کی یہ شرط مذکور کافی ہے کہ کسی کو تکلیف نہ دی جائے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس کے علاوہ جو جی میں آئے کرتا رہے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں۔ جواب۔ یہاں ایک اور قید ملحوظ ہے مع رعاية بقية الاوصاف من محاسن الاسلام۔ (یعنی اسلام کے باقی محاسن واوصاف کی رعایت رکھتے ہوئے دوسروں کو تکلیف نہ دے)

سوال: یہ وصف مذکور کمال اسلام کا سبب ہوا (کیونکہ جس چیز کے ذریعہ انسان کامل مسلمان بن جاتا ہے تو وہ مکمل الایمان والاسلام ہو گی تو اس سے معلوم ہوا کہ) یہ اسلام کے شعبوں میں سے عظیم ترین شعبہ ہے (ترک ایذاء یہ بھی اماطة الطريق ہے) اور پہلی حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے اماطة الاذىٰ عن الطريق ادنیٰ شعبہ ہے ایمان کا تو اماطة الاذى کو علیحدہ سے ذکر کرنیکی کیا ضرورت تھی۔

جواب: یہاں پر مطلق اماطة الاذىٰ ہے خواہ اس کا متعلق کچھ بھی ہو طریق ہو یا غیر طریق ہو اور وہاں پر اماطة الاذىٰ خاص ہے جو عن الطريق سے متعلق ہے۔

سوال: حدیث میں آیا المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده اس کا مقتضی تو یہ ہے کہ اہل ذمہ کو تکلیف وایذا پہنچانا جائز ہے۔ حالانکہ جس طرح مسلمانوں کو ایذاء پہنچانا جائز نہیں اسی طرح اہل ذمہ کو (جو کہ امان لے کر دیزہ کے ساتھ دارالاسلام میں آگئے ہیں ان کو بھی) تکلیف پہنچانا جائز نہیں بلکہ دمائهم كدمائنا و اموالهم كاموالنا۔ تو مسلمانوں کی تخصیص صحیح نہ ہوئی؟۔

جواب۔ بلاد اسلامیہ میں چونکہ کثیر الوجود مسلمان ہوتے ہیں اس لئے مسلمانوں کا ذکر کیا اوران کو خاص کیا ورنہ اہل ذمہ بھی اس میں داخل ہیں۔

سوال:۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے مردوں کو تکلیف نہ پہنچائی جائے لیکن اگر عورتوں کو تکلیف پہنچائی جائے تو جائز ہے حالانکہ یہ بھی جائز نہیں ہے تو پھر مسلمات کیوں نہیں کہا؟ **جواب**۔ احکام مشترکہ میں تغلیباً مردوں کا ذکر کر دیا جاتا ہے عورتیں اس میں تبعاً داخل سمجھی جاتی ہیں۔ یا اصل کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔

سوال: ید اور لسان کی تخصیص کیوں کی۔ تخصیص کرنے سے معلوم ہوتا ہے ایذاء بالرجل (پاؤں سے ایذاء دینا) جائز ہے حالانکہ یہ بھی جائز نہیں۔

جواب:۔ اکثر افعال کا صدور زبان اور ہاتھ سے ہوتا ہے اس لئے ان کی تخصیص کی مطلب یہ ہے کہ انسان کی ذات سے تکلیف نہ ہو۔

سوال:۔ لسان کا ذکر ید کے ذکر پر مقدم کیوں کیا؟ **جواب**۔ زبان سے ایذاء اکثر ہوتی ہے اس لئے کہ ہاتھ تو تھک جاتا ہے زبان کبھی تھکتی نہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ زبان کی ایذاء اشد ہوتی ہے بنسبت ہاتھ کی تکلیف سے جیسا کہ شاعر کا قول ہے۔

جراحات السنان لها التیام. ولا یلتام ماجرح اللسان

قوله من لسانه مثلاً سب وشتم غیبت، بہتان، استہزاء، چغل خوری، جھوٹی گواہی، لعن طعن وغیرہ

قوله ویده مثلاً ضرب ناحق، قتل ناحق، غلط تحریر، دھکا دینا، زخمی کرنا، گرانا، لوٹ مار کرنا، غرض یہ کہ کسی طرح بھی کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے لیکن حدود، قصاص، تعزیر، تادیب اطفال، دفاع وغیرہ شرعاً اس سے مستثنیٰ ہیں پھر زبان اور ہاتھ کے ذکر سے مراد پوری ذات انسان ہے۔

سوال: ایذائے ید اور ایذائے لسان میں فرق کیا ہے۔

جواب متعلق کے اعتبار سے فرق ہے ایذائے لسانی کے متعلق عام ہیں حاضرین یعنی موجودین ماضیین اور مستقبلین میں سے کوئی بھی ہو لیکن ایذائے ید کا متعلق خاص ہے صرف موجودین ہیں۔

سوال:۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے تادیب تعزیر اور اجرائے حدود بھی نہ ہوں کیونکہ وہ بھی تکلیف کا باعث ہیں لھذا وہ بھی حرام ہوں گی۔

جواب:۔ یہ ایذاء پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ یہ ٹیکہ لگانے کے مشابہ ہے مال (انجام) کے اعتبار سے راحت ہے اس سے ایذاء مقصود ہی نہیں۔ **دوسرا جواب** بالاجماع یہ چیزیں یعنی تادیب اور تعزیر اور احکام کے لئے اجرائے حدود اس سے مستثنیٰ ہیں۔

الامر الرابع: حدیث کے دوسرے حصہ کا بیان **المهاجر من هجر مانهی الله عنه** الخ حدیث کا دوسرا حصہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں ہجرت کاملہ اور ہجرت باطنہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے مہاجر کامل وہ ہے جو مالا ینبغی یعنی گناہوں کو چھوڑ دے باقی رہی یہ بات کہ اس کو بیان کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ (۱) دفع عجب مقصود ہے جو صحابہ کرامؓ مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے ان کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ ہجرت ظاہرہ پر ہی اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ہجرۃ کاملہ تو ہجرۃ باطنہ ہے لھذا اس کی بھی ضرورت ہے اس کو اختیار بھی کرو (۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو صحابہؓ فتح مکہ سے پہلے ہجرت نہیں کر سکے اور وہیں پر رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی دے رہے ہیں کہ تم نے اگرچہ ہجرت ظاہرہ نہیں کی تو گھبرانے کی بات نہیں تم ہجرت باطنہ اختیار کرو۔ یعنی جن چیزوں سے اللہ نے منع فرمایا اس سے پرہیز اختیار کرو اور اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کیلئے نفسانی خواہشات کو بالکل ترک کرو ایسا شخص حقیقی مہاجر کہلانے کا مستحق ہے۔

الامر الخامس: **هذا لفظ البخاری** الخ۔ یہ حدیث کا تیسرا حصہ ہے جس میں ایک فائدے کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام بخاری و مسلم کی روایت کے الفاظ میں فرق ہے امام مسلمؒ کی روایت کے مطابق یہ جملہ یعنی **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده** ایک سوال کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔

سوال: صاحب مشکوٰۃ کا مقصود اس حدیث کو ذکر کرنے سے کیا ہے۔

جواب: یہ بتلانا مقصود ہے کہ مسلم والی روایت میں **المسلم** سے مراد مطلق مسلم مراد نہیں بلکہ مسلم کامل مراد ہے اس پر قرینہ سائل کا

سائل کا سوال کرنا ہے کیونکہ سائل نے سوال کامل مسلمان کے بارے میں کیا ہے اس لئے یہاں پر بھی کامل مسلمان مراد ہوگا (اس کی تائید کرنی مقصود تھی) اور گر (طریقہ) یہ ہے کہ مشکوٰۃ میں کسی حدیث کا مطلب متعین کرنے کیلئے مابعد والی احادیث کو دیکھنا ضروری ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ
حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں
مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ. ﴿صحيح البخاری و صحيح مسلم﴾
اس کی طرف اس کے باپ اور اس کی اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا ہوجاؤں (متفق علیہ)

الامر اول: راوی کے مختصر حالات حضرت انس بن مالکؓ ان کا نام ہے اور کنیت ابوحمزہ ہے حمزہ ایک سبز بوٹی کا نام ہے اور ان کا طبعی انس اور میلان اس کی طرف زیادہ تھا اسی مناسبت سے ان کی کنیت ابوحمزہ ہوئی۔ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دس سال کی عمر میں ان کو ان کی والدہ محترمہ ام سلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۰ سال خدمت کی اور روایات میں آتا ہے اس دس سال کے عرصے میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مجھے کبھی نہیں کہا کہ یہ کام کیوں کیا ایسا کیوں کیا۔ جہاں پر یہ شفقت نظر آتی ہے وہاں ان کا یہ کمال بھی نظر آتا ہے کہ انہوں نے دس سال کے عرصے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی بات کہنے کا موقع ہی نہیں دیا (سبحان اللہ) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں چار دعائیں فرمائی تھیں۔ (۱) عمر میں برکت کی۔ (۲) اولاد میں برکت کی (۳) رزق میں برکت کی (۴) مغفرت ذنوب کی۔ چنانچہ آپ کی عمر کا حال یہ تھا کہ ۱۰۰ اسے زائد سال کی عمر کا عرصہ پایا اور اولاد کا یہ عالم تھا فرماتے ہیں کہ میں نے سو سے زائد اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا اور رزق میں برکت کا حال یہ تھا کہ مدینہ میں ان کا ایک باغ تھا باقی تمام لوگوں کے باغات سال میں ایک مرتبہ پھل دیتے تھے اور ان کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا اور اس باغ میں ایک پھول تھا ريحه كريحه المسک ريحانه كريحان المسک حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ تین دعائیں قبول ہوگئی ہیں تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ چوتھی دعا بھی ضرور قبول فرمائیں گے اور وہ دعا میرے حق میں ضرور قبول ہوگی۔

ایک ذاتی واقعہ۔ میرا بچہ شعبان المعظم میں ۱۴۱۸ھ پیدا ہوا تو میں نے سوچا کہ اس کے لئے کیا دعا کروں۔ تو سوچتا رہا حتیٰ کہ میرے دل میں آیا کہ میں وہی دعائیں کردوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کے بارے میں چار دعائیں کی تھیں تو میں نے وہی دعائیں کردیں۔ اس کے بعد مردم شماری کا سلسلہ چلا تو پھر نام کا مسئلہ بھی آ گیا کہ اس بچہ کا نام کیا رکھنا چاہئے تو کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ کہا بالآخر طے یہ ہوا کہ اس کا نام محمد انس رکھا جائے تو اس بچہ کا نام محمد انس رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو انس بنائے آمین ثم آمین۔

الامر الثانی: چند سوالات اور انکے جوابات۔ سوال:۔ محبت قلب کے میلان کو کہتے ہیں اور قلب کا میلان غیر اختیاری ہے تو محبت بھی غیر اختیاری ہوئی تو پھر محبت کا مکلف بنانا کیسے صحیح ہوا۔ یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب:۔ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ محبت طبعیہ ۲۔ محبت عقلیہ۔ محبت طبعیہ کا مطلب یہ ہے کہ غیر اختیاری طور پر کسی کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور محبت عقلیہ وہ محبت ہوتی ہے جو کسی کے کمالات اور خوبیاں سوچنے سے پیدا ہوتی ہے۔ خواہ اس کی طرف طبیعت کا میلان نہ ہو مثلاً کڑوی دوا پینا طبعاً مرغوب نہیں لیکن عقلمند مریض رغبت سے پیتا ہے اور حدیث میں جس محبت کا مکلف بنایا گیا ہے اس سے مراد محبت عقلیہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر اور منشاء کو تعارض کے وقت ترجیح دینا۔ مثلاً ایک طرف شادی ہے جس میں رسوم ورواج ہوں اور ایک طرف فرمان رسول ہے تو اس وقت امتحان ہوگا کہ آیا حب رسول ہے یا نہیں۔ اور (دوسرا قول) یہ ہے کہ محبت طبعی ہی مراد ہے محبت طبعیہ اگرچہ اپنی ذات کے اعتبار سے غیر اختیاری ہے لیکن اس کے اسباب میں بار بار توجہ اور غور وفکر کرنے سے استحضار کرے تو محبت طبعیہ کا حاصل ہوجانا کوئی مستبعد نہیں ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ محبت کے اسباب کیا ہیں تو وہ تین ہیں۔ ۱۔ حسن ۲۔ کمال ۳۔ عطاء یعنی سخاوت۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ

تینوں اسباب علی وجہ الاتم اور علی وجہ الکمال پائے جاتے تھے حسن کا تو یہ عالم تھا کہ نور چمکتا تھا جیسے شعر ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں دارند تو تنہا داری

شاعر اظہار عقیدت میں بے تاب ہو کر کہتا ہے۔

خلقت مبرأ من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

ذاتی واقعہ۔ایک مرتبہ میں نے حضرت درخواستیؒ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کے بارے میں یہ شعر کہا گیا ہے آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔اور تمام کمالات علی وجہ الاتم پائے جاتے تھے تو مجلس میں جب کوئی اجنبی آتا تھا تو اس کو پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی این محمد صلی اللہ علیہ وسلم من محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔تو اس کی تشریف آوری کے موقع پر کیا وجہ ہے پہچان کیوں نہیں لیتے تھے حضرت درخواستیؒ نے بڑا عمدہ جواب دیا جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے فرمایا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کا حال یہ تھا کہ اس کا عکس حاظرین پر پڑتا تھا آنے والے کو سب یکساں دکھائی دیتے تھے اس لئے پوچھنا پڑتا تھا''۔

اور کمالات تو ظاہر ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر علی وجہ الاتم پائے جاتے تھے اور باقی عطاء معنوی تو تھی ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین دیا اور عطاء ظاہر بھی تھی کہ حضرت بلالؓ عنہ کو متعین کر رکھا تھا کہ جب کوئی سائل آئے تو اس کو جو کچھ مانگے دے دینا اور اگر آپ کے پاس لوگوں کو دینے کے لئے نہ ہو تو قرضہ لے کر دے دینا۔جیسے شعر ہے۔

ماقال لاقط الافی تشهده لولاالتشهد لكانت لاء ہ نعم

تو جب یہ چیزیں علی وجہ الاتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں تو حب طبعی بھی مراد لینا ممکن ہے اس کی تائید حضرت عمرؓ کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! میرے دل میں باقی تمام چیزوں سے آپ کی محبت زیادہ ہے لیکن میرا نفس مجھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب ہے۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ اس وقت تک کام نہیں چلے گا جب تک کہ اپنے نفس کی محبت سے بھی زیادہ مجھ سے محبت نہ ہو تو حضرت عمرؓ نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد فرمایا کہ اب مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگئی ہے تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کی وجہ سے ان کو حب طبعی بھی حاصل ہوگئی۔اور اس کی (دوسری توجیہ) یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اولاً اس کا مصداق حب طبعی کو سمجھا لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا تو پھر حضرت عمرؓ اس سے سمجھ گئے کہ حب عقلی مراد ہے۔

سوال:۔ والدین کی محبت یاد آتی ہے اور ستاتی ہے اور اعزا و اقارب کی محبت یاد آتی ہے دوست واحباب کی محبت یاد آتی ہے اور ستاتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ستاتی نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ستاتی نہیں تو مومن نہیں ہے۔

جواب:۔ یہ محبت تقابل کے وقت ظاہر ہوتی ہے اس وقت تو ایک معمولی انسان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو ترجیح دے گا۔مثلاً ایک بچہ نے اگر خدانخواستہ قرآن مجید نیچے گرادیا تو فوراً اس کے والد صاحب اٹھ کر اس کے منہ پر تھپڑ لگائیں گے یہ حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگی وغیرہ۔

سوال:۔ من والدہ کہا لیکن والدہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا والدہ کی محبت سے بھی زیادہ ہونا ضروری ہے؟

جواب:۔ یہاں اسم فاعل (والد) ذی کذا کے معنی میں ہے معنی ذو ولد ہوگا تو اس میں باپ اور ماں دونوں شامل ہیں۔

سوال:۔ اس کی وجہ کیا ہے کہ والدہ کے لفظ کو ذکر کیا ابیہ کے لفظ کو ذکر نہیں کیا۔

جواب۔ عموم کی وجہ سے والدہ کو ذکر کیا تاکہ ماں باپ دونوں کو شامل ہوجائے۔

سوال یہ ہے کہ ماوجہ تقدیم الوالد علی الولد۔ والد کے ذکر کو ولد کے ذکر پر مقدم کیوں کیا؟

جواب:۔ کثیر الوجود ہونے کی وجہ سے ایسا کیا گیا کیونکہ ہر شخص کا والد ہوتا ہے لیکن ہر شخص کیلئے ولد ہونا ضروری نہیں کسی کی اولاد ہوگی اور کسی کی نہیں ہوگی۔

سوال:۔ حدیث میں نفس کا ذکر تو نہیں ہے۔ جواب (۱)۔ بعض روایتوں میں نفس کا ذکر بھی ہے لیکن یہاں پر اختصار کی غرض سے

راوی نے حذف کر دیا جواب (۲) جب اولاد کا ذکر کر دیا تو گویا اپنے نفس کا بھی ذکر ہو گیا۔اس لئے کہ جب اولاد پر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنا ضروری ہے تو اپنے نفس سے تو بطریق اولیٰ زیادہ ضروری ہوگا اس لئے کہ انسان بسا اوقات اپنے بچوں اور اپنی اولاد پر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور خود کو قربان کر دیتا ہے۔جواب (۳) والناس میں نفس بھی داخل ہے۔

سوال:۔ والد اور اولاد یہ بھی تو الناس (لوگ) ہیں تو پھر الناس کو ذکر کیوں کیا۔جواب یہ عطف العام علی الخاص ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ
اور اسی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہیں جس میں وہ ہوں گی ایمان کی حلاوت پالے گا۔جو شخص کہ اللہ
مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَكْرَهُ أَنْ
اور اس کا رسول اس کی طرف سب سے بڑھ کر محبوب ہو اور جو کسی دوسرے شخص کو صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر دوست رکھتا ہے
يَعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
اور جو شخص کفر میں لوٹ جانے کو اس طرح برا سمجھے جبکہ اللہ نے اسے اس سے نکال لیا ہے جس طرح آگ میں جانا برا سمجھتا ہے۔(متفق علیہ)

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات۔راوی کا نام حضرت انسؓ بن مالک ہے۔باقی حالات ماقبل میں گزر چکے ہیں۔

الامر الثانی: حاصل مضمون حدیث جس کا حاصل یہ ہے کہ تین خصلتیں ایسی ہیں جو ایمان کی حلاوت کے حصول کا ذریعہ ہیں اور وہ یہ ہیں

(۱)۔اللہ اور رسول کی محبت کا تمام ماعدا سے راجح ہونا غالب ہونا یعنی تعارض اور تقابل کے وقت راجح قرار دینا۔

(۲) مخلوق میں کسی سے محبت ہو تو اس کا منشا رضائے الٰہی ہو دنیاوی غرض نہ ہو (یہ صحابہ ہی تھے جو کر کے دکھا گئے)

(۳)۔کفر و اعمال کفر سے ایسے ہی نفرت اور ناگواری ہو جیسے جلتی ہوئی آگ میں ڈالے جانے سے نفرت اور ناگواری ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے خصلتیں بیان نہیں کیں بلکہ پہلے اجمالاً فرمایا ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان یہ اسلوب اس لئے اختیار فرمایا تاکہ دل میں تڑپ اور طلب پیدا ہو اور آدمی متوجہ ہو کہ کون کونسی تین چیزیں ہیں جو حلاوۃ ایمان کا ذریعہ ہیں جب توجہ ہو گئی تو فرمایا من کان اللہ و رسولہ الخ سے تفصیل بیان فرمائی تاکہ اوقع فی النفس ہو جائے۔جیسے شاعر نے کسی کی مدح کرتے ہوئے شعر کہا ہے۔

ثلاثۃ تشرق الدنیا ببھجتھا. شمس الضحیٰ ابو اسحاق و القمر

پہلے ایک مصرع میں اجمالاً فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کی رونق کے ساتھ دنیا روشن ہو جاتی ہے پھر خاموش ہو گیا ابھی نہیں بتایا کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد کہا شمس الضحیٰ ابو اسحاق و القمر' تاکہ اوقع فی النفس ہو جائے۔

الامر الثالث: اس حلاوۃ کا مصداق کیا ہے۔حلاوۃ حسیہ یا حلاوۃ معنویہ۔

اس میں دو قول ہیں۔(۱)۔جمہور کا قول یہ ہے کہ حلاوۃ معنویہ مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حسنات کا مرغوب ہو جانا اور سیئات سے نفرت پیدا ہو جانا۔جیسے شدت پیاس کے وقت گرمیوں میں ٹھنڈا پانی مرغوب ہوتا ہے اور پسندیدہ ہوتا ہے ٹھنڈے پانی کے فضائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

دوسرا قول۔صوفیا کرام کا ہے فرماتے ہیں کہ حلاوۃ ایمانی سے مراد حلاوۃ حسیہ ہے جیسے تلاوت کرنا ذکر اللہ کرنا اور تمام اعمال صالحہ کا کرنا اس سے منہ کے اندر ایک مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔اگر نہ ہو تو ایمان کی کمی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حسنات کو عمل میں لانے کے بعد منہ کے اندر ایک مٹھاس محسوس ہوتی ہے جس کا ادراک اولیاء اللہ' صوفیاء کرام اور خواص مقربین ہی کر سکتے ہیں کوئی عام آدمی ادراک نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہر شخص اس کا مکلف ہے ان دو قولوں میں سے پہلا قول راجح ہے۔

الامر الرابع: اس جملے میں استعارات کا بیان۔یہ جملے استعاروں پر بھی مشتمل ہے۔یہاں ایمان کو مثلاً عسل کے ساتھ تشبیہ

دی گئی ہے اور تشبیہ دے کر ارکان تشبیہ میں سے (مشبہ) ایمان کو ذکر کرنا یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور جو عسل مشبہ بہ ہے اس کے لوازمات میں مٹھاس ہے تو حلاوۃ کا ذکر کرنا یہ استعارہ تخییلیہ ہے۔ نیز اس میں مریض اور تندرست کی تمثیل کی طرف بھی اشارہ ہے مثلاً جس طرح بعض بیماریوں مثلاً صفراء میں مبتلا انسان کو حلاوت حسیہ کا ادراک بھی جسمانی مرض کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا۔ (یعنی اگر اس کو گڑھ کھلاؤ تو اس کو کڑوا لگے تو اس کو حلاوت حسیہ کا ادراک بھی نہ ہوا) اور تندرست آدمی حلاوت حسیہ کا ادراک کرسکتا ہے بالکل یوں سمجھ لو کہ روحانی انسان بھی دو قسم پر ہیں (۱) جو روحانی طور پر تندرست ہیں (۲) جو روحانی طور پر مریض ہیں۔ تو جو روحانی طور پر تندرست ہیں وہ حلاوت ایمانی کا ادراک کریں گے اور جو روحانی طور پر مریض ہیں وہ حلاوت ایمانی کا ادراک نہیں کرسکتے۔ تو اسی طرح جن کے اندر خصال ثلثہ مذکورہ پائی جاتیں ہیں وہ روحانی طور پر تندرست ہیں اور جنکے اندر خصال ثلثہ نہیں پائی جاتیں وہ روحانی طور پر مریض ہیں۔

تو خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ حلاوت ایمان کا مدار ادراک اور غیر ادراک پر ہے یہ بات بھی سمجھ لی جائے کہ اصل حلاوۃ کا سبب اور ذریعہ کمال ایمان ہے اور کمال ایمان انہی تین خصلتوں سے پیدا ہوگا یعنی یہ خصائل ثلثہ کمال ایمان کا ذریعہ ہے۔

الامر الخامس: چند سوالات اور ان کے جوابات۔ سوال۔ بظاہر ثلث مبتدا نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا؟

جواب (۱)۔ اس کی تمیز محذوف ہے یعنی خصال اصل میں تھا ثلاث خصال۔ **جواب (۲)۔** یہ صفت ہے موصوف محذوف کی جو کہ خصال ہے یعنی **خصال ثلث**۔

سوال:۔ خصال ثلثہ یہ وصف ہیں اور من کان میں من یہ ذات ہے تو اس میں وصف کا حمل ذات پر ہوا جو کہ صحیح نہیں ہے۔

جواب۔ خصال ثلث میں سے پہلی خصلت کے شروع میں من کان سے پہلے محبۃ کا لفظ محذوف ہے اور دوسری خصلت میں بھی محبۃ کا لفظ محذوف ہے اور تیسری خصلت کے شروع میں من کان سے پہلے کراہۃ کا لفظ محذوف ہے اب خصلت کا عطف خصلت پر ہوگا۔ ذات پر نہ ہوگا۔

قولہ مما سواھما پر مشہور اشکال اور جوابات

ایک خطیب نے خطبہ میں **من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فقد غوی** پڑھا اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **بئس الخطیب انت** ۔معلوم ہوا اللہ ورسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا درست نہیں۔ علی التفصیل دونوں کا نام لینا چاہئے اور اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما** ۔ضمیر میں دونوں کو جمع کر دیا گیا اس سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

جوابات۔ اس سوال کے جواب میں علماء نے دو طرز اختیار فرمائے ہیں ایک تطبیق کا راستہ۔ دوسرا ترجیح کا اولاً وجوہ تطبیق ذکر کی جاتی ہیں۔ علماء نے کئی طرح سے تطبیق دی ہے۔ چند وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایک مقام خطبہ ہے اور ایک مقام غیر خطبہ ہے دونوں کا مقتضی الگ الگ ہے۔ مقام خطبہ ایضاح کو چاہتا ہے اور ایضاح اس میں ہے کہ اللہ ورسول کا نام الگ الگ بالتفصیل لیا جائے مقام غیر خطبہ میں ایجاز مقصود ہوتا ہے اور ایجاز اس میں ہے کہ ایک ضمیر میں دونوں کو جمع کیا جائے حاصل جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت مقام خطبہ میں فرمائی ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مما سواھما کہنا مقام غیر خطبہ میں ہے۔ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

(۲) ایک مقام محبت ہے اور ایک مقام معصیت ہے دونوں کا مقتضی الگ ہے۔ مقام محبت میں دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کرنا مناسب ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ ایک ایک کی محبت کافی نہیں بلکہ مجموعہ محبتین کی ضرورت ہے۔ بخلاف مقام معصیت کے کہ وہاں جدا جدا نام لے کر بالتفصیل تذکرہ مناسب ہے تاکہ پتہ چلتے کہ اگر بالفرض ایک کی معصیت دوسرے سے الگ ہوسکتی ہوتی تو ایک ایک کی معصیت بھی تباہ کرنے کیلئے کافی ہے۔ صرف اللہ کی معصیت ہوئی تو بھی تباہ کن، اگر صرف رسول کی ہوئی تو بھی گمراہ کن۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام محبت میں جمع کیا ہے اس کا مقتضی یہی تھا اور مقام معصیت میں منع فرمایا ہے خطیب نے کہا تھا۔ **ومن یعصھما فقد غوی** اس موقع آپ نے پر فرمایا تھا۔ **بئس الخطیب انت**۔

خطیب کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بئس فرمایا ہے وہ دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ بئس کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے وقف میں ایسی غلطی کی تھی جس سے معنی فاسد ہو جاتا ہے۔ اس نے یوں پڑھا تھا ''**من یطع اللہ و رسولہ فقد رشد و من یعصھما**'' یہاں وقف کیا تھا جس سے یہ وہم ہو سکتا ہے کہ **من یعصھما** کا عطف **من یطع** پر ہے تو دونوں کا حکم ہوگا **فقد رشد** **بہ ظاہر البطلان** ہے کیونکہ معصیت سے رشد حاصل نہیں ہو سکتا۔ وقف کی یہ غلطی چونکہ موہم فساد معنی ہے اس لئے اس کو بئس فرمایا۔

اس حدیث میں **مما سوا ھما** کہنے سے دونوں کو ضمیر میں جمع کرنے کا جواز معلوم ہوا اور خطیب کو جو بئس فرمایا تھا یہ اس لئے نہ تھا کہ جمع کرنا ناجائز اور حرام ہے بلکہ اس کا خلاف اولیٰ ہونا یا مکروہ تنزیہی ہونا بتلانا مقصود تھا اور جواز وکراہت تنزیہیہ جمع ہو سکتے ہیں۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ ایک کام جائز بھی ہو اور مکروہ تنزیہی بھی ہو۔

(۳) بعض علماء نے یہ فرمایا کہ ضمیر میں جمع کرنے کی ممانعت امت کیلئے ہے اور جواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اس کلام میں حضور ہی نے جمع فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ جواز جمع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت سے امت کیلئے ممنوع ہے لیکن یہ جواب پسندیدہ نہیں اس لئے کہ اصل احکام میں یہی ہے کہ نبی اور غیر نبی کیلئے عام ہوں کسی حکم میں نبی کی تخصیص بغیر دلیل کے نہیں کی جا سکتی اور یہاں خصوصیت پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل نہیں۔

ترجیح کا طریق:۔ بعض علماء نے ترجیح کا طریق اختیار فرمایا ہے۔ ترجیح ممانعت والی روایت کو دی ہے وجہ ترجیح یہ ہے کہ **مما سواھما** والی حدیث مبیح ہے اور **بئس الخطیب** والی محرم ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب محرم اور مبیح میں تعارض ہو تو ترجیح محرم کو دی جاتی ہے اس لئے ممانعت والی روایت کو ترجیح ہونی چاہئے۔ بعض نے وجہ ترجیح یہ بیان فرمائی ہے کہ ممانعت والی حدیث قولی ہے اور زیر بحث حدیث فعلی ہے۔ جب فعلی اور قولی حدیث میں تعارض ہو تو ترجیح قولی کو ہوتی ہے اس لئے ممانعت والی حدیث راجح ہونی چاہئے۔

صحیح بات یہ ہے کہ دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کرنا فی نفسہ جائز ہے لیکن غلط معنی کے ایہام کی وجہ سے خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے۔

قولہ و من یکرہ ان یعود فی الکفر سوال **عود فی الکفر** تو نومسلم میں متحقق ہو سکتا ہے لیکن جو جدی پشتی مسلمان ہے اس میں عود فی الکفر کیسے متحقق ہو سکتا ہے جواب (۱) یہاں عود کے معنیٰ انتقال ورجوع کے نہیں بلکہ مطلق صیر ورۃ اور اختیار کے معنیٰ مراد ہیں جو جدی مسلمان کو بھی شامل ہیں جیسا کہ قرآن میں انبیاء کے متعلق ارشاد ہوا ہے **او لتعودن فی ملتنا** (پ۱۳)۔

جواب (۲) ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہاں نومسلم مراد ہے لیکن یہاں سے پیدائشی مسلمان کا حکم بطریق قیاس یا بطریق اولیٰ سمجھا جائے گا۔ (۳) کفر دو قسم پر ہے بالفعل اور بالقوہ اور یہاں عام معنی مراد ہے کیونکہ ہر انسان میں کفر وشرک کی استعداد تو موجود ہے اور یہی کفر بالقوۃ ہے۔

وَعَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ
حضرت عباسؓ بن مطلب سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا
مَنْ رَّضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا .(مسلم)
جو راضی ہو گیا۔ اللہ سے رب ہونے پر اور اسلام سے دین ہونے پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر۔ (مسلم)

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات راوی کا نام عباس بن عبدالمطلب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں کنیت ابوالفضل ہے ان کے بیٹے فضل ابن عباس ہیں عمر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے ہیں کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ بڑے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں تو جواب میں کہا انا اسن وھو اکبر۔ یعنی میں عمر کے اعتبار سے بڑا ہوں لیکن وہ کمالات اور علم کے لحاظ سے وہ بڑے ہیں۔ ذورائے ذو مشورہ صحابہؓ میں سے ہیں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے ان سے مشورہ لیتے تھے۔ ایک دفعہ یہ گم ہو گئے تھے بچپن میں ان کی

والدہ نے منت مانی تھی کہ اگر میرا بچہ مل جائے تو میں کعبۃ اللہ کو غلاف چڑھاؤں گی چنانچہ یہ مل گئے تو سب سے پہلے ان کی والدہ نے کعبۃ اللہ کو غلاف چڑھایا اور یہ سقایۃ الحاج اور عمارۃ الکعبہ کے منتظمین میں سے تھے ان کی وفات ۵۲ ہجری میں ہوئی۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت عباسؓ نے اپنی موت کے وقت ستر غلاموں کو آزاد کیا تھا۔ اور انکی پیدائش واقعہ فیل سے ایک سال پہلے ہوئی اور ان کی کل عمر ۸۸ برس تھی۔

الامر الثانی: حاصل مضمون حدیث یہ ماقبل والی حدیث کا تتمہ ہے کوئی نئی چیز نہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل میں ایمان کا بیان تھا یہاں سے رضاء آت ثلثہ جو ایمان کی حلاوۃ کے ذائقے کے محسوس ہونے کا ذریعہ ہیں ان کا بیان ہے اور وہ تین رضاء ات اور خوشنودیاں یہ ہیں۔ ا۔ اللہ کے رب ہونے پر راضی ہونا۔ ۲۔ اسلام کے دین ہونے پر راضی ہونا۔ ۳۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہونا۔ اللہ کے رب ہونے پر راضی ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو متصرف اور رازق سمجھنا اور اس کی رضا وقضاء کو تسلیم کرنا اور اس پر قناعت کرنا ہے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام اوامر کو بجالانا اور تمام نواہی سے اجتناب کرنا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر لحہ اور ہر ساعۃ میں کرنا واجب ہے۔

یہ حدیث استعاروں پر مشتمل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کو تشبیہ دی ہے اس چیز کے ساتھ جو کھانے کے قابل ہو تشبیہ دے کر ارکان تشبیہ میں سے (مشبہ) ایمان کو ذکر کیا یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور کھانے کے مناسبات میں سے ذائقہ ہے تو ذائقہ یعنی طعم کا ذکر یہ استعارہ ترشیحیہ ہے۔

عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔
یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌمِّنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ یَھُوْدِیٌّ وَّلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ اِلَّا
کہ اس امت میں سے جو شخص بھی خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی میری (رسالت کی) خبر کو سنے اور اللہ تعالیٰ کا جو پیغام میں لایا ہوں اس پر ایمان نہ
کَانَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ. (رواہ صحیح مسلم)
لائے اور مرجائے وہ یقیناً دوزخیوں میں سے ہے۔ (مسلم)

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات: ان کا نام جاہلیت کے زمانہ میں عبد شمس تھا اور زمانہ اسلام میں عبداللہ یا عبدالرحمان بقیہ تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

الامر الثانی: سوالات و جوابات۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی طور پر ان الفاظ کے ساتھ قسم کھانے کی عادت تھی والذی نفس محمد بیدہ۔ سوال: ان الفاظ مخصوصہ کے ساتھ قسم اٹھانے کی حکمت کیا ہے؟

جواب۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کثیر التعداد میں اور اولوالعزم اور بڑے بڑے معجزات عطا کئے تھے ممکن تھا کہ کوئی جاہل شاید یہ خیال کر بیٹھتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو الوہیت کا مرتبہ حاصل ہے تو اس وہم اور خیال دفع کرنے کے لئے ان الفاظ مخصوصہ کے ساتھ قسم اٹھاتے تھے کہ جس کی جان دوسرے کے قبضہ میں ہو وہ کیسے متصرف اور مختار کل ہو سکتا ہے جس کی باگ ڈور دوسرے کے قبضہ میں ہو اس کے اندر کیا تصرف ہو سکتا ہے اس کو کب خدائی اختیارات حاصل ہو سکتے ہیں۔

الامر الثالث:۔ والذی نفس محمد بیدہ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے لئے ید (ہاتھ) کا ثبوت کیا گیا ہے جو کہ از قبیل متشابہات ہے تو اس کے بارے میں دو قول ہیں (ا) متقدمین کا قول (۲) متاخرین کا قول متقدمین کا قول یہ ہے کہ تسلیم مع التنزیہ۔ تفویض وتسلیم کہ اس کے حق ہونے کا اعتقاد کرنا اور اس کے معنیٰ کو اللہ کے سپرد کرنا۔ دوسرا قول:۔ متاخرین وہ یہ کہتے ہیں کہ متشابہات کے بارے میں مناسب تاویل کرلی جائے تاکہ عوام کا ایمان ضائع نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ عوام کے ایمان کو بچانے کیلئے اس کی مناسب تاویل کر لینی چاہئے۔ اور ید سے یہاں مراد قبضہ ہے قبضہ قدرت۔

الامر الرابع: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس قسم کھانے کی کیا وجہ تھی؟ جواب:۔ تو قسم اٹھانے کی وجہ آنے والے مضمون کی عظمت شان کو

بتلانے کے لئے ہے۔ تواس سے معلوم ہوا کہ بدون استخلاف (قسم طلب کرنے) کے بھی کسی مضمون کی عظمت شان کو بتلانے کیلئے قسم اٹھائی جاسکتی ہے۔

الامرالخامس۔ اس کا جواب قسم کیا۔ ہے جواب قسم یہ ہے **لایسمع بی احد من هذه الامة ثم یموت ولم یؤمن** الخ اس میں لایسمع میں لابمعنی لیس کے ہے اوراحد یہ مرفوع ہے لیس کا اسم ہونے کی بناء پراور یہ مبدل منہ ہے اوریہودی و لانصرانی یہ بدل ہے اور ولانصرانی میں لازائدہ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ جواب قسم کا حاصل مضمون کیا ہے تواس کا حاصل یہ ہے کہ امت دعوت کا ہر دہ فرد کہ جس تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی خبر پہنچی ہو چاہے، وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مرگیا تو ایسا شخص جہنمی ہوگا اس کا جہنمی ہونے کے ماسوا کوئی چارہ نہیں۔ اس لئے کہ اب ذریعہ نجات منحصر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو ماننے میں کیونکہ پہلے ادیان سب کے سب منسوخ ہو چکے ہیں۔

الامرالسادس: اس عبارت میں **من هذه الامة** میں **امة** کا مصداق کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امت دوقسم پر ہے۔ ا۔ امت دعوت ۲۔ امت اجابت یہاں امت کا مصداق امت دعوت ہے امت اجابت نہیں ہے باقی رہی یہ بات کہ اس کا مفہوم کیا ہے تو امت دعوت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام جن وانس جن کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رسول بنا کر بھیجے گئے۔ وہ سب اس میں داخل ہیں۔ امت اجابت کا مفہوم یہ ہے جن تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی ہو اور انہوں نے دعوت قبول کر لی ہو۔

سوال۔ امت دعوت کا مصداق عام ہے اس میں یہودی و نصرانی سب داخل ہیں تو پھر یہودی اور نصرانی کو مستقلاً کیوں ذکر کیا؟

جواب۔ ایک غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے مستقلاً ان دونوں کو ذکر کیا وہم یہ ہوسکتا تھا کہ یہودی **منسوب الی نبی من الانبیاء** ہیں اور نصرانی بھی **منسوب الی نبی من الانبیآء** ہیں اور اہل کتاب بھی ہیں تو شاید ان کی نجات کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانا ضروری نہ ہو یعنی ان کی نجات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مانے بغیر ہوجائے تو اس غلط وہم کو دفع کرنے کے لئے فرمایا کہ نہیں نہیں کہ ان کی نجات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لائے بغیر اور ان کی شریعت پر ایمان لائے بغیر نہیں ہوسکتی خواہ وہ منسوب نبی من الانبیآء اور اہل کتاب ہی کیوں نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ پہلے ادیان منسوخ ہو چکے ہیں اب نجات منحصر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے پر۔

سوال۔ امت کی تین قسمیں ہیں (۱) امت اجابت جن تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی ہو اور انہوں نے دعوت قبول کر لی ہو۔ (۲) امت دعوت وہ جن تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی ہو لیکن انہوں نے انکار کر دیا ہو۔ (۳)۔ جن تک سرے سے دعوت اور خبر رسول ہونے کی پہنچی ہی نہیں تو ان تین قسموں میں سے پہلی قسم کا حکم ضمناً معلوم ہوگیا۔ بطور تقابل کے کہ **انه کان من اهل الجنة** اور دوسری قسم کا حکم بھی صراحۃً معلوم ہوا کہ **انه کان من اصحاب النار**۔ اور تیسری قسم یعنی وہ جن تک دعوت ہی نہ پہنچی ہو۔ مثلاً **شاهقته الجبل** والا مسئلہ کہ ایک شخص پہاڑ پر رہتا تھا۔ وہیں پیدا ہوا اور وہیں بڑا ہوا اور وہیں مرگیا اس کے بارے میں کیا حکم ہے یہاں اس کا حکم معلوم نہیں ہوا؟۔

جواب۔ دیگر نصوص کی طرف رجوع کیا جائے گا اس کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں توحید کے متعلق پوچھا (مواخذہ ہوگا) جائے گا باقی فروعی مسائل کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ توحید تو ایک فطری چیز ہے۔

سوال۔ اس حدیث میں مشرکین کے احوال اور ان کا حکم معلوم نہیں ہوا۔ جواب کون کہتا ہے کہ مشرکین کے احوال کا بیان اور ان کا حکم معلوم نہیں ہوا بلکہ بطریق اولیٰ معلوم ہوا ہے کہ ان کی نجاۃ ہوگی ہی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو تسلیم کرنے کے بغیر۔ جب یہود و نصاریٰ جو **منسوب الی نبی من الانبیآء** ہیں ان کی نجات موقوف ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق پر تو ان کی نجات بطریق اولیٰ موقوف ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تسلیم کرنے پر لہٰذا اس پر اشکال وارد نہیں ہوسکتا۔

قوله والذی نفس محمد بیده اس سے مختار کل کے معروف مسئلے کی تردید ہوگئی اور اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے ید ثابت کرنا یہ متشابہات میں سے ہے اور متشابہات کے بارے میں علماء کے دو مسلک ہیں (۱) متقدمین کے نزدیک تفویض الی اللہ یعنی ان کی حقیقت و

کیفیت کو علم الٰہی کے حوالے کرنا چاہئے کہ له ید علیٰ مایلیق بشانه لا کید المخلوقین (۲) متاخرین کے نزدیک مناسب تاویل کرنی چاہئے مثلاً ید سے مراد قدرت ہے کیونکہ اکثر قدرت کا مظہر اور ظاہری سبب ہاتھ ہوتے ہیں تو یہاں ذکر سبب۔ اور ارادہ مسبب ہے۔ متقدمین کا مذہب غلطی سے اسلم ہے اور متاخرین کا مسلک ضعفاء العقول کے لئے زیادہ محکم ہے دراصل یہ اختلاف زمانے کے اختلاف کی وجہ سے ہے کیونکہ متقدمین کے زمانے میں لوگ سلیم الطبع تھے اور بدعت سے دور تھے اور وہ ان الفاظ سے غلط مطلب نہیں لیتے تھے اس لئے تاویل کی ضرورت نہ پڑی لیکن متاخرین کے زمانے میں اہل ہوا (خواہشات پر چلنے والے) پیدا ہوئے جنہوں نے ان الفاظ سے اللہ کی جسمانیت وغیرہ ثابت کی اس لئے ضعفاء العقول کے تحمل و دفع تشویش کیلئے مناسب تاویل کی ضرورت ہوئی تا کہ ان کی تردید ہو جائے۔

قوله لایسمع بی احد اصل عبارت یوں ہے لیس احد یسمع بخبر رسالتی ثم یموت الخ۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَّهُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ
حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں ان کیلئے دو ثواب ہیں۔ ایک وہ شخص
مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِیِّهٖ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَّالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ اِذَا اَدّٰی حَقَّ اللّٰهِ وَحَقَّ
جو اہل کتاب میں سے ہے۔ اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ایمان لایا اور دوسرا غلام مملوک جب ادا کرے حق اللہ تعالیٰ کا اور حق
مَوَالِیْهِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَةٌ یَّطَأُهَا فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَأْدِیْبَهَا وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَهَا ثُمَّ
اپنے مالکوں کا اور تیسرا شخص وہ ہے اس کی ایک لونڈی تھی جس سے صحبت کرتا تھا اس نے اسے ادب سکھلایا پس اچھا ادب سکھلایا اور اسے علم (دین) سکھلایا
اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهٗ اَجْرَانِ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
اچھی طرح تعلیم سکھلائی پھر اس کو آزاد کر دیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ پس اس کیلئے دوگنا ثواب ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات حدیث کے راوی کا نام حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ ہے اصل نام عبداللہ بن قیس ہے اور یہ ان صحابہ میں سے ہیں جو کہ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور الاشعری ان کی کنیت ہے یہ اشعر کی طرف منسوب ہے اور اشعران کے اجداد میں سے جد اعلیٰ کا نام ہے اسی طرف منسوب کر کے ان کو اشعری کہا جاتا ہے یہ قدیم الاسلام صحابہؓ میں سے ہیں انہوں نے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور حبشہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور یہ حسن الصوت تھے جب کبھی حضرت عمرؓ کے پاس آتے تو حضرت عمرؓ ان سے قرآن سنا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ ان کو آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار اللہ نے عطا کیا ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یمن کے حاکم رہے اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں چار سال بصرہ کے حاکم رہے جب کہ حضرت عمرؓ ہر سال حاکم تبدیل کر دیا کرتے تھے اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں کوفہ کے حاکم رہے۔ ۵۰ ہجری میں ان کی وفات ہوئی اور کل عمر ۶۳ سال پائی۔ ایک قول کے مطابق مکہ میں اور دوسرے قول کے مطابق کوفہ میں وفات پائی۔

الامر الثانی: حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اشخاص ثلثہ ایسے ہیں جو کہ دہرے اجر کے مستحق ہیں دو اجروں کے مستحق وہ کون سے ہیں۔ (۱)۔ اہل کتاب میں سے وہ آدمی جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا ہو۔ (۲)۔ وہ عبد مملوک جو مولیٰ (سردار) کے حقوق بھی ادا کرتا ہو اور اللہ کے حقوق بھی ادا کرتا ہو۔ (۳)۔ کسی شخص کے پاس ایسی لونڈی ہو جس کے ساتھ وطی کرنا شرعاً جائز ہو اس نے اس کو اچھے اخلاق کی تعلیم دیتا ہو پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لی ہو تو اس شخص کے لئے بھی دہرا اجر ہوگا۔

الامر الثالث: اشخاص ثلثہ کے اجران کے مستحق ہونے کی وجہ کیا ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ ان کے عمل دو ہیں اس لئے یہ دہرے اجر کے مستحق ہوں گے لیکن یہ قول مرجوح ہے اس لئے کہ یہ تو مسلّم ہے کہ جو کوئی دو عمل کرے گا اس کو دہرا اجر ملے گا وہ دہرے

اجر کا مستحق ہوگا تو پھر ان کی تخصیص تو نہ ہوئی لہذا صحیح قول اور راجح قول یہ ہے کہ یہ اشخاص ثلثہ ایسے ہیں کہ ان کو اپنے ہر ہر عمل پر دہرا اجر ملے گا ان مذکورہ اعمال کی برکت سے مثلاً ایک شخص بغیر جماعت کے نماز پڑھتا ہے تو اس کو ایک نماز کا ثواب ملے گا اور اگر ان اشخاص ثلثہ میں سے کوئی بغیر جماعت کے نماز پڑھے تو اس کو دو نمازوں کا ثواب ملے گا اور اسی طرح اگر کوئی شخص باجماعت نماز پڑھتا ہے تو اس کو پچیس نمازوں کا ثواب اور اجر ملے گا اور اگر ان اشخاص ثلثہ میں سے کوئی ایک نماز باجماعت پڑھتا ہے تو اس کو پچاس نمازوں کا ثواب اور اجر ملے گا۔ باقی رہی یہ بات کہ تضعیف کی کیا وجہ ہے تو اس کی (۱) وجہ ان کے عملین کا متقابلین اور متزاحمین ہونا ہے۔ مثلاً پہلے شخص کا ایک نبی کو چھوڑ کر دوسرے نبی کی اتباع کرنا بڑا دشوار ہے یہ عملین متزاحمین و متقابلین ہیں مثلاً ایک مرید کا ایک پیر کو چھوڑ کر دوسرے پیر کی اتباع کرنا۔ اسی طرح اگر کسی استاذ سے نسبت ہو جائے تو اس کو چھوڑنا بھی بہت مشکل ہوتا ہے تو چونکہ یہ عملین متقابلین ہیں اس لئے یہ دہرے اجر کا مستحق ہوگا۔ (۲)۔ دوسرا آدمی غلام مملوک اپنے مولیٰ کے کام کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت کرے گا تو مولیٰ اس سے ناراض ہوگا اور اسے سزا دے گا۔ (۳)۔ تیسرا شخص اس کو لوگوں کے طعنے سننے پڑیں گے کہ لوگ کہیں گے اس آزاد عورت اس لئے لہتہ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ دوسرا یہ کہ لونڈی کو آزاد کرنے کے بعد نکاح کرنے سے حقوق زیادہ ہو جائیں گے یہ عملین متقابلین ہیں تو ان کی وجہ سے یہ دہرے اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔

سوال:۔ وہ صحابہؓ جو یہودیت اور نصرانیت کو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ان کے لئے تو دوہرا اجر ہے لیکن وہ صحابہؓ جو پہلے یہودی اور نصرانی نہیں تھے ان کو دہرا اجر نہیں ملے گا؟۔

جواب۔ بالاجماع ایسے اکابر صحابہ کرامؓ مستثنیٰ ہیں دیگر اسباب فضیلت کی بناء پر (ان کو فضیلت حاصل ہے) ان کو دیگر صحابہ پر فوقیت حاصل ہے۔

الامر الرابع: اہل کتاب کا مصداق کون ہیں اس میں دو قول ہیں۔ (۱)۔ اس کا مصداق عام ہے خواہ یہودی ہو یا نصرانی ہو۔

سوال۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ نصاریٰ کے حق میں تو یہ بشارت صحیح ہے اس لئے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور کوئی نبی نہیں آیا اور کوئی نہیں گزرا چونکہ ایمان بعینہ باقی ہے لہذا یہاں آمن بنبیہ بھی ہے اور آمن بمحمد بھی ہے بخلاف یہود کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان حضرت عیسیٰؑ گزرے ہیں تو انہوں نے حضرت عیسیٰ کی تکذیب کی تو ان کی تکذیب بعیسیٰ کی وجہ سے ایمان بموسیٰ جاتا رہا کیونکہ ایک رسول اور نبی کی تکذیب تمام رسولوں اور نبیوں کی تکذیب ہوتی ہے اس لئے کہ ان کی دعوت متحد ہوتی ہے تو جب یہودیوں کا تکذیب عیسیٰ کی وجہ سے ایمان بموسیٰ باقی نہ رہا تو جب یہ یہودی نبی کریم صلی اللہ پر ایمان لائے تو یہ امن بمحمد تو ہے لیکن آمن بنبیہ نہیں ہے حالانکہ اس کا مصداق یہود و نصاریٰ دونوں ہیں۔

پہلا جواب۔ قاعدہ یہی ہے ہونا ایسے ہی چاہئے تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی برکت سے ان کا ایمان بعیسیٰ جو کالعدم تھا اس کو معتبر مان لیا گیا محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی برکت سے اس لئے ان کو بھی دوہرا اجر ملے گا۔ دوسرا جواب یہود دو قسم پر ہیں۔ (۱)۔ یہود شام (۲)۔ یہود مدینہ جو مدینہ کے گرد و نواح میں رہتے تھے۔ جو یہود شام میں رہتے تھے ان کو تو حضرت عیسیٰؑ کے نبی ہونے کی خبر پہنچ گئی تھی تو اس وجہ سے ان کی تکذیب عیسیٰؑ سے ان کا ایمان بموسیٰ جاتا رہا موسیٰؑ پر ایمان باقی نہ رہا اور جو یہود مدینہ اور یثرب کے تھے ان تک حضرت عیسیٰؑ کے مبعوث ہونے کی خبر نہیں پہنچی تھی اگرچہ بعض قاصد ان کی طرف بھی چل پڑے تھے لیکن وہ راستے میں مر گئے تو جب ان کے پاس عیسیٰؑ کے مبعوث ہونے کی خبر ہی نہیں پہنچی تو ان کا ایمان بموسیٰ باقی رہا تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان پر بھی ایمان لائے یہاں پر مطلق یہود مراد نہیں بلکہ مدینہ کے یہود مراد ہیں۔ (۲)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مصداق نصاریٰ ہیں۔ لیکن یہ قول مرجوح ہے۔

سوال: العبد کی صفت المملوک کیوں ذکر کی؟

جواب:۔ العبد کے بعد المملوک کی صفت اس بات کو بتلانے کیلئے ذکر کی کہ یہاں عبد کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ عرفی معنی مراد ہے ورنہ ساری مخلوق عبداللہ تو ہے ہی۔ یعنی سب اللہ کے بندے ہیں لیکن یہاں عبد سے عبد مملوک مراد ہے۔

سوال:۔موالی جمع ہے مولیٰ کی تو موالی جمع کا صیغہ ذکر کیا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عبد مشترک ہو تو پھر اس بشارت کا مستحق ہوگا۔

جواب (۱)۔اس کو جمع اس لئے ذکر کیا اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے کہ عبد کو چاہئے کہ اپنے مولیٰ کے متعلقین کے ساتھ (یعنی عزیز و اقارب) اپنے مولیٰ والا معاملہ کرے تو پھر اجران کا مستحق ہوگا یہ محض ترغیب ایمانی ہے جواب (۲)۔واقعتاً عبد مشترک مراد ہے یعنی ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے تو اس کے بارے میں فرمایا کہ عبد مشترک اجران کا مستحق تب ہوگا جبکہ دونوں موالی کے ساتھ برابر کا معاملہ کرے اور ان کو پورا پورا حق دے۔اگر ایک کے حقوق پورا کرتا ہے اور دوسرے کے نہیں کرتا تو پھر یہ اجران کا مستحق نہیں ہوگا۔

الامر الخامس:اس تیسرے شخص کے بظاہر چار اعمال ہیں ان میں سے کون سے عمل ہیں جو کہ تضعیف کا باعث ہیں۔بظاہر چار عمل نظر آ رہے ہیں۔(۱)۔تادیب (۲)۔تعلیم (۳)۔اعتاق (۴)۔تزوج۔تو راجح قول کے مطابق۔اجران کے لئے مناط **الاعتاق والتزوج** ہیں پہلے دو عمل یعنی تادیب اور تعلیم مکمل ہونے کی حیثیت سے اور متمم ہونے کی حیثیت سے ہیں یعنی وہ معلّمہ بھی ہو اور مودبہ بھی ہو۔

سوال:۔آزاد کر کے لونڈی کو پھر اس کے ساتھ نکاح کرنا ایسے ہی ہے جیسے صدقہ کرنے کے بعد سواری کرنا۔مثلاً ایک ہدی کو کعبۃ اللہ کی طرف لے جارہے ہیں اور پھر اس پر سواری بھی کر رہے ہیں یہ تو ناجائز ہے اسی طرح اعتاق یہ صدقہ اور خیرات کرنا ہے اور اس سے نکاح کر لینا یہ سواری کرنے کے مشابہ ہے تو گویا یہ عذاب دینا ہوا تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس نے اس عورت کو عذاب میں گویا ڈال دیا ہے۔

جواب:یہاں محض سواری کرنا ہی نہیں بلکہ حقوق زائدہ کا التزام بھی ہے نکاح کرنے کے ساتھ حقوق اور بڑھ گئے ہیں تو اس کی وجہ سے آدمی مشقت میں ڈال دیا گیا ہے تو لہذا یہ اجران کا مستحق ہوگا۔

سوال:۔عبد ثالث کے ذکر کے بعد دوبارہ اس کے لئے **فلہ اجران** کا ذکر کیوں کیا۔اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب۔ایک وہم کو دفع کرنے کے لئے دوبارہ **فلہ' اجران** کا ذکر کیا اس لئے کہ بظاہر یہ وہم معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے تو چار اجر ہونے چاہئیں کیونکہ اس کے عمل بھی تو چار ہیں تو **فلہ' اجران** فرما کر اس وہم کو دفع کر دیا کہ نہیں اس کے لئے بھی دو ہی اجر ہوں گے کیونکہ مناط دو طرح ہے۔(۱) الاعتاق (۲) التزوج۔بعنوان آخر یوں کہا جائے کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ حسن معاشرت کی ترغیب دینی ہے کہ اور کوئی دہرے اجر کا مستحق ہو یا نہ ہو اس کو ہر حال میں دو اجر ضرور ملیں گے۔

الامر السادس:۔ مفردات کا بیان:۔**اذا ادی اللہ وحق موالیہ؟** میں دونوں جگہ حق یہ اسم جنس ہے تمام حقوق مراد ہیں اور **امۃ یطاھا** سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ وطی کرنا شرعاً جائز ہو۔حسن تعلیم سے مراد ضروریات شرعیہ کی تعلیم دینا اور بغیر کسی اور غرض کے اللہ کی رضا کے لئے تعلیم دینا مراد ہے اور اچھی تادیب سے مراد اخلاق کو درست کروانا اور ان کی اصلاح کر دینا مراد ہے۔

قولہ فلہ اجران. اجرین کی توجیہ میں تین اقوال ہیں۔**قول اول** ان تین میں سے ہر ایک کے دو دو عمل ہیں۔لہذا ثواب بھی دو دو ملیں گے شبہ ہر دو عمل کرنے والے شخص کو دو ثواب ہوتے ہیں مثلاً نماز پڑھنا روزہ رکھنا تو پھر ان تین کی تخصیص کی وجہ کیا ہے؟ جواب ان تین کی تخصیص مزید ترغیب اور اہتمام شان کے لئے ہے نیز اس وہم کو دور کرنے کیلئے ہے کہ شاید اس وجہ سے ان کے لئے دو ثواب نہ ہوں کہ حضور علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد پہلا ایمان غیر معتبر ہو اور مولیٰ کا حق ادا کرنا تو غلام کی اپنی ڈیوٹی ہے اور لونڈی سے نکاح کرنا تو مولیٰ کی ذاتی منفعت ہے لہذا اس وہم کو رفع کر دیا۔**قول ثانی** اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ان تین کے دو مذکورہ اعمال میں سے ہر عمل پر دو ثواب دیتے ہیں یہی قول راجح ہے۔**قول ثالث** ان تین اشخاص کیلئے ہر عمل میں مطلقاً دو ثواب ہوتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ لڑوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں

اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ
کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ نماز پڑھیں۔ زکوٰۃ دیں پس
عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا
جس وقت وہ ایسا کرلیں۔انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور اپنے مال بچالئے مگر اسلام کے حق سے اور انکا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔(متفق علیہ)
اَنَّ مُسْلِمًا لَمْ يَذْكُرْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ. (صحيح البخارى و صحيح مسلم)
مگر مسلم نے الا بحق الاسلام کے الفاظ ذکر نہیں کئے۔

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر کے حالات۔ان کا نام عبداللہ بن عمرؓ ہے اشد حريصاً على اتباع رسول الله صلى الله عليه وسلم تھےان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب کبھی حج یا عمرہ کے لئے جاتے تو راستے میں جہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کیلئے بیٹھے تھے وہاں پر یہ بھی ضرور بیٹھتے تھے صرف اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بیٹھے ہیں اس لئے میں یہاں بیٹھ رہا ہوں۔اگر چہ پیشاب نہ بھی آیا ہوتا اور جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا یہ بھی وہاں قیام فرماتے۔

الامر الثانی: حاصل مضمون حدیث کا بیان:۔جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث میں جہاد مع الکفار کے حکم کو بیان کیا گیا ہے اور ان امور ثلثہ کو بیان کیا گیا ہے جن کے پائے جانے کی وجہ سے قتال مع الکفار موقوف ہو جاتا ہے اور نیز اس بات کا بیان ہے کہ یہ امور ثلثہ جن اشخاص میں پائے جائیں وہ محفوظ الدم اور محفوظ المال ہو جاتے ہیں الا یہ کہ کسی ایسے جرم کے مرتکب ہوئے ہوں جس کی سزا شریعت نے قتل رکھی ہو تو ایسی صورت میں باوجود ان امور ثلثہ کے پائے جانے کے وہ محفوظ الدم نہیں ہوں گے باقی رہی یہ بات کہ وہ امور ثلثہ کیا ہیں وہ یہ ہیں (۱)۔شہادتین (شہادت توحید و رسالت) (۲)۔اقامۃ صلوۃ۔(۳)۔ایتاء زکوۃ۔

سوال:۔کفار کے ساتھ قتال کے موقوف ہونے کے لئے تو محض شہادتین کا پایا جانا کافی ہے علاوہ ازیں امرین آخرین ہوں یا نہ ہوں جبکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قتال مع الکفار کے موقوف ہونے کے لئے شہادتین کے پائے جانے کے ساتھ ساتھ امرین آخرین یعنی اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوۃ بھی ضروری ہے تو دونوں میں تعارض ہو گیا۔

جواب۔(۱)۔قتال مع الکفار کے موقوف ہونے کے لئے تو واقعی شہادتین کا پایا جانا کافی ہے باقی امرین آخرین کا ذکر ان کی عظمت شان کو بتلانے کے لئے ہے گویا کہ یہ قائم مقام شہادتین کے ہیں۔(یعنی ان امرین آخرین کا ہونا انسان کے لئے اتنا ضروری ہے جتنا کہ شہادتین ضروری ہیں)۔

جواب (۲)۔تاکہ نظم قرآنی کیساتھ توافق ہو جائے۔کیونکہ قرآن مجید میں بھی شہادتین کیساتھ اقامۃ صلوۃ اور ایتاء زکوۃ کو ذکر کیا گیا ہے۔

سوال:۔اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے قتال کے موقوف ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے مگر یہ کہ شہادتین اور اقامۃ صلوۃ اور ایتاء زکوٰۃ ہوں تو اور نصوص میں آتا ہے کہ اگر کفار جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں تو ان سے بھی قتال کرنا موقوف ہو جاتا ہے اور ان سے لڑائی کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ اموالهم کاموالنا و دماءهم كدمائنا تو اس حدیث کے درمیان اور نصوص متعلقہ بالجزیہ کے درمیان تعارض ہو گیا۔رفع تعارض کی صورت کیا ہے۔

جواب۔رفع تعارض کی کئی صورتیں ہیں۔(۱) یہ حدیث امرت ان اقاتل الناس الخ اس زمانے کی ہے جب تک جزیہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا ابھی تک جزیہ مشروع نہیں ہوا تھا۔تو یہ حدیث زمانے کے اعتبار سے مقدم ہے اور نصوص جزیہ موخر ہیں۔لہٰذا تعارض نہ ہوا کیونکہ تناقض کیلئے وحدت زمانی شرط ہے اور وحدت زمانی یہاں نہیں ہے۔(۲)۔امرت ان اقاتل الناس میں الناس یہ عام مخصوص منہ البعض کی قبیل سے ہے اس سے وہ کفار مستثنیٰ ہیں جو کہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو گئے ہوں۔(پس اس کا مصداق وہ کفار ہیں جو جزیہ نہ دینے پر آمادہ ہوئے ہوں)

بعنوان ثالث۔ یہ ذکر العام ارادة الخاص کی قبیل سے ہے اس سے مراد فقط مشرکین وکفار عرب ہیں اس لئے کہ ان کے لئے اسلام ہے یا تلوار جزیہ ان کے حق میں نہیں ہے بلکہ جزیئے کی نصوص مشرکین عرب کے ماسوا اور کفار کے لئے ہیں۔ (نصوص سے مراد آیات قرآنیہ اور احادیث رسول ہیں)

بعنوان رابع۔ حتی یشهدوا یہ کنایہ ہے غلبہ اسلام اور شوکت اسلام کو تسلیم وقبول کر لینے سے۔ پھر غلبہ قبول کر لینے کی دو صورتیں ہیں یا تو بالفعل اسلام لائیں یا جزیہ دینے پر آمادہ ہوجائیں۔

سوال: اس حدیث میں بیان کیا گیا کہ جن میں یہ امور ثلثہ پائے جائیں گے وہ محفوظ الدم اور محفوظ الاموال ہو جاتے ہیں تو کیا وہ شخص جو ضروریات دین میں مثلاً ختم نبوت کا انکار کرے تب بھی وہ محفوظ الدم اور محفوظ المال ہوگا کیونکہ اسکے اندر بھی شہادتین' اقامۃ صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ پائے جاتے ہیں تو اس کو محفوظ الدم ہونا چاہئے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

جواب۔ ان امور ثلثہ میں شہادت بالرسالۃ بھی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جمیع ضروریات دین کو تسلیم کرنا تو یہ تمام ضروریات دین کو متضمن ہے اگر ان ضروریات دین سے کسی ایک کا انکار کرے گا تو تصدیق شہادت بالرسالۃ منتفی ہوجائے گی۔

قوله الابحق الاسلام. کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ان امور ثلثہ کے پائے جانے کے بعد اگر کوئی شخص ایسے جرائم کا ارتکاب کرے کہ جن کی سزا شریعت نے قتل کا حکم لگایا وہ مستثنیٰ ہیں یعنی پھر ایسا شخص محفوظ الدم نہیں ہوگا باقی رہی یہ بات کہ کون سے جرائم ایسے ہیں جن کی سزا شریعت نے قتل رکھی ہے وہ تین ہیں۔ (۱)۔ ارتداد (العیاذ باللہ) (۲) قتل النفس بلاحق (نفس معصومہ کا قتل) (۳) زنا بحالت الاحصان۔ (حالت احصان میں زنا کرنا)

فائدہ: شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ضروریات دین کا انکار کرے بتاویل فاسد تو اس قسم کے ملحد کو بھی شرعاً قتل کیا جائے گا جیسے مثلاً کوئی شخص کہتا ہے صلوٰۃ کا معنی ہوتا ہے دعا تو میں دعا کرتا ہوں لیکن نماز نہیں پڑھتا تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ و حسابهم علی الله ۔ اگر کوئی شخص خفیہ طور پر کسی گناہ کا مرتکب ہو تو اس کا تجسس نہیں کیا جائے گا۔ ہاں البتہ منتظمین کے لئے تجسس کی گنجائش ہے۔

فائدہ: جمہور کے نزدیک جہاد دو قسم پر ہے۔ ا۔ جہاد اقدامی ۲۔ جہاد دفاعی۔ جہاد اقدامی اس کو کہتے ہیں کہ بدوں کفار کے حملے کے ابتداء ان کے ساتھ قتال کرنا اور ان پر حملہ کرنا اعزاعتزازاً لدین الله و کسراً للشوکة الکفار. اور جہاد دفاعی اس کو کہتے ہیں پہلے کفار حملہ کریں اس کے جواب میں مسلمان حملہ کریں۔ جہاد اقدامی فرض کفایہ ہے اور جہاد دفاعی فرض عین ہے اور ان دونوں کی مشروعیت ہے اور یہ دونوں اسلام میں داخل ہیں لیکن سرسید نے صرف جہاد دفاعی کو تسلیم کیا ہے اور جہاد اقدامی کا انکار کرتا ہے اور جمہور کی دلیل یہ ہے امرت ان اقاتل الناس الی آخره اس میں عام فرمایا گیا خواہ اقداماً ہو یا دفاعاً ہو کوئی قید نہیں ہے۔ (تفصیل تکملہ فتح الملہم مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ)

قوله حتیٰ یشهد وا ان لا اله الا الله......الخ سوال کہ یہاں قبول جزیہ وغیرہ کی صورتیں مذکور نہیں جواب یہ ہے کہ حتیٰ یشهد وا سے مراد اعلاء کلمة الله ہے جس کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً قبول جزیہ' اقرار توحید و رسالت' طلب امن' طلب صلح اور ذمیت وغیرہ تو یہاں اعلاء کلمة الله کی ایک بڑی صورت اور فرد کامل ذکر کر کے مطلق اعلاء مراد ہے یعنی ذکر خاص اور ارادہ عام ہے۔

قوله و یقیموا الصلوٰة و یؤتوا الزکوٰة یہاں دو شبہات ہیں۔

شبہ اولیٰ:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امور اربعہ مذکور یعنی توحید رسالت' نماز زکوٰۃ کا عامل محفوظ الدم ہے اگر چہ باقی احکام کا منکر ہو؟

جواب (۱):۔ شہادت بالرسالۃ مستلزم ہے تصدیق بجمیع ماجاء به النبی علیه السلام کو چنانچہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں حتیٰ یشهدوا و یومنوا بی و بماجئت به.

جواب (۲) الابحق الاسلام باقی تمام احکام کو شامل ہے۔

شبہ ثانیہ:۔ اس حدیث میں صوم وحج کا ذکر نہیں؟ جواب (۱):۔ اس وقت تک یہ دونوں فرض نہیں ہوئے تھے۔

جواب (۲):۔ نماز بدنی عبادت کی اور زکوٰۃ مالی عبادات کی اصل ہے اس لئے ان دونوں کو خاص کیا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ
حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے۔ ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہو۔ ہمارا ذبیحہ کھالے
ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ. (صحيح البخاری)
پس یہ مسلمان ہے کہ اس کیلئے ذمہ اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول کا ہے۔ پس اس کے ذمہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے خیانت نہ کرو۔ (بخاری)

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات۔ پہلے گزر چکے ہیں۔ الامر الثانی۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن شخص میں یہ اوصاف ثلثہ' خصال ثلثہ پائی جائیں ایسا شخص اللہ اور رسول کی طرف سے محفوظ الدم ہے اور محفوظ المال ہے۔ للہذا ایسے شخص کو مباح الدم اور مباح المال سمجھ کر اللہ اور اللہ کے رسول کے عہد کو نہ توڑا جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ اوصاف ثلثہ کیا ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱)۔ مسلمانوں جیسی نماز پڑھنا۔ (۲)۔ مسلمانوں کے قبلے کو اپنا قبلہ بنالینا۔ ۳۔ مسلمانوں کے ذبیحہ کو حلال سمجھنا خواہ بالفعل کھائے یا نہ کھائے۔

سوال: ان اوصاف ثلثہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ جواب۔ یہ اوصاف ثلثہ ایسی ہیں جو زیادہ ظاہر بھی ہیں اور ان کا علم بھی جلدی ہو جاتا ہے بعنوان آخر یہ اوصاف ثلثہ ایسی ہیں جو اظہر و اشہر ہونے کے ساتھ ساتھ اسرع فی العلم بھی ہیں۔ مثلاً آپ سفر کر رہے ہیں اور نماز کا وقت ہو گیا تو آپ کا ساتھی بھی نماز پڑھے گا تو دیکھا جائے گا کہ اس کی نماز ہماری نماز کی طرح ہے یا نہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے یا نہیں؟ یہ چیزیں جلدی اور ظاہراً معلوم ہو جاتی ہیں اس لئے ان کو خاص کیا۔

سوال:۔ محفوظ الدم اور محفوظ المال ہونے کے لئے شہادتیں بھی تو ضروری ہیں جبکہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ محفوظ الدم اور محفوظ المال ہونے کے لئے اوصاف ثلثہ کافی ہیں؟۔

جواب۔ ان خصال ثلثہ میں سے خصلت اولیٰ یعنی ادائے صلوٰۃ ایسی ہے جو کہ شہادت بالرسالۃ کو متضمن ہے اور نماز شہادتین کو مستلزم ہے یعنی جس کی نماز ہماری نماز کی طرح ہوگی گویا وہ شخص شہادت بالرسالۃ کا اقرار کر رہا ہے اور شہادت بالرسول ایسی ہے جو کہ تمام ضروریات دین کو مستلزم ہے اگر ان ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے گا تو شہادت بالرسالۃ ختم ہو جائے گی۔ تو پس نماز کے اندر شہادتین بھی آ گئیں۔

سوال۔ یہ خصلت ثانیہ خصلت اولیٰ کو متضمن ہے اس لئے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے گا جہاں پر اس کا مسلمانوں کی طرح نماز پڑھنا معلوم ہوگا وہاں یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے یا نہیں تو پھر خصلت ثانیہ کو مستقلاً کیوں ذکر کیا؟

جواب (۱) ہم نہیں مانتے کہ خصلت ثانیہ یہ خصلت اولیٰ میں مندرج ہے اور یہ اس کو متضمن ہے اس لئے کہ بسا اوقات ایسے لوگوں کا ملنا ممکن ہے جو نماز کو تو نہیں جانتے لیکن قبلے سے واقف ہیں۔ جب مندرج نہیں تو اس لئے اس کو مستقلاً ذکر کیا۔

جواب (۲) قبلہ کو کمال امتیاز میں دخل ہے یعنی یہودیوں اور مسلمانوں کی نماز میں امتیاز قبلہ کی وجہ سے ہوتا ہے یہود کا قبلہ اور ہے اور مسلمانوں کا قبلہ اور ہے اس لئے قبلہ کو مستقلاً ذکر کیا۔

سوال:۔ پہلی دو خصلتوں اور تیسری خصلت کے درمیان کیا فرق ہے؟

جواب:۔ پہلی دونوں خصلتوں کا ممیز ہونا عبادت کی حیثیت سے ہے اور تیسری خصلت کا ممیز ہونا عبادت اور عادت دونوں کی حیثیت سے ہے۔ بحسب العبادۃ تو واضح ہے اور بحسب العادۃ یہ ہے کہ عام طور پر ایک ملت والے دوسری ملت کا ذبیحہ نہیں کھاتے۔

سوال: اس حدیث کا مقتضاء تو یہ ہے کہ جب کسی قادیانی میں یہ اوصاف ثلثہ پائی جائیں تو وہ بھی محفوظ الدم والمال ہو جائے گا پھر قادیانی کہیں گے کہ لاؤ ہم تمہارا ذبیحہ کھانے کیلئے تیار ہیں۔ ہم نماز بھی تمہارے قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھتے ہیں۔

جواب۔ یہ تب ہے جبکہ ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہ کرے اس لئے کہ جہاں پر کسی چیز کے ثابت ہونے کے لئے اسباب کا پایا جانا ضروری ہے وہاں پر موانع کا ارتفاع بھی تو ضروری ہے۔

قولہ فلا تخفر و االلہ اس کے دو مطلب ہیں۔(۱)۔پس نہ توڑو تم اللہ کے اس عہد کو جو اس شخص کے امان کے بارے میں ہے۔
(۲)۔پس نہ توڑو تم اللہ کے عہد کو جب تک یہ شخص اللہ کی امان میں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ اَتٰى اَعْرَابِیٌّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِیْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی (دیہاتی) آیا اس نے کہا مجھے ایک
عَمِلْتُهٗ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَالَ تَعْبُدُاللّٰهَ وَلَا تُشْرِکُ بِهٖ شَيْئًا وَّتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ وَتُؤَدِّی
ایسا عمل بتلاؤ جب میں اسے کرلوں جنت میں داخل ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا۔
الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا شَيْئًا وَّلَا اَنْقُصُ
فرض نماز پڑھ اور فرض زکوٰۃ ادا کر رمضان کے روزے رکھ۔اس نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے نہ میں
مِنْهُ فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ
اس پر کچھ زیادتی کروں گا اور نہ اس سے کم کروں گا جب وہ چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ ایک جنتی آدمی کو
فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
دیکھے وہ اس کی طرف دیکھ لے۔

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات پہلے گزر چکے ہیں

الامر الثانی: حاصل مضمون حدیث اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بدوی (دیہاتی) شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلا دیا جائے جس کو کرنے کی وجہ سے مجھے دخول جنت بدخول اولی حاصل ہو جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں پانچ چیزوں کی (امور خمسہ کی) وصیت فرمائی اور وہ یہ ہیں۔

(۱)۔عبادۃ اللہ۔(۲)۔عدم اشراک۔(۳)۔اقامۃ صلوۃ۔(۴)۔ایتاء زکوٰۃ۔

(۵)۔صیام رمضان۔ان امور خمسہ میں سے امر اول بمنزلہ کلی کے ہے اور باقی امور اربعہ اس کی جزئیات ہیں۔

الامر الثالث:۔سوالات و جوابات۔کی شکل میں عبارت کا حل۔

سوال مقام کا تقاضا یہ تھا کہ امر کے صیغے ذکر کئے جاتے لیکن صیغے فعل مضارع کے ذکر کئے گئے۔بعنوان آخر یہاں مقام مقام انشاء تھا اس لئے جملے انشائیے ذکر کئے جاتے لیکن یہاں پر جملے خبر یے ذکر کئے گئے۔اس کی کیا وجہ ہے؟۔

جواب۔یہاں سرعت امتثال کی ترغیب دینی ہے کہ مامور کو چاہئے کہ وہ اول وھلہ میں اور اول فرصت میں عمل کو بجالائے یوں سمجھ لو کہ آمر نے حکم دیا مامور اس عمل کو بجالایا اور اب اس قابل بن گئے گویا کہ اب خبر دے رہے ہیں اگر جملے انشائیے ذکر کرتے تو یہ لطافت پیدا نہ ہوتی۔

سوال۔حج کو ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب۔یہ حج کی فرضیت سے پہلے کا واقعہ ہے اور اگر بعد کا بھی ہو تو پھر اس وجہ سے ذکر نہیں کیا کہ سائل کو حج کی استطاعت نہیں تھی۔

الامر الرابع: قولہ والذی نفسی بیدہ الخ یہ حدیث کا دوسرا حصہ ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تو اس سائل نے قسم کھا کر کہا کہ نہ اس سے کمی کروں گا اور نہ زیادتی کروں گا۔

سوال:۔کمی نہ کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن زیادتی نہ کرنا یہ سمجھ میں نہیں آتا اس لئے کہ زیادتی فی العبادۃ تو مطلوب ہے تو زیادتی فی

العبادۃ کی نفی کے باوجود بشارت بالجنۃ دے دی۔ بالفاظ دیگر بشارت بالجنۃ کا ترتب نقصان کی نفی پر تو صحیح ہے لیکن زیادتی کی نفی پر ترتب صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ زیادتی فی العبادۃ تو مطلوب ہے۔

جواب اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔(۱)۔ یہ مقید ہے سائل کا مطلب یہ تھا کہ عمل میں کمی نہیں کروں گا سوال میں اضافہ نہیں کروں گا۔ نقصان کی نفی بحسب العبادۃ اور زیادتی کی نفی بحسب السوال۔ یعنی زیادت فی العبادۃ کی نفی نہیں بلکہ زیادۃ فی السوال کی نفی ہے۔

(۲)۔ سائل کا مطلب یہ تھا کہ اپنی طرف سے مقدار میں کمی بیشی نہیں کروں گا۔ یعنی جن فرائض کی مقدار متعین ہے اس میں کمی بیشی نہیں کروں گا۔ مثلاً ظہر کی چار رکعتیں ہیں تو دو نہیں پڑھوں گا یہ کمی کی مثال اور فجر کی دو رکعتیں ہیں تو چار نہیں پڑھوں گا۔ یہ بیشی کی مثال تو یہاں زیادتی اور نقصان بحسب المقدار کی نفی ہے۔ (۳)۔ یا یہ کنایہ ہے اطاعت کاملہ سے جب سائل نے سوال کر دیا اور مجیب نے جواب دے دیا تو اس کے بعد آخر میں سائل نے کہا کہ حضرت آپ مطمئن رہیں میں اس سے کمی بیشی نہیں کروں گا یعنی آپ کی پوری پوری اطاعت کروں گا۔

(۴)۔ بسا اوقات ذکر کیا جاتا ہے طرفین کی نفی کو اور مراد لیا جاتا ہے طرف واحد کی نفی کو مثلاً زید دوکان سے کوئی سودا مثلاً کپڑا لینے کے لئے جائے اور وہ دکاندار کہے کہ مولوی صاحب یہ ۴۰ یا ۶۰ روپے میٹر ہے تو زید کہے گا بھائی اس میں کچھ کمی بیشی کرو لیکن دوکاندار کہے گا بھائی اس سے زیادہ کمی بیشی نہیں ہو سکتی تو یہاں پر دو طرفیں ذکر کی ہیں لیکن مراد کمی ہے تو اسی طرح سائل نے اگر چہ دونوں طرفیں ذکر کی ہیں لیکن مراد اس سے ایک ہی طرف ہے یعنی کمی نہیں کروں گا (زیادتی کو اس کے ساتھ محاورۃً ملا دیا) (۵)۔ یہ سائل کسی قسم کا نمائندہ تھا تو اس کے یہ الفاظ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں ان باتوں کو اپنی قوم تک پہنچانے میں کمی بیشی نہیں کروں گا۔

سوال:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی موجودگی میں اسکے جنتی ہونیکی بشارت کیوں نہیں دی تھی؟ وہ شخص جب چلا گیا تو پھر فرمایا کہ جس شخص نے کسی جنتی کو دیکھنا ہو تو اس کو دیکھ لو۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جسکے بارے میں خبر دی ہو کہ یہ جنتی ہے تو وہ کیسے جنتی نہ ہو گا تو پھر اس کی موجودگی میں جنت کی بشارت کیوں نہ دی۔ جواب۔ ممکن ہے اس کی موجودگی میں بشارت دینا اس کے حال کے مناسب نہ ہو اور بعد میں اس لئے بتا دیا تا کہ یہ صحابہؓ اس (شوق دلانے کے لئے) اس جیسی صفات اپنا لیں۔

سوال:۔ کیا آپ عالم الغیب تھے جو خوشخبری جنت کی سنا دی؟ حالانکہ اس کا پتہ تو موت کے وقت چلتا ہے خاتمے کے وقت چلتا ہے کہ آیا اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا یا کفر پر ہوا ہے۔ جواب (۱)۔ یہ خوشخبری سنانا عام ضابطے کی بناء پر تھا یا وحی کے ذریعہ بتلا دیا گیا ہو گا۔ عام ضابطہ یہی ہے کہ جس شخص کے عقائد درست ہوں تو وہ شخص جنتی ہوتا ہے اس لحاظ سے جنتی ہونے کی خوشخبری دی۔

جواب (۲)۔ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے صدق کا انکشاف نہیں ہوا تھا اس لئے فرمایا تھا ''افلح الرجل ان صدق'' پھر اس کے دل میں صدق پائے جانے کا انکشاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گیا۔ پھر آپ نے یقین سے جنت کی بشارت سنا دی۔

الامر الخامس: سائل کے مصداق کی تعیین۔ سائل کا نام جو کہ اعرابی تھا اس کا نام لقیط ابن صبرہ یا پھر اس کا نام سعد بن اخرم تھا۔

وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الثَّقَفِيِّؓ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِّيْ فِي الْإِسْلَامِ
سفیانؓ بن عبداللہ سے روایت ہے میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول اسلام میں آپ مجھے ایک ایسی بات فرمائیں کہ
قَوْلًا لَّا اَسْاَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ وَفِيْ رِوَايَةٍ غَيْرَكَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ. (رواہ صحیح مسلم)
آپ کے بعد میں کسی سے نہ پوچھوں۔ ایک روایت میں غَيْرَكَ کے لفظ ہیں۔ آپ نے فرمایا تو کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر قائم رہ۔

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات۔ راوی کا نام سفیان بن عبداللہ ہے اور ان کی کنیت ابو عامر ہے اور ان کی نسبت الثقفی ہے بنو ثقیف کی طرف منسوب ہیں اور ان کی دوسری نسبت الطائفی ہے کیونکہ طائف کے گورنر اور حاکم تھے اس لئے ان کو طائفی بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بنو ثقیفہ کے ساتھ مسلمان ہو گئے تھے۔

الامر الثانی: حاصل حدیث کا بیان۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت سفیانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے انتہائی جامع اور مختصر نصیحت فرمائیں تا کہ مختصر ہونے کی وجہ سے ضبط کرنا اور یاد کرنا آسان سہل ہو جائے اور کہیں بھولنے کی وجہ سے کسی اور سے آپ کے علاوہ سوال کرنے کی نوبت نہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کے اندر دو باتوں کی وصیتیں فرمائیں۔(۱)۔ایمان باللہ (۲)۔استقامت یعنی اللہ پر ایمان لا اور پھر استقامت یعنی اس پر ثابت قدم رہ۔

سوال۔ یہ جامع کیسے ہے؟ جواب:۔ جتنے عقائد ہیں وہ ایمان باللہ میں مندرج ہیں اس لئے کہ ایمان باللہ وہ معتبر ہوگا جو نبی کی تعلیم کے موافق ہوگا اور جو نبی کی تعلیم کے موافق ہو تو گویا یہ تصدیق بالرسالت ہے اور تصدیق بالرسالت کے ضمن میں تمام ضروریات دین اس میں شامل ہو جائیں گی تو اس صورت میں استقامت تاکید کے لئے ہوگا یا دوسری صورت یہ ہے کہ عقائد مندرج ہیں ایمان باللہ میں اور تمام اعمال اوامر اور نواہی کا امتثال یہ مندرج ہیں استقامت میں وجہ اندراج یہ ہے کہ استقامت جمیع ما ینبغی کا امتثال اور جمیع مالاینبغی سے اجتناب ان دونوں کا مجموعہ یہ عبارت ہے۔ بعنوان آخر استقامت جمیع اوامر کا امتثال اور جمیع نواہی کا اجتناب سے یہ عبارت ہے۔ جیسے صوفیاء کا قول ہے استقامت کے بارے میں اطلب الاستقامة ولاتطلب الكرامة ان الاستقامة فوق الف الكرامة۔ یعنی استقامت کو طلب کر کرامت کو طلب نہ کر کیونکہ کرامت سے استقامت ہزار درجے بہتر ہے ہزار کرامتوں سے اور پر استقامت ہے اللہ ہمیں بھی اسی دین پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

فائدہ: ضابطہ ذہن میں رکھ لو۔ اگر رسول اللہ کا لفظ مقام خطاب میں ہو تو اس کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلفظ نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر مقام خطاب نہ ہو تو پھر ضرور کہنا چاہئے خواہ لکھا ہوا ہو یا نہ ہو۔ وفی روایة میں دوسری روایت کا ذکر ہے بعد' غیرک کے معنی میں ہے۔

قوله ' قل امنت بالله ثم استقم یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے کیونکہ یہ تمام ایمانیات اور تمام طاعات کو شامل ہے ایمانیات کا ذکر امنت باللہ میں ہے اور طاعات کا ذکر ثم استقم میں ہے کیونکہ استقامت نام ہے ہر مامور کی ادائیگی اور ہر منکر سے پرہیز کرنے کا تو دین کے کسی حکم سے ادنیٰ انحراف اور معمولی کجی بھی استقامت کی ضد ہے لہٰذا استقامت سے مراد ہے شریعت کی پوری پابندی اور یہ بہت بڑی چیز ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا فلا خوف عليهم ولاهم يحزنون (پ ۲۶) اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا کیونکہ اس میں یہ حکم ہے فاستقم كما امرت اور حضرات صوفیائے کرام فرماتے ہیں الاستقامة خير من الف كرامة۔ مرقات (ص۸۴ج۱)۔

وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ
حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ سے روایت ہے اس نے کہا ایک آدمی اہل نجد کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا
ثَائِرَ الرَّأْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهٖ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى دَنَا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
جس کے سر کے بال پراگندہ تھے اس کی آواز کی گنگناہٹ ہم سنتے تھے اور سمجھتے نہیں تھے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فَاِذَا هُوَ يَسْاَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي
کے قریب آ گیا۔ ناگہاں وہ اسلام کے متعلق پوچھ رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ نمازیں
الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
رات دن میں اس نے کہا ان کے سوا مجھ پر اور بھی ہیں آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل پڑھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
وَسَلَّمَ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهٗ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَلَهٗ رَسُوْلُ
اور رمضان المبارک کے مہینے میں روزے رکھنا۔ اس نے کہا ان کے سوا اور بھی مجھ پر ہیں اور آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل روزے رکھے اور رسول

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكٰوةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ
خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا ذکر کیا اس نے کہا اس کے سوا مجھ پر ہے آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفل صدقہ دے۔ راوی نے کہا اس آدمی
وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ
نے پیٹھ پھیری اور وہ کہتے جارہا تھا۔ اللہ کی قسم نہ میں اس پر زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
الرَّجُلُ اِنْ صَدَقَ (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
مراد پائی اس شخص نے اگر سچا ہے۔

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات۔ طلحہ بن عبید اللہؓ نام ہے یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی ان صحابہؓ میں سے ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں بیٹھ کر جنت کی خوشخبری دی تھی تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے بجز غزوہ بدر کے لیکن اس کے باوجود غزوہ بدر سے حاصل شدہ مال غنیمت میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حصہ دیا اس لئے کہ یہ اگرچہ حقیقۃً شریک نہیں ہوئے لیکن حکماً شریک تھے کیونکہ کسی مجبوری کی بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے سے پیچھے رہے تھے اور غزوۂ احد کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غزوۂ احد تو ہوا ہی طلحہ بن عبید اللہؓ کی کمائی کے لئے ہے اور غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والے یہی طلحہؓ تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب مشرکین و کفار کی طرف سے تیروں کی بارش ہوتی تھی تو یہ آگے آ جاتے جس طرف سے تیر آتے اسی طرف سے آگے آ جاتے تیر خود برداشت کر لیتے تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں لگنے دیتے تھے لکھا ہے کہ ان کو اس غزوۂ میں ۲۴ زخم آئے یا ایک روایت کے مطابق ۷۵ زخم آئے تھے۔ جنہوں نے چھوٹے چھوٹے زخم بھی شمار کئے انہوں نے ۷۵ ذکر کئے اور جنہوں نے صرف بڑے شمار کئے انہوں نے ۲۴ زخموں کا ذکر کیا اور اس غزوۂ میں سب سے زیادہ ثواب و اجر کمانے والے حضرت طلحہؓ ہی تھے۔

الامر الثانی:۔ حاصل مضمون حدیث۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک نجدی شخص بہیئت مخصوصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرائض اسلام کے متعلق متعدد سوالات کئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے جوابات دیئے جس پر اس شخص نے کہا میں نہ کمی کروں گا اور نہ زیادتی کروں گا جس پر نبی کریم نے اس کے مفلح ہونے اور جنتی ہونے کی بشارت دی۔

الامر الثالث:۔ من جآء۔ کا مصداق کون ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ مجہول ہے کوئی متعین نہیں۔ دوسرا قول:۔ اس سے مراد ضمام بن ثعلبہ ہے جو اپنے قبیلہ اور ابن ابی بکر کی جانب سے نمائندہ بن کر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا یہی قول راجح ہے اس لئے اس حدیث کا نام حدیث ضمام ابن ثعلبہ ہے۔

الامر الرابع:۔ متیٰ جآء۔ اس رجل کی آمد کب ہوئی۔ اگر اس کا مصداق رجل مجہول ہو تو پھر اس کی آمد کی تاریخ بھی مجہول ہوگی اور اگر ضمام بن ثعلبہ اس رجل کا مصداق ہو تو پھر ان کی آمد کی تاریخ میں تین قول ہیں۔ ۵ھ، ۷ھ اور ۹ھ آخری قول زیادہ راجح ہے۔

الامر الخامس:۔ من اهل نجد اس کی ترکیب میں دو احتمال ہیں۔ (۱)۔ یہ صفت ہے رجل کی تقدیری عبارت اس طرح ہوگی جاء رجل الی رسول الله كائن من اهل نجد۔ (۲)۔ جاء کے فاعل سے حال ہو۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی جاء رجل الی رسول الله كائناً من اهل نجد۔ باقی رہی یہ بات اہل نجد کن کو کہتے ہیں جواب:۔ سرزمین عرب کے دو حصے ہیں بالائی جانب اور نشیبی جانب۔ بالائی جانب والوں کو اہل نجد کہتے ہیں۔ (حجاز اور عراق کے درمیان واقع ہے) اور نشیبی جانب والوں کو تہامہ کہتے ہیں اور سائل بالائی جانب والوں میں سے تھے۔

الامر السادس:۔ ثائر الرأس بیان ترکیب۔ پہلا احتمال۔ یہ منصوب ہے حال ہونے کی بناء پر۔

سوال:۔ جب ذوالحال نکرہ ہو تو حال کی تقدیم واجب ہوتی ہے اور یہاں حال کی تقدیم نہیں۔

جواب:۔ یہ ہے کہ جہاں یہ قاعدہ ہے وہاں یہ بھی ہے کہ جب ذوالحال نکرہ مخصصہ ہو تو اس وقت حال کی تقدیم کوئی ضروری نہیں ہوتی

ہے۔دوسرا احتمال یہ صفت ثانی ہو رجل کی یعنی ایسا آدمی جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔سوال موصوف (رجل) نکرہ ہے اور صفت (ثائر الراس) اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے تو موصوف صفت میں مطابقت نہیں۔اسی طرح پہلی صورت میں بھی سوال ہوا کہ ذوالحال رجل نکرہ ہے اور حال اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے تو ان کے درمیان مطابقت نہیں؟ حالانکہ موصوف صفت کے اعتبار سے مطابقت ضروری ہے۔جواب: یہ اضافت لفظی ہے جو تعریف کا فائدہ نہیں دیتی لہٰذا اس کا صفت اور حال بنانا صحیح ہے۔

الامر السابع:۔سوال:۔رجل ثائر الراس کا معنی کیا ہے؟ جواب۔اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔سوال: یہ معنی تم نے کہاں سے نکال لیا کہ اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔جواب دو طریقوں سے۔(۱)۔مجاز مرسل کے طور پر ذکر کیا گیا (محل کو ذکر کر کے حال مراد لینا) یہ ذکر المحل ارادبہ الحال کی قبیل سے ہے جیسے **جری النهر سال المیزاب**۔(۲)۔یہ مجاز بالحذف ہے ثائر **شعر الراس** یعنی مضاف محذوف ہے جیسے **فاسئل القریة ای اهل القریة**۔

الامر الثامن:۔ **قوله نسمع دوی صوته**۔دوی ایسی آواز کو کہتے ہیں جو آواز سنائی تو دے لیکن مطلب سمجھ میں نہ آئے جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔اسی دوی کو عام طور پر شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے تشبیہ دی جاتی ہے اس کا حاصل معنی یہ ہوگا کہ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہم آواز کو تو سن رہے تھے لیکن سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔**و لانفقهٗ** یہ صفت کاشفہ ہے ماقبل کی۔

الامر التاسع:۔یہ آواز کس قسم کی تھی اس میں مختلف اقوال۔پہلا قول: یہ آواز ان سوالات کی تھی جو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پہنچنے سے پہلے دور ہی سے کرنا شروع کر دیئے تھے لیکن اس قول کو پسند نہیں کیا گیا کیونکہ اگلی عبارت اس پر منطبق نہیں ہوتی۔ قول ثانی: جو سوالات اس نے کئے تھے وہ ان کو دہرا رہا تھا ان کا تکرار کر رہا تھا یہ اس کی آواز تھی۔اس میں گنجائش ہے۔قول ثالث:۔یہ سوالات کی آواز نہیں تھی بلکہ یہ طبعی آواز تھی جو کہ سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے اس کے سینے سے آرہی تھی۔طبعی آواز سفر کی وجہ سے سینے سے آرہی تھی۔**و لانفقه** یہ صفت کاشفہ ہے لیکن اس میں عائد ھو محذوف ہے ای **و لانفقه ماهو یقول**.

سوال: سوال جواب میں مطابقت نہیں اس لئے کہ اس نے حقیقت اسلام کے متعلق سوال کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرائض اسلام کو ذکر فرمایا۔جواب: مطابقت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب میں فرائض اسلام کو ذکر کرنا یہ قرینہ ہے اس بات پر کہ سائل نے بھی اسلام کے فرائض کے متعلق سوال کئے تھے نہ کہ حقیقت اسلام کے بارے میں۔

الامر العاشر:۔ **خمس صلوة فی الیوم و اللیلة**۔اس میں مضاف محذوف ہے ای **اقامة خمس صلوات فی الیوم و اللیلة فقال هل علی غیرهن** اللہ کے رسول نے پانچ کے بارے میں فرمایا کہ ان کو قائم کرنا تو اس نے سوال کیا **هل علی غیرهن** اے اللہ کے رسول مجھ پر اس کے علاوہ بھی کچھ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ نہیں **الا ان تطوع** مگر یہ کہ تو نفلی نماز شروع کرے پھر یہ تیرے اوپر پورا کرنا فرض ہے۔

سوال۔احناف فرماتے ہیں کہ وتر بھی تو واجب ہیں جب کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نمازوں کے علاوہ باقی سب تطوع (نفل) ہیں باقی ائمہ ثلثہ نے وتر کے سنت ہونے پر جن نصوص سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔

جواب:(۱)۔پانچ نمازوں میں عشاء کا ذکر ہوا یہ اصل ہے اور وتر عشاء ہی کے تابع ہیں جب متبوع کا ذکر ہو گیا تو تابع کا ذکر بھی ہو گیا۔کوئی نفی نہیں ہوئی۔جواب (۲)۔تطوع یہاں فرض کے مقابلے میں ہے ان پانچ نمازوں کے علاوہ ان پانچ نمازوں جیسا کوئی فرض نہیں ہے آگے عام تعلیم ہے واجب ہو یا واجب نہ ہو تو اس صورت میں بھی وتر کی نفی نہیں ہوگی۔ظاہر ہے کہ احناف وتر کے وجوب کے قائل ہیں۔جواب (۳)۔ممکن ہے کہ یہ اس زمانے کا واقعہ ہو جس میں وتروں کا حکم وجوب نازل نہ ہوا ہو۔لیکن اس کو پسند نہیں کیا گیا کیونکہ یہ مرجوح ہے اس لئے کہ واقعہ ۹ھ کا ہے اس وقت وتروں کا وجوب تھا۔جواب (۴)۔دوسری احادیث سے وجوب ثابت ہو رہا ہے (چلو ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ اس سے حدیث وتروں کے وجوب کی نفی ہو رہی ہے) لیکن ادلہ خارجیہ کی وجہ سے وتروں کے وجوب کے قائل ہیں۔یہ

ایسی چیز ہے جس کا ارتکاب ہم ہی نے نہیں کیا بلکہ شوافع نے بھی کیا ہے۔ مثلاً صدقۃ الفطر کے مسئلہ میں یہی اعتراض شوافع پر ہوگا کہ اس حدیث سے صدقۃ الفطر کی نفی ہو رہی ہے آپ بھی کہتے ہیں دوسری نصوص کی وجہ سے یہ واجب ہے تو اگر ہم کہیں کہ وتر کا وجوب ادلہ خارجیہ سے ثابت ہے بالفاظ دیگر صدقۃ الفطر کے وجوب کے بارے میں تم لامحالہ یہی تاویل کرو گے کہ ہم ادلہ خارجیہ کی وجہ سے اس کے وجوب کو تسلیم کرتے ہیں۔ تو ہم بھی کہیں گے کہ ہم بھی ادلہ خارجیہ کی وجہ سے اس کے وجوب کے قائل ہیں فماھو جوابکم فھو جوابنا۔

قولہ الامر الحادی عشر: حدیث میں تینوں جگہ پر استثناء کی حیثیت کیا ہے؟ آیا استثناء متصل ہے یا منقطع مقام اول میں احناف کے نزدیک استثناء متصل ہے معنی یہ ہوگا الا ان تشرع فی التطوع فیجب علیک۔ سوال:۔ احناف کے مذہب کے مطابق ہوگا کہ استثناء متصل کا مقتضیٰ ابھی تک پورا نہیں ہوا۔ اس لئے کہ دونوں کی جنس ایک ہوتی ہے یہاں ایک نہیں ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ فرض کی قبیل سے ہے اور مستثنیٰ واجب کی قبیل سے ہے۔ جواب اس سے ہمارا جواب پورا ہوگیا اس لئے کہ واجب عملی اور اعتقادی طور پر فرض ہی ہوتا ہے لہذا کوئی اشکال نہیں اور حنابلہ اور شوافع کے نزدیک یہ استثناء منقطع ہے۔ معنی یہ ہوگا لان التطوع خیر لک۔ آیا اس اختلاف کا کوئی ثمرہ بھی نکلا کہ نہیں ضرور ثمرہ نکلتا ہے۔

ثمرہ اختلاف: آیا شروع فی التطوع کی وجہ سے لزوم پیدا ہوجاتا ہے یا نہیں۔ بصورت دیگر شروع فی التطوع ملزم وموجب ہے یا نہیں۔ احناف کے نزدیک شروع فی التطوع ملزم ہے یعنی اگر کسی شخص نے نفل کی نماز شروع کردی تو اس کا پورا کرنا اس پر لازم ہے اگر توڑ بھی دے تو بعد میں اس کو پورا کرے گا۔ شوافع کے نزدیک شروع فی التطوع ملزم نہیں ہے اور احناف کی پہلی دلیل یہ مشتمل ہے استثناء پر اور استثناء میں اصل یہ ہے کہ متصل ہو اور یہ متصل تب ہی ہوگا جب کہ یہ معنی کیا جائے کہ الا ان تشرع فی التطوع فیجب علیہ دوسری دلیل ولا تبطلوا اعمالکم۔ ظاہر ہے کہ بطلان سے تب ہی بچے گا جب کہ عمل کو پورا کیا جائے تیسری دلیل اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی آدمی نفلی حج کو پورا نہ کرے فاسد کردے تو اس پر قضاء واجب ہوتی ہے تو اے شوافع یہی حکم نفلی روزہ اور نفلی نماز کا مان لو۔ مقیس علیہ میں اجماع ہے تو مقیس کو بھی اسی طرح مان لو۔

سوال: زکوٰۃ کے ذکر میں اسلوب کیوں بدلا؟

جواب۔ یہ بتلایا کہ فرائض زکوٰۃ میں سے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کو بیان کرتے وقت جو الفاظ بیان فرمائے تھے وہ الفاظ بعینہ یاد نہیں تھے اس لئے اسلوب بدلا یہی کمال احتیاط ہے۔ اس تیسرے استثناء میں بالاجماع یہ استثناء منقطع ہے۔

سوال: اس پر شوافع کہتے ہیں کہ اے حنفیہ مقام ثالث میں بھی جیسے استثناء منقطع بناتے ہو اسی طرح مقام اول میں بھی استثناء منقطع بنالو۔

جواب:۔ ہر مقام کو اس کا حق دو جو مقام اتصال کا تقاضا کرتا ہے اس کو استثناء متصل دو اور جو مقام استثناء منقطع کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کو استثناء منقطع دو جیسے نماز میں اتصال ہے روزے میں اتصال ہے لیکن بخلاف زکوٰۃ کے اس میں اتصال نہیں۔ تم ایسے کرلو کہ آدھی نماز ابھی پڑھ لو اور آدھی بعد میں تین چار گھنٹوں کے بعد پڑھ لینا اور روزہ تم آدھا آج رکھ لو اور آدھا کل رکھ لینا اور ہمارے جیسے بوڑھے روزہ کو تین دنوں میں تقسیم کرلیں گے تو آپ ایسا نہیں کرتے تو معلوم ہوا کہ ان میں اتصال ہے بخلاف زکوٰۃ کے آپ نکال کر رکھ دیں جس کو چاہیں جس وقت چاہیں دیں ادا کردیں تو معلوم ہوا یہ استثناء منقطع ہے لیعطیٰ کلّ مقام حقہ۔

قولہ افلح الرجل ان صدق:۔ سوال:۔ پہلے شخص کے متعلق جزماً جنتی ہونا فرمایا بغیر تردد کے اور اس شخص کے متعلق بصیغہ تردد فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب (۱)۔ اپنی اپنی شان ہے اپنا اپنا حال ہے۔ حالات مختلف ہونے کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔

جواب (۲) اس کے متعلق وحی کا نزول ہوچکا تھا اور اس کے متعلق وحی کا نزول نہیں ہوا تھا۔ اور اگر پہلے روایت کے سائل کا مصداق اور اس کا مصداق بھی ایک ہو تو پھر یہ توجیہ کریں گے پہلے وحی کا نزول نہیں ہوا تھا اس لئے بصیغہ تردد فرمایا اور بعد میں نزول ہوچکا اس لئے بصیغہ جزم فرمایا۔

قبل از وحی بصیغہ تردد افلح الرجل ان صدق فرمایا بعد از وحی بصیغہ جزم من سرہ ان ینظر الی رجل من اھل الجنۃ الخ فرمایا۔

فائدہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس شخص کے بال بکھرے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی طالب علم ننگے سر سبق میں آ جائے تو اس کی فکر نہ کریں۔ بسا اوقات طالب علم کے بال بکھرے ہوئے ہوں تو فکر نہ کریں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا اَتَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عبدالقیس کا وفد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کونسی قوم ہے یہ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ الْقَوْمُ اَوْ مَنِ الْوَفْدُ قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ اَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ
کونسا وفد ہے۔ انہوں نے کہا ہم ربیعہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جماعت یا وفد کو خوش آمدید ہو۔ اس حالت میں کہ نہ رسوا ہوا اور نہ پشیمان انہوں
خَزَايَا وَلَا نَدَامٰی قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَاْتِيَكَ اِلَّا فِیْ
نے کہا اے اللہ کے رسول ہم آپ کے پاس حرمت والے مہینوں کے علاوہ آنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان مضر کا کافر قبیلہ ہے۔ پس ہمیں
الشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هٰذَا الْحَیُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِاَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْ بِهٖ مَنْ وَّرَآءَ نَا
آپ ایک حکم کے ساتھ امر فرمائیں کہ فرق کر دے۔ ہم اس کی ان لوگوں کو خبر دیں جو ہمارے پیچھے ہیں اور ہم اس کے سبب جنت میں داخل ہو جائیں۔ انہوں نے
وَنَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ وَسَاَلُوْهُ عَنِ الْاَشْرِبَةِ فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ وَّنَهٰهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پینے کے برتنوں کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے انکو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے روکا۔ انکو ایک اللہ کے ساتھ ایمان لانے کا
بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ قَالُوا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ شَهَادَةُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ
حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو اللہ کے ساتھ ایمان لانے کا کیا معنی ہے۔ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامُ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءُ الزَّكٰوةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَاَنْ تُعْطُوْا مِنَ
نے فرمایا اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوائی کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ نماز کا قائم کرنا۔ زکوٰۃ کا دینا رمضان کے
الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهٰهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ وَ الدُّبَّآءِ وَالنَّقِيْرِ وَالْمُزَفَّتِ وَقَالَ احْفَظُوْهُنَّ
روزے رکھنا اور فرمایا کہ تم غنیمت سے پانچواں حصہ دو اور چار قسم کے برتنوں سے انہیں روکا۔ لاکھ کئے ہوئے مرتبان یا ٹھلیوں سے کدو کے برتنوں سے درختوں کی
وَاَخْبِرُوْا بِهِنَّ مَنْ وَّرَآءَكُمْ (صحیح البخاری و صحیح مسلم و لفظه للبخاری).
جڑوں کو کھوکھلا کر کے بنائے ہوئے برتنوں کے استعمال سے اور رال کئے ہوئے برتنوں سے اور فرمایا کہ یاد رکھو ان کو جو تمہارے پیچھے ہیں ان کو خبر دو۔

تشریح: الامر الاول:۔ حدیث کا عنوان۔ اس حدیث کا عنوان حدیث وفد عبدالقیس ہے اس عنوان کی وجہ یہ ہے کہ وفد عبدالقیس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوابات دینا اس حدیث میں مذکور ہیں تو اس مناسبت سے اس پوری حدیث کا نام وفد عبدالقیس رکھ دیا۔

الامر الثانی: راوی کے مختصر حالات۔ نام عبداللہ ابن عباسؓ ہے احادیث میں جہاں کہیں بھی ابن عباسؓ کا نام آئے تو وہاں اس سے مراد عبداللہ ابن عباسؓ ہوتے ہیں۔ ان کا لقب ترجمان القرآن و رئیس المفسرین ہے۔ علم تفسیر کے اندر دوسرے صحابہ کے مقابلے میں ان کی تفسیر زیادہ راجح ہوتی ہے ان کا مقام علم تفسیر میں دوسرے صحابہؓ سے سب سے اونچا ہے۔ **اللھم علمه الکتاب** اس کا منشا آپ کو پتہ ہے کیا ہے؟

جواب۔ دعا ہے اور دعا کا منشا ادب ہے کہ ابن عباسؓ کے والد محترم نے کہا کہ اپنے بیٹے کو کہ جاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کا نقشہ دیکھ لاؤ۔ تو یہ حضرت ام میمونہ کے گھر گئے اور یہ ان کی خالہ لگتی تھیں تو ان سے کہا میں آپ کے پاس مہمان ہوں رات کو بھی یہی رہوں گا تو رات کو سو گئے صبح

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے اٹھے تو قضائے حاجت کے لئے گئے تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ دیکھ رہے تھے یہ فوراً اٹھ کر لوٹا بھر کے رکھ دیا تو چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدمت کیلئے کسی اور کو نہیں جگاتے تھے از خود کام کرتے تھے لیکن آج دیکھا کہ لوٹا بھرا پڑا ہے پوچھا کس نے بھر کے رکھا ہے تو بتلانے پر معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ نے بھر کے رکھا ہے۔ (ادب کی وجہ سے یہ کام کیا) تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی۔ **اللھم علمه الکتاب**۔ اور جب وضو کر لیا تو حضور نے نماز شروع کی ان کے دل میں خیال آیا کہ میں بھی ان کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاؤں تو فوراً وضو کیا اور جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے ادب کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھایا۔ تو ان میں ادب کا پہلو بہت زیادہ تھا تو اس دعا کا منشاء یہی ادب ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اساتذہ اور والدین کا ادب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

یہ اعلم الناس بمفہوم الاحادیث و بیان بمصداق الاحادیث اور گفتگو میں افصح الناس اور صورت کے اعتبار سے اجمل الناس اور قد کے اعتبار سے اطول القامت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۳ برس یا ۱۵ برس کی تھی۔ ۶۸ ھجری میں ۷۱ برس کی عمر میں طائف میں وفات پائی۔

الامر الثالث: وفد عبدالقیس کون ہے اس کا مفہوم کیا ہے؟ وہ یہ ہے قبیلہ عبدالقیس وہ جماعت ہے جو پوری قوم کی طرف سے نمائندہ بن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی اور ان کی نسبت عبدالقیس کی طرف اس لئے تھی کہ ان کے اجداد میں سے کسی جد اعلیٰ کا نام عبدالقیس تھا اس وجہ سے ان کا نام یہ پڑ گیا۔ ان کا اصل قبیلہ ربیعہ تھا۔ یوں سمجھیں گویا کہ بڑا قبیلہ ربیعہ ہے اور اس کی ایک شاخ عبدالقیس ہے۔ بڑے قبیلے کی طرف نسبت کریں تو ربیعہ اور اگر چھوٹے قبیلے کی طرف نسبت کریں تو عبدالقیس۔

الامر الرابع: یہ وفد عبدالقیس کہاں کا رہنے والا تھا۔ کہاں سے آیا؟ یہ وفد عبدالقیس علاقہ بحرین کے شہروں میں سے جواثہ نامی شہر ہے وہاں کا رہنے والا تھا جو فوجی چھاؤنی تھی۔ جواثہ شہر کا نام ہے بستی کا نہیں۔

الامر الخامس: ان کے آنے کا سبب کیا بنا؟ پس منظر کیا ہے؟ وہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا منقذ نامی ایک شخص بغرض تجارت (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں ہجرت کر کے جانے سے پہلے) جواثہ سے مدینہ منورہ (جس کو اس وقت یثرب کہا جاتا تھا) آیا کرتا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں آئے تو وہ شخص بھی وہاں آیا ہوا تھا۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو یہ شخص کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑی لطافت کے ساتھ ملے اور ان کے قبیلے والوں کا حال دریافت کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قوم کے بڑے بڑے اشراف کا نام لے کر حال پوچھا تو یہ بڑا متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی آمد و رفت رکھ لی جب کبھی آتا تجارت بھی کرتا اور وقتاً فوقتاً تعلیم بھی لیتا رہا حتیٰ کہ کچھ سورتیں (سورہ فاتحہ اور سورہ علق) بھی سیکھ لی اور نماز وغیرہ بھی سیکھ لی۔ تو جب یہ شخص واپس جانے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک والہ نامہ (خط) دیا جو کہ سردار کے نام پر تھا جس میں پوری قوم اور پورے قبیلے والوں کو دعوت اسلام دی گئی تھی اس نے خط اپنے پاس رکھ لیا گھر جا کر رکھ دیا اور دیا نہیں اور گھر کے اندر نماز والا عمل شروع کر دیا جب اس کی بیوی نے اس کی نماز کی عجیب وغریب حرکات و سکنات کو دیکھا تو بڑی متاثر ہوئی کیونکہ یہ اس کے سامنے نئی چیز تھی۔ تو اس نے جا کر اپنے والد محترم کو بتلا دیا اور اس کی اہلیہ کے والد کا نام منذر بن عائذ تھا اور اس کا لقب الاشج تھا اور یہی قبیلہ کا بڑا سردار تھا۔ جب اس کی بیوی نے اپنے والد کو بتایا کہ تیرے داماد کا یہ حال ہو گیا ہے تو اس منذر بن عائذ نے اپنے داماد سے پوچھا تو اس نے پورا قصہ سنایا اور اس نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی بتلایا تو وہ اس شخص کی طرف ہونے لگے۔ اس کے بعد اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط اس کو دیا تو وہ امیر اور سردار بڑا سمجھدار تھا اس نے تمام قبیلے والوں کو جمع کیا اور خط سنایا جس میں اسلام کی دعوت دی ہوئی تھی تو وہ قبیلہ سارا کا سارا مسلمان ہو گیا۔ الغرض ان کا باہم مشورہ ہوا کہ ہماری ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں احکام سیکھنے کیلئے حاضر ہونی چاہئے جو براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام سیکھے۔ تو اس کے بعد ایک جماعت احکام اسلام سیکھنے کیلئے چل پڑی۔ جب قریب پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ ان کی آمد کی اطلاع دی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بتلا دیا کہ قبیلہ

عبدالقیس کے لوگ آ رہے ہیں۔ جب یہ لوگ پہنچے تو فرط محبت کی وجہ سے انہوں نے اپنی سواریاں مناسب جگہ پر کھڑی نہیں کیں اور نہ ہی غسل کیا اور نہ کپڑے تبدیل کئے بلکہ آتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے لیکن ان کا امیر بہت عقلمند تھا اس نے اپنی سواری مناسب جگہ پر کھڑی کی اور اس کو مناسب طریقے سے باندھا اور غسل کیا کپڑے تبدیل کئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مدح فرمائی کہ اس شخص کے اندر متانت پائی جاتی ہے اور علم پایا جاتا ہے۔

الامر السادس: یہ وفد کتنے افراد پر مشتمل تھا۔ اس وفد کے شرکاء کی تعداد میں روایات مختلف ہیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وفد کے افراد کی تعداد چالیس تھی اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چودہ تھی تو بظاہر روایات میں تعارض ہے۔ اس کا جواب علماء نے دو طرح دیا ہے۔ بعض علماء تو اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد دو مرتبہ آیا ہے۔ ۶ھ میں اور ۸ھ میں ایک مرتبہ چالیس افراد پر مشتمل تھا اور ایک مرتبہ چودہ افراد پر اور بعض نے اس طرح سے تطبیق دی ہے کہ کل افراد تو چالیس تھے ان میں سے قابل ذکر۔ معزز افراد چودہ تھے کسی نے کل کا تذکرہ کر دیا تو چالیس کی تعداد نقل کی اور کسی نے معزز افراد کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ انکی تعداد چودہ بتائی۔

الامر السابع۔ ان کا امیر کون تھا۔ یہی منذر امیر تھا جس کے باپ کا نام عائذ تھا اور اس کا لقب الاشج تھا۔

الامر الثامن:۔ یہ وفد عبدالقیس کتنی مرتبہ آیا اور کب آیا۔ دو مرتبہ آیا۔ ایک مرتبہ ۵ھ یا ۶ھ میں اور دوسری مرتبہ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ قبل اور حدیث میں اس دوسری مرتبہ کا ذکر ہے۔

سوال: من القوم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیوں کیا جبکہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو چکا تھا کہ ان کی آمد ہو رہی ہے۔

جواب: ان کو مانوس کرنے کیلئے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ علم ہو چکا تھا۔

الامر التاسع: قولہ ربیعه۔ بیان ترکیب۔(۱)۔ یہ مرفوع ہے خبر ہونے کی وجہ سے اسکا مبتداء محذوف ہے ای نحن ربیعه۔(۲)۔ مفعول بہ ہونیکی وجہ سے منصوب ہے ای نسمی ربیعة۔ نسمی یہ فعل مضارع کا صیغہ ہے اور اسکا مفعول اول مفعول مالم یسم فاعلہ ہے اور مفعول ثانی ربیعۃ ہے۔

سوال۔ انہوں نے ربیعہ کہا حالانکہ یہ وفد عبدالقیس تھا جواب بڑے قبیلے کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا اور مشہور بھی یہی تھا۔ بہر تقدیر یہ جملہ فعلیہ بنے گا ای قالوا نسمی ربیعة۔ اور اگر یہی صورت ہو تو اس صورت میں جملہ اسمیہ بنے گا۔ نحن ربیعه۔ نحن مبتداء اور ربیعہ خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ بن گیا۔

الامر العاشر: مرحباً بالقوم۔ بیان ترکیب (۱)۔ یہ منصوب ہے فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے تقدیر عبارت یوں ہے اصاب القوم مرحباً۔ اتی القوم مرحباً۔ معنی یہ ہے کہ آئی قوم کشادہ جگہ میں ای مکانا و اسعاً۔ اور یہ مہمان کی تطیب قلبی کے لئے بولا جاتا ہے یہاں بھی ان کی تطیب قلبی مقصود تھی۔

الامر الحادی عشر: غیر خزایا۔ بیان ترکیب یہ منصوب ہے حال ہونے کی وجہ سے اتی القوم میں فاعل سے حال ہے۔ باقی خزایا کا مفرد خزیان ہے بمعنی رسوائی والا۔ اور ندامی کا مفرد نادم بمعنی پریشان پشیمان اس پر سوال ہوگا کہ نادم کی جمع تو نادمین آتی ہے نہ کہ ندامی تو جواب یہ ہے کہ خزایا کے پڑوس میں واقع ہونے کی وجہ سے ندامی کہا ہے اس پوری عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ بہت اچھا ہوا کہ تم از خود ہی مسلمان ہو گئے ایسا نہیں ہوا کہ لڑائی کرنی پڑی تمہیں قید کر کے نہیں لایا گیا ورنہ تمہیں رسوا ہونا پڑتا قاتلوں کو مقتول کے ورثاء کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑتی۔

الامر الثانی عشر: الانستطیع...... الخ یہ تمہید ذکر کی اس بات کی کہ ہمیں مختصر اور جامع نصیحت کی جائے اس لئے کہ ہم بار بار آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے اور یہ کثرت سے علم حاصل نہ ہونے کا عذر بیان کیا۔ ہم اشہر حرم میں حاضر ہو سکتے ہیں کیونکہ امن ہوتا ہے ان مخصوص اوقات کے علاوہ حاضر نہیں ہو سکتے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ ہمارے درمیان اور کفار مضر کے درمیان لڑائیاں ہوتی رہتی ہیں اور یہ

کفار مضر راستے میں رہتے ہیں یہ ہم سے لڑائیاں کریں گے اس لئے نہیں آسکتے۔لیکن اشہر حرم کا وہ بھی احترام کرتے ہیں اوران میں وہ نہیں لڑتے اور امن ہوتا ہے لہذا اس وقت ہم آسکتے ہیں۔باقی اشہر حرم چار ہیں۔ا۔ذوالقعدہ ۲۔ذوالحجہ ۳۔محرم ۴۔رجب۔یہ اس وقت ہے کہ جب اشہر الحرام میں الف لام جنسی ہو اور اگر الف لام عہد خارجی ہو تو پھر اس سے مراد رجب کا مہینہ ہوگا کیونکہ قبیلہ مضر وہ رجب کا زیادہ احترام کرتے تھے اسی وجہ سے رجب کو رجب مضر بھی کہتے ہیں۔

هذاالحی۔اس میں ھذا اسم اشارہ قریب ہے حالانکہ وہ قبیلہ کفار مضر قریب تو نہیں تھے اس سے معلوم ہوا کہ متحضر معہود فی الذہن ہونے کی وجہ سے کسی چیز کو کبھی کبھی ہذا کا مشار الیہ بنادیا جاتا ہے۔

قوله فنخبر به ...... **و ندخل**۔اگر مجزوم ہو تو مُر کا جواب امر ہوگا اور اگر مرفوع ہو تو امر کی صفت ہوگی۔**سالوه عن الاشربة** تو جواب میں حضور صلی اللہ نے چار چیزوں کا حکم اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔

سوال: پہلے اجمال اور بعد میں تفصیل کرنے میں کیا حکمت ہے۔

جواب: تا کہ طلب پیدا ہو جائے جیسے شعر ہے **ثلثة تشرق الدنیا ببهجتها**.

الامر الثالث عشر: اشکال:۔اجمال اور تفصیل میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ اجمال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امور اربعہ چار ہوں گے اور تفصیل میں امور خمسہ کو بیان فرمایا۔(۱)۔ایمان۔(۲)۔اقامۃ صلوۃ۔(۳)۔ایتاء زکوۃ۔(۴)۔صیام رمضان۔(۵)۔اعطاء الخمس۔تو اجمال اور تفصیل میں مطابقت نہیں۔**جواب (۱)**۔مطابقت کی کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔تفصیل کے اندر امور ماموره معہودہ میں سے صرف ایک کا بیان ہے یعنی ایمان۔باقی سب اس کی تفصیل ہیں۔باقی جو تین امور ہیں ان کا تذکرہ نہیں کیا اس حدیث میں یا تو اختصار کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ذکر نہیں کیا۔لیکن اس جواب کو پسند نہیں کیا گیا اگر چہ جواب دینے والے قاضی بیضاوی ہیں کیونکہ بقیہ تین امور کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔

جواب (۲)۔تفصیل کے اندر ایمان یعنی شہادتین کا ذکر تمہیداً اور تبرکاً ہے امور ماموره میں سے ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے نیز روایتیں اس پر دال ہیں کہ جن میں سرے سے شہادتین کا ذکر ہی نہیں ہے تو اس لحاظ سے چار امور ہوئے۔

(۱)۔اقامۃ صلوۃ۔(۲)۔ایتاء زکوۃ (۳)۔صیام رمضان۔(۴)۔**اعطاء الخمس**۔**جواب (۳)**۔تفصیل کی جانب زکوۃ اور اعطاء الخمس کا مجموعہ ایک امر ہے ھما واحد اس لئے کہ دونوں میں مال ایک ہوتا ہے۔تو اب بھی امور اربعہ ہو گئے۔

(۱)۔ایمان۔(۲)۔اقامہ صلوۃ۔(۳)۔ایتاء زکوۃ والخمس کا مجموعہ۔(۴)۔صیام رمضان۔**جواب (۴)**۔اقامۃ صلوۃ اور ایتاء زکوۃ کا مجموعہ ایک امر ہے(**کماقال الله تعالیٰ اقیمو الصلوٰة و آتو االزکوٰة**)اس لئے کہ دونوں کو قرآن میں اکٹھا بیان کیا گیا ہے۔تو اب بھی چار امور ہوئے۔(۱)۔ایمان۔(۲)۔اقامۃ صلوۃ اور ایتاء زکوۃ کا مجموعہ۔(۳)۔صیام رمضان۔(۴)۔اعطاء الخمس۔

جواب (۵)۔تفصیل کی جانب میں اعطاء الخمس کا بیان اسلوب حکیمانہ کی قبیل سے ہے۔اسلوب حکیمانہ یہ ہے کہ مجیب سائل کی ضرورت کو سمجھتے ہوئے ازخود بیان کردے تو گویا اعطاء الخمس کا ذکر امور معہودہ اربعہ پر اضافے کے طور پر ہے اس پر ایک قرینہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ اسلوب کا بدلنا پہلے مصادر حقیقیہ تھے لیکن یہاں مصدر تاویلی ہے ای **ان تعطوا** گویا کہ یہاں سے مال غنیمت کے حکم کا پتہ چل گیا کیونکہ سائل یہ سوال کرسکتا تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت سمجھی کہ اس کا بیان بھی کردیا جائے کیونکہ جب کفار مضر ان سے لڑائی کریں گے گویا مسلمان اور کافر کی لڑائی ہوگی اور جب کفار شکست کھاجائیں گے ان کو مال غنیمت حاصل ہوگا اس لئے اس کا حکم بھی بیان فرمادیا۔**جواب (۶)** بیان جواب دوقسم پر ہے۔

(۱) اجمالاً۔(۲)۔تفصیلاً ایمان باللہ امور اربعہ کا بیان ہے اجمالاً۔اور جواب تفصیلی اقامۃ صلوۃ سے شروع ہوا اشکال تب ہوتا جبکہ مجموعہ ایک ہی قرار دیتے۔**جواب (۷)**۔یہ اعطاء الخمس اربعہ کے تحت داخل ہی نہیں ہے بلکہ یہ مستقل کلام ہے اس کا ماقبل کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

الامر الرابع عشر: اموراربعہ منہی عنھا کون کون سے ہیں وہ یہ ہیں۔(۱)۔ **حنتم** ۔(۲)۔ **دباء** ۔(۳)۔ **نقیر** (۴)۔ **مزفت** ۔ **حنتم** سبز روغنی گھڑا کو کہتے ہیں ' **دباء** کدو کا برتن جس کو درمیان سے سارا مادہ نکال کے اس کو کسی چیز کے لئے بنایا جاتا ہے **نقیر** بمعنی منقور کرید اہوا لکڑی کا برتن۔ کھجور کی لکڑی سے مادہ نکال کر بنالیا جاتا ہے۔

مزفت:۔ سیاہ روغنی گھڑا ان چاروں برتنوں کے استعمال کرنے سے منع فرمایا۔

الامر الخامس عشر: ان ظروف سے نہی کا مطلب کیا ہے (۱)۔نفس ظروف سے روکنا۔ وجہ یہ ہے کہ شرب خمر کی نفرت علی وجہ المبالغہ بیان کرنا ہے کہ جس برتن میں شراب ڈال دیا جائے گویا وہ برتن قابل استعمال ہی نہیں رہا۔ اتنی شراب سے نفرت ہونی چاہئے۔(۲) نفس ظروف سے نہی نہیں بلکہ ان میں نبیذ بنانے سے نہی ہے اس کی علت یہ ہے کہ ان برتنوں میں نبیذ بہت جلد حد سکر ان کو پہنچ جاتی ہے تو اس سے منع فرمایا تا کہ لوگوں کا دین و دنیا تباہ نہ ہو۔ دین تو اس لئے کہ جب پیئے گا تو دین تباہ اور جب برتن سے گرائیں گے تو مال تباہ تو لہذا ان دونوں سے روک دیا کہ نہ برتن استعمال کرو اور نہ کوئی اس میں نبیذ بناؤ۔

الامر السادس عشر: ان برتنوں کا اب کیا حکم ہے۔ جمہور کے ہاں نہی باقی نہیں ہے۔ منسوخ ہے بحدیث آخر۔ اور مالکیہ کے نزدیک باقی ہے لیکن نہی تنزیہی ہے۔

قولہ سالوہ' عن الاشربة۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے ای **عن ظروف الاشربة**۔ یعنی پینے والے برتنوں کے متعلق سوال کیا یا یہاں صفت محذوف ہے۔ **ای الاشربة التی نکون فی الظروف المختلفة**۔

قولہ بامر فصل۔ فصل یہ مصدر ہے اس میں دو احتمال ہیں۔(۱)۔ اسم فاعل فاصل کے معنی میں ہے بمعنی **فاصل بین الحق و الباطل**۔۲۔ مفصول کے معنی میں ہے۔ بمعنی واضح مفصل۔ واللہ اعلم۔

فائدہ:۔ حدیث ضمام ابن ثعلبہ اور حدیث وفد عبدالقیس ہر دونوں کے متعلق ایک فائدہ۔ حدیث ضمام ابن ثعلبہ میں جن امور کا ذکر ہے وہ یہ ہیں۔ ا۔ اقامۃ صلوۃ۔۲۔ ایتاء زکوٰۃ ۳۔ صیام رمضان۔ اور حدیث وفد عبدالقیس میں اسی تقریر کی بناء پر چار امور ذکر کئے گئے ہیں۔

سوال۔ ان دونوں حدیثوں میں حج کا ذکر نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**۔ حدیث ضمام بن ثعلبہ میں جو حج کا ذکر نہیں ہے وہ یا تو اختصار کی وجہ سے ہے یا راوی کی بھول ہے دوسری روایتوں میں حج کا ذکر ہے چنانچہ امام مسلم میں یہی حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے اس میں حج کا ذکر ہے۔ نیز حدیث ضمام ابن ثعلبہ نافی ہے اور دوسری روایات مثبت ہیں اور جب نافی اور مثبت کا تعارض ہو جائے تو مثبت کو ترجیح ہوتی ہے باقی حدیث وفد عبدالقیس میں یہ واقعہ چونکہ ۸ ہجری میں (راجح قول کے مطابق) پیش آیا تھا اور اس وقت تک حج کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے یہاں حج کا ذکر نہیں کیا اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ سن ۸ ہجری میں حج کا حکم نازل ہو چکا تو پھر اس (حج) کو ذکر کیوں نہیں کیا۔ اس لئے ذکر نہیں کیا کہ چونکہ ان کے راستے میں کفار مضر رہتے تھے اور لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں اور راستہ امن والا نہیں تھا اس لئے چونکہ ان کی استطاعت میں نہیں تھا اس لئے حج کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا۔ بلکہ جو امور کثیر الوجود تھے ان کے ذکر پر اکتفاء کیا۔ اس پر اشکال ہوگا کہ حج تو اشہر حرم میں ہوتا ہے اور اشہر حرم میں وہ آ سکتے تھے تو اس پر چونکہ اشکال ہوتا ہے اس لئے پہلا قول راجح ہے۔

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ
حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس حالت میں کہ ان کے گرد صحابہؓ کی ایک جماعت تھی۔ میرے
بَايِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ وَلَا تَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ
ہاتھ پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو اور نہ اٹھاؤ بہتان کہ
تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِیْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَّفٰی مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ
باندھ لیا ہو تم نے اسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نیک بات میں نافرمانی نہ کرو جو شخص اس وعدہ کو پورا کریگا اس کا اجر اللہ پر ہے اور

مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا فَعُوْقِبَ بِہٖ فِی الدُّنْیَا فَھُوَ کَفَّارَۃٌ لَّہٗ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا ثُمَّ سَتَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ
جوان چیزوں میں سے کسی کو پہنچا۔ دنیا میں اس کی سزا دیا گیا وہ اس کا کفارہ ہے اور جو کوئی پہنچا ان میں سے کسی چیز کو پھر اللہ نے اسے ڈھانک لیا وہ
فَھُوَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَآءَ عَفَا عَنْہُ وَاِنْ شَآءَ عَاقَبَہٗ فَبَایَعْنَاہُ عَلٰی ذٰلِکَ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
اللہ کے سپرد ہے اگر چاہے بخش دے اگر چاہے سزا دیوے ہم نے اس پر آپ سے بیعت کی۔

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات۔ راوی کا نام عبادۃ بن الصامت ہے کنیت ابوالولید ہے اور انصار صحابہ میں سے ہیں اور انصار میں سے ہونے کے ساتھ ساتھ بنوخزرج میں سے ہیں اس لئے ان کو الانصار الخزرجی بھی کہا جاتا ہے۔ تمام غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی انتہائی خوبصورت تھے اور طویل القامۃ تھے۔ حمص جو فلسطین کے قریب ایک علاقہ ہے وہاں کا حاکم بنایا گیا اور فلسطین میں یا مکہ المکرمہ میں وفات پائی اور وہیں تدفین ہوئی۔

الامر الثانی۔ روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد صحابہؓ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان جرائم مذکورہ ستہ فی الحدیث کے عدم ارتکاب پر مجھ سے بیعت کرلو اور ان جرائم مذکورہ میں سے اگر کسی شخص نے کسی جرم کا ارتکاب نہ کیا تو وہ اللہ کے ہاں اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔ اور اگر مرتکب ہوا تو اس کو حد لگائی گئی دنیا میں تو یہ حد کا جاری ہونا یہ اس کے لئے کفارہ ہو جائے گا اور اگر کسی جرم کا مرتکب ہوا لیکن اقامت حد کی نوبت نہ آئی بایں طور پر کہ قاضی کو پتہ نہ چلا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور اللہ کی مشیت کے تحت داخل ہے چاہے تو معاف کردیں اور چاہیں تو سزا دیں۔ تو راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی۔

الامر الثالث: اس حدیث کے متعلق چند باتیں۔ قولہ عصابہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو کہ ۱۰ سے ۴۰ افراد پر مشتمل ہو۔ اور یہ عصب سے ماخوذ ہے بمعنی قوۃ وشدۃ۔ چونکہ اتنی جماعت میں بھی قوۃ پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ان کو عصابہ کہتے ہیں۔

الامر الرابع: قولہ بایعونی۔ یہ مبایعت سے ہے اور مبایعت یہ بیع سے ہے اور بیع کا معنی ہے مبادلۃ المال بالمال۔ اور یہاں مجازی معنی مراد ہے۔ التزام اطاعت بعوض الجنۃ یعنی ایک طرف التزام اطاعت ہے کہ صحابہؓ وعدہ کر رہے ہیں کہ آپ کی اطاعت کریں گے اور دوسری طرف جنت ہے۔

الامر الخامس: پہلا عمل اشراک باللہ کا عدم ارتکاب۔ شیئا یہ نکرہ تحت النفی ہے اس لئے شرک کی تمام اقسام سے نفی ہے معنی یہ ہے کہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا نہ ہو نہ شرک فی الصفات میں نہ شرک فی العبادۃ میں۔ اور نہ شرک فی العادۃ۔ امور ستہ میں سے دوسرا امر سرقہ کا عدم ارتکاب۔ تیسرا امر زنا کا عدم ارتکاب۔ امر رابع اولاد کے قتل کا عدم ارتکاب۔

سوال۔ جس طرح اولاد کا قتل ناجائز ہے اسی طرح غیر اولاد کا قتل بھی تو ناجائز ہے تو پھر اولاد کی تخصیص کیوں کی؟ اس کے دو جواب ہیں جواب (۱) تخصیص اقبح اور اشفع ہونیکی وجہ سے کی ہے ورنہ کوئی احتراز مقصود نہیں ہے۔ باقی اشفع اور اقبح اس لئے ہے کہ اس میں دو جرم پائے جاتے ہیں۔ (۱)۔ نفس معصومہ کا قتل۔ (۲)۔ قطع رحمی۔ تو دہرا گناہ ہو گیا۔ جواب (۲)۔ وقوع عام طور پر اس وقت قتل اولاد کا تھا اس لئے قتل اولاد کی تخصیص فرمائی۔ امر خامس اتیان بہتان کا عدم ارتکاب۔ بہتان کہتے ہیں کسی کو ایسے عیب کی طرف منسوب کرنا جو اس میں پایا نہ جائے جس کو سن کر وہ حیرت میں پڑ جائے۔

الامر السادس: سوال:۔ افتراء بین ایدیکم وارجلکم کا کیا مطلب ہے؟۔ جواب:۔ اس کے کئی مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ا۔ یہ کنایہ ہے ذات سے ای تفترونہ من انفسکم تو چونکہ ذات سے اکثر افعال صادر ہوتے ہیں خصوصاً ہاتھ اور پاؤں سے اس لئے ان کا ذکر کر دیا۔ اب مطلب یہ ہے کہ وہ بہتان جو تم اپنی طرف سے گھڑتے ہو۔

(۲)۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے مواجہت اور مشافہت سے اب اس کا مطلب یہ ہے وہ بہتان جس کا تم ارتکاب کرتے ہوآمنے سامنے یہ نہ کرو مثلاً کوئی کہے تو ابھی میرے سامنے چوری کر رہا تھا وغیرہ حالانکہ فی الواقع اس نے کچھ نہ کیا ہو۔ کیونکہ اس قسم کے الزام تراشی سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے اس لئے روکا کیونکہ یہ زیادہ خطرناک ہے۔

(۳)۔تیسرا مطلب یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے ظن فاسد سے۔جس بہتان کی بناء تمہارے ظن فاسد پر ہو وہ جو تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان قلوب میں چھپا ہوا ہے اور جس کا کوئی باعث نہیں اس کا ارتکاب نہ کرو۔ باقی قرآن پاک کی آیت **یفترینه' بین ایدیهن و ارجلهن** اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو نطفہ تمہارے خاوند کے ماسوا کا ہو یعنی ناجائز حمل سے پیدا شدہ بچہ کو اپنے خاوند کی طرف نسبت مت کرو۔ یہ مطلب آیت کریمہ میں تو بیان کیا جاسکتا ہے لیکن احادیث میں بیان نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ حدیث میں مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا ذکر نہیں۔اور یہ بات عورتوں کے متعلق ہے۔ **قوله ولا تعصوا في معروف** ۔نیکی میں نافرمانی نہ کرو۔

سوال:۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو نیکی ہی کا حکم کرتے ہیں تو نبی کا ہر حکم معروف ہی ہوتا ہے تو پھر معروف کی قید کیوں لگائی۔ **جواب**۔ تطیب قلبی کے لئے اور ترغیب کے لئے معروف کی قید لگائی ہے۔

سوال:۔ بطور تمہید۔تم میں سے جس نے وفاداری کی یعنی امور مذکورہ ستہ میں سے کسی کا ارتکاب نہ کیا تو **فاجره' على الله** اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔سوال۔ کیا مطیع کو اجر و ثواب دینا اللہ پر واجب ہے کلمہ علیٰ تو لزوم کے لئے آتا ہے تو اس سے بظاہر معتزلہ کی تائید ہو رہی ہے۔اور اہل سنت والجماعت کے خلاف معلوم ہو رہا ہے۔

جواب: لزوم کی دو قسمیں ہیں۔ا۔وجوب تفضلی ۲۔لزوم استحقاقی یہاں لزوم سے مراد لزوم تفضلی ہے۔سوال ہم نے بھی تو کچھ نہ کچھ کیا ہے اس کا بدلہ تو ضرور ہوگا۔ جواب:۔ اعمال صالحہ کے کرنے کی قوت اور توفیق کس نے عطا کی ہے؟ اللہ نے عطا کی ہے تو معلوم ہوا کہ دخول جنت فضل الٰہی سے ہوگا لیکن فضل الٰہی بھی اس کیلئے متوقع ہوگا جس نے اطاعۃ کی ہوگی۔

واقعہ۔بنی اسرائیل میں ایک عابد رہتا تھا وہ ایک پہاڑ پر چلا گیا وہاں عبادت کرتا تھا اللہ نے وہاں اس کے لئے ایک انار کا درخت لگا دیا اور پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔تو وہ انار اور پانی پیتا رہا اور عبادت کرتا رہا ۵۰۰ سال اس نے بے ریا عبادت کی اور پھر فوت ہو گیا جب دربار الٰہی میں حاضر ہوا تو اللہ نے فرمایا کہ اے فرشتو اس کو میری رحمت سے جنت میں لے جاؤ تو اس شخص کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں نے ۵ سو سال عبادت کی ہے پھر بھی اللہ اپنی رحمت سے مجھے جنت میں بھیج رہے ہیں تو خیال آتے ہی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو جہنم کی طرف لے جاؤ جب قریب پہنچا تو اس کو گرمی جہنم کی شدت سے سخت پیاس لگی۔ادھر ایک شخص پانی کا گلاس لے کر جا رہا تھا اس نے پانی مانگا تو اس نے کہا مفت پانی نہیں ملے گا اس پر ۵۰۰ سال کی عبادت بے ریا لگے گی پھر گلاس پانی کا ملے گا تو اس شخص نے کہا کہ میرے پاس اس کا معاوضہ موجود ہے لہٰذا اس نے پانی لے کر پی لیا۔ پھر اب اس کے پاس کچھ نہ رہا۔ لہٰذا وہ سجدہ میں گر گیا اور کہنے لگا اے اللہ تیری رحمت ہی سے جنت میں داخل ہوں گا میں حساب و کتاب نہیں دے سکتا۔تو معلوم ہوا کہ دخول جنت فضل الٰہی سے ہوگا۔

قوله فهو كفارة له' یعنی اگر کسی شخص نے کسی جرم کا ارتکاب کیا اور اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ اس کے لئے دنیا میں کفارہ بن جائے گی۔سوال۔ یہاں اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ جرائم میں سے ایک شرک بھی ہے اور شرک تو کفر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کفر کا ارتکاب کیا اور پھر اس کو ارتداد (العیاذ باللہ) کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو یہ قتل اس کے لئے کفارہ بن جائے گا۔ حالانکہ یہ بالا جماع کفارہ نہیں ہوگا حالانکہ حدیث کی رو سے کفارہ ہونا چاہئے جواب:۔ یہ بالا جماع عام مخصوص منہ البعض کی قبیل سے ہے۔ لہٰذا یہ مستثنیٰ ہوا۔

الامر السابع: سوال۔ یہ حدود زواجر کی قبیل سے ہیں یا ساتر کی قبیل سے ہیں۔

جواب۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ زواجر کی قبیل سے ہیں ساتر نہیں ہیں۔ اس سے مقصود عالم کو خالی کرنا ہے ان جرائم سے لہٰذا

اقامت حد کے بعد بھی محدود کے حق میں مواخذہ اخروی داخل تحت مشیت الٰہی ہوگا گناہ معاف نہیں ہوگا اس کیلئے توبہ کرنی پڑے گی اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ یہ ساتر کی قبیل سے ہیں اور اس سے گناہ بھی معاف ہو جائے گا۔

ثمرہ اختلاف۔ احناف کے نزدیک گناہوں کا کفارہ بننے والی دو چیزیں ہیں۔(۱)۔توبہ۔(۲)۔فضل الٰہی۔اور شوافع کے نزدیک تیسری چیز بھی ہے وہ اجرائے حد۔

دلائل احناف۔ وہ آیت کریمہ جس میں قطاع الطریق کی سزا بیان کی گئی ہے ذالک **لهم خزی فی الدنیا ولهم فی الآخرة عذاب عظیم** یہ نص ہے اس بات پر کہ مواخذہ اخروی باقی رہے گا اور اس میں محدود کی توبہ کا بھی ذکر ہے۔اس کے علاوہ بھی وہ آیت کریمہ کہ جس میں محدود بحد اور سرقہ کی توبہ کا ذکر ہے توبہ کی ضرورت باقی ہے کیونکہ گناہ باقی ہے۔ **فمن تاب من بعد ظلمه**۔اور اس طرح محدود فی القذف کے حق میں فرمایا **الا الذین تابوا واصلحوا**۔ایک اور دلیل مستدرک حاکم کے حوالے سے حدیث ابو ہریرہؓ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔**لاادری الحدود کفارات لاهلها ام لا**توان دلائل سے معلوم ہوا کہ حدود کے بعد توبہ کی ضرورت ہے۔

امام شافعی کی دلیل اور اس کے جوابات۔**امام شافعیؒ کی دلیل** یہی ایک حدیث ہے عبادہ بن صامت والی۔ہم نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں۔**جواب (۱)** یہ مقید ہے توبہ کی قید کے ساتھ۔ای **فهو کفارة له' اذاتاب**۔تقیید پر قرینہ نصوص مذکورہ ہیں قطاع الطریق وغیرہ **جواب (۲)**۔ محدود کی تین قسمیں ہیں۔(۱)۔محدود تائب۔(۲)۔محدود منزجر۔(۳)۔محدود متعنت۔محدود تائب جس پر حد جاری کر دی گئی ہو اور اس نے توبہ بھی کر لی ہو اور محدود منزجر تو بہ تو نہیں کی لیکن تنبیہ ہو گئی۔(۳)۔محدود متعنت حد جاری ہونیکے بعد پہلے سے زیادہ جرائم کرنے لگ گیا۔

واقعہ: موطا امام محمد میں روایت ہے کہ ایک شخص ہاتھ پاؤں کٹا ہوا حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ کے حاکم نے مجھ پر بہت ظلم کیا ہے اور اس کے بعد وہ نمازیں، نفلیں اور عبادتیں کرنے لگا حتیٰ کہ اتنی عبادت کی کہ حضرت ابو بکرؓ کو بھی شک ہونے لگا کہ واقعی ظلم کیا گیا ہے تو ایک دن حضرت اسماء کے کچھ زیورات گم ہو گئے اور وہ تلاش کرنے لگے اور یہ شخص بھی ساتھ تلاش کرنے میں لگا رہا اور یہ زور زور سے کہہ رہا تھا اور پھر دعا دے رہا تھا کہ اللہ اس کو تباہ و برباد کرے اس شخص کو جس نے اس شریف گھرانے کو تنگ کیا ہے حتیٰ کہ ایک سنارے کی دوکان پر وہ زیورات مل گئے اس سے پوچھا یہ کہاں سے لئے ہیں تو اس دوکاندار نے کہا میں نے اس سے لئے ہیں تو ابو بکرؓ نے فرمایا کہ یہ بہت لاابالی ہے کہ یہ شخص اپنے بارے میں ہی کیسی بددعا کر رہا ہے۔یہ ہے متعنت۔تو اس حدیث میں پہلی دو قسمیں مراد ہیں اس کا مصداق تیسری قسم نہیں ہے۔اور پہلی دو قسمیں محل نزاع نہیں اور جو محل نزاع ہے وہ مصداق نہیں ہے۔**جواب۔(۳)**۔اس عبارت میں عاقبۃ میں عتاب سے مراد اجرائے حد نہیں بلکہ آفات سماویہ ہیں جب کہ محل نزاع اجرائے حد ہے۔**جواب (۴)**۔یہ خبر واحد ہے جو کہ آیات قرآنیہ کے مقابلے میں حجت نہیں۔لمعارضۃ بالقرآن اس وجہ سے یہ متروک العمل ہے۔

الامر الثامن: **فهو علی الله** یعنی اگر کسی نے بھی جرم کا ارتکاب کیا اور اس کی پردہ پوشی فرمائی تو اس کا معاملہ اللہ پر ہے یعنی یہ داخل تحت المشیت ہے اگر اللہ چاہیں تو معاف فرمائیں اور چاہیں تو عذاب دیں۔**سوال**۔آیا مرتکب کبیرہ **مخلد فی النار** ہوگا یا مخلد فی النار نہیں ہوگا؟ **جواب**۔یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے احناف کے نزدیک **مخلد فی النار** نہیں ہوگا اور معتزلہ کے نزدیک مخلد فی النار ہوگا۔

قوله ان شاء عفا عنه و ان شاء عاقبه' یہ حدیث کا آخری حصہ ہے اور یہ جملہ معتزلہ کی گردن پر قاطع تلوار ہے۔کیونکہ یہاں ان کے اعتقاد سے سب کی نفی ہو رہی ہے کہ سب مشیت الٰہی کے تحت مندرج ہیں۔

قوله فبایعناه یہ راوی کی کلام ہے حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے بعد ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی۔

الامر التاسع: اس بیعت کا مصداق کیا ہے۔بیعت کی اقسام اربعہ ہیں۔۱۔بیعت اسلام۔۲۔بیعت خلافت۔۳۔بیعت جہاد۔۴۔بیعت طریقت۔یہ بیعت اسلام نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اسلام پہلے موجود ہے اور بیعت خلافت بھی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ یہاں کوئی خلافت

یعنی کسی کو خلیفہ بنایا نہیں جارہا اور بیعت جہاد بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ جہاد ذکر بھی نہیں ہے لہذا آخری بیعت طریقت اس کا مصداق ہے۔
اور بیعت طریقت کو بدعت کہنا یہ خود بدعت ہے۔ اور نیز ہدایت کو بیعت طریقت میں منحصر سمجھنا یہ بھی مناسب نہیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ یہ ہدایت کیلئے متعین ہے۔ اسلئے اپنے اپنے ذوق کے مطابق کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرلیا جائے۔
واقعہ۔ حضرت شیخ الحدیث کی بزرگی تمام طبقات حتیٰ کہ دشمنوں کے ہاں بھی مسلم تھی۔ آپ بیتی کا واقعہ کہ ہمارا سبق مغرب کے وقت ہوتا تھا ہمارے چچاجی سبق پڑھاتے تھے تو ایک دن میں نے مغرب کے بعد نفل شروع کردئے اور میرا دل نفلوں میں لگ گیا حتیٰ کہ سبق میں دیر ہوگئی میں اپنے دل دل میں بڑا خوش ہورہا تھا کہ چچاجی پوچھیں گے دیر سے کیوں آئے ہو تو جواب میں کہوں گا کہ نفلیں پڑھتا رہا ہوں وہ خوش ہوں گے کہ ابھی چھوٹا سا بچہ ہے اور ماشاء اللہ ابھی سے عبادت کا شوق پیدا ہوگیا ہے لیکن جب گئے تو چچاجی نے پوچھا کہ دیر سے کیوں آئے تو جواب میں کہا نفلیں پڑھتا رہا ہوں اس پر جو چچاجی نے کہا وہ یہاں درج کرنے کے قابل نہیں ہے آپ بیتی میں جس کا دل چاہے مطالعہ کرلے۔
الامر العاشر: بیعت کی اقسام۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بایعونی۔ یہ کیسی بیعت تھی۔ اس کے سمجھنے کے لئے بیعت کی اقسام سمجھنا ضروری ہیں۔ بیعت کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) بیعت اسلام۔ (۲) بیعت جہاد۔ (۳) بیعت خلافت۔ (۴) بیعت طریقت۔ بیعت اسلام وہ بیعت ہے جو اسلام لانے کے وقت کسی کے ہاتھ پر کی جائے عہد و پیمان کی پختگی کیلئے۔ شرک وکفر سے توبہ کرکے بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت اسلام کرتے رہتے تھے۔
بیعت جہاد وہ بیعت ہے کہ مسلمان امام کے ہاتھ پر اس عہد و پیمان کیلئے کریں کہ ہم اللہ کے راستے میں جان دینے اور ہر بڑی سے بڑی قربانی کیلئے تیار ہیں۔ جیسے حدیبیہ کے مقام پر حضرات صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر مشرکین کے ساتھ قتال کرنے کیلئے بڑے جوش وخروش کے ساتھ کی تھی۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ ''**لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ**'' اس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔ حضرات صحابہؓ کی یہ بیعت جہاد تھی۔
بیعت خلافت:۔ وہ بیعت ہے جو خلیفۃ المسلمین کے ہاتھ پر اس کی خلافت کے تسلیم کرنے کی نشانی کے طور پر کی جائے۔ جیسے ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر حضرات صحابہؓ نے بیعت کی۔
بیعت طریقت۔ اس بیعت کو کہتے ہیں جو کسی شیخ کامل کے ہاتھ پر اس عہد و پیمان کیلئے کی جائے کہ میں آپ کی تعلیم کی اتباع کرتا ہوا اپنے ظاہر و باطن کو شریعت کے مطابق کروں گا۔ یعنی گناہ چھوڑوں گا اور نیکیاں کروں گا۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی اس حدیث میں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت طریقت ہی بن سکتی ہے ظاہر ہے کہ یہ بیعت اسلام تو ہے نہیں اس لئے کہ بایعوا کے مخاطب حضرات صحابہؓ ہیں جو پہلے سے اسلام لائے ہوئے ہیں۔ ان کا بیعت اسلام کرنا تحصیل حاصل ہے۔ بیعت جہاد بھی مراد نہیں اس لئے کہ اس میں جہاد کا کوئی مضمون مذکور نہیں نہ ہی جہاد کا کوئی موقعہ ہے۔ بیعت خلافت رسول کے ہاتھ پہ نہیں ہوتی بلکہ خلیفہ رسول کے ہاتھ پر ہوتی ہے یہ بھی مراد نہیں ہوسکتی۔ اس بیعت کا مقصد ان گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد و پیمان لینا ہے۔ اسی قسم کی بیعت کو صوفیاء کی اصطلاح میں بیعت طریقت کہا جاتا ہے۔
پہلی تین قسم کی بیعتوں کو سب مانتے ہیں بعض علماء ظاہر نے بیعت طریقت کو بدعت قرار دیا ہے یہ غایت درجہ کی بے انصافی اور جہل ہے۔ جس قسم کی بیعت کو صوفیاء بیعت طریقت کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ثبوت حضرت عبادہؓ کی اس حدیث سے بھی ہے اور اس کے علاوہ دیگر بہت سی احادیث سے بھی ثابت ہے بکثرت احادیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض مسلمانوں سے گناہ چھڑوانے کیلئے اور نیکیاں کروانے کیلئے بیعت لی ہے۔ اس بیعت کی حقیقۃ سنت صحیحہ سے ثابت ہے اور ثابت بالسنۃ کو بدعت کہنا یہ ظلم اور تعدی ہے یا جہل ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَضْحٰی اَوْ فِطْرٍ اِلَی

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر یا عید الاضحی کیلئے عیدگاہ کی طرف نکلے۔ عورتوں کے پاس سے

الْمُصَلّٰى فَمَرَّ عَلَى النِّسَآءِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ تَصَدَّقْنَ فَإِنِّيْ أُرِيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ
گزرے پس فرمایا اے عورتوں کی جماعت خیرات کرو اہل نار میں اکثر مجھے عورتیں دکھائی گئیں ان عورتوں نے کہا کس لئے
وَبِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ مَا رَأَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ
اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے نہیں دیکھا کہ ایک ناقص
عَقْلٍ وَّ دِيْنٍ أَذْهَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ إِحْدَاكُنَّ قُلْنَ وَمَا نُقْصَانُ دِيْنِنَا وَعَقْلِنَا يَارَسُوْلَ
عقل رکھنے والی اور ناقص دین والی مرد ہوشیار کی عقل کو تم سے بڑھ کر کھودے۔ عورتوں نے کہا اور ہمارے دین کا نقصان کیا ہے اور ہماری عقل کا نقصان کیا ہے۔
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَيْسَ شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى قَالَ
اے اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا کیا عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
فَذَالِكَ مِنْ نُقْصَانِ عَقْلِهَا قَالَ أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ فَذَالِكَ
یہ اس کی عقل کا نقصان ہے۔ فرمایا کہ عورت جب حیض والی ہوتی ہے نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے عورتوں نے کہا کیوں نہیں ایسا ہی ہے۔

مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا . ﴿صحيح البخاری و صحيح مسلم﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔

تشریح: الامرالاول: راوی کے مختصر حالات۔ راوی کا نام سعید ہے یہ ان صحابہؓ میں سے ہیں جو کہ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں ان کے نام کے بارے میں دو قول ہیں (۱) سعد ابن مالک۔ (۲) سنان ابن مالک۔ پہلا قول راجح ہے ان کی نسبت خدری ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ ان کی نسبت خدری کیوں ہے اس کے بارے میں تین قول ہیں پہلا قول۔ ان کے سلسلہ اباء واجداد میں سے ابوالخاس کا نام خدری تھا اس وجہ سے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو خدری کہا جاتا ہے۔ دوسرا قول ان کے سلسلہ آباء اجداد میں سے ابوالخاس کی ماں کا نام خدری تھا۔ اسی وجہ سے اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو خدری کہا جاتا ہے۔ تیسرا قول ان کے قبیلہ کا نام خدری تھا اس لئے اس کو خدری کہتے ہیں ان اقوال میں پہلا قول راجح ہے۔

الامرالثانی۔ مضمون حاصل حدیث۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے اور واپسی پر عورتوں کو وعظ فرمایا اور وعظ کے درمیان یہ ارشاد فرمایا کہ تم صدقہ خیرات کیا کرو۔ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ تمہارا (عورتوں کے) اکثر اہل نار ہونے کا مجھے علم ہوا ہے اس پر عورتوں نے فوراً سوال کیا کہ ہمارے اکثر اہل نار ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے دو مخصوص گناہ بتلائے۔ (۱) اکثار اللعن۔ (۲) کفران العشیر. اور مزید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجوبہ بھی بیان فرمایا کہ عجیب حال ہے کہ عورتیں ناقصات العقل ہونے کے باوجود انتہائی چالاک وہوشیار اور سمجھ دار آدمی کی عقل کو لوٹ لیتی ہے اور سلب کر لیتی ہیں۔

عورتوں نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول ہمارے دین میں کمی کیسے ہے اور عقل میں کمی کیسے ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فہم کے مطابق جواب میں ارشاد فرمایا کہ تم عورتوں کی گواہی کا ایک آدمی کے نصف کے برابر ہونا اس کا منشا نقصان عقل ہے۔ اور تمہارا ماہواری کے ایام میں نمازیں نہ پڑھنا روزے نہ رکھنا اس کا منشا نقصان دین ہے۔

الامرالثالث: الفاظ کی تشریح۔ خروج خروج سے کیا مراد ہے۔ (۱) گھر سے نکلنا مراد ہے (۲) یا مسجد سے نکلنا مراد ہے۔

پہلا قول راجح ہے **قولہ' المصلیٰ** یہ عیدگاہ کے معنی میں ہے اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ نماز عید باہر ادا کرنا مسنون ہے۔

قولہ فمر علی النسآء۔ یہ مرور ذھاباً تھا یا ایاباً تھا راجح قول یہ ہے کہ ایاباً تھا۔

قولہ تصدقن یہ مقولہ ہے قال کا۔ فانی سے اس کی تعلیل بیان کر رہے ہیں **قولہ اریتکن**۔ اس میں رؤیت سے مراد رویت علمی ہے اور یہ متعدی بسہہ (تین) مفعول ہے اس میں ٹ ضمیر جو کہ قائم مقام مفعول مالم یسم فاعلہ ہے یہ مفعول اول ہے۔ اور کن مفعول ثانی۔ **اکثر اهل النار**۔ یہ مفعول ثالث ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ مجھ کو تم عورتوں کے اکثر اھل نار ہونے کا علم دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم کیسے ہوا۔ اس میں دو قول ہیں (۱) وحی کے ذریعے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا (۲) یا مشاہدہ کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم ہوا۔ دوسرا قول راجح ہے باقی رہی یہ بات کہ مشاہدہ کب ہوا اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ (۱) معراج کی شب میں مشاہدہ ہوا (۲) نماز کسوف میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کسوف کے اندر کبھی آگے ہوتے تھے کبھی پیچھے ہوتے تھے تو صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے نماز کے دوران جنت دکھائی گئی میں نے چاہا کہ آگے بڑھ کر ایک پھل توڑ لوں۔ لیکن میرے دل میں خیال آیا کہ پھل نہ توڑوں تاکہ علم غیب باقی رہے۔ اور جہنم بھی دکھائی گئی جس میں اکثر عورتیں تھیں۔ وبم اصل میں بما تھا۔ ما یہ استفہامیہ ہے۔ قاعدہ ہے جس ما استفہامیہ پر حرف جار داخل ہو جائے تو ما استفہامیہ کا الف گر جاتا ہے لیکن **فبما نقضهم** میں یہ قاعدہ نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ یہ ما زائدہ ہے۔

قولہ' واو: اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول۔ یہ واؤ محض ارتباط کے لئے ہے یعنی صرف ربط پیدا کرنے کیلئے ہے۔ دوسرا قول۔ واؤ عاطفہ ہے۔ اس تقدیری عبارت کو ماننے سے معطوف علیہ کو محذوف مان لیا جائے گا۔ مثلاً ماذنبنا۔

قولہ' تکثرن اللعن۔ لعنت کا مفہوم کیا ہے اس کے دو مطلب ہیں۔ (۱)۔ **الابعاد عن الرحمة المطلقة** (یعنی مطلق رحمت سے دوری)۔ (۲)۔ **الابعاد عن الرحمة المخصوصة** (یعنی مخصوص رحمت سے دوری)۔ اگر لعنت کا پہلا معنی مراد لیا جائے تو یہ شخص معین پر کسی صورت میں جائز نہیں الا یہ کہ کسی دلیل قطعی سے اس کا کفر پر خاتمہ معلوم ہو جائے۔ جیسے عتبہ، شیبہ، ابو جہل وغیرہ ان معین اشخاص پر لعنت کرنا جائز ہے۔ اور لعنت کا پہلا معنی وصف کے اعتبار سے جائز ہے۔ جیسے **لعنت الله علی الکاذبین**۔ لعنت کا دوسرا معنی مراد لیا جائے تو یہ کفار اور مسلمان ہر دونوں پر جائز ہے زجراً اور توبیخاً۔ باقی لعنت کو مطلقاً ذکر نہیں کیا اس لئے کہ نفس لعنت سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے **اکثار اللعن** فرمایا۔

قولہ' وتکفرن العشیرة۔ عشیر زوج کو کہتے ہیں خاوند کی ناشکری کی دو صورتیں ہیں (۱) اس کے احسانات کو بالکل شمار نہ کیا جائے۔ (۲) ان کے احسانات کو شمار تو کیا جائے لیکن قدر نہ کی جائے۔

قولہ' مارایت من ناقصات عقل۔ یہ ماقبل پر اضافہ ہے جس کو **فصحاء و بلغاء** کی اصطلاح میں استتباع سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کسی چیز کی مذمت ایسے انداز سے کی جائے کہ اس سے شئی آخر کی مذمت بھی معلوم ہو جائے۔

قولہ مارایت من ناقصات عقل الخ۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے ناقصات العقل ہونے کے باوجود ہوشیار سمجھدار مرد کی عقل کو تباہ و برباد کرنے والا تم عورتوں سے زیادہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا تو لہذا جہاں اس جملے میں عورتوں کی مذمت بیان کی گئی اس کے ساتھ مردوں کی مذمت کی گئی کہ مردوں کو اتنا بے عقل اور تابع نہیں ہونا چاہئے کہ اپنی عقل کھو بیٹھیں۔

سوال:۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ عورتیں سمجھدار، ہوشیار مردوں کی عقل کو سلب کریں حالانکہ سلب کرنے کے لئے تو اس سے فائق عقل کا ہونا ضروری ہے۔ تو اس کا مقتضاء یہ ہوا کہ عورتوں کی عقل فائق ہے۔

جواب: عورتوں کا مردوں کی عقل کو سلب کرنا یہ دو طرح سے ہے (۱) دلائل کے غلبہ کے ذریعے (۲) اپنے مکر و فریب کے ذریعے۔ اگر دلائل کے ذریعے ہو تو عقل فائق کا ہونا ضروری ہے۔ جبکہ یہاں مردوں کی عقل کو برباد کرنے میں اپنے مکر و فریب استعمال کرتی ہیں۔ اس لئے عقل کا فائق ہونا ضروری نہیں۔

سوال:۔ عورتوں میں حضرت عائشہؓ بھی آتی ہیں حالانکہ حضرت عائشہؓ کا علم اعلیٰ حیثیت کا حامل ہے اور مردوں کا علم ان کے مقابلے میں کم ہے۔ جواب۔ مجموع من حیث المجموع کے اعتبار سے تقابل ہے نہ کہ من حیث الافراد۔ ما رایت اس کا مفعول اول محذوف ہے یعنی احداً من ناقصات یہ پہلی صفت ہے اور اذهب للب الرجل یہ دوسری صفت ہے۔

سوال:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقصان عقل کو پہلے ذکر کیا اور نقصان دین کو بعد میں ذکر کیا اور عورتوں نے نقصان دین کو پہلے ذکر کیا اور نقصان عقل کو بعد میں ذکر کیا اس کی تقدیم وتاخیر کی کیا وجہ ہے۔ جواب۔ عورتوں نے اہتمام دین کی وجہ سے نقصان دین کو پہلے ذکر کیا کہ عقل جاتی ہے تو جاتی رہے لیکن دین میں کمی نہ آئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشت سے بچانے کے لئے بطور شفقت کے نقصان عقل کو پہلے ذکر کیا تا کہ وہ وحشت میں نہ پڑ جائیں۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے نقصان عقل کو ذکر کیا اور بعد میں نقصان دین کو ذکر کیا۔

سوال۔ ماہواری کے ایام میں عورتوں کا روزہ نہ رکھنا اور نماز نہ پڑھنا یہ شریعت کا حکم ہے جب یہ حکم شرعی ہے تو گناہ نہیں جب گناہ نہیں تو نقصان دین کیسے ہوا۔ جواب۔ نقصان دین دو طرح سے ہے۔ (۱) جتنا دین پہلے سے موجود ہے اس میں کمی ہو جائے۔ (۲) ترقی نہ ہو۔ پس ترقی نہ ہونے کی وجہ سے اس کو نقصان دین سے تعبیر کیا۔ یہاں بھی یہی مراد ہے (کہ ترقی نہ ہوئی) اس لئے کہ ان ایام میں مردوں کی نمازیں عورتوں سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی كَذَّبَنِیْ ابْنُ اٰدَمَ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھ کو بیٹا آدمؑ کا جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کیلئے لائق نہیں۔

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ وَشَتَمَنِیْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ ذٰلِكَ فَاَمَّا تَكْذِیْبُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لَنْ یُّعِیْدَنِیْ كَمَا

اور مجھ کو برا کہتا ہے اور اس کو یہ لائق نہیں۔ پس اس کا مجھ کو جھٹلانا اس کا یہ کہنا ہے کہ مرنے کے بعد مجھے ہرگز زندہ نہ کرے گا جیسے پیدا کیا مجھ کو پہلی بار

بَدَاَنِیْ وَلَیْسَ اَوَّلُ الْخَلْقِ بِاَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ اِعَادَتِهٖ وَاَمَّا شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهُ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا وَّاَنَا

اور پہلی بار پیدا کرنا اس کے زندہ کرنے سے سہل تر نہیں ہے۔ اس کا مجھ کو برا کہنا اس کا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے اولاد پکڑی ہے اور حال یہ ہے کہ میں ایک

الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ اَلِدْ وَلَمْ اُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لِّیْ كُفُوًا اَحَدٌ وَفِیْ رِوَایَةٍ: ابْنِ عَبَّاسٍ وَّاَمَّا

ہوں بے پرواہ وہ ذات کہ نہ جنا میں نے اور نہ جنا گیا اور نہیں میرے واسطے ہم سر کوئی۔ ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا برا کہنا اس کا یہ کہنا

شَتْمُهٗ اِیَّایَ فَقَوْلُهٗ لِیْ وَلَدٌ وَسُبْحَانِیْ اَنْ اَتَّخِذَ صَاحِبَةً اَوْ وَلَدًا. (صحیح البخاری)

کہ میرا فرزند ہے اور میں اس بات سے پاک ہوں کہ میں کسی کو اپنی بیوی یا فرزند ٹھہراؤں۔

تشریح: یہ حدیث قدسی ہے اور حدیث قدسی ایسی حدیث کو کہا جاتا ہے کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں ارشاد فرمائیں کہ اللہ نے یوں ارشاد فرمایا یعنی قول کی نسبت اللہ کی طرف کر دینا۔

سوال:۔ حدیث قدسی اور قرآن میں کیا فرق ہے کیونکہ حدیث قدسی بھی کلام اللہ اور قرآن بھی کلام اللہ ہے؟ جواب:۔ کئی اعتبار سے فرق ہے۔ (۱) حدیث قدسی وحی غیر متلو کی قبیل سے ہے اور قرآن وحی متلو کی قبیل سے ہے۔ (۲) حدیث قدسی میں طرق وحی متعین نہیں خواہ فرشتے کے ذریعہ ہو یا بواسطہ الہام کے ہو اور قرآن میں طرق وحی متعین ہے بواسطہ فرشتے کے یعنی جبرئیلؑ (۳) حدیث قدسی کا حدیث قدسی ہونے کے لئے متواتر ہونا شرط نہیں اور قرآن کا قرآن ہونے کے لئے متواتر ہونا شرط ہے۔ (۴) حدیث قدسی میں الفاظ کا من اللہ ہونا ضروری نہیں اور قرآن میں الفاظ من اللہ ہونا ضروری ہے۔ باقی احادیث قدسیہ کو غیر قدسیہ پر فضیلت حاصل ہے۔

حدیث کا حاصل کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی حالانکہ یہ تکذیب ان کے مناسب نہیں تھی اور ابن آدم

نے مجھے برا بھلا کہا سب وشتم کیا حالانکہ یہ سب وشتم ان کے مناسب نہیں تھا۔

سوال:۔ یہ تکذیب کیسے ہے؟۔ جواب:۔ بنی آدم کہتا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ مجھے زندہ نہیں کرے گا (یعنی حشر ونشر اور معاد جسمانی کا انکار کرتا ہے) سوال۔ کس طرح اللہ کی تکذیب کی گئی۔ جواب:۔ جب یہ بات کہتا ہے گویا کہ وہ آیات قرآنیہ جن میں حشر جسمانی اور حشر ونشر اور معاد کا ذکر ہے اس کا انکار کرتا ہے اور یہ اللہ کی کلام ہے تو اس نے اللہ کی کلام کو جھٹلا دیا۔ اور کسی کی کلام کی تکذیب کرنا یہ خود متکلم کی تکذیب ہوتی ہے تو لہذا یہ اللہ کی تکذیب ہوئی۔ کیونکہ اللہ کے کلام کی تکذیب یہی اللہ کی تکذیب ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو پہلے کی نسبت دوبارہ بنالینا یہ تمہارے نزدیک آسان ہے لیکن میرے نزدیک عدم سے وجود میں لانا اور دوبارہ پیدا کرنا اس میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ عجیب حال یہ ہے کہ ابتداءً پیدا کرنا تو اللہ کو مانتے ہو لیکن دوبارہ پیدا کرنیکا انکار کرتے ہو۔

اللہ کو سب وشتم برا بھلا کہنا کیسے ہے وہ اس طرح کہ اللہ کے لئے اولاد کو تجویز کرنا یہی اللہ کو برا بھلا کہنا ہے سوال۔ یہ بات کہ سب وشتم کیسے بنا؟ جواب: سب وشتم کہتے ہیں کسی کی طرف ایسے وصف کو منسوب کرنا جو اس کی حقارت کو بیان کرے اور اللہ کو شتم یہ ہے کہ بندے کا یہ کہنا کہ اللہ نے اولاد اپنے لئے تجویز کرلی ہے۔ جیسے **قالت الیهود عزیر ابن الله وقالت النصاری المسیح ابن الله۔** یہود نے عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ باقی شتم کیسے بنا؟ باری تعالیٰ کے لئے اولاد کا قول کرنا یہ گویا اللہ کی طرف حدیث کی نسبت کرنا ہے۔ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ باری تعالیٰ کے لئے اولاد کو ثابت کرنا یہ باری تعالیٰ کی طرف حدوث کی نسبت ہے کیونکہ مولود موجود بایجاد الغیر ہوتا ہے اور جو چیز موجود بایجاد الغیر ہو وہ ممکن اور حادث ہوتی ہے لہٰذا اللہ کی طرف حدوث کی نسبت ہوئی جو کہ ایک قسم کی قباحت ہے۔ اور نیز باپ اولاد کا محتاج ہوتا ہے اب گویا اللہ کی طرف باپ کی نسبت کرنا یا اولاد کی نسبت کرنا یہی سب وشتم ہے۔

الاحد۔ اس ذات کو کہتے ہیں جس کا کوئی ذات میں شریک نہ ہو۔ الصمد۔ اس ذات کو کہتے ہیں جو کسی کی طرف محتاج نہ ہو حضرت شاہ عبدالقادرؒ صمد کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صمد اس کو کہتے ہیں جسکے بغیر کسی کا کوئی کام چل نہ سکے اور جس کا کام کسی پر اٹک نہ سکے۔

الاحد کے لفظ سے نصاریٰ کی تردید ہوگئی اور اللہ کے لفظ سے یہود کی تردید ہوگئی۔ بنی آدم میں اضافت جنس کے لئے ہے۔

خلق الشئی۔ یہاں مضاف محذوف ہے ای اول خلق الشئی۔ بلکہ تمہارے ہاں تو معاملہ برعکس ہے۔

قولہ' فی روایة۔ یہ حدیث ابن عباس سے بھی مروی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یُؤْذِیْنِیْ ابْنُ اٰدَمَ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آدم کا بیٹا
یَسُبُّ الدَّهْرَ وَاَنَا الدَّهْرُ بِیَدِی الْاَمْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ. ﴿صحیح البخاری و صحیح مسلم﴾
مجھے ایذا دیتا ہے وہ زمانے کو گالی دیتا ہے اور میں زمانہ ہوں۔ میرے ہاتھ میں حکم ہے رات اور دن کو میں بدلتا ہوں۔

تشریح: پہلی بات حاصل حدیث:۔ سوال۔ پچھلی روایت ابو ہریرہ سے مروی ہے اور یہ روایت بھی ابو ہریرہ سے مروی ہے یہ مقام ضمیر تھا۔ تو مقام ضمیر میں اسم ظاہر کو کیوں ذکر کیا؟ جواب:۔ غلطی سے بچانے کے لئے کیونکہ ماقبل کے آخر میں وفی روایة ابن عباس کا لفظ آیا ہے تو ذہن اس کی طرف منتقل نہ ہو جائے کہ ماقبل والی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی نہیں بلکہ کسی اور سے ہے۔ اس لئے وہم کے ازالہ کے اسم ظاہر کو ذکر کردیا۔

دوسری بات:۔ حاصل حدیث:۔ یہ حدیث قدسی ہے حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم مجھے ایذا پہنچاتا ہے اور تکلیف دیتا ہے۔

سوال: ایذاء تو وہاں ہوتی ہے جہاں دوسرا متاثر ہو اللہ تعالیٰ تو انفعالیت سے مبرہ اور منزہ ہیں۔ یعنی یہ ایذاء ابن آدم کے حق میں تو ہو

سکتی ہے اللہ کے حق میں تو نہیں ہوسکتی اس لئے کہ ایذا وہاں ہوسکتی ہے جہاں متاثر ہو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متاثر ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ متاثر ہونے سے اور انفعالیت سے پاک ہیں کسی کا اثر قبول کرنے سے پاک ہیں۔

جواب (۱) ایذاء کے متعلقات بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ جب ایذاء میں نسبت باری تعالیٰ کی طرف ہو تو معنے ہوتا ہے ایسا کام کرنا جو باری تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ یہی اللہ کو تکلیف پہنچانا ہے۔ جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ میں ایک حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک امام نے قبلہ کی طرف تھوک دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امام کو تو کچھ نہ کہا اس کے مقتدیوں سے کہا تم اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا تو جب نماز کا وقت آیا وہ امام مصلیٰ پر تشریف لائے تو لوگوں نے کہا آپ پیچھے آ جائیں ہم آپ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ہی فرمایا ہے۔ تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو اس نے سوال کیا کہ مجھے قوم یہ کہتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے کہا ہے سبب پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذیت اللہ و رسولہ یعنی تو نے قبلہ کی طرف تھوک کر کے اللہ اور رسول کو ایذا پہنچائی ہے تو ناپسند کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایذاء سے تعبیر فرمایا۔

جواب (۲) ایذاء کا معنی ہے ناپسندیدہ چیز کو غیر کی طرف منسوب کرنا قول کے ذریعے ہو یا فعل کے ذریعے دوسرا اس سے متاثر ہو یا متاثر نہ ہو۔ لہٰذا اللہ کی طرف نسبت کرنا صحیح ہے۔

سوال: ایذاء ابن آدم کا مصداق کیا ہے۔

جواب: اس کا بیان مابعد میں چل کر مابعد والا جملہ یسب الدھر سے آ رہا ہے۔ ایذاء ابن آدم کا بیان یہ ہے کہ عبد کا زمانے کو متصرف حقیقی سمجھ کر حوادثات کے پیش آنے پر یا تکالیف کے پیش آنے پر برا بھلا کہنا در حقیقت یہ اللہ کو برا بھلا کہنا ہے اس لئے کہ متصرف حقیقی اللہ کی ذات ہے۔

اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ زمانہ متصرف حقیقی ہے تو یہ کفر ہے اور اگر کوئی مسلمان یہ کہتا ہے عقیدہ نہیں رکھتا تو یہ بھی گناہ اور معصیت ہے اس لئے کہ اس سے فرقہ دہریہ کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے۔

سوال:۔ حدیث میں آیا انا الدھر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دہر بھی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے حالانکہ یہ تو کوئی نام نہیں۔

جواب۔ یہاں مضاف محذوف ہے انا متصرف الدھر انا خالق الدھر. انا خالق مایضاف الی الدھر اس پر قرینہ مابعد والا جملہ ہے بیدی الامر اقلب اللیل و النھار۔ معنی یہ ہے کہ دن اور رات میں جو چیزیں بدلتی رہتی ہیں میں اس کا متصرف ہوں۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی یَّسْمَعُہٗ مِنَ اللّٰہِ یَدْعُوْنَ لَہُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْھِمْ وَیَرْزُقُھُمْ۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو کوئی ایذا دہ باتوں کو سنتا ہے اس پر اللہ سے بڑھ کر صبر کرنیوالا نہیں ہے۔ لوگ اس کے لئے لڑکا ثابت کرتے ہیں پھر وہ ان کو عافیت دیتا ہے اور ان کو رزق دیتا ہے۔

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات پہلے گزر چکے ہیں۔

الامر الثانی حاصل حدیث۔ ابو موسیٰ الاشعری سے روایت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ تکلیف دہ چیزوں پر سب سے زیادہ صابر ہیں۔ تکلیف کو سننے کے باوجود سزا دینے میں جلدی نہیں کرتے۔ مواخذہ میں جلدی نہیں کرتے۔

سوال وہ تکلیف دہ چیز کیا ہے؟ جواب۔ ابن آدم کا اللہ کی طرف اولاد کو منسوب کرنا یہ تکلیف ہے کوئی کہتا ہے عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور کوئی کہتا ہے مسیح ابن اللہ ہیں ان تکلیفوں کو سننے کے باوجود مواخذہ نہیں کرتے۔ رزق اور عافیت دے رہے ہیں۔

سوال:۔ صبر کہتے ہیں حبس النفس عما تشتھی. جن چیزوں کو نفس چاہے ان سے (نفس) روکنا یا حبس النفس علی ماتکرھہ یا

یا نفس کو ناپسندیدہ چیزوں سے روکنا۔ یہاں تو اللہ کی طرف صبر کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہاں نفس ہی نہیں چہ جائیکہ حبس النفس ہو۔

جواب: جب صبر کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتے۔ یہی صبر ہے **قولہ یسمعه**' کی قید شدت کو بتلانے کے لئے ہے یعنی بات سنی جائے وہ زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ نہیں کوئی زیادہ صبر کرنے والا بنسبت اللہ کے یعنی اللہ زیادہ صبر کرنے والے ہیں تاخیر العذاب عن مستحق العذاب سے۔

قولہ یدعون' اذی کا بیان ہے۔ علی اللہ اس کا متعلق اصبر ہے یسمع کے ساتھ نہیں ہے۔ معنی ہوگا بنسبت اللہ تعالیٰ کے زیادہ صابر کوئی نہیں ہے۔

عَنْ مُعَاذٍؓ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حِمَارٍ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ اِلَّا مُؤْخِرَةُ
حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہا کہ میں ایک مرتبہ گدھے کی سواری پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان زین کی
الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
پچھلی لکڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ کیا تو جانتا ہے اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے میں نے کہا اللہ اور اس کا
اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا
رسول زیادہ جانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اس کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور
يُعَذِّبَ مَنْ لَّا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا اُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ
بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اس کو عذاب نہ دے میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں اس بات کی لوگوں کو
قَالَ لَا تُبَشِّرْهُمْ فَيَتَّكِلُوْا. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
خوشخبری نہ دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو خوشخبری نہ پہنچا پس بھروسہ کریں گے۔

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات۔ نام معاذ بن جبل یہ صحابہ میں سے حلال اور حرام کو زیادہ جاننے والے تھے اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ یہ امام الفقہاء تھے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے حجرت النساء ان تلدن مثل معاذ۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول یہ ہے کہ ہم معاذ بن جبلؓ کو ابراہیم کیساتھ تشبیہ دیا کرتے تھے کہ جس طرح ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا کان امة قانتاً۔ اسی طرح معاذ بن جبلؓ کئی عالموں کا مجموعہ تھے۔ یوں سمجھو کہ نظام الدین اولیاء کی قبیل سے ہیں (کئی کمالات کے اعتبار سے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو یمن کا قاضی اور حاکم بنا کر بھیجا تھا۔

آپ کی کنیت ابوعبداللہ انصاری خزرجی ہے مدینہ طیبہ کے باشندے ہیں قدیم الاسلام ہیں چنانچہ آپ بیعت عقبہ ثانیہ میں شامل تھے جبکہ آپ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے حضور علیہ السلام نے آپ کو یمن کا قاضی و معلم بنا کر بھیجا تھا پھر حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے بعد ملک شام کے عامل بنائے گئے۔ ۱۸ھ میں طاعون عمواس کے زمانے میں بعمر ۲۸ سال وفات پائی۔ آپ سے حضرت عمرؓ ابن عباسؓ ابن عمرؓ اور بہت سی مخلوق نے روایت حدیث کی ہے۔

الامر الثانی: روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معاذؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دراز گوش پر سوار تھا یعنی ان کا ردیف تھا۔ اور میں آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور آپ کے درمیان موخرۃ الرحل کے بقدر فاصلہ تھا۔ اور کوئی زیادہ فاصلہ حائل نہیں تھا۔ اس دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نداء دیتے ہوئے ارشاد فرمایا یا معاذ اے معاذ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کے حقوق بندہ کے ذمہ کیا ہیں اور بندہ کے حقوق اللہ کے ذمہ کیا ہیں۔ تو میں نے کہا اللہ و رسولہ اعلم تو اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے حقوق بندہ کے ذمہ یہ ہیں کہ اللہ کی عبادت کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے اور بندہ کے حقوق اللہ پر یہ ہے کہ موحد کو عذاب نہ دیا جائے۔ اس پر حضرت معاذؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تمام لوگوں کو یہ بتلا نہ دوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ طبیعتیں سست ہیں وہ اسی پر بھروسہ کر

کے بیٹھ جائیں گی۔لہٰذا وہ باقی اعمال کو ترک کردیں گی۔بخلاف طبیعت سلیمہ کے وہ کہتی ہے افلا کون عبداً شکوراً۔

سوال۔اس بات کو بیان کرنے سے کہ میرے درمیان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان موخرۃ الرحل کے سوا کچھ نہیں تھا۔اس سے مقصود کیا ہے؟

جواب۔اس سے مقصود کمال حفظ اور کمال یادداشت بتلانا مقصود ہے۔کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات میں نے پورے طور پر سنی تھی اور مجھے پورے طور پر محفوظ ہے۔(کہیں تردد نہ ہوجائے کہ مجھ سے بیان کرنے میں غلطی ہوگئی ہے)اس لئے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مضمون بیان فرمایا تھا اس وقت میں بالکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھا۔زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔گویا آنے والے مضمون کے کمال وثوق کو بتلانا ہے۔باقی موخرۃ الرحل اس لکڑی کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ سوار ٹیک لگائے۔

سوال:۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم مضمون کو ویسے ہی بیان فرمادیتے یہ سوال وجواب کی ضرورت کیا تھی؟ جواب۔حضرت معاذ بن جبلؓ کی کمال توجہ کو حاصل کرنے کے لئے سوال وجواب کی ضرورت پیش آئی۔

سوال:اس حدیث میں دونوں جگہ علیٰ کا لفظ آیا ہے اور علیٰ وجوب ولزوم کے لئے آتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے اللہ کے حقوق بندہ کے ذمہ واجب ہیں اسی طرح بندہ کے حقوق بھی اللہ پر واجب ہیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے؟۔

جواب(۱)۔حقوق کی دو قسمیں ہیں۔(۱)تفضلی اور(۲)وجوبی۔یہاں حقوق سے مراد حقوق تفضلی ہیں۔جواب(۲)بعنوان اخر عباد کی جانب حق اللہ کا لفظ ذکر کرتے ہوئے مشاکلت لفظی کی رعایت کی ہے کہ جیسی عبارت بندوں کے حق کے لئے بیان کی ایسی ہی اللہ کے حق کو بیان کرنے کے لئے عبارت ذکر کی۔یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ شاعر نے کہا

قالوا اقترح مشیئاً نجدلک طبخه ، قلت اطبخو الی جبة و قمیصاً

اس میں محض مشاکلت لفظی کی رعایت کے لئے طبخ کا لفظ دوبارہ ذکر کیا ہے ورنہ کوئی اور مقصود نہیں ہے۔اسی طرح **الموت قدح کل نفس شاربوھا.** کہ موت کا پیالہ ہر نفس نے پینا ہے۔

اس میں بھی مشاکلۃ لفظی ہے اور اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے بھی مشاکلۃ لفظی کی رعایت رکھتے ہوئے فرمایا **تعلم مافی نفسی ولااعلم ما فی نفسک** اس میں پہلے نفس سے حضرت عیسیٰؑ کا نفس مراد ہے اور دوسرے میں اللہ کا نفس مراد ہے۔تو یہ محض مشاکلت لفظی کیلئے فرمایا ہے۔

سوال۔اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موحد کو بالکل عذاب نہیں ہوگا اور دیگر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ موحد پہلے جہنم میں جائے گا اور اس کو عذاب ہوگا لیکن بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اور انبیاء کی سفارش سے باہر نکالا جائے گا۔

جواب۔عذاب ابدی کی نفی مراد ہے جہنم میں جانے کی نفی نہیں ہے۔

بقیہ سوال جواب اگلی حدیث کی تشریح میں آرہے ہیں۔وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَّدِیْفُهٗ عَلَی الرَّحْلِ قَالَ یَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّیْکَ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ معاذؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ قَالَ یَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ

ہوئے تھے۔اے معاذ اس نے کہا میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول اور حاضر ہوں خدمت میں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا اے معاذ آپؓ نے پھر کہا حاضر ہوں میں اے اللہ کے رسول

قَالَ یَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَسَعْدَیْکَ ثَلٰثًا قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَّشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ

اور حاضر ہوں خدمت میں پھر فرمایا۔اے معاذ اس نے کہا حاضر ہوں میں اللہ کے رسول اور حاضر ہوں میں خدمت میں تین بار اسی طرح فرمایا۔انسؓ نے

وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ قَالَ یَا

کہا پھر فرمایا کوئی آدمی ایسا نہیں جو سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں مگر اللہ

رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا يَتَّكِلُوْا فَاَخْبَرَ بِهَا
اس پر آگ حرام کر دیتا ہے۔ معاذؓ نے کہا اے اللہ کے رسول میں لوگوں کو اس بات کی خبر نہ کردوں پس وہ خوش ہوں فرمایا اس وقت وہ اعتماد کریں گے۔
مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
حضرت معاذؓ نے گناہ سے بچنے کی خاطر مرتے وقت اس بات کی خبر دی۔

تشریح: پہلی بات حاصل حدیث۔ حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے اس حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو جبکہ حضرت معاذؓ رسول اللہ کے ردیف تھے تین مرتبہ ندا کی اور ہر ہر مرتبہ حضرت معاذؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پورے طور پر اپنے مستعد ہونے کو اور اپنے متوجہ بتوجہ کامل ہونے کو اور اپنے متیقظ ہونے کو ظاہر کیا۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص توحید کا صدق دل سے اقرار کرتا ہو تو ایسے شخص پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔ یعنی ایسے شخص کا جہنم میں داخل ہونا حرام ہو جاتا ہے تو اس پر حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ میں لوگوں کو خوشخبری نہ سنا دوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ خوش ہو جائیں اور اسی پر اکتفا کر لیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ نے اپنی موت کے وقت یہ حدیث لوگوں کو سنا دی تھی۔

دوسری بات:۔ حدیث کے الفاظ کی تشریح:۔ رحل سے مراد دراز گوش ہے۔ **قولہ لبیک** ۔**الب لک البابین. سعدیک** اصل میں **اسعدک اسعادین** تھا۔ اس سے مقصود اپنی توجہ کامل کو بتلانا ہے یعنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات میں اتفاق کرنے والا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔

سوال۔ جب حضرت معاذؓ نے پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں اپنی کامل توجہ کو بتلا دیا تھا تو پھر یہ تین مرتبہ سوال و جواب کیوں کیا۔ **جواب** حضرت معاذؓ کی توجہ علی وجہ المبالغۃ حاصل کرنی مقصود تھی۔

سوال۔ توجہ علی وجہ المبالغۃ کیوں مقصود تھی۔ **جواب۔** اس لئے کہ تعلیم وہی مفید ہوگی جو متوجہ بتوجہ علی وجہ المبالغۃ حاصل ہو۔ یعنی سامعین کی توجہ علی وجہ المبالغۃ حاصل ہو۔ اس سے یہ بات نہ سمجھ لی جائے کہ اگر توجہ کامل نہ ہو تو اس کو مسئلہ نہ بتلایا جائے بلکہ اس کو مسئلہ بتلانا واجب ہے حتیٰ کہ امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے جس میں یہ فرمایا کہ اگر کوئی ضروری مسئلہ ہو اور کسی کو بتلانا مقصود ہو اور وہ سویا ہوا ہو تو اس کو اٹھا کر مسئلہ بتلایا جائے۔

قولہ ثلاثا مامن احد۔ میں ثلاثا کا تعلق دونوں سے یعنی ندا و جواب سے ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تین مرتبہ ندا کی اور حضرت معاذؓ نے بھی تین مرتبہ جواب دیا۔

سوال۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ **ناجی من النار**۔ یعنی جہنم سے نجات پانے کے لئے شہادتین کا ہونا کافی ہے۔ اعمال صالحہ ہوں یا نہ ہوں حالانکہ دوسری نصوص سے اعمال صالحہ کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

جواب (۱)۔ شہادت سے مراد شہادت مجردہ نہیں بلکہ شہادت مع الحقوق مراد ہے اور شہادت کے حقوق اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ مابعد میں ایک حدیث آ رہی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک تابعی اعمال صالحہ کی ترغیب دے رہے تھے تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **لا الٰہ الا اللہ مفتاح الجنۃ** کہ جنت کے قفل کے لئے کلمہ مفتاح ہے آپ کیوں اعمال صالحہ پر زور دے رہے ہیں تو جواب میں اس تابعی نے کہا کہ میں بھی مانتا ہوں کہ کلمہ یہ مفتاح ہے لیکن قفل اسی مفتاح سے کھلے گا جس کے دندانے ہوں بغیر دندانے کے قفل نہیں کھلے گا تو اسی طرح شہادتین کے لئے اعمال صالحہ دندانے ہیں۔

جواب (۲)۔ یہاں دو چیزیں ہیں۔ (۱) **تحریم الدخول فی النار** ۔ (۲) **تحریم الخلود فی النار** ۔ حدیث کا مصداق **تحریم الخلود فی النار** ہے **تحریم الدخول فی النار** نہیں یعنی ایسے شخص کا خلود فی النار حرام ہے تو خلود فی النار کے حرام ہونے سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ دخول فی النار بھی حرام ہے۔

جواب (۳): الا حرمه الله علی النار میں نار سے مراد مطلق نار نہیں بلکہ وہ مخصوص طبقہ مراد ہے جو کفار کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ المعرة للکفار۔ یعنی اس مخصوص طبقے میں ایسے شخص کا دخول حرام ہے تو اس مخصوص طبقے پر حرمت نار کے حرام ہونے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ مطلق نار حرام ہے۔

جواب (۴): اس کا مصداق وہ شخص ہے جس کو شہادتین کے بعد اعمال صالحہ کا موقع نہیں ملا جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جنگ لڑوں تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ بشرطیکہ تو ایمان لے آئے تو اس نے فوراً کلمہ پڑھا اور جہاد میں شریک ہو گیا۔ اور شہید ہو گیا اس کو ایک نماز پڑھنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ جواب (۵): یہ ارشاد اس زمانے کا ہے کہ جس وقت تک دیگر احکام ابھی نازل نہیں ہوئے تھے۔ ابھی ان امور کا نزول نہیں ہوا تھا۔ محض شہادتین پر مسلمان ہونے کے لئے اکتفا کر لیا جاتا تھا۔

سوال:۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبشیر سے منع فرمایا تھا تو حضرت معاذؓ نے یہ بشارت کیوں سنائی تھی۔ اس نہی کی مخالفت کیوں کی ہے۔

جواب (۱) حضرت معاذؓ خود مجتہد تھے یہ جانتے تھے کہ یہ نہی ہمیشہ کے لئے نہیں بلکہ مخصوص وقت کے لئے ہے اس وقت تک کتمان علم کو مذموم قرار نہیں دیا گیا تھا اور تبلیغ کو واجب قرار نہیں دیا گیا تھا اور ابھی تک بلغوا عنی ولو آیۃ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اور نہی ہمیشہ کے لئے نہیں تھی۔ اب جبکہ کتمان علم کو مذموم قرار دیا گیا اور تبلیغ واجب ہو گئی اور بلغوا عنی ولو آیۃ کا حکم نازل ہو گیا تو پھر حضرت معاذؓ نے کتمان علم کے گناہ سے بچنے کے لئے اس کو بیان کر دیا۔

جواب (۲): حضرت معاذؓ خود مجتہد تھے اور احکام دو اقسام پر ہیں۔ (۱) مطلقہ عن القیود (۲) مقیدہ بالقیود۔ احکام مقیدہ اس وقت تک باقی رہتے ہیں جب تک قیود باقی رہتے ہیں۔ حضرت معاذؓ خود مجتہد تھے اس لئے انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ نہی معلل بالعلۃ ہے اور وہ علت اتکال (بھروسہ) کا اندیشہ ہے۔ یعنی جب تک لوگوں کے اتکال کا اندیشہ ہے اس وقت تک بشارت نہیں دینی اور جب یہ اندیشہ ختم ہو جائے تو پھر بتلا دیجئے گا۔

جواب (۳)۔ مخاطبین دو قسم پر تھے۔ (۱) جن میں اتکال کے پائے جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ (۲) جن میں اتکال کے پائے جانے کا اندیشہ نہ ہوتا ہو۔ اور نہی عن التبشیر (بشارت سے نہی) صرف ان لوگوں کے اعتبار سے تھی جن کے متعلق یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس پر بھروسہ کر کے اعمال صالحہ کو ترک کر دیں گے جب کہ حضرت معاذؓ نے ان لوگوں کو بتلایا تھا جن کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں تھا۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَیْتُهٗ وَقَدِ
حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سفید کپڑا تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے
اسْتَیْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِکَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ
ہوئے تھے میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیدار تھے۔ فرمایا نہیں ہے کوئی بندہ جو کہے اللہ کے سوا کوئی معبود
زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ
نہیں پھر اس پر وہ مرے مگر جنت میں داخل ہوگا میں نے کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے فرمایا ہاں اگرچہ چوری کرے اور زنا کرے میں نے پھر کہا
قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ وَّکَانَ اَبُوْ ذَرٍّ اِذَا
اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے فرمایا ہاں اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے میں نے پھر کہا اگرچہ زنا کرے اور چوری کرے فرمایا ہاں اگرچہ زنا کرے اور چوری
حَدَّثَ بِهٰذَا قَالَ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
کرے۔ ابوذرؓ کی ناک خاک آلودہ ہو جانے باوجود ابوذرؓ جس وقت یہ حدیث بیان کرتے فرماتے اگرچہ ابوذر کا ناک خاک آلودہ ہو۔

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات۔ یہ ان صحابہؓ میں سے ہیں جو کہ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ ان کی کنیت ابوذرؓ

ہے۔اوران کا نام جندبؓ ہےاوران کے والدمحترم کا نام جنادہ ہے۔قدیم الاسلام صحابہؓمیں سے ہیں یعنی ان صحابہؓمیں سے ہیں جوکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعدحضور صلی اللہ علیہ وسلم پرایمان پہلے لائے تھےبعض علماءفرماتے ہیں کہ یہ پانچویں نمبر پراسلام لانے والے ہیں اورطبعی طور پران کے دل میں مال کی نفرت بہت زیادہ تھی۔اگرچہ زکوٰۃ اداکردی جائے پھربھی مال سے نفرت کرتے تھے۔اگر یہ معلوم ہوجاتا کہ فلاں کے پاس مال ہے(مال کے جمع کرنے کوناپسند سمجھتے تھے)تواس کے پاس جاتے اور کہتے کہ ایک درہم جہنم کی آگ کاایک داغ ہےاوردو درہم دوداغ ہیں حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں مدینہ سے باہرمشورے سے چلے گئے مدینہ کے باہرمقام زبدہ ہےوہاں پران کی وفات ہوئی۔

واقعہ۔فرماتے ہیں کہ جب ان کی وفات ہونے لگی توان کی بیوی بہت پریشان ہوئی کہ ان کی تجہیزوتکفین وتدفین کون کرے گاتوابوذرؓ نے فرمایا کہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں جب میری وفات ہونے لگے تواس پہاڑ پرچڑھ جانااورسامنے ایک قافلہ نظرآرہاہوگاتوان کو یہ کہنا کہ ابوذرؓکی وفات ہوگئی ہےتووہ خود بخود تجہیزوتدفین کردیں گے چنانچہ ایساہی ہواحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم عصروں میں سے سب سے زیادہ سچی زبان والاان سے زیادہ کوئی نہیں ہےان کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی۔

الامرالثانی: حاصل حدیث کابیان:۔جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دومرتبہ حاضرہواجب میں پہلی مرتبہ حاضرہواتوحضور صلی اللہ علیہ وسلم سفید چادر لے کراوڑھے ہوئے سورہے تھےاور جب دوسری مرتبہ حاضر ہواتھاتوآپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدارہوچکے تھے۔اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایاکہ جوشخص توحیدکااقرارکرتاہوپھرتوحیدہی کےعقیدہ پراس کی وفات ہوگئی ہوتووہ جنتی ہوگااس پرمیں نےعرض کیاوان زنی و ان سرق اگرکوئی شخص زنایاچوری بھی کرے پھربھی جنت میں داخل ہوگا توحضور صلی اللہ علیہ وسلم نےفرمایاہاں وہ بھی جنت میں داخل ہوگاتوپھرحضرت ابوذرؓنےکہاو ان زنی و ان سرق۔توحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیاپھرتیسری مرتبہ ابوذرؓنےکہاوان زنی و ان سرق توپھربھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیااورآخرمیں کہاو ان رغم انف ابی ذر یعنی اگرچہ ابوذرکاناک خاک آلودہ ہوجائےیہ کنایہ ہےناگواری سےیعنی ابوذرناراض ہویاراضی ہوخوش ہویاناخوش ہواابوذرؓکی بات مانی جائے یانہ مانی جائے ایساشخص بھی جنت میں داخل ہوگا۔ان سے نچلے راوی فرماتے ہیں کہ جب بھی ابوذرؓہمارےاستاذیہ حدیث پڑھایا کرتے تھےارشادفرمایاکرتے تھےتویہ جملہ و ان رغم انف ابی ذر۔بھی ضرورارشادفرماتے تھےبطورتبرک کےاوراعتزازکے۔

سوال:اس حدیث سے بظاہریہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جہنم سے نجات پانے کیلئےصرف توحیدکافی ہےشہادت بالرسالت ضروری نہیں؟

جواب (۱):۔یہ جزءبول کرکل مرادلینےکی قبیل سے ہےیعنی شہادت رسالت اورشہادت توحیددونوں مرادہیں ایک کوذکرکرکےکل مرادلیاجیسےکہاجاتاہےکہ الحمد للہ سناؤیاقل ھو اللہ سناؤتواس کامطلب یہ ہوتاہےپوری سورت سناؤ۔یہاں بھی ایساہی مرادہے۔

جواب (۲)۔عقیدۂ توحیدوہ معتبرہوگاجونبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کےموافق ہوگااورنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی موافقت تب ہوگی جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہواورنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق یہی تواصل رسالت ہے۔اگرچہ شہادت بالرسالت بظاہرنظرنہیں آرہی لیکن اسکےاندرچھپی ہوئی ہے۔

سوال۔اس حدیث سے بظاہریہ معلوم ہوتاہےدخول جنت کے لئےکسی اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں؟

جواب۔دخل الجنۃ میں دخول جنت کے لئےاعمال صالحہ کاہوناضروری نہیں ہے۔بلکہ اگراقتران باعمال الصالحہ ہوگاتودخول اولیٰ ہوگااوراگرنہیں تودخول اولیٰ نہیں۔مثلاًکوئی یہ کہتاہےمن توضا فقد صحت صلوتہ تواس کامطلب یہ تونہیں کہ صرف وضوکی شرط پائی جائےتونمازصحیح ہوجائے۔بلکہ باقی قیودوشرائط کالحاظ ضروررکھاجائےگاتوجس طرح صحت صلوٰۃ وجودشرائط اورزوال موانع پرموقوف ہےاسی طرح دخول جنت توحیدپرمرتب ہوگا۔وجودشرائط اورزوال موانع پر۔

قولہ' وان زنی و ان سرق۔الغرض حضرت ابوذرؓنےفرمایاکہ اگروہ کبائرکامرتکب ہوتوپھربھی وہ شخص جنت میں جائےگا۔باقی کبائرکی تخصیص اس لئےکی تاکہ صغائرکاحکم بطریق اولیٰ معلوم ہوجائےاورپھرکبائرمیں زنااورسرقہ کی تخصیص اس لئےکی کہ کبیرہ دوقسم پرہیں۔(۱)جو

حقوق اللہ کے ساتھ متعلق ہو (۲) جو حقوق العباد کے ساتھ متعلق ہو۔ تو زنا یہ حقوق اللہ کی قبیل سے ہے اور سرقہ حقوق العباد کی قبیل سے ہے۔ گویا ابوذرؓ یہ فرماتے ہیں کہ جو حقوق اللہ کا بھی متلف ہو اور حقوق العباد کا بھی متلف ہو وہ بھی جنت میں جائے گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ایسا شخص بھی جنت میں جائے گا۔ باقی حضرت ابوذرؓ کا کلام و ان زنی و ان سرق میں فعل مقدر ہے اور ہمزہ استفہام کا بھی مقدر ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے ایدخل و ان زنی و ان سرق۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام میں فعل مقدر ہے صرف ہمزہ استفہام نہیں۔

سوال: حضرت ابوذرؓ کے سوال کے تکرار میں منشاء اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں تکرار کا منشاء کیا تھا؟

جواب۔ حضرت ابوذرؓ کے سوال کے تکرار میں منشا ان کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے باوجود دخول جنت کا انتہائی استبعد سمجھنا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء تکرار یہ بات حضرت ابوذرؓ کے دل و ذہن میں راسخ کرنی تھی کہ تم کیوں اللہ کی رحمت کو مستبعد سمجھے ہوئے ہو تم کیوں اللہ کی رحمت کو تنگ کر رہے ہو اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔

سوال: اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معاصی کوئی نقصان دہ چیز نہیں ہے اس کے باوجود جنت میں داخلہ ہو جائے گا حالانکہ دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ معاصی نقصان دہ چیز ہے؟ جواب۔ مقصود معاصی کی عدم مضرت کو بیان کرنا نہیں بلکہ تفاوت فی المعاصی کو بیان کرنا مقصود ہے کچھ معاصی ایسی ہیں جو خلود فی النار کا سبب نہیں ہیں اور کچھ ایسی ہیں جو خلود فی النار کا سبب ہیں کہ جیسا کہ مصیبت مختلفۃ المراتب ہیں اور اسی طرح معصیت بھی مختلف المراتب ہے جو کچھ معاصی خلود فی النار کا سبب نہیں ہیں یعنی المنجی من الکفر ہیں اور کچھ المنجی من الکفر نہیں ہے و ان زنی و ان سرق یہ اگرچہ المنجی من الکفر ہیں لیکن خلود فی النار کا سبب نہیں ہیں۔ کفر و شرک یہ خلود فی النار کا سبب ہیں۔

باقی یہ بتلایا کہ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں پہلی مرتبہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفید چادر اوڑھے ہوئے سو رہے تھے اور جب دوسری مرتبہ آیا تو بیدار ہو چکے تھے اس کو بیان کرنا قوت یادداشت کو بتلانا مقصود ہے کہ یہ پس منظر مجھے اچھی طرح یاد ہے۔

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص گواہی دے کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے جو اکیلا
وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّ عِيْسٰى عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ وَابْنُ اَمَتِهٖ
ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے بندے اور اس کے رسول ہیں اور تحقیق عیسیٰ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے اس کی
وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ
لونڈی کا بیٹا اور اس کا کلمہ ہے کہ ڈالا اس نے مریم کی طرف اور روح ہے اس کی طرف سے اور جنت اور دوزخ برحق ہیں اللہ اس کو جنت میں داخل
الْعَمَلِ. (صحيح البخاري و صحيح مسلم)
فرمائے گا وہ خواہ او پر کسی عمل کے ہو۔

تشریح: حدیث کا حاصل:۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص توحید اور رسالت کا عقیدہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ان کی صحیح نوعیت کا عقیدہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ جنت و دوزخ کے حق ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ شخص جنتی ہے خواہ اس کے عمل تھوڑے ہوں یا زیادہ ہوں اچھے ہوں یا برے ہوں۔

سوال:۔ ناجی ہونے کے لئے تو جملہ انبیاء کرامؑ سابقین پر ایمان لانا ضروری ہے جن کی تعیین قرآن میں ذکر ہو چکی ان پر بالتفصیل ایمان لانا ضروری ہے اور جن کی تعیین نہیں آئی ان پر بالاجمال ایمان لانا ضروری ہے تو پھر حضرت عیسیٰؑ کی تخصیص کیوں کی گئی؟۔

جواب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرزمین عرب میں مخاطب مشرکین کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی تھے اور یہ دونوں حضرت عیسیٰؑ کے

متعلق افراط وتفریط کا شکار تھے۔ یہود کا یہ حال تھا کہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں نامناسب باتیں کہتے تھے اور برا بھلا کہتے تھے اور نصاریٰ کا یہ حال تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو عبدیت سے نکال کر الوہیت تک پہنچا دیا تھا اس لئے ضرورت تھی اس بات کی کہ ان کے سامنے حضرت عیسیٰ کی صحیح پوزیشن کو واضح کیا جائے اس لئے حضرت عیسیٰ کی تخصیص کی گئی۔

قوله و ان عیسیٰ عبدالله و رسوله: یہاں ان دونوں کے عقیدوں پر رد کیا گیا۔ پہلے لفظ عبداللہ سے رد ہے نصاریٰ پر کہ عیسیٰ عبداللہ ہیں ابن اللہ نہیں اور دوسرے لفظ یعنی رسولہ سے رد کیا یہود پر کہ عیسیٰ رسول اللہ ہیں وہ ایسے نہیں جیسا کہ تم کہتے ہو۔ اور ابن امتہ صریح رد تو نصاریٰ پر ہے اور ضمنی طور پر یہود پر رد ہے نصاریٰ پر صریح رد اس طرح ہے کہ اے نصاریٰ عیسیٰ **ابن امة الله** ہیں ابن اللہ نہیں یعنی عیسیٰ اللہ کی بندی کے بیٹے ہیں خود اللہ کے بیٹے نہیں اور ضمنی طور پر یہود پر رد اس طرح ہے کہ **ابن امة** میں اضافت شرافت کے لئے ہے جیسے بیت اللہ ناقۃ اللہ اس میں اضافت شرافت کیلئے ہے اب معنی یہ ہوگا کہ عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ بندی کے بیٹے ہیں۔ ذاعظمت بندی کے بیٹے ہیں ایسے نہیں جیسے تم کہتے ہو۔

قوله' و کلمته: **سوال** حضرت عیسیٰ پر کلمہ کا لفظ استعمال کیوں کیا گیا **جواب** چونکہ عام اسباب عادیہ کے خلاف کلمہ کن سے وجود میں آئے اس لئے ان کو کلمۃ اللہ کہتے ہیں **قوله وروح منه**: **سوال**۔ ان کو روح اللہ کیوں کہتے ہیں۔ **جواب** ان کو روح اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کو احیاء الموتی کا معجزہ دیا گیا تھا ان کا قم باذن اللہ کہنا وغیرھا۔ یہ یہاں تک حضرت عیسیٰ کی پانچ صفتیں بیان کی۔ (۱) عبداللہ (۲) رسول اللہ (۳) ابن امۃ اللہ (۴) کلمۃ اللہ (۵) روح اللہ

(بنی الاسلام علی خمس) (جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات استاذ محترم نے فرمائی تھی کہ مولانا ادریس صاحب فرماتے ہیں مناقب یہ نقب سے ہے بمعنی سوراخ یہ صحابہ کے وہ فضائل ہیں جو دشمن کے دلوں میں سوراخ کر کے رکھ دیتے ہیں چھلنی کر کے رکھ دیتے ہیں) **سوال**۔ ماقبل میں کہا تھا کہ عیسیٰ ابن اللہ نہیں اور یہاں روح منہ میں من سے جزئیت معلوم ہوتی ہے؟

جواب۔ یہاں پر من ابتدائیہ ہے من تبعیضیہ نہیں۔ اب معنی یہ ہوگا **روح مخلوق منه'**

مولانا ادریس کاندھلویؒ نے تعلیق الفصیح میں ایک واقعہ نقل کیا ہے مسلمان اور نصرانی عالم کا کہ ایک نصرانی عالم نے روح منہ سے حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے پر استدلال کیا تو اس کے جواب میں ایک مسلمان عالم نے جواب دیا کہ "**وسخرلکم ما فی السموٰات و ما فی الارض جمیعاً منه**" اس اعتبار سے تو ہم بھی اللہ کا جزو ہوئے۔ اس پر وہ نصرانی خاموش ہو گیا۔

قوله والجنة والنار حق الخ: **سوال** الجنۃ والنار یہ مبتدا ہیں اور حق خبر ہے دو مبتداؤں کی ایک خبر یہ ٹھیک نہیں **جواب** (۱) مبتدا کی جانب میں **کل واحد منهما** محذوف ہے۔ **جواب** (۲)۔ حق مصدر ہے اور اس میں تعدد اور عدم تعدد پر دلالت یکساں ہوتی ہے۔

قوله' ادخله الله الخ . دخول سے مراد مطلق دخول ہے خواہ ابتداء ہو یا انتہاء ہو۔ لہٰذا اعمال صالحہ سے نفی نہیں ہوگی اور جنت و جہنم کے حق ہونے کا عقیدہ ہو کہ واقعی چیزیں ہیں محض خیالی نہیں یہ عقیدہ ضروری ہے۔

قوله' علی ماکان من العمل الخ **سوال**۔ آپ نے کہا کہ اعمال میں تعلیم ہے خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ اچھے ہوں یا برے تو آپ نے اتنی تعمیم کردی کہ کفر بھی اس میں شامل ہو جائے گا۔ لہٰذا آپ کی تعریف جامع نہ ہوئی۔

جواب۔ تعمیم اتنی کافی ہے جو توحید ورسالت کے منافی نہ ہو۔ یعنی کفر وشرک اس میں داخل نہ ہوں۔ تو اس سے بالاجماع کفر وشرک مستثنیٰ ہیں۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اُبْسُطْ يَمِيْنَکَ فَلْاُ بَايِعَکَ

حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے کہا اپنا داہنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ

فَبَسَطَ يَمِيْنَهٗ فَقَبَضْتُ يَدِيْ فَقَالَ مَالَکَ يَا عَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا

میں بیعت کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ پھیلایا میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا فرمایا اے عمرو تجھے کیا ہے میں نے کہا میں ایک شرط کرنا

قُلْتُ اَنْ يُّغْفَرَ لِیْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا
چاہتا ہوں فرمایا تو کیا شرط کرتا ہے۔میں نے کہا شرط یہ ہے کہ مجھ کو بخش دیا جائے فرمایا اے عمرو تجھے علم نہیں کہ اسلام ان گناہوں کو دور کر دیتا ہے
كَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ . وَالْحَدِيْثَانِ الْمَرْوِيَّانِ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ
جو اس سے پہلے ہوتے ہیں اور ہجرت ان گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو اس سے پہلے ہوتے ہیں اور حج ان گناہوں کو دور کر دیتا ہے جو اس سے پہلے
تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَآءِ عَنِ الشِّرْكِ وَالْاٰخَرُ الْكِبْرِيَآءُ رِدَآئِیْ سَنَذْكُرُ هُمَا فِیْ بَابِ الرِّيَآءِ
کے ہوتے ہیں (مسلم) اور وہ دونوں حدیثیں جو ابوہریرہؓ سے روایت کی گئی ہیں۔پہلی حدیث کے الفاظ ہیں انا اغنیٰ الشرکاء عن الشرک اور دوسری
وَالْكِبْرِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى. رَوَاهُ مُسْلِمٌ
کے الفاظ ہیں۔الکبریاء ردائی ہم ان کو باب ریا اور باب کبر میں بیان کریں گے۔انشاء اللہ۔

تشریح: الامر الاول: راوی کے مختصر حالات۔ انکا نام عمرو بن العاصؓ ہے فاتح مصر میں دس سال سے زائد عرصہ مصر کے حاکم رہے۔ یہ حدیبیہ والے سال مشرف باسلام ہوئے۔۴۳ ہجری میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی مصر میں ان کی تدفین ہوئی۔ فجزاهم الله خيراً كثيراً۔

الامر الثانی: حاصل حدیث کا بیان۔ حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشرف باسلام ہونے کے لئے حاضر ہو کر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھائیں تا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت اسلام کروں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے واپس کھینچ لیا اور اس کو سمیٹ لیا اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ کیا بات ہے اے عمرو کیا ہو گیا۔ اپنا ہاتھ پیچھے لے گئے ہو تو اس پر حضرت عمروؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول اے پیغمبر میرا ارادہ ایک شرط لگانے کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بتاؤ کیا شرط لگانا چاہتے ہو۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا غفران ذنوب کی شرط لگانا چاہتا ہوں کہ میں اسلام تب لاؤں گا جب کہ میرے سارے گناہ معاف ہو جائیں اگر سابقہ گناہ میرے معاف ہو سکتے ہیں تو میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو اسلام تو اسلام۔ اسلام کے اندر کچھ عبادات ایسی ہیں جو کہ هادم للذنوب ہیں۔ ان الاسلام يهدم كان قبله و ان الهجرة تهدم ماكان قبلها وان الحج يهدم ماكان قبله اے عمرو تجھ جیسا شخص سارے عرب میں تمہاری فراست وعقلمندی کے ڈنکے بج رہے ہیں کیا تمہیں بھی معلوم نہیں کہ اسلام کے اندر ایسی عبادات ہیں جو کہ هادم للذنوب ہیں۔ اسلام کے اندر دو عمل ایسے ہیں یعنی حج اور ہجرت جو کہ هادم للذنوب ہیں مطلب کہنے کا یہ تھا کہ تمہاری شرط پوری ہوگئی تم مسلمان ہو جاؤ۔

الامر الثالث: الفاظ حدیث کی تشریح۔ فلابايعك. اگر بفتح العین ہو یعنی فلاُبايعک ہو تو اس صورت میں یہ لام کی ہوگا اور اس کے بعد ان مقدر ہوگا جو اس کو نصب دے گا اور اگر بضم العین ہو فلا بايعک تو اس صورت میں لام تاکید کے لئے ہوگا اور مبتدا وخبر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگا فلابايعک پہلی ترکیب زیادہ راجح ہے۔ يمينه ۔یمین کو متعارف ہونے کی وجہ سے ذکر کیا ہے۔

قولہٗ تشترط ماذا: سوال یہ ما استفہامیہ ہے یہ صدارت کلام بننے کا تقاضا کرتا ہے یہاں اس کو صدارت کلام (یعنی شروع کلام میں) کیوں نہیں دی گئی ماذا تشترط ہونا چاہئے تھا نہ کہ تشترط ماذا ہونا چاہئے۔

اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں جواب (۱) یہ قاعدہ اس وقت ہے جب ماذا کے ساتھ مقرون نہ ہو۔ اور جب ذا کے ساتھ مقرون ہوگا تو پھر اس کا مقتضی (یعنی صدارت کلام کا تقاضا) نہیں ہوگا بلکہ قرب و جوار سے (ما) کے احکام بدل جاتے ہیں لہٰذا اب صدارت کلام والا تقاضا باقی نہیں رہا۔

جواب (۲): ماذا ثانی مفسر ہے اصل میں عبارت یوں تھی ماذا تشترط ماذا۔ ماذا اول کو حذف کردیا کیونکہ مابعد والا ماذا اس کیلئے مفسر بن رہا ہے۔

جواب (۳) ماذا یہ مستقل کلام ہے اس کا ماقبل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور تشترط سے پہلے ہمزہ استفہام محذوف ہے اصل میں عبارت یوں ہے اشتراط کیا تم شرط لگانا چاہتے ہو یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم انکار فرمار ہے ہیں کہ تمہیں یہ شرط نہیں لگانا چاہئے تھی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اچھا بتاؤ (ماذا) کیا شرط لگانا چاہتے ہو تو ماذا یہ الگ مستقل کلام ہے۔ ماقبل کیساتھ اسکا کوئی تعلق نہیں۔

یھدم۔ ہدم کا حقیقی معنی ہے تعمیر کو گرانا تعمیر کو مٹانا اور یہاں مجازی معنی گناہوں کو مٹادینا مراد ہے۔

اسلام ھادم ہے یا نہیں؟ اسلام ذنوب کے لئے مطلقاً ھادم ہے صغائر ہوں یا کبائر ہوں۔ حقوق کے لئے بھی ھادم ہے یا نہیں؟ حقوق اللہ کے لئے بھی ھادم ہے یعنی روزوں نمازوں اور زکوتوں کی قضاء نہیں ہے۔ حقوق العباد کے لئے ہادم ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے اگر اسلام ذمی کا ہو تو حقوق العباد غیر مالیہ کے لئے ھادم ہوگا یعنی جو اس نے غیبت وغیرہ کی تھی وہ ختم ہو جائے گی اس کا مواخذہ نہیں ہوگا اور حقوق العباد مالیہ کے لئے ھادم نہیں۔ اگر کسی کا قرضہ وغیرہ دینا ہے تو دینا پڑے گا اور اگر اسلام حربی کا ہے تو حقوق العباد مالیہ کے لئے ھادم نہیں ہوگا اور غیر مالیہ کے لئے ھادم ہوگا جیسے ذمی کا اسلام غیر مالیہ مثلاً قصاص وغیرہ ہے۔

ہجرت اور حج کس کے لئے ھادم ہیں اور کس کے لئے نہیں

ہجرت اور حج قاعدے کے لحاظ سے تو صغائر کے لئے ھادم ہیں کیونکہ کبائر کے لئے تو توبہ کی ضرورت ہے یا پھر فضل الٰہی ہو لیکن چونکہ عمومی طور پر ہجرت اور حج والا عمل مقرون بالتوبہ ہو جاتا ہے اس لئے گنجائش ہے یہ کہنے کی کہ یہ مطلقاً ذنوب کے لئے ھادم ہے خواہ صغائر ہوں یا کبائر۔ یہ حقوق کے لئے بھی ھادم ہے یا نہیں؟ حقوق کے لئے ھادم نہیں۔ نہ حقوق اللہ کے لئے اور نہ حقوق العباد کے لئے نہ حقوق العباد مالیہ کے لئے اور نہ غیر مالیہ کے لئے کسی کے لئے بھی ھادم نہیں۔

فائدہ: اس مقام پر مشکوٰۃ کے شراح میں سے شارح اول علامہ طیبی نے لکھا ہے کہ میں جمہور کی مخالفت تو نہیں کرتا لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ھادم کی شان اسلام کی ہے اس طرح کی ھادم ہونے کی شان ہجرت اور حج میں ہو۔ یعنی جس طرح اسلام مطلقاً ذنوب کے لئے ھادم ہے اسی طرح حج اور حجرت بھی ذنوب کے لئے مطلقاً ھادم ہوں لیکن حقوق کے لئے ھادم نہیں یعنی حقوق العباد کے لئے ھادم نہیں۔ جس طرح کی شان ھادم ہونے کی اسلام میں ہے اسی طرح کی شان ھادم ہونے کی حج اور ہجرت میں ہے چنانچہ اس پر انہوں نے دلائل اور وجوہ بھی بیان کی ہیں۔

ھادم ہونے کے دلائل: دلیل (۱)۔ یہاں عطف چل رہا ہے (اور معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مناسبت قوی ہوتی ہے) تو یہ عطف مناسبت قوی کا تقاضا کرتا ہے تو اس عطف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے جس قسم کا ھادم اسلام میں ملحوظ ہے اسی قسم اور شان کا ھادم ہجرت اور حج میں ملحوظ ہے جیسا کہ قرآن کی آیت میں ہے **ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء سنکتب ماقالوا وقتلھم الانبیآء** جس طرح یہاں پر معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مناسبت قوی ہے کہ ان کا یہ قول اور یوں شدت وقباحت وشفاعت میں قتل انبیآء کے مشابہ ہے اسی طرح اسلام میں جس شان کا ھادم ہے اسی شان کا ھادم حج اور ہجرت میں ہے۔

دلیل (۲)۔ یھدم یھدم کا کثرت تکرار قوت کلام پر دلالت کرتا ہے یعنی جس طرح اسلام مستقلاً ھادم ہے اسی طرح حج اور اسلام یہ بھی مستقلاً ھادم ہیں اسلام کے تابع نہیں ہے۔

دلیل (۳)۔ یہاں کچھ استعارات ہیں۔ اسلام کی جانب میں جن استعارات کا بیان ہے حج اور ہجرت کی جانب بھی انہی استعارات کا بیان ہے۔ اسلام کو تشبیہ دی گئی ہے ان آلات واوزار کے ساتھ کہ جن کے ساتھ عمارات کو مٹایا جائے اور نیست و نابود کیا جائے اور تشبیہ دے کر ارکان تشبیہ میں سے مشبہ اسلام کو ذکر کرنا یہ استعارۃ بالکنایہ ہے اور آلات کو ھادم لازم ہے تو یہ مشبہ بہ کے لوازمات میں سے ہے تو ھادم کا ذکر بھی استعارہ تخیلیہ ہے تو اسی طرح حج اور ہجرت میں بھی دو استعارے پائے جاتے ہیں ہجرت اور حج کو تشبیہ دی گئی ان

آلات کے ساتھ جو عمارات کو گرادیتے ہیں تو تشبیہ دے کر ہجرت وحج کو ذکر کرنا یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور ھادم کا ذکر یہ استعارہ تخیلیہ ہے کلام کا استعارات پر مشتمل ہونا یہ کلام میں قوت کو پیدا کردیتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ بیعت کا مروجہ طریقہ سنت سے ثابت ہے اس کو بدعت کہنا یہ جائز نہیں اگر جائز نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں بیعت کرواتے؟

قولہ' والحدیثان الخ. ایک فائدے کا بیان۔ الصحاح کے عنوان کے تحت دوحدیثوں کو صاحب مصابیح نے یہاں ذکر کیا ہے لیکن صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں ہم اس کو آگے جاکر باب الکبر والریاء میں بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ باقی یہاں پر کیوں بیان نہیں کیا اس لئے ان احادیث کی مناسبت اس بات کے ساتھ زیادہ نہیں تھی بلکہ اس باب کے ساتھ مناسبت زیادہ تھی جس میں ہم ان کو بیان کرینگے۔ باقی پہلی حدیث کی ابتداء انا اغنی الشرکاء سے ہے دوسری کی ابتداء الکبریا ردائی سے ہے انکو باب الریاء والکبر میں بیان کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَخْبِرْنِی بِعَمَلٍ یُّدْخِلُنِی الْجَنَّةَ وَیُبَاعِدُنِی مِنَ النَّارِ

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ایک ایسے عمل کی خبر دیں جو مجھ کو جنت میں داخل کردے اور

قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ اَمْرٍ عَظِیْمٍ وَاِنَّهٗ لَیَسِیْرٌ عَلٰی مَنْ یَسَّرَهُ اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِکْ

آگ سے دور رکھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا تحقیق تو نے ایک بڑے کام کے بارے میں پوچھا ہے اور تحقیق البتہ یہ آسان ہے جس پر اللہ آسان کردے۔ وہ یہ ہے تو

بِهٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِی الزَّکٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَیْتَ ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی

اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر۔ نماز قائم کر اور زکوۃ ادا کر رمضان کے روزے رکھ اور بیت اللہ کا حج کر پھر فرمایا کیا میں تجھ کو

اَبْوَابِ الْخَیْرِ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِیْئَةَ کَمَا یُطْفِئُ الْمَآءُ النَّارَ وَصَلٰوةُ الرَّجُلِ فِیْ

خیر کے دروازے نہ بتلاؤں روزہ ڈھال ہے اور صدقہ گناہ بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آدمی کا آدھی

جَوْفِ اللَّیْلِ ثُمَّ تَلَا (تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ) حَتّٰی بَلَغَ یَعْمَلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّکَ

رات کے وقت نماز پڑھنا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ تتجافی جنوبھم عن المضاجع یہاں تک کہ یعملون تک پہنچے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بتلاؤں

بِرَأْسِ الْاَمْرِ وَعَمُوْدِهٖ وَذِرْوَةِ سَنَامِهٖ قُلْتُ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ رَأْسُ الْاَمْرِ اَلْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ

تجھ کو اس امر کا سر ستون اور کوہان کی بلندی میں نے کہا بتلایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سر کام کا اسلام ہے اس کا ستون

الصَّلٰوةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُکَ بِمِلَاکِ ذٰلِکَ کُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰی یَانَبِیَّ اللهِ

نماز ہے اور بلندی اس کا جہاد ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا نہ خبر دوں میں تجھ کو ایک ایسے کام کی جس پر اس کام کا مدار ہے میں نے کہا

فَاَخَذَ بِلِسَانِهٖ وَقَالَ کُفَّ عَلَیْکَ هٰذَا فَقُلْتُ یَا نَبِیَّ اللهِ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَکَلَّمُ بِهٖ قَالَ

کیوں نہیں بتلایئے اے نبی خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑلی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو تو بند کرلے۔ میں نے کہا

ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَامُعَاذُ وَهَلْ یَکُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اَوْعَلٰی مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا

اے اللہ کے نبی کیا ہم اس چیز کے ساتھ پکڑے جائیں گے جو بولتے ہیں فرمایا گم کرے تجھ کو تیری ماں اے معاذ لوگوں کو آگ میں ان کے منہ کے

حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ. (رواه مسند احمد بن حنبل الترمذی وابن ماجة)
بل یا ناک کے بل ان کی زبان کی باتیں ہی گرائیں گی۔

تشریح: مفہوم حدیث۔ قال قلت سے لے کر اگلے ثم قال تک یہ حدیث کا پہلا حصہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معاذؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حاضر ہو کر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھے ایسے عمل کی طرف رہنمائی فرما دیجئے جو میرے لئے دخول جنت بدخول اولیٰ کا ذریعہ بن جائے اور جہنم سے دوری کا سبب بن جائے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لقد سالت عن امر عظیم کہ تو نے تو ایک بہت بڑے امر کا سوال کیا ہے کیونکہ دخول جنت بدخول اولیٰ کا ذریعہ جمیع اوامر کا امتثال اور جمیع نواہی سے اجتناب اور ان دونوں کا مجموعہ ہے نفوس پر دشوار ہونے کی وجہ ایک امر عظیم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کی وحشت کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ اگر توفیق خداوندی شامل ہو جائے تو اس پر عمل کرنا کوئی دشوار نہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول جنت بدخول اولیٰ کا ذریعہ امور ستہ کو بیان فرمایا۔ جن میں سے امر اول بمنزلہ کلی کے ہے اور باقی اس کی جزئیات ہیں امور ستہ یہ ہیں۔

(۱) عبادت اللہ (۲) عدم اشراک باللہ (۳) اقامۃ صلوٰۃ (۴) ایتاء زکوٰۃ (۵) صیام رمضان (۶) حج بیت اللہ۔

سوال۔ مضارع کے صیغے کیوں فرمائے ہیں۔ جواب: سرعت امتثال کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

قولہ' یدخلنی میں دخول سے کیا مراد ہے۔ دخول سے مراد دخول جنت بدخول اولیٰ مراد ہے اس پر قرینہ یباعدنی ہے۔ اور یدخلنی یہ پورا جملہ صفت ہے بعمل کی یہاں تک حدیث کا پہلا حصہ ختم ہوا ہے۔

ثم قال الا ادلک علی ابواب الخیر...... الخ ثم قال سے لے کر اگلے ثم قال تک یہ حدیث کا دوسرا حصہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کے شوق وذوق اور طلب کو دیکھا تو مزید من جانب خود شفقت فرماتے ہوئے امور ثلاثہ کو بمع ان کی فضیلت کے بیان فرمایا جو نوافل کی قبیل سے ہیں۔ فرائض کی قبیل سے نہیں ہیں۔

پہلا امر صوم ہے۔ اس کی فضیلت یہ ہے :۔ روزہ ڈھال ہے جس طرح ڈھال دشمن کے حملوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے اسی طرح روزہ بھی شیطان کے حملوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے (تعلیم روزہ رکھنے سے پیٹ بھی بھوکا رہے گا تو اس کے ذریعہ سے بہت سے کام اچھے ہونے لگ جاتے ہیں بسا اوقات یہی پیٹ کئی گناہوں کا سبب بنتا ہے جب بھوک لگتی ہے تو چوری وغیرہ کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔ لیکن جب روزہ ہوتا ہے تو صرف اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے اور یہ برے کام نہیں کرنے دیتا۔ شیخ سعدیؒ کا شعر ہے (شنیدم کہ سال قحط شداند؟ کہ یاراں فراموش کردند عشق) کہ (ترجمہ قحط کی وجہ سے عشق بازوں کو عشق بھول گیا) یا دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن اور قبر میں ہر عمل کو شکل و صورت دی جائے گی تو صوم کی شکل وصورت ڈھال والی ہوگی۔

(۲) دوسرا امر صدقہ ہے یہاں صدقہ سے مراد نفلی صدقہ ہے کوئی فرضی صدقہ یعنی زکوٰۃ مراد نہیں اس لئے کہ فرضی صدقہ کا ذکر تو پہلے حصہ میں ہو چکا اور اسی طرح ماقبل میں صوم سے مراد نفلی صوم ہے کیونکہ صیام رمضان کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے۔ اور صدقہ کی فضیلت یہ ہے کہ یہ گناہوں کو ایسے مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو مٹا دیتی ہے۔

استعارات۔ صدقہ کو تشبیہ دی گئی پانی کے ساتھ۔ تشبیہ دے کر ارکان تشبیہ میں مشبہ کو ذکر کیا گیا تو مشبہ یعنی صدقہ کا ذکر یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور مشبہ بہ یعنی پانی مشبہ کے لوازمات میں سے ہے۔ بجھا دینا تو اطفاء کا ثبوت ماء کے لئے یہ استعارہ تخییلیہ ہے اور یہ اس وقت ہے جب اطفاء بمعنی اسم فاعل ہو بجھا دینا۔ اسی طرح خطیئہ کو تشبیہ دی گئی ہے نار کے ساتھ۔ تو ارکان تشبیہ میں سے (خطیئہ) مشبہ کو ذکر کرنا یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور مشبہ بہ کے یعنی نار کے لوازمات میں سے بجھ جانا ہے یہ استعارہ تخییلیہ ہے یہ استعارہ اس وقت ہے جب اطفاء بمعنی مفعول کے ہو یعنی بجھ جانا تو مطلب

یہ ہوا کہ صدقہ یہ گناہوں کو ایسے مٹا دیتا ہے جیسا کہ پانی آگ کو مٹا دیتا ہے اور بجھا دیتا ہے دوسرا مطلب صدقہ سے گناہ ایسے مٹ جاتے ہیں جیسے آگ پانی سے مٹ جاتی ہے اور بجھ جاتی ہے تشبیہ المعقول بالمحسوس اور شروع میں قلت پانی حذف محذوف ہے۔

(۳) صلوٰۃ الرجل فی جوف اللیل۔ تیسرا امر نماز ہے یہاں بھی نفل مراد ہیں یعنی تہجد کی نماز مراد ہے کوئی فرضی نماز مراد نہیں ہے کیونکہ فرضی نمازوں کا ذکر تو پہلے حصہ میں ہو چکا ہے۔

ترکیب (۱) صلوٰۃ الرجل فی جوف اللیل یہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے کذالک یعنی یہ بھی محوسئیات کا ذریعہ ہے۔ (۲) صلوٰۃ الرجل فی جوف اللیل اس کی خبر محذوف ہے من علامات الصلحاء او من شعار الصلحاء (۳) صلوٰۃ الرجل فی جوف اللیل یہ اس کی خبر محذوف ہے لایدرک کنھھا یعنی اس کی فضیلت احاطہ بیان سے باہر ہے ادراک سے باہر ہے اس کی ماہیئت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

تعلیم:۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کوئی مسلمان نوافل سے مستغنی نہیں ہو سکتا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ متممات مکملات فرائض میں سے ہیں اور کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے فرائض کو کما حقہ انجام دے دیا ہے۔ اس لئے صرف فرائض پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ جب حضرت معاذؓ جیسے صحابہؓ کو نفلوں کی ضرورت ہے تو پھر ہمیں تو بطریق اولیٰ ضرورت ہوگی۔

صلوٰۃ الرجل کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم (الآیۃ) یہ حدیث کے الفاظ ایسے ہیں جیسے ابواب الخیر۔ یعنی جس شخص نے ان امور ثلاثہ کو کر لیا گویا اس کے لئے خیر کے سارے دروازے کھل گئے۔ سبحان اللہ۔

یہاں ثم قال سے لے کر اگلے ثم قال تک حدیث کا تیسرا حصہ بیان ہو رہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کے شوق و ذوق اور جذبہ کو دیکھا تو شفقت فرماتے ہوئے مزید تین امور بیان فرمائے اور فرمایا الا ادلک براس الامرالخ کہ میں تجھے مزید تین امور نہ بتلاؤں کیا تجھے راس الدین اور عمود الدین اور ذروۃ سنام الدین کی طرف تیری رہنمائی نہ کروں تو حضرت معاذؓ نے فرمایا کیوں نہیں یا رسول اللہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راس الدین "الامر الراس اس میں راس سے مراد بنیاد اور الامر سے مراد دین ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے ایسی چیز پر دلالت نہ کروں جس کی حیثیت بمنزلہ سر کے ہے یعنی تمام بدن میں سے اگر سر ہوگا تو زندگی ہوگی اگر سر نہیں ہوگا تو زندگی بھی نہیں ہوگی اسی طرح ان امور ثلاثہ کی حیثیت بھی دین میں بمنزلہ سر کے ہے۔

ان امور ثلاثہ میں پہلا امر راس الدین ہے اسلام یعنی شہادتین اور عمود الدین صلوٰۃ ہے اقامت صلوٰۃ اور ذروہ سنام الجہاد ہے یعنی دین کی بلندی اور چمک دمک اور دین کی حفاظت دشمنوں سے کیسے ہوگی اس کی سر بلندی جہاد کے ذریعہ ہوگی الامر الاسلام میں الامر سے مراد دین ہے اور الاسلام سے مراد شہادتین ہے ذروۃ سنام اونٹ کی کوہان کی بلندی کو کہتے ہیں۔

قولہ ثم قال الا اخبرک الخ یہاں سے حدیث کے چوتھے حصہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کے شوق و ذوق اور طلب کو دیکھا تو مزید شفقت فرماتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے معاذ تجھے امور مذکورہ کی بنیاد یعنی ایسی چیز نہ بتلاؤں جس کو عمل میں لانے سے سارا دین قابو میں آ جائے یعنی سارے دین پر عمل کرنا آسان ہو جائے تو انہوں نے فرمایا کیوں نہیں یا رسول اللہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا۔ حفظ اللسان عما لا ینبغی زبان کی حفاظت کا اہتمام کہ کفر اور عدم کفر اس زبان کی وجہ سے ہے اس پر حضرت معاذؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کیا زبان پر مواخذہ ہوگا یعنی ہماری باتوں کی وجہ سے ہم پر مواخذہ ہوگا؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثکلتک امک یا معاذ۔ (گم پائے تجھ کو تیری ماں اے معاذ) تعجب کی بات ہے تجھے اتنا معلوم نہیں یہ سارے لوگ جہنم میں کیوں جائیں گے اسی زبان کی وجہ سے جائیں گے۔ چہروں کے بل اور اپنی ناکوں کے بل جہنم میں جائیں گے اس کا ذریعہ یہی زبان ہوگی۔ اگر کفر تک منجز (جاری ہونے والی) ہو تو ابدی طور پر اور اگر کفر تک منجز نہ ہو تو غیر ابدی طور پر جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بنے گی۔ (سارے اعضاء زبان کے سامنے درخواست کرتے ہیں کہ اے زبان اگر تو صحیح رہے گی تو ہم بھی صحیح رہیں گے یہ ہر روز درخواست کرتے ہیں۔ اور

علامہ غزالیؒ نے ۳۰ سے اوپر گناہ زبان کے کیمیائے سعادت احیاء العلوم میں گنوائے اوران میں سے ایک غیبت بھی ہے الغیبة اشد من الزنا۔

قوله حصائد حصيدة کی جمع ہے بمعنی محصود یعنی کٹی ہوئی کھیتی۔ یہ کلام استعارے پر مشتمل ہے کہ جس طرح کھیتی کاٹنے کے آلات مثلاً درانتی وہ تمیز نہیں کرتے کہ رطب ہے یا یابس ہے بالکل یہی حال زبان کا ہے جب انسان زبان کو آزاد چھوڑ دیتا ہے اور بے قابو چھوڑ دیتا ہے تو وہ بھی اچھی اور بری باتوں میں تمیز نہیں کرتا۔ باقی ثكلتك امك یہ بطور محاورہ کے ہے کوئی بددعا مقصود نہیں بلکہ مقام تعجب میں یہ محاورہ بولا جاتا ہے۔ وہ کشاں کشاں جہنم کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔

وَعَنْ اَبِی اُمَامَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰی
حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص محبت رکھے اللہ کیوجہ سے اور بغض رکھے واسطے اللہ کے اور دے واسطے اللہ
لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ عَنْ مُعَاذِبْنِ اَنَسٍ مَعَ تَقْدِيْمٍ
کے اور نہ دے واسطے اللہ کے پس پورا کیا اس نے اپنے ایمان کو (ابوداؤد وترمذی) اسی معاذ بن انسؓ سے روایت کیا ہے اور اس میں کچھ تقدیم
وَتَاْخِيْرٍ وَفِيْهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ اِيْمَانَهٗ.
وتاخیر ہے اور اس میں ہے پس اس نے اپنے ایمان کو کامل کیا۔

تشریح: الامر الاول: راوی ان صحابہ میں سے ہیں جو کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اوران کا نام صدی بن عجلان ہے اور کنیت الباہلی ہے کیونکہ یہ قبیلہ بنو باھلی کی طرف منسوب ہے۔

المصری الحمصی ۔حمص میں آخر عمر میں چلے گئے تھے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔

الامر الثانی:۔ مفہوم حدیث حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان امور مذکورہ میں اخلاص (پیدا کرنا) یہ تکمیل یعنی کمال ایمان کا ذریعہ ہے۔لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ ان امور مذکورہ میں اخلاص پیدا کرے اور وہ امور یہ ہیں (۱) حب اللہ یعنی اگر کسی سے محبت ہو تو اللہ کی محبت کی وجہ سے ہو۔ (۲) کافر سے نفرت اللہ کے بغض کی وجہ سے ہو۔ (۳) اعطاء اللہ اگر کسی کو کچھ دے رہا ہے اس سے مقصود بھی اللہ کی رضا ہو کوئی مفاد نہ ہو۔ (۴) منع عن الاعطاء اللہ۔ اگر کسی کو کچھ نہیں دے رہا وہ بھی اللہ کی رضا کے لئے ہو اگر اس کو پتہ ہے کہ میں اس کو پیسے دے دوں تو یہ عمل خاص میں چلا جائے گا یا مشروب خاص پئے گا تو اس کو نہ دے (یہ اللہ کے لئے نہیں دیا)

سوال۔ تمام امور میں اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے تو پھر ان امور اربعہ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ جواب یہ امور اربعہ ایسے ہیں کہ ان میں اخلاص پیدا کرنا انتہائی دشوار ہے پس جو ان میں اخلاص پیدا کر لیتا ہے اس کے لئے باقی امور میں اخلاص پیدا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

ورواه الترمذی عن معاذ ...... الخ۔ ایک فائدے کا بیان ہے کہ یہی روایت حضرت معاذ بن انسؓ سے مروی ہے لیکن اس میں کچھ تقدیم وتاخیر ہے اور اس میں (ای فی حدیث الترمذی مروی عن معاذ) کوئی زیادہ تفاوت نہیں۔ یہاں فقد استکمل الایمان میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور حدیث معاذ میں مضاف الیہ ضمیر ظاہر ہے معنی میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْحُبُّ فِی اللهِ وَ الْبُغْضُ
حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین عمل ہے دوستی رکھنا اللہ کی راہ میں اور دشمنی رکھنا
فِی اللهِ. (رواه ابوداؤد)
اللہ کی راہ میں۔

تشریح: الحب فی اللہ ای یدخل رضاء اللہ۔ حاصل حدیث حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے فرمایا ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ مکملات ایمان ہونے کے ساتھ ساتھ من جملہ افضل الاعمال میں سے ہیں لہذا ہر شخص اس کو ہر حال میں حاصل کرنے کی کوشش کرے ہر شخص کو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ علامہ ابن القیم فرماتے ہیں الاعزفي العالم الاخلاص عالم میں سب سے زیادہ عزیز اخلاص ہے۔

سوال: اس حدیث میں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کو افضل الاعمال بتلایا گیا حالانکہ دوسری نصوص سے دوسرے اعمال کو افضل الاعمال بتلایا گیا مثلاً طعام کو جہاد کو وغیرہما تو اس کا احادیث المتعلقہ بافضل الاعمال میں تعارض ہو گیا؟

جواب (۱)۔ جہاں بھی جس کو افضل العمل کیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ من جملہ افضل الاعمال میں سے ہے گویا افضل الاعمال ایک نوع ہے جس کے تحت سینکڑوں جزئیات داخل ہیں اور یہ اس کی جزئیات میں سے ایک جزئی ہے۔

جواب (۲) اوقات اور ازمنہ کے مختلف ہونے کے اعتبار سے مختلف اعمال کو افضل الاعمال فرمایا گیا۔ قحط کے موقع میں اطعام کو افضل الاعمال کہا گیا۔

جواب (۳) اشخاص اور سائلین کے مختلف ہونے کی اعتبار سے مختلف اعمال کو افضل الاعمال کہا گیا۔ مثلاً جس میں بخل کو دیکھا اس کے لئے اطعام کو افضل الاعمال بتلایا گیا اور جس میں تکبر کی بو کو دیکھا اس کے لئے ہدایت بالسلام کو افضل الاعمال بتلایا گیا کسی کے حق میں کوئی حکم افضل اور دوسرے کے حق میں دوسرا حکم افضل۔ ایک ہی چیز ایک شخص کے حق میں ایک حکم رکھتی ہے اور دوسرے کے حق میں دوسرا حکم۔ یا عابد الحرمین لو ابصرتنا کی قبیل میں سے ہے۔

یعنی اگر یہ عابد ہمیں دیکھ لیتے تو یہ اپنی عبادات کو ایسے سمجھتے جیسے یہ کھلونوں کے ساتھ کھیل رہے ہوں حالانکہ بیت اللہ میں عبادت کرنا کتنا افضل عمل ہے لیکن اس کے باوجود جہاد کو اس سے زیادہ فضیلت حاصل معلوم ہوتی ہے۔

لیکن علی الاطلاق ایمان کو فضیلت حاصل ہے افضل الاعمال ایمان ہے باقی سب اس کے تحت مندرج ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِن
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے
لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ
سلامت رہیں اور پورا مومن وہ ہے کہ امن میں رہیں لوگ اس سے اپنے خون اور اپنے مالوں پر ترمذی نسائی بیہقی نے شعب الایمان
الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَان بِرِوَايَةِ فُضَالَةَ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِيْ طَاعَةِ اللهِ وَالْمُهَاجِرُ
میں فضالہ سے روایت کیا ہے کہ کامل جہاد کرنے والا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مشقت میں ڈالا اللہ کی فرمانبرداری میں اور اصل ہجرت کرنے
مَنْ هَجَرَ الْخَطَايَا وَالذُّنُوْبَ.
والا وہ ہے جو چھوٹے اور بڑے گناہوں کو چھوڑ دے

تشریح: حاصل حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان کامل وہ شخص ہے جس میں کف عن الاذی والی صفت پائی جائے اور مومن کامل وہ شخص ہے جس سے لوگ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے متعلق بے خطر و بے خوف ہو جائیں۔ ان کے دلوں میں اپنے مالوں کے بارے میں ذرا بھی کھٹکا نہ رہے لہذا مومن کو چاہئے کہ وہ خیال کرے غور کرے کہ مجھ میں ماخذ اشتقاق پایا جاتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں پایا جاتا تو اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

سوال۔ اس حدیث کے پہلے جملے میں المسلم کا ذکر ہے اور دوسرے جملے میں المومن کا ذکر ہے تو بظاہر دونوں میں تغایر معلوم ہوتا ہے؟

جواب (۱)۔ ان میں مغایرت نہیں محض تفنن فی العبارت ہے۔ پہلے جملے میں سلامتی کا ذکر ہے اس کے مناسب المسلم کہا اور

دوسرے جملے میں امن کا ذکر ہے اس کے مناسب للمؤمن کا لفظ فرمایا۔

جواب (۲) نیز اسلام اور ایمان میں اسلام ادنیٰ ہے اور اسلام ایمان اقویٰ ہے اور سلامتی ادنیٰ درجہ ہے کہ اس میں بالفعل اگر چہ ایذاء نہیں ہوتی لیکن ایذاء کا وہم اور احتمال ہوتا ہے اور امن اقویٰ درجہ ہے کہ اس میں ایذاء کا وہم بھی نہیں ہوتا۔ تو ہر جملے کو اس کا حق دے دیا یعنی سلامتی کے ساتھ اسلام کو ذکر کیا جو کہ دونوں ادنیٰ ہیں اور امن کے ساتھ مومن کو ذکر کر دیا جو کہ دونوں اقویٰ ہیں۔

مختصر اشکالات اور ان کے جوابات لسانہ کیوں نہیں کہا قولہ کیوں نہیں کہا۔ جواب:۔ تا کہ عموم پیدا ہو جائے۔

سوال۔ اس حدیث میں مبتدأ اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور جب دونوں معرفہ ہوں تو حصر کا فائدہ دیتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان وہی ہے جس میں وصف مذکور پائی جائے جس میں وصف مذکور نہ پائی جائے وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں؟

جواب: یہاں مسلم سے کامل مسلمان مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے المال و الابل۔

سوال۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل ذمہ یعنی ذمی کو تکلیف دینا جائز ہے۔ جواب:۔ بلاد اسلامیہ میں چونکہ کثیر الوجود مسلمان ہیں اس لئے ان کا ذکر کر دیا اس میں کوئی تخصیص مراد نہیں۔

سوال: کیا عورتوں کو ایذا پہنچانا جائز ہے؟ جواب۔ نہیں احکام مشترکہ میں عورتیں طبعاً مردوں میں داخل ہو جاتی ہیں۔ سوال: کیا ایذاء بالرجل جائز ہے۔ جواب۔ نہیں یہاں ذات مراد ہے۔ ذکر الجزء ارادالکل یعنی جزء کو ذکر کر کے کل مراد لیا ہے۔ ید اور لسان کی تخصیص اس لئے کی کہ ان سے اکثر افعال کا صدور ہوتا ہے۔ سوال:۔ لسان کا ذکر مقدم کیوں کیا؟ جواب: اسھل وجوداً اکثر وجوداً اور اشد تاثیراً ہونیکی وجہ سے مقدم ذکر کیا یعنی زبان کے ایذاء کی تاثیر دوسرے اعضاء کی ایذاء سے اشد ہے اس لئے اسکو مقدم ذکر کیا۔ جیسا کہ شاعرہ کا مشہور شعر ہے جو کہ ہدایت النحو میں پڑھ چکے ہو۔

سوال: ایذائے ید اور ایذائے لسانی میں کیا فرق ہے؟ جواب۔ متعلق کے لحاظ سے فرق ہے ایذائے ید کا متعلق خاص ہے یعنی حاضرین اور ایذائے لسانی کا متعلق عام ہے موجود ین ہوں مستقبلین ہوں۔ سوال۔ اجرائے حدود اور تعزیر یہ بھی تو ایذاء ہے۔ جواب۔ یہ تو بمنزلہ دوا کے ہیں۔ (۲) یا یہ اس سے بالاجماع مستثنیٰ ہیں۔

قولہ و المجاھد من جاھد الخ۔ ایک فائدے کا بیان کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس کو فضالہ سے روایت کیا ہے اور اس میں کچھ اضافہ ہے۔

و المجاھد الخ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجاہد حقیقی وہ شخص ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے یعنی اللہ کے احکامات کو بجالائے۔ اس لئے کہ جہاد اکبر یہی ہے کہ اپنے نفس سے اللہ کی اطاعت میں جہاد کیا جائے۔

و المھاجر...... الخ مہاجر حقیقی وہ ہے جو ہجرت کاملہ اختیار کرے یعنی منہیات الٰہیہ کو چھوڑ دے۔ سوال:۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود کیا ہے۔ جواب (۱) دفع عجب مقصود ہے کہ اے صحابہ صرف ہجرت ظاہرہ کافی نہیں بلکہ ہجرت باطنہ بھی ضروری ہے۔ جواب (۲)۔ جو فتح مکہ سے پہلے ہجرت نہیں کر سکے ان کو تسلی دے رہے ہیں کہ اگر تم ہجرت ظاہرہ نہیں کر سکے تو تمہارے لئے ہجرت باطنہ ہے تم اس کو اختیار کرو۔

قولہ خطایا خطیئۃ کی جمع ہے بمعنی چھوٹا گناہ اور ذنوب ذنب کی جمع ہے بمعنی بڑے گناہ صغائر و کبائر دونوں سے ہجرت ضروری ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّاقَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کم خطبہ دیتے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر اس میں فرماتے اس شخص کا ایمان کامل نہیں جس کے واسطے امانت نہیں
وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ.
اور اس شخص کا پورا دین نہیں جس کا عہد نہیں۔ (بیہقی نے شعب الایمان میں اسے روایت کیا ہے)

تشریح: حاصل حدیث امانت اور ایفائے عہد مکملات ایمان اور مکملات دین میں سے ہیں۔ لہذا امانت داری والی وصف

اور ایفائے عہد والی وصف کو ہر شخص کو حاصل کرنی چاہئے ان کی نقیضوں کو چھوڑنے سے یہ وصف حاصل ہوں گی۔ خیانت اور وعدہ شکنی اس کا مدار معنے پر ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ نفس ایمان کی نفی ہے یا ایمان کامل کی نفی ہے۔

جواب۔ امانت کے دو معنی ہیں (۱) امانت متعارفہ۔ حفظ اموال الناس. حفظ المجالس (۲) امانت غیر متعارفہ تکلیف شرعی احکام شرعیہ کا مکلف ہونا انا عرضنا الامانة الخ اسی طرح نفس دین کی نفی ہے یا کامل دین کی نفی ہے اس کا مدار بھی معنے پر ہے۔

قوله، ولا دین لمن لا عهد له ایفائے عہد کے دو معنے ہیں۔ (۱) ایفائے عہد متعارف فیما بین الناس (۲) عہد ربوبیت جس کی طرف الست بربکم سے اشارہ کیا ہے الخ اگر امانت سے مراد امانت شعارلہ اور عہد سے مراد عہد متعارفہ ہو تو کمال ایمان کی نفی ہے اور کمال دین کی نفی ہے اور اگر امانت وعہد سے مراد غیر متعارفہ ہو تو پھر نفس ایمان ونفس دین کی نفی ہوتی ہے باقی رہی یہ بات کہ معتزلہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ خارج عن الایمان ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ہر ایک کے دو معنے ہیں بالمعنی الاول کے اعتبار سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ یہاں کامل ایمان کی نفی ہے۔

قلما بمعنی ما کے ہے قلت کے دو معنی ہیں (۱) قلت بمعنی کمی (۲) قلت بمعنی نفی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ
حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو شخص گواہی دے کہ
لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (رواه صحيح مسلم)
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ حرام کر دی ہے۔

تشریح: حاصل حدیث جس شخص میں اقرار توحید اور اقرار رسالت پایا جائے تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہو جاتی ہے یہاں پر تحریم الخلود في النار مراد ہے۔ سوال۔ بظاہر منافق موحد کا جہنم میں نہ جانا احادیث شفاعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ جواب (۱) یہ فرائض کے نزول کے قبل کا واقعہ ہے۔ جواب (۲) شہادتین بجمیع حقوقہا مراد ہیں۔ جواب (۳) تحریم الخلود فی النار مراد ہے۔ تحریم الدخول فی النار مراد نہیں۔ جواب (۴) نار سے مراد کفار کا طبقہ مراد ہے۔ جواب (۵) اس کا مصداق وہ شخص ہے جس کو شہادتین کے بعد اعمال کا موقعہ ہی نہ ملا ہو۔

وَعَنْ عُثْمَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
حضرت عثمانؓ بن عفان سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی مرے اور وہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
دَخَلَ الْجَنَّةَ. (صحيح مسلم)
جنت میں داخل ہوگا۔

راوی کے حالات آپ کی کنیت ابو عبداللہ یا ابو عمر ہے اصحاب فیل کے واقعہ کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ شروع زمانے ہی میں اسلام لے آئے تھے۔ آپ حکماً بدری ہیں کیونکہ غزوۂ بدر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ جو حضرت عثمانؓ کے عقد نکاح میں تھیں وہ بیمار تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکماً آپ کو تیمارداری کے لئے چھوڑ دیا اور پھر آپ کو ثواب سے نیز مال غنیمت سے حصہ ملا ذوالنورین آپ کا لقب ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رقیہؓ وام کلثومؓ یکے بعد دیگرے آپ کے حق زوجیت میں آئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری صاحبزادی کی وفات کے بعد فرمایا کہ اگر میری تیسری لڑکی ہوتی تو میں وہ بھی عثمانؓ کے نکاح میں دے دیتا۔ آپ صائم الدهر قائم الليل تھے۔ عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہیں۔ محرم ۲۴ھ میں خلیفہ بنے اور ۱۷ یا ۱۸

ذی الحجہ ۳۵ھ میں بروز جمعۃ المبارک ۸۲ سال کی عمر میں شہید ہوئے اور ہفتہ کی رات کو جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی کل مدت خلافت ۱۲ دن کم ۱۲ سال ہے۔ آپ سے کل ۱۴۶ احادیث مروی ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث جس شخص کی وفات عقیدہ توحید پر ہو وہ ناجی ہے۔ وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔

سوال۔ جہنم سے نجات پانے کیلئے صرف کلمہ توحید کی معرفت کافی نہیں۔ اس لئے کہ معرفت تو کافروں کو بھی حاصل تھی تو پھر انکو بھی ناجی کہنا چاہئے حالانکہ بالاجماع مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔ جواب۔ علم سے مراد مطلق معرفت نہیں بلکہ الاعتقاد الجازم الراسخ المطابق للواقع مراد ہے۔

سوال۔ ناجی ہونے کیلئے تو صرف توحید کافی نہیں بلکہ اقرار لسانی بھی ضروری ہے۔ جواب (۱) عدم ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں ہے۔ یعنی اقرار لسانی کو یہاں ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اقرار لسانی ضروری نہ ہو۔

جواب (۲)۔ ذکر الجزء ارادالکل کی قبیل سے ہے۔ اقرار توحید اقرار رسالت کو مستلزم ہے اس لئے کہ عقیدہ توحید وہی معتبر ہوگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق ہوگا۔ اور جو تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوگا وہ اقرار رسالت کو مستلزم ہے۔

جواب (۳)۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جس سے اقرار لسانی کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو۔

جواب (۴)۔ اس کا مصداق وہ شخص ہے جس کو اقرار پر قدرت حاصل نہ ہو۔ سوال۔ کیا دخول جنت کیلئے اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں؟ جواب۔ دخول سے مراد مطلق دخول ہے خواہ ابتداءً ہو یا انتہاءً۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثِنْتَانِ مُوْجِبَتَانِ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو چیزیں ہیں جو جنت اور دوزخ کو واجب کر دیتی ہیں ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول
مَاالْمُوْجِبَتَانِ قَالَ مَنْ مَّاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَمَنْ مَّاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا
دو چیزیں واجب کرنیوالی کونسی ہیں فرمایا جو شخص مر گیا اللہ کیساتھ شرک کرتے ہوئے آگ میں داخل ہوگا اور جو شخص مرے اس حال میں کہ اللہ سے
دَخَلَ الْجَنَّةَ. (صحيح مسلم)
شرک نہ کرتا ہو تو جنت میں داخل ہوگا۔

تشریح: الامر الاول:۔ راوی کے حالات آپ کی کنیت ابوعبداللہ انصاری ہے والد کا نام بھی عبداللہ ہے۔ مدینہ طیبہ کے باشندے ہیں مشاہیر صحابہ اور کثیر الروایۃ صحابہ میں سے ہیں غزوۂ بدر اور اس کے علاوہ اٹھارہ غزوات میں شریک ہوئے اخیر عمر میں نابینا ہو گئے۔ ۷۴ ہجری میں بزمانہ عبدالملک بن مروان بعمر ۹۴ سال وفات پائی۔ آپ سے خلق کثیر نے روایت حدیث کی ہے۔

حاصل حدیث:۔ دو خصلتیں موجب ہیں خصلتان موجبتان۔ پہلی خصلت وفات علی الشرک باللہ۔ حالت شرک میں وفات یہ موجب ہے جہنم کے دخول کے لئے علی التابید۔ دوسری خصلت:۔ عقیدہ توحید پر وفات یہ موجب ہے دخول جنت کے لئے خواہ دخول اولی ہو یا انتہائی ہو۔ باقی سوال و جواب کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ جواب:۔ تاکہ طلب علی وجہ المبالغہ حاصل ہو جائے نیز جو چیز طلب کے بعد حاصل ہوئی ہے وہ اوقع فی الذہن ہو جاتی ہے۔ وہ راسخ فی الذہن ہو جاتی ہے۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ ابوبکرؓ و عمرؓ بھی جماعت میں تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
فِىْ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ اَظْهُرِنَا فَاَبْطَاَ عَلَيْنَا وَخَشِيْنَا اَنْ يُّقْتَطَعَ
ہمارے درمیان سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر دیر لگا دی تو ہم ڈرے کہ کہیں ہماری عدم موجودگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو

دُوْنَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَافَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ اَبْتَغِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کوئی تکلیف نہ پہنچائے یہ خیال آتے ہی ہم گھبرائے اور اٹھ کھڑے ہوئے میں سب سے پہلے گھر آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے

حَتّٰى اَتَيْتُ حَائِطًا لِّلْاَنْصَارِ لِبَنِى النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِهٖ هَلْ اَجِدُ لَهٗ بَابًا فَلَمْ اَجِدْ فَاِذَا رَبِيْعٌ يَدْخُلُ

کیلئے نکلا یہاں تک کہ میں باغ کے پاس آیا جو بنو نجار انصار کا تھا۔ میں اسکے گرد پھرا کہ اس کا دروازہ پاؤں میں نے اس کا دروازہ نہ پایا۔ ناگہاں

فِىْ جَوْفِ حَائِطٍ مِّنْ بِئْرٍ خَارِجَةٍ وَّالرَّبِيْعُ الْجَدْوَلُ قَالَ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ

ایک نالی باہر کے ایک کنوئیں سے باغ کے اندر داخل ہوتی تھی۔ ربیع کا معنی جدول ہے ابو ہریرہؓ نے کہا میں سمٹ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَؓ فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا

کے پاس داخل ہوا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو تو ابو ہریرہؓ ہے میں نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول فرمایا تیرا کیا حال ہے میں نے کہا

شَانُكَ قُلْتُ كُنْتَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَاَبْطَاْتَ عَلَيْنَا فَخَشِيْنَا اَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر دیر لگا دی ہم ڈرے کہ

اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَاَتَيْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَهٰؤُلَاۤءِ النَّاسُ وَرَآئِىْ فَقَالَ

ہمارے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایذا پہنچائے جائیں ہم گھبرائے میں لوگوں میں سب سے پہلے گھبرایا میں اس باغ کے پاس آیا میں سمٹا جس

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَعْطَانِىْ نَعْلَيْهِ فَقَالَ اذْهَبْ بِنَعْلَىَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَّقِيَكَ مِنْ وَّرَآءِ هٰذَ الْحَائِطِ يَشْهَدُ

طرح لومڑی سمٹتی ہے لوگ میرے پیچھے آرہے تھے پس فرمایا اے ابو ہریرہؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں جوتیاں دیں اور فرمایا یہ میری

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ اَوَّلُ مَنْ لَّقِيْتُ عُمَرَ فَقَالَ مَا هَاتَانِ

دونوں جوتیاں لے جاؤ اس باغ کے باہر تجھے جو شخص ملے جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس حال میں کہ اس کا دل یقین رکھتا ہو۔

النَّعْلَانِ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِىْ بِهِمَا مَنْ لَّقِيْتُ

اس کو جنت کی بشارت دو۔ سب سے پہلے جسے میں ملا عمرؓ تھے کہا اے ابو ہریرہؓ یہ دونوں جوتیاں کیسی ہیں میں نے کہا یہ دونوں جوتیاں رسول اللہ

يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشَّرْتُهٗ بِالْجَنَّةِ فَضَرَبَ عُمَرُ بَيْنَ ثَدْيَىَّ فَخَرَرْتُ

صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکر بھیجا ہے کہ جس شخص کو میں ملوں جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

لِاِسْتِىْ فَقَالَ ارْجِعْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْهَشْتُ

اس کا دل یقین رکھتا ہوں میں اسے جنت کی بشارت دوں عمرؓ نے میری چھاتی کے درمیان مارا میں پشت کے بل گر پڑا پس کہا اے ابو ہریرہ واپس

بِالْبُكَآءِ وَرَكِبَنِىْ عُمَرُ وَاِذَا هُوَ عَلٰى اَثَرِىْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَكَ يَا

لوٹ جا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور رونے کے ساتھ اپنی آواز بلند کی عمر بھی میرے پیچھے چلے آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَبَاهُرَيْرَةَ قُلْتُ لَقِيْتُ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهٗ بِالَّذِىْ بَعَثْتَنِىْ بِهٖ فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَىَّ ضَرْبَةً خَرَرْتُ لِاِسْتِىْ

تجھے کیا ہے میں نے کہا میں عمر کو ملا تھا میں نے اسے اس بات کی خبر دی جس کے ساتھ آپ نے مجھے بھیجا ہے اس نے میری چھاتی کے درمیان مارا میں

فَقَالَ ارْجِعْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عُمَرُ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا فَعَلْتَ قَالَ
پشت کے بل گر پڑا اور کہا لوٹ جا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ تجھے کس بات نے اکسایا جو کچھ تو نے کیا ہے کہا اے اللہ کے رسول
يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ بَعَثْتَ اَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَّقِيَ يَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
صلی اللہ علیہ وسلم میرا ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں جوتیاں دے کر ابو ہریرہؓ کو بھیجا تھا کہ جس
مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَاِنِّيْ اَخْشٰى اَنْ يَّتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا
شخص کو ملے جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا دل اس بات کے ساتھ یقین رکھتا ہوا سے جنت کی بشارت دے آپ نے فرمایا ہاں عمرؓ
فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَلِّهِمْ ۔ (صحيح مسلم)
نے کہا آپ ایسا نہ کریں میں ڈرتا ہوں کہ لوگ بھروسہ کریں گے پس انہیں چھوڑ دیجئے کہ عمل کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس چھوڑ دے ان کو

تشریح: اس حدیث پاک کا عنوان حدیث اعطاء النعلین ہے کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک دینے کا تذکرہ ہے اسی وجہ سے اس کا نام حدیث اعطاء النعلین رکھ دیا۔

حاصل حدیث:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم صحابہ کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھی جن میں ابو بکرؓ و عمرؓ بھی موجود تھے۔ اسی اثناء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھ کر باہر تشریف لے گئے۔ واپس آنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیر ہوگئی تو صحابہ گھبرا گئے اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ گھبرانے والوں میں پہلا میں تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن نے موقعہ پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرر اور تکلیف نہ پہنچا دی ہو جس کی وجہ سے وہ واپس آنے میں دیر کر رہے ہیں الغرض ہم صحابہ تلاش میں نکلے تو ہم تلاش کرتے کرتے میں بنو نجار کے ایک باغ میں پہنچا اور میں نے باغ کے ارد گرد چکر لگایا لیکن مجھے دروازہ نہ ملا اچانک میں نے دیکھا کہ ایک نالی ہے چھوٹی سی وہ باغ کے اندر جا رہی ہے میں نے اپنے آپ کو لومڑی کی طرح سکیڑا اور نالی کے ذریعہ باغ میں داخل ہو گیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے انہوں نے فرمایا تم ابو ہریرہ ہو تم کہاں سے آئے حالانکہ دروازے تو سارے معلق ہیں تو میں نے کہا جی ہاں میں ابو ہریرہؓ ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا حال ہے تمہارا تم کیسے یہاں پہنچ گئے ہو اس پر حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سارا قصہ سنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اٹھ کر چلے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس آنے میں دیر کی تو صحابہ گھبرا گئے کہ آپ کو کسی نے تکلیف نہ دے دی ہو اور گھبرانے والوں میں سب سے اول میں تھا تو میں اس باغ کے پاس آیا اور میں نے اپنے آپ کو سکیڑا اور میرے سکیڑنے کی کیفیت ایسے تھی جیسے لومڑی اپنے آپ کو سکیڑتی ہے تو میں نالی کے ذریعہ اندر آ گیا اور باقی صحابہ بھی میرے پیچھے تھے اس پر حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے دونوں جوتے مبارک عطا کئے اور فرمایا کہ جاؤ میرے یہ جوتے لے جاؤ اور اس دیوار کے باہر جو شخص آپ کو ملے جس شخص سے بھی آپ کی ملاقات ہو اور اقرار توحید کرتا ہو تو اس کو جنت کی بشارت دے دینا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں باہر نکلا تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ مجھے ملے۔ پہلی ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوئی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ جوتے کس کے ہیں؟ تو حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک ہیں اور یہ دے کر مجھ کو رسول اللہ نے بھیجا ہے اور یہ فرمایا کہ جس سے میں ملوں اور وہ اقرار توحید کرتا ہو تو اس کو جنت کی بشارت دوں۔ تو اس پر حضرت عمرؓ نے میرے سینے کے درمیان اور میری چھاتی کے درمیان ایک گھونسہ مارا جس کی وجہ سے میں گر پڑا۔ اور عمرؓ نے فرمایا کہ جاؤ واپس لوٹ جاؤ اے ابو ہریرہؓ میں نے کچھ ہاں نہ کی۔ تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

واپس لوٹ آیا اور میری شکل وصورت رونے والی تھی جیسے بچہ جب ماں کے سامنے جاتا ہے جوں ہی قریب پہنچتا ہے رونے لگ جاتا ہے (اس کو کسی نے مارا ہو تو) تو ایسے ہی میں بھی رو رہا تھا۔ اور حضرت عمرؓ بھی میرے پیچھے پیچھے آ رہے تھے اور مجھے ڈر بھی لگ رہا تھا کہ کہیں اور سزا نہ دیں۔ اس حالت میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مالک یا ابو ہریرہ اے ابو ہریرہ تجھے کیا ہو گیا ہے تو میں نے کہا میں جب یہاں سے نکلا تو حضرت عمرؓ مجھ سے ملے تو میں نے آپ کا پیغام دیا تو انہوں نے مجھے مارا میں زمین پر گر پڑا اور انہوں نے کہا واپس جا۔ پورا قصہ سنایا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ پر متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے عمر تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں کیا آپ نے حضرت ابو ہریرہ کو نعلین مبارک دے کر بھیجا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ ایسا نہ کریں کیونکہ لوگ اس بشارت کو سن کر اس پر اکتفا کر لیں گے اور اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ فی الحال ان کو اسی حالت پر رہنے دیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے اور حضرت عمرؓ کی موافقت کی اور فرمایا کہ رہنے دو۔ اور لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔

قوله کنا قعوداً سوال۔ کنا میں نا ذات ہے اور قعوداً مصدر ہے اور مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں ہوتا تو یہاں کیسے حمل کر دیا؟

جواب (۱)۔ قعود مصدری معنی میں نہیں ہے بلکہ **قاعدین** اسم فاعل کے معنی میں ہے اور اسم فاعل دال علی الذات مع الوصف ہوتا ہے لہذا اس کی وجہ سے حمل صحیح ہے۔

جواب (۲)۔ یہ حمل علی وجہ المبالغہ ہے جیسے زید عدل کو۔

جواب (۳)۔ یہ قاعد کی جمع ہے مصدر ہے ہی نہیں لیکن اس کو پسند نہیں کیا گیا۔

جواب (۴)۔ یہاں مضاف محذوف ہے ذو۔ اصل۔ عبارت یوں ہے **کنا قعود**۔ ہم قعود والے تھے۔

قوله، حول رسول الله۔ سوال۔ اس طرح بیٹھنے کی کیفیت کی حکمت کیا ہے؟ **جواب**۔ طالبین کو حلقہ بنا کر بیٹھنا چاہئے جیسا کہ **ومعنا ابوبکرؓ و عمرؓ**۔ سوال۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ذکر کرنے کی کیا خاصیت ہے؟ **جواب**:۔ ان کی عظمت اور فضیلت کو بتلانا مقصود ہے اور فضیلت اسی ترتیب سے جو ذکر کی گئی ہے تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں بھی یہ افضل سمجھے جاتے تھے۔ تمام صحابہ میں ممتاز ذا فضیلت اور ذا عظمت والے ہیں۔ سوال۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجلس سے اٹھ کر جانے کی کیا حکمت تھی۔ **جواب**۔ طبیعت کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں طبیعت کبھی جلوت کو چاہتی ہے اور کبھی خلوت کو چاہتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مقتضی خلوت کے پائے جانے کی وجہ سے آپ مجلس جلوت کو چھوڑ کر خلوت میں چلے گئے۔

فائدہ: اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر استاذ کو دیر ہو جائے تو انتظار کرنا چاہئے۔ مسترشدین کو انتظار کرنا پڑ جائے تو وہ انتظار کریں۔

سوال: حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی کیفیت بتلانے سے مقصود کیا تھا؟

جواب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے کمال تعلق کو بتلانا مقصود ہے کہ تھوڑی سی جدائی کی وجہ سے سب گھبرا گئے۔

خشیت اور فزع میں فرق۔ اس میں دو قول ہیں۔

قول اول۔ فزع کا ذکر خشیت کے لئے تاکید ہے **قول ثانی**۔ خشیت کا تعلق اس خوف کے ساتھ جس کا اثر ہمارے تک پہنچے اور فزع کا تعلق اس خوف کے ساتھ جو ظاہر سے ہو مطلب ہم ظاہراً بھی پریشان ہوئے اور باطناً بھی پریشان ہوئے ہمارے خوف کا اثر ظاہر و باطن دونوں سے تھا۔

قوله، فکنت اول سوال:۔ حضرت ابو ہریرہ کو کیسے پتہ چل گیا کہ میں اول گھبرانے والا ہوں کیا عالم الغیب تھے؟ **جواب**:۔ اپنے

(۱)حائطا الخ ایسے باغ کو کہتے ہیں جس کے اردگرد چاردیواری ہو سقف بدل ہے انصار مبدل منہ ہے۔اور منصوب ہے النجار یہ بدل ہے فلم اجد ای لم اجد باباً مفتوحاً۔یا معنی یہ ہے کہ سرے سے دروازہ ہی نہیں ملا۔جس کا محبوب گم ہو جائے اس کے لئے سارا جہان تاریک ہو جاتا ہے اس لئے شدت تحیر کی وجہ سے موجود شدہ دروازے بھی نہ ملے۔

من بئر خارجة. اس کو تلفظ ضبط کرنے کے تین طریقے ہیں۔(۱)بئر خارجة۔موصوف صفت۔یعنی وہ نالی ایسے کنویں سے آرہی تھی جو کنواں باغ سے باہر تھا۔(۲)۔من بئر خارجةٍ اضافت الی الضمیر۔یعنی نالی ایسے کنویں سے تھی جو کنواں اس باغ سے باہر تھا۔(۳)۔بغیر تنوین اضافت کے ساتھ من بئر خارجةاس صورت میں خارجہ یہ اسم رجل ہوگا معنی یہ ہوگا کہ وہ نالی خارجہ نامی شخص کے کنویں سے آرہی تھی۔پہلا معنی اور ترکیب راجح ہے۔

قوله الربیع الجدول یہ راوی کے نچلے راوی ہیں ان کی کلام ہے۔ربیع کا معنی چھوٹی نالی۔

فقال ابو هریره۔ ابو ہریرہ خبر ہے مبتدا محذوف کی ای انت ابو هریره اور قال کا فاعل ہو ضمیر مستتر راجع بسوئے الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔اور انت ابو ہریرہ یہ مبتدا خبر مل کر جملہ مقولہ ہے قال کا۔

سوال:۔ حضرت ابو ہریرہ تو جانے پہچانے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیوں کیا؟ **جواب (۱)** تعجب کی بناء پر کہ باغ میں داخل ہونے کے دروازے تو مسدود تھے تم کہاں سے آ گئے۔

جواب (۲)۔اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم من وغیب تھے اور ایسی حالت میں جانے پہچانے شخص سے بھی ذھول کا ہو جانا کوئی مستبعد نہیں۔

سوال۔ منعلین مبارک کا اعطاء کیوں ہوا؟

جواب (۱) اس کی ایک توجیہ ملا علی قاری نے کی ہے اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجلی طوری کا ظہور ہو رہا تھا مقام مقام ادب تھا نعلین کا اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دیئے۔

جواب (۲)۔نعلین مبارک اس لئے دی تا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی بات پر لوگوں کو اعتماد ہو جائے اور اس بات پر کہ حضرت ابو ہریرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے آرہے ہیں اور پریشانی دور ہو جائے۔

سوال۔ اگر اعتماد ہی مقصود تھا تو کوئی اور چیز دے دیتے نعلین دینے میں تخصیص کیوں کی؟ **جواب** ہو سکتا ہے کوئی اور چیز اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہو۔علامہ طیبی نے اور وجوہ بھی ذکر کی ہیں۔

پہلی وجہ:۔نعلین کا تعلق قدم کے ساتھ ہے۔جس سے اشارہ ہے ثابت قدمی کی طرف۔یعنی وہ ثابت قدم رہو۔

دوسری وجہ:۔ یہ بیان کی قدم کے ساتھ نعلین کا تعلق ہے اور قدم اور قدوم دونوں کا مادہ ایک ہے۔مطلب یہ اس بشارت کا سبب تمہارا آنا بنا ہے لیکن صاحب مرقاۃ ملا علی قاری نے ان توجیہات کو پسند نہیں فرمایا۔ان میں سے پہلی وجہ راجح ہے۔

سوال: اس خاص موقعہ پر حضرت ابو ہریرہؓ کو بشارت بالجنۃ کا پیغام دے کر بھیجنے میں کیا حکمت تھی؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی کہ صحابہ پریشان ہیں تو ان کی پریشانی کا علاج بشارت سے کیا۔اس لئے آپ نے بشارت باطنہ دی یا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت پر شفیق تھے جب خلوۃ میں تھے تو شفقت کا اضافہ ہوا تو شفقت کا ثمرہ یہ ہوا کہ بشارت بالجنۃ کا پیغام سنا دیا۔

سوال۔ حضرت ابو ہریرہ کو کیسے پتہ چلے گا کہ گواہی صدق دل سے دے رہا ہے۔اس کو یہ خوشخبری سنائیں۔

جواب۔ اس سے مراد جو شخص متصف بوصف مذکور ہو یعنی شہادتین کا اقرار کرے اس کے حق میں خوشخبری ہے۔

الغرض حضرت عمرؓ نے نعلین کے لانے کا منشاء پوچھا تو انہوں نے بتلایا۔اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس جاؤ۔انہوں نے انکار کیا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانوں یا آپ کی مانوں تو اس پر حضرت عمرؓ نے مار دیا۔

سوال۔ حضرت ابو ہریرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ تھے ان کو مارنا یہ بظاہر بشارت بالجنۃ کے پیغام سے روکنا ہے بظاہر حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے امر کورد کرنا ہے جو کہ حضرت عمرؓ کی شان کے خلاف ہے۔ (اہل باطل اور روافض کی طرف سے حضرت عمرؓ پر مطاعن قائم کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ کو مارا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے)

جواب۔ حضرت عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی فراست کی بناء پر سمجھ لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت متوجہ بعالم غیب تھے۔ لہٰذا اس بات کی ضرورت تھی کہ مناسب ہے دوبارہ مراجعت کی جائے اور بشارت بالجنۃ کے بارے میں دوبارہ پوچھا جائے۔ کیونکہ اگر لوگ سن لیں گے تو اعمال صالحہ کو ترک کردیں گے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ کسی شاگرد کو استاذ کی طرف دوبارہ بھیجنا استفسار کے لئے ہے کہ جاؤ دوبارہ پوچھ کر آؤ کوئی توہین نہیں ہے اور استاذ کا رد بھی نہیں ہے جس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موافقت فرمائی۔ باقی حضرت عمرؓ کا مارنا یہ بھی قصداً نہیں تھا حضرت ابوہریرہ اصحاب صفہ میں سے تھے کمزور لاغر ہوں گے نیز خوشی خوشی میں تیز دوڑے آرہے ہوں گے محض تھوڑا سا ہاتھ لگنے کی وجہ سے گر گئے ہوں گے اور ایسا کمزور شخص ایک معمولی سی رکاوٹ کی وجہ سے گر جاتا ہے۔ جس کا بڑا قرینہ یہ ہے کہ ان کا مارنا موجب قصاص نہیں بنا اور اس کی وجہ سے بدلہ بھی نہیں لیا گیا۔ سوال: کیا حضرت عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لوگوں کے احوال کو جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رائے کے مطابق فرمایا کہ **فخلھم** (پس چھوڑ دے ان کو)

جواب: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت استغراق کی حالت میں تھے یہی وجہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ پوچھا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت بالجنۃ کا حکم موقوف کردیا خود ان کی اپنی رائے بدلنے کی وجہ سے رائے کیوں بدل گئی؟ کیونکہ پہلی جیسی کیفیت نہ رہی تھی۔ اس لئے اپنی رائے بدل گئی حضرت عمرؓ کے کہنے کی وجہ سے بشارت بالجنۃ کے پیغام کو موقوف نہیں کیا۔

فخلھم یعملون. سوال: یہ جواب امر ہے اور جواب امر مجزوم ہوتا ہے جس کی علامت نون اعرابی کا گر جانا ہے یہاں پر نہیں گرا۔

جواب اصل میں عبارت یوں ہے۔ **فخلھم ھم یعملون**۔ پورا جملہ اسمیہ مل کر امر کا جواب ہے۔

تنھا یعملون جواب امر نہیں کہ مجزوم ہونے کا اشکال ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ قَالَ لِی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَفَاتِیْحُ الْجَنَّۃِ شَھَادَۃُ اَنْ لَا
حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت کی کنجیاں اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے
اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ. (رواہ مسند احمد بن حنبل)
سوا کوئی معبود نہیں۔

تشریح: حاصل حدیث حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ توحید کا اقرار مفتاح الجنۃ ہے۔

سوال:۔ توحید کا اقرار یہ تو مفتاح واحد ہے نہ کہ مفاتیح تو پھر جمع کا صیغہ کیوں لائے؟

جواب (۱) کثرت افراد کا اعتبار کرتے ہوئے جمع کا صیغہ لائے کیونکہ گواہی دینے والے عقیدہ توحید رکھنے والے زیادہ ہیں اور ہر ایک کا عقیدہ توحید مفتاح ہے ہر ایک کے حق میں مفتاح ہے۔ ان کا اعتبار کرتے ہوئے جمع کا صیغہ لائے۔

جواب (۲)۔ چونکہ جنت کے دروازے متعدد ہیں اس لئے جمع کا صیغہ لائے کیونکہ ہر ایک کے لئے الگ الگ مفتاح ہے۔

سوال۔ مبتداء بصیغہ جمع ہے (مفاتیح) اور خبر مفرد ہے (شھادۃ) تو مبتدا اور خبر کے درمیان مطابقت نہیں؟

جواب۔ مطابقت وہاں ضروری ہوتی ہے جہاں خبر مصدر نہ ہو اور یہاں خبر مصدر ہے۔

سوال:۔ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ فقط توحید کا اقرار مفتاح الجنۃ ہے بلکہ اقرار لسانی بھی ہے؟ جواب۔ **ذکر الجزء ارادۃ الکل**۔ عقیدہ توحید وہ معتبر ہوگا کیونکہ عقیدہ توحید جزء ہے اور اقرار لسانی کل ہے اور جزء بول کر کل مراد لیا ہے۔

سوال:۔ کیا اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں؟

جواب۔ مفتاح میں تعمیم ہے خواہ ابتداء ہو یا انتہاء۔ اگر اعمال صالحہ کے ساتھ ہوگا تو ابتداء اور اگر اعمال صالحہ نہیں تو انتہاء ہوگا۔

وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ

عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہؓ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غم کیا یہاں تک

حَزِنُوْا عَلَيْهِ حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ قَالَ عُثْمَانُ وَكُنْتُ بَعْضَهُمْ فَبَيْنَا اَنَا جَالِسٌ مَرَّ عَلَيَّ

کہ قریب تھا کہ بعض ساوس میں مبتلا ہو جائیں۔ عثمانؓ نے کہا میں بھی ان میں تھا۔ میں ایک مرتبہ بیٹھا ہوا تھا حضرت عمرؓ میرے پاس سے گزرے اور

عُمَرُ وَسَلَّمَ فَلَمْ اَشْعُرْ بِهٖ فَاشْتَكٰى عُمَرُ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ ثُمَّ اَقْبَلَا حَتّٰى سَلَّمَا عَلَيَّ جَمِيْعًا فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ

سلام کہا مجھے پتہ نہ چلا۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کی شکایت حضرت ابوبکرؓ سے کی پھر وہ دونوں میرے پاس آئے اور دونوں نے اکٹھا مجھے سلام کہا۔

مَا حَمَلَكَ عَلٰى اَنْ لَا تَرُدَّ عَلٰى اَخِيْكَ عُمَرَ سَلَامَهٗ قُلْتُ مَا فَعَلْتُ فَقَالَ عُمَرُ بَلٰى وَاللّٰهِ لَقَدْ

ابوبکرؓ نے کہا کیا باعث ہے کہ تو نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا میں نے تو ایسا نہیں کیا۔ عمرؓ کہنے لگے ہاں بخدا تو نے ایسا

فَعَلْتَ قَالَ قُلْتُ وَاللّٰهِ مَا شَعَرْتُ اَنَّكَ مَرَرْتَ وَلَا سَلَّمْتَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ صَدَقَ عُثْمَانُ قَدْ شَغَلَكَ

کیا ہے۔ عثمانؓ نے کہا میں نے کہا اللہ کی قسم مجھے پتہ نہیں چلا کہ تو گزرا ہے اور تو نے سلام کہا ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا عثمان نے سچ کہا تم کو کسی کام نے اس

عَنْ ذٰلِكَ اَمْرٌ فَقُلْتُ اَجَلْ قَالَ مَا هُوَ قُلْتُ تَوَفَّى اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ

سے باز رکھا میں نے کہا ہاں ابوبکرؓ نے کہا وہ کیا ہے میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت کر لیا ہے اس سے پہلے کہ ہم آپ سے

نَّسْاَلَهٗ عَنْ نَجَاةِ هٰذَا الْاَمْرِ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قَدْ سَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقُمْتُ اِلَيْهِ وَقُلْتُ لَهٗ بِاَبِيْ اَنْتَ

اس امر کی نجات کے متعلق پوچھیں۔ ابوبکرؓ نے کہا میں نے آپ سے اس کے متعلق پوچھ لیا تھا میں اس کی طرف اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے کہا میرا ماں

وَاُمِّيْ اَنْتَ اَحَقُّ بِهَا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا نَجَاةُ هٰذَا الْاَمْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

باپ تجھ پر قربان ہو تم اس بات کے ساتھ زیادہ لائق تھے ابوبکرؓ نے کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول اس کام کی نجات کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَبِلَ مِنِّي الْكَلِمَةَ الَّتِيْ عَرَضْتُ عَلٰى عَمِّيْ فَرَدَّهَا فَهِيَ لَهٗ نَجَاةٌ. (رواه مسند احمد بن حنبل)

نے فرمایا جس نے مجھ سے وہ کلمہ قبول کر لیا جو میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تھا اور اس نے اسے قبول نہ کیا وہ کلمہ اس کیلئے نجات ہے۔

تشریح: حاصل حدیث حضرت عثمانؓ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابہ غم زدہ ہو گئے اتنا غمزدہ ہوئے قریب تھا کہ وسوسے میں مبتلا ہو جاتے۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان میں سے تھا تو اسی اثناء میں حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ میرے پاس سے گزرے اور مجھے سلام کیا چونکہ مجھے پتہ نہیں چلا اس لئے میں نے جواب نہ دیا۔ اور انہوں نے سمجھا کہ میں نے قصداً جواب نہیں دیا تو اس لئے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو شکایت لگادی تو پھر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں میرے پاس آئے انہوں نے مجھے سلام کیا پھر حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ تو میں نے کہا **مافعلت** میں نے تو ایسا کیا ہی نہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا **والله لقد فعلت** کہ اللہ کی قسم تو نے ایسا کیا ہے پھر میں نے کہا کہ مجھے تو معلوم ہی نہیں کہ آپؓ گزرے ہیں اور آپؓ نے مجھے سلام کیا ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اے عمر عثمانؓ سچ کہہ رہے ہیں یہ کسی ایسی گہری سوچ میں ہوں گے تو اس وجہ سے آپ کے سلام کا جواب نہیں دیا ہوگا تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا جی ہاں میں گہری سوچ میں مبتلا تھا۔ یہ جواب دینے میں معذور تھے تو حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا بتاؤ تو سہی کونسی فکر میں مبتلا تھے تو میں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ہے اور ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں پوچھ سکے **مانجاة هذا الامر**۔ اس امر سے

نجات کیسے ہوئی (اس کا مطلب کیا ہے) تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا گھبراؤ مت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ہے اس کے متعلق تو میں خوشی کے احاطے سے باہر ہوگیا اور فوراً کھڑا ہوگیا اور میں نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں اس کے متعلق سوال کرنے کے آپ زیادہ حق دار تھے۔ کیونکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ **مانجاة هذا الامر** ؟ تو جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امر سے نجات کا ذریعہ کلمہ توحید ہے وہ کلمہ توحید جس کو میں نے اپنے چچا ابو طالب کے سامنے پیش کیا تھا اور انہوں نے اس سے انکار کر دیا تھا یہی کلمہ توحید اس امر سے نجات کا ذریعہ ہے۔

سوال۔ وہ وسوسہ کیا تھا جس میں صحابہ کرامؓ کو مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا۔ جواب۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا فانی سے چلے جانے کے بعد دین کا غلبہ ختم ہو جائے۔ انقضائے دین ہو جائے اس قسم کے خیالات میں مبتلا تھے اندیشہ تھا ابھی تک بالفعل نہیں ہوا تھا۔

سوال۔ علم کہنا تو دلیل ہے اس بات کی کہ علم ہو گیا اور فلم اشعر سے معلوم ہوتا ہے کہ علم نہیں ہوا دونوں میں تعارض ہوا۔

جواب۔ فسلم کہنا اس کا مطلب یہ ہے کہ تحقیق حال کے بعد ان کو علم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے سلام کیا تھا اور لم اشعر کہنا یہ واقعہ کی ابتدا کی وجہ سے ہے کہ اس وقت مجھے معلوم نہیں ہوا۔ سوال: حضرت عمرؓ نے شکایت کیوں کی؟

جواب (۱)۔ سلام کا جواب دینا واجب ہے تو انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا تو یہ واجب کے تارک ہوئے۔ اس لئے شکایت لگائی۔

جواب (۲) یہ راجح ہے حضرت عثمانؓ کے جواب والی دعا کی برکت سے محروم ہو گئے تھے اس وجہ سے شکایت لگائی (محدث دہلوی) تو اس سے معلوم ہوا کہ اگر جھگڑا ہو جائے تو منتظم کی طرف اس کو لے جانا چاہئے خود فیصلہ نہ کریں اور اس میں منتظم میں صلاحیت بھی ہو اور عذر کو بھی سنے اور قبول کرے۔

سوال: حضرت ابوبکرؓ جو خلیفہ تھے یہ ان کے پاس گئے خلیفہ ان کو بلا لیتے۔

جواب۔ شفقت فرماتے ہوئے خود گئے بلایا نہیں تو معلوم ہوا کہ اس وقت خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی تھے اور ان کا خلیفہ ہونا سب کو منظور تھا سب خوش تھے۔

سوال: **مانجاة هذا الامر** کا مصداق کیا ہے اس کا مطلب کیا ہے؟ جواب۔ اس کے دو مطلب ہیں۔

پہلی توجیہ اس دین میں بنیادی بات کونسی ہے۔ جو جہنم سے آزادی نجات کا ذریعہ بنے تو اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ وہ توحید ہے توحید کا اقرار کرنا اور اس کا بار بار تکرار کرنا یہ جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔ سوال۔ ماقبل میں حضرت عثمانؓ سے روایت گزری ہے **من مات وهو معلم لااله الا الله دخل الجنة** اس سے معلوم ہوا کہ ان کو مقام جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ غم کے صدمہ کے غلبے کی وجہ سے استحضار نہ رہا ہو۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ وساوس شیطانی اور نفس کے مکروفریب میں مبتلا ہو جانے کے بعد اس سے نجات کیسے ہوگی تو اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس کا علاج توحید ہے کلمہ توحید ہے یہی کلمہ وساوس شیطانی اور نفس کے مکروفریب سے نجات کا ذریعہ ہے یہی توجیہ زیادہ راجح ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مسند ابی یعلی میں (کتاب) محمد بن جویر کے حوالہ سے اس مضمون کو نقل کیا ہے۔ الحدیث یفسر بعضہ بعضا۔

سوال: جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطناب کیوں کیا؟ یہی فرما دیتے کلمہ توحید جو کہ کفر و شرک سے نجات کا ذریعہ ہے؟

جواب۔ لمبی کلام کو ذکر کر کے کلمہ کی تاثیر علی وجہ المبالغہ بیان کرکے مقصود ہے کہ وہ کلمہ جو کہ میں نے اپنے چچا ابو طالب کے سامنے پڑھا تھا اس نے رد کر دیا اگر وہ بھی اس کو پڑھ لیتا یا اپنی زبان سے کہہ لیتا جو کہ ستر برس سے زائد عرصہ کفر پر رہا تو یہ بھی اس کے لئے نجات کا ذریعہ بن جاتا تو وساوس شیطانی سے نجات کا ذریعہ تو بطریق اولیٰ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنِ الْمِقْدَادِ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ

حضرت مقدادؓ سے روایت ہے اس نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے زمین کی پیٹھ پر کوئی مٹی کا بنا ہوا گھر یا خیمہ باقی نہیں رہے گا۔ مگر

مَدَرٍ وَّ لَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَ ذُلِّ ذَلِيْلٍ اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ

اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کو داخل کر دے گا۔ عزیز کے عزت دینے اور ذلیل کے ذلت دینے کے ساتھ یا اللہ تعالیٰ ان کو عزت دے گا۔ ان کو اس کلمہ

اَهْلِهَا اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِ يْنُوْنَ لَهَا قُلْتُ فَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ. (رواه مسند احمد بن حنبل)

کا اہل کردے گا۔ یا ان کو ذلیل کرے گا پس اس کیلئے فرمانبردار ہو جائیں گے میں نے کہا پس تمام دین اللہ کیلئے ہو جائے گا۔

تشریح: راوی کے حالات آپ ذوہجرتین ہیں۔ مقام جرف میں جو مدینہ طیبہ سے تین میل پر ہے ۳۳ھجری میں بعمر ۷۰ برس وفات پائی۔ حضرت عثمان غنیؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کی نسبت کندی ہے کیونکہ آپ کے والد اسود نے بنوکندہ کے ساتھ معاہدہ اور حلف وفاداری کیا تھا۔ آپ قدیم الاسلام ہیں حتیٰ کہ بعض نے کہا کہ آپ چھٹے نمبر پر اسلام لائے۔ آپ سے حضرت علیؓ اور طارق بن شہابؓ وغیرہما نے روایت حدیث کی ہے۔

حاصل حدیث کا یہ ہے کہ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیش گوئی بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ یہ دین اسلام ہر کچے پکے گھر میں پہنچ کر رہے گا۔ بستیوں میں شہروں میں صحراؤں میں دین اسلام پہنچ کر رہے گا عام ازیں طوعاً ہو یا کرھاً۔ عزت مند کو عزت دینے کے ساتھ ہو یا ذلیل کو ذلت دینے کے ساتھ ہو۔ بہر حال دین اسلام ہر کچے پکے گھر میں پہنچ کر رہے گا۔ عزیز کو عزت دینے کے ساتھ ہو یہ کنایہ ہے طوعاً سے یعنی خوشی سے اسلام قبول کرے جیسے ابوبکر صدیقؓ نے خوشی سے اسلام قبول کرلیا اور ذلت میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے غلبہ اور اسلام کی شان وشوکت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اور جزیہ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

سوال: پیشین گوئی پوری ہوئی یا ہوگی۔

جواب: اگر الارض میں الف لام عہد خارجی کا ہے اور الارض سے مراد سرزمین عرب ہے۔ خلفاء راشدین کے زمانے میں یہ پیشین گوئی پوری ہو چکی اور اگر الف لام استغراق کا ہو تو پھر یہ پیشین گوئی عہد مہدی علیہ السلام میں پوری ہو جائے گی بہر حال پوری ہو چکی یا پوری ہوگی۔

مدر۔ مدرۃ کی جمع ہے مدرۃ ڈھیلے کو کہتے ہیں مراد اینٹیں ہیں۔ مصداق قرایہ اور شہر ہیں۔

وبر۔ پشم کو کہتے ہیں مراد خیمے ہیں جس کا مصداق صحرا اور جنگل ہیں اب معنی یہ ہوگا کہ دین اسلام قرای اور امصار اور جنگل وصحرا میں ہر حال میں پہنچ کر رہے گا اس پر مقدادؓ نے فرمایا الدین کلہ للہ دین سارا کا سارا اللہ کے لئے ہے۔

وَعَنْ وَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍؒ قِيْلَ لَهُ اَلَيْسَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لَّيْسَ مِفْتَاحٌ اِلَّا

حضرت وہبؒ بن منبہ سے روایت ہے کہ اسے کہا گیا کیا لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں ہے کہا کیوں نہیں لیکن ہر کنجی کے دندان ہوتے ہیں اگر تو

وَلَهُ اَسْنَانٌ فَاِنْ جِئْتَ بِمِفْتَاحٍ لَّهُ اَسْنَانٌ فُتِحَ لَكَ وَاِلَّا لَمْ يُفْتَحْ لَكَ. (بخاری فی ترجمة باب)

ایسی کنجی لائے جس کے دندان ہوں تیرے لئے کھل جائے گا ورنہ نہ کھولا جائے گا۔ (بخاری نے ترجمۃ الباب میں روایت کیا)۔

تشریح: اس کے راوی وھب بن منبہ ہیں جو کہ تابعی ہیں ان سے روایت ہے کہ یہ اعمال صالحہ کی وعظ ونصیحت کر رہے تھے حاضرین مجلس میں سے کسی نے اٹھ کر کہا کیا لا الله الا الله مفتاح الجنة نہیں ہے یعنی اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں ہے جب چابی سے جنت کھل جائے گی تو پھر اعمال صالحہ کی اتنی ترغیب کیوں دے رہے ہو۔ تو اس پر حضرت نے جواب میں کہا تسلیم کرتا کہ لا الله الا الله مفتاح الجنة ہے لیکن یہ تسلیم نہیں کرتا کہ اس کا تقاضایہ ہے کہ اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اعمال صالحہ ضروری ہیں۔ اس لئے کہ جنت اسی مفتاح سے کھلے گی جس کے دندانے ہوں تو جس کو تم دلیل بنا رہے ہو اعمال صالحہ کے ضروری نہ ہونے کی وہی ہمارے ہاں دلیل ہے اعمال صالحہ کے ضروری ہونے کی۔ اس لئے کہ جنت کا قفل ایسی مفتاح سے کھلتا ہے جس کے دندانے ہوں اور اس کے دندانے اعمال صالحہ ہیں۔

رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب یہ ایک اصطلاح ہے امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ جو حدیث ان کی شرائط کے مطابق ہوتی ہیں ان کو وہ معنون میں ذکر کرتے ہیں (عنوان قائم کرنے کے بعد اس کے تحت ذکر کرتے ہیں) اور جو حدیثیں ان کی شرائط کے مطابق نہیں ہوتیں لیکن اس سے کوئی مسئلہ مستنبط کرنا ہوتا ہے تو اس کو عنوان کی جز و بنا دیتے ہیں یہاں اس حدیث کو بھی امام بخاری نے عنوان کا جز و بنایا ہے۔

ما قبل میں فتح کا لفظ آیا ای فتح لک ابتداءً۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ اِسْلَامَهٗ فَكُلُّ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی اپنے اسلام لانے کو اچھا بنائے گا۔ (یعنی اسلام کے کاموں کو
حَسَنَةٍ يَّعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَّكُلُّ سَيِّئَةٍ يَّعْمَلُهَا تُكْتَبُ بِمِثْلِهَا
صدق دل سے ادا کرے گا) تو اس کی ہر نیکی دس گنا لکھی جاتی ہے سات سو گنا تک اور جو برائی وہ کرتا ہے وہ اس کی مانند ہی لکھی جاتی ہے
حَتّٰى لَقِیَ اللّٰهَ . (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
یہاں تک کہ اللہ سے ملاقات کرے۔

تشریح: حاصل حدیث (ایک خوشخبری کا بیان ہے۔) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے اسلام کو ذا احسن بنا دے ایسا شخص ایک نیکی کرنے پر دس نیکیوں کے برابر اجر و ثواب سے لے کر سات سو گنا تک نیکیوں کا اجر واس کے لئے ثواب لکھا جائے گا اور اگر کسی برائی کا ارتکاب کرے تو اس کا گناہ اتنا ہی لکھا جائے گا زیادہ نہیں لکھا جائے گا۔ اس میں ایک کے بدلہ دو بھی نہیں ہوں گے چہ جائیکہ سات سو کے برابر گناہ لکھا جائے۔

ان رحمتی سبقت علی غضبی۔ برائی ایک ہی لکھی جائے گی لیکن یہ وعدہ اس کے ساتھ ہے جو اپنے اسلام کو احسن بنا دے۔ باقی رہی یہ بات کہ ذا احسن بنانے کا مطلب کیا ہے؟ تو اس کے دو مطلب ہیں۔

(۱) اپنے اسلام لانے میں مخلص ہو منافق نہ ہو۔ ہر عمل کو درجہ احسان کے ساتھ ملا دے۔ (۲) ہر حسنہ (نیکی) کرتے وقت اپنے مرئی رب ہونے کا استحضار کرے ہر قولی فعلی عبادت میں اسی کا استحضار ہر لحہ ملاحظہ ذرہ برابر بھی غفلت نہ کرے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْاِيْمَانُ قَالَ اِذَا سَرَّتْكَ
حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ایمان کیا ہے فرمایا جس وقت
حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا الْاِثْمُ قَالَ اِذَا حَاكَ
تجھے تیری نیکی خوش کرے اور تیری برائی تجھے ناخوش کرے تو مومن ہے۔ کہا گناہ کیا ہے فرمایا جس وقت کوئی چیز
فِیْ نَفْسِكَ شَیْءٌ فَدَعْهُ. (رواہ مسند احمد بن حنبل)
تیرے دل میں تردد کرے تو اس کو چھوڑ دے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سوال کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات دیئے۔

پہلا سوال:۔ اس نے ایمان کی نشانی کے متعلق پوچھا اور کہا ما الایمان ای ما علامۃ الایمان۔

جواب:۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیکی کرنے کے بعد فرحت وانبساط اور خوشی کا محسوس ہونا یہ ایمان کی علامت ہے۔ خوشی اس لئے ہوگی کہ آخرۃ میں اجر و ثواب ملے گا اور جو عقیدہ آخرت میں ایمان رکھے گا وہ عقیدہ توحید ورسالت پر بھی ایمان رکھے گا۔ لہٰذا وہ مومن ہے اور دوسری علامت گناہ کرنے کے بعد طبیعت کا بے چین ہو جانا اور خوف خدا دل میں پیدا ہو جانا یہ بھی ایمان کی علامت ہے۔ آخرت میں مجھ سے مواخذہ ہو جانے کا خوف پیدا ہو جائے۔ (اس لئے کہ اگر کوئی مسلمان گناہ کرے تو اس کے بعد یہ سمجھتا ہے کہ میں پہاڑ کے نیچے آ گیا ہوں اور اگر منافق سے ہو جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ ناک پہ مکھی بیٹھی تھی اس کو اڑا دیا گناہ کو اتنا ہلکا سمجھتا ہے۔

دوسرا سوال گناہ کی علامت کیا ہے ما الاثم۔

جواب:۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر تجھے تردد ہو جائے کہ کروں یا نہ کروں تو یہ اس کے گناہ ہونے کی علامت ہے اور سائل نے ان گناہوں کے متعلق سوال کیا تھا جن کا گناہ ہونا مخصوص نہیں۔

پہلے سوال پر اعتراض سائل نے تو حقیقت ایمان کے متعلق سوال کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ایمان کی علامت کو ذکر کر دیا تو لہٰذا سوال و جواب میں مطابقت نہیں؟

جواب۔ جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علامات کو ذکر کرنا یہ قرینہ ہے اس بات پر کہ سائل کا جواب بھی علامات کے بارے میں تھا۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَؓ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ مَّعَکَ

حضرت عمرؓ بن عبسہ سے روایت ہے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا میں نے کہا اے اللہ کے رسول اس دین پر آپ کے ساتھ

عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ قَالَ حُرٌّ و عَبْدٌ قُلْتُ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ قُلْتُ مَا الْاِيْمَانُ

کون تھا۔ فرمایا ایک آزاد اور ایک غلام میں نے کہا اسلام کیا ہے فرمایا اچھی کلام کرنا اور کھانا کھلانا میں نے کہا ایمان کیا ہے فرمایا

قَالَ الصَّبْرُ وَ السَّمَاحَةُ قَالَ قُلْتُ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ

صبر کرنا اور سخاوت کرنا میں نے کہا کونسا اسلام (مسلمان) افضل ہے فرمایا وہ کہ سلامت رہیں۔ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ

قَالَ قُلْتُ اَیُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ قَالَ قُلْتُ اَیُّ الصَّلٰوةِ اَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ

سے میں نے کہا ایمان میں کون سی بات بہتر ہے فرمایا نیک خلق میں نے کہا نماز میں کون سی چیز بہتر ہے فرمایا کھڑا رہنا دیر تک

قَالَ قُلْتُ اَیُّ الْهِجْرَةِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّکَ قَالَ قُلْتُ فَاَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ قَالَ مَنْ

میں نے کہا کونسی ہجرت بہتر ہے فرمایا کہ تو اس چیز کو چھوڑ دے جسے تیرا رب مکروہ سمجھے۔ میں نے کہا کونسا جہاد افضل ہے فرمایا

عُقِرَ جَوَادُهٗ وَاُهْرِيْقَ دَمُهٗ قَالَ قُلْتُ اَیُّ السَّاعَاتِ اَفْضَلُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ. (رواہ مسند احمد بن حنبل)

جو شخص کہ مارا جائے اس کا گھوڑا اور بہایا جائے اس کا خون میں نے کہا کہ کونسی ساعت بہتر ہے فرمایا رات کا اخیر درمیان۔

تشریح: راوی کے مختصر حالات حضرت عمرو بن عبسہ فطری طور پر بت پرستی سے نفرت تھی۔ جب بکریاں چراتے تھے تو بادل ان پر سایہ کرتے تھے۔ ان سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو میں نے چند سوالات کئے۔ اس حدیث میں ان کے نو سوالات کا ذکر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات دیئے ان کا ذکر ہے۔

پہلا سوال (۱) سوال من **معک ھذاالامر**۔ جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حر و عبد۔ اس سوال و جواب کا کیا مطلب ہے؟ **جواب** ہے اسکے دو مطلب ہیں۔

پہلا مطلب:۔ اس دین کو اب تک کتنی مقدار آدمیوں نے قبول کیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا ایک آزاد نے اور ایک غلام نے۔ آزاد سے مراد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور غلام سے مراد حضرت زید بن حارثہؓ ہیں۔

یعنی ابو بکرؓ اور زید بن حارثہؓ نے اسلام قبول کیا ہے۔ سوال: حضرت علیؓ نے بھی ابتداء اسلام قبول کر لیا تھا۔ تو حضرت علیؓ نے ذکر نہیں کیا۔ جواب۔ سائل کا منشاء بالغین میں سے پوچھنا تھا اور علیؓ من الاطفال تھے۔

سوال: حضرت خدیجہ الکبریٰ نے بھی ابتداء اسلام قبول کر لیا تھا۔ جواب۔ سائل کا مقصد رجال میں سے سوال کرنا تھا۔ رجال بالغین میں سے اور خدیجۃ الکبریٰؓ عورتوں میں سے ہیں۔ (باقی انبیاء کی نبوت پہلے اور مصدقیت بعد میں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں مصدقیت پہلے اور نبوۃ بعد میں۔ یعنی پہلے مصدق بنے اور بعد میں نبوت ملی)۔

دوسرا مطلب من معک هذا الامر کہ کس قسم کے شخص کا دین معتبر ہوسکتا ہے۔ کس کا دین مقبول ہوسکتا ہے تو جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی تخصیص نہیں ہر آزاد اور ہر غلام کا دین کو قبول کرنا مقبول و معتبر ہوسکتا ہے ہر آدمی کا دین کو قبول کرنا معتبر ہوسکتا ہے یہ کنایہ ہے کل الناس سے عام ازیں حرائر میں سے ہو یا عبید میں سے ہو۔

دوسرا سوال:۔ ماالاسلام؟ یہاں مضاف محذوف ہے ای ماشعب الاسلام۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ جواب میں شعب اسلام کا ذکر ہے۔ لہذا اب یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ سوال و جواب میں مطابقت نہیں (اس لئے کہ سوال تو حقیقت اسلام کے متعلق ہے اور جواب میں شعب اسلام کو ذکر کیا گیا؟) جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شعبے بیان فرمائے۔(۱) پہلا شعبہ طیب الکلام۔ خوش کلامی۔ حد یہ ہے کہ شرعاً ناجائز نہ ہو اور نرم لہجے کے ساتھ ہو اسی وجہ سے بعض احادیث میں لین الکلام سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔(۲) دوسرا شعبہ اطعام الطعام۔ ضرورت مند کو کھانا کھلانا۔

سوال۔ دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صلحاء تیرا کھانا کھائیں؟ حالانکہ یہاں اطعام طعام مطلق ذکر فرمایا اس میں صلحاء وغیر صلحاء سب شامل ہوگئے۔ جواب طعام دو قسم پر ہے (۱) طعام دعوت (۲) طعام ضرورت۔ اول قسم میں صلحاء مراد ہیں اور ثانی قسم میں کوئی تخصیص نہیں ہر ضرورت مند کو کھلا سکتے ہو۔ **سوال:** اسلام کے اور بھی کئی شعبے تھے تو پھر ان دو شعبوں کی تخصیص کیوں کی؟ **جواب۔** کسی مقتضی وقت کی وجہ سے ان کو خاص کیا گیا یا سائل کا لحاظ کرتے ہوئے ان دونوں شعبوں کی تخصیص کی۔

تیسرا سوال۔ ماالایمان یہاں بھی مضاف محذوف ہے ای ماثمرۃ الایمان۔ تو جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الصبر والسماحۃ صبر اور سخاوت۔ غیر موجود پر صبر کر اور موجود پر سخاوت کر ذخیرہ نہ کر غیر موجود ہونے کے اعتبار سے صبر اور موجود ہونے کے اعتبار سے سخاوت کر نا ذخیرہ نہ کرنا ہے۔

سوال:۔ سوال و جواب میں مطابقت نہیں اس لئے کہ سوال تو حقیقت ایمان کے متعلق تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں آثار ایمان کو ذکر کیا۔ **جواب۔** سائل کا منشاء بھی آثار ایمان کے متعلق سوال کرنا تھا ای ما ثمرۃ الایمان۔ **سوال:** دو کی تخصیص کیوں کی۔

جواب۔ کسی مقتضی کے پائے جانے کی وجہ سے ان دو کی تخصیص فرمائی۔

چوتھا سوال:۔ ای الاسلام افضل۔ تو جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من سلم المسلمون...... الخ جس میں کف عن الاذی والی صفت پائی جائے وہ اسلام افضل ہے۔ **سوال:** جواب و سوال میں مطابقت نہیں اس لئے کہ سوال تو غیر ذات کے متعلق تھا اور جواب میں ذات کو ذکر فرمایا۔ **جواب۔** سوال کی جانب میں مضاف محذوف مان لو ای اھل الاسلام افضل۔ اہل اسلام میں سے کس کا اسلام افضل ہے یا جواب کی جانب میں مضاف محذوف مان لو ای الاسلام من سلم المسلمون۔ اس شخص کا اسلام افضل ہے جو کہ کف عن الاذی والی وصف کو اختیار کرتا ہو۔ حذف مضاف کا ارتکاب سوال کی جانب میں یا جواب کی جانب میں کیا جائے۔ ہر دونوں صورتوں میں معنی بھی کر لو۔

پانچواں سوال:۔ ای الایمان افضل سوال کا جواب ہے۔ ای شعب الایمان افضل **جواب:۔** میں ارشاد فرمایا خلق حسن یعنی بغیر کسی طمع اور لالچ کے مخلوق خدا کے کام آنا۔

چھٹا سوال:۔ ای الصلوٰۃ افضل۔ جواب میں ارشاد فرمایا طول القنوت ای ذات طول القنوت (ذات کا لفظ دفع دخل مقدر ہے) لمبے قیام والی۔ یا ای ارکان للصلوٰۃ افضل سوال کی جانب یا جواب کی جانب مضاف حذف ہے۔ یعنی نماز کے ارکان میں سے کونسا رکن افضل ہے۔ **جواب۔** قیام طویل افضل ہے کیونکہ اس میں تلاوت قرآن زیادہ ہوتی ہے۔

ساتواں سوال: ای الھجرۃ افضل۔ ای انواع الھجرۃ افضل.

جواب:۔ میں ارشاد فرمایا منہیات الٰہیہ کو ترک کر دینا۔ یہ ہجرت افضل ہے۔

آٹھواں سوال: ای الجھاد افضل جہاد کونسا افضل ہے۔

جواب میں ارشاد فرمایا من عقر...... الخ یہاں جواب کی جانب میں مضاف محذوف ہے ای جھاد من عقر الخ یعنی اس شخص کا

جہاد افضل ہے جو اپنی جان کو بھی قربان کردے اور اپنی سواری کو بھی قربان کردے اور اپنے مال کو بھی قربان کردے اس کا جہاد افضل ہے۔

نواں سوال۔ ای الساعات افضل ۔کونسی گھڑی افضل ہے۔ جواب میں ارشاد فرمایا جوف اللیل الاخیر۔ آخری حصہ رات کا یعنی تہجد کا وقت۔ و بالاسحار ھم یستغفرون۔ واضح رہے کہ عام آدمیوں کے لئے مستحب یہی ہے کہ وتر تہجد کے بعد پڑھیں لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم جلدی سو جایا کرو کیونکہ وہ حدیثیں کافی دیر تک یاد کرتے تھے اس لئے طلباء کے لئے یہی تہجد ہے کہ وہ اپنا سبق کا تکرار اور اسکو یاد کر کے سوئیں۔ واللہ اعلم بالصواب

وَعَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ لَقِيَ اللهَ لَا يُشْرِكُ
حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جو شخص اللہ سے ملاقات کرے اس کے ساتھ
بِهٖ شَيْأً وَيُصَلِّي الْخَمْسَ وَيَصُوْمُ رَمَضَانَ غُفِرَلَهٗ قُلْتُ اَفَلَا اُبَشِّرُ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ دَعْهُمْ
کسی کو شریک نہ کرتا ہو۔ پانچوں نمازیں پڑھتا ہو رمضان کے روزے رکھتا ہو اسے بخش دیا جائے گا۔ میں نے کہا میں اس کی بشارت ان کو نہ دوں۔
يَعْمَلُوْا. (رواه مسند احمد بن حنبل)
فرمایا چھوڑ دے انکو وہ عمل کریں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ جو شخص متصف باوصاف ثلثہ ہو اس کے لئے مغفرت ذنوب وغفران ذنوب کی بشارت ہے۔ بشارت کا مفہوم افلا ابشرھم سے سمجھا جا رہا ہے۔ اور وہ صفات ثلثہ یہ ہیں۔ (۱) عقیدہ توحید پر وفات (۲) زندگی بھر نمازیں پڑھتا رہا ہو (۳) زندگی بھر رمضان کے روزے رکھتا رہا ہو۔ اس کے لئے مغفرت ذنوب کی بشارت ہے۔ تو معاذؓ نے فرمایا یا رسول اللہ میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں رہنے دو۔

سوال۔ حدیث میں ارکان اسلام میں سے حج اور زکوۃ کا ذکر نہیں کیا ہے؟ جواب۔ کثیر الوجود عبادات کے بیان پر اکتفا کیا گیا۔ متممات اور مکملات اسی میں شامل ہیں۔ یہ حدیث بہت بڑا قرینہ ہے اس بات کا کہ معاذ بن جبلؓ والی پہلی روایت میں جس میں صرف شہادتین کا ذکر ہے وہاں پر شہادتین مجردہ مراد نہیں بلکہ شہادتین سے مراد مع اپنے حقوق کے ہیں۔

وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ
اور اسی سے روایت ہے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ایمان کی بہترین خصلتوں کے متعلق فرمایا کہ تو اللہ کیلئے دوستی رکھے
وَتُعْمَلَ لِسَانَكَ فِيْ ذِكْرِ اللهِ قَالَ وَمَاذَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِكَ
اور اللہ کیلئے دشمنی رکھے اور اللہ کی یاد میں زبان کو جاری رکھے کہا پھر کیا ہے اے اللہ کے رسول فرمایا تو لوگوں کیلئے اس چیز کو دوست رکھے جسے تو اپنے نفس
وَ تَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ. (رواه مسند احمد بن حنبل)
کیلئے دوست رکھتا ہے اور ان کیلئے مکروہ رکھے اس چیز کو جسے اپنے لئے مکروہ رکھتا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث حضرت معاذؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا تو جواب میں اعمال ثلاثہ کا مجموعہ ارشاد فرمایا (۱) الحب للہ (۲) البغض للہ (۳) اعمال اللسان بذکر اللہ اوقات مناسبہ میں ذکر کرنا چاہئے۔ پہلے دو شعبوں کو بار بار حدیثوں میں ذکر فرمایا معلوم ہوا کہ بہت اہم ہیں کیونکہ ان پر عمل بہت مشکل ہے۔ باقی سبق کا تکرار بھی اعمال اللسان فی ذکر اللہ میں داخل ہے۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اس کے علاوہ کوئی اور عمل بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لئے پسند کر اور جو اپنے لئے ناپسند وہ دوسروں کے لئے بھی ناپسند کر۔

سوال۔ یہ حدیث تو ایسی ہے کہ اس پر تو عمل ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو اپنے لئے تو پسند کی جاسکتی ہیں لیکن دوسروں کے لئے پسند نہیں کی جاسکتی۔ جیسے بیوی وغیرہا۔

جواب۔ اس حدیث کا مصداق معاملات مشاورۃ اور معاقبت ہے اس حدیث میں عموم نہیں ہے یہ معاملات وغیرہ پر محمول ہے جو معاملہ اپنے لئے پسند ہو وہی دوسروں کے لئے پسند اگر کسی کو سزا مل رہی ہے تو تجھے یہ ہونا چاہئے کہ میں اس کی جگہ ہوتا تو مجھے کتنی سزا ملتی۔ اتنی سزا دینے چاہئیں سزا زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ جو مشورہ اپنے لئے پسند ہے وہ دوسروں کے لئے پسند اور جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے وہی دوسروں کے لئے ناپسند ہونا چاہئے۔

سوال: ماقبل والی حدیث میں ای الایمان افضل کے جواب میں خلق حسن فرمایا ایک چیز ہے اور اس حدیث میں اعمال ثلثہ کا مجموعہ بیان فرمایا۔ ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

جواب:۔ کوئی تعارض نہیں۔ خلق حسن ایک کلی ہے اور اعمال ثلثہ اس کی جزئیات ہیں۔ وہاں اجمال تھا یہاں تفصیل ہے۔ اعمال ثلاثہ بھی تو اخلاق حسنہ ہی ہیں۔

بَابُ الْكَبَائِرِ وَعَلَامَاتِ النِّفَاقِ

گناہ کبیرہ اور نفاق کی علامتوں کا بیان

تشریح: الکبائر: کبائر جمع ہے کبیرۃ کی۔ اختلافی مسئلہ:۔ کیا معصیت صغیرہ کبیرہ قابل للانقسام ہے یا نہیں؟ قول اول صوفیاء کا ہے۔ معصیت قابل للانقسام نہیں ہر معصیت گناہ کبیرہ ہے۔

قول ثانی۔ جمہور فقہاء کا ہے۔ معصیت صغیرہ کبیرہ کی طرف۔ قابل للانقسام ہے۔

بعض حضرات کی طرف سے تطبیق۔ نظراً الی جلال عظمت الله ہر نافرمانی کبیرہ گناہ ہے کوئی قابل انقسام نہیں اور نظراً الی تفاوت آثار المعاصی (کسی معصیت کا فساد کم ہے اور کسی کا زیادہ) قابل انقسام ہے۔ الغرض جو حضرات قابل انقسام نہیں مانتے ان کے نزدیک نظراً الی جلال اللہ اور اس پر اتفاق ہے کہ یہ قابل انقسام نہیں ہے اور جو حضرات قابل انقسام مانتے ہیں ان کے نزدیک نظراً الی تفاوت آثار المعاصی اس پر اتفاق ہے کہ یہ قابل انقسام ہے یہ اختلاف لفظی ہے حقیقی نہیں۔

یہاں پانچ مباحث ہیں (۱) تقسیم ذنوب۔ (۲) تعریف صغیرہ وکبیرہ (۳) عدد کبائر (۴) تعریف وتقسیم نفاق (۵) علامات نفاق۔

البحث الاول تقسیم الذنوب: پہلا مذہب قاضی عیاض نے بعض محققین کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ ہر گناہ کبیرہ ہے ابو اسحاق اسفرائنی کا مختار مذہب بھی یہی ہے اور حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے۔ اس قول کی دو دلیلیں ہیں۔

دلیل (۱)۔ گناہ نام ہے حق تعالیٰ کی نافرمانی کا اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی شان عظمت و کبریائی کے اعتبار سے ان کی معمولی نافرمانی بھی سخت قبیح چیز ہے۔

دلیل (۲)۔ حضرت ابن عباسؓ سے کبیرہ کی تعریف یہ منقول ہے کل شئی نهی الله عنه فهو كبيرة۔

دوسرا مذہب۔ جمہور کے نزدیک گناہ دو قسم پر ہے (۱) صغیرہ (۲) کبیرہ۔ اس قول کے تین دلائل ہیں۔

دلیل (۱)۔ اللہ تعالیٰ کی شان عالی کے اعتبار سے تو ہر گناہ کبیرہ ہے مگر ان میں باہمی فرق ضرور ہے۔ چنانچہ نصوص واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہ تو ایسے ہیں جو پنجگانہ نماز، روزہ، حج، عمرہ، وضو وغیرہ سے معاف ہو جاتے ہیں ان کو اصطلاح میں صغیرہ کہتے ہیں اور بعض گناہ وہ ہیں جو حسنات سے معاف نہیں ہوتے ان کو کبیرہ کہتے ہیں۔

دلیل نمبر۲۔ قرآن مجید کی آیات سے بھی تقسیم ذنوب کی مزید تائید ہوتی ہے چنانچہ پانچ آیات یہ ہیں (۱) **و یقولون یویلتنا مال هٰذا الکتب لایغادر صغیرة ولا کبیرة الا احصٰها** (پ۱۵ ع۱۸) (۲) **الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم** (پ۲۷ ع۶) (۳) **ان تجتنبوا کبائر ماتنهون عنه نکفر عنکم سیآتکم** (پ۵ ع۲) (۴) **انه کان حوباً کبیراً** (پ۴ ع۱۲)۔ (۵) **ان قتلهم کان خطاً کبیراً** (پ۱۵ ع۴)

دلیل (۳)۔ امام غزالی کتاب البسیط فی المذہب میں فرماتے ہیں **انکار الفرق بین الصغیرة و الکبیرة لایلیق بالفقه**.

البحث الثانی تعریف صغیرہ وکبیرہ۔

اس میں مختلف قول ہیں۔

قول اول:۔ ہر وہ معصیت جس کے لئے حسنات مکفر بننے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں وہ کبیرہ اور ہر وہ معصیت جس کے لئے حسنات مکفر بننے کی صلاحیت ہو وہ صغیرہ ہے۔

قول ثانی: ہر وہ معصیت جس کے ارتکاب پر مرتکب کے لئے نار کی وعید ہو یا غضب کی نسبت یا لعنت کی نسبت کی گئی ہو وہ کبیرہ اور اس کے مقابلے میں صغیرہ **قول ثالث:**۔ جس کا ارتکاب موجب حد ہو وہ کبیرہ اور جس کا ارتکاب موجب حد نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔

قول رابع: ہر وہ معصیت جس کا ارتکاب لا ابالی پن اور بے باکی کے طور پر ہو وہ کبیرہ یعنی ڈر بھی نہ ہو گناہ کر رہا ہے اس کی سزا بھی ملے گی یا نہیں اور اس کے برعکس صغیرہ جن معاصی کا کبیرہ ہونا منصوص ہے وہ تو کبیرہ ہیں اور جن کا کبیرہ ہونا منصوص نہیں وہ صغیرہ ہیں۔

قول خامس:۔ ہر وہ گناہ جس کا معصیت ہونا منصوص ہے وہ کبیرہ اور اس کے ماسوا دیکھا جائے گا اگر کسی معصیت کا فساد منصوص گناہوں میں سے کسی کے مساوی یا زیادہ ہے تو وہ کبیرہ اور اگر فساد کم ہے تو صغیرہ۔

قول سادس:۔ ہر وہ معصیت جو مقاصد کی قبیل سے ہو تو کبیرہ اور اگر وسائل کی قبیل سے ہو تو صغیرہ **من قبیل المقاصد من قبیل الوسائل**۔

قول سابع۔ فاعل کے بدلنے سے حیثیت مختلف ہو جائے گی۔ مسجد سے عالم کا گناہ کرنا کبیرہ جاہل کا گناہ کرنا صغیرہ۔ اور جگہ کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں۔ مسجد میں گناہ کرنا کبیرہ اور غیر مسجد میں کرنا صغیرہ۔ ان میں سے راجح قول سادس ہے۔ درحقیقت یہ اضافی چیزیں ہیں اگر ہر گناہ مافوق کا لحاظ کریں تو صغیرہ اور اگر ہر گناہ ماتحت کا لحاظ کریں تو کبیرہ بن جاتے ہیں۔

البحث الثالث عدد کبائر: محدثین کے نزدیک احادیث میں جو کبیرہ گناہوں کا عدد خاص مذکور ہے اس سے مقصود حصر نہیں بلکہ مناسبت مقام اور رعایت احوال مخاطبین اور خصوصیت وحی کی وجہ سے کسی عدد کو خاص کیا گیا ہے احادیث کی مختلف روایات سے بڑے بڑے کبائر کی تعداد بیس معلوم ہوتی ہے جن میں سے چار کا تعلق قلب سے ہے۔ (۱) شرک باللہ (۲) اصرار علی المعصیۃ (۳) اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا (۴) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا اور چار کا تعلق زبان سے ہے۔ (۱) شہادۃ الزور (۲) قذف محصنات (۳) حلف بالکذب (۴) سحر اور تین کا تعلق بطن سے ہے (۱) شرب خمر (۲) اکل مال الیتیم (۳) اکل مال الربوا اور دو کا تعلق فرج سے ہے (۱) زنا (۲) لواطت اور پانچ کا تعلق ہاتھ سے ہے۔ (۱) قتل ناحق (۲) سرقہ (۳) قتل اولاد (۴) قطع الطریق (۵) خیانت در مال امانت وغنیمت اور ایک کا تعلق پاؤں سے ہے یعنی (۱) فرار من الحرب اور ایک کا تعلق پورے بدن سے ہے یعنی (۱) عقوق الوالدین اور علامہ جلال الدین دوانی نے شرح عقائد عضدیہ میں اور علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق میں اور بھی بہت سے کبائر بتائے ہیں جو مظاہر حق (ص ۳۹-۴۰ جلد۱) میں مذکور ہیں اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کبائر ستر کے قریب ہیں اور حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ کبائر تقریباً سات سو ہیں (مرقات ص ۱۲۱ جلد۱)

البحث الرابع تعریف وتقسیم نفاق: نفاق نفق باب نصر اور باب سمع سے ماخوذ ہے اس کے لغوی معنٰی ہیں چوہے کا سوراخ میں کبھی داخل ہونا اور کبھی خارج ہونا اور نفاق کے شرعی معنٰی ہیں ظاہر کا باطن کے خلاف ہونا اور مناسبت ظاہر ہے کیونکہ چوہا بھی ایسے وقت

میں متحیر و پریشان ہوتا ہے اور منافق کی بھی یہی حالت ہوتی ہے پھر نفاق دو قسم پر ہے (۱) اعتقادی حقیقی۔ (۲) عملی مجازی تو نفاق اعتقادی حقیقی یہ ہے کہ ظاہر میں اسلام ہو اور باطن میں کفر ہو یہ نفاق خالص کفر ہے بلکہ اشد اقسام الکفر ہے اسی لئے اعتقادی منافق کا ٹھکانہ جہنم کے طبقہ سفلیٰ میں ہوگا اور عملی نفاق یہ ہے کہ دل میں اعتقاد و تصدیق بھی ہو اور زبان سے عملی طور پر اس میں منافقین والی خصلتیں پائی جائیں یہ نفاق کفر تو نہیں لیکن فسق ضرور ہے اور احادیث باب میں نفاق سے مراد نفاق عملی ہی ہے۔

البحث الخامس علامات النفاق احادیث کی مختلف روایات سے منافق عملی کی چار نشانیاں معلوم ہوتی ہیں (۱) کذب یعنی بات کرتے وقت جھوٹ بولنا (۲) اخلاف یعنی وعدہ خلافی کرنا (۳) خیانت یعنی مال امانت وغنیمت میں خیانت کرنا (۴) فجور یعنی لڑائی جھگڑے میں برا بھلا کہنا اور گالی گلوچ دینا۔

سوال: علامات نفاق بھی تو کبائر میں سے ہے تو پھر اس کو علیحدہ کیوں ذکر کیا۔ جواب۔ اس کی قباحت و شناعت کو بتلانے کے لئے علیحدہ ذکر کیا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الذَّنْبِ اَكْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ
عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ کونسا ہے۔
قَالَ اَنْ تَدْعُوَا لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ
فرمایا تو اللہ کا شریک ٹھہراوے حالانکہ اس نے تجھ کو پیدا کیا ہے۔ کہا پھر کونسا فرمایا تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے مارڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔
قَالَ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَنْ تُزَانِیَ حَلِيْلَةَ جَارِكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى تَصْدِيْقَهَا" وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ
کہا پھر کونسا فرمایا کہ تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مطابق یہ آیت نازل فرمائی اور جو لوگ
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ "الآية (پ ۱۹ ع ۴) (صحیح البخاری وصحیح مسلم)
اللہ کے ساتھ معبود نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور زنا نہیں کرتے۔ تا آخر آیت۔

تشریح۔ راوی کے مختصر حالات۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ذوہجرتین ذوقبلتین صحابہ میں سے ہیں اور نیز فقہاء مفسرین صحابہؓ میں سے ہیں اور فقہ حنفی کے اصل الاصول ہیں۔ موطا امام محمد میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور عمرؓ ایک جگہ اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے ایک سائل نے آکر مسئلہ پوچھا استفسار کیا حضرت عمرؓ سے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا عبداللہ بن مسعود سے پوچھو تو انہوں نے مسئلہ بتایا اس کے بعد جب حضرت عمرؓ کو دکھایا اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کنیف ملی علماً۔ چھوٹا سا برتن ہے علم سے بھرا ہوا۔ جن کے فضائل و کمالات و علمیت کی شہادۃ حضرت عمرؓ جیسے صحابہ دے گئے۔

حاصل حدیث:۔ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبیرہ گناہوں کے متعلق پوچھا تو جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین گناہوں کا ذکر کیا۔ (۱) شرک باللہ (۲) قتل اولاد بخشیۃ الطعام (فقر و فاقہ کی وجہ سے اولاد کو قتل کرنا) (۳) زنا بزوجۃ الجار۔ یہاں شرک سے مراد کفر ہے اور اکبر الکبار علی الاطلاق کفر ہے خواہ بطور شرک کے ہو یا بطور شرک کے نہ ہو اور یہاں پر شرک کی تخصیص اس لئے کی کہ عرب میں کفر عمومی طور پر بطور شرک کے تھا۔

قوله' وهو خلقک یہ ابطال شرک کی دلیل ہے کہ خالق تو اللہ ہے تو الٰہ بھی وہی ہے جو خالق وہی الٰہ ہے۔(۲) قتل ولد بخشیة الطعام کھانے کی ڈر کی وجہ سے اولاد کو قتل کر دینا۔

سوال مطلق نفس معصومہ کا قتل گناہ کبیر ہے تو پھر قتل ولد کی تخصیص کیوں؟ جواب۔ مزید قباحت وشناعت کو بتلانے کے لئے کہ اس میں نفس معصومہ کے قتل کے ساتھ ساتھ قطع رحمی بھی ہے۔ یا کثیر الوجود ہونے کی وجہ سے اس کی تخصیص کی۔

سوال: قتل ولد تو مطلقاً گناہ کبیرہ ہے خواہ خشیۃ الطعام ہو یا خشیۃ الطعام نہ ہو اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر خشیۃ الطعام ہو تو گناہ کبیرہ ہے اور اگر خشیۃ الطعام نہ ہو تو پھر قتل ولد گناہ کبیرہ نہیں۔

جواب: مزید قباحت کو اور شناعت کو بتلانے کے لئے اللہ کی رزاقیت پر ایمان نہیں ہے اس لئے یہ قید لگائی۔کوئی احتراز مقصود نہیں۔

(۳) ہمسائے کی بیوی سے زنا کرنا۔

اعتراض کہ زنا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے تو پھر زوجۃ الجار کی قید کیوں لگائی اور اس کی تخصیص کیوں کی؟

جواب۔ مزید قباحت وشناعت کے لئے کہ شریعت نے تجھے اس کی بیوی اور مال کا محافظ بنایا تھا تو خائن نکلا۔ نزل الله تصديقها۔ اللہ نے ان کی تصدیق کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ والذين لايدعون مع الله الهاً آخر ولا يقتلون النفس التى حرم الله الا بالحق ولايزنون (الآیۃ) اس آیت کو بطور استشہاد کے پیش کیا ہے۔

سوال: استدلال تام نہیں اس لئے کہ اس آیت میں اور حدیث میں مطابقت نہیں ہے اس لئے کہ اس آیت میں مطلق زنا اور مطلق قتل نفس کو گناہ کبیرہ کہا گیا ہے اور حدیث میں قید کے ساتھ مقید کر دیا ہے۔

جواب: یہ استدلال اور استشہاد بطور اولیت کی قبیل سے ہے۔ آیت سے مطلق زناء کا کبیرہ گناہ ہونا معلوم ہوا تو زنا بزوجۃ الجار تو بطریق اولیٰ گناہ کبیرہ ہوگا اور اسی طرح حدیث میں بالالویت کا ذکر ہے۔

سوال:۔ حدیث میں تین گناہوں کی تخصیص کیوں کی؟

جواب۔ سوال تین گناہوں کے متعلق تھا اس لئے ان کو بیان کیا ورنہ کوئی تخصیص نہیں حافظ شمس الدین ذھبی نے الکبائر کے نام سے کتاب لکھی جس میں ستر کے قریب گناہ کبیر بتلائے۔ بعض نے ۷۰۰ گناہ کبیرہ بتلائے ہیں۔

اس حدیث میں حليلة بمعنی زوجہ کے ہے لانها تحل الزوج۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍورَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَبَائِرُ
عبداللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کبیرہ گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ
اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةِ
شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جان کا قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا (بخاری) حضرت انسؓ کی روایت میں
اَنَسٍ وَّشَهَادَةُ الزُّوْرِ بَدَلَ الْيَمِيْنِ الْغَمُوْسِ. (صحيح البخارى و صحيح مسلم)
اَلْيَمِيْنِ الْغَمُوْسِ کی جگہ شہادۃ الزور (جھوٹی گواہی دینا پایا جاتا ہے)

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار کبیرہ گناہوں کا ذکر کیا۔(۱) اشراک باللہ (۲) عقوق والدین (۳) قتل النفس۔ نفس معصومہ کا قتل (۴) احد الامرین۔ یمین غموس ایک روایت کے مطابق اور دوسری روایت کے مطابق شہادۃ الزور۔ اشراک باللہ عام از یں کہ شرک حقیقی ہو جیسے صفات باری تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا یا حکمی ہو جیسے ریا کاری۔ یہ کفر ہے اور وہ شرک ہے۔ اور عقوق

والدین گناہ کبیرہ ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔ یعنی ان امور میں گناہ کبیرہ ہے جن میں اللہ جل شانہ کی معصیت کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا اور جن امور میں اللہ کی معصیت کا ارتکاب لازم آتا ہے وہاں والدین کی نافرمانی کوئی کبیرہ گناہ نہیں۔ باقی قتل نفس سے مراد نفس معصومہ ہے۔

قوله ' واليمين الغموس :۔ یمین کی تین قسمیں ہیں۔ یمین لغو' یمین منعقدہ اور یمین غموس۔ **یمین غموس** ماضی کے واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا' غموس کا معنی ہے۔ غوطہ دینا یہ قسم بھی انسان کو دنیا میں گناہ میں غوطہ دیتی ہے اور آخرت میں آگ میں غوطہ دے گی۔ شافعیہ کے نزدیک چونکہ اس پر کفارہ بھی ہے۔ اس لئے ان کے ہاں دنیا میں کفارہ میں غوطہ دیتی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یمین غموس پر کفارہ نہیں۔

یمین منعقدہ:۔ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانے کو کہتے ہیں۔ اس میں حانث ہونے کی صورت میں بالاتفاق کفارہ ہے۔

یمین لغو ماضی کے کسی امر پر خلاف واقعہ قسم کھائے۔ یہ سمجھ کر کہ میں درست کہہ رہا ہوں۔ اس پر کفارہ ہے اور نہ ہی گناہ لغو کی یہ تفسیر حنفیہ کے ہاں ہے۔ امام شافعی کے نزدیک لغو سے مراد وہ قسم ہے جو بلا قصد کے منہ سے نکل جائے خواہ ماضی کے کسی واقعہ پر ہو یا مستقبل کے۔ اس حدیث سے یمین غموس میں کفارہ کے وجود یا عدم کفارہ پر کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ کبیرہ اور کفارہ ہے اور یہ حدیث اس کے بارے میں مسکوت عنہ ہے امام شافعیؒ نے دوسری نصوص سے استدلال کیا ہے اور باقی ان چار گناہوں کا ذکر بطور تمثیل کے ہے یا کسی مقتضی وقتی کی وجہ سے ان کو بیان کیا گیا۔

وفی روایة سے ایک فائدے کا بیان کہ حضرت انسؓ کی حدیث میں یمین غموس کی بجائے شہادۃ الزور کا ذکر ہے ممکن ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے سامنے یمین غموس کا ذکر کیا ہو اور حضرت انسؓ کے سامنے شہادۃ الزور کا ذکر کیا ہو کوئی تفاوت نہیں ہے۔

عقوق مشتق ہے عق باب نصر سے اس کے لغوی معنیٰ ہیں قطع کرنا اور پھاڑنا یہاں مراد یہ ہے کہ غیر معصیت میں والدین یا ان میں سے کسی ایک کے حکم کی مخالفت کرے یا ان کو کوئی ایسی تکلیف پہنچائے جو عرفاً اور عادۃً والدین اپنی اولاد سے گوارا نہ کرتے ہوں لیکن کفر سے نکالنے کے لئے ایذا پہنچانا جائز ہے۔ فائدہ (۱) اجداد اور جدات بھی والدین کے حکم میں ہیں۔ فائدہ (۲) والدین کو تکلیف نہ پہنچانا واجب ہے اور اسی طرح ان کی مالی اور جانی خدمت کرنا جبکہ والدین خدمت کے محتاج ہوں نیز اولاد خدمت گزاری پر قادر بھی ہو یہ بھی واجب ہے لیکن والدین کے کہنے پر فرائض و واجبات کا ترک کرنا جائز نہیں البتہ مستحبات کا ترک جائز ہے اور سنن موکدہ مثلاً جماعت اور صوم عرفہ وغیرہ کا ایک آدھ دفعہ چھوڑ دینا بھی جائز ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سات
الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَاهُنَّ قَالَ الشِّرْکُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ
ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ کیا ہیں فرمایا اللہ کیساتھ (۱) شرک کرنا اور (۲) جادو کرنا (۳) قتل کرنا
اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَکْلُ الرِّبٰو وَاَکْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ
اس جان کا جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور (۴) سود کا کھانا اور (۵) یتیم کا مال کھانا اور لڑائی (۶) کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگنا۔
الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
(۷) ایماندار بے خبر پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا۔

تشریح: قوله' قتل النفس التی حرم الله. الخ

حاصل حدیث :۔ اس حدیث میں سبع موبقات کے ارتکاب سے نہی کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی سات ایسے گناہ ہیں جو مہلکات ہیں ان میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب نہیں کرنا چاہئے۔ اور وہ سبعہ موبقات یہ ہیں (۱) اشراک باللہ (۲) سحر بازی (۳) نفس معصومہ کا

قتل (۴) اکل ربوٰ (۵) اکل مال الیتیم (۶) تولی یوم الزحف (۷) قذف فی المحصنات الغافلات المومنات۔

سحر کے بارے میں مختصر بحث:۔ اس حدیث میں سات ہلاک کرنے والی چیزوں میں سے سحر کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ اس بات پر تو اتفاق ہے کہ جادو کا اثر ہوسکتا ہے۔ اس میں علماء کی بحث چلی ہے کہ سحر میں صرف خیال بندی ہوتی ہے یا نفس الامر میں بھی کوئی تغیر ہوتا ہے۔ اس میں دو رائیں ہیں۔ شافعیہ میں سے ابو جعفر استر ابادی حنفیہ میں سے ابوبکر رازی اصحاب ظواہر میں سے ابن حزم اور چند علماء کی رائے یہ ہے کہ جادو سے کسی چیز میں انقلاب نہیں آتا یہ محض تخییل اور نظر بندی ہوتی ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حقیقتاً جادو ہے۔ پھر جن کے نزدیک سحر سے نفس الامر میں تغیر ہوسکتا ہے۔ ان کا اختلاف ہوا ہے کہ سحر سے صرف تغیر وصف ہی ہوتا ہے یا تغیر ذات بھی ہوجاتا ہے۔ بعض اس بات کے قائل ہوتے ہیں کہ بعض اوقات جادو سے تغیر عین اور تغیر ذات بھی ہوجاتا ہے۔ جیسے انسان کو گدھا بنا دینا۔ اکثر کی رائے اور صحیح رائے یہ ہے کہ سحر سے صرف وصف اور مزاج میں تبدیلی آتی ہے۔ ذات میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ جیسے تندرست تھا جادو سے بیمار پڑ گیا پہلے ہوشیار تھا جادو سے سست پڑ گیا۔

سحر بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ بعض حضرات نے اس کو کفر بھی قرار دیا ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اگر حلال سمجھ کر نہیں کرتا تو حرام ہے اور اگر حلال سمجھ کر کرتا ہے تو کفر ہے۔ تعویذ اور دوسرے عملیات میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مضمون صحیح نہ ہو مثلاً شرکیہ الفاظ ہوں استعانت من غیر اللہ ہو تو یہ ناجائز ہے اور اگر مضمون صحیح ہو تو دیکھا جائے گا کہ یہ عمل غرض صحیح کیلئے کیا جارہا ہے یا غرض فاسد کیلئے۔ اگر صحیح غرض کیلئے ہو تو جائز ہے جیسے کسی بیمار کے علاج کیلئے تعویذ کرنا اور اگر غرض صحیح نہ ہو تو جائز ہے۔ جیسے میاں بیوی میں نا اتفاقی پیدا کرنے کیلئے تعویذ کرنا۔

تعلیم و تعلم کا حکم۔ اگر بغرض اہل حق سے مدافعت ہو تو جواز کی گنجائش ہے اور اگر بقصد ضرر ایذاء رسانی ہو تو قطعاً حرام ہے۔

(نفس معصومہ کا قتل اس کا مصداق تین ہیں (۱) نفس مسلم کا قتل بدون کسی حق شرعی کے (۲) نفس ذمی کا قتل (۳) معاھد کا قتل الا بالحق۔ اس سے مراد زانی بحالت محصن کا قتل ہے ان کو قتل کرنا جائز ہے۔)

قولہ اکل الربوٰ الخ بمعنی اخذ ربوٰ سود لینا حرام ہے۔

قولہ اکل مال یتیم الخ میں اکل بمعنی تصرف ہے یعنی غیر کے مال میں ناجائز تصرف کرنا یہ گناہ کبیرہ ہے۔

تولی یوم الزحف الخ لڑائی کے دن پیٹھ پھیرنا یہ اس وقت ہے جب مقابلے میں دشمن کی تعداد ضعف سے زیادہ نہ ہو اگر ضعف سے زیادہ ہو تو پھر بھی عزیمت اور اصل اور مناسب یہی ہے کہ پیچھے نہ ہٹے لیکن بھاگ آیا تو گناہ کبیرہ نہیں ہے اور اگر دو کے مقابلے میں بھاگ آیا تو گناہ کبیرہ ہے۔

قولہ قذف المحصنات الخ۔ پاکدامن اور بری الذمہ عورتوں پر تہمت لگانا یہ بھی گناہ کبیرہ ہے باقی مومنات کی قید لگا کر کافرات کو خارج کر دیا گیا۔ مشرکہ پر تہمت لگانا گناہ کبیرہ نہیں خواہ حربی ہو یا ذمی ہو باقی محصنات کی قید لگا کر فاحشات کو خارج کر دیا فاحشہ پر بھی تہمت لگانا گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ غافلات یہ بری الذمہ ہونے سے کنایہ ہے۔

سوال: مرد کو بھی تہمت لگانا کبیرہ گناہ ہے تو پھر محصنات کی قید کیوں لگائی گئی۔ جواب۔ تخصیص قرآن کی وجہ سے ہے یا عورتوں کو تخصیص کثیر الوجود ہونے کے اعتبار سے ہے ورنہ کوئی احتراز مقصود نہیں ہے محض مرد کو بھی تہمت لگانا یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا
اور اسی (ابوہریرہؓ) سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زانی نہیں زنا کرتا کہ وہ مومن ہو
يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَّلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا
اور چور چوری نہیں کرتا کہ وہ مومن ہو۔ شرابی شراب نہیں پیتا کہ اس وقت وہ مومن ہو اور نہیں

يَنْتَهِبُ نَهْبَةً يَّرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيهَا اَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ
لوٹ ڈالتا کہ لوگ اپنی آنکھیں اس کی طرف اٹھائیں کہ وہ مومن ہو اور نہیں خیانت کرتا ایک تمہارا جس وقت خیانت کرتا ہے
يَغُلُّ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاِيَّاكُمْ اِيَّاكُمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَّلَا يَقْتُلُ
کہ وہ مومن ہو۔ پس تم بچو۔ تم بچو۔ (متفق علیہ) ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ نہیں قتل کرتا
حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِكْرَمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يُنْزَعُ الْاِيْمَانُ مِنْهُ قَالَ هٰكَذَا
جس وقت وہ قتل کرتا ہے اور وہ مومن ہو۔ عکرمہؓ نے کہا میں نے ابن عباسؓ سے کہا ایمان اس سے کس طرح نکالا جاتا ہے
وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ ثُمَّ اَخْرَجَهَا فَاِنْ تَابَ عَادَ اِلَيْهِ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ وَقَالَ اَبُوْ
کہا اس طرح اور اپنی انگلیوں میں بیچ دیا۔ پھر ان کو نکالا کہا اگر توبہ کرتا ہے ایمان اس کی طرف اس طرح لوٹ آتا ہے اور پھر اپنی انگلیوں کو بیچ دیا۔
عَبْدِاللّٰهِ لَا يَكُوْنُ هٰذَا مُؤْمِنًا تَامًّا وَّلَا يَكُوْنُ لَهٗ نُوْرُ الْاِيْمَانِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ
ابو عبداللہ نے کہا ایسا شخص کامل مومن نہیں ہوتا اور اس کیلئے ایمان کا نور نہیں ہوتا۔ (یہ لفظ بخاری کے ہیں)

تشریح: حاصل حدیث کبائر ستہ مذکورہ کے ارتکاب کے وقت ایمان پر باقی نہیں رہتا اور وہ کبائر ستہ یہ ہیں۔

(۱) زنا (۲) سرقہ (۳) شرب خمر (۴) نھبہ (لوٹ مار) (۵) غلول (خیانت)

(۶) قتل۔ ان کبائر ستہ مذکورہ میں سے کسی کا مرتکب ایمان پر باقی نہیں رہتا۔ یہاں پر دو سوال ہوتے ہیں۔

سوال (۱): یہ حدیث تو بظاہر اہلسنت والجماعت کے خلاف ہے اور معتزلہ کی دلیل بن رہی ہے اس لئے کہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک مرتکب کبیرہ ایمان پر باقی رہتا ہے اور اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان پر باقی نہیں رہتا جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے تو یہ ان کی دلیل ہوئی۔

سوال (۲) اس حدیث کا تعارض ہے حدیث ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے ساتھ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وان زنی و ان سرق و ان زنی و ان سرق الخ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان پر باقی رہتا ہے اور اس حدیث ابو ہریرہ (لایزنی الزانی وھو مؤمن الخ) سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان پر باقی نہیں رہتا تو بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے ان کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔ دو جواب صاحب کتاب نے ذکر کئے ہیں۔

پہلا جواب: حدیث ابو ہریرہؓ میں نفس ایمان کی نفی نہیں بلکہ کمال ایمان کی نفی ہے اور معتزلہ کا استدلال تب تام ہوسکتا ہے کہ جب نفس ایمان کی نفی ہو۔ اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کبائر ستہ میں سے کسی کا مرتکب ارتکاب کے وقت کامل مومن نہیں رہتا۔ لہٰذا معتزلہ کا استدلال اس سے تام نہیں اور اب حدیث ابوذرؓ کے ساتھ تعارض بھی باقی نہیں رہتا۔ اس لئے کہ تعارض تب ہوتا جب یہ مراد ہو کہ نفس ایمان باقی نہیں رہتا۔ پس حدیث ابو ہریرہؓ سے معلوم ہوتا ہے کمال ایمان باقی نہیں رہتا اور حدیث ابوذرؓ سے معلوم ہوتا ہے نفس ایمان باقی رہتا ہے تو لہٰذا کوئی تعارض نہ ہوا۔

دوسرا جواب۔ جب انسان اسلام لاتا ہے اور کلمہ پڑھ لیتا ہے دل کے اندر اللہ تعالیٰ روشنی پیدا کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا کرنے والی دو چیزیں ہیں (۱) نفس ایمان (۲) نور ایمان (آثار ایمان)۔ اس حدیث میں نور ایمان کی نفی ہے۔ یعنی ان کبائر کے ارتکاب کے وقت نور ایمان باقی نہیں رہتا۔ جب آدمی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ نور ایمانی نکل کر اس پر سائبان کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے جب آدمی توبہ کر لیتا ہے تو وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے تو اس حدیث میں نور ایمان کی نفی ہے نفس ایمان کی نفی نہیں۔ اور معتزلہ کا استدلال تب تام ہوتا جب نفس ایمان کی نفی ہوتی لہٰذا اب ان کا استدلال تام نہیں اور اسی طرح تعارض تب ہوتا جب نفس ایمان کی نفی ہوتی یہاں تو نور ایمان کی نفی ہے۔ نور ایمان باقی نہ رہے اور نفس ایمان باقی رہے اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ یہ دونوں جواب صاحب مشکوٰۃ نے امام بخاری کی

طرف سے بیان کئے ہیں۔امام بخاریؒ کا یہ جواب دینا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اعمال صالحہ حقیقت ایمان کا جز نہیں ہیں۔

تیسرا جواب۔حدیث ابو ہریرہؓ میں مومن بالمعنی اللغوی ہے یعنی ذا امن والا ہونا۔یعنی ان گناہوں کے ارتکاب کے وقت مرتکب عذاب الٰہی سے ذاامن نہیں رہتا خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں اس کو عذاب الٰہی کی لپیٹ میں نہ آ جائے تو اس حدیث میں مومن بمعنی ذا امن کی نفی ہے۔لہٰذا اب معتزلہ کا استدلال بھی تام نہیں ہوسکتا کیونکہ استدلال تب تام ہوتا جب مومن بمعنی ذاایمان کی نفی ہوتی اور حدیث ابوذرؓ کے ساتھ تعارض بھی باقی نہ رہا۔کیونکہ یہاں ایمان بالمعنی اللغوی کی نفی ہے اور وہاں بالمعنی الاصطلاحی کا اثبات ہے۔

چوتھا جواب۔اس حدیث میں ذکر کیا گیا مومن کو اور مراد لیا گیا مستحی کو۔ **الحیاء شعبة الایمان**۔ذکر کیا ایمان کو اور مراد لیا حیاء کو اب معنی یہ ہوگا کہ ان کبائر کے ارتکاب کے وقت مرتکب باحیا ذاحیا نہیں رہتا بے حیا بن جاتا ہے اور معتزلہ کا استدلال تب تام ہوتا جب ایمان سے مراد ایمان اصطلاحی کی نفی ہو یہاں پر تو ایمان بمعنی مستحی کی نفی ہے اور حدیث ابوذرؓ کے ساتھ تعارض بھی نہیں رہے گا۔

پانچواں جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان گناہوں کے ارتکاب کے وقت مرتکب اسم مدح یعنی مومن ہونا مسلم ہونا اس کے قابل اور اس کا مستحق نہیں رہتا بلکہ مذمت کا مستحق بن جاتا ہے اور اس بات کا مستحق بن جاتا ہے کہ بجائے مومن کے اطلاق کے فاسق فاجر زانی سارق وغیرہ کا اطلاق اس پر کیا جائے۔اس پر اسم قبیح کا مستحق بن جاتا ہے اسم مدح کا مستحق نہیں رہتا۔اور معتزلہ کا استدلال بھی تام نہیں ہوسکتا اور تعارض بھی نہیں ہوگا۔

چھٹا جواب: مومن کنایہ ہے **مطیع** سے یہاں پر مومن بمعنی مطیع کی نفی مراد ہے۔اب معنی یہ ہوگا کہ ان کبائر کے ارتکاب کے وقت مومن میں اطاعت اور فرمانبرداری نہیں رہتی۔لہذا معتزلہ کا استدلال بھی تام نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ان کا استدلال تب تام ہوتا جب ایمان اصطلاحی مراد ہو کیونکہ یہاں ایمان بمعنی اطاعت کی نفی ہے اور وہاں ایمان اصطلاحی کا اثبات ہے لہذا تعارض بھی نہ ہوا۔

ساتواں جواب:۔یہ زجر علی المبالغہ پر محمول ہے۔جیسے **لاایمان لمن لاامانة له ولادین لمن لاعهد له** اس میں یہ حقیقت پر محمول نہیں ہے۔

قوله' یرفع الناس الیه یہ ارشاد فرمایا مزید قباحت کو بتلانے کے لئے کہ ایسی لوٹ مار کہ لوگ دیکھتے رہیں لیکن روکنے کی قدرت نہ ہو روکنے پر قادر نہیں ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے۔ارتکاب سے پہلے ایمان کی پیوستگی اور اتصال جیسے تشبیک میں انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں اور ارتکاب کے بعد جس طرح تشبیک کے ختم ہو جانے کے بعد انگلیوں کا انفصال ہو جاتا ہے اسی طرح کمال ایمان نور ایمان کا انفصال ہو جاتا ہے مرتکب سے اور توبہ کرنے کے بعد پھر وہ پہلے والی صورت ہو جاتی ہے۔حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ایمان کیسے نکالا جائے گا تو انہوں نے معقول کو محسوس کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھایا کہ ایمان کی پیوستگی واتصال ایسے ہوتا ہے جیسے تشبیک سے پہلے انگلیوں کا اتصال بعض کا بعض کے ساتھ ہوتا ہے اور جب مرتکب معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو ایمان کا انفصال ایسے ہو جاتا ہے جیسے انگلیوں کا آپس سے تشبیک کے بعد انفصال ہو جاتا ہے اور جب توبہ کر لیتا ہے تو اس رجل ثابت کے ساتھ ایمان کا اتصال ایسے ہو جاتا ہے جیسا کہ تشبیک کے وقت بعض انگلیوں کا بعض کے ساتھ۔تو یہ تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے۔باقی دو دفعہ تشبیک فرمائی۔پہلی مرتبہ ارتکاب سے پہلے کی حالت کو سمجھانے کے لئے اور دوسری مرتبہ توبہ کے بعد کی حالت کو سمجھانے کے لئے جیسے پہلے ایمان ہوتا ہے ویسے ہی عود کر آتا ہے نور ایمان کمال ایمان عود کر آتا ہے۔ایاکم بچاؤ تم اپنے آپ کو دور رکھو۔باب کے عنوان میں دو چیزیں تھیں۔(۱) الکبائر (۲) علامات النفاق۔اب آگے علامات النفاق کا بیان ہے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ منافق کی تین علامتیں ہیں۔

زَادَ مُسْلِمٌ وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ ثُمَّ اتَّفَقَا إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ
مسلم نے زیادہ کیا ہے۔ اگر چہ روزہ رکھے نماز پڑھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ رکھے۔ پھر دونوں متفق ہو گئے ہیں۔ جب بات کرے جھوٹ بولے
وَإِذَا ائْتُمِنَ خَانَ. (صحیح مسلم)
جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے۔

تشریح: حاصل حدیث: اس حدیث ابو ہریرہؓ میں نفاق کی علامات ثلثہ کا بیان ہے اور وہ یہ ہیں۔ (۱) الکذب (۲) وعدہ خلافی (۳) امانت میں خیانت۔

کذب کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) کذب صریحی (۲) کذب غیر صریحی۔ کذب صریحی حرام ہے بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً نفس معصومہ کو قتل سے بچانا ہو اس کے لئے کذب رہتا ہی نہیں بلکہ اس صورت میں کذب واجب ہے اور غیر صریحی یہ ہے کہ کوئی لفظ ذومعنیین ذکر کر دیا جائے۔ یہ دفع مضرت کے لئے جائز ہے اور جلب منفعت کے لئے ناجائز ہے (جملہ معترضہ کے طور پر ایک واقعہ جیسے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو پولیس گرفتار کرنے کے لئے آئی تو جہاں کھڑے تھے اس سے دو قدم دور ہو گئے تو انہوں نے پوچھا کہ قاسم کہاں ہیں تو حضرت نے جواب دیا کہ ابھی تو یہیں تھے اب پتہ نہیں کہاں ہیں) تو اس میں جھوٹ نہیں بولا بلکہ توریہ کیا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ استثنائی صورتیں غیر صریحی میں توریے کی ہیں اور باقی سب کذب غیر صریحی حرام ہے۔ اور وعدہ خلافی وہ علامات نفاق میں سے ہے جو وعدہ کرتے وقت ہی نیت ہو کہ ایفاء نہیں کرنا اور اگر وعدہ کرتے وقت ایفاء عہد کرنے کی نیت تھی لیکن کسی عذر کی وجہ سے نہ ہو سکا یہ گناہ علامات نفاق میں سے نہیں ہے۔ یعنی تمام تدابیر کو بروئے کار لانے کے بعد اگر ایفاء عہد نہ ہو تو یہ علامت نفاق نہیں نیز وعدہ خلافی اگر کسی ناجائز امر کے بارے میں ہو تو اس کو توڑنا واجب ہے یہ علامات نفاق میں سے نہیں۔ اور ایک ہوتا ہے وعدہ اور ایک ہوتا ہے معاہدہ۔ وعدہ جانب واحد سے ہوتا ہے اور معاہدہ جانبین سے ہوتا ہے وعدہ کو توڑنا اس کو وعدہ خلافی کہتے ہیں اور معاہدہ کو توڑنا اس کو غدر (دھوکہ) کہتے ہیں۔

اور خیانت دو قسم پر ہے۔ (۱) خیانت مالی (۲) خیانت قولی۔ مالی کہتے ہیں کسی کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرنا یہ خیانت مالی ہے حتیٰ کہ نوٹ تبدیل کر دینا یہ بھی خیانت مالی ہے اور کسی کا راز فاش کرنا یہ قولی ہے اور یہ دونوں علامات نفاق ہیں۔

سوال: اس حدیث میں نفاق کی علامات ثلثہ کا بیان ہے اور مابعد والی حدیث میں نفاق کی علامات اربعہ کا بیان ہے تو بظاہر تعارض ہے۔

جواب (۱) اعداد میں تناقض و تعارض نہیں ہوتا لہٰذا عدد اقل عدد اکثر کیلئے نافی نہیں ہوتا۔

جواب (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم بطور تدریج کے دیا گیا۔ جب ثلث کا علم ہوا تو اس کو بیان کر دیا اور جب اربع کا علم ہوا تو اس کو بیان کر دیا تو ثلث علامات بیان کرنے کا زمانہ مقدم اور اربع علامات بیان کرنے کا زمانہ موخر ہے۔

جواب (۳) سے یہ دونوں حدیثوں سے مراد یہ ہے کہ نفاق ذا علامات متعددۃ ہے تو کسی حدیث میں تین کا ذکر اور کسی میں چار کا ذکر ہے۔ باقی اس میں تین امور کو بتلایا یہ کوئی حصر مقصود نہیں کسی مقتضی وقتی کی وجہ سے یا کسی مقتضی مقامی کی وجہ سے بیان کیا۔

سوال: یہ علامتیں تو مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں لہٰذا ان کو منافق کہنا چاہیئے حالانکہ وہ تو منافق نہیں ہیں۔

جواب (۱)۔ نفاق کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) نفاق اعتقادی (۲) عملی (۳) حالی۔ نفاق اعتقادی **ابطال الکفر و اظہار الاسلام**۔ دل میں کفر کا ہونا اور زبان سے اسلام ظاہر کرنا جیسے **و من الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الآخر وماھم بمومنین الآیہ** اور نفاق عملی۔ جلوت میں امور دینیہ کی رعایت کرنا اور خلوت میں نظر انداز کر دینا۔ بعنوان آخر دل میں ایمان کے ہوتے ہوئے عمل میں فساد کا ہونا۔ فرائض واجبات اور سنن موکدہ کے علاوہ خلوت میں ادا کرے۔ سنن موکدہ ایک عارضے کی وجہ سے مسجد میں پڑھنا بہتر ہے۔ وہ یہ کہ بعض نے سرے سے ان کا انکار کر دیا ہے۔ علمائے امت میں سے بہت سے تو تراویح کی نماز کو گھر میں پڑھنے کی طرف گئے ہیں۔ نفاق حالی۔ دل

کی کیفیات کا مختلف ہونا مختلف واقعات کے اعتبار سے اس کی مثال جیسے حضرت حنظلہؓ کا واقعہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ نفاق (قلبی) اعتقادی نفس ایمان کے منافی ہے اور نفاق عملی کمال ایمان کے منافی ہے اور نفاق حالی کمال ایمان کے منافی نہیں چہ جائیکہ نفس ایمان کے منافی ہو۔ حالی کی مثال جیسے ماقبل میں حضرت حنظلہؓ کا واقعہ کہ ایک مرتبہ حضرت حنظلہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو فرمایا کہ ہم جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو دل کی کیفیت اور ہوتی ہے اور جب مجلس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو پھر دل کی کیفیت اس سے مختلف ہوتی ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میرا بھی یہی حال ہے چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے قصہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساعۃً فساعۃً یہ مجلس میں سے جانے کے بعد کیفیات مختلف ہوتی رہتی ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ مجلس میں سے جانے کے بعد بھی ویسی ہی کیفیت رہے۔ تو ہماری مراد اس سے نفاق عملی ہے نفاق اعتقادی نہیں۔ اور نفاق عملی یہ مسلمانوں کے منافی یعنی ایمان کے منافی نہیں ہے۔

جواب (۲) کلمہ اذا دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اذا حدث کذب الخ۔ اب معنی یہ ہوگا کہ جس شخص میں یہ تین علامتیں بطور دوام کے یعنی ہمیشہ پائی جائیں یہ نفاق اعتقادی ہے یہ شخص منافق ہوگا۔ حدیث کا مدلول یہ ہے کہ یہ علامتیں نفاق کی تب ہیں جب ان پر دوام و استمرار ہو۔ اور مسلمانوں میں اس کا پایا جانا تارۃ و احیاناً ہوتا ہے۔ دواماً و استمراراً نہیں ہوتا۔

جواب (۳) اذا حدث کذب الخ میں معقول کو حذف کر دیا عموم کو بتلانے کے لئے معنی یہ ہے کہ ہر بات میں جھوٹ بولے جب بھی بات کرے جھوٹ بولے جب کبھی امانت رکھی جائے خیانت کرے ہر بات میں اور ہر امانت میں خیانت کرے یہ نفاق اعتقادی ہے یہ منافق ہے اور مسلمانوں میں یہ نہیں پایا جاتا۔

جواب۔ (۴) یہ تو علامتیں ہیں علل تو نہیں اور وجدان علامت ذو علامت کے پائے جانے کو مستلزم نہیں یعنی علامت ذو علامت کے پائے جانے کو مستلزم نہیں۔ معنی یہ ہے کہ وہ منافق اعتقادی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ منافق نہیں ہوتا جیسا کہ مابعد والی حدیث میں منافقاً خالصاً سے یہ بات معلوم ہوتی ہے جس میں جس قدر علامتیں زیادہ ہوں گی اسی قدر مشابہت بھی زیادہ ہوگی۔

سوال ماقبل میں تو صرف مسلم کا ذکر تو نہیں ہے؟

جواب یہ دونوں ایک دوسرے کو مستلزم ہیں جب ایک ذکر کیا تو دوسرے کا ذکر ذہن میں خود بخود آ جاتا ہے اس لئے اتفاقاً ذکر کیا واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مَّنْ

حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں

كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا

جس شخص میں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا۔ اور جس میں کوئی ایک بات ہوگی اس میں نفاق کی ایک بات ہوگی یہاں تک کہ

اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

اسے چھوڑ دے جب امانت سونپی جائے خیانت کرے اور جب بات کرے جھوٹ بولے جب عہد کرے توڑ دے جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔

تشریح: حاصل حدیث: نفاق ذا علامات متعددۃ ہے اس حدیث میں چار علامات نفاق کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کے اندر یہ چار علامات نفاق یہ چار خصلتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہو جاتا ہے یعنی اس کی مشابہت منافق کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی ہو جاتی ہے اور جس میں ان چار خصلتوں میں سے کوئی ایک پائی جائے تو پھر اس کی مشابہت ادنیٰ درجہ کی ہوگی جس قدر علامات نفاق پائی جائیں گی اس قدر مشابہت بھی زیادہ ہوگی اور وہ چار علامات نفاق کی خصلتیں یہ ہیں۔ (۱) جب امانت رکھی جائے خیانت کرے (۲) کذب۔ جب بات کرے جھوٹ بولے (۳) عہد شکنی۔ جب عہد و پیمان کرے تو عہد شکنی کرے (۴) گالی گلوچ جب بھی کسی کے ساتھ جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ پر اتر آئے۔ اگر ان علامات کو ختم کرتا چلا جائے گا تو

اس قدر مشابہت ختم ہوتی چلی جائے گی۔لہذا منافق کے ساتھ اپنے آپ کو مشابہت سے بچاؤ۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ
ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی مثال بکری کی مانند ہے
الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيْرُ اِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً وَّاِلٰى هٰذِهٖ مَرَّةً. (صحیح مسلم)
جو دو ریوڑوں کے درمیان پھرتی ہے کبھی ایک ریوڑ کی طرف اور کبھی دوسرے ریوڑ کی طرف

تشریح:۔حاصل حدیث:ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کا حال اس بکری کے حال کی طرح ہے جو آنے جانے والی ہو دو ریوڑوں کے درمیان کبھی اس ریوڑ کے پاس اور کبھی اس ریوڑ کے پاس اس حدیث میں منافق کے قبیح الحال ہونے کو ایک مثال کے ذریعہ سے بیان کیا ہے کہ منافق کا حال اس بکری جیسا ہے کہ جو بکری اپنے مخصوص ایام میں ہونے کی وجہ سے اپنی جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے نر کی تلاش میں ہے اس کے لئے کبھی اس ریوڑ کے پاس جاتی ہے اور کبھی اس ریوڑ کے ساتھ جاملتی ہے کہ کسی طرح اس کی خواہش پوری ہو جائے۔بالکل یہی حال ہے منافق کا کہ وہ بھی اپنے مفادات کو حاصل کرنے کے لئے کبھی مسلمانوں کے ساتھ جاملتا ہے اور کبھی کافروں کے ساتھ جاملتا ہے کبھی اہل حق کے ساتھ اور کبھی اہل باطل کے ساتھ جاملتا ہے اور آج کے دور میں کبھی اہلسنت کے ساتھ اور کبھی رافضیوں کے ساتھ جاملتا ہے۔یہ تشبیہ المعقول بالمحسوسات ہے۔لاالیٰ هؤلاء و لاالی هؤلاء۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ يَهُوْدِيٌّ لِصَاحِبِهٖ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ لَا تَقُلْ
حضرت صفوانؓ بن عسال سے روایت ہے کہا ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے کہا میرے ساتھ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل۔
نَبِيٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهٗ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَاهُ عَنْ تِسْعِ
اس کے دوست نے اسے کہا اسے نبی نہ کہہ اگر اس نے سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہوں گی وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور
اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا
آپ سے نو احکام ظاہر پوچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور چوری نہ کرو اور زنا نہ کرو اور اس جان کو نہ
تَزْنُوْا وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِيْءٍ اِلٰى ذِيْ سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهٗ وَلَا
مارو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ کسی بے گناہ کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کر دے اور جادو نہ کرو سود نہ
تَسْحَرُوْا وَلَا تَاْكُلُوا الرِّبَا وَلَا تَقْذِفُوْا مُحْصَنَةً وَلَا تُوَلُّوْا لِلْفِرَارِ يَوْمَ الزَّحْفِ وَ عَلَيْكُمْ خَاصَّةً
کھاؤ۔پاکدامن پر تہمت نہ لگاؤ اور لڑائی کے دن بھاگنے کیلئے پیٹھ نہ پھیرو اور تم پر اے یہود خاص طور پر واجب ہے کہ ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرو۔
الْيَهُوْدَ اَنْ لَّا تَعْتَدُوْا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَا نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا
راوی نے کہا ان دونوں نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں چوم لئے اور کہا ہم دونوں گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے نبی ہیں۔فرمایا تم کو میری
يَمْنَعُكُمْ اَنْ تَتَّبِعُوْنِيْ ؟ قَالَ اِنَّ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَّا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ نَبِيٌّ وَاِنَّا نَخَافُ
پیروی کرنے سے کون سی چیز منع کرتی ہے ان دونوں نے کہا داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ نبوت ہمیشہ اس کی اولاد میں رہے اور

اِنْ تَبِعْنَاکَ اَنْ یَقْتُلَنَا الْیَهُوْدُ. (رواه الجامع ترمذی وابوداؤ و السنن نسائی)
تحقیق ہم ڈرتے ہیں اگر ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی تو یہودی ہم کو مار ڈالیں گے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ایک یہودی شخص نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آؤ ہم اس شخص کے پاس چلیں جواپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔اس ساتھی نے آگے سے کہا کہ نبی کا لفظ نہ کہواگراس نے یہ لفظ سن لئے تو اس کی خوشی سے چار آنکھیں ہو جائیں گی کہ یہ دیکھو میرے دشمنوں نے بھی میری نبوت کو تسلیم کرلیا۔الغرض دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اورانہوں نے آیات بینات کے متعلق سوال کیا (بطور امتحان کے) اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام عشرہ کو بیان فرمایا۔اوروہ احکام عشرہ یہ ہیں۔(۱) عدم اشراک باللہ (۲) عدم سرقہ (۳) عدم زنا (۴) نفس معصومہ کے قتل سے نہی (۵) نفس معصومہ کو حاکم کے پاس قتل کے لئے لے جانے سے ممانعت (۶) سحر سے ممانعت (۷) اخذ الربٰو سے نہی (۸) قذف محصنہ سے نہی (۹) تولی عن یوم الزحف سے نہی۔(لڑائی کے دوران میدان سے بھاگ جانے سے نہی)۔(۱۰) عدم اعتداء یوم السبت۔(ہفتہ کے دن سب سبقت کرنے سے نہی) یہ حکم عاشر مختص ہے یہود کے ساتھ اور پہلے احکام تسعہ عامہ ہیں۔تمام امم کو شامل ہیں۔ملۃ دون ملۃ کے ساتھ اختصاص نہیں۔عہد آدم سے لے کر قیامت تک حرام ہیں۔اس حدیث سے ان گناہوں کی قباحت کا اندازہ بھی ہوگیا۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا تو وہ تھے یہودی لیکن شدت خوشی سے مغلوب الحال ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشی کی وجہ سے ہاتھ پاؤں چومنے شروع کردئے اور اضطرارا بے اختیاری طور پر زبان سے یہ نکل پڑا نشهدانک نبی۔کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دل سے اقرار کیوں نہیں کرتے تو انہوں نے اس کے دو عذر بیان کئے۔(۱) حضرت داؤدؑ نے دعا کی ہے کہ تا قیامت میری اولاد میں نبی رہے گا اور آپ ان کی اولاد میں سے نہیں۔اس لئے ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے۔اور آپ کو نبی نہیں مانتے۔(۲) اگر ہم آپ کی اتباع کریں تو باقی یہودی ہمیں قتل کر دیں گے۔اس خوف کی وجہ سے ہم آپ کو نبی نہیں مانتے۔ان دونوں عذروں کے جواب آگے آرہے ہیں۔

حدیث کے الفاظ کی مختصر تشریح۔جو مندرجہ ذیل ہیں۔اذهب بنا۔باء میں دو احتمال ہیں۔(۱) با مصاحبت کے لئے ہو معنی یہ ہوگا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلو۔(۲) با تعدیہ کے لئے ہو معنی یہ ہوگا کہ ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو۔دونوں احتمال صحیح ہیں۔لاتقل نبی۔نبی یہ قول کا مقولہ ہے اور یہ خبر ہے مبتدأ محذوف کی جو کہ ھو ہے۔ای ھو نبی۔لہٰذا اب یہ اشکال نہیں ہوگا کہ مقولہ تو مفرد ہے حالانکہ مقولہ کا جملہ ہونا ضروری ہے۔لہٰذا یہ اشکال وارد نہیں ہوگا اس لئے کہ ھو نبی یہ جملہ ہو جائے گا۔ لکان له' اربع اعین۔یہ کنایہ ہے،بہت زیادہ خوشی سے شدت مسرت سے کنایہ ہے بعض نے کہا کہ دو ظاہری آنکھیں اور دو باطنی آنکھیں مراد ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ ظاہراً بھی خوش ہو جائے گا اور باطناً بھی خوش ہو جائے گا۔

قوله' آیات بینات۔آیات بینات کا مصداق کیا ہے۔سوال کس چیز کے متعلق تھا۔اس میں دو قول ہیں۔قول اول سوال ان معجزات تسعہ کے متعلق تھا فرعون کے مقابلے میں جو موسیٰ کو دئے گئے تھے کما قال اللہ و لقد اخذنا آل فرعون بالسنين ونقص من الثمرات۔فی مقام آخر۔ فارسلنا عليهم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم ......الایۃ۔اوردو آیات یہ ہیں۔(۱) ید بیضا (۲) عصا۔

اس قول پر اشکال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں احکام کو بیان فرمایا۔معجزات کو تو بیان نہیں فرمایا۔تو پھر سوال و جواب میں مطابقت نہیں ہے؟ جواب:۔فقال رسول اللہ سے یہ ان کے مطلوبہ سوال کا جواب نہیں بلکہ مطلوبہ سوال کے جواب پر اضافہ ہے۔اولاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مطلوبہ سوال کا جواب دیا پھر اسلوب حکیمانہ کے طور پر ان پر شفقت کرتے ہوئے ان کے احکام بھی بتلا دیئے کہ اے یہودیو تم نے تو احکام عامہ کی رعایت بھی نہیں کی۔باقی مطلوبہ سوال کے جواب کو اختصار کی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔ولقد اتينا تسع آيات۔ یا بوجہ شہرت کے جواب کو ذکر نہیں کیا۔

قول ثانی۔آیات بینات سے مراد وہ ہیں جو تورات میں مذکور ہیں اور تورات میں آیات بینات کا مصداق احکام تھے نہ کہ معجزات۔اس

لئے وہ امتحان لینا چاہتے تھے کہ اگر یہ نبی ہوئے تو بتادیں گے تو اس صورت میں یہ ان کے مطلوبہ سوال کا جواب ہوگا اور راجح قول بھی یہی ہے اور اس صورت میں سوال وجواب میں عدم مطابقت والا سوال بھی وارد نہیں ہوگا۔امام طحاوی نے مشکل الآ ثار میں یہی توجیہ کی ہے (یہ کتاب دستیاب نہیں) تو گویا یہودی یہ امتحان لینا چاہتے تھے کہ آیات بینات کا مصداق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا بیان کرتے ہیں (کیونکہ توراۃ میں ان آیات بینات کا مصداق احکام عامہ بتلائے گئے تھے) یا وہ بیان کرتے ہیں جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس مقصد کو اور منشاء کو سمجھتے ہوئے آیات بینات کا وہ مصداق بیان کیا جو توراۃ میں مذکور تھا۔یعنی احکام عامہ کو بیان فرمایا البتہ اس وجہ سے وہ سن کر فرط خوشی سے مغلوب الحال ہوگئے۔البتہ ان احکام عامہ تسعہ پر ایک حکم خاص کو زائد کیا جو کہ یہودیوں کے ساتھ مختص تھا اور اس سے مقصود یہ تھا کہ جس طرح اے یہود یوتم کو احکام عامہ کا حکم دیا گیا اسی طرح ایک حکم خاص کا بھی حکم دیا گیا لیکن تم نے نہ احکام عامہ کی رعایت کی اور نہ احکام خاص کی۔

سوال۔حکم عاشر یعنی اعتداء یوم السبت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تھا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوذکر کیوں کیا؟

جواب۔اس کو بیان کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اپنے زمانے میں تمہیں جس طرح احکام عامہ کا حکم دیا گیا اسی طرح حکم خاص کا بھی حکم دیا گیا لیکن !تم نے اپنے زمانے میں نہ احکام عامہ کی رعایت کی نہ حکم خاص کی اگر چہ یہ حکم میرے مبعوث ہونے کے بعد باقی نہیں رہا۔

یہودیوں کا یہ اقرار غیر اختیاری طور پر تھا اس لئے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظمت کی بناء پر ہاتھ پاؤں چومنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا بلکہ اس پر فرمایا کہ **فما یمنعکم** جب تم نے گواہی دے دی ہے تو پھر میری اتباع کیوں نہیں کرتے تو اس پر انہوں نے دو عذر بیان کئے۔(اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی عظمت کی بناء پر کسی کے ہاتھ پاؤں چومے تو یہ جائز ہے)

ان کے دونوں اعذار کے جوابات۔اور ان کے بیان کردہ عذر دونوں غلط تھے۔اور ان کا ایک عذر نقلی تھا اور ایک عذر عقلی تھا پہلا نقلی تھا وہ یہ ہے کہ حضرت داوٗد نے دعا کی تھی کہ تا قیامت انبیاء میری اولاد میں رہیں گے۔یہ اس لئے غلط ہے کہ تمام انبیاء سے عہد لیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اس کے ہوتے ہوئے یہ کیسے متصور ہوسکتا ہے کہ داوٗد یہ دعا کریں کہ انبیاء میری اولاد میں رہیں گے۔اس لئے یہ کوئی حقیقت نہیں بلکہ افتراء ہے۔دوسرا عذر عقلی تھا وہ یہ کہ اگر ہم ایمان لائے تو باقی یہودی ہمیں قتل کر دیں گے یہ عذر بھی غلط ہے اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔محض ایک بہانہ اور وہم تھا کیونکہ ان کے ساتھی جن میں عبداللہ بن سلام بھی تھے اسلام لائے ان کو کسی یہودی نے قتل نہیں کیا تو ان کو کیسے قتل کر سکتے تھے۔یہودی ان عبداللہ بن سلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

وعلیکم خاصة الیهود ان لا تعتدوا فی السبت ان لاتعتدوا۔کے اعراب میں دو احتمال ہیں۔(۱) یہ (بتاویل مصدر) مبتداء موخر ہے اور ''**علیکم**'' ظرف مستقر محل خبر مقدم میں ہے۔(۲)''**علیکم**'' اسم فعل ہے۔بمعنی ''**الزموا**'' اور ان **لاتعتدو** الخ بتاویل مصدر مفعول بہ ہے۔دونوں صورتوں میں ''**خاصة الیهود**'' جملہ معترضہ ہے۔

خاصة الیهود کی ترکیب میں بھی دو احتمال ہیں۔(۱) یہاں ''اخص'' فعل محذوف ہے خاصۃ اس کا مفعول مطلق ہے اور ''الیهود'' مفعول بہ ہے۔یعنی یہ امر میں یہود کے ساتھ خاص کرتا ہوں۔(۲)''**الیهود**'' منصوب علی الاختصاص ہے یعنی یہ ''اعنی'' فعل مقدر کا مفعول بہ ہے اور ''**خاصة الیهود**'' سے حال ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ اَلْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔تین چیزیں ایمان کی اصل ہیں۔بند رہنا اس شخص سے جس نے کہا لا الہ الا اللہ
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَ الْجِهَادُ مَاضٍ مُذْ بَعَثَنِيَ اللّٰهُ اِلٰى
کسی گناہ کے سبب اسے کافر نہ کہو اور کسی کام کے سبب سے اسلام سے نہ نکالو اور جہاد جاری رہنے والا ہے جب سے مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا

اَنْ يُّقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهٗ جَوْرُ جَائِرٍ وَّلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَ الْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ. (رواہ ابوداؤد)
ہے۔ یہاں تک کہ اس امت کا آخر دجال کو قتل کرے گا۔ کسی ظالم کا ظلم یا عادل کا عدل اسے باطل نہیں کرے گا اور تقدیر کے ساتھ ایمان لانا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں (۱) جو شخص توحید کا اقرار کرتا ہو اور توحید کا معترف ہو اس کی جان و مال کی طرف تعرض نہ کرنا اور آگے بطور تتمہ کے فرمایا یعنی اس کو کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے اس کی طرف کفر کی نسبت نہ کی جائے اس لئے کہ خروج عن الاسلام یہ کفر و شرک کی وجہ سے ہوتا ہے (۲) الجهاد ماض۔ قتل دجال کے زمانے تک جہاد کا باقی و جاری ساری رہنا نہ تو کسی عادل کے عدل کی وجہ سے موقوف ہو سکتا ہے اور نہ کسی جائر کی جور کی وجہ سے ظالم کے ظلم کی وجہ سے موقوف ہو سکتا ہے قتل دجال کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ کی وجہ سے نہیں بلکہ دین محمدی کا مسئلہ ہے کہ قتال کی انتہا قتل دجال تک ہے۔

(۳) ایمان بالتقدیر۔ اقدار چونکہ اس میں کئی چیزوں کی تقدیر کا ذکر ہے مقدورات کئی ہیں اس لئے اس کو جمع لائے بہرحال ایمان بالتقدیر یہ بھی اصل ایمان میں سے ہے یعنی اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ قضا و قدر سے ہو رہا ہے کیف ما اتفق نہیں۔

قولہ' لاتكفره بذنب و لاتخرجه من الاسلام۔ پہلے جملہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا اور دوسرے جملے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسلام سے بھی خارج نہیں ہوتا تو یہ معتزلہ اور خوارج پر رد ہوا۔

لاتكفر سے رد ہے خوارج پر اور و لاتخرجه من اسلام سے رد ہے معتزلہ پر قولہ مذبعثنی

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو مکہ میں مبعوث ہوئے اس وقت تو جہاد شروع نہیں ہوا تھا تو پھر مذبعثنی کا کیا مطلب ہے جہاد تو مدینہ میں فرض ہوا تھا۔

جواب:۔ اس بعثت سے مراد بعثت الی الخلق مراد نہیں بلکہ بعثت الی المدینۃ المنورہ مراد ہے ولا عدل عادل کسی ظالم و جائر کے ظلم و جور کی وجہ سے جہاد کا موقوف ہونا تو سمجھ میں آتا ہے مگر عادل کے عدل کی وجہ سے جہاد کا موقوف ہونا یہ کیسے۔ وہ اس طرح کہ عادل کے زمانے میں چونکہ ہر شخص کو اپنا حق مل رہا ہے مال غنیمت کی ضرورت نہیں وہ بادشاہ جہاد کو موقوف کر دے فرمایا نہیں و لاعدل عادل کسی عادل کے عدل کی وجہ سے بھی جہاد موقوف نہیں ہو سکتا بلکہ جاری رہے گا۔ لاتكفر اس کو دو طرح ضبط کیا گیا۔ (۱) لاتکفره (۲) لاتكفره۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِيْمَانُ فَكَانَ
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ زنا کرتا ہے ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے
فَوْقَ رَأْسِهٖ كَالظُّلَّةِ فَاِذَا خَرَجَ مِنْ ذٰلِكَ الْعَمَلِ رَجَعَ اِلَيْهِ الْاِيْمَانُ. (رواه الجامع ترمذی و ابوداؤد)
سر پر سائبان کی طرح چھا جاتا ہے جب اس عمل سے فارغ ہوتا ہے ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے

تشریح: حاصل حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا کے ارتکاب کے وقت مرتکب سے ایمان نکل جاتا ہے اور نکل کر ان کے اوپر سائبان بن جاتا ہے اور جب وہ فارغ ہو جاتا ہے تو وہ لوٹ آتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نصف ایمان باقی رہتا ہے تعلق فی الجملہ باقی رہتا ہے من کل الوجوہ انقطاع نہیں ہوتا۔ اس عمل سے فارغ ہونے کا کیا مطلب ہے۔ اس کے دو مطلب ہیں۔

(۱) زنا سے فارغ ہو جائے۔ (۲) جب وہ توبہ کر لے۔ اور یہی زیادہ راجح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ
حضرت معاذؓ سے روایت ہے اس نے کہا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے مجھے دس باتوں کے ساتھ وصیت کی کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا

شَیْأً وَاِنْ قُتِلْتَ وَ حُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْکَ وَاِنْ اَمَرَاکَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِکَ وَمَالِکَ وَلَا

اگرچہ تو قتل کیا جائے اور جلا دیا جائے اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کر اگرچہ تجھے حکم کریں کہ تو اپنے اہل اور مال

تَتْرُکَنَّ صَلَاةً مَکْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَکَ صَلَاةً مَکْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ

سے الگ ہوجائے۔ جان بوجھ کر فرض نماز نہ چھوڑ جس نے فرض نماز جان بوجھ کر چھوڑ دی اللہ کا ذمہ اس سے بری ہوگیا۔

وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهُ رَأْسُ کُلِّ فَاحِشَةٍ وَاِیَّاکَ وَالْمَعْصِیَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ

شراب نہ پی یہ تمام برائیوں کا سر ہے اور تو گناہ سے بچ کیونکہ گناہ سے اللہ کا غضب اترتا ہے اور تو لڑائی میں

وَاِیَّاکَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ هَلَکَ النَّاسُ وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِیْهِمْ فَاثْبُتْ

بھاگنے سے بچ اگرچہ لوگ مرتے ہوں اور جب لوگوں کو موت پہنچے اور تو ان میں ہے تو ٹھہرا رہ ان میں

وَاَنْفِقْ عَلٰی عِیَالِکَ مِنْ طَوْلِکَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاکَ اَدَبًا وَاَخِفْهُمْ فِی اللّٰهِ. (رواہ مسند احمد بن حنبل)

اپنی طاقت کے مطابق اپنی اولاد پر خرچ کر۔ ان سے ادب کی لاٹھی نہ اٹھا اور ان کو اللہ کے بارے میں ڈراتے رہو۔ (احمد)

تشریح: حاصل حدیث۔ حدیث معاذ۔ اس حدیث میں ان دس وصیتوں کا بیان ہے جو حضرت معاذؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھیں۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی۔ اور وہ دس وصیتیں یہ ہیں۔

(۱) خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ اگرچہ قتل کردئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ۔

سوال: فقہاء لکھتے ہیں کہ جب اس قسم کا جبر ہو کہ جس میں جان کے ضائع ہوجانے کا خطرہ اور اندیشہ ہو تو کلمہ کفر کا اجراء زبان پر جائز ہے بشرطیکہ قلبہ مطمئن بالایمان اور مذکورہ حدیث میں فرمایا گیا و ان قتلت و حرقت تو اس حدیث میں اور پر فقہائے قول میں تعارض ہوگیا۔

جواب (۱)۔ قول فقہاء محمول ہے رخصت پر اور حدیث معاذ محمول ہے عزیمت پر اور اولویت پر۔ (۲) والدین کی نافرمانی نہ کرنا عقوق الوالدین سے نہی اگرچہ والدین اس بات کا حکم کریں کہ بیوی کو طلاق دے دے یا اپنے مال کو ہلاک کردے۔ یہ اس وقت ہے جب کسی فتنہ کا خوف نہ ہو۔

قولہ' و ان امراک ان تخرج کی قید اولویت پر محمول ہے مبالغہ ہے حقیقت نہیں غرض واجب کے درجے میں نہیں۔ اس لئے کہ بسا اوقات اس سے معصیت میں مبتلا ہوجاتا ہے مثلاً طلاق دے دے گا تو کسی اور سے نکاح نہیں کرسکے گا تو اس سے زنا میں مبتلا ہوجائے گا۔

(۳) فرض نماز کو نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص فرض نماز کو جان بوجھ کر چھوڑتا ہے وہ اللہ کی امان سے نکل جاتا ہے۔ یہ زجر علی المبالغہ ہے نماز چھوڑنا تو کافروں جیسا کام ہے۔ یہ معنی نہیں کہ کافر ہوگیا۔ (۴) شراب نہ پینا کیونکہ شراب بے حیائی کی بنیاد ہے۔

(۵) وایاک والمعصیة۔ اپنے آپ کو معصیت سے بچائے رکھنا۔

سوال۔ شرب خمر بھی تو معصیت ہے پھر اس کو علیحدہ کیوں ذکر کیا۔

جواب:۔ یہ ذکر العام بعد الخاص ہے۔ معصیت سے اللہ کا غصہ اتر آتا ہے اس لئے معصیت سے بچتے رہنا چاہئے۔ (۶) میدان جہاد سے بھاگنے سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا اگرچہ ساتھی ہلاک بھی ہوجائیں۔ یہ بھی اولویت پر محمول ہے کوئی حکم شرعی نہیں۔

سوال یہ بھی تو معصیت ہے۔

جواب ذکر الخاص بعد العام ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ حدیث کیسے اسلوب ذکر العام بعد الخاص۔ ذکر الخاص بعد العام۔ پر مشتمل ہے۔

(۷) اگر کسی علاقے میں طاعون کی بیماری کی وبا پھیل جائے تو موت کے ڈر کی وجہ سے۔ وہاں سے بھاگنا نہیں۔ ہاں اگر نظم کے مطابق نکل گیا یعنی پہلے اس مقام پر تجارت وغیرہ کرتا تھا وہاں اب وبا پھیل گئی ہے وہاں سے جانے کا پہلے ارادہ ہو تو کوئی حرج نہیں اگر وہاں

موجود ہے تو نکلنے نہ اور اگر وہاں نہیں ہے بلکہ اس سے باہر ہے تو پھر بھی نہ جائے کیونکہ اس سے لوگوں کے عقائد فاسد ہوں گے۔

(۸) اپنے اہل وعیال بیوی بچوں پر اپنی وسعت وطاقت کے مطابق خرچ کرتے رہیں۔

(۹) اپنے اہل وعیال کے لئے تادیب بمع آلہ تادیب ادب کا آلہ ایسا ہو کہ ادب بھی ہونا چاہئے اور ساتھ ساتھ ترغیب بھی ہونی چاہئے اور آلہ تادیب میں سے ایک لاٹھی ہے۔ اس کا ثبوت اسی حدیث سے ہے اور رکوع وسجود کا ثبوت بھی ہو جائے گا۔

(۱۰) احکام خداوندی کی مخالفت سے ڈراتے رہو یعنی ان کو تنبیہ کرتے رہو۔ ترغیب بھی دیتے رہو۔

ان وصیتوں پر پوری امت کو عمل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ اِنَّمَا النِّفَاقُ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَاِنَّمَا
حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔
هُوَ الْكُفْرُ وَالْاِيْمَانُ. (صحيح البخاری)
آج سوائے اس کے نہیں کفر ہے یا ایمان۔

تشریح: حاصل حدیث حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نفاق مختص ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کیساتھ یعنی نفاق اعتقادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔ اب ہمارے زمانے میں آج یہ حکم نہیں رہا۔ بلکہ اب کفر ہوگا یا اسلام ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ عدم تعرض والا حکم اب نہیں ہے۔

سوال۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفاق اعتقادی مختص ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ اور اس کے بعد یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد نفاق کا وجود ہی باقی نہیں رہا حالانکہ ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں تو حذیفہؓ کے قول کے مخالف ہے۔

جواب۔ مطلب یہ نہیں کہ نفاق اعتقادی مختص ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ بلکہ مطلب یہ ہے کہ نفاق اعتقادی کا حکم مختص تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ اور وہ حکم تھا عدم تعرض اور اب یہ حکم عدم تعرض والا نہیں رہا یہ حکم جاری نہیں ہوگا اب اگر کسی کے متعلق تحقیق سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ دل میں کفر کو چھپائے ہوئے ہے تو اس پر کفر کے احکام جاری نافذ ہوں گے یعنی اس کو قتل کیا جائے گا۔ اب حکم دو ہی ہیں۔ (۱) کفر (۲) یا اسلام۔ باقی رہی یہ بات کہ تعرض والے حکم کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ساتھ مختص ہونے میں کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ جواب چند مصالح ہیں جن کی وجہ سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔

ایک مصلحت۔ باہر کے تمام قبائل منافقین کو مسلمان سمجھتے تھے۔ اب اگر ان کے ساتھ قتال کی اجازت ہوتی تو یہ غلط بات مشہور ہو جاتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھی قتال کرتے ہیں۔

دوسری مصلحت۔ کافروں کو یہ علم تھا کہ منافقین مسلمان ہیں تو اسلام کی عظمت اور شان وشوکت کو ظاہر کرنے کیلئے عدم تعرض والا حکم تھا۔

تیسری مصلحت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا لوگوں کو علم دینا تھا بایں طور کہ بعض کفار کو یہ معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقین کے نفاق کا علم ہے لیکن اس کے باوجود ان کے ساتھ عمدہ اخلاق سے پیش آ رہے ہیں اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو نا معلوم ہمارے ساتھ کتنا عمدہ سلوک کریں گے تو ان مصالح کی بناء پر عدم تعرض والا حکم تھا۔

بَابُ فِي الْوَسْوَسَةِ

یہ باب وسوسہ کے بیان میں ہے

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

البحث الاول: وسوسہ اصل میں صوت خفی۔ پست آواز کو کہتے ہیں (چنانچہ صوت جلی کو کہتے ہیں کیونکہ زیور کی یہ آواز بھی آہستہ ہوتی ہے) اور یہاں عنوان میں مراد وہ خیالات ردیہ منافیہ الایمان ہیں جو جالب الی المعاصی ہوں انسان کے دلوں کو گناہوں کی طرف مائل کر دیں۔ جو دلوں کو لے جانے والے ہیں گناہوں کی طرف ان کو وساوس کہتے ہیں۔ دل میں پیدا ہونے والے خیالات کی علماء نے پانچ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

البحث الثانی:۔ اقسام الوسوسۃ واحکامھا خمسۃ: (۱) ہاجس (۲) خاطر (۳) حدیث النفس (۴) ہم (۵) عزم۔

ہاجس:۔ وہ خیال جو دل میں پیدا ہو اور فوراً نکل جائے اس کو قرار حاصل نہ ہو۔

خاطر:۔ ایسے خیالات جو دل میں پیدا ہوں اور اس کے بعد ان کو کچھ نہ کچھ قرار بھی حاصل ہو جائے لیکن کرنے یا نہ کرنے کا داعیہ پیدا نہ ہو۔ عمل کرنے یا نہ کرنے کی بات نہ چلی ہو۔

حدیث النفس:۔ وہ خیالات جو دل میں پیدا ہوں اور قرار بھی حاصل ہو اور اس کے بعد عمل کرنے یا نہ کرنے کی بات بھی پیدا ہو بات بھی چل پڑے لیکن کسی جانب کو ترجیح حاصل نہ ہو۔

ہم:۔ ترجیح بھی حاصل ہو جائے لیکن وہ ترجیح ضعیف ہو معمولی ہو یعنی فیصلہ نہ ہو سکے۔

عزم:۔ ترجیح قوی حاصل ہو جائے یعنی گر۔ باقی رہی یہ بات کہ ان کے احکام کیا ہیں۔

اقسام خمسہ کا حکم: ان اقسام خمسہ میں سے پہلی تینوں اقسام اس امت کے لئے معاف ہیں ان میں نہ مواخذہ ہے نہ ثواب ہے اور پہلی امتوں کے لئے صرف ھاجس معاف تھا اور خاطر و حدیث النفس ان دونوں پر مواخذہ تھا اور اگر خلجان اور تردد کے بعد فعل و وجود کی جانب کو ضعیف اور ادنیٰ سی ترجیح ہو جائے تو اس کو ہم کہتے ہیں اس میں ثواب تو ہے لیکن عذاب نہیں یعنی نیکی کا ھم ہو تو ثواب ہے اور بدی کا ہم ہو تو عذاب نہیں جیسا کہ حدیث قصۂ معراج (مشکوٰۃ ص ۵۲۸ جلد ۲) میں مذکور ہے اور پہلی امتوں پر ہم سیئہ میں مواخذہ تھا اور اگر جانب فعل کو قوی ترجیح ہو جائے اور نہایت پختہ ارادہ کرنے کا ہو جائے تو یہ عزم بالجزم ہے اس میں عذاب بھی ہے اور ثواب بھی ہے یعنی اگر عزم نیکی کا ہے تو ثواب ہے اور اگر عزم بدی کا ہے تو عذاب ہے۔ ان پانچوں اقسام کو کسی شاعر نے ان دوابیات میں منظوم کیا ہے۔

مراتب القصد خمس هاجس ذكروا　　فخاطر فحديث النفس فاستمعا

يليه هم فعزم كلها رفعت　　سوى الاخير ففيه الاخذ قدوقعا

یہ جمہور محدثین وفقہاء کا مذہب ہے لیکن بعض علماء کے نزدیک عزم سیئہ میں بھی مواخذہ نہیں ہے۔

دلیل جمہور: ایک حدیث صحیح میں ہے اذا التقى المسلمان بسيفهما فالقاتل والمقتول في النار صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ قاتل نے تو قتل کیا لیکن مقتول کا کیا گناہ ہے آپ نے فرمایا انه كان حريصاً على القتل صاحبه یعنی مقتول کے جہنمی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا بھی قتل کرنے کا پختہ ارادہ تھا (رواہ البخاری ومسلم مشکوٰۃ ص ۳۰۷ جلد ۲)

فریق ثانی کی دلیل۔ حدیث باب ان اللہ تجاوز عن امتی ماوسوست بہ صدورھا مالم تعمل بہ اوتتکلم متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۱۸ جلد نمبرا) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک وسوسہ عمل اور قول مثلاً قتل اور غیبت کی حدتک نہ پہنچے تو معاف ہے ثابت ہوا کہ محض بدی کے عزم پر بھی مواخذہ نہیں بلکہ وہ بھی معاف ہے۔

جمہور کی طرف سے اس دلیل کے جوابات جواب (۱) حدیث مذکور کے قرینے سے یہاں وسوسہ سے مراد ہم کا درجہ ہے نہ کہ عزم بالجزم کا اور ہم سیئہ میں عدم مواخذہ کے ہم بھی قائل ہیں۔

جواب (۲) تجاوز سے مراد یہ ہے کہ عزم سیئہ میں فعل سیئہ جیسا مواخذہ نہ ہوگا بلکہ اس سے کم گناہ ہوگا بخلاف پہلی امتوں کے کہ ان کے لئے عزم معصیت پر بھی فعل معصیت کا مواخذہ وعذاب تھا۔

البحث الثالث: ذکر طریق و علاج لدفع الوساوس۔ مشائخ صوفیاء نے دفع وساوس کے لئے کئی طریقے بیان کئے ہیں ان میں سے دو عمدہ اور آسان طریقے یہ ہیں۔ (۱) عدم التفات یعنی وساوس کی طرف دھیان اور توجہ ہی نہ کرے بلکہ اپنے کام میں لگا رہے اور ان کے دفع کرنے کا اہتمام ہی نہ کرے۔ (۲) عدم مواخذہ وامید اجر یعنی یہ تصور کرے کہ جب شریعت نے غیر اختیاری وساوس میں مواخذہ نہیں رکھا تو پھر غم کرنے کی کیا ضرورت ہے بلکہ ان وساوس سے طبیعت میں کلفت وتشویش ہوتی ہے تو اس کلفت وتشویش کی برداشت میں اجر وثواب کی امید ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت کے دلوں میں جو وسوسے آتے ہیں اللہ نے
مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهٖ اَوْ تَتَكَلَّمْ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
انہیں معاف کر دیا ہے جب تک عمل نہ کریں یا اس کے ساتھ کلام نہ کریں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے قلوب جن وسوسوں میں مبتلا ہیں اگر وہ وساوس افعال کی قبیل سے ہیں جب تک ان کو عمل میں نہ لایا جائے اور اگر وہ اقوال کی قبیل سے ہیں جب تک ان کا زبان کے ساتھ تلفظ وتکلم نہ کیا جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائیں گے۔ لیکن عمل کرنے کے بعد یا تلفظ کرلیا تو پھر لکھ دیا جائے گا۔

سوال:۔ ماوسوست میں ما عام ہے اور اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مطلقاً کسی خیال پر بھی مواخذہ نہیں ہوگا حتیٰ کہ عزم پر بھی نہیں ہوگا حالانکہ یہ بات ماقبل میں گزر چکی ہے کہ عزم پر مواخذہ ہوگا۔ جواب۔ بالاجماع یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض کی قبیل سے ہے عزم کے ماسوا باقی وساوس کو شامل ہے عزم اس سے مستثنیٰ ہے۔

سوال۔ قرآن میں آتا ہے ولقد خلقنا الانسان و نعلم ماتوسوس بہ نفسہ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید......الایۃ۔ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مطلق خیالات پر بھی مواخذہ ہوگا کیونکہ اس قسم کی تعبیر مواخذہ پر دال ہوتی ہے۔ جیسے و نحن اعلم بما کانوا یعملون......الایۃ۔ یہ تعبیر بھی مواخذہ پر دال ہے۔ اسی طرح یہ بھی مواخذہ پر دال ہے۔

جواب:۔ اس آیت سے مقصود وساوس پر مواخذہ کو بیان کرنا نہیں بلکہ اس سے مقصود خدا تعالیٰ کے کمال علمی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ ہمارے علم کا یہ حال ہے کہ ہم تو قلوب میں پیدا ہونے والے وساوس کو بھی جانتے ہیں اور یعلم من خلق یہاں خالقیت سے کمال علمی پر استدلال ہے۔

سوال: ان تبدوما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔ اس میں ما عام ہے اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عزم کے ماسوا پر بھی مواخذہ ہوگا حالانکہ یہ صحیح نہیں۔

پہلا جواب۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس آیت میں محاسبہ سے مراد محاسبہ ومواخذہ دنیوی ہے۔ مواخذہ اخروی مراد نہیں۔
دوسرا جواب یہ حکم منسوخ ہے لایکلف الله نفساًالاوسعها یہ ناسخ ہے یا اس سے صرف عزم مراد ہے۔ ان خیالات پر مواخذہ ہوگا جو عزم کے درجہ میں ہوں۔

وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اور اسی (ابو ہریرۃؓ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند صحابہؓ حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم
فَسَأَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِي اَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِهٖ قَالَ اَوَقَدْ وَجَدْتُّمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ
اپنے دلوں میں ایسے وسوسے پاتے ہیں کہ ہم میں ایک برا سمجھتا ہے کہ زبان پر لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم واقعی اسے برا جانتے
ذَاکَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ. (رواہ صحیح مسلم)
ہو انہوں نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ صریح ایمان ہے۔

تشریح: حاصل حدیث: حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حاضر ہو کر دریافت کیا کہ ہم اپنے دلوں میں ایسے خیالات ردیہ منافیہ ایمان کو پاتے ہیں کہ ان کے قبیح ہونے کی وجہ سے ان کے تلفظ کو زبان پر انتہائی گراں سمجھتے ہیں۔ مثلاً جس خدا کو ہم مانتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے۔ ایسے خیالات ردیہ منافیہ الایمان کے آنے کے وقت ہمارے ایمان کی کیا حالت ہے۔ آیا ان خیالات کا پیدا ہونا ہمارے ایمان کے منافی تو نہیں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوال کیا کہ آیا واقعی تمہارے دلوں میں وہ خیالات پیدا ہوتے ہیں جن کے تلفظ کرنے کو تم انتہائی گراں سمجھتے ہو کیا تم ایسے خیالات واقعی پاتے ہو تو صحابہ نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ بالکل ایسا ہی ہے تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو صریح ایمان ہے۔ یہ تو عین ایمان کی دلیل ہے۔ یعنی تمہارا ان خیالات کو انتہائی قبیح سمجھنا تلفظ علی اللسان کو دشوار سمجھنا یہ تو دلیل ایمان ہے یہ اس لئے ہے کہ تمہارے اندر ایمان ہے اس لئے کہ اگر ایمان نہ ہوتا تو ان خیالات کو قبول کر لیتے اور ان کا تلفظ کر لیتے۔
بعنوان آخر۔ ان خیالات منافیہ الایمان کا پیدا ہونا یہ تو دلیل ایمان ہے۔ اس لئے کہ شیطان کی حیثیت سارق جیسی ہے اس قسم کے خیالات شیطان ہی پیدا کرتا ہے اور اس شخص کے دل میں پیدا کرتا ہے جس کے دل میں ایمان ہو اس لئے کہ شیطان کی حالت سارق جیسی ہے چور وہاں جائے گا جہاں مال ہوگا۔ اسی طرح شیطان بھی وساوس وہاں پیدا کرتا ہے جہاں پہلے سے ایمان ہو۔ لہٰذا تمہارے دل میں یہ خیالات پیدا ہونا یہی دلیل ایمان ہے۔ ان دو مطالب میں سے پہلا مطلب زیادہ راجح ہے۔
اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر غیر اختیاری طور پر ایسے خیالات پیدا ہو جائیں تو پریشان حال نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ خیالات ایمان کے منافی نہیں ہیں۔
قوله' اوقدوجدتموه'۔ میں ہمزہ استفہام کا ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ اب معنے یہ ہوگا **احصل ذالک و قد وجد تموه'** کیا واقعی ایسے خیالات حاصل ہوتے ہیں اور ان کو تم دلوں میں پاتے ہو۔
ترکیب نحوی۔ وجدتموہ' کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔ ا۔ اس کا مرجع تعاظم ہو۔ اور ذالک کا مشار الیہ بھی یہی تعاظم ہو۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کیا واقعی تم ان وساوس کو گراں سمجھتے ہو یہ گراں سمجھنا صریح ایمان ہے اس لئے کہ اس گرانی کا منشاء اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید محبت ہے کہ ان کے شان کے خلاف غیر اختیاری وساوس بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ (۲) ضمیر کا مرجع وسوسہ ہو اور ذالک کا مرجع بھی وسوسہ ہو۔ یعنی کیا تم کو واقعی وساوس آنے لگے ہیں۔
صحابہ کرامؓ سے پوچھا تو انہوں نے نعم میں جواب فرمایا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے۔ بایں طور کہ شیطان

بمنزلہ سارق ہے۔ سارق ہمیشہ اس گھر میں نقب زنی کرتا ہے جس میں کچھ نہ کچھ ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اندر ایمان ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِي الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا مَنْ

اور اسی (ابو ہریرہؓ) سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور آکر کہتا ہے کہ یہ کس نے

خَلَقَ كَذَا حَتّٰى يَقُوْلَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَاِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)

پیدا کیا ہے یہاں تک کہ کہتا ہے تیرے رب کو کس نے پیدا کیا ہے جب اس تک یہ پہنچے تو پناہ پکڑے اللہ کے ساتھ اور اس سے باز رہے۔

تشریح: پہلی حدیث میں اجمال تھا اور اس حدیث میں تفصیل ہے۔ حاصل حدیث:۔ وساوس شیطانی سے بچتے رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر احتیاط نہ ہوئی تو شیطان تمہارے پاس آجائے گا اور سوال کرے گا آسمان کو کس نے پیدا کیا زمین کو کس نے پیدا کیا یہ سوالات کا سلسلہ چلتے چلتے نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ آخر میں وہ سوال کرے گا من خلق ربک۔ تیرے رب کو کس نے پیدا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اس قسم کے خیالات پیدا ہوں تو اس کے دو علاج ہیں۔ (۱) تعوذ (۲) عدم التفات۔ یہ بجلی کی تار ہے جس قدر قریب ہوگے وہ خود تم کو پکڑ لے گی لہذا اس سے دور رہنا چاہئے اس کی طرف دھیان ہی نہ کیا جائے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَآءَ لُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ

اور اسی (ابو ہریرہؓ) سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے حتیٰ کہ کہا جائے گا یہ

الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)

کہ یہ ساری مخلوق اللہ نے پیدا کی ہے پس اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے پس جو شخص اس سے کچھ پائے وہ کہے میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ وساوس شیطانی سے محتاط رہنا چاہئے۔ ورنہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ شیطان سوال کرے گا خلق اللہ الخلق۔ اللہ نے تو مخلوق کو پیدا کیا فمن خلق اللہ۔ اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہ خیالات آئیں گے تو اس کا علاج یہ ہے کہ ایمان باللہ اور ایمان بالرسل کا استحضار کیا جائے وہ اس طرح کہ وہ آمنت باللہ کما ھو باسمائہ کہے۔ کہ میں تو اللہ کو ایسے مانتا ہوں جیسے اس کے اسماء اور اس کے صفات ہیں اور من جملہ ان صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ (لم یلد ولم یولد) اللہ مخلوق نہیں خالق ہیں۔ اور ایمان بالرسل کا مطلب ہے کہ بھائی میں اللہ کی صفات کو ایسے مانتا ہوں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ خالق ہیں مخلوق نہیں۔ اور ایسے خیالات کا کافروں سے ہونا کوئی مستبعد نہیں۔ ایک چیز کے متعدد علاج ہو سکتے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُكِلَ

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک نہیں مگر اس کے ساتھ اس کا ایک ہم نشین جنوں سے

بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اِيَّايَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

اور ایک ہم نشین فرشتوں سے مقرر کیا گیا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی اے اللہ کے رسول فرمایا اور میرے لئے بھی

اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ. (صحيح مسلم)

لیکن مجھے اس پر اللہ نے مدد دی ہے پس میں سلامت رہتا ہوں۔ وہ مجھے نہیں حکم کرتا مگر بھلائی کے ساتھ۔

تشریح: حاصل حدیث ابن آدم میں سے ہر ایک انسان کے ساتھ ایک قرین من الجن (ایک ساتھی جنوں میں سے) ہے اور ایک قرین من الملائکہ (اور ایک ساتھی فرشتوں میں ہے) ہے۔ ہر انسان کے ساتھ دو ساتھی ہیں۔ قرین من الجن کے تصرفات یہ ہیں کہ وہ

خیالات منافیہ الایمان اور شر کے خیالات دل میں پیدا کرتا ہے اور قرین من الملائکہ کے تصرفات وحالات اچھے خیالات کو دل میں پیدا کرنا اچھے جذبات کو پیدا کرنا اگر نیکی کے خیالات پیدا ہوں تو سمجھ لو کہ یہ قرین من الملائکہ کا اثر ہے اور اگر برے خیالات پیدا ہوں تو سمجھ لو کہ یہ قرین من الجن کا اثر ہے۔اس پر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی قرین من الجن ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میرے ہاں بھی دو قرین ہیں۔قرین من الجن ہے لیکن میرے قرین من الجن اور تمہارے قرین من الجن میں فرق ہے تمہارا قرین من الجن تمہیں شر میں مبتلا کرسکتا ہے اور میرا قرین من الجن مجھے شر میں مبتلا نہیں کرسکتا۔بلکہ میرا قرین من الجن میرے تابع ہے اس لئے میرے قرین من الجن کو اپنے اوپر قیاس مت کرو۔

قولہ' اسلم اس کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے۔(۱) ماضی کا صیغہ ہے اسلم۔اس صورت میں اسلام کا لغوی معنی مراد ہوگا کہ وہ میرا فرمانبردار ہوگیا۔اشکال اس صورت میں معین یہ ہوگا کہ وہ میرا قرین من الجن مسلمان ہوگیا۔جواب۔لغوی معنی مراد ہے یعنی وہ میرے تابع ہوگیا اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہوگیا (۲) اسلم فعل مضارع کا صیغہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ میں اس سے محفوظ ہوں یہ عصمت نبوت ہے۔جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں کہ میرے پاس بھی قرین من الجن ہے تو پھر ہر انسان کو محتاط رہنا چاہئے۔جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عبادت سے مستغنی نہیں میں کیسے مستغنی ہوسکتا ہوں۔فلا یامرنی الا بخیر یہ مزید تفصیل ہے کہ وہ میرا اتنا مطیع ہوجاتا ہے کہ وہ مجھے صرف خیر کا حکم کرتا ہے شر میں مبتلا نہیں کرسکتا۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِىْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَىٰ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان انسان کے جسم میں خون کے جاری ہونے کی جگہ جاری
الدَّمِ . (صحيح البخارى و صحيح مسلم)
رہتا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔وساوس شیطانی کا جریان نفوس اور قلوب میں ایسے ہی ہے جیسے جریان الدم۔جیسے جریان الدم محقق الوجود اور متیقن الوقوع ہونے کے باوجود محسوس نہیں ہوتا اسی طرح وساوس شیطانی بھی متحقق الوقوع اور متیقن الوجود ہیں لیکن محسوس نہیں ہوتا۔بالفاظ دیگر شیطان نفوس وقلوب میں ایسے چلتا ہے جیسے بدن انسانی رگوں میں خون چلتا ہے یہ حقیقی مطلب ہے اور پہلے مطلب میں تاویل ہے اور پہلے مطلب میں تشبیہ غیر محسوس ہونے میں ہے۔یعنی جیسے جریان الدم محسوس نہیں ہوتا ایسے ہی وساوس شیطان کا جریان بھی محسوس نہیں ہوتا۔جریان سے مراد جاری ہونا۔لہٰذا ان وساوس شیطانی سے پوری پوری احتیاط کرنی چاہئے۔پہلے مطلب کے مطابق مجری الدم مصدر ہے۔اور دوسرے مطلب کے مطابق اسم ظرف کا صیغہ ہے۔اور من الانسان ای فی الانسان۔شیطان چلتا ہے اس لئے کہ شیطان جسم لطیف ہے جس کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتا اور یہ کوئی مستبعد نہیں۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ بَنِىْ اٰدَمَ مَوْلُوْدٌ اِلَّا يَمَسُّهُ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدم کا کوئی بیٹا پیدا نہیں کیا گیا مگر اس کو
الشَّيْطَانُ حِيْنَ يُوْلَدُ فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِّنْ مَسِّ الشَّيْطَانِ غَيْرَ مَرْيَمَ وَابْنِهَا .(صحيح البخارى و صحيح مسلم)
شیطان جس وقت وہ پیدا ہوتا ہے۔چھوتا ہے پس وہ چیختا ہے شیطان کے چھونے سے۔سوا مریمؑ اور اس کے بیٹے کے۔

تشریح: حاصل حدیث اولاد آدمؑ میں سے سوائے حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰؑ کے ان کے علاوہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے پیدائش کے وقت اس کو شیطان مَس کرتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ بچہ رونا اور چلانا شروع کر دیتا ہے اسی وجہ سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ حکم ہے کہ پیدائش کے وقت بچہ کے کان میں اذان دی جائے تا کہ وہ بچہ شیطانی اثر سے محفوظ رہ جائے۔باقی رہی یہ بات کہ حضرت مریمؑ اور ان

کے بیٹے عیسیٰؑ مستثنیٰ کیوں ہیں؟ اس کی وجہ حضرت مریمؑ کی دعا ہے۔ انہوں نے دعا کی انی اعیذھابک و ذریتھا من الشیطان الرجیم۔ ان کی دعا کی قبولیت کا اثر ہے کہ وہ مس شیطانی (کے اثر) سے محفوظ رہے۔

مسئلہ۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم مس شیطانی سے بچے یا نہیں؟۔ پہلا جواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محفوظ رہے اس کی دلیل دلالت النص ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مریم و عیسیٰؑ سے افضل ہیں جب حضرت مریمؑ و عیسیٰؑ بچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطریق اولیٰ بچے ہونگے۔ دوسرا جواب:۔ یوں کہا جائے کہ خود متکلم اپنے کلام کے عموم میں داخل نہیں ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کلام سے مستثنیٰ ہیں ان دونوں جوابوں کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مس شیطان سے محفوظ رہے۔

تیسرا جواب۔ بعنوان ثالث آخر میں یوں کہا جائے کہ (فضیلت جزئی فضیلت کلی کو مستلزم نہیں) فضیلت کلی فضیلت جزئیہ کے منافی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل ہونا فضیلت کلی ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ کا افضل ہونا فضیلت جزئی ہے لہٰذا بقاعدہ مذکورہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بچے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عیسیٰؑ کا درجہ بڑا ہے۔ **دوسرا سوال** مس شیطان تو عصمت کے منافی ہے جواب عصمت کا معنی ہے گناہ سے محفوظ ہونا۔ لہٰذا گناہ تو عصمت کے منافی ہے کوئی تکلیف ہو جانا عصمت کے منافی نہیں ہے اور مس شیطان سے کوئی گناہ لازم نہیں آتا یہ صرف ایک تکلیف ہے۔ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذائیں دیں۔ ان سے عصمت پر کوئی فرق نہیں آیا۔ عصمت کو توڑنے والی چیز تو معصیت ہے۔ ان تین جوابوں میں سے پہلے دو جواب زیادہ راجح ہیں اس لئے حکم ہے کہ کان میں اذان دینے میں جلدی کی جائے تاکہ شیطانی اثرات سے بچہ محفوظ رہ جائے۔ باقی یہ اثر مس کے بعد باقی رہتا ہے یا ختم ہو جاتا ہے بعض کے ہاں باقی اور بعض میں ختم ہو جاتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَاحُ الْمَوْلُوْدِ حِيْنَ يَقَعُ نَزْغَةٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ
اور اسی (ابوہریرہؓ) سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیدا ہونے کے وقت لڑکے کا چلانا شیطان کے چوکہ مارنے کے سبب سے ہے۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حاصل حدیث پیدائش کے وقت بچے کے رونے کا سبب تصرف شیطانی ہے اور مس شیطان ہے۔ یہاں پر صیاح کا مضاف محذوف ہے سبب اتی سبب صیاح المولود۔ یقع کا صلہ محذوف ہے ای حین یقع علی الارض۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِبْلِيْسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَآءِ ثُمَّ
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق ابلیس پانی پر اپنا تخت رکھتا ہے پھر اپنی فوجیں لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے بھیجتا ہے۔
يَبْعَثُ سَرَايَاهُ يَفْتِنُوْنَ النَّاسَ فَاَدْنٰهُمْ مِّنْهُ مَنْزِلَةً اَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً يَّجِيْئُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ فَعَلْتُ كَذَا
اس لشکر میں سے ابلیس کے نزدیک تر وہ ہے جس کا فتنہ بہت بڑا ہو۔ ان میں سے ایک آتا ہے وہ کہتا ہے میں نے ایسا ایسا کام کیا ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ بھی
وَكَذَا فَيَقُوْلُ مَا صَنَعْتَ شَيْئًا قَالَ ثُمَّ يَجِيْئُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ مَا تَرَكْتُهُ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ
نہیں کیا۔ پھر ان میں سے ایک آتا ہے پس کہتا ہے میں نے اس کو نہیں چھوڑا یہاں تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈال دی۔ حضرت
امْرَاَتِهٖ قَالَ فَيُدْنِيْهِ مِنْهُ وَيَقُوْلُ نِعْمَ اَنْتَ قَالَ الْاَعْمَشُ اَرَاهُ قَالَ فَيَلْتَزِمُهٗ. (صحیح مسلم)
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس کو اپنے قریب کر لیتا ہے کہتا ہے کہ ہاں بس تو نے کام کیا ہے۔ اعمش نے کہا میرے خیال میں جابر نے کہا پس وہ اسے گلے لگا لیتا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھا لیتا ہے اور پھر اس کے بعد وہ اپنی مختلف جماعتوں کو (اطراف عالم میں) لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے روانہ کرتا ہے پھر وہ جماعتیں روانہ ہو جاتی ہیں اور مختلف طریقوں

سے لوگوں کو گمراہ کرتی ہیں۔ جب وہ واپس آتے ہیں تو اپنی اپنی کارروائیاں سناتے ہیں اور چوہدری (شیطان) کے ہاں سب سے قریب وہ ہوتا ہے جو زیادہ فتنہ باز ہو۔ چنانچہ وہ سب شیطان چیلے آ کر کارگزاری سناتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ میں نے فساد کرا دیا اور دوسرا کہتا ہے میں نے گالی گلوچ کروادی اور میں نے چوری کروادی الغرض ان کو بڑا شیطان چودھری کچھ نہیں کہتا خوش بھی نہیں ہوتا۔ شاباش بھی نہیں دیتا۔ بلکہ کہتا ہے کہ تم نے کوئی خاص کام نہیں کیا۔ ایک اور شیطان آتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے خاوند بیوی کے درمیان لڑائی کروادی یہاں تک کہ ان کے درمیان جدائی ہوگئی تو وہ اس کو اپنے قریب کر لیتا ہے اور شاباش دیتا ہے اور کہتا ہے نعم انت (صنعت شیئاً عظیماً) تو نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ امام اعمش فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ شیطان اس سے معانقہ کرتا ہے اس کو گلے لگاتا ہے۔

سوال۔ جدائی کیسے ڈلوادیتا ہے؟ جواب۔ یا تو طلاق دلوادی یا ایسے الفاظ کہلوا دیئے جس سے ان کا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ شیطان تفریق بین المر والمراۃ پر خوش کیوں ہوتا ہے اس لئے خوش ہوتا ہے کہ جب نکاح ختم ہو جاتا ہے تو بسا اوقات کوئی دوسرا نکاح نہیں ملتا جس کی وجہ سے وہ شخص زنا وغیرہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور زنا گناہ کبیرہ ہے اس سے خوش ہوتا ہے باقی یضع علی العرش کا مطلب یا تو یہ اپنی حقیقت پر محمول ہے کہ شیطان اپنے تخت کو واقعی پانی پر بچھالیتا ہے اللہ نے بطور استدراج کے شیطان کو اختیار دیا کہ وہ اپنا تخت پانی پر بچھائے تا کہ وکان عرشہ علی المآء کا مقابل بنے۔ اور اس کے ذریعہ لوگوں کو زیادہ تکبر میں آ کر گمراہ کرے (ثم استوی علی العرش) دوسرا احتمال و مطلب یہ مجازی معنی پر محمول ہے۔ یہ کنایہ ہے تصرف کامل سے یعنی شیطان کو اغواء پر کامل تصرف حاصل ہے۔

سرایا۔ سریۃ کی جمع ہے۔ تین سو یا چار سو کی جماعت کو کہتے ہیں۔ نعم انت کا معنی ہے نعم انت صنعت شیئا عظیما لڑائی کے وقت انسان کو بہت زیادہ محتاط رہنا چاہئے کیونکہ ایسے وقت میں شیطان کو پورا جوش اور پورا قابو ہوتا ہے۔ اللہ نے کیسے نظام بنایا کہ شیطان اپنی جماعتیں گمراہی کے لئے بھیجتا ہے اور اہل حق (تبلیغی جماعت) اپنی جماعتیں ہدایت کے لئے بھیجتے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ اَيِسَ مِنْ اَنْ يَّعْبُدَهُ الْمُصَلُّوْنَ
اور اسی (جابرؓ) سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان اس بات سے ناامید ہو چکا ہے کہ جزیرہ عرب میں نمازی
فِي جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَلٰكِنْ فِي التَّحْرِيْشِ بَيْنَهُمْ. (صحیح مسلم)
اس کی بندگی کریں لیکن آپس میں ورغلانے سے (ناامید نہیں ہوا)

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان جزیرۃ العرب میں اپنی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے بس اب شیطان کا تصرف اتنا ہے کہ اب وہ لوگوں کے درمیان جھگڑا کرانے میں لگا رہتا ہے۔

اشکال۔ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جزیرۃ العرب میں بالکل کفر ہوگا ہی نہیں۔ حالانکہ مسیلمہ کذاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرما جانے کے بعد موجود تھا اور مانعین زکوٰۃ بھی موجود تھے۔ حالانکہ یہ کفر ہے تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری نہ ہوئی۔ یہ پیشین گوئی کیسے پوری ہوگی۔

جواب (۱)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شیطان جزیرۃ العرب میں شرک سے اور عبادت اصنام سے مایوس ہو چکا ہے۔ حدیث کا مصداق یہ ہے کہ کفر بطریق شرک و عبادت اصنام نہیں ہوگا اور مسیلمہ کذاب اور مانعین زکوٰۃ کا کفر بصورت شرک نہیں تھا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہے۔ ان مسیلمہ کذاب و مانعین کا کفر تو بصورت ارتداد تھا۔

جواب (۲) جزیرۃ العرب میں سرزمین عرب میں اسلام کے ظہور سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جیسی حالت تھی اس جیسی حالت تا قیامت دوبارہ نہیں ہوگی۔ لہٰذا جزوی طور پر کفر کا ہونا اس کے منافی نہیں ہے باقی المصلون نماز کو ذکر کیا۔ کیونکہ اسلام اور نماز میں تلازم ہے۔

شیطان کی عبادت سے کیا مراد ہے؟ اس کی تین شرحیں کی گئی ہیں۔

(۱) شیطان کی عبادت سے مراد دین اسلام سے مرتد ہونا ہے۔اس پر سوال ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد بہت سے لوگ مرتد ہوئے ہیں تو اس مطلب پر یہ اس حدیث کے خلاف ہوگا۔اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہ نہیں کہا گیا کہ لوگ مرتد نہیں ہوں گے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اسلام کی قوت اور شوکت دیکھ کر شیطان ارتداد سے مایوس ہو گیا ہے اور اسے یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ اب کوئی شخص دین سے نہیں پھرے گا۔کسی وجہ سے لوگوں کا مرتد ہو جانا۔اس کی مایوسی کے منافی نہیں۔

(۲) بعض نے کہا کہ عبادت الشیطان سے مراد بت پرستی ہے۔یعنی شیطان جزیرہ عرب میں بت پرستی سے مایوس ہو گیا ہے اور واقعی جزیرہ عرب میں بت پرستی کبھی نہیں ہوئی۔ (۳) شیطان کی عبادت سے مراد جاہلیت کا دور دوبارہ لانا ہے۔اس سے شیطان مایوس ہو چکا ہے ۔دور جاہلیت میں گمراہی ہی گمراہی تھی ہدایت معدوم یا بالکل مغلوب تھی اب ایسا دور کبھی نہیں آئے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّی اُحَدِّثُ نَفْسِیْ بِالشَّیْءِ لَاَنْ
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا کہا میں اپنے دل میں ایک چیز پاتا ہوں البتہ یہ کہ میں کوئلہ
اَکُوْنَ حُمَمَۃً اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَتَکَلَّمَ بِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ اَمْرَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ. (رواہ ابوداؤد)
ہو جاؤں میرے لئے بہت بہتر ہے کہ میں اس کے ساتھ کلام کروں فرمایا اللہ کیلئے حمد ہے۔جس نے اس کے امر کو وسوسہ کی طرف پھیر دیا۔

تشریح: حاصل حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے دل میں ایسے خیال نامناسب پاتا ہوں میں جل کر کوئلہ ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں بنسبت اس بات کے کہ میں ان کو اپنی زبان پر لاؤں۔مثلاً جس خدا نے تم کو پیدا کیا ہے اسی کی حقیقت کیا ہے تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحمد للہ الذی ردامرہ الی الوسوسہ۔شکر ہے اس اللہ کا کہ جس نے معاملہ ابھی وسوسہ تک پہنچایا ہے۔اس کا معاملہ ابھی خیال ہی کی حد تک رکھا۔وسوسے تک رکھا زبان پر نہیں آنے دیا۔

قولہ' رَدَّاَمْرَہٗ' ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔

پہلا احتمال:۔اس کا مرجع رجل ہو۔معنی یہ ہوگا کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے اس رجل کے معاملہ کو وسوسہ ہی کی حد تک رہنے دیا۔وہ اس کو تلفظ میں نہیں لایا۔ دوسرا احتمال: اس کا مرجع شیطان ہو۔معنی یہ ہوگا اس اللہ کا شکر ہے۔جس نے شیطان کے معاملے کو وسوسے کی حد تک رہنے دیا کفر تک کی نوبت نہیں آئی جبکہ شیطان کا مقصود یہی (کفر) تھا۔

دوسرے احتمال پر اشکال وارد ہوگا۔اس سے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جواب جب بالشئی میں خیال کا ذکر ہو چکا تو صاحب خیال کا ذکر بھی آ گیا۔اس لئے اضمار قبل الذکر والا اعتراض نہ ہوگا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلشَّیْطَانِ لَمَّۃً بِابْنِ اٰدَمَ وَلِلْمَلَکِ
حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان کیلئے ابن آدم پر تصرف ہے اور فرشتے کیلئے
لَمَّۃً فَاَمَّا لَمَّۃُ الشَّیْطَانِ فَاِیْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَکْذِیْبٌ بِالْحَقِّ وَاَمَّا لَمَّۃُ الْمَلَکِ فَاِیْعَادٌ بِالْخَیْرِ وَتَصْدِیْقٌ
تصرف ہے شیطان کا تصرف برائی کا وعدہ دینا اور حق کو جھٹلانا ہے۔فرشتے کا تصرف نیکی کا وعدہ اور حق کی تصدیق کرنا ہے
بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِکَ فَلْیَعْلَمْ اَنَّہٗ مِنَ اللّٰہِ فَلْیَحْمَدِ اللّٰہَ وَمَنْ وَجَدَ الْاُخْرٰی فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ
جو کوئی اس کو پائے پس جانے یہ اللہ کی طرف سے پس چاہئے کہ اللہ کی حمد کرے اور جو دوسرا پائے تو اللہ کے ساتھ شیطان سے پناہ پکڑے

الرَّجِیْمِ ثُمَّ قَرَأَ الشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَأْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَاءِ (البقرۃ ۲۶۸) رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ.
پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ شیطان تم کو فقر کا وعدہ دیتا ہے اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ نے فرمایا ابن آدم میں دو تصرف ہیں۔(۱) تصرف شیطانی (۲) تصرف ملکی۔

تصرف شیطانی یہ ہے کہ انسان کو شر سے ڈراتا ہے مثلاً اگر حلال ہی کھائے گا تو مر جائے گا۔ اگر زکوٰۃ دے دی تو مال ختم ہو جائے گا اگر جہاد میں چلا جائے گا تو تیرے بچے کہاں سے کھائیں گے بھوکے مر جائیں گے۔

تصرف ملکی یہ ہے کہ دل میں اطمینان کو پیدا کرنا۔ اللہ کے وعدوں پر اطمینان اور سکون دلانا کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ رزق ہم دیں گے تم جہاد میں جاؤ۔ اگر زکوٰۃ دے گا تو تیرے مال میں برکت ہوگی یہ تصرف ملکی اللہ کی خبروں پر اطمینان دلاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے اندر تصرف ملکی کو محسوس کرے تو اس کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور جو شخص تصرف شیطانی کے اثرات کو محسوس کرے تو اس کو اس کا علاج کرنا چاہئے اور علاج بتلا دیا کہ تعوذ پڑھے جب دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر صدقہ وخیرات کرے گا تو مال ختم ہو جائے گا اگر جہاد میں چلا جائے گا تو بچے بھوکے مر جائیں گے فوراً اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لیا کرو۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء الآیۃ۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ النَّاسُ یَتَسَآءَ لُوْنَ حَتّٰی یُقَالَ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے حتی کہ کہا جائے گا
ھٰذَا خَلَقَ اللّٰہُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰہَ فَاِذَا قَالُوْا ذٰلِکَ فَقُوْلُوْا اللّٰہُ اَحَدٌ اللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ
یہ مخلوق اللہ نے پیدا کی ہے پس اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے بس جس وقت کہیں یہ پس کہو اللہ ایک ہے بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو
یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ثُمَّ لِیَتْفُلْ عَنْ یَسَارِہٖ ثَلَاثًا وَلْیَسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ (رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ)
جنا نہ وہ جنا گیا اور نہیں اس کے واسطے کوئی برابر پھر تین بار اپنی بائیں طرف تھوک دے اور شیطان مردود سے اللہ کے ساتھ پناہ پکڑے۔
وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَ عَمْرِو بْنِ الْاَحْوَصِ فِیْ بَابِ خُطْبَۃِ یَوْمِ النَّحْرِ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی.
حضرت عمروؓ بن احوص کی روایت ہم خطبہ یوم النحر کے باب میں ذکر کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ

تشریح: حاصل حدیث:۔ وساوس شیطانی سے محتاط رہنا چاہئے ورنہ نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ یہ بات کہی جائے گی کہ تمام مخلوق کو تو اللہ نے پیدا کیا اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ جب یہ خیال پیدا ہو جائے تو نوبت یہاں تک پہنچ جائے تو اللہ کی صفات خمسہ کا استحضار کرنا چاہئے اور نیز تین مرتبہ بائیں طرف تھکار دیا جائے بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو اور طلب تعوذ کیا جائے۔ اور وہ صفات خمسہ یہ ہیں (۱) اللہ احد (۲) اللہ الصمد (۳) لم یلد (۴) ولم یولد (۵) ولم یکن لہ' کفواً احد۔

پہلی صفت اللہ احد۔ احد اس کو کہتے ہیں جو ذات وصفات کے اعتبار سے یکتا ہو۔ اگر اللہ کو العیاذ باللہ مخلوق مانا جائے تو مخلوقیت والی وصف میں اللہ کے ساتھ دوسری مخلوق بھی شریک ہوگی تو اللہ تعالیٰ یکتا نہیں رہیں گے۔

دوسری صفت۔ اللہ الصمد۔ صمد اس ذات کو کہتے ہیں جو خود کسی کی طرف محتاج نہ ہو اور سب مخلوق اسی کی طرف محتاج ہو۔ بالفاظ دیگر کسی نے یوں کہا۔ صمد اس کو کہتے ہیں کہ جس کے بغیر کسی کا کام نہ چلے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی کا کام نہ اٹکے۔ تو صمد کی وصف مخلوقیت کے منافی ہے کیونکہ مخلوق محتاج ہے اور اللہ محتاج نہیں۔ تیسری صفت۔ لم یلد۔ اللہ والد نہیں۔

چوتھی صفت۔ لم یولد۔ جب اللہ والد نہیں تو ولد بطریق اولیٰ نہیں۔

پانچویں صفت۔ ولم یکن له' کفواً احد۔ اللہ کا کوئی مساوی نہیں ان اوصاف خمسہ میں سے ہر ایک وصف مخلوقیت کے منافی ہے۔ باقی بائیں طرف کی تخصیص اس لئے کی کہ یہ خیالات بائیں جانب سے آتے ہیں۔ بائیں طرف تھتکارے۔ بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو کسی کو ایذا نہ پہنچے۔

وسنذکر حدیث عمرو بن الاحوص ایک فائدے اور تصرف کا بیان ہے۔ وہ یہ کہ حدیث عمرو بن الاحوص کو صاحب مصابیح نے اس مقام میں ذکر کیا ہے مگر ہم اس حدیث کو کتاب الحج میں ذکر کریں گے کیونکہ اس حدیث کی مناسبت اس بات کے ساتھ زیادہ ہے۔ بنسبت اس باب کے۔ وہاں باب خطبہ یوم النحر میں ذکر کریں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَّبْرَحَ النَّاسُ يَتَسَآءَ لُوْنَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَا
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہیں گے
اللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ شَيْئٍ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ قَالَ قَالَ اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِنَّ
اللہ نے ہر چیز پیدا کی ہے پس اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے (بخاری) اور مسلم کے لئے ہے کہا اللہ عزوجل نے
اُمَّتَکَ لَا يَزَالُوْنَ يَقُوْلُوْنَ مَا كَذَا مَا كَذَا حَتّٰى يَقُوْلُوْا هٰذَا اللّٰهُ خَلَقَ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ
فرمایا تیری امت کے (لوگ) ہمیشہ کہتے رہیں گے یہ کیا ہے یہ کیا ہے یہاں تک کہ کہیں گے یہ اللہ نے مخلوقات پیدا کی ہے پس اللہ عزوجل کو کس نے پیدا کیا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ وساوس شیطانی سے محتاط رہنا چاہئے۔ ورنہ سوالات کا سلسلہ لوگوں کے درمیان چلتے چلتے یہاں تک پہنچ جائے گا کہ الله خلق کل شئی یہ پوچھنے لگ جائیں گے ہر چیز کو اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا۔ یہ الفاظ تو بخاری میں ہیں اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ قال الله عزوجل ان امتک الخ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیری امت کے لوگ ہمیشہ سوالات کرتے رہیں گے ماکذا ماکذا۔ یہ کیسے ہے یہ کیسے ہے یہاں تک کہ وہ یہ بات کہیں گے الله خلق الخلق. فمن خلق الله عزوجل۔

دونوں کی روایتوں میں فرق یہ ہے کہ بخاری کی روایت حدیث قدسی نہیں ہے اور مسلم کی روایت حدیث قدسی ہے۔

قولہ ان امتک الخ اس میں امت سے مراد کونسی امت ہے اس میں دو احتمال ہیں (۱) امت دعوت (۲) امت اجابت۔ اگر امت دعوت مراد ہو تو پھر کوئی اشکال نہیں اگر امت اجابت مراد ہو پھر اشکال ہوگا کہ ان سے یہ الفاظ کیسے نکل سکتے ہیں۔ جواب۔ مراد امت اجابت ہے۔ امت اجابت کے بعض افراد سے جہالت کی وجہ سے بطور وسوسے کے ایسے الفاظ کا صادر ہو جانا کوئی مستبعد نہیں۔

وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِؓ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الشَّيْطٰنَ قَدْ حَالَ بَيْنِیْ وَبَيْنَ صَلٰوتِیْ
عثمانؓ بن ابی العاص سے روایت ہے کہا میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول شیطان میرے اور میری نماز
وَبَيْنَ قِرَأَتِیْ يُلَبِّسُهَا عَلَیَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاکَ شَيْطَانٌ يُّقَالُ لَهٗ خِنْزِبٌ
اور میرے پڑھنے کے درمیان حائل ہوگیا مجھے شبہ ڈالتا رہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شیطان کا نام خنزب ہے
فَاِذَا اَحْسَسْتَهٗ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَاتْفُلْ عَلٰى يَسَارِکَ ثَلٰثًا فَفَعَلْتُ ذٰلِکَ فَاَذْهَبَهُ اللّٰهُ عَنِّیْ (صحیح مسلم)
پس جس وقت تو اس کو محسوس کرے اللہ کے ساتھ اس سے پناہ پکڑ اور بائیں طرف تین بار تھوک دے میں نے ایسا کیا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اس کو دور کر دیا۔

تشریح: حاصل حدیث: عثمان بن ابی العاصؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ شیطان میرے درمیان اور میری نماز کے دوران اور میری قرات میں خیال پیدا کر دیتا ہے۔ وسوسہ ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ میری نماز

میں اشتباہ ڈال دیتا ہے تو آپ مجھے ایسا وظیفہ بتلائیں کہ جس کے ذریعہ میں اس کے وسوسے سے محفوظ ہو جاؤں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وظیفہ بتلانے سے پہلے اس شیطان کا تعارف کرایا جو نماز کے دوران آ کر خیال پیدا کرتا ہے فرمایا اس شیطان کا نام خنزب ہے۔ بکسر الخاء وبفتح۔ اس کا معنے ہے برائی پر دلیر۔ چونکہ یہ شیطان برائی پر دلیری کرتے ہوئے نماز میں بھی برے خیالات پیدا کرنے لگ جاتا ہے اسی لئے اس کو خنزب کہتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے علاج بتلائے۔ فرمایا کہ جب یہ محسوس کرے تو تعوذ پڑھ لیا کرا عوذ باللہ پڑھ کر بائیں طرف تھتکار دے۔ بشرطیکہ فرض نماز نہ ہو بلکہ نفل نماز ہو اور پکی مسجد نہ ہو کچی مسجد ہو اگر پکی مسجد ہو تو اس صورت میں کپڑے میں مسل دینا چاہئے۔ نیز تھتکارنا بھی طریقے سے ہو اور عمل قلیل کے ساتھ ہو یہ نہیں کہ نماز پڑھ رہا ہے اور ساتھ کوئی دوسرا نماز پڑھ رہا ہے آپ کو خیال آیا آپ نے تعوذ پڑھ کے بائیں طرف تھتکار دیا اور کہیں کہ میں نے تو حدیث پر عمل کیا ہے۔ یہ نامناسب بات ہے حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس پر عمل شروع کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بتلائے ہوئے علاج کی برکت سے میرے وسوسے ختم ہو گئے۔ نیز یہ حکم تھتکارنے کا استحبابی ہے وجوبی نہیں۔

وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ فَقَالَ اِنِّیْ اَهِمُ فِیْ صَلَاتِیْ فَیَكْبُرُ ذٰلِكَ عَلَیَّ فَقَالَ لَهُ امْضِ فِیْ
حضرت قاسمؒ بن محمد سے روایت ہے ایک آدمی نے اس سے پوچھا اور کہا کہ میں اپنی نماز میں وہم کرتا ہوں مجھ پر یہ گراں گزرتا ہے
صَلَاتِكَ فَاِنَّهُ لَنْ یَّذْهَبَ ذٰلِكَ عَنْكَ حَتّٰی تَنْصَرِفَ وَاَنْتَ تَقُوْلُ مَا اَتْمَمْتُ صَلَاتِیْ. (رواہ موطا امام مالک)
اس نے کہا تو اپنی نماز میں گزرتا چلا جا پس شان یہ ہے تجھ سے ہرگز یہ نہیں جائے گا یہاں تک کہ تو پھرے اور تو کہتا ہو میں نے اپنی نماز مکمل نہیں کی۔

تشریح: راوی کا مختصر تعارف: قاسم بن محمد حضرت صدیق اکبرؓ کے پوتے ہیں اور مدینے کے سات مشہور فقہاء میں سے ہیں۔

حاصل حدیث قاسم بن محمد سے ایک شخص نے سوال کیا کہ میں اپنی نماز میں خیالات میں مبتلا ہو جاتا ہوں اور خیالات کا آنا بہت زیادہ ہو جاتا ہے تو قاسم بن محمد نے فرمایا تو اپنی نماز میں لگا رہ کیونکہ یہ خیالات ہرگز تجھ سے دور نہیں ہوں گے حتی کہ جب تو نماز کو پورا کرلے تو پھر کہے گا کہ میری نماز پوری نہیں ہوئی اس لئے دوبارہ نماز پڑھے گا پھر اس میں بھی خیالات آئیں گے لہذا یہ سلسلہ چلتا رہے گا آخر میں تو کہے گا کہ کیا نماز پڑھنی ہے کیونکہ خیالات تو ویسے ہی آتے رہتے ہیں یہ سوچ کر تو نماز کو چھوڑ دے گا اور شیطان بھی یہی چاہتا ہے کہ نماز پڑھنا چھوڑ دے تو شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس لئے جب ایک مرتبہ نماز پڑھ لی تو دوبارہ نماز نہ پڑھو۔ بلکہ شیطان کو کہے کہ میں تیرے کہنے کی وجہ سے دوبارہ نماز نہیں پڑھتا۔ اگر نقصان ہو گا تو میرا ہو گا تجھے کیا۔ یاد رکھئے۔ یہ اس وقت ہے جب ظن غالب ہو کہ میں نے نماز پوری پڑھ لی ہے وجہ اس کی یہی ہے کہ دوبارہ نماز پڑھے گا اس میں خیالات پیدا ہوں گے بالآخر نماز چھوڑ دے گا الی آخرہ۔

بَابُ الْاِیْمَانِ بِالْقَدْرِ

تقدیر پر ایمان لانے کا بیان

ماقبل سے ربط: ۔ یہ باب تخصیص بعد التعمیم کی قبیل سے ہے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ایمان تمام ضروریات دین کو ماننے کو کہتے ہیں۔ ضروریات دین کے عموم میں تقدیر بھی داخل تھی۔ اس عموم میں یہ بات آ گئی تھی کہ تمام ضروریات دین کے ضمن میں تقدیر کا ماننا بھی ضروری ہے۔ حدیث جبریلؑ میں ایمان کی تعریف میں تقدیر کا صراحۃً ذکر تھا۔ اب مصنف نے چاہا کہ عموم کے بعد خصوصیت سے تقدیر کو بیان کر دیا جائے۔ تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ تقدیر کا مسئلہ نہایت اہم' دقیق' نازک اور مزلۃ الاقدام ہے۔ اس میں فرق اسلامیہ کا بہت اختلاف ہوا ہے بہت سے لوگ اس میں گمراہی کی طرف چلے گئے۔ اس لئے صاحب مشکوۃ نے اس کو خصوصی اہمیت دے دی۔

قدر کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے قدر بفتح الدال۔ قدر بسکون الدال اس کا لغوی معنے ہے اندازہ کرنا اور اصطلاحی معنے ہے تقدیر اس باب

باب کے تحت ایمان بالتقدیر کا ذکر ہوگا۔

سوال:۔ ایمان بالتقدیر کا مسئلہ ماقبل والی احادیث میں ذکر ہو چکا خصوصاً حدیث جبرئیل میں کہا گیا ہے و القدر خیرہ و شرہ پھر ایمان بالقدر کا عنوان و باب کیوں قائم کیا۔

جواب (۱) اگرچہ باب الایمان میں ماقبل والی احادیث میں ایمان بالتقدیر تفصیلاً ہے۔ پہلے ذکر اجمالاً ہوا مابعد میں ذکر تفصیلاً ہے۔ لہذا کوئی تکرار نہیں۔

جواب (۲)۔ اگرچہ ماقبل کے اندر ایمان بالتقدیر کا ذکر ہو چکا لیکن اہمیت کو بتلانے کے لئے دوبارہ باب قائم کیا۔

سوال: اہمیت کو بتلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ جواب اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض گمراہ فرقوں نے ایمان بالتقدیر کا انکار کر دیا ان پر صراحۃ اور تفصیلاً رد کرنے کے لئے مستقل باب قائم کیا۔ ایمان بالتقدیر کا مفہوم کیا ہے۔ جواب: اس کے مفہوم کے دو حصے ہیں۔

پہلا حصہ۔ اس بات کا عقیدہ رکھنا اور یقین رکھنا ازل سے لے کر اس وقت تک اس عالم میں جو کچھ ہو چکا اور اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے (فی الحال) اور ابد تک آئندہ جو کچھ ہوگا عام ازیں وہ شر کی قبیل سے ہو یا خیر کی قبیل سے ہو ضلالت کی قبیل سے ہو یا ہدایت کی قبیل سے ہو یعنی تمام حرکات و سکنات و جمیع حوادثات عالم اور افعال عباد ان سب کے وجود میں آنے سے پہلے ازل ہی میں اللہ کو ان کا علم حاصل ہو چکا اور اسی علم ازلی کے مطابق لوح محفوظ میں ان تمام حوادثات عالم کی کتاب ہو چکی ہے۔ عام ازیں نفع کی قبیل سے ہوں یا ضرر کی قبیل سے ہوں اور اب اسی علم ازلی اور لوح محفوظ کی کتاب کے مطابق تمام حوادثات اپنے اپنے اوقات میں ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ اس عالم میں ذرہ برابر بھی بال برابر بھی فرق نہیں۔

دوسرا حصہ۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ حوادثات عالم اور افعال عباد عکس ہیں صورت اور نقشہ ہے اس علم ازلی کا جو علم ازلی لوح محفوظ میں حاصل ہو چکا اس علم ازلی کا عکس ہیں اور ظاہر ہے کہ عکس اور ذوالعکس میں صورت اور ذوالصورت میں مطابقت ہوتی ہے اسی کو بعنوان آخر یوں تعبیر کیا گیا ہے (ایمان بالتقدیر کی تعریف) **علمه الازلی المتعلق بجمیع مایکون قبل وجوده وانضباطه فی اللوح المحفوظ**۔ لہذا یہ افعال اور حوادثات عالم یہ اسی علم ازلی کے مطابق ظہور پذیر ہو رہے ہیں اس صورت پر اشکالات ہیں۔

سوال: پھر تو انسان مجبور محض ہے کیونکہ وہی کچھ کر رہا ہے جو اس کے بارے میں لکھا جا چکا۔

جواب: علم بالشئی علم بوجود الشئی کو مستلزم نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بندوں نے اپنے قصد و اختیار سے جو کچھ کرنا تھا اللہ کو ان کے کرنے سے پہلے ان کا ازل سے علم ہے۔ نہ کہ بندوں کا کرنا اس علم ازلی کی وجہ سے ہے۔ تقدیر مظہر ہے مجبر نہیں۔ کیونکہ علم معلوم کے تابع ہوتا ہے معلوم علم کے تابع نہیں ہوتا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اللہ جو کچھ کر رہے ہیں ان سب کا علم اللہ کو حاصل ہے۔ جس طرح خود اللہ اسی علم سابق کی وجہ سے مجبور نہیں۔ اسی طرح افعال عباد کے علم ازلی سابق کی وجہ سے عباد کا مجبور ہونا لازم نہیں آتا۔ لہٰذا بندہ مجبور نہیں باقی رہی یہ بات کہ ہر بات تقدیر میں لکھی جا چکی ہے۔ ضلالت و ہدایت اور شقاوت و سعادت مقدر ہو چکی۔

سوال: اس سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں؟

جواب۔ اس کے جوابات اگلی احادیث میں آ رہے ہیں۔ البتہ اگلے چند مزید ابحاث ملاحظہ ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہاں سات مباحث ہیں۔ (۱)۔ قدر و قضاء کے معنی ایمان بالقدر کی تشریح مع بیان تمثیل۔ (۲) ازالہ شبہات۔

(۳) ثبوت تقدیر از قرآن۔ (۴) تاریخ انکار تقدیر۔ (۵) عقیدۂ تقدیر اور مسئلہ و افعال عباد کے متعلق بیان مذاہب مع دلائل۔

(۶) فوائد عقیدۂ تقدیر۔ نمبر (۷) بیان اقسام تقدیر۔

البحث الاول:۔ فی ذکر معنی القدر و القضاء قدر دال کے فتحہ یا سکون سے ہے اس کے لغوی معنیٰ ہیں ماقبل میں گزر چکے ہیں۔

اصطلاحی شریعت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کلی اجمالی ازلی کو قضاء کہتے ہیں اور اس حکم کلی کی جزئیات و تفصیلات کو قدر کہتے ہیں اسی لئے قرآن میں فرمایا انا کل شئی خلقنه بقدر (پ ۲۷) اور بعض حضرات قضاء و قدر دونوں الفاظ کو مترادف کہتے ہیں ایمان بالقدر کا مطلب

یہ ہے کہ اوپر پہلے حصہ میں گزر چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

بیان تمثیل مثال نمبر(۱) نقشۂ پنہانی یعنی جس طرح ایک انجینئر یا معمار مکان بنانے سے قبل اس کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں اور ایک نقشہ کاغذ پر بناتا ہے اور پھر اسی نقشہ کے مطابق خارج میں مکان تیار کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کائنات ہستی کا وجود سے قبل اپنے علم میں اور پھر لوح محفوظ میں ایک نقشہ قائم فرمایا ہے تو تقدیر کی بنیاد علم باری اور قدرت باری پر ہے تقدیر کے انکار سے ان دونوں چیزوں کا انکار لازم آتا ہے یعنی تقدیر کے انکار سے اللہ کی طرف جہل و عجز کی نسبت لازم آتی ہے جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے۔

مثال نمبر(۲) علم مظہر یعنی جس طرح ایک نجوم دان کسی حادثے کے وقوع سے پہلے اس کی خبر دیتا ہے اور پھر وہ حادثہ پیش آجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس نجومی کا وہ علم واخبار اس حادثے کے لئے سبب و موجب نہیں ہوتا بلکہ صرف مظہر اور مخبر ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی قطعی یقینی سے تمام واقعات عالم کو پہلے ہی سے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے تو تقدیر مظہر ہے مجبر نہیں۔

البحث الثانی:۔ فی ذکر ازالۃ الشبہات۔ شبہ-۱: تقدیر کی صورت میں انسان مجبور محض ہے لہذا جزا وسزا نہیں ہونی چاہئے۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوت وارادہ اور کسب واختیار بھی بخشا ہے جس کے تحت بندے سے افعال تکلیفیہ صادر ہوتے ہیں تو تکلیف اور جزا وسزا کی بنیاد اسی ارادے اور قوت پر ہے لہٰذا انسان مجبور محض نہیں کیونکہ حرکت اختیاریہ اور حرکت رعشہ میں فرق نہ کرنا اور انسان کو پتھر کی طرح مجبور محض سمجھنا یہ بداہت کا انکار ہے۔

شبہ-۲: تقدیر سے انسان میں سستی کم ہمتی اور بے عملی پیدا ہوجاتی ہے۔ جواب۔ قرآن وحدیث میں تقدیر کے ساتھ ساتھ اسباب کے اختیار کرنے کی بھی بہت تاکید فرمائی گئی ہے۔ مثلاً مرض میں علاج جنگ میں اسلحہ رزق میں محنت وغیرہ تو پھر تقدیر پر بھروسہ کرکے بے عملی کا سبق لے لینا انسان کی اپنی غلطی ہے و نیز کسب معاش میں تو انسان کبھی بھی تقدیر پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے رات دن اسباب اختیار کرتا ہے تو پھر اعمال شرعیہ میں تقدیر پر بھروسہ کرنے کے کیا معنیٰ ہیں۔

شبہ-۳: جب تمام معاصی تقدیر الٰہی سے واقع ہوتے ہیں اور مسلمانوں پر رضا بالقضاء لازم ہے تو اس سے معاصی پر راضی ہونا لازم آتا ہے حالانکہ یہ شریعت کے خلاف ہے۔ جواب:۔ معاصی خود قضاء نہیں بلکہ معاصی میں قضاء نام ہے اللہ کے علم معصیت اور تخلیق معصیت کا تو خود معاصی قدر و قضا نہیں بلکہ محل قدر و قضا ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کے علم معصیت اور تخلیق معصیت پر راضی ہونے سے خود معصیت پر راضی ہونا لازم نہیں آتا اور تخلیق معصیت پر رضا اس لئے ہے کہ وہ باعث کمال ہے کیونکہ خلق وایجاد کمال قدرت کو مقتضی ہے۔

البحث الثالث:۔ ثبوت تقدیر از قرآن۔ اس مسئلے کو قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے چنانچہ سورج اور چاند کے متعلق فرمایا **والشمس تجری لمستقر لها ذٰلک تقدیر العزیز العلیم والقمر قدرنه منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم لاالشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولا الیل سابق النهار** (پ۲۳) ان آیات سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند کی رفتار اور راستے متعین ہیں نیز رات اور دن کی آمد ورفت حق تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق ہے اور زمین کی غذاؤں کے متعلق فرمایا **وقدر فیها اقواتها** (پ۲۴) اور موت کے متعلق فرمایا **نحن قدرنا بینکم الموت** (پ۲۷) اور مصیبت کے متعلق فرمایا **ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتب من قبل ان نبراها** (پ۲۷) اور تمام چیزوں کے متعلق فرمایا **انا کل شئی خلقنه بقدر** (پ۲۷) اور **وخلق کل شئی فقدره تقدیراً** (پ۱۸) اور **وان من شئی الا عندنا خزائنه و ما ننزله الا بقدر معلوم** (پ۱۴) اور **وماتسقط من ورقة الایعلمها ولاحبة فی ظلمت الارض ولا رطب ولایابس الافی کتٰب مبین** (پ۷) اسی طرح سابقہ آسمانی کتابوں تورات انجیل زبور میں بھی تقدیر کا ذکر موجود ہے۔

البحث الرابع:۔ تاریخ انکار تقدیر:۔ خلافت راشدہ کے دور کے آخر تک تمام مسلمان عقیدۂ تقدیر پر قائم رہے کسی نے اس میں

نزاع نہ کیا پھر خلافت راشدہ کے بعد دور صحابہ کے آخر میں بصرہ کے ایک شخص معبد جہنی نے اس کا انکار کیا وہ کہتا تھا الامر انف یعنی پہلے سے ان چیزوں کا کوئی نقشہ تجویز شدہ نہیں اور وقوع حوادث سے قبل اللہ کو ان حادثات کا کوئی علم حاصل نہیں۔ حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ معبد نے یہ عقیدہ مجوس کے ایک شخص سیبویہ سے اخذ کیا تھا۔ صحیح مسلم کی کتاب الایمان کے شروع میں یہ قصہ مذکور ہے کہ یحییٰ بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمٰن دونوں حج یا عمرے کے لئے گئے مکہ معظمہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملاقات ہوئی ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے یہ نظریہ نقل کیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس شخص پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اس کو بتادو کہ وہ اگر احد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے تب بھی وہ قبول نہ ہوگا۔ جب تک کہ وہ عقیدۂ تقدیر کا اقرار نہ کرلے پھر ایسا ہوا کہ اس شخص نے تقدیر کی بجائے افعال عباد کے مسئلے میں گفتگو شروع کردی اس لئے اب بحث نمبر ۵ میں مسئلہ افعال عباد کو ذکر کیا جاتا ہے۔

البحث الخامس: عقیدۂ تقدیر اور مسئلہ افعال عباد کے متعلق بیان مذاہب: اس میں تین مذاہب ہیں۔

اول جبریہ جہمیہ مرجئہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے اس کے سب افعال اللہ کی طرف سے ہیں اور بندے کو نہ قوت خالقہ حاصل ہے اور نہ قوت کاسبہ ان لوگوں نے مسئلہ تقدیر کے بارے میں غلو اور افراط سے کام لیا اور تقدیر کی بنیاد پر انسان کو مجبور محض بنادیا۔

دوم معتزلہ قدریہ اور شیعہ کے بعض فرقے کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال اختیاریہ کا خود خالق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اختیار تام اور قوت خالقہ بھی دی ہے تو گویا ان کے نزدیک افعال العباد کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ان لوگوں نے تقدیر کے بارے میں تفریط سے کام لیا اور انسان کو خود خالق اور مختار محض مان کر تقدیر کا بالکل ہی انکار کردیا۔

سوم اھل سنت والجماعت کے نزدیک انسان کو اپنے افعال کا اختیار حاصل ہے لیکن یہ اختیار کامل اور مستقل نہیں بلکہ ناقص وغیر مستقل ہے یعنی انسان کو قوت خالقہ تو حاصل نہیں لیکن قوت کاسبہ حاصل ہے باقی قوت خالقہ صرف خدائے ذوالجلال کی صفت ہے یہ مذہب متوسط اور معتدل ہے کہ خلق افعال کو اللہ کی قدرت وتقدیر کے تابع قرار دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ بندے کے لئے کسب کو ثابت بھی کرتا ہے۔

جبریہ کی تردید اور اختیار عبد کے دلائل

دلیل-۱: آیات قرآنیہ مثلاً نمبر ا ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعاً (پ۱۱) اس آخری آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان وہدایت کے بارے میں اللہ نے انسانوں پر جبر نہیں کیا۔

دلیل-۲: بداہت یعنی ہاتھ کی حرکت اختیاری اور حرکت رعشہ میں نمایاں فرق ہے کہ حرکت رعشہ میں انسان کو روکنے کا اختیار حاصل نہیں لیکن حرکت اختیاری میں یہ اختیار حاصل ہے۔

دلیل-۳: وجدان یعنی انسان کو دشمن پر تو غصہ آتا ہے لیکن اگر اس پر لکڑی گر جائے تو اس پر غصہ نہیں آتا معلوم ہوا کہ وہ دشمن کو مختار اور لکڑی کو غیر مختار سمجھتا ہے۔

دلیل-۴: فطرت یعنی اگر آپ مثلاً اونٹ کو لکڑی ماریں تو وہ آپ (انسان) کی طرف متوجہ ہوتا ہے لکڑی پر متوجہ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی لکڑی کو مجبور اور آپ کو مختار جانتا ہے۔

معتزلہ کی تردید اور خلق باری کے دلائل قرآنیہ

دلیل-۱: الا له الخلق والامر (پ۸ نمبر۵) یعلم من خلق (پ۲۹ نمبر۳) والله خلقکم وما تعملون (پ۲۳ نمبر۴) ذٰلکم الله ربکم خالق کل شئی (پ۲۴ نمبر۵) و ربک یخلق مایشاء و یختار (پ۲۰)۔

البحث السادس: فی ذکر فوائد عقیدة التقدیر اس عقیدۂ تقدیر کے بہت سے فوائد ہیں جن میں سے چھ یہ ہیں۔

(۱)۔زیادتی اعتقاد۔(۲)۔معرفت مرتبہ۔(۳)۔صبر۔(۴)۔شکر۔(۵)۔شجاعت۔(۶)۔تدبیران کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔زیادتی اعتقاد۔یعنی لوح محفوظ کے نقشہ کے مطابق واقعات عالم کو دیکھ کر فرشتوں کے اعتقاد وتصدیق میں ترقی واضافہ ہوجاتا ہے۔

۲۔معرفت مرتبہ۔یعنی لوح محفوظ کے نقشہ کو دیکھ کر فرشتے قابل مدح اور قابل مذمت انسان کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں اور پھر ہر ایک کے مرتبے کے مطابق اس کے لئے دعائے خیر یا دعائے غیر خیر کرتے ہیں۔

۳۔صبر یعنی انسان اپنی ناکامی اور مصیبت میں مایوس اور شکستہ دل نہیں ہوتا بلکہ اس میں خدا کی حکمت کا تصور کر کے صبر کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے **لکیلا تا سوا علی مافاتکم** (پ ۲۷)۔

۴۔شکر۔یعنی عقیدۂ تقدیر کی وجہ سے انسان اپنے کسی کمال اور کامیابی پر مغرور نہیں ہوتا بلکہ اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے جان کر اس کا شکر بجالاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے **ولا تفرحوا بما اتکم** پ ۲۷۔

۵۔شجاعت۔یعنی عقیدۂ تقدیر کی وجہ سے انسان موت سے بے خوف ہوجاتا ہے اور اس میں جواں مردی ہمت اور جرات پیدا ہوجاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے **وما کان لنفس ان تموت الاباذن الله کتاباً موجلاً** (پ ۴) اور **قل لن یصیبنا الآما کتب الله لنا** (پ ۱۰)

۶۔تدبیر۔یعنی تقدیر کا معتقد انسان ظاہری اسباب کی تنگی کو دیکھ کر اپنی تدبیر اور حیلہ جوئی ترک نہیں کرتا اور حوصلہ نہیں ہارتا کیونکہ اس کی نظر صرف ظاہری اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب اور موثر حقیقی پر ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے **کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن الله** (پ ۲)

البحث السابع بیان اقسام تقدیر۔تقدیر دو قسم پر ہے

۱۔مبرم جو قطعی طور پر متعین ہو اور اس میں تغیر وتبدل کا ذرا بھی احتمال نہ ہو۔

۲۔معلق جس میں تغیر وتبدل کا احتمال ہو۔مثلاً لوح محفوظ میں یہ لکھا ہو کہ اگر فلاں نے حج کیا تو بیس سال زندہ رہے گا اور حج نہ کیا تو پندرہ سال زندہ رہے گا فی الحقیقت تقدیر مسبق علم الٰہی کے اعتبار سے مبرم ہی ہے اور یہ تعلیق صرف لوح محفوظ کے اعتبار سے ہے۔اور قرآن حمید میں جو یہ ارشاد ہے **یمحوا الله مایشاء و یثبت** (پ ۱۳) تو یہ محو اور اثبات بھی لوح محفوظ کے لحاظ سے ہے نہ کہ علم الٰہی کے لحاظ سے (مرقات ص ۱۴۶ ج ۱)

فائدہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے تقدیر کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا **طریق مظلم لاتسلکه** دوسری بار سوال کیا تو فرمایا **بحر عمیق لاتلجه** تیسری مرتبہ سوال کیا تو فرمایا **ستر الله قد خفی علیک فلاتفتشة مرقات** (ص ۱۴۵ ج ۱)

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِیْرَ

حضرت عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے

الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَاءِ.(صحیح مسلم)

مخلوقات کی تقدیریں زمین و آسمان پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے لکھ دیں اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

تشریح: حاصل حدیث۔اللہ نے تمام مخلوقات کی تقادیر کو زمین وآسمان کے پیدا کرنے سے ۵۰ ہزار سال پہلے لکھ دیا ہے۔

سوال: ابھی ماقبل میں کہا تقدیر نام ہے اس بات کا **علمه الازلی المتعلق بجمیع مایکون قبل وجوده انضباطه فی اللوح المحفوظ**۔یعنی ہر چیز کا مقدر ہونا تو ازل سے ہے اس کی کوئی مدت اور ابتدا گو بیان ہی نہیں کی جاسکتی تو یہاں فرما رہے ہیں آسمان و

زمین کی تخلیق سے ۵۰ ہزار قبل لکھ دیا ہے یہ تحدید وتعیین کیسے صحیح ہے۔

جواب۔ یہاں تحدید وتعیین کو بیان کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ کسی دیوان خاص میں کتابت کی تحدید بیان کرنا مقصود ہے۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ کسی خاص دیوان میں مکتوب ہونا یہ آسمان وزمین کی تخلیق سے ۵۰ ہزار سال پہلے ہو باقی نفس تقدیر یہ ازل ہی سے ہو۔

قوله' وكان عرشه على المآء۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کے دو مطلب ہیں پہلا مطلب (۱) یہ حقیقت پر محمول ہے۔ جب عرش پانی پر تھا یعنی عرش اور پانی کے علاوہ کسی اور چیز کی تخلیق نہیں ہوئی تھی اس وقت سے تقدیر لکھی جا چکی ہے۔

عرش کی تخلیق اولاً ہوئی یا پانی کی اس میں تین قول ہیں۔ (۱) اولاً پانی کی پھر عرش کی۔ (۲) عکسہ' یعنی اولاً عرش کی پھر پانی کی۔ (۳) معاً اکٹھے ہوئی۔ یہ حقیقی معنی ہونے کی صورت میں ہے۔ دوسرا مطلب (۲) یہ کنایہ ہے قدرت کاملہ سے۔ یعنی ماء کی تخلیق پہلے ہوئی اور یہ پانی ہوا پر تھا جو کہ اللہ کی قدرت ہے اب مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کی قدرت ہی قدرت تھی اسی وقت سے تمام مخلوقات کی تقادیر کو لکھا جا چکا تھا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ شَىْءٍ بِقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزِ وَالْكَيْسِ.
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز تقدیر کے ساتھ ہے حتی کہ نادانی اور دانائی بھی۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ ہر چیز کا ہونا مقدر ہو چکا حتی کہ عاجز کی عاجزی کمزور کی کمزوری ذہین کی ذہانت فطین کی فطانت بلید کی بلادت کند ذہن کی کند ذہنی طاقتور کی طاقت عقلمند کی عقلمندی یہ بھی مقدر ہو چکی ہے لہذا ذہین کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور کند ذہن کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

سوال: عجز کا مقابل تو قدرت ہے کیس نہیں اور اسی طرح کیس کا مقابل تو بلادت ہے عجز نہیں اس حدیث میں تقابل کیا گیا حالانکہ یہ تقابل صحیح نہیں ہے۔ جواب: یہ صنعت استخدام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلی جانب میں ایک لفظ کو قرینہ بنا کر دوسری جانب میں ایک لفظ کو حذف کرنا اور دوسری جانب میں ایک لفظ کو قرینہ بنا کر پہلی جانب میں اس کے مقابل کو حذف کر دینا یہاں بھی ایسا ہی ہے عجز کو قرینہ بنا کر قدرت کو حذف کر دیا اور کیس کو قرینہ بنا کر بلادت کو حذف کر دیا۔ قوله' حتى العجز۔ اس کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے (۱) العجز۔ اس صورت میں حتی ابتدائیہ ہوگا (۲) العجز و الكيس اس صورت میں حتیٰ جارہ ہوگا۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَّ اٰدَمُ وَمُوْسٰى عِنْدَ رَبِّهِمَا
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمؑ اور موسیٰؑ اپنے رب کے پاس جھگڑے۔
فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى قَالَ مُوْسٰى اَنْتَ اٰدَمُ الَّذِىْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُّوْحِهٖ
آدمؑ موسیٰؑ پر غالب آگئے۔ موسیٰؑ نے کہا تو وہ آدمؑ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح تم میں پھونکی اپنے فرشتوں سے
وَاَسْجَدَ لَكَ مَلٰٓئِكَتَهٗ وَاَسْكَنَكَ فِىْ جَنَّتِهٖ ثُمَّ اَهْبَطْتَّ النَّاسَ بِخَطِيْئَتِكَ اِلَى الْاَرْضِ قَالَ
تجھے سجدہ کروایا اور اپنی جنت میں تجھے رکھا پھر تو نے اپنی خطا کے ساتھ لوگوں کو زمین کی طرف اتارا۔ آدمؑ نے فرمایا
اٰدَمُ اَنْتَ مُوْسٰى الَّذِىْ اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ وَاَعْطَاكَ الْاَلْوَاحَ فِيْهَا تِبْيَانُ كُلِّ
تو وہ موسیٰؑ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور کلام کے ساتھ چن لیا تم کو تختیاں دیں ان میں ہر
شَىْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا فَبِكَمْ وَجَدْتَّ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرٰةَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ قَالَ مُوْسٰى بِاَرْبَعِيْنَ عَامًا
چیز کا بیان ہے سرگوشی کرتے ہوئے تجھ کو قریب کیا پس کتنی مدت پایا تو نے اللہ تعالیٰ کو کہ اس نے لکھی توریت اس سے پہلے کہ میں پیدا کیا جاؤں۔
قَالَ اٰدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَّ فِيْهَا وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَتَلُوْمُنِىْ عَلٰى اَنْ عَمِلْتُ
موسیٰؑ نے کہا چالیس برس۔ آدمؑ نے کہا کیا تو نے اس میں پایا ہے اس آیت کا مضمون کہ آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بہک گیا۔

عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ اَنْ اَعْمَلَهُ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَنِيْ بِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
اس نے کہاہاں۔آدمؑ نے کہا کیا تو مجھے ایک ایسے عمل پر ملامت کرتا ہے جسے اللہ نے لکھ دیا ہے میں وہ کروں مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال
وَسَلَّمَ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى. (صحیح مسلم)
پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمؑ موسیٰ پر غالب آ گئے۔

تشریح: **حدیث مکالمہ:** یہ حدیث حدیث مکالمہ کے نام سے مشہور ہے۔اس حدیث کے اندر حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰ کے درمیان جو مناظرہ ہوااس کا بیان ہے اوراس کے نتیجے کا بیان ہے کہ مناظرہ میں حضرت آدمؑ غالب آ گئے۔واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰ کی جانب باہم ملاقات ہوئی تو اس ملاقات کے دوران حضرت موسیٰ نے حضرت آدمؑ کو وہ انعام یاددلائے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ پر فرمائے تھے۔

پہلا انعام۔حضرت موسیٰ نے کہاانت آدم تو آدم ہے اللہ نے تجھ کواپنی قدرت خاصہ سے پیدا کیا۔

دوسرا انعام۔اللہ نے تجھ میں اپنی طرف سے روح پھونکی (من روحہ میں اضافت تشریفی ہے ورنہ روح ساری مخلوق میں اللہ ہی نے پھونکی ہے)

تیسرا انعام۔فرشتوں سے تمہارے سامنے سجدہ کروایا (سجدہ تعظیمی مراد ہے اور سجدہ تعظیمی اس وقت جائز تھا اب جائز نہیں اب حرام ہے جیسے اس زمانے میں بہن سے نکاح حلال تھا اب حرام ہے اور یا سجدہ تو اللہ کو تھا مگر رخ آدم کی طرف تھا جیسے قبلہ کی طرف ہوتا ہے یا سجدہ سے مراد وضع الجبهه علی الارض مراد نہیں بلکہ انحناء مراد ہے یعنی وہ سجدہ جس میں رکوع جیسی حالت بن جائے لیکن اب یہ بھی جائز نہیں جیسا کہ اس کی توجیہات پڑھ لو گے)

چوتھا انعام۔اللہ نے آپ کواپنی جنت میں ٹھکانہ دیا ان انعامات کو یاددلانے کے بعد اب موسیٰ نے پکڑ کی گرفت کی کہ چاہئے تو یہ تھا کہ آپ ان انعامات کا شکریہ ادا کرتے لیکن آپ نے بجائے شکر کے آپ نے شجرہ ممنوعہ کے اکل کا ارتکاب کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہیں بھی جنت سے اس دنیا میں آنا پڑااور ہمیں بھی اس دنیا میں آنا پڑااور اولاد کو بھی دنیا میں آنا پڑا اس کے سبب کون بنے آپ ہی بنے۔ان انعامات کا مقتضیٰ یہ تھا اور آپ انعامات کا شکریہ ادا کرتے۔

اب حضرت آدمؑ نے کہا۔انت موسیٰ۔حضرت آدم نے حضرت موسیٰ کو بھی وہ انعامات یاددلائے جو اللہ نے ان پر کئے تھے۔آدم نے خاص انعامات یاددلائے۔

پہلا انعام۔اللہ نے اے موسیٰ آپ کواپنی کلام سے نوازا اپنی کلام سے آپ کو سرفراز فرمایا۔رسول بنایا **دوسرا انعام** آپ کو اللہ نے توراۃ عطا کی جس میں ہر چیز کا بیان تھا۔

تیسرا انعام۔اپنے ساتھ مناجات کا موقعہ دیا۔اچھا تم یہ بتلاؤ کہ میری تخلیق سے کتنی مدت پہلے توراۃ کی کتابت ہوئی تو حضرت موسیٰ نے فرمایا ۴۰ برس پہلے پھر آدمؑ نے کہا فعصیٰ آدم ربه' فغویٰ کا مضمون اس میں تھا۔تو موسیٰ نے کہا نعم جی ہاں تھا۔دومقدموں کو تسلیم کرانے کے بعد حضرت آدمؑ نے موسیٰ پر گرفت کی۔موسیٰ کو فرمایا جو چیز میری تخلیق سے ۴۰ برس پہلے میرے حق میں مقدر ہو چکی اس کو عمل میں لانے پر تم مجھ کو ملامت کر رہے ہو۔یعنی خطیئه اکل شجرة ممنوعه میرے حق میں میری تخلیق سے ۴۰ برس پہلے مکتوب ہو چکا تھا اب میں نے اس کا ارتکاب کیا اس وجہ سے آپ مجھ کو ملامت کر رہے ہیں اس کا وقوع تو ہو کر رہنا تھا۔مجھے اس پر ملامت کیوں کر رہے ہو۔پھر یعنی یہ کوئی باعث ملامت امر نہیں ہے تو حضرت موسیٰ خاموش ہو گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فحج آدمُ موسیٰ۔آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

یہ مناظرہ کہاں ہوا؟ راجح یہ ہے کہ دنیا سے چلے جانے کے بعد عالم ارواح میں ہوا۔اس کی تائید عند ربهما کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ عالم آخرۃ میں ہوگا۔

باقی آدمؑ موسیٰؑ پر تقدیر پر سہارا لینے کی وجہ سے غالب آئے۔

سوال: مسلم کلام میں مسئلہ ہے معصیت کے ارتکاب پر تقدیر کا یہ سہارا لینا یہ کسی کے لئے بھی جائز نہیں تو حضرت آدمؑ نے منہی عنہ کے ارتکاب پر تقدیر سے سہارا لیا یہ کیسے صحیح ہے؟ تقدیر کو معاصی پر سہارا بنانا یہ تو زنادقہ اور جبریہ کا قول ہے؟

جواب (۱) آدمؑ منہی عنہ معصیت کے ارتکاب پر تقدیر سے سہارا لینا قبولیت توبہ کے بعد ہوا۔ اور قبولیت توبہ کے بعد سہارا لینا یہ ناجائز نہیں یہی وجہ ہے کہ جب تک قبولیت توبہ نہیں ہوئی تھی اس وقت تک رورو کر یہ دعا کرتے رہے **ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا** الخ۔ ساری دنیا کے آنسوؤں کو ایک طرف کر دیا جائے اور حضرت آدمؑ کے آنسوؤں کو ایک طرف کر دیا جائے تو بھی برابری نہیں ہو سکتی۔ جب قبولیت توبہ ہوگئی تو پھر تقدیر پر سہارا لیا۔ **و هذا جائز**.

جواب (۲) حضرت آدمؑ نے تقدیر پر سہارا اس دنیا سے چلے جانے کے بعد لیا۔ اور یہ جائز ہے بالفاظ دیگر آدم کا تقدیر پر سہارا لینا یہ دار التکلیف سے دار الارواح میں چلے جانے کے بعد ہے۔ اور تقدیر پر سہارا لینا معاصی پر یہ دار التکلیف یعنی عام دنیا کے اعتبار سے ممنوع ہے عالم ارواح میں ممنوع نہیں۔

جواب (۳) حضرت موسیٰؑ کا آدمؑ کو ملامت کرنا درحقیقت اکل شجرۂ ممنوعہ پر نہیں تھا بلکہ ان مصائب پر ملامت کرنا تھا جن کی وجہ سے اولاد بنی آدم (حضرت آدمؑ کی وجہ سے) مصائب میں مبتلا ہوئے۔ یہ سہارا منہی عنہ کے ارتکاب پر نہیں تھا بلکہ مصائب پر تھا۔ اور مصائب کو تقدیر پر سہارا لینا جائز ہے۔ (تفصیل ذکر کرنا مقدمے کی حیثیت سے درست ہے)

تفصیل اس کی یہ ہے کہ آدمؑ کو موسیٰؑ کا ملامت کرنا شجرۂ ممنوعہ کے اکل پر ارتکاب کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس معصیت پر تھا کہ جس کی وجہ سے اولاد پر ابتلا آیا۔ ان میں سے ایک اخراج من الجنۃ ہے۔ اور خطیئہ کا ذکر تسبیاً ہے حقیقۃً نہیں۔ جس کے جواب میں حضرت آدم نے کہا مصائب میں مبتلا ہونا یہ مقلد ہونے کی وجہ سے ہے اگر میں اس فعل کا ارتکاب نہ کرتا تو کوئی اور سبب بن جاتا کوئی اور سبب پیدا ہو جاتا جس کی وجہ سے (تم یا وہ) مصائب میں مبتلا ہو جاتے اور جنت سے اخراج ہو جاتا۔ بہر حال مصائب پر تقدیر کو دلیل بنانا اور اس پر سہارا لینا اور چیز ہے اور معصیت پر تقدیر کو سہارا بنانا اور چیز ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب**۔

سوال۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے کلام میں اطناب کیوں کیا بس اتنا کہہ دیتے کہ میری توبہ قبول ہو چکی ہے۔

جواب۔ یہ بات سمجھانی تھی کہ میرے فعل میں دو چیزوں کو دخل ہے (۱) کسب کا (۲) تقدیر کا۔ کسب پر تو ملامت ہو سکتی ہے لیکن وہ تم نہیں کر سکتے کیونکہ میں نے معافی مانگ لی ہے معافی ہو چکی۔ تقدیر پر تو ملامت ہو ہی نہیں سکتی۔ اس پر مواخذہ نہیں۔ اگر ابتداً یہ کہہ دیتے کہ میری توبہ قبول ہو چکی تو یہ بات سمجھ میں نہ آتی اس لئے اطناب کیا۔

قولہ ثم اھبطت الناس۔ اشکال اس وقت تو لوگ موجود ہی نہیں تھے؟ **جواب**۔ منتظر الوجود کو متحقق الوجود قرار دے کر فرمایا یوں کہو ماسیوجد کو مایوجد کے منزلہ میں قرار دے کر ناس فرمایا باقی خطیئہ کا مصداق اکل شجرۂ ممنوعہ ہے اور یہ فعل عمداً نہیں بلکہ سہواً اور اجتہاداً ہوا ہے اور یہ عصمت انبیاء کے منافی نہیں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ الصَّادِقُ
ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حدیث بیان کی اور وہ سچے ہیں سچے کئے گئے
الْمَصْدُوْقُ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِکُمْ یُجْمَعُ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا نُطْفَۃً ثُمَّ یَکُوْنُ عَلَقَۃً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ
ایک تمہارے کی پیدائش یہ ہے کہ چالیس دن نطفہ ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے پھر

يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَ رِزْقَهٗ

جما ہوا خون ہوتا ہے اس کی مانند پھر اس کی مانند گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے پھر اس اللہ کی طرف چار باتوں کے ساتھ فرشتہ کو بھیجتا ہے۔

وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيْهِ الرُّوْحَ فَوَالَّذِيْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى

وہ اس کا عمل اس کی موت اور اس کا رزق اور بدبخت ہونا یا نیک بخت ہونا لکھتا ہے۔ پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے اس ذات کی قسم جس کے سوا

مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَاِنَّ اَحَدَكُمْ

کوئی معبود نہیں ایک تمہارا اہل جنت کے کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے اس پر نوشت غلبہ

لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ

کرتی ہے وہ دوزخیوں کے کام کرتا ہے پس اس میں داخل ہوجاتا ہے اور تحقیق ایک تمہارا دوزخیوں کے کام کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان بالشت بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ نوشت اس پر غلبہ کرتی ہے

اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)

پس جنتیوں کے کام کرتا ہے پس اس میں داخل ہوجاتا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث: اس حدیث میں رحم مادر کے اندر تخلیق انسانی کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مضمون کو بیان کرنے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو وصفوں کو ذکر کیا (۱) صادق (۲) مصدوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صادق بھی ہیں اور مصدوق بھی ہیں۔

وجہ فرق۔ ان میں فرق کیا ہے۔ فرق یہ ہے صادق فی نفسہ اور مصدوق من غیرہ یعنی غیروں نے بھی آپ کو سچا فرمایا۔ سوال۔ ان دو وصفوں کو کیوں ذکر کیا۔

جواب افتخاراً والتذ اذاً ان کو بیان کیا چونکہ اس حدیث میں تین چار مضمون عام حالات کے خلاف ہیں اس لئے عبداللہ بن مسعودؓ نے پہلے ہی بتا دیا کہ یہ جو قول ہے صادق اور مصدوق کا ہے۔

کیفیت کا بیان: رحم مادر کے اندر تخلیق انسانی کی کیفیت کے مضمون کا حاصل یہ ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کا مادہ ۴۰ دن تک نطفہ ہونے کی حالت ہی میں رحم مادر میں رہتا ہے اور دوسرے چالیس دن میں نطفہ جما ہوا خون اور پھر ۴۰ دن تک (مضغہ) یعنی گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے پھر چار مہینے ہونے پر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتے کو بھیجتے ہیں۔

سوال: قرآن فخلقنا العلقة مضغةً فخلقنا المضغة عظاماً یعنی ہڈی پر گوشت چڑھنے کے بعد فکسونا العظام لحماً ثم انشأنہ خلقاً آخر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہڈیاں اور گوشت بننے کے بعد اللہ فرشتے کو بھیجتے ہیں اور حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے گوشت کی بوٹی بننے کے بعد فوراً اللہ فرشتے کو بھیجتے ہیں۔

جواب-۱: حدیث میں بھی وہی مضمون معتبر ہے مگر راوی نے اختصار کی بناء پر بیان نہیں کیا۔

جواب-۲: حدیث میں اجمال ہے قرآن میں تفصیل ہے۔

سوال: حدیث مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت ملک اربعین ثانیہ کے بعد ہوتی ہے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعثت ملک اربعین ثالثہ کے بعد ہوتی ہے بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔

جواب-۱: اربعین ثانیہ کے بعد جو (کتابت کے لئے) بعثت ملک ہوتی ہے اس میں صرف فرشتوں پر اظہار کر دیتے ہیں کہ یہ کام

کرنے ہیں اور عملی طور پر کارروائی اور کتابت اربعین ثالثہ کے بعد ہوتی ہے۔

جواب-۲: یہ حدیث (جو کہ مشکوٰۃ میں ہے یہ) شیخین سے مروی ہے اور وہ حدیث جس میں اربعین ثانیہ کے بعد کا ذکر ہے وہ صرف مسلم سے مروی ہے لہذا یہ حدیث اس سے راجح ہے۔اور پھر وہ فرشتہ امور اربعہ کی کتابت کرتا ہے اور وہ امور اربعہ یہ ہیں۔

۱-عملہ' اس کا عمل لکھ دیا جاتا ہے آیا اس نے اعمال صالحہ کرنے ہیں یا برے اعمال کرنے ہیں۔

۲-اجلہ' اس کی مدت لکھ دی جاتی ہے پوری زندگی کے وقت کو بھی اجل کہتے ہیں اور موت کے وقت کو بھی اجل کہتے ہیں۔چنانچہ یہ دونوں اس کے حق میں لکھ دیئے جاتے ہیں۔ ۳-رزقہ' اس کا رزق بھی لکھ دیا جاتا ہے۔حق جل شانہ' کی طرف سے کس مقدار میں رزق دیا جائے گا۔ تھوڑا یا زیادہ۔آیا حلال طریقے سے روزی ملے گی یا حرام طریقے سے ملے گی یہ سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے۔

۴-احد الامرین۔شقی او سعید شقاوت یا سعادت بعض کے حق میں شقی اور بعض کے حق میں سعید لکھ دیا جاتا ہے۔

سوال-۳: یہاں اسلوب کیوں بدلا شقاوتہ' او سعادتہ' ہونا چاہئے تھا۔شقی او سعید کیوں کہا؟۔

جواب: اس بات کے لئے تاکہ حکایت کی محکی عنہ کے ساتھ موافقت ہو جائے کیونکہ فرشتہ جو لکھتا ہے وہ شقی یا سعید لکھتا ہے شقاوتہ' یا سعادتہ' نہیں لکھتا۔یہ دونوں لفظ ایک خاص شخص کے بارے میں نہیں لکھتا بلکہ ایک شخص کے بارے میں دوسرا لفظ اور دوسرے شخص کے بارے میں ایک لفظ لکھتا ہے۔(یہ تردید حکایت میں ہے محکی عنہ میں نہیں) اگر شقاوتہ اور سعادتہ' کہتے تو ماقبل کے ساتھ تو مطابقت ہوتی مگر حکایت محکی عنہ کے ساتھ مطابقت نہ ہوتی۔

سوال-۴: اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ امور اربعہ کی کتابت ہوتی ہے اور دوسری احادیث سے اربعہ سے امور زائد کی کتابت معلوم ہوتی ہے۔

جواب: تخصیص علی الشئی کسی شئی کی نفی پر دال نہیں ہوتی۔

سوال-۵: محل کتابت کیا ہے۔ جواب: اس میں کئی اقوال ہیں۔

پہلا قول۔کتابت جبیں۔کتابت جبین پر ہوتی ہے۔دوسرا قول: صفقۃ الید یعنی ہاتھ کی ہتھیلی پر کتابت ہوتی ہے۔

تیسرا قول: نامہ اعمال میں کتابت ہوتی ہے۔ان تین قولوں میں سے پہلا قول راجح ہے۔

سوال-۶: اگر کوئی کہے کہ ہم تو آپریشن کرتے ہیں پھر بھی یہ لکھا ہوا ہمیں نظر نہیں آتا؟

جواب۔یہ کتابت ان امور میں سے ہے جن کا ہونا سو فی صد یقینی ہے لیکن دنیا میں دکھائی نہیں دیتے۔مثلاً ایک چھوٹا سا بچہ ہو قرآن حفظ کر چکا ہو اس کو لاکر مصلے پر کھڑا کر دیا جائے وہ فر فر قرآن سنائے گا لیکن اگر وکیل کو لایا جائے جو قرآن نہ پڑھا ہوا ہو تو وہ خاموش کھڑا رہے گا۔ اور وہ بھی اعتراف کرے گا کہ اس میں کچھ ہے میرے میں کچھ نہیں لیکن اگر بچہ کا آپریشن کر کے دیکھو گے تو کہیں بھی لکھا ہوا نظر نہیں آئے گا۔الم ذالک الکتاب لاریب فیه۔

سوال-۷: تقدیر تو ازلی ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنین ہونے کی حالت میں لکھا جاتا ہے۔جواب۔اسی تقدیر ازلی کے مطابق جنین ہونے کی حالت میں جنین پر لکھ دیا جاتا ہے بالفاظ دیگر تحدید و تعیین جبین پر کتابت کے لحاظ سے ہے تقدیر کے لحاظ سے نہیں۔تقدیر تو ازل ہی سے لکھی جا چکی ہے اور جب امور اربعہ کی کتابت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں روح پھونک دیتے ہیں۔

قوله' فوالذی لا اله غیره: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص جنتیوں جیسے عمل میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ذراع باقی رہ جاتا ہے اچانک وہ جہنمیوں جیسا عمل کر بیٹھتا ہے اور وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔اور ایک شخص جہنمیوں جیسے عمل میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے درمیان اور جہنم کے درمیان ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے اچانک وہ جنتیوں جیسا عمل کر بیٹھتا ہے تو وہ جنت میں چلا جاتا ہے۔اس حدیث کے متعلق صوفیاء لکھتے ہیں کہ اس حدیث نے کمر توڑ کر رکھ دی ہے کہ کوئی اپنے اعمال پر ناز نہیں کر سکتا۔لہذا صلحاء کو اپنے اعمال پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے نیز اپنے اعمال پر ناز و نخرہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ ڈر کر رہنا چاہئے۔اور فساق و فجار کو اپنے گناہوں کی وجہ سے مایوس

نہیں ہونا چاہئے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کر لینی چاہئے۔ کیا معلوم مقدر کیسا ہے۔ یسبق علیہ غالب آ جاتا ہے اس پر فرشتہ تقدیر۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ
حضرت سہلؓ بن سعد سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق بندہ دوزخیوں کے
عَمَلَ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ يَعْمَلُ عَمَلَ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاِنَّمَا الْاَعْمَالُ
کام کرتا ہے اور وہ جنتی ہوتا ہے اور جنتیوں کے کام کرتا ہے اور وہ دوزخیوں میں سے ہوتا ہے سوائے اس کے نہیں اعمال کا اعتبار
بِالْخَوَاتِيْمِ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
خاتمہ کے ساتھ ہے۔

تشریح: حاصل حدیث: یہ حدیث ماقبل کا تتمہ ہے اس میں کوئی نیا مضمون نہیں ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص کا جنتی وجہنمی ہونا مقدر ہو چکا ہے اعمال کے ساتھ اور اعمال میں سے آخری عمل معتبر ہے انما الاعمال بالخواتیم کی وجہ سے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ دُعِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى جَنَازَةِ صَبِيٍّ مِّنَ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے ایک بچے کے جنازے کی طرف بلایا گیا۔
الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طُوْبٰى لِهٰذَا عُصْفُوْرٌ مِّنْ عَصَافِيْرِ الْجَنَّةِ لَمْ يَعْمَلِ السُّوْءَ وَلَمْ
میں نے کہا اللہ کے رسول اس کیلئے خوشحالی ہے جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے کبھی برائی نہیں کی اور نہ اسے پہنچا۔
يُدْرِكْهُ فَقَالَ اَوَغَيْرُ ذٰلِكَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ
فرمایا اس کے سوا کوئی اور بات بھی ہے اے عائشہ اللہ نے جنت کیلئے کچھ لوگ پیدا کئے انکو اس کیلئے پیدا کیا اور وہ
اٰبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ اَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِيْ اَصْلَابِ اٰبَائِهِمْ. (صحیح مسلم)
اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے اور دوزخ کیلئے کتنے لوگ پیدا کئے اور وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں تھے۔

تشریح: حاصل حدیث۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک انصاری بچے کی نماز جنازہ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا اس موقعہ پر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس بچے کے لئے تو بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے۔ چڑیا کے ساتھ تشبیہ عدم المواخذہ میں ہے یعنی جس طرح چڑیا سے مواخذہ ومحاسبہ نہیں ہوگا اسی طرح اس بچے سے بھی مواخذہ اور محاسبہ نہیں ہوگا اور یا تشبیہ صغیر الجثہ ہونے میں ہے یعنی جس طرح چڑیا بہت صغیر الجثہ وصغیر الجسم ہے اسی طرح یہ بھی صغیر الجسم ہے **لم یعمل السؤ ولم یدرکه** یہ وجہ تشبیہ کا بیان ہے کہ جیسے چڑیا وغیرہ کوئی برا کام نہیں کرتی اسی طرح اس بچے نے بھی ابھی تک کوئی برا کام نہیں کیا اور نہ ہی اس کے زمانے کو پایا اس لئے مواخذہ نہیں ہوگا۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **او غیر ذالک یا عائشة**۔ اس کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں۔

۱۔ **او غیر ذالک یا عائشة** ۔ یہ ہمزہ استفہام انکاری کا ہو اس صورت میں تقدیری عبارت اس طرح ہوگی۔ **اتعتقدین ماقلت والحق غیر ذالک وهو عدم الجزم بکونه من اهل الجنه**۔ اے عائشہ تم اس بات کا عقیدہ رکھتی ہو جو تم نے بیان کیا (جنتی ہونا) حالانکہ معاملہ اس کے علاوہ ہے یعنی اس بچے کے اہل جنت میں سے ہونے کا جزم نہ کیا جائے بلکہ اس کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے۔ دونوں احتمال ہیں جنتی بھی ہو سکتا ہے جہنمی بھی ہو سکتا ہے۔ اس تقدیر پر غیر مرفوع ہوگا خبر ہونے کی بناء پر اور اس کا مبتداء محذوف ہے والحق۔

۲۔ ہمزہ استفہام ہو۔ تقدیری عبارت **اتعتقدین ماقلت وغیر ذالک محتمل . قلت هذا و غیر ذالک محتمل** اس صورت میں غیر مرفوع ہوگا۔ مبتداء ہونے کی وجہ سے۔ محتمل یہ اس کی خبر ہے یعنی اس بچے کے اہل النار ہونے کا احتمال ہے) یہ دو صورتیں اس

وقت ہوں گی جب او غیر ذالک میں واؤ کو عاطفہ مانیں۔

۳- یہ کلمہ او ہے واؤ عاطفہ نہیں اب تقدیری عبارت یوں ہوگی الواقع ھذا او غیر ذالک واقع۔ ان تینوں توجیہوں کا حاصل یہ ہے کہ اے عائشہ اس بچے کے جنتی ہونے کا جزم نہیں کیا جاسکتا اس وجہ سے کہ اللہ نے دو قسم کی مخلوقیں پیدا کی ہیں۔

۱- جن کا جنتی ہونا مقدر ہو چکا ہے ازل ہی سے فی اصلاب ابائھم اپنے باپوں کی پشتوں میں ان کا جنتی ہونا مقدر ہو چکا ہے۔

۲- جن کا جہنمی ہونا ان کی آباء کی پشتوں میں مقدر ہو چکا ہے۔ فی اصلاب آبائھم یہ تقریب الفہم کے لئے فرمایا ورنہ ازل ہی سے مقدر ہو چکا ہے (اور ایک چوتھی توجیہ بھی ہے کہ او بل کے معنے میں ہو جیسا کہ وارسلناہ الی مائۃ الف او یزیدون میں او بل کے معنے میں ہے اب تقدیری عبارت اس طرح ہوگی الواقع ھذا بل غیر ذالک محتمل) الغرض اگر یہ بچہ پہلی قسم میں سے ہے تو وہ جنتی ہوگا اگر دوسری قسم سے ہے تو جہنمی ہوگا۔ سوال۔ مسلمانوں کے نابالغ بچوں کے بارے میں جو وفات پاجائیں اس پر فقہا کا اجماع ہے کہ وہ جنتی ہوں گے اس حدیث سے تو اس کا انکار معلوم ہوتا ہے۔ جواب-۱: انکار کرنا مقصود نہیں بلکہ (عائشہ کو) تعلیم دینی مقصود ہے۔ کہ ایسے الفاظ اپنے علم کے مطابق بولنا جائز نہیں۔ یعنی ایسے امور جن کا یقین انسان کو نہ ہو ان کے بارے میں الفاظ محتاط استعمال کرنے چاہئیں جزمی الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔

جواب-۲: یہ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ ابھی تک اطفال المسلمین کے جنتی و جہنمی ہونے کا علم نہیں دیا گیا تھا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا ٹھکانہ لکھا نہ گیا ہو یعنی یا تو

كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَتَوَكَّلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ

اس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا یا جنت میں لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! تو پھر ہم اپنے لکھے پر بھروسہ نہ کریں

الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ

اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرو اس لئے کہ جو شخص جس چیز کیلئے پیدا کیا گیا ہے وہ چیز اس کیلئے

السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ" فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى

آسان کی گئی ہے۔ یعنی جو شخص نیک بخت ہے اس کے لئے نیک بختی کے کام آسان کر دیئے جاتے ہیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى الْآيَة" (پ ۳۰ رکوع ۱۷) (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

ایک آیت پڑھی فاما من اعطی الخ یعنی جس شخص نے دیا پرہیز گاری اختیار کی اور عمل خیر کو اچھا سمجھا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کا جنتی و جہنمی ہونا مقدر ہو چکا ہے اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر یہ بات تو ظاہر ہے نہ کہ ہمارے اچھے برے اعمال سے تو ہماری تقدیر میں تبدیلی نہیں ہوگی جس کے حق میں شقاوت مقدر ہو چکی وہ جہنم میں ہوگا اور جس کے حق میں سعادت مقدر ہو چکی وہ جنت میں جائے گا۔ پھر تو ہمارا اعمال میں لگا رہنا بظاہر یہ تو بے فائدہ ہے اور بے مقصد ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اعملوا تم عمل میں لگے رہو اس لئے کہ جنتی و جہنمی ہونا سعادت و شقاوت کا مقدر ہونا اعمال کے ساتھ ہے۔ یہ تمہارے اچھے برے اعمال کشاں کشاں تمہیں اور سعادت مقدرہ یا شقاوۃ مقدرہ کی طرف کھینچ لے کر جائیں گے سعادت مقدرہ یا شقاوۃ مقدرہ کی طرف۔ اگر چہ اعمال علل تامہ تو نہیں ہیں لیکن بایں ہمہ علامات تو ہیں بعنوان آخر یوں کہا جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعملوا یعنی تم عبد ہو (اور عبدیت کی شان کا مقتضی یہ ہے کہ اوامر کو بجالائے اور نواہی سے اجتناب کرے ماموراۃ کو بجالائے اور منہیات سے بچے) اس تفتیش میں مت پڑو کہ تمہارے حق میں شقاوت

مقدر ہے یا سعادت۔ بعنوان ثالث۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں سمجھائیں کہ چیزیں دو ہیں۔

(۱) امر ظاہری (۲) امر باطنی۔ امر ظاہری احکام شرعی کی پابندی امر باطنی تقدیر تم عبد ہو امر ظاہری کو بجالاتے رہو اور امر باطنی کو تفویض الی اللہ کر دو۔ اور ان میں کوئی منافات نہیں اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ ہر شخص کے حق میں رزق مقدر ہو چکا ہے لیکن کوئی شخص بھی تقدیر پر بھروسہ کر کے اسباب رزق کو ترک نہیں کرتا۔ بلکہ حتی الوسع اسباب رزق کو اختیار کرتا ہے آخر پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اعمال صالحہ میں کہا جاتا ہے تقدیر تقدیر! اعمال میں تقدیر کا حوالہ ہے اور رزق کے معاملے میں تقدیر پر اعتماد نہیں کیا جاتا بلکہ جتنے معترضین ہیں وہ سب سے زیادہ اسباب رزق میں دن رات دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے ہیں اس میں تقدیر کا حوالہ نہیں یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ ہر شخص کے حق میں مرض کے بعد صحت یا ہلاکت کا ہونا مقدر ہو چکا ہے لیکن کوئی شخص بھی اس کے باوجود بیمار ہونے کی حالت تقدیر پر بھروسہ کر کے علاج معالجے کو ترک نہیں کرتا بلکہ اسباب علاج کو اختیار کرتا ہے بالکل اسی طرح اعمال صالحہ کو بھی محض تقدیر پر بھروسہ کر کے نہیں چھوڑا جاسکتا۔ بلکہ اعمال صالحہ کا بھی تو اللہ نے حکم دیا ہے آخر کیا وجہ یہ سوال رزق وصحت کے بارے میں پیدا نہیں ہوتا۔ اعمال کے بارے میں پیدا ہوتا ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استشہاد کے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ فاما من اعطیٰ واتقی و صدق بالحسنیٰ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلٰى
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے
ابْنِ اٰدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا اَدْرَکَ ذَالِکَ لَا مَحَالَةَ فَزِنَاالْعَيْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنطِقُ وَالنَّفْسُ
ابن آدم پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا ہے پہنچے گا اس کو لا محالہ پس آنکھ کا زنا دیکھنا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور جان آرزو
تَتَمَنّٰى وَتَشْتَهِیْ وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِکَ وَيُكَذِّبُهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ كُتِبَ عَلٰى
اور خواہش کرتی ہے اور شرم گاہ اس کو سچا یا جھوٹا کرتی ہے (متفق علیہ) اور مسلم کی روایت میں ہے
ابْنِ اٰدَمَ نَصِيْبُهُ مِنَ الزِّنَا مُدْرِکٌ ذَالِکَ لَا مَحَالَةَ الْعَيْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا
آدمؑ کے بیٹے پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا گیا ہے پانے والا ہے اس کو ضرور دونوں آنکھیں ان کا زنا دیکھنا ہے
الْاِسْتِمَاعُ وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ وَالْيَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطٰى وَالْقَلْبُ يَهْوٰى
اور دونوں کان ان کا زنا سننا ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے اور پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل خواہش کرتا ہے
وَيَتَمَنّٰى وَيُصَدِّقُ ذَالِکَ الْفَرْجُ وَيُكَذِّبُهُ.
اور آرزو کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اولاد آدم میں سے جس کے حق میں زنا مقدر ہو چکا ہے بہر حال وہ واقع ہو کر رہے گا۔ عام ازیں کہ وہ زنا حقیقی ہو یا زنا حکمی ہو۔ زنا حقیقی ادخال الفرج فی فرج الاجنبیة غیر المنکوحه یعنی غیر منکوحہ اجنبیہ کی فرج میں فرج کو داخل کرنا ہے اور زنا حکمی کی چند صورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بیان فرمائیں۔

(۱) آنکھوں کا زنا۔ اجنبیہ کو دیکھنا۔ (۲) کانوں کا زنا اجنبیہ کی باتوں کو سننا (۳) زبان کا زنا اجنبیہ سے باتیں کرنا جو متعلق بالشہوۃ ہوں (۴) ہاتھوں کا زنا۔ اجنبیہ کو پکڑنا (۵) اور پاؤں کا زنا اجنبیہ کی طرف چلنا ہے اور فرج اس کی تصدیق کرتا ہے۔ یا تکذیب۔ اگر بالفعل زنا کا وقوع ہو جائے تو گویا فرج نے تصدیق کر دی اور اگر حقیقی زنا میں مبتلا نہ ہو تو گویا فرج نے تکذیب کر دی (پیر جو عورتوں کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرتے

ہیں یہ ہاتھوں کا زنا ہے مولانا کشمیریؒ) باقی مسلم کی روایت میں لفظوں کا تفاوت ہے مضمون ایک ہی ہے باقی رہی یہ بات کہ ابن آدم میں عموم ہے یا نہیں اور فرمایا کہ عموم نہیں اور ابن کی اضافت آدم کی طرف یہ استغراق کے لئے نہیں۔ ذوات قدسیہ یعنی حضرات انبیاء علیھم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ باقی یہ سوال نہ کیا جائے کہ پھر تو انسان مجبور ہے زنا مقدر ہو چکا ہے وہ تو ہو کر رہے گا نہیں نہیں بلکہ انسان نے جو کچھ اپنے قصد واختیار سے کرنا تھا بس اسی کے مطابق اللہ کو علم حاصل ہوا۔ سب کچھ بندے کے قصد واختیار سے ہوتا ہے جیسے مقدر تھا ویسے ہی اللہ نے لکھ دیا ہے لہٰذا انسان مجبور نہیں۔

وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ مُّزَيْنَةَ قَالَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَءَيْتَ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ الْيَوْمَ

حضرت عمرانؓ بن حصین سے روایت ہے مزینہ کے دو شخصوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ خبر دیں لوگ آج کے دن

وَيَكْدَحُوْنَ فِيْهِ اَشَيْءٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ مِّنْ قَدَرٍ سَبَقَ اَوْ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُوْنَ بِهٖ مِمَّا اَتٰهُمْ بِهٖ

جو عمل اور محنت کرتے ہیں کیا ایک چیز ان کیلئے مقدر کی گئی ہے اور ان میں گزر چکی ہے تقدیر پہلے یا آگے ہونے والی ہے اس چیز سے کہ لایا ہے

نَبِيُّهُمْ وَثَبَتَتِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لَا بَلْ شَيْئٌ قُضِيَ عَلَيْهِمْ وَمَضٰى فِيْهِمْ وَتَصْدِيْقُ ذَالِكَ فِيْ

ان کے پاس ان کے نبی اور دلیل ان پر ثابت ہوگئی فرمایا نہیں بلکہ ایک چیز ہے کہ مقدر ہو چکی اور ان میں گزر گئی اس کی

كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ "وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا". (پ۳۰. رکوع ۱۶) (صحيح مسلم)

تصدیق اللہ کی کتاب میں ہے۔ قسم ہے جان کی اور اس ذات کی کہ برابر کیا جس نے اس کو پس جی میں ڈالی اس کی بدکاری اور پرہیز گاری۔

تشریح: حاصل حدیث قبیلہ مزینہ کے دو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے یہ سوال کیا کہ جو لوگ نیک اعمال اور بداعمال کرتے ہیں اور ان اعمال کے کرنے میں مشقت ومحنت برداشت کرتے ہیں کیا یہ امر سابق کی وجہ سے ہے یعنی یہ اعمال ان لوگوں کے حق میں پہلے مقدر ہو چکے ہیں اور اب دنیا میں اپنے اپنے اوقات میں ظاہر ہو رہے ہیں یا امر مستانف ہیں۔ یعنی پہلے سے مقدر نہیں ہوئے بلکہ جب انبیاء کرام اس دنیا میں تشریف لائے اور اچھے اعمال کرنے کی ترغیب دی اور برے اعمال کرنے سے منع کیا اس وقت سے انبیاء کرام کی ترغیب وترہیب سے متاثر ہو کر لوگ اچھے یا برے اعمال کر رہے ہیں آیا یہ دوسری صورت ہے یا پہلی صورت ہے بلکہ سائلین نے یہ متیقن اور تجویز کر لیا تھا کہ یہ دوسری صورت ہے یعنی امر مستانف ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نہیں پہلی صورت ہے اچھے برے اعمال پہلے سے مقدر ہو چکے ہیں اور اب اس دنیا میں اپنے اپنے اوقات میں ظہور پذیر ہو رہے ہیں اعمال پہلی صورت میں مندرج ہیں اس کی تائید قرآن کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ فالھمھا فجورھا و تقواھا...... (الایة)۔ طریقہ استدلال یہ ہے کہ الھمھا ماضی کا صیغہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ امر سابق ہے امر مستانف نہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ رَجُلٌ شَابٌّ وَّاَنَا اَخَافُ عَلٰى نَفْسِي الْعَنَتَ وَلَا اَجِدُ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں جوان آدمی ہوں اور اپنے نفس پر زنا سے ڈرتا ہوں

مَا اَتَزَوَّجُ بِهِ النِّسَآءَ كَاَنَّهٗ يَسْتَاْذِنُهٗ فِي الْاِخْتِصَاءِ قَالَ فَسَكَتَ عَنِّيْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ

اور اس قدر نہیں پاتا کہ عورتوں سے نکاح کروں گویا آپ سے خصی ہونے کی اجازت مانگتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے

عَنِّيْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَسَكَتَ عَنِّيْ ثُمَّ قُلْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

پھر میں نے اس کے مانند کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہے میں نے پھر عرض کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

يَا اَبَا هُرَيْرَةَ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا اَنْتَ لَاقٍ فَاخْتَصِ عَلٰى ذَالِكَ اَوْذَرْ. (صحيح البخاري)

اے ابو ہریرہ قلم خشک ہو گیا ہے ساتھ اس چیز کے جس کو تو ملنے والا ہے پس خصی ہو اوپر اس کے یا چھوڑ دے۔ (روایت کیا اس کو بخاری نے)

تشریح: حاصل حدیث:۔حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میں نوجوان آدمی ہوں مجھے اپنے نفس پر اس بات کا اندیشہ ہے کہ زنا میں مبتلا نہ ہو جاؤں اور میں شادی پر بھی قدرت نہیں رکھتا یعنی اتنی قدرت (مال) نہیں کہ کسی عورت سے شادی کر سکوں۔(باقی ان باتوں کو بیان کرنے سے حضرت ابو ہریرہؓ کا کیا مقصود تھا؟ ان کے تلامذہ میں سے ایک تلمیذ اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اختصاء حصن ہونے کی اجازت مانگ رہے تھے یعنی کہ انہیں نامرد ہونے کی اجازت دے دی جائے) کوئی کہے کہ اس کے علاوہ ایک اور طریقہ بھی ہے کہ لونڈی خرید لیتے جواب جب مہر دینے کی قدرت نہیں لونڈی خریدنے کی بطریق اولیٰ نہیں ہو گی۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے یہ سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کوئی جواب نہ دیا۔پھر دوبارہ سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے بار بار سوال کرتا رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا۔جب چوتھی مرتبہ میں نے سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جف القلم۔قلم اس چیز کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے جو تجھ کو ملنے والا ہے اے ابو ہریرہ۔یعنی اگر اے ابو ہریرہ تمہارا زنا میں مبتلا ہونا مقدر ہو چکا ہے تو اس کا وقوع ہو کر ہی رہے گا اختصاء کا کوئی فائدہ نہیں۔اگر مقدر نہیں تو پھر ایک عضو کو ضائع کر دینا جائز نہیں۔الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختصاء کی اجازت نہیں دی اس سے معلوم ہوا کہ کسی نیک و جائز مقصد کے لئے ناجائز تدابیر کو اختیار کرنا شرعاً جائز نہیں۔باقی حضرت ابو ہریرہؓ نے تین مرتبہ سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب اختصاء کی کراہت کی وجہ سے نہیں دیا۔آپ اس کو ناپسند سمجھتے تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ شدت خوف کی وجہ سے بار بار سوال کر رہے تھے۔ اختصاء یعنی جب خصیتین نکال دوں گا تو شہوت ختم ہو جائے گی تو میں گناہ میں مبتلا نہیں ہو ں گا۔کیا خیال ہے آپ کا کہ ابو ہریرہؓ جیسے جلیل القدر صحابی اس اندیشہ سے نہیں بچ سکتے آج ہم کیسے بچ جائیں گے۔

النساء پر الف لام جنسی ہے امراۃ واحدہ بھی داخل ہے الف لام جب جمع میں داخل ہو جائے تو جمعیت باطل ہو جاتی ہے۔

لا اجد الخ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا کلام نہیں ہے بلکہ ان کے شاگرد کا کلام ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِيْ
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی آدم
اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَّاحِدٍ يُّصَرِّفُهٗ كَيْفَ يَشَآءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ
کے سب دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں مانند ایک دل کے اس کو جس طرف چاہتا ہے پھیرتا ہے پھر رسول
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ. (صحیح مسلم)
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی بندگی پر پھیر دے۔

تشریح: حاصل حدیث اس حدیث میں اللہ کی قدرۃ کاملہ کا بیان ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی آدم کے قلوب باوجود ان کی کثرت کے قلب واحد کی طرح ہیں۔اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں۔جیسے شئی واحد پر قدرۃ کاملہ حاصل ہوتی ہے اسی طرح حق جل شانہ کو قلوب بنی آدم پر باوجود کثرت کے قدرت کاملہ حاصل ہے کیونکہ حق جل شانہ کے ہاں کثرت اور واحد میں کوئی فرق نہیں۔لہٰذا جب تصریف قلوب اللہ کے قبضہ میں ہے (جس طرف پھیرنا چاہیں پھیر سکتے ہیں) تو پھر اللہ سے یہ دعا کرتے رہنا چاہئے اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک اگر تصریف لغوی معنے میں ہو (پھیرنا) تو پھر علی الیٰ کے معنے میں ہوگا اور اگر تصریف تثبیت کے معنے کو متضمن ہو تو پھر اس صورت میں علیٰ اپنے اصلی معنی میں ہوگا۔ اللھم مثبت القلوب ثبت قلوبنا علیٰ طاعتک.

سوال: اصابع کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے یہ تو صحیح نہیں ہے؟

جواب-۱: یہ متشابہات میں سے ہے۔جن کی دو قسمیں ہیں (۱) اللہ کی اصابع ہیں کما یلیق شانہ مگر ہم جیسی نہیں ہیں۔

جواب-۲: اصابع میں مناسب تاویل کر لی جائے عند المتاخرین تا کہ عوام کا ایمان ضائع نہ ہو جائے کہ اصبعین سے مراد اللہ کی دو

صفات ہیں (۱) لطف و جمال (۲) قہر وغضب جب لطف و جمال والی صفت متوجہ ہوتی ہے تو آدمی کا دل طاعت کی طرف پھر جاتا ہے۔اور اگر قہر وغضب والی صفت متوجہ ہو تو پھر انسان کے دلوں کی تصریف گناہوں ومعاصی کی طرف ہو جاتی ہے باقی رہی یہ بات کہ اس حدیث کا باب کے ساتھ کیا تعلق ہے جواب:۔دلوں کی تصریف الی الھدایت والضلالت اوالی الاسلام اوالکفر مقدر ہو چکی ہے۔یہ تصریف تقدیر ازلی کے مطابق ہے۔اس حدیث میں ثم قال میں دعا کے معنی میں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَّوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بچہ نہیں مگر وہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔
فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ کَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَآءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْهَا
اس کے ماں باپ اسے یہودی کردیتے ہیں یا نصرانی کردیتے ہیں۔ یا مجوسی کردیتے ہیں۔ جیسے چارپایہ پورا بچہ جنتا ہے کیا
مِنْ جَدْعَآءَ ثُمَّ یَقُوْلُ" فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذَالِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ"
اس میں نقصان معلوم کرتے ہو پھر فرمایا اللہ کی فطرت ہے لوگوں کو اس پر پیدا کیا ہے۔نہیں بدلنا اللہ کی پیدائش کیلئے یہ ہے دین درست۔

(پ ۲۱۔ رکوع ۷) (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حدیث الفطرة: یہ حدیث حدیث الفطرة کے نام سے مشہور ہے اور ایک حدیث ہے جو کہ حدیث خصال الفطرة کے نام سے مشہور ہے اور وہ کتاب الطہارة میں ہے جیسا کہ ایک حدیث "حدیث جبرئیل" ہے اور ایک حدیث حدیث امامت جبرئیل ہے اس حدیث کے مضمون کا حاصل یہ ہے کہ ہر بچہ کی پیدائش فطرة پر ہوتی ہے اگر عوارض موجود نہ ہوں تو وہ بچہ اسی فطرة پر باقی رہتا ہے اور اگر عوارض پائے جائیں تو وہ بچہ اس فطرة پر باقی نہیں رہتا بلکہ اس سے منحرف ہو جاتا ہے اور وہ عوارض یہ ہیں۔مثلاً ماں باپ کا یہودی ہونا یا عیسائی ہونا یا مجوسی ہونا یا آج کے دور میں مرزائی ہونا' رافضی ہونا۔اگر ماں باپ یہودی ہوں تو بچہ بھی یہودی بن جاتا ہے اور اگر قادیانی ہوں تو وہ بچہ قادیانی بن جاتا ہے تو جس مذہب پر اس کے ماں باپ ہوں گے وہی اس کا مذہب بن جائے گا اور بچہ کا ولادة کے وقت فطرة پر پیدا ہونا اور عوارض کی وجہ سے فطرة سے انحراف کا ہو جانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے چوپایہ ولادت کے وقت سلیم الاعضاء ہوتا ہے اور پھر عوارض کی وجہ سے سلامتی اعضاء سے انحراف ہو جاتا ہے کبھی اس کا کان کاٹ دیا جاتا ہے اور کبھی اس کو داغ دیا جاتا ہے اسی طرح بچہ بھی ولادت کے وقت فطرة پر ہوتا ہے پھر عوارض کی وجہ سے (مثلاً والدین کا یہودی ونصرانی ہونا) فطرة سے منحرف ہو جاتا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور استشہاد کے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فطرة اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم......الایة.

باقی رہی یہ بات کہ اسی حدیث میں فطرة کا لفظ آیا ہے تو فطرة کا معنی کیا ہے؟ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔

پہلا قول: فطرة بمعنی قبولیت حق کی استعداد وصلاحیت' اب حاصل معنی یہ ہوگا کہ پیدائش کے وقت ہر بچہ میں قبولیت حق کی استعداد ہوتی ہے اگر عوارض نہ ہوں تو بڑے ہو کر اس نے حق کو قبول کرنا ہوتا ہے اور دین اسلام کو قبول کرنا ہوتا ہے جہاں کہیں قبولیت حق کی استعداد سے انحراف ہوتا ہے تو وہ عوارض کی وجہ سے ہوتا ہے جیسے کان میں سننے کی استعداد وصلاحیت ہے اور آنکھ میں دیکھنے کی صلاحیت واستعداد ہے یہ اللہ نے رکھی ہے لیکن جہاں کہیں اس سے انحراف ہوگا تو عوارض کی وجہ سے ہوگا۔اور یہی قول راجح ہے باقی راجح کیوں ہے؟ اس کی دلیل ہے کہ 'اولئک الذین اشتروا الضلالة بالھدیٰ (لآیہ) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت دے کر اس کے عوض میں ضلالت کو لے لیا۔ظاہر ہے کہ منافقین کے پاس ہدایت بالفعل تو نہ تھی بلکہ زیادہ سے زیادہ ہدایت بمعنی قبولیت حق کی استعداد کے تھی جس کو انہوں نے دے کر ضلالت کو خرید لیا۔

سوال: اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کریم نے بطور استشہاد کے یہ آیت تلاوت فرمائی **فطرة اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم** ۔اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ فطرة دین قیم (اسلام) کا نام ہے اور آپ نے فطرة کا معنی "قبولیت

حق کی استعداد" کا کیا تو انطباق کیسے ہوگا۔

جواب:۔ آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ اس فطرۃ کے مقتضیٰ کو اختیار کرو جس کا مقتضیٰ دین اسلام ہے اور فطرۃ کا مقتضیٰ دین اسلام ہے تو آیت کریمہ میں فطرۃ کا معنی نہیں بیان کیا بلکہ فطرۃ کے مقتضیٰ کو بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہوگا۔ سوال (۲): اس حدیث فطرۃ اور مابعد والی حدیث عبداللہ بن عمروؓ جس میں تخلیق خلق علی الظلمۃ کا ذکر ہے ان دونوں کے درمیان تعارض ہے اس لئے کہ اس حدیث الفطرۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بچہ کی پیدائش فطرۃ پر ہوتی ہے اور حدیث تخلیق خلق علی الظلمت سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلمت پر ہوتی ہے۔ جواب (۱)۔ ایک اور ذات کا مقتضیٰ ہے ایک ہے امور خارجیہ عوارض کا مقتضیٰ نظراً الی الذات ہر بچہ کی پیدائش فطرۃ پر ہوتی ہے اور نظراً الی العوارض ظلمت پر ہوتی ہے حدیث الفطرۃ میں ذات کا بیان ہے اور حدیث تخلیق خلق علی الظلمۃ میں عوارض کا بیان ہے۔ لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔

جواب۔ ہر انسان میں دو قوتیں ہیں۔ (۱) قوت ملکیہ (۲) قوت بھیمہ (قوت ملکیہ فرشتوں والی قوت قبولیت حق کی استعداد اور قوت بھیمہ جانوروں والی قوت یعنی ان میں یہ استعداد نہیں) حدیث الفطرۃ میں قوت ملکیہ کے اثر کا بیان ہے اور مابعد والی میں قوت بھیمہ کے اثر کا بیان ہے کوئی تعارض نہیں۔

سوال-۳: اس حدیث الفطرۃ کا تعارض ہے ماقبل والی حدیث کے ساتھ کہ جس میں رحم مادر کے اندر انسان کی تخلیق کی کیفیت کا بیان ہے۔ اس کے اندر یہ بیان کیا گیا کہ حالت جنین میں پانچ امور کی کتابت ہو جاتی ہے ان میں سے آخری یہ تھا کہ شقی اور سعید تو جس کے حق میں شقاوت مقدر ہو چکی ہے اس صورت میں تعارض ہے اس حالت کے ساتھ اس لئے کہ **مامن مولود الایولد علی الفطرۃ** یہ استغراق کلی ہے ایجاب کلی اور یعنی ہر بچہ کی پیدائش فطرۃ پر ہوتی ہے اور ماقبل والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے اس کی پیدائش شقاوت پر ہوتی ہے تو لہٰذا ان میں تعارض ہو گیا۔ جواب۔ شقاوۃ کا مقدر ہونا مآل اور انجام کے اعتبار سے ہے۔ اور بوقت ولادت بچہ کا قبولیت حق کی استعداد پر ہونا اور انجام کے اعتبار سے (عوارض کی وجہ سے) شقاوت پر ہونا ان میں کوئی منافات نہیں۔

سوال-۴: نیز اس حدیث الفطرۃ کا تعارض ہے ماقبل والی حدیث حدیث عائشہؓ کے ساتھ جس میں **عصفور من عصافیر الجنۃ** کا ذکر ہے اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مخلوقوں کا ذکر فرمایا۔

۱-جن کا جنتی ہونا ان کے آباء کی صلبوں میں مقدر ہو چکا۔

۲-جن کا جہنمی ہونا ان کے آباء کی پشتوں میں مقدر ہو چکا۔ دوسری صورت پر اشکال ہوگا کہ اس میں فرمایا کہ ان کے آباء کی پشتوں میں جہنمی ہونا مقدر ہو چکا ہے اور اس حدیث میں فرمایا کہ ہر بچہ کی پیدائش قبولیت حق کی استعداد پر ہوتی ہے۔

جواب: یہ بھی انجام کے اعتبار سے فرمایا ورنہ ابتداء ان میں قبولیت حق کی استعداد ہوتی ہے۔ مآل کے اعتبار سے ان کے آباء کی صلبوں میں ان کا جہنمی ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

سوال ۵: نیز اس حدیث کا تعارض ہے حدیث **تخلیق بنی آدم علی طبقات شتیٰ** کے ساتھ کہ جس میں چار طبقوں کا ذکر ہے (حوالہ باب الامر بالمعروف ج۲ ص ۴۳۷)۔ (۱) **یولد مومناً و یحییٰ مومنا و یموت مومنا**۔ (۲) **یولد کافراً و یحیی کافراً و یموت کافراً**۔ (۳)۔ **یولد مومناً و یحیی مومنا و یموت کافراً**۔ (۴) **یولد کافراً و یحییٰ کافراً و یموت کافراً** یعنی بعضے بچے پیدائشی کافر ہوتے ہیں وہ کیسے فطرۃ پر پیدا ہوں گے۔

جواب-۱: باعتبار انجام کے کافر ہوتا ہے یعنی یولد کافراً کا معنی ہے یولد للکفر لام عاقبہ کا ہے مطلب یہ ہے کہ اس کا انجام کفر پر ہوتا ہے۔

جواب-: یہ حدیث متکلم فیہ ہے اس میں ایک راوی زید ابن جدان ہیں جو محدثین کے ہاں متکلم فیہ ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث الفطرۃ سند کے لحاظ سے اقویٰ ہے اس لئے وہ حدیث اس کا معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

سوال-۶: نیز یہ حدیث معارض ہے حدیث غلام خضر کے ساتھ جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طبع یوم طبع کافراً ای ولد یوم ولد کافراً اس سے معلوم ہوتا ہے اس کی پیدائش بھی کفر پر ہوئی ہے اور اس حدیث الفطرۃ میں فرمایا ہر بچہ کی ولادت قبولیت حق کی استعداد پر ہوتی ہے۔

جواب۔ یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض کی قبیل سے ہے۔ غلام خضر اس سے مستثنیٰ ہے لیکن اس جواب کو پسند نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے۔ باقی رہی یہ بات طبع یوم طبع کافرا اس کا معنی کیا ہے؟ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بارے میں یہ فرمایا لوعاش و بلغ لکان کافراً۔ تو بالغ ہونے کے بعد کافر ہو اور پیدائش کے وقت قبولیت حق کی استعداد ہو اس میں کوئی تعارض نہیں۔

دوسرا قول: فطرۃ بمعنی دین اسلام جیسا کہ بعض روایات میں ملۃ کے لفظ آئے ہیں۔ لیکن محققین نے اس قول کو بھی پسند نہیں کیا۔ اسلئے کہ

۱- اگر اس قول کو مان لیا جائے تو پھر معنیٰ یہ ہوگا کہ ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور دین اسلام ظاہر ہے کہ عقائد اعمال اور اقرار لسانی کا نام ہے اور ان چیزوں کا نومولود میں منتفی ہونا واضح ہے پھر کیسے کہا جائے کہ ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے یعنی مسلمان ہوتا ہے۔

۲- نیز اگر ہر بچہ پیدائشی طور پر دین اسلام پر ہو تو دین اسلام غیر اختیاری چیز ہوگا حالانکہ دین اسلام تو اختیاری ہے۔

۳- نیز اگر ہر بچہ پیدائشی طور پر دین اسلام پر ہو تو لازم آئے گا کہ کفار کے بچوں کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے حالانکہ یہ جائز نہیں نیز لازم آئے گا کہ ان کا استرقاق (غلام بنانا) جائز نہ ہو حالانکہ ان کو غلام بنانا جائز ہے تو ان مشقتوں کی بناء پر محققین نے اس قول کو قبول و پسند نہیں کیا۔ تیسرا قول: فطرۃ بمعنی عقل سلیم۔

چوتھا قول: فطرۃ کا معنی عالم ارواح کے اندر جو اقرار ربوبیت کیا تھا۔ الست بربکم قالوا بلیٰ ہے اس کو حدیث میں فطرۃ سے تعبیر کیا گیا اگر اقرار طوعاً کیا تھا تو اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں آ کر اسلام کی توفیق مل جاتی ہے اور اگر کرھاً کیا تھا تو دنیا میں آنے کے بعد دین اسلام کے قبول کرنے کی توفیق نہیں ہوتی بلکہ انحراف کر جاتا ہے۔

پانچواں قول: شاہ ولی اللہ نے فطرۃ کا معنی بیان کیا ہے کہ ہر جاندار کو اللہ نے ایک طبیعۃ نوعیہ عطا فرمائی جس کی بناپر ہر جاندار اپنے لئے ماینبغی کو اختیار کرتا ہے اور مالاینبغی سے اجتناب کرتا ہے۔ مثلاً کبوتر اپنا آشیانہ گھونسلا تیار کرتا ہے وہ الگ ہے اور شہد کی مکھی اپنا چھتا تیار کرتی ہے خاص قسم کے کمرے وہ اس سے الگ تھلگ ہے کبوتر اس میں نہیں جاتا اور مکھی اس میں نہیں جاتی اس کی وجہ یہی ہے کہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں بالکل اسی طرح انسان کو بھی اللہ نے طبیعت نوعیہ عطا فرمائی جس کے ذریعہ انسان ما ینبغی فی الدنیا والآخرۃ کو ماینبغی للآخرۃ کو اختیار کرتا ہے اور مالاینبغی للآخرۃ سے اجتناب کرتا ہے اسی کو حدیث میں فطرۃ سے تعبیر کیا۔ ھل تحسون فیھا من جدعآء۔ جدعآ کا معنی ہے کان کٹا یہ تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے۔ کان کٹے کو ذکر کیا اس سے اشارہ اس بات کی طرف کیا کہ جو شخص بھی فطرۃ سے یعنی قبولیت حق کی استعداد سے انحراف کرتا ہے وہ گویا کان کٹا ہے اور اس کا کان ہی نہیں ہے۔

سوال: پیدائش کے وقت بچے کا قبولیت حق کی استعداد پر ہونا کیا اس کے لئے نجات کا ذریعہ ہے یا نہیں؟

جواب: تفصیل یہ ہے کہ اگر فطرۃ کا ناقض پایا جائے تو پھر یہ نجات کا ذریعہ نہیں ہے وہ ناقض یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بالفعل کفر کو اختیار کر لے اور اگر یہ ناقض نہ پایا جائے تو پھر یہ نجات اخروی کا ذریعہ ہے۔

باقی حکم دنیوی کے اعتبار سے موثر ہے یا نہیں؟ اطفال المسلمین کے حق میں احکام دنیوی کے اعتبار سے بھی موثر ہے اور اطفال المشرکین کے حق میں احکام دنیوی کے اعتبار سے ان کے لئے موثر نہیں باقی رہی یہ بات کہ حدیث میں جو عوارض مذکور ہیں یہودیت نصرانیت مجوسیت آیا انہی میں انحصار ہے یا نہیں؟ فرمایا انحصار مقصود نہیں یہ بطور تمثیل کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے۔

کما تنتج البھیمۃ یہ تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے باقی تنتج فعل انتاج کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کو پڑھا مجہول جاتا ہے لیکن ترجمہ معروف والا کیا جاتا

ہے۔ جمعاً کا معانی ہے سلیم الاعضاء یعنی جس کے اعضاء آپس میں جڑے ہوئے ہوں هل تحسون فيها من جدعاء یہ جمعاً کی تاکید ہے۔

سوال: اس جیسے مقام میں (ماضی کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے یہاں ماضی سے مضارع کی طرف عدول کیوں کیا گیا ہے؟

جواب: یہ حکایت حال ماضی ہے گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تلاوت فرمارہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ سوال؟ آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے لاتبديل لخلق الله کہ فطرۃ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیلی ہوتی ہے؟ جواب۔ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ نفس فطرۃ تبدیل ہوجاتی ہے بلکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عوارض کی وجہ سے فطرۃ کے مقتضیٰ کا ظاہر نہ ہونا اور چیز ہے اور نفس فطرۃ کا تبدیل ہونا اور چیز ہے۔ یابعنوان آخر یوں کہا جائے کہ علی سبیل التنزل ہم مان لیں کہ لاتبديل لخلق الله کہ تبدیلی نہیں ہوتی۔ تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں کہیں تبدیلی ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے مخلوق کی طرف سے نہیں ہوتی۔ لاتبديل من خلق الله.

یابعنوان ثالث۔ آپ کا مدلول یہ ہے کہ فطرۃ اللہ کو تبدیل نہیں کرنا چاہئے جو فطرۃ کا مقتضیٰ ہے اس پر عمل کرنا چاہئے۔

باقی باب القدر کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ فطرۃ بمعنی قبولیت حق کی استعداد پر باقی رہنا نہ رہنا یہ نوشتہ تقدیر کے موافق ہوتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ
حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ باتوں کے ساتھ خطبہ دیا
فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَّنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُہٗ یُرْفَعُ اِلَیْہِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ
فرمایا تحقیق اللہ نہیں سوتا اور نہ سونا اس کے لائق ہے۔ ترازو کو پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے رات کے عمل دن کے
عَمَلِ النَّھَارِ وَعَمَلُ النَّھَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّیْلِ حِجَابُہُ النُّوْرُ لَوْ کَشَفَہٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْھِہٖ
عمل سے پہلے اس کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اوردن کے عمل رات کے عمل سے پہلے ان کا پردہ نور کا ہے اگر اس کو کھول دے
مَا انْتَھٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ. (صحيح مسلم)
اس کی ذات پاک کا نور جہاں تک اس کی نگاہ پہنچے اس کی مخلوقات کو جلادے۔

تشریح: سیدالاحادیث: یہ حدیث سیدالاحادیث کے نام سے مشہور ہے۔ وجہ تسمیہ جیسے آیۃ الکرسی سیدالآیۃ ہے۔ (کہ تمام مضامین آیت الکرسی سے مستنبط ہیں) اور اس حدیث کو بھی سیدالاحادیث اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے مضامین آیت الکرسی کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابی موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پانچ باتوں کا وعظ فرمایا۔ (۱) ان الله لاينام (۲) ولاينبغي له' ان ينام (۳) يخفض القسط و يرفعه' (۴) يرفع اليه عمل الليل قبل عمل النهار و عمل النهار قبل عمل الليل (۵) حجابة النور. قام فينا یہ کنایہ ہے وعظ فرمانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً کھڑے ہوکر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب کھڑے کھڑے تھک جاتے تھے تو ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے۔

بخمس كلمات۔ یہ جار مجرور ملکر حال ہے۔ ای مذکرا بخمس كلمات۔ باقی کلمہ سے مراد نحوی کلمہ نہیں جملہ مراد ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ کلمہ شہادت مراد اس سے پورا جملہ ہوتا ہے۔ شرح ابن عقیل میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی مرکب تام کو کلمے سے تعبیر کردیتے ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی مرکب تام یعنی پورا جملہ مراد ہے۔

پہلی نصیحت:۔ ان الله لاينام اللہ تعالیٰ نوم سے متصف نہیں ہوتے کیونکہ نوم یہ نقص وعیب ہے نوم کہتے ہیں معدے سے اٹھنے والے بخارات کو جن کا اثر قلب اور آنکھوں پر پڑتا ہے اور وہ عقل پر غالب آجاتے ہیں جس سے آدمی مغلوب الحال ہوجاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں۔

دوسری نصیحت۔ لاينبغي ان ينام۔ سوال:۔ پہلے جملہ میں بھی نوم کا ذکر اور دوسرے جملے میں بھی نوم کا ذکر ہے دونوں کا

مضمون تو ایک ہے دوبارہ کیوں ذکر کیا؟ جواب۔ پہلے جملہ کا حاصل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا اتصال نوم کے ساتھ بالفعل نہیں ہے۔ لیکن بالفعل سے نفی امکان کی نفی کو مستلزم نہیں۔ لہٰذا دوسرے جملے میں باری تعالیٰ سے نوم کے امکان کی بھی نفی ہے خلاصہ پہلے جملہ میں بالفعل کی نفی اور دوسرے جملے میں امکان کی نفی ہے۔

تیسری نصیحت:۔ **یخفض القسط و یرفعه** قسط کے معنے میں دو قول ہیں۔ (۱) میزان ترازو۔ اس کو قسط سے اس لئے تعبیر کیا کہ تقسیم کے اندر عدل وانصاف ترازو سے ہوتا ہے۔ (۲) قسط رزق کے معنے میں ہے باقی قسط سے رزق کو تعبیر کیوں کیا؟ اس لئے کہ رزق بھی ہر مخلوق وانسان کا حصہ ہے۔ (۳) قسط سے مراد عدل ہے **یخفض القسط** کا مطلب یہ ہے کہ عادل بادشاہ کو لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے اور ویرفعہ کا مطلب یہ ہے کہ غیر عادل بادشاہ کو لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے۔ راجح پہلا قول ہے وجہ ترجیح اس کی یہ ہے کہ اس کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے اس میں میزان کے لفظ صراحۃً آئے ہیں اور الحدیث **یفسر بعضه بعضا**۔ باقی میزان کو پست کرنا یہ کنایہ ہے۔ رزق کی تنگی سے اور **یرفعه** سے کنایہ ہے رزق کی کشادگی سے۔

چوتھی نصیحت۔ **یرفع الیه عمل اللیل قبل عمل النهار و عمل النهار قبل عمل اللیل**۔ یعنی رات کے اعمال دن کے وجود میں آنے سے پہلے پہلے پہنچا دیئے جاتے ہیں اور اسی طرح دن کے اعمال رات کے آنے سے پہلے پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ اس جملہ میں ملائکہ موکلہ علی الرفع کی سرعت کو بیان کیا ہے کہ ان میں بہت زیادہ سرعت پائی جاتی ہے۔ (کمال درجہ کی سرعت) باقی یہ رفع کیوں ہوتا ہے؟ جواب۔ دو وجہوں سے یا تو ان کو اپنے مقام میں ضبط کیا جائے اس لئے رفع ہوتا ہے یا پھر تا کہ ملائکہ پر ان کا ظہور کیا جائے۔

پانچویں نصیحت۔ **حجابه النور**۔ حجاب اس کو کہتے ہیں جو رائی اور مرئی کے درمیان حائل ہو۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کنایہ ہے رؤیت باری کے مانع ہونے سے یعنی بندہ کو باری تعالیٰ کی رویت حاصل نہیں ہوسکتی۔ سوال۔ اہلسنت تو رؤیت باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔ جواب۔ یہ احکام دنیوی کے اعتبار سے ہے اور حدیث مین یہی مراد ہے کہ یہ حکم دنیوی کے اعتبار سے ہے۔ اخروی کے اعتبار سے نہیں اور اہلسنت جس رویت کے قائل ہیں وہ حکم اخروی کے اعتبار سے ہے۔ سوال: جب اللہ سے حجاب ہوا تو باری تعالیٰ پر محجوب کا اطلاق ہوا باری تعالیٰ تو محجوب ہے اور محجوب تو مغلوب ہوتا ہے؟ جواب۔ یہ حجاب مخلوق وبندوں کی طرف سے ہے باری تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ اس لئے کہ قوت باصرہ باری تعالیٰ کی رؤیت کی تاب نہیں لاسکتی یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حجاب ہے اعمٰی اور آفتاب کے درمیان تو مانع اعمٰی کی طرف سے ہے نہ کہ آفتاب کی طرف سے ہے۔

باقی رویت باری تعالیٰ سے مانع کیا چیز ہے فرمایا کوئی عام چیز نہیں نور ہے نور۔

سوال؟ مانع نور کیوں ہے کوئی اور چیز کیوں نہیں؟ جواب۔ ماسوا میں مانع بننے کی صلاحیت نہیں اگر بالفرض اللہ اس نور کو ہٹا دے تو ساری مخلوق جل کر راکھ ہو جائے تو یہ پردہ بننے کی صلاحیت کیسے رکھ سکتی ہے۔ اس لئے حجاب نور ہی ہے ماسوا نہیں اس لئے کہ اس کے علاوہ مانع بننے کی صلاحیت نہیں جیسے کوہ طور پر اللہ کے نور کی تجلی پڑی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

قوله سبحات وجهه سبحة کی جمع ہے اس کا معنی ہے روشنی اور چمک جیسے غرفہ کی جمع غرفات مراد اس سے انوارات ہیں اور وجہہ سے مراد اللہ کی ذات ہے باقی انوارات کو سبحات (چمکوں) سے تعبیر کیا اس لئے کہ اگر بالفرض ملائکہ ان انوارات پر مطلع ہو جائیں تو فوراً غیر اختیاری طور پر ان کی زبان سے **سبحان الله سبحان الله** جاری ہونے لگ جائے گا تو جو ملائکہ کا ان انوارات پر مطلع ہونا یہ سبب بن جائے گا سبحان اللہ کہنے کا اسی وجہ سے ان انوارات کو سبحات سے تعبیر کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے پوچھا تم خدا تعالیٰ کے کتنے قریب گئے ہو انہوں نے فرمایا اتنا قریب ہوا کہ ستر ہزار حجابات کا فاصلہ رہ گیا تھا فرمانے لگے مجھے اب بہت قرب حاصل ہو چکا ہے اتنا قرب پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہ اتنا قرب کیوں ہوا۔ یہ فرستادہ تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لئے اتنا قرب حاصل ہوا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدُاللّٰهِ مَلْئٰی لَا تَغِیْضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّآءُ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے
اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ اَرَءَیْتُمْ مَّا اَنْفَقَ مُذْ خَلَقَ السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ فَاِنَّهٗ لَمْ یَغِضْ مَا فِیْ یَدِهٖ وَکَانَ عَرْشُهٗ
رات اور دن کا خرچ کرنا اسے کم نہیں کرتا کیا دیکھا تم نے جب سے زمین آسمان اس نے پیدا کیا کس قدر خرچ کیا پس تحقیق خرچ کرنے سے وہ
عَلَی الْمَآءِ وَبِیَدِهِ الْمِیْزَانُ یَخْفِضُ وَیَرْفَعُ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
چیز جو اس کے ہاتھ میں ہے کم نہیں کی اور اس کا عرش پانی پر تھا ترازو اس کے ہاتھ میں ہے پست کرتا ہے اور بلند کرتا ہے۔
وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ "یَمِیْنُ اللّٰهِ مَلْاٰی قَالَ ابْنُ نُمَیْرٍ مَلْاٰنُ سَحَّآءُ لَا یَغِیْضُهَا شَیْءٌ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ
مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے ابن نمیرؒ نے کہا بھرا ہوا ہے۔ ہمیشہ دینے والا ہے کوئی چیز رات اور دن میں اس کو کم نہیں کرتی۔

تشریح: حاصل حدیث اس حدیث میں خزائن اللہ کی وسعت کا بیان ہے کہ اللہ کے خزانے بہت وسیع ہیں. **یدالله** سے مراد خزائن اللہ ہیں یعنی اللہ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں نہیں کمی کرتا ان خزانوں میں دائمی طور پر کثرت سے شب و روز خرچ کرنا۔ اس سے اللہ کے خزانے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سخاء اصل میں کثرت سے بہنے والے پانی کو کہتے ہیں۔

قوله و بيده الميزان یہاں میزان سے مراد رزق ہے اس کے قبضہ میں ہے رزق کا تنگ و کشادہ کرنا باب القدر کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اللہ کے خزانوں سے خرچ کرنا ہر شخص کے حق میں یہ تقدیر ازلی سے لکھا جاچکا ہے۔

فی روایة لمسلم۔ مسلم کی روایت میں کچھ الفاظ کا فرق ہے مضمون ایک ہی ہے ابن نمیر یہ مسلم کے استاذ ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَرَارِیِّ الْمُشْرِکِیْنَ قَالَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا
اور اسی (ابو ہریرہؓ) سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے متعلق پوچھا گیا فرمایا اللہ خوب جانتا ہے
کَانُوْا عَامِلِیْنَ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
ساتھ اس چیز کے کہ عمل کرنے والے ہیں۔

تشریح: **قوله ذراری** یہ ذریہ کی جمع ہے نابالغ بچہ کو کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اطفال المشرکین کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ ناجی ہیں یا نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اللہ اعلم بما کانوا عاملین**۔ اطفال المسلمین یہ ناجی اور جنتی ہیں یہ محل نزاع نہیں کیونکہ اس پر محققین کا اجماع ہو چکا ہے کہ اطفال المسلمین ناجی ہیں۔ اس کا حکم زیر بحث نہیں۔ اور اطفال المشرکین کے متعلق اس بات پر اجماع ہے کہ یہ حکم دنیوی کے اعتبار سے خیر الابوین کے تابع ہوں گے یعنی ابوین میں سے جو مسلمان ہوگا اس کے تابع سمجھا جائے گا۔

اطفال المشرکین کا حکم اخروی:۔ البتہ اطفال المشرکین کا حکم اخروی کیا ہے جنتی ہوں گے یا جہنمی اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ قول اول۔ یہ جنتی ہوں گے اگرچہ ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔ محققین اور جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ دلیل (۱)۔ قرآن کی آیت **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** اس آیت کریمہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عاقلین بالغین جن کو ابھی تک دعوت نہیں پہنچی وہ معذب نہیں ہوں گے اور جو غیر عاقل غیر بالغ ہیں وہ تو بطریق اولیٰ معذب نہیں ہوں گے۔ دلیل (۲)۔ حدیث رویۃ ابراہیمؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا جس میں ابراہیمؑ کو دیکھا (لمبی حدیث ہے) **و حوله اطفال** ابراہیمؑ کے اردگرد بچے جمع تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ اطفال کون تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر بتلائی کہ یہ **اولاد الناس** تھے تو اولاد الناس میں کفار کے بچے بھی شامل ہیں اور مسلمانوں کے بچے بھی شامل ہیں (حوالہ مشکوٰۃ ثانی ص ۳۹۶) اور حضرت

ابراہیمؑ کے پاس ہونا تب ہی متصور ہوسکتا ہے جبکہ وہ جنتی ہوں تو اس حدیث سے استدلال کیا گیا کہ اطفال المشرکین بھی جنتی ہیں۔

سوال الله اعلم بما کانوا عاملین سے تو اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ **پہلا جواب**۔ الله اعلم بما کانوا عاملین یہ اس زمانہ کا ارشاد ہے کہ جب اطفال المشرکین کے بارے میں وحی کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنتی ہونے کا علم نہیں دیا گیا تھا۔ **دوسرا جواب**۔ الله اعلم بما کانوا عاملین ای حاملین الله کہ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ ولادت کے وقت یہ کس صفت کے حامل تھے اور وہ فطرۃ ہے اور ضابطہ ہے کہ جب تک ناقض فطرۃ نہ ہو تو یہ ذریعہ نجات ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں ناقض تو موجود نہیں لہذا جنتی ہوں گے ناقض وہ بالغ ہونے کے بعد بالفعل کفر کو اختیار کرنا ہے اور وہ ابھی تک موجود نہیں لہذا جنتی ہونے کے خلاف یعنی جہنمی ہونے کی دلالت ان پر مسلم نہیں۔

سوال؟ مابعد میں حدیث خدیجۃ الکبری ہے وہ اس کے خلاف ہے حضرت خدیجۃ الکبریؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پہلے خاوند کی اولاد کے متعلق پوچھا کہ وہ جنتی ہیں یا جہنمی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فی النار اور فرمایا کہ وہ چیخ رہے ہیں چلا رہے ہیں اگر ان کے چیخنے چلانے کو دیکھنا چاہو تو میں دکھا بھی سکتا ہوں۔ پھر حضرت خدیجۃ الکبریؓ نے فرمایا جو اولاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہوئی وہ کہاں؟ فرمایا فی الجنة۔ تو اس حدیث خدیجہؓ سے معلوم ہوا کہ اطفال المشرکین جہنم میں ہوں گے اور اس حدیث سے اس کا خلاف معلوم ہوتا ہے۔

جواب۔ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطفال المشرکین کے جنتی ہونے کے علم ہونے سے پہلے کا ہے۔

قول ثانی۔ اطفال المشرکین جہنمی ہوں گے۔ **پہلی دلیل** حدیث خدیجۃ الکبریؓ جو ماقبل میں گزر چکی ہے۔ **دوسری دلیل** اسی فصل ثانی کے آخر سے پہلے والی حدیث ہے اس میں فرمایا ھم من آبائھم کہ وہ آباء کے تابع ہیں۔ **جواب**: پہلے قول والوں کی طرف سے یہ ہے کہ ان احادیث میں حکم دنیوی کا بیان ہے۔ حکم اخروی کا نہیں۔

قول ثالث۔ اطفال المشرکین نہ جنتی ہیں نہ جہنمی۔ بلکہ اعراف پر ہوں گے۔ جنتی اس لئے نہیں کہ انہوں نے جنتیوں جیسے اعمال نہیں کئے اور جہنمی اس لئے نہیں کہ انہوں نے جہنمیوں جیسے اعمال نہیں کئے۔ باقی اعمال دخول جنت و دخول جہنم کی کوئی علت تامہ نہیں ہیں بلکہ اس کیلئے رضائے الٰہیہ کی ضرورت ہے۔

قول رابع۔ ھم خدم اھل الجنة کہ وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ **دلیل**۔ وہ حدیث ہے جس میں ھم خدم اھل الجنة کے الفاظ آئے ہیں **جواب**: پہلے قول والوں کی طرف سے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے متکلم فیہ ہے۔ اس لئے یہ قابل استدلال نہیں۔

قول خامس:۔ اطفال المشرکین کا آخرت میں امتحان ہوگا اس امتحان کے مطابق جو پاس ہوگا وہ جنت میں اور جو ناکام ہوگا وہ جہنم میں جائے گا۔ جس طرح کہ اہل فطرۃ کا امتحان ہوگا اور جیسے حالت جنون میں مرنے والے یعنی مجانین کا بھی امتحان ہوگا۔ **سوال**: یہ امتحان تو تکلیف ہے اور آخرت کو دار التکلیف نہیں۔ **جواب**: آخرت بھی دار التکلیف ہے جنتیوں کے جنت میں جانے سے پہلے اور جہنمیوں کے جہنم میں جانے سے پہلے پہلے آخرت تو دار التکلیف بھی ہے اور دار الامتحان بھی ہے اس قول کے قائلین کا استدلال بھی بعض احادیث سے ہے مگر قول اول کے قائلین کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے متکلم فیہ ہیں۔

قول سادس: توقف۔ توقف کے دو معنے ہیں۔ (۱) کوئی حکم ہی نہ لگایا جائے عدم الحکم۔ یعنی نہ انکے جنتی ہونے کا اور نہ ان کے جہنمی ہونے کا بلکہ خاموش رہا جائے یہ صحیح نہیں ہے (۲) عدم الحکم الکلی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بعضھم ناجی و بعضھم ھالک لیکن تعیین نہیں کر سکتے۔ بغیر تعیین کے ہمیں معلوم ہے۔ کہ ان میں سے بعض ناجی و بعض ھالک ہیں ابوحنیفہ سے یہی قول مروی ہے۔ اس قول کے قائلین کا استدلال بھی اسی حدیث سے ہے الله اعلم بما کانوا عاملین **طریقہ استدلال** یہ ہے کہ اللہ کو معلوم ہے کہ اگر یہ زندہ رہتے بالغ ہونے کے بعد جو عمل کرتے وہی بدلہ ملتا۔ اگر اعمال صالحہ و ایمان کو اختیار کرتے تو جنتی ہوتے اور اگر نہ کرتے تو جہنمی ہوتے۔ الغرض نتیجہ بعضھم ناجی و بعضھم ھلک ہیں۔ توقف پر دلالت مسلم نہیں اس لئے کہ اللہ کو پہلے سے علم ہے کہ انہوں نے کیا اعمال کرنے ہیں اور کیا نہیں کرنے اور نیز ظاہر ہے کہ یہ اعمال دخول جنت و جہنم کے لئے علت تامہ بھی نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ
حضرت عبادہؓ بن صامت سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے اللہ نے جو چیز پیدا کی وہ قلم ہے۔
فَقَالَ لَهٗ اُكْتُبْ قَالَ مَآ اَكْتُبُ قَالَ اُكْتُبِ الْقَدَرَ فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَا كَآئِنٌ اِلَی الْاَبَدِ.
اسے کہا لکھ اس نے کہا کیا لکھوں فرمایا تقدیر لکھ اس نے جو چیز کہ ہوچکی تھی اور جو ہونے والی تھی آئندہ لکھ دی
رَوَاهُ التِّرْمَذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا.
(ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)(ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں اول المخلوقات کا بیان ہے فرمایا کہ سب سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ قلم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی وہ چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا وہ قلم ہے اللہ نے قلم کو کہا لکھ تو قلم نے کہا کیا لکھوں اللہ نے فرمایا تقدیر کو لکھ۔ پس قلم نے ما کان اور مایکون کو لکھا۔ سوال۔ بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اول مخلوق عقل ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اول المخلوق نور محمدی ہے اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اول المخلوقات قلم ہے ان میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب-۱: رفع تعارض کی صورت یہ ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے اول المخلوقات نور محمدی ہے۔ نور محمدی کا اول مخلوق ہونا حقیقی ہے اور باقیوں کا اول مخلوقات ہونا اضافی اور مجازی ہے۔

جواب-۲: اول ما خلق اللہ العقل والی حدیث اس کے سنداً معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

القلم کا اعراب۔(۱) مرفوع ہے انَّ کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ دوسری روایت نصب کی ہے پھر نصب کی مختلف توجیہیں ہیں۔(۱) یہاں کان بمع اسم کے محذوف ہے اور القلم یہ اس کی خبر ہے (۲) یا تلفظ ان بعض قبائل کی لغت پر ہے جو ان کے مابعد دونوں اسموں کو (خبر و اسم کو) منصوب پڑھتے ہیں یہ ان کے قاعدے کے مطابق ہے۔ سوال۔ قلم کو کہا لکھ قلم تو ذی شعور والوں میں سے نہیں ہے پھر اس کو لکھنے کا کیسے اللہ نے حکم دیا۔ جواب:۔ ہمارے اور آپ کے اعتبار سے کسی چیز کا ذاشعور نہ ہونا یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ باری تعالیٰ کے ہاں بھی ذا شعور نہ ہو۔ چنانچہ قلم نے حسب حکم خداوندی ما کان اور ما کائن الی الابد کو لکھا۔ سوال۔ ما کان تو کوئی چیز نہیں اس لئے کہ اول مخلوق تو قلم ہے اس سے پہلے کوئی چیز نہیں پھر ما کان کو کیسے لکھا۔ جواب۔ ما کان باعتبار قلم کے نہیں بلکہ باعتبار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کہ میرے تلفظ کرنے سے پہلے جو کچھ ہوا اور جو کچھ بعد میں ہوگا قلم نے اس کو لکھا۔ سوال۔ ما کائن الی الابد یہ تحت القلم کیسے ضبط ہوسکتا ہے حالانکہ اس کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ جواب (۱) ماهو كائن الى الابد یہ کنایہ ہے الی یوم القیامہ سے۔

جواب (۲): یہ کنایہ ہے مجموعہ سے۔ حاصل حدیث ہر چیز کی تقدیر قلم سے لکھی جاچکی ہے۔

وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سُئِلَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ
حضرت مسلمؒ بن یسار سے روایت ہے کہا کہ عمر بن خطابؓ سے آیت کے متعلق پوچھا گیا اور جس وقت تیرے پروردگار نے بنی آدم سے
مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ اَلْاٰيَةَ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْئَلُ عَنْهَا
ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو پکڑا حضرت عمرؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا
فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰٓؤُلَآءِ لِلْجَنَّةِ
جا رہا تھا۔ فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر اپنا دایاں ہاتھ اس کی پیٹھ پر پھیرا اس میں سے اولاد نکالی اور فرمایا یہ لوگ میں

وَ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهٗ بِيَدِهٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ خَلَقْتُ هٰؤُلَآءِ

نے جنت کیلئے پیدا کئے ہیں اور جنتیوں کے کام کریں گے پھر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اس سے اس کی اولاد نکالی اور فرمایا یہ لوگ میں نے

لِلنَّارِ وَ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُوْنَ فَقَالَ رَجُلٌ فَفِيْمَ الْعَمَلُ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى

دوزخ کیلئے پیدا کئے ہیں اور دوزخیوں کے کام کریں گے۔ ایک آدمی نے کہا پس کس واسطے ہے عمل کرنا اے اللہ کے رسول فرمایا رسول اللہ

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ اِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اِسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ

صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو جنت کیلئے پیدا کرتا ہے اس سے جنتیوں کے کام کرواتا ہے یہاں تک کہ وہ جنتیوں کے عملوں

مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُدْخِلُهٗ بِهِ الْجَنَّةَ وَ اِذَا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلنَّارِ اِسْتَعْمَلَهٗ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى

میں سے کسی ایک عمل پر مرے گا اس کے سبب اس کو جنت میں داخل کردے گا اور جب کسی بندہ کو دوزخ کیلئے پیدا کرتا ہے اس سے دوزخیوں کے کام کرواتا ہے

يَمُوْتَ عَلٰى عَمَلٍ مِنْ اَعْمَالِ اَهْلِ النَّارِ فَيُدْخِلُهٗ بِهِ النَّارَ. (رواه موطا امام مالک والجامع ترمذی وابوداؤد، الاعراف ۱۷۲)

یہاں تک کہ دوزخیوں کے عملوں میں سے ایک عمل پر مرتا ہے اس کے سبب اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ (مالک' ترمذی' ابوداؤد)

تشریح: حاصل حدیث۔ حضرت عمر بن الخطابؓ سے آیت میثاق کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی آیت کے بارے سوال کیا گیا تھا تو انہوں نے جو جواب دیا تھا میں بھی وہی جواب دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ نے حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بعد حضرت آدمؑ کا مسح ظہر فرمایا دائیں ہاتھ کے ساتھ اس کے نتیجے میں کچھ مخلوق باہر آئی اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ انجام کے لحاظ سے جنتی ہیں پھر دوسری مرتبہ مسح ظہر فرمایا اس کے نتیجے میں کچھ مخلوق باہر آئی اس کے بارے میں فرمایا یہ جہنمی ہیں۔ اس پر کسی نے سوال کیا کہ پھر تو اعمال کی بھی ضرورت نہیں تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح جنتی و جہنمی ہونا مقدر ہو چکا ہے اسی طرح اعمال مفضیہ الی الجنۃ اور اعمال مفضیہ الی الجہنم بھی مقدر ہو چکے ہیں لہٰذا اعمال کو ترک نہیں کرنا چاہئے یہی اس آیت کی تفسیر ہے۔

جس نے جنتی بننا ہو وہ جنتیوں والے اعمال کرتا ہے اور جس نے جہنمی بننا ہو وہ جہنمیوں والے اعمال کرتا ہے۔

سوال۔ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر کیسے بنی آیت کریمہ اور حدیث میں تعارض ہے کیونکہ آیت کریمہ میں ذریۃ کا اخراج ظہور بنی آدم سے ہوا اور حدیث میں ذریت کا اخراج من ظہر آدم ہے (معتزلہ نے انکار کردیا کہ یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں)

جواب-۱: اس کا امام رازی نے جواب دیا کہ آیت میں اخراج ذریت من ظہور بنی آدم کا ذکر ہے اور اخراج ذریت من ظہر آدم کی طرف کوئی نسبت نہیں یہ مسکوت عنہ ہے اس کی نفی نہیں اور حدیث میں اخراج ذریت من ظہر آدم ہے لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

جواب-۲: اخراج ذریت دو قسم پر ہے: ۱-اخراج ذریت من ظہر آدم

۲-اخراج من ظہور بنی آدم۔ چاہئے تو یہ تھا کہ دونوں قسمیں آیت میں بھی مذکور ہوتیں اور حدیث میں بھی مذکور ہوتیں لیکن آیت کریمہ میں دوسری قسم کا ذکر ہے پہلی قسم کا ذکر نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں پہلی قسم کا ذکر ہے دوسری کا نہیں تو حدیث کا مدلول پہلی قسم ہے اور آیت کریمہ کا مدلول دوسری قسم ہے۔ باقی آیت کریمہ میں قسم اول کا ذکر بوجہ وضوح ظہور کے نہیں کیا۔

جواب-۳: یہ اسلوب حکیمانہ کے قبیل سے ہے کہ ایک قسم کو ذکر کردیا اور دوسری کو فہم مخاطب پر چھوڑ دیا کہ اس سے مخاطب قسم ثانی کو خود بخود سمجھ لیگا۔

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدَيْهِ كِتَابَانِ فَقَالَ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں فرمایا تم

اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَانِ الْكِتَابَانِ قُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللهِ اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا فَقَالَ

جانتے ہو یہ دونوں کتابیں کون سی ہیں۔ ہم نے کہا اے اللہ کے رسول نہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کے متعلق خبر دیں۔ فرمایا اس کتاب کیلئے جو

لِلَّذِیْ فِیْ یَدِہِ الْیُمْنٰی ھٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ فِیْھَا اَسْمَآءُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَ اَسْمَآءَ اٰبَآئِھِمْ وَ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ میں تھی یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں اہل جنت کے نام ہیں۔ان کے باپوں اور قبیلوں کے نام
قَبَآئِلِھِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰٓی اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْھُمْ اَبَدًا ثُمَّ قَالَ لِلَّذِیْ فِیْ شِمَالِہٖ
ہیں۔پھران کے آخر کو جمع کر دیا گیا ہے۔ان میں نہ زیادہ کیے جائیں گے اور نہ کم کیے جائیں گے پھر اس کتاب کیلئے فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں
ھٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ فِیْہِ اَسْمَآءُ اَھْلِ النَّارِ وَ اَسْمَآءُ اٰبَآئِھِمْ وَ قَبَائِلِھِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰی
ہاتھ میں تھی یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے اس میں دوزخیوں کے نام ہیں ان کے باپوں اور ان کے قبیلوں کے نام ہیں۔پھر انکے آخر تک ان کو جمع
اٰخِرِھِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْھُمْ اَبَدًافَقَالَ اَصْحَابُہٗ فَفِیْمَ الْعَمَلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنْ کَانَ
کیا گیا ہے نہ ان میں زیادہ کیے جائیں گے اور نہ ان سے کم کیے جائیں گے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے عرض کیا پس کس واسطے ہے عمل کرنا اے اللہ
اَمْرٌ قَدْ فُرِغَ مِنْہُ فَقَالَ سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا فَاِنَّ صَاحِبَ الْجَنَّۃِ یُخْتَمُ لَہٗ بِعَمَلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَاِنْ عَمِلَ
کے رسول اگر امر ایسا ہے کہ فراغت کی گئی ہے اس سے فرمایا خوب مضبوط کرو اور نزدیکی ڈھونڈو پس تحقیق جنتی ختم کیا جاتا ہے اس کیلئے جنتیوں کے عمل پر
اَیَّ عَمَلٍ وَاِنَّ صَاحِبَ النَّارِ یُخْتَمُ لَہٗ بِعَمَلِ اَھْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَیَّ عَمَلٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
اگرچہ کیسے عمل کرے اور بے شک دوزخی ختم کیا جاتا ہے۔اس کیلئے دوزخیوں کے عمل سے اگرچہ کیسے عمل کرے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدَیْہِ فَنَبَذَ ھُمَا ثُمَّ قَالَ فَرَغَ رَبُّکُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ .(رواہ الجامع ترمذی)
ہاتھوں سے اشارہ کیا پس رکھ دیا ان کو پھر فرمایا تمہارا پروردگار بندوں سے فارغ ہو چکا ہے۔ایک جماعت جنت میں اور ایک جماعت دوزخ میں۔(ترمذی)

تشریح: حاصل حدیث: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دو کتابیں تھیں ایک دائیں ہاتھ میں اور ایک بائیں ہاتھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو یہ کتابیں کیسی ہیں تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے ہی پتہ چلے گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جو دائیں ہاتھ والی کتاب ہے یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں جنتیوں کے نام لکھے ہوئے ہیں بمع ان کے باپوں کے فلان ابن فلان صرف باپ کے نام پر اکتفا نہیں بلکہ قبیلہ کا نام بھی ہے۔ من قبیلۃ فلاں' پھر فرمایا ان کا حاصل اور مجموعی عدد کتاب کے اخیر میں ضبط کر دیا گیا ہے اس طور پر کہ جو فہرست میں لکھ دیا گیا وہ نکل نہیں سکتا اور جو فہرست میں نہیں آیا وہ داخل نہیں ہو سکتا۔ پھر بائیں ہاتھ والی کتاب کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں جہنمیوں کے نام ہیں بمع تمیزات تامہ کے یعنی نام ولدیت اور قبیلہ کا نام درج ہے اور اس کے اخیر میں حاصل عدد بھی درج ہے۔ اس طور پر کہ جو آ چکا وہ خارج نہیں ہو سکتا اور جو اس میں نہیں آیا وہ اس میں داخل نہیں ہو سکتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر تو اعمال کی ضرورت نہیں ان کان امر قد فرغ۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سددوا وقاربوا۔ یعنی تم کس فکر میں پڑ گئے تم تو عبد ہو عبدیت کے مقتضیٰ کو پورا کرو اور میانہ روی اختیار کرو تم اس بات میں مت پڑو کہ ہمارے مقدر میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی کا خاتمہ اس کے جنتیوں والے اعمال پر ہوتا ہے اور جہنمی کا خاتمہ بھی جہنمیوں والے اعمال پر ہوتا ہے لہٰذا اشارہ کر دیا کہ اعمال کی ضرورت ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کتابوں کو رکھ دیا۔

قولہ فنبذھما ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے پہلا قول یہ کتابیں حسی تھیں جو عالم غیب سے ظاہر ہوئی تھیں تو اس صورت میں نبذ کا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کتابوں کو رکھ دیا۔ یہ کنایہ ہوگا کہ وہ کتابیں عالم غیب میں چلی گئیں دوسرا قول یہ کتابیں

تھیں۔ تو پھر نبذ کا معنی کیا یہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں سے اشارہ کیا جیسے کہ حسی چیز کو چھوڑا جاتا تھا ان کو چھوڑ دیا یہ کنایہ ہے اشارہ کو چھوڑنے سے۔ قد فرغ الخ یہ کنایہ ہے طے ہوجانے سے۔

وَعَنْ اَبِیْ خُزَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ رُقًی نَسْتَرْ قِیْهَا وَدَوَآءَ نَتَدَاوٰی بِهٖ وَتُقَاةً
حضرت ابوخزامہؓ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ خبر دیں کہ منتر جنہیں ہم پڑھواتے ہیں اور دوا جس
نَتَّقِیْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدْرِ اللّٰهِ شَیْئًا قَالَ هِیَ مِنْ قَدْرِ اللّٰهِ (رواه مسند احمد بن حنبل و الجامع ترمذی و ابن ماجة)
سے ہم علاج کرتے ہیں اور بچاؤ کی چیز کہ ہم اس سے بچتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ پھیر دیتی ہیں فرمایا یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر یہ جو جھاڑ پھونک ہے (یعنی دم وغیرہ کرنا) اس کو اختیار کرنا اور دیگر دوائیوں کے ذریعہ علاج معالجہ کرنا اور اسی طرح بچاؤ کی چیزوں کو اختیار کرنا اور دوسری تدابیر کو اختیار کرنا آیا یہ تقدیر کے خلاف تو نہیں۔ بظاہر تو معارض ہے کیونکہ مرض کے بعد صحت یا موت مقدر ہو چکی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معارض یہ کوئی معارض نہیں بلکہ صحت یابی و عدم صحت یابی جس طرح مقدر ہو چکی ہے اسی طرح ان کے اسباب کو اختیار کرنا بھی مقدر ہو چکا ہے ازالہ بالدواء یا عدم ازالہ بالدواء بھی مقدر ہو چکا۔ اس لئے یہ تقدیر کے خلاف نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدْرِ فَغَضِبَ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر نکلے اور ہم تقدیر میں بحث کر رہے تھے۔ آپ ناراض ہوگئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا
حَتّٰی اِحْمَرَّ وَجْهُهٗ حَتّٰی کَاَنَّمَا فُقِئَ فِیْ وَجْنَتَیْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ
چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ یہاں تک کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں میں انار کے دانے نچوڑے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اِلَیْکُمْ اِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ اَنْ
کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کیا اس کے ساتھ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ تم سے پہلے لوگ جب انہوں نے اس معاملہ میں جھگڑا کیا ہلاک ہوگئے۔
لَّا تَنَازَعُوْا فِیْهِ رَوَاهُ التِّرْمَذِیُّ وَرَوٰی ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ.
میں تمہیں قسم دیتا ہوں پھر میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اس میں بحث نہ کرو۔ ترمذی۔ ابن ماجہ نے عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے روایت کی ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم تقدیر کے بارے میں بحث و مباحثہ کر رہے تھے کوئی کہہ رہا تھا کہ جنتی و جہنمی ہونا مقدر ہو چکا ہے اور کوئی کہہ رہا تھا کہ اعمال کرو وغیرہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت غصے ہوئے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر انار کے دانے نچوڑ دئے گئے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں پر غصہ کے وقت یہ حالت ہوتی تھی جب چہرہ روشن ہو پھر انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہوں تو پھر کیا حالت ہوگی سبحان اللہ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس بحث و مباحثہ کا حکم کئے گئے ہو یا اس کا جس کے ساتھ میں دے کر بھیجا گیا ہوں اس کا حکم کئے گئے ہو۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ فرمایا جو تم سے پہلے تھے وہ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اس امر میں بحث و مباحثہ کیا تھا۔ لازم کرتا ہوں میں تم پر لازم کرتا ہوں میں تم پر یہ کہ تم اس معاملہ میں جھگڑا نہیں کروگے بحث و مباحثہ نہیں کروگے۔ خلاصہ حدیث کا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر کے مسئلے میں بحث و مباحثہ کرنے سے منع فرمایا۔ اور اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

سوال: اس سے معلوم ہوا کہ کسی عالم سے اس کے متعلق مسئلہ بھی نہیں پوچھنا چاہئے۔ جواب۔ منصوصات کے مطابق پوچھنا جائز ہے۔ باقی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ پر غصہ اس لئے ہوئے تھے کہ اس بحث و مباحثہ کے نتیجے میں آدمی جبریہ کے عقیدہ کی طرف لوٹ جاتا ہے یا اس

بحث کا سبب تقدیر کا انکار بن جاتا ہے۔اگر چہ صحابہ کرامؓ کا مناظرہ اس قسم کا نہیں تھا مگر سداً لباب الفساد اس سے منع فرمادیا۔

فائدہ:۔نحوہ اور مثلہ میں فرق۔محدثین کی یہ عادۃ ہے کہ جہاں مضمون معنیً ولفظاً متحد ہوتو اس پر مثلہ کا لفظ بولتے ہیں اور اگر معنی متحد ہو اور الفاظ مختلف ہوں تو نحوہ کا لفظ ذکر کرتے ہیں اور یہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے تو یہاں نحو کا لفظ بولا اس سے معلوم ہوا کہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں دو فرق ہیں۔(۱) بعینہ الفاظ ایک نہیں (۲) راوی کا فرق۔ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے اور ابن ماجہ میں **عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ** سے مروی ہے۔مشکوٰۃ میں یہ پہلی حدیث ہے جو کہ **عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ** سے آئی ہے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عام سندوں میں اور اس جیسی سندوں میں قاعدہ معروفہ مشہورہ یہ ہے کہ جو اسم پہلی ضمیر کا مرجع ہوگا وہی اسم دوسری ضمیر کا مرجع ہوگا۔باقی رہی یہ بات کہ پہلی ضمیر کا مرجع اور دوسری ضمیر کا مرجع کیا ہے اس کا مدار پورے نسب نامے کے معلوم کرنے پر ہے اور وہ پورا نسب نامہ یہ ہے. **عن عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو ابن العاص** اس نسب نامہ میں عمرو کے والد شعیب ہیں اور شعیب کے والد محمد اور محمد کے والد عبداللہ اور عبداللہ کے والد عمرو ابن العاص ہیں۔عمرو کے جد محمد بلا واسطہ اور عمرو کے جد بالواسطہ عبداللہ ہیں۔اس نسب نامہ معلوم کرنے کے بعد ضمیر اول کا مرجع عمرو ہے لہٰذا عام قاعدے کے مطابق ضمیر ثانی کا مرجع بھی عمرو ہی ہوگا معنی یہ ہوگا کہ عمرو روایت کررہے ہیں شعیب سے اور اپنے دادا محمد سے یعنی دونوں سے روایت کررہے ہیں لیکن یہاں یہ مراد نہیں بلکہ یہ عام ضابطے کے خلاف ہے۔کہ پہلی ضمیر کا مرجع عمرو اور دوسری ضمیر کا مرجع شعیب ہے اب معنی یہ ہوگا کہ عمرو روایت کررہے ہیں شعیب سے اور شعیب روایت کررہے ہیں اپنے دادا سے یعنی عبداللہ سے۔یہی مسئلہ مزید تفصیل سے اسی حدیث کے آخر میں آرہا ہے۔

دوسرا مسئلہ آیا یہ سند قابل استدلال ہے یا نہیں۔پہلا جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ سند قابل استدلال ہے خصوصاً جب کہ قرائن وشواہد بھی موجود ہوں تو بطریق اولیٰ قابل استدلال ہوگی۔اس کی تائید میں امام بخاری کا قول **رایت احمد و علی بن المدینی و اسحاق بن راھویہ و اباعبیدہ و عامۃ اصحابنا یحتجون بھذا الاسناد**.کہ یہ لوگ اس قسم کی روایت سے استدلال کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ یہ قابل استدلال ہے دوسرا قول بعض فرماتے ہیں کہ یہ قابل استدلال نہیں۔**پہلی وجہ ضعف** اگر یہاں قاعدہ مشہورہ کے مطابق ضمیر ثانی کا مرجع بھی عمرو کو قرار دیا جائے تو اس صورت میں روایت مرسل ہوگی کیونکہ محمد تابعی ہیں صحابیت کا مشرف حاصل نہیں اور اگر ضمیر ثانی کا مرجع قاعدہ مشہورہ کے خلاف شعیب کو بنائیں تو یہ مرفوع تو ہوگی لیکن یہ روایت منقطع السند ہوجائے گی کیونکہ عبداللہ کو اگرچہ صحابیت کا شرف حاصل ہے لیکن شعیب کا اپنے دادے عبداللہ سے سماع ولقاء ثابت نہیں ہے اس لئے یہ قابل استدلال نہیں۔جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ انقطاع مسلم نہیں کیونکہ ایسے دلائل وشواہد موجود ہیں جن سے پوتے شعیب کے دادا عبداللہ سے ملاقات ثابت ہے بلکہ پوتے (شعیب) کی پرورش خود دادے (عبداللہ) نے کی تھی تو لہٰذا ملاقات ثابت ہوگئی۔**دوسری وجہ ضعف**۔شعیب کے ہاں دادا عبداللہ کی ایک کاپی تھی جس سے وہ دیکھ دیکھ حدیثیں بیان کرتے تھے کسی محدث کی لکھی ہوئی حدیثیں صحیفے سے دیکھ کر روایتیں کرنا بدوں سماع کے اس کو محدثین کی اصطلاح میں وجادہ کہتے ہیں اور یہ محدثین کے ہاں قابل استدلال نہیں ہوتیں جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ جب لقاء اور سماع ثابت ہوگیا تو اب وجادۃ والا احتمال کوئی مضر نہیں۔یہ بات بھی تو کوئی مستبعد نہیں کہ وہی حدیثیں دادے سے سنی ہوں۔اس مذکورہ تفصیل کے مطابق اختلافی مسائل میں اس حدیث کا ذکر ہو تو استدلال صحیح ہے۔

عمرو بن شعیب کا نسب یہ ہے **عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل** تو امام احمد اور دوسرے جمہور محدثین اس سند سے حدیث لاتے ہیں لیکن بخاری اور مسلم نہیں لاتے۔مولف مشکوٰۃ اپنے رسالے الاکمال فی اسماء الرجال (ص ۶۱۰) میں اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ جدہ کی ضمیر کا مرجع اگر عام قیاس کے مطابق عمرو ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ عمرو نے اپنے والد شعیب سے اور شعیب نے اس عمرو کے دادا یعنی اپنے والد محمد سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے یوں فرمایا الخ تو اس صورت میں یہ حدیث مرسل تابعی ہے کیونکہ محمدؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں کی اور اگر جدہ کی ضمیر کا مرجع عام قیاس کے خلاف شعیب ہو تو مطلب یہ

ہوگا کہ عمرو نے شعیب سے اور شعیب نے اپنے دادا یعنی عبداللہ سے روایت کی ہے الخ تو اس توجیہ کے اعتبار سے یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ شعیب نے اپنے دادا سے سماع ہے نہ کہ عمرو سے چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے بہت سے مقامات میں عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عبدالله بن عمرو بن العاص کی صراحت ہے باقی انقطاع کا جواب علامہ نووی نے نیز میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے یہ دیا ہے کہ شعیب کا اپنے دادا سے سماع ولقا ثابت ہے بلکہ شعیب کے والد محمد حضرت عبداللہ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے اور شعیب کی تعلیم وتربیت ہی ان کے دادا عبداللہ نے کی تھی۔ لہٰذا یہ سند متصل اور قابل حجت ہے چنانچہ علامہ نووی کہتے ہیں (لکن الصحیح انه ای شعیباً سمع من جده عبدالله فحدثتیه هذا طریق متصل) (مرقات ص۷۳ ج۱) اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں قد ثبت سماعه ای شعیب عن عبدالله بحواله مذکوره۔ باقی امام بخاری اور امام مسلم کے اس سند سے وجادہ نہ بناتے کی وجہ یہ نہیں بلکہ اور کوئی وجہ ہے چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیب چند احادیث کے علاوہ باقی اکثر احادیث کو "وجادہ" کے طریق پر اپنے والد شعیب کے صحیفے سے نقل کیا کرتے تھے اسی لئے اس سند کو شیخین نے قبول نہیں کیا۔

وجادہ کی تعریف کوئی کتاب کہیں سے حاصل ہو جائے اور پھر اس سے حدیث نقل کر کے یوں کہے یا یوں لکھے وجدت هذا الحدیث فی خط فلان لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ جب بعض روایات میں حضرت شعیب سے عمرو کا سماع ثابت ہے تو پھر صحیفے والی روایات بھی وجادہ صحیحہ میں داخل ہیں لہٰذا ان کی سند سے احتراز کرنے کی کوئی وجہ نہیں (از مرقات ص۷۳ ج۱ و بذل المجہود)

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو

قَبَضَهَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَرْضِ فَجَآءَ بَنُوْٓا اٰدَمَ عَلٰی قَدْرِ الْاَرْضِ مِنْهُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْیَضُ وَالْاَسْوَدُ

ایک مٹھی سے پیدا کیا جسے سب زمین سے لیا تھا۔ آدمؑ کے بیٹے زمین کے موافق پیدا ہوئے ہیں

وَبَیْنَ ذٰلِکَ وَ السَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ. (رواه مسند احمد بن حنبل والجامع ترمذی وابوداؤد)

ان میں بعض سرخ ہیں بعض سفید اور بعض سیاہ اور اسی طرح بعض نرم خو ہیں بعض سخت خو بعض ناپاک ہیں اور بعض پاک۔

تشریح: حاصل حدیث: کا یہ ہے کہ اولاد آدم کا مختلف الالوان ہونا اور مختلف الصفات ہونا یہ درحقیقت یہ سبب اور نتیجہ ہے اس مادے کا جس مادے سے آدمؑ کی تخلیق ہوئی تھی چونکہ وہ مادہ مختلف الالوان اور مختلف الصفات تھا اس لئے آدم کی اولاد کے رنگ بھی مختلف اور صفات بھی مختلف ہوگئیں۔ آٹھ صفتیں حدیث میں ذکر کی ہیں۔ (۱) سرخ' (۲) سفید' (۳) کالا سیاہ' (۴) اسی کے درمیان درمیان گندم گوں' ان صفات کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے (۵) سہل نرم مزاج (۶) حزن سخت مزاج (۷) خبیث الصفات (۸) طیب الصفات ان صفات کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ باب کے ساتھ یہ ہے کہ مختلف لوگوں کا مختلف صفات کے ساتھ متصف ہونا یہ مناسبت تقدیر ازلی سے مقدر ہو چکا ہے۔

قوله' قبضهامن جمیع الارض اللہ نے لیا یعنی اللہ نے فرشتوں کو ہمہ قسم کی زمین سے لینے کا حکم دیا۔

قوله' فجاء بنو آدم ۔ پس وجود میں آئی اولاد آدم زمین کی پشت (سطح) پر۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهٗ

حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اللہ نے اپنی خلقت کو

فِیْ ظُلْمَةٍ فَاَلْقٰی عَلَیْهِمْ مِنْ نُّوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ ذٰلِکَ النُّوْرِ اهْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاَهٗ ضَلَّ فَلِذٰلِکَ

اندھیرے میں پیدا کیا اس پر اپنا کچھ نور ڈالا جسے اس کو نور سے کھینچا اس نے راہ پائی اور جس کو نور نہ پہنچا گمراہ ہوگیا۔

اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰی عِلْمِ اللّٰہِ. (رواہ مسند احمد بن حنبل و الجامع ترمذی)
اس لئے میں کہتا ہوں اللہ کے علم پر قلم خشک ہوا۔

تشریح: اس حدیث میں ظلمت سے مراد خواہشات نفسانی اور نفس امارہ وقوت بہیمہ کے آثار ہیں۔ نور سے مراد حق کے دلائل و شواہد اور اصابت نور سے مراد حق کے ان دلائل وشواہد کا موثر ہونا ہے اھتدی سے مراد ان سے موثر ہو کر راہ راست پر آ جانا ہے یعنی فطرۃ کے مقتضاء پر محمول کرتے ہوئے اور خطا دلائل کو قبول نہ کرنا ہے۔ حاصل حدیث کا یہ ہے کہ حق جل شانہ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ نفسانی خواہشات کو بھی پیدا کیا اور اس کے ساتھ حق کے دلائل وشواہد بھی پیدا ہو گئے۔ جس شخص نے ان دلائل کو قبول کیا وہ ہدایت والا ہوا اور جس نے قبول نہیں کیا وہ گمراہ ہوا۔ بالفاظ دیگر فطرۃ کا مقتضاء جس کے حق میں ظاہر ہوا وہ ہدایت والا اور جو دلائل سے چوک گیا وہ گمراہ ہوا لہٰذا ہر شخص کو چاہئے کہ وہ فطرۃ کے مقتضی کو پورا کرے اور دلائل میں غور وفکر کرے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات بہت فرمایا کرتے تھے اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر
عَلٰی دِیْنِکَ فَقُلْتُ یَانَبِیَّ اللّٰہِ اٰمَنَّابِکَ وَبِمَا جِئْتَ بِہٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَیْنَا قَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ
ثابت رکھ۔ میں نے کہا اے اللہ کے نبی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور اس چیز کے ساتھ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں ایمان لائے
بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰہِ یُقَلِّبُهَا کَیْفَ یَشَآءُ. (رواہ الجامع ترمذی و ابن ماجة)
کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر ڈرتے ہیں فرمایا ہاں تحقیق دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں ان کو جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں ظاہر ہے کہ یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں یہ ہماری راہنمائی کے لئے ہے تو حضرت انسؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر کیا آپ کو اندیشہ ہے کہ ہمارے دل پھر جائیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قلوب اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں۔ جس کو جس طرف چاہیں پھیر دیں لہٰذا جب تصریف قلوب اللہ کے قبضہ میں ہے تو ہمیشہ یہ دعا کرتے رہنا چاہئے یا مقلب القلوب الخ صحابہ کرامؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی فکر تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے دعا کر رہے ہیں روایات میں آتا ہے کہ امت میں سے کسی مسلمان کو بخار ہو جاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے دوگنا ہو جاتا تھا۔ سوال۔ من اصابع اللہ یہاں اسم جلالہ کا ذکر آیا اور ماقبل میں اصابع الرحمن فرمایا تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْقَلْبِ کَرِیْشَةٍ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ
حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دل کی مثال پر کی مانند ہے جو میدان میں پڑا ہوا ہے
یُقَلِّبُهَا الرِّیَاحُ ظَهْرًا لِبَطْنٍ. (رواہ مسند احمد بن حنبل)
ہوائیں اسے پیٹھ سے پیٹ کی طرف پھیرتی ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ انسان کے دل کا حال اس پر کی طرح ہے جو صحرا میں چٹیل میدان میں پڑا ہوا ہو جس کو ہوائیں الٹ پلٹ دیتی ہیں۔ اسی طرح انسان کے دل کا حال ہے کبھی نیکی کی طرف کبھی بدی کی طرف کبھی ہدایت کی طرف اور کبھی گمراہی کی طرف پھر جاتا ہے۔
اس لئے اللہ سے ہر وقت دعا کرتے رہنا چاہئے۔ یا مقلب القلوب ثبت قلوبنا علی دینک۔

وجہ تشبیہ۔ جس طرح پر کو آسانی سے الٹایا پلٹایا جا سکتا ہے اسی طرح اللہ بھی دلوں کو آسانی سے پھیر سکتے ہیں۔ ظهرا یہ منصوب بنزع

الخافض ہے ای من ظھر الی بطن لام بمعنی الی کے ہے اور معطوف محذوف ہے وبطنالظھر ای من بطن الی ظھر۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِاَرْبَعٍ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک چار چیزوں پر ایمان نہ لائے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا
اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعَثَنِيْ بِالْحَقِّ وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ وَ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَيُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ. (رواه الترمذی وابن ماجة)
کوئی معبود نہیں اور تحقیق میں اللہ کا رسول ہوں اس نے مجھے حق کیساتھ بھیجا ہے موت کے ساتھ ایمان لائے اور موت کے بعد اٹھنے کیساتھ ایمان رکھے اور تقدیر کیساتھ اس کا ایمان ہو۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہ ہے کہ چار چیزوں پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن ہی نہیں ہوسکتا۔

۱-شہادتین توحید ورسالت ۲-ایمان بالموت۔

سوال:۔مرنے پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ جواب:اس کے دو مطلب ہیں۔ ۱-دنیا کے فنا ہونے کا یقین رکھنا۔یعنی فنائے عالم کا عقیدہ رکھنا۔ ۲-موت کا آنا۔کہ موت کی علت تامہ حکم خداوندی ہے نہ کہ مزاج کا فساد جیسا کہ بہت سے فلاسفہ کا نظریہ ہے۔

۳-بعث بعد الموت پر ایمان یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لانا۔ ۴-تقدیر پر ایمان لانا۔حدیث جبرئیل سے اور اس حدیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ ایمان بالقدر کے بغیر انسان مومن نہیں ہوسکتا۔یہ صرف اہمیت کو بتلانے کے لئے یہاں ذکر کیا گیا۔

قولہ' لایومن میں نفس ایمان کی نفی ہے کمال کی نفی نہیں۔باقی شہادتین کو یشھد سے تعبیر کیا اور باقی دوامروں کو یومن سے تعبیر کیا۔حکمت یہ ہے کہ شہادتین میں عقیدہ ایمان بھی ضروری ہے اور اقرار لسانی بھی اور باقی دوامروں میں ایمان ضروری ہے۔اقرار لسانی ضروری نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اُمَّتِيْ لَيْسَ لَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ
حضرت ابنؓ عباس سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے دوفرقے ہیں
نَصِيْبٌ اَلْمُرْجِئَةُ وَ الْقَدَرِيَّةُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.
جن کا اسلام میں کچھ حصہ نہیں مرجیہ اور قدریہ۔(ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: تقدیر کا مسئلہ:مسئلہ تقدیر میں کل تین مذہب ہیں۔(۱)اہلسنت والجماعت کا'(۲)مرجیہ جبریہ کا(۳)قدریہ کا۔

اہلسنت والجماعت کا مذہب۔اہل سنت والجماعت کے ہاں ایمان بالقدر کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ اس پر ایمان لائے بغیر کوئی مومن ہوسکتا ہی نہیں۔دلائل(۱)جیسا کہ حدیث جبرئیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امور ستہ کو بیان فرمایا ان میں سے ایک ایمان بالقدر بھی ہے۔(۲)ماقبل والی حدیث۔حدیث علیؓ جس میں فرمایا گیا کہ چار امور ایسے ہیں کہ جن کے بغیر ایمان متحقق ہوسکتا ہی نہیں ان میں ایک تقدیر ہے اور اسی طرح مابعد والی حدیث حدیث زید بن ثابتؓ ہے جس میں یہ بیان کیا گیا کہ جتنا بڑا عمل ہی کیوں نہ ہو وہ ایمان بالقدر پر ایمان لائے بغیر قابل قبول نہیں ہوسکتا۔اور بھی بہت سارے دلائل ہیں باقی رہی یہ بات کہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک ایمان بالقدر کا مفہوم کیا ہے۔اس کے مفہوم کے دو جز ہیں تو تفصیل اس کی ماقبل میں گزر چکی ہے۔جز اول۔العلم الازلی المتعلق بجمیع مایکون قبل وجوده وانضباطه فی اللوح المحفوظ۔یعنی اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ تمام حوادثات عالم اور افعال عباد خواہ وہ خیر کی قبیل سے ہوں یا شر کی قبیل سے ہوں۔اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ازل سے ہی ہوگیا ہے اور اسی علم ازلی کے مطابق ان کا اپنے وقت میں ظہور ہورہا ہے۔باقی رہی یہ بات کہ پھر تو انسان مجبور ہوگیا؟ جواب مجبور محض نہیں تقدیر مظہر ہے مجبر نہیں۔

سوال پھر تو اعمال کی ضرورت ہی نہیں جواب ضرورت ہے۔کما مر۔سوال۔اسباب کو اختیار کرنا یہ تو تقدیر کے خلاف ہے۔

جواب:ھی القدر جس طرح مسببات مقدر ہو چکے ہیں اسی طرح اسباب بھی مقدر ہو چکے ہیں۔علم بالشئی موجود الشئی کو مستلزم نہیں۔

جس طرح لوگوں نے کرنا تھا اللہ کو ویسے ہی علم ہوا۔ علم معلوم کے تابع ہے معلوم علم کے تابع نہیں۔

ایمان بالتقدیر کا فائدہ۔ سب سے بڑا فائدہ اطمینان اور تسلی ہے مصائب کے پیش آنے پر ہمت نہ ہارے۔ نیز جرات مندی اور شجاعت پیدا ہو جاتی ہے دلیری حاصل ہو جاتی ہے۔ کیسے میدان کارزار میں کود رہا ہے اگر میرے مقدر میں موت کا وقوع ہے تو آ کر رہے گی میں جرات کا اقدام کروں یا نہ کروں اور اگر نہیں ہے تو یہ اقدام کرنے سے آئے گی نہیں۔

قضاء اور قدر میں فرق۔ قضاء قدر میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں **قول اول**۔ یہ دونوں متحد المعنی ہیں۔ دونوں کا مصداق ایک ہے العلم الازلی الخ۔ **قول ثانی** جمہور کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قضاء اور قدر دونوں مختلف المعنی ہیں دونوں میں فرق ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ ان کا معنی کیا ہے؟ **قول اول** قضاء کہا جاتا ہے حکم کلی ازلی اجمالی کو اور قدر کہا جاتا ہے اس حکم کلی ازلی اجمالی کی جزئیات وتفاصیل کو جیسے وما ننزلہ الا بقدر معلوم۔ **قول ثانی**۔ قضاء کہا جاتا ہے حکم ازلی کو اور قدر کہا جاتا ہے اس حکم ازلی کے مطابق اشیاء کا اس عالم دنیا میں وجود میں آنا ظاہر ہونا جیسے وکل شئی خلقناہ بقدر **قول ثالث**۔ دوسرے قول کے برعکس یعنی قدر کہا جاتا ہے حکم ازلی کو اور قضا کہا جاتا ہے اس حکم ازلی کے مطابق اشیاء کا اس عالم دنیا میں ظاہر ہونا جیسے فقضھن سبع سموات۔ اسی طرح حدیث عمران بن حصین جس میں یہ الفاظ ہیں من قدر سبق۔ اگر من کو قضی علیھم و مضی فیھم کا بیان بنایا جائے یعنی من کو بیانیہ بنایا جائے تو یہ متحد المعنی ہوں گے اور اگر من کو تعلیلیہ بنائیں تو اس صورت میں قدر پہلے اور قضا بعد میں ہوگی تو یہ قول ثالث والوں کی دلیل بن جائے گی۔ **سوال**۔ علم کلام کا مسئلہ ہے (پہلا مقدمہ) کہ رضا بالقضا واجب ہے۔ (دوسرا مقدمہ) اور ہر چیز مقدر ہے ہر چیز قضا و قدر کے تحت داخل ہے۔ خواہ ہدایت ہو یا ضلالت خیر ہو یا شر اسلام ہو یا کفر (اس دو مقدموں کے بعد) تو لازم آیا کہ رضا بالکفر ہو حالانکہ رضا بالکفر تو کفر ہے اور اس پر اجماع ہے؟ **جواب**۔ دو چیزیں ہیں (۱) رضا بقضاء الکفر (۲) رضا بنفس الکفر علم کلام کا مسئلہ رضا بقضاء الکفر (اول ہے) یہ کفر نہیں اور رضا بنفس الکفر یہ کفر ہے۔ بعنوان آخر ایک ہے قضا اور ایک ہے اس کا متعلق مقضی جیسے ایک ضرب ہے اور ایک مضروب ہے علم کلام کا مسئلہ قضا ہے (اول ہے)

رضا بالمقضی نہیں بمتعلقات قضا نہیں بلکہ متعلقات (مقضی) کو دیکھا جائے گا اگر خیر ہے تو رضا ہونی چاہئے اور اگر شر ہو تو پھر رضا نہیں ہونی چاہئے اور کفر متعلقات قضا کی قبیل سے ہے۔ (بعنوان آخر کفر میں دو حیثیتیں ہیں: (۱) مخلوق للحق ہونے اور دوسری حیثیت مکسوب للعبد ہونے کی۔ پہلی حیثیت رضاء القضاء ضروری ہے اور دوسری حیثیت جائز نہیں ہے)

جز ثانی۔ ایمان بالقدر کے مفہوم کا جز و ثانی یہ ہے کہ اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ ہر شئی کے خالق اللہ ہیں خالق کل شئی ہیں۔ محالات عقلیہ اس سے مستثنیٰ ہیں نیز افعال عبادت کے خالق بھی اللہ ہیں شر ہو یا خیر ہدایت ہو یا ضلالت ہو یا کفر ہو۔

سوال۔ جب کفر و معاصی کی جزا وسزا کے خالق بھی اللہ ہیں تو پھر جزا وسزا کا ترتب کیسے ہوگا۔ **جواب**: جزاء وسزا کا ترتب کسب کے اعتبار سے ہوگا۔ اور عباد کاسب ہیں لہذا ان سے مواخذہ ہوگا۔ باقی خلق اور کسب میں فرق کیا ہے۔ وہ عنقریب ان شاء اللہ آئے گا۔

مذہب ثانی مرجیئہ کا: یعنی جبریہ۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کے اندر مجبور محض ہے۔ فعل کی نسبت عبد کی طرف یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے فعل کی نسبت جماد کی طرف ہے۔ جس طرح جماد کو کوئی اختیار نہیں اسی طرح عبد کو بھی کوئی اختیار نہیں ان پر اشکال ہوگا کہ پھر عباد پر جزا وسزا کا ترتب کیسے ہوگا۔ **جواب**:۔ میں یہ لوگ کہتے ہیں کوئی دم زدن کی مجال نہیں لا یسأل عما یفعل وھم یسئلون وہ کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہیں جو چاہیں کر سکتے ہیں ان کو حق حاصل ہے کہ جبر کے باوجود مواخذہ کریں دم زدن کی مجال نہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ ان جبریہ کو مرجیئہ سے تعبیر کیوں کرتے ہیں **جواب**۔ مرجیئہ یہ ارجاء سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے موخر کرنا تو یہ لوگ بھی ان نصوص کو جو نصوص عبد کے اندر قصد واختیار کے پائے جانے پر دال ہیں ان کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اس لئے ان کو مرجیئہ کہتے ہیں جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے اور اہل حق کے نزدیک جبریہ کا قول نقلاً بھی باطل ہے عقلاً بھی باطل ہے اور بداھۃً وجداناً بھی باطل ہے نقلاً اس

طرح باطل ہے کہ لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے کو انہی افعال کا مکلف بنایا گیا ہے جس پر وہ قادر ہے اور یہ بات فرع ہے اس بات کی کہ بندے میں قصد و اختیار پایا جاتا ہے اور ماتشاؤن الا ان یشاء اللہ مشیت کی نسبت الی العباد اگرچہ تابع ہے اللہ کی مشیت کے یہ دلیل ہے اس بات کی کہ بندے میں قصد و اختیار پایا جاتا ہے اور نیز تمام ادیان سماویہ سے مقصود اختیار العبد ہے جیسے لیبلوکم ایکم احسن عملاً......الایۃ یہ فرع ہے اس بات کی کہ بندے کے اندر قصد و اختیار پایا جاتا ہے اور یہ نظریہ بداہۃً بھی باطل ہے وہ اس طرح کہ ہم مرتعش کی حرکات اور غیر مرتعش کی حرکات کے درمیان فرق بداہۃً محسوس کرتے ہیں اختیاری و غیر اختیاری ہونے میں کہ مرتعش کی اختیاری اور غیر مرتعش کی غیر اختیاری حرکات ہیں اور نیز یہ واجداناً بھی یہ نظریہ باطل ہے یہی وجہ ہے کہ راستہ پر چلتے ہوئے اگر کوئی ٹھوکر لگ کر گر جائے تو اسے غصہ نہیں آتا اور اگر کوئی گرادے تو غصہ آتا ہے بلکہ آگ بگولہ ہو جاتا ہے۔

تیسرا مذہب قدریہ کا: قدریہ کہتے ہیں کہ تمام حوادثات عالم اور افعال عباد خواہ ہدایت کی قبیل سے ہوں یا ضلالت کی قبیل سے ہوں۔ اسلام یا کفر کی قبیل سے ہوں کسی قضا و قدر کا نتیجہ نہیں بلکہ امر مستانف ہیں۔ اور بندہ اپنے افعال اختیار کا خود خالق ہے۔ بعنوان آخر یہ تقدیر کے منکر ہیں۔ سوال جب یہ تقدیر کے منکر ہیں تو ان کو قدریہ کیوں کہا جاتا ہے۔ قدریہ تو مثبتین تقدیر کا نام ہونا چاہئے نہ کہ منکرین کا۔ جہاں کہیں نصوص میں قدریہ کی مذمت آتی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ اے مثبتین قدر اس کا مصداق تم ہو ہم تو منکرین تقدیر ہیں۔

جواب (۱): عام جواب جو کہ کتابوں میں مذکور ہے وہ یہ کہ اس فرقے نے تقدیر کے اندر بہت زیادہ بحث و مباحثہ کیا اور اس لئے نتیجۃً تقدیر کے منکر ہو گئے اس لئے یہ قدریہ مشہور ہو گئے۔ جواب (۲): شیخ ابوالحسن اشعری کی کتابوں میں مذکور ہے اور بہت اچھا جواب ہے اور وہ ایک قاعدے کے مطابق ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اسم مشتق کا اطلاق ایسی ذات پر ہوگا جس کے ساتھ مبدا الاشتقاق قائم ہو۔ مثلاً ضارب کا اطلاق اس ذات پر ہوگا جس کے ساتھ مبدا ضرب قائم ہو اور اسی طرح عالم کا اطلاق اس ذات پر ہوگا جو مبدا علم کے ساتھ قائم ہو اور اسی طرح متکلم کا اس ذات پر ہوگا جس کے ساتھ مبدا تکلم قائم ہو اگر علم کا مبدا ضرب کا مبدا اور اسی طرح تکلم کسی اور شخص کے ساتھ قائم ہو آپ اس کو عالم ضارب اور متکلم کہتے رہیں تو یہ غلط ہوگا۔ لہٰذا اس قاعدے کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اہل حق پر قدرت کی نفی اپنے سے کرتے ہیں اور اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ اور یہ جو فرقہ ہے وہ باری تعالیٰ سے قدرت کی نفی کر کے اپنے لئے ثابت کر رہے ہیں لہٰذا قدریہ وہ ہوئے نہ کہ ہم۔ منکرین تقدیر اپنے لئے قدرت مستقلہ کو ثابت کر رہے ہیں جبکہ مثبتین تقدیر اپنے سے قدرت کی نفی کرتے ہیں۔ تو جو اپنے لئے تقدیر کو ثابت کرے اس کو قدریہ کہنا چاہئے۔ جو دوسرے کے لئے یعنی اللہ کے لئے قدرت کو ثابت کرے لہٰذا اے قدریہ تم اس کا مصداق ہو ہم نہیں۔ لہذ النصوص میں جو قدریہ کی مذمت آئی ہے اس کا مصداق تم ہو ہم نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ان کا شبہ اور دلیل کیا ہے ان کا شبہ یہ ہے کہ اگر افعال عباد کی نسبت اللہ کی طرف کی جائے تو نسبت القبیح الی اللہ لازم آئے گی اور یہ سوء ادبی ہے اس لئے کہ جب اللہ کی طرف افعال عباد کے خلق کو منسوب کیا جائے تو ان افعال میں کفر اور معصیت بھی ہیں اس سے سوء ادبی لازم آئے گی۔ ان کی نیت اچھی ہے طریقہ اچھا نہیں ہے۔ اس لئے یہ کہتے ہیں کہ بندے کو اپنے افعال کا ذمہ دار خود کو بناؤ۔ (ٹھہراؤ) اہل سنت والجماعت کی طرف سے اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی جواب ہے اور ایک تحقیقی جواب ہے۔

الزامی جواب اس کا حاصل یہ ہے کہ منبع شر و معاصی یعنی ابلیس کے خالق تو تمہارے ہاں بھی اے قدریہ اللہ ہیں۔ کیا اس کے خلق کی نسبت اللہ کی طرف کرنے سے سوء ادبی لازم آئے گی۔ فماھو جوابکم فھو جوابنا۔ اور اسی طرح آلات معاصی کے خالق بھی تمہارے ہاں بھی اللہ ہیں۔ اگر ان کے خلق کی نسبت اللہ کی طرف کریں تو یہ سوء ادبی نہیں ہے۔ فماھو جوابکم فھو جوابنا۔

تحقیقی جواب۔ فعل عبد میں چیزیں دو ہیں۔ (۱) خلق (۲) کسب۔

خلق و کسب میں فرق: فعل عبد کا انتساب الی قدرۃ اللہ یہ خلق ہے اور فعل عبد کا انتساب الی قدرۃ العبد یہ کسب ہے بعنوان آخر خلق آلہ کا محتاج نہیں کسب آلہ کا محتاج ہے کسب کیلئے کسی عمل کا ہونا ضروری ہے اس شئے کا تصور ہو امر ملائم کا تصور ہو خواہ واقع نفس الامر میں ہو یا نہ

ہو پھر شوق کا ہونا پھر اس کو وجود میں لانا اب ہم کہتے ہیں کہ خلق قبیح قبیح نیست کہ خالق قبیح قبیح نہیں ہے کہ خلق ہر حال میں خیر ہی خیر ہے۔ وہ خلق ابوبکرؓ وعمرؓ پر پڑے یا ابوجہل پر پڑے خیر ہی خیر ہے۔ سورج کی شعاعیں خواہ باغوں کے پھولوں پر پڑیں یا گندگی پر پڑیں ہر حال میں صفت کمال ہے خیر ہی خیر ہے۔ اسی طرح تلوار کا قاطع ہونا صفت مادح ہے خواہ وہ ابوجہل کا گلہ کاٹے یا اہل حق کا گلہ کاٹے۔ خلق تو ہر حال میں خیر ہی خیر ہے خواہ مخلوق شر کی قبیل سے ہو یا خیر کی قبیل سے ہو۔ مخلوق کے خیر یا شر کے ساتھ متصف ہونے سے خلق کا خیر یا شر ہونا لازم نہیں آتا۔ اور کسب کے بارے میں دیکھیں گے اگر مکسوب خیر کی قبیل سے ہے تو کسب بھی خیر ہوگا لہٰذا اس پر اس کو اجر وثواب ملے گا اور اگر مکسوب شر کی قبیل سے ہے تو پھر کسب بھی شر ہوگا لہٰذا اس پر اس کو سزا وعقاب ہوگی۔ خلاصہ یہ نکلا کہ کسب یہ علت قریبہ ہے اور خلق علت بعیدہ ہے جس نے صرف علت قریبہ کو دیکھا وہ قدری بن گئے اور جس نے علت بعیدہ کو دیکھا وہ جبری بن گئے اور جنہوں نے ان دونوں کو دیکھا وہ سنی بن گئے۔

الغرض جواب کا حاصل یہ ہوا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے اس بات کو کہ قبیح کی نسبت اللہ کی طرف لازم آئے گی۔ اور اس سے سوء ادبی لازم آتی ہے اس لئے کہ بندہ کا خلق قبیح ہونا اس سے خالق کا قبیح ہونا لازم نہیں آتا بلکہ عبد ہی قبیح ہوگا۔

اب اس بارے میں اختلاف ہے کہ قدریہ اور جبریہ کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:

(۱) بعض علماء کے نزدیک تکفیر کی جائے گی۔ (۲) تکفیر نہیں کی جائے گی۔ یہ جمہور علماء کا قول ہے کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ کفر سے بچنے کے لئے کیا ہے لیکن **من حیث لا یشعرھم** لزوم کفر ہوگا۔ اور لزوم کفر کفر نہیں ہے بلکہ التزام کفر کفر ہے باقی رہی یہ بات کہ حدیث میں تو آیا **لیس لھما نصیب فی الاسلام** اس کا جواب-۱: نصیب سے مراد نصیب کامل ہے ای **لیس لھما نصیب کامل فی الاسلام**۔

جواب-۲: زجر علی وجہ المبالغہ پر محمول ہے۔ جواب: ۳- یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں قرار دیا جاسکتا۔

سوال: یہ دو فرقے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو نہیں تھے بعد میں پھیلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق کیسے یہ ارشاد فرمایا۔

جواب: یہ اخبار عن المغیبات کی قبیل سے ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ ان کے متعلق بتلا دیا گیا تھا۔

ان دو فرقوں کا ظہور کب ہوا؟: ان کا ظہور صحابہ کرامؓ کے اخیر زمانے میں ہوا۔ ان کے ظہور کا پس منظر یہ ہوا کہ ایک مرتبہ کعبۃ اللہ میں آگ لگ گئی تو ایک شخص کے منہ سے نکل گیا کہ یہ قضا وقدر کا نتیجہ ہے ایسے ہی قدر تھا وہ شخص کون تھا؟ سوسن نامی شخص تھا۔ اس نے تقدیر کا انکار کیا اسی طرح سیبویہ نامی شخص یہ ان کا قائد تھا اور ابو معبد جہان دوسرا قائد تھا۔ تو ان کی تردید اس وقت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن الاصقع نے کی (مسئلہ تقدیر کے متعلق رسالہ ہے جس میں حضرت انور شاہ کشمیریؒ اور قاری محمد طیبؒ کی تقاریر ہیں اسکا مطالعہ رکھا جائے)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ خَسْفٌ
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے میری امت میں دھنس جانا
وَّمَسْخٌ وَذٰلِكَ فِي الْمُكَذِّبِيْنَ بِالْقَدَرِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ.
اور صورت کا بدل جانا ہوگا اور ایسا ان لوگوں میں ہوگا جو تقدیر کو جھٹلاتے ہیں۔ (ابوداؤد ترمذی نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے)

تشریح: اس حدیث میں منکرین تقدیر کے لئے وعید شدید کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں خسف ومسخ منکرین تقدیر میں ہوگا۔ یہ حدیث دال ہے اس بات پر کہ اس امت میں بھی مسخ وخسف کا وقوع ہوگا چنانچہ مشکوٰۃ جلد ثانی کی ایک روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسخ وخسف کا وقوع ہوگا کہ ایک گروہ کعبۃ اللہ کو گرانے کے لئے جائے گا مگر اس کو راستے ہی میں دھنسا دیا جائے گا۔ مولانا فضل امام خیر آبادی (مصنف ہدیہ سعدیہ) ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ شمالی بلاد کے اندر بعض پہاڑوں کو دیکھ کر انسان غیر اختیاری طور پر یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ اصل میں انسان تھے ان کی شکلیں تبدیل ہوگئیں ہیں۔ سوال: عام مشہور تو یہ ہے کہ امت محمدیہ میں بھی خسف ومسخ نہیں ہوگا لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے اس امت میں بھی خسف ومسخ ہوگا۔ جواب (۱) یہ قضیہ شرطیہ ہے کہ اگر بالفرض میری امت

میں حسف ومسخ کا وقوع ہوگا تو منکرین تقدیر میں ہوگا۔اور یہ وقوع کو ستلزم نہیں ہے۔جواب (۲)۔نفی علی وجہ العموم ہے جن احادیث میں نفی ہے تو وہاں مراد یہ ہے کہ پہلی امتوں جیسا مسخ وخسف نہیں ہوگا۔بہرحال اگر جزئی طور پر کہیں خسف ومسخ کا وقوع ہوجائے تو کوئی ممنوع نہیں اور عموم نفی جزوی طور پر ہونے کے منافی نہیں ہے۔باقی خسف کا معنی ہے زمین میں دھنسنا مسخ کا معنی ہے اعلیٰ شکل سے قبیح صورت کی طرف تبدیل ہوجانا۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ مَرِضُوْافَلَا
اور اسی (ابن عمرؓ) سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قدریہ فرقہ اس امت کے مجوسی ہیں۔اگر وہ بیمار ہوں
تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ. (رواه مسند احمد بن حنبل و ابو داؤد)
ان کی عیادت نہ کرو۔اگر مرجائیں توان کے جنازے پر حاضر نہ ہو۔(احمد،ابوداؤد)

تشریح: حاصل حدیث:اس حدیث میں بھی منکرین تقدیر کی مذمت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کے منکرین تقدیر مجوسیوں کی طرح ہیں جس طرح مجوس متعدد الٰہ کے قائل ہیں اسی طرح یہ بھی متعدد خالقوں کے قائل ہیں وہ (مجوسی) دو اللہ مانتے ہیں خیر کے لئے الگ اور شر کے لئے الگ۔بلکہ یہ تو مجوسیوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ مجوسی تو دو الٰہ مانتے ہیں مگر یہ متعدد خالق اور غیر متناہی خالق مانتے ہیں کہ ہر بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے یہ تشبیہ بلیغ ہے نیز اس حدیث میں بتلایا گیا کہ یہ لوگ حقوق المسلمین کے بھی مستحق نہیں۔چنانچہ فرمایا اگر یہ بیمار ہوجائیں تو ان کی بیمار پرس نہ کرو اور اگر یہ مرجائیں تو ان کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھو۔اور ان کی تجہیز وتکفین میں بھی شریک نہ ہو۔یہ حقوق عامہ ہیں۔یہ جب حقوق عامہ کے مستحق نہیں تو حقوق خاصہ کے بطریق اولیٰ مستحق نہیں ہوں گے۔نیز نہ حقوق عامہ المتعلقہ بالحیاۃ کے مستحق ہیں۔

اور نہ حقوق المتعلقہ بالممات کے مستحق ہیں کیونکہ مرض یہ زندگی سے تعلق رکھتا ہے مرنا یہ ممات سے تعلق رکھتا ہے۔حقوق خاصہ (مثلاً مشورہ وغیرہ لینا) یہ روکا گیا ہے زجراً وتوبیخاً یہ جمہور کی طرف سے سوال کا جواب ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجَالِسُوْا اَهْلَ الْقَدَرِ وَلَا تُفَاتِحُوْهُمْ. (رواه ابوداؤد)
حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرقہ قدریہ کے ساتھ نہ بیٹھو اور نہ حکومت لے جاؤ ان کی طرف۔

تشریح: حاصل حدیث:۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منکرین تقدیر کے ساتھ اٹھو بیٹھو مت اور نہ ہی ان کو اپنا حکم اور فیصل بناؤ کیونکہ صحبت کا اثر ہوتا ہے کیونکہ تمام عقلاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مجالست وصحبت کا اثر ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان جیسا بن جاتا ہے جیسا کہ کسی مسافر نے کہا

صحبت صالح را صالح کند　　　صحبت طالع را طالع کند

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل باطل کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔اور فرمایا **و لاتفاتحو هم** یعنی ان کو فیصل نہ بناؤ اسکے تین مطلب ہیں۔

(۱) فیصل وحکم مت بناؤ اس لئے کہ فیصل بنانے میں ان کی عزت ہے اور یہ توہین کے مستحق ہیں۔(۲) **لاتفاتحوا** ان کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے میں پہل نہ کی جائے۔(۳) **لاتفاتحوا ای بالسلام**۔ان سے ملاقات کے وقت سلام میں پہل نہ کی جائے اس لئے کہ ہدایت بالسلام اس شخص سے کی جاتی ہے جو اعزاز کا مستحق ہو اور یہ لوگ تو اہانت کے مستحق ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ طرح کے شخص ہیں میں نے ان پر لعنت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی ہے
يُجَابُ اَلزَّائِدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَالْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللّٰهِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ لِيُعِزَّ مَنْ اَذَلَّهُ اللّٰهُ
اور ہر نبی جواب دہ ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں زیادتی کرنیوالا اور اللہ کی تقدیر کو جھٹلانے والا زبردستی غالب آجانے والا تاکہ جسے اللہ نے ذلیل کیا

وَيُذِلَّ مَنْ اَعَزَّهُ اللهُ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحُرُمِ اللهِ وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مَاحَرَّمَ اللهُ وَالتَّارِكُ
ہے اسے عزت دے اور جسے اللہ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرے اللہ کے حرام کو حلال سمجھنے والا میری اولاد سے حلال جانے اس چیز کو جسے
لِسُنَّتِيْ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَدْخَلِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِه. (بیھقی، رزین)
اللہ نے حرام کیا ہے میری سنت کو چھوڑ دینے والا بیہقی نے مدخل میں اور رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہ ہے کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) چھ قسم کے شخص ایسے ہیں جو مستحق لعنت علی وجہ التحقیق ہیں۔ چنانچہ فرمایا چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے۔سوال۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعالمین ہیں آپ نے کیسے لعنت کی؟ جواب۔ اس لئے کہ اللہ نے لعنت کی ہے وکل نبی یجاب یہ شدت تاثیر کو بتلانے کے لئے کہا ہے یہ لوگ اتنے بدبخت ہیں اور اتنے اشقاء ہیں جو لعنت کے مستحق ہیں علی وجہ التاکید اور میں امام الانبیاء ہوں میں لعنت کرتا ہوں اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے یہ کتنے بدبخت ہیں کہ رسول اللہ جو رحمۃ للعالمین ہیں وہ بھی ان کے لئے لعنت کرر ہے ہیں۔ ان میں سے (۱) پہلا شخص جو اللہ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا ہو خواہ وہ زیادتی لفظاً ہو یا معناً ہو۔ (۲) منکر تقدیر۔ تقدیر خداوندی کی تکذیب کرنے والا شخص۔ (۳) زبردستی حکومت حاصل کرنے والا یعنی قہراً وجبراً جو حاکم بن جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذی حق کو اس کا حق نہیں ملتا۔ مستحق حقوق حقوق سے محروم ہو جاتا ہے عزت والا بے عزت اور ذلیل عزت والا بن جاتا ہے۔سوال۔ اگر کسی کا یہ ارادہ نہ بھی ہو پھر بھی وہ لعنت کا مستحق ہے۔ جواب۔ ایسا کام زبردستی حکومت لینے والا کرے گا اور کوئی نہیں کرتا۔ (۴) **المستحل لحرم الله**۔ حرم کے اندر مالاینبعنی کا ارتکاب کرنے والا یہ بھی لعنت کا مستحق ہے۔سوال۔ دوسرے مقام میں بھی تو مالاینبغی کا ارتکاب حرام ہے۔ پھر یہاں حرم کی تخصیص کیوں کی؟ جواب اس کی تخصیص اس لئے کی کہ وہاں ممانعت زیادہ ہے منھی عنہ کا اور مالاینبغی کا ارتکاب زیادہ قبیح ہے۔ (۵) **المستحل من عترتی ماحرم الله** اس کے مطلب ہیں۔ (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو تکلیف دینے والا لعنت کا مستحق ہے۔ یعنی جو شخص میرے اہل بیت کے حق میں ایسی چیزوں کو مباح سمجھے جن کو اللہ نے حرام کیا ہے وہ بھی لعنت کا مستحق ہے اس صورت میں من عترتی میں من بمعنی فی کے ہوگا۔ (۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ من بیانیہ ہو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر میرے خاندان میں سے کوئی منھی عنہ کا ارتکاب کرے وہ بھی لعنت کا مستحق ہے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو کر پھر اس کی نافرمانی کرے یہ ایسے ہی ہے جیسے **بفاحشة مبينة يضاعف لها العذاب ضعفين** (۶) التارک بسنتی میری سنت کو چھوڑنے والا یہ بھی لعنت کا مستحق ہے اگر ترک سنت علی وجہ الاستہزاء ہو تو کفر ہے اور اگر علی سبیل التکاسل ہو تو یہ فسق و فجور ہے اس صورت میں لعنت علی وجہ الزجر والتوبیخ ہوگی۔ اور پہلی صورت میں لعنت اپنے حقیقی معنی میں ہوگی۔

قوله لعنهم الله يا تو یہ سوال کا جواب ہے جیسا کہ گزر چکا کہ آپ کیسے لعنت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لعنهم الله** یا پھر یہ جملہ مستانفہ نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے اللہ بھی لعنت کرے۔ مدخل کتاب کا نام ہے اور رزین مصنف کا نام ہے۔

قوله' ستة لعنتهم اس کی دو ترکیبیں ہیں۔ (۱) ستۃ مبتداء اور لعنتھم اس کی خبر ہے۔ سوال اس پر سوال ہوگا کہ ستۃ تو نکرہ ہے اور نکرہ محضہ تو مبتداء نہیں بن سکتا۔ جواب علامہ کے قول کے مطابق نکرہ محضہ مبتداء بن سکتا ہے۔ یہ ترکیب ان کے قول کے مطابق ہے۔

(۲) جمہور کے نزدیک ستۃ موصوف اور لعنتھم اس کی صفت ہے۔

وَعَنْ مَطَرِ بْنِ عُكَامِسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَضَى اللهُ لِعَبْدٍ اَنْ
حضرت مطرؓ بن عکامس سے روایت ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کیلئے ایک زمین میں
يَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ لَهُ اِلَيْهَا حَاجَةً. (رواه مسند احمد بن حنبل والجامع ترمذی)
مرنے کا فیصلہ کرتا ہے اسے اس کی طرف کوئی حاجت کردیتا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ زمین کے جس حصے میں موت مقدر ہو چکی ہوتی ہے اور وہاں اس کیلئے کوئی حاجت کر دیتے ہیں جیسے حضرت سلیمانؑ کا واقعہ مشہور ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس کی جہاں قضاء وقدر کے اعتبار سے موت لکھی ہے اور جس طرح لکھی ہوتی ہے اس نے وہیں اور اس طرح مرنا ہے وہاں تک پہنچنے کے اسباب بھی اللہ پیدا فرما دیتے ہیں۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ ذَرَارِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ؟ قَالَ مِنْ اٰبَائِهِمْ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول مسلمانوں کی اولاد کا کیا حکم ہے فرمایا وہ اپنے آباء سے ہیں۔
فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ قُلْتُ فَذَرَارِيُّ الْمُشْرِكِيْنَ؟ قَالَ
میں نے کہا اے اللہ کے رسول بغیر کسی عمل کے ہی فرمایا اللہ خوب جانتا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔ میں نے کہا
مِنْ اٰبَآئِهِمْ قُلْتُ بِلَا عَمَلٍ قَالَ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ. (رواہ ابوداؤد)
مشرکوں کی اولاد کا کیا حکم ہے فرمایا وہ اپنے آباء سے ہیں میں نے کہا بغیر کسی عمل کے فرمایا اللہ خوب جانتا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذراری المومنین یعنی مومنین کی نابالغ اولاد کے متعلق سوال کیا کہ آخرت میں ان کا کیا معاملہ ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اپنے آباء کے تابع ہوں گے اس پر میں نے کہا یا رسول اللہ انہوں نے جنتیوں جیسے کام تو نہیں کیئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر چہ نہیں کیئے لیکن اللہ کے علم میں تو ہے کہ انہو ں نے بڑے ہو کر کیا عمل کرنے تھے اس پر میں نے دوسرا سوال کیا کہ مشرکین کی اولاد کے بارے میں کہ ان کا معاملہ کیا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی اپنے آباء کے تابع ہوں گے میں نے عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر انہوں نے جہنمی جیسے اعمال تو نہیں کیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا اللہ اعلم بما کانوا عاملین۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اطفال المشرکین جہنمی ہیں۔ باقی تفصیل ماقبل میں گزر چکی۔ ان کا عمل بالفعل اگر چہ نہیں لیکن اللہ کے علم میں ہے جو کچھ عمل ان کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَائِدَةُ وَالْمَوْءُوْدَةُ فِي النَّارِ. (رواہ ابوداؤد)
حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زندہ گاڑنے والی اور جس کو گاڑا گیا دونوں دوزخ میں جائینگی۔

تشریح: قولہ الوائدۃ:۔ زندہ درگور کرنے والی:۔ الموؤدۃ۔ زندہ درگور کی ہوئی۔ حاصل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وائدہ اور مئودۃ دونوں جہنم میں ہوں گی۔ وائدہ کا جہنم میں جانا تو اپنے کفر کی وجہ سے ہے اور مئودۃ اس وجہ سے کہ یہ اپنے آباء کے تابع ہے تو یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں اطفال المشرکین جہنمی ہیں دلیل اس طرح کہ مئودۃ آباء کے تابع ہونے کی وجہ سے جہنم میں جائے گی۔ (اطفال المشرکین ہونے کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے) لیکن جمہور پر یہ اشکال وارد ہوگا کیونکہ وہ اطفال المشرکین کے جنتی ہونے کے قائل ہیں ان جمہور کی طرف سے جواب (۱) اس حدیث کا کہ یہاں صلہ محذوف ہے موءودۃ کی جانب میں ای الموء ودۃ لھا۔ اس سے مراد موءودۃ کی ماں ہے اور الوائدہ سے مراد دائی ہے اب معنی یہ ہوگا کہ زندہ درگور کرنے والی بھی جہنم میں یعنی دائیہ اور اسکی ماں بھی جہنم میں جائیگی۔ لہٰذا اس کا جہنمی ہونا بھی کفر کی وجہ سے ہے۔ اور کلام عرب میں ایسا ہوتا رہتا ہے کہ صلوں کو حذف کر دیتے ہیں۔

جواب (۲): آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس زمانہ کا ہے جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطفال المشرکین کے جنتی ہونے کا علم نہیں دیا گیا تھا۔

جواب (۳): علی وجہ التنزل ہم کہتے ہیں اس سے مراد مبالغہ مقصود ہے۔ حقیقتاً موءودۃ نہیں الف لام جنسی نہیں ہے بلکہ عہد خارجی ہے اس کا مصداق موودۃ بالغہ ہے اگر چہ تعبیر موٗودۃ سے کر دیا اور بالغہ کفر کی وجہ سے جہنم میں جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فَرَغَ اِلٰی کُلِّ عَبْدٍ

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے ہر بندے کی پانچ باتوں سے فارغ ہو چکا ہے

مِنْ خَلْقِہٖ مِنْ خَمْسٍ مِنْ اَجَلِہٖ وَعَمَلِہٖ وَمَضْجَعِہٖ وَاَثَرِہٖ وَرِزْقِہٖ. (رواہ مسند احمد بن حنبل)

اس کی اجل سے اس کے عمل سے اس کے رہنے کی جگہ سے اس کے پھرنے کی جگہ سے اور اس کے رزق سے۔

تشریح: حاصل حدیث مخلوق میں سے ہر ایک کے لئے پانچ چیزیں مقدر ہو چکی ہیں۔(۱) اجل۔ اجل کے دو معنے ہیں ابتداء سے لے کر انتہا تک کی زندگی (۲) موت کا وقت مقرر دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔(۲) عمل۔ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ خیر ہو یا شر۔

(۳) مضجع لیٹنے کی جگہ (۴) اثرہ انکے بارے میں دو قول ہیں۔(۱) مضجع سے مراد سکون وقرار کی جگہ اثر سے مراد چلنے پھرنے کی جگہ۔ یعنی حرکات مطلب یہ ہے کہ حرکات وسکنات مقدر ہو چکے ہیں (۱) مضجع سے مراد محل سکون۔ یعنی قبر ہے اور اثر سے مراد دنیا میں رہنا۔ دونوں مقدر ہو چکے ہیں۔

(۵) رزق کتنا ملنا ہے حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے ملنا ہے۔ سب کچھ مقدر ہو چکا ہے۔ سوال: ان اللہ فرغ۔ کسی کام سے فارغ ہونا یہ باری تعالیٰ کے حق میں حقیقی معنے کے لحاظ سے تو محال ہے یہ کنایہ ہے تعطل سے یا یہ کنایہ ہے عدم تغیر وتبدل سے کہ اب تبدیل نہیں ہو سکتا جو کچھ لکھا جا چکا ہے۔ سوال۔ یہاں کتابت امور خمسہ ماقبل میں امور اربعہ کی کتابت کا ذکر ہوا ہے۔

جواب: (۱) تخصیص (علی الشئی) علی العدد کسی شئی عدد پر دال نہیں ہوتی۔

جواب: (۲) عدد اقل اکثر کے لئے منافی نہیں جیسے سورۃ فاطر کی ابتدائی آیات۔ اولی اجنحۃ میں متعین مراد نہیں۔

سوال: فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلث و ربع یہاں عدد متعین ہے لہٰذا اسی وجہ سے چار سے زائد پر نکاح حرام ہے۔

جواب۔ حرمت اس عدد کی وجہ سے نہیں بلکہ حرمت ماعدا الاربع اجماع امت کی وجہ سے ہے۔ تخصیص علی العدد کی وجہ سے نہیں ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَۃَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ تَکَلَّمَ فِیْ شَیْءٍ مِنَ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جس شخص نے

الْقَدَرِ یُسْئَلُ عَنْہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ لَّمْ یَتَکَلَّمْ فِیْہِ لَمْ یُسْئَلْ عَنْہُ. (رواہ ابن ماجہ)

تقدیر میں کلام کیا اس سے پوچھا جائے گا اور جس نے کلام نہ کیا قیامت کے دن اس سے نہ پوچھا جائے گا۔

تشریح: حاصل حدیث: تقدیر کے بارے میں بحث ومباحثہ کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ جس شخص نے تقدیر کے بارے میں بحث کی اس سے قیامت کے دن اس کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اس پر مواخذہ ہوگا کیونکہ یہ مواخذہ کا سبب بنے گا اس لئے اس میں بحث کرنا جائز نہیں ہے اور جس شخص نے بحث ومباحثہ نہیں کی اس سے اس کے متعلق مواخذہ نہیں ہوگا۔

سوال: دیگر چیزوں کے بارے میں بھی مواخذہ ہوگا پھر اس کی تخصیص کیوں کی جواب (۱)۔ یہاں سوال سے مراد بطور زجر اور توبیخ کے سوال ہے اس بحث کے متعلق مواخذہ ہوگا مطلقاً سوال پر مواخذہ نہیں۔ سوال۔ جن حضرات نے جن اکابر نے تقدیر کی مباحث کو لکھا اور کتابیں لکھ دی ہیں بظاہر وہ اس حدیث کی زد میں آ رہے ہیں۔ جواب (۱): تکلم سے مراد وہ تکلم ممنوع ہے جو محض عقل کی بناء پر ہو اور محض عقل کو مدار بنایا گیا ہو اور علماء کا تکلم اور اہل حق کا تکلم نصوص کے اعتبار سے ہوتا ہے عقل کو نصوص کے تابع بنایا گیا ہے۔

جواب (۲): وہ تکلم ممنوع ہے جس سے مقصود انکار تقدیر ہو اور اہل حق کا تکلم اثبات تقدیر کے لئے ہے نہ کہ انکار تقدیر کے لئے۔

وَعَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اَتَيْتُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهٗ قَدْ وَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ شَيْءٌ مِّنَ الْقَدْرِ
حضرت ابن دیلمیؒ سے روایت ہے کہا میں ابی بن کعبؓ کے پاس آیا میں نے کہا میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شبہ ہے مجھے کوئی
فَحَدِّثْنِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّذْهِبَهٗ مِنْ قَلْبِيْ فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ عَذَّبَهُمْ
حدیث بیان کر شاید اللہ تعالیٰ میرے دل سے اس شبہ کو دور کردے۔ اس نے کہا اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں کے رہنے والوں اور زمین کے رہنے والوں
وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَّهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَّهُمْ مِّنْ اَعْمَالِهِمْ وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ
کو عذاب کرے تو وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر ان پر رحم کرے اس کی رحمت ان کیلئے اعمال سے بہتر ہے۔ اگر تو احد پہاڑ کی مانند
ذَهَبًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ وَ تَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ
سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے اسے قبول نہیں کیا جائے گا جب تک تو تقدیر پر ایمان نہ لائے اور جان لے جو چیز تجھے پہنچتی ہے وہ تجھ سے خطا نہ
وَاَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَلَوْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ
کرنے والی تھی اور جس چیز نے تجھ سے خطا کی وہ تجھے پہنچنے والی نہ تھی اگر تو اس عقیدے پر نہ مرے گا آگ میں داخل ہوگا۔ اس نے کہا پھر میں
بْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَيْتُ زَيْدَ
عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا اس نے بھی ایسا ہی کہا۔ پھر میں حذیفہ بن یمانؓ کے پاس آیا اس نے بھی ایسا ہی کہا۔ پھر میں زید
بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِيْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ. (رواه مسند احمد بن حنبل ابوداؤد ابن ماجة)
بن ثابتؓ کے پاس آیا اس نے بھی مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی حدیث بیان کی (روایت کیا اس کو احمدؒ اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے)

تشریح: حاصل حدیث: حضرت ابن الدیلمیؒ کہتے ہیں کہ میں ابی ابن کعبؓ کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا کہ میرے دل کے اندر تقدیر کے بارے میں کچھ وسوسہ پیدا ہو رہا ہے لہذا مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیں جس کی وجہ سے میرے دل میں سے یہ شبہات اور وسوسے چلے جائیں یا کوئی ایسی بات اپنی طرف سے بتائیں جس کے ذریعہ سے وسوسے ختم ہو جائیں۔ اس پر ابی ابن کعبؓ نے چند اصول مجھے بتلا دئے۔

پہلا اصول۔ سب سے پہلے یہ بات سمجھائی کہ اس بات کا عقیدہ رکھو کہ حق تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے ساتھ جو معاملہ ہوگا وہ ان کے حق میں عدل ہی عدل ہے کوئی ظلم وجبر نہیں کیونکہ ظلم کہا جاتا ہے تصرف فی ملک الغیر کو۔ اور یہاں یہ بات متحقق نہیں ہوسکتی اور باری تعالیٰ کا جو بھی تصرف ہوگا وہ تصرف فی ملکہ ہوگا اپنی ملکیت میں تصرف ہوگا اس کو ایک مثال سے سمجھایا کہ زمین کو کسی شخص نے خریدا اور وہ اس کا مالک ہوگا اب تعمیر کرتا ہے ایک جگہ مسجد بناتا ہے اور ایک جگہ لیٹرین اب لیٹرین والی زمین اعتراض کرے کہ میرا کیا قصور ہے کہ مجھ پر لیٹرین بنایا اور اس طرح آپ اینٹیں لائے کچھ مسجد کے لئے لگائیں اور کچھ لیٹرین کے لئے۔ لیٹرین والی کہیں ہمارا کیا قصور ہے۔ لامحالہ دم زدن کی مجال ہوگی۔ یہی کہا جائے گا کہ تم ہماری مملوک ہو جیسے میں تصرف کرنا چاہوں کرسکتا ہوں اس کو یوں سمجھو کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو جو آسمان وزمین میں ہے عذاب دیں تو یہ ظلم نہیں ہوگا اور اگر اللہ ان پر رحمت فرمائیں رحم کریں تو یہ ان کے اعمال صالحہ سے بہتر ہے۔

دوسرا اصول:۔ دوسرا سوال تقدیر پر ایمان لانے کی اہمیت کو بتلایا کہ یہ عقیدہ تقدیر اتنا اہم ہے کہ اس کے بغیر بڑے سے بڑا عمل بھی کوئی فائدہ مند نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرمایا اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردو تو کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ۔ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اس کے بغیر کوئی عمل فائدہ مند ہوسکتا ہی نہیں۔ جس طرح کفر کی حالت میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا کوئی فائدہ مند نہیں اسی طرح ایمان بالتقدیر کے بغیر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا کوئی فائدہ مند نہیں۔ یہ عقیدہ تقدیر کی اہمیت علیٰ سبیل العموم ہے۔

تیسرا اصول یہ بتلایا کہ اس بات کا عقیدہ رکھو (اپنی ذات سے پیش آنے والے امور کے متعلق یہ بات سمجھائی کہ) جو چیز مجھ کو پہنچی

ہے وہ پہنچ کر رہے گی اور جو نہیں پہنچی وہ نہیں پہنچے گی۔ یعنی ہر چیز کا حصول و عدم حصول مقدر ہو چکا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی امر واقع ہو جائے تو سمجھ لینا کہ تقدیر میں ایسا ہی تھا۔ مزید بتلایا کہ اگر اس عقیدہ کے بغیر تمہاری موت آ گئی تو تم جہنم میں جاؤ گے۔ ابن اسد دیلمیؒ کہتے ہیں کہ میں مزید اطمینان کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس آیا انہوں نے بھی اسی طرح کہا اور پھر اور مزید اطمینان قلب کے لئے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے پاس آیا انہوں نے بھی اسی طرح کہا اور پھر میں حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس گیا۔ انہوں نے تو رگ کاٹ کے رکھ دی۔ یعنی انہوں نے اس کو مرفوع بیان کر دیا کہ حدثنی عن النبی مثل ذالک۔ فرق پہلے تین راویوں کے لحاظ سے موقوف قرار دیا اور زید بن ثابتؓ کے لحاظ سے مرفوع ہے۔ شبہ کیسے دور ہوا۔ علی سبیل التنزل اگر بالفرض والمحال ہم تسلیم کرلیں کہ تقدیر مجبر ہے مظہر نہیں تو پھر بھی اللہ کا یہ معاملہ بندوں کے ساتھ ظلم نہیں ہوگا۔ اگر وہ تمام لوگوں کو جہنم میں ڈالیں تو عین انصاف ہے باقی وسوسہ یہی تھا کہ جب جنتی و جہنمی مقدر ہو چکا تو پھر جہنمیوں کو جہنم میں ڈالنا ظلم ہے جس کا جواب دیا کہ یہ عین انصاف ہے کیونکہ یہ تصرف فی ملکہ ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو جائے تو اس کا علاج کرانا چاہئے۔ اور اگر کوئی مزید تسلی کے لئے کسی دوسرے کے پاس چلا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

وَعَنْ نَّافِعٍ اَنَّ رَجُلًا اَتَى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يَقْرَاُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَقَالَ اِنَّهٗ بَلَغَنِیْ اَنَّهٗ قَدْ
حضرت نافعؒ سے روایت ہے ایک آدمی ابن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا مجھے اس کے متعلق
اَحْدَثَ فَاِنْ كَانَ قَدْ اَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئْهُ مِنِّی السَّلَامَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
خبر پہنچی ہے کہ اس نے (دین میں) نئی بات نکالی ہے پس اگر اس نے بدعت نکالی ہے میرا اس کو سلام مت کہہ تحقیق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ اَوْفِیْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَسْفٌ وَّمَسْخٌ اَوْ قَذْفٌ فِیْ اَهْلِ الْقَدْرِ
سے سنا ہے فرماتے تھے میری امت میں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت میں دھنس جانا اور صورتوں کا تبدیل ہونا یا پتھروں کا برسنا ہوگا
رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ.
جو اہل قدر میں ہوگا۔ (ترمذی ابو داؤد ابن ماجہ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے)

تشریح: حاصل حدیث ایک شخص حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ فلاں آدمی آپ کو سلام کہہ رہا تھا (یعنی اس نے آ کر کسی آدمی کا سلام پیش کیا) ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے متعلق مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ بدعتی بن چکا ہے۔ یعنی اس نے دین کے اندر ایک ایسی چیز پیدا کر دی ہے جو دین نہیں مثلاً تقدیر کا انکار کر دیا۔ اس نے تو غیر دین کو دین بنا لیا ہے) اگر واقعی بدعتی بن گیا ہے تو اگر وہ تجھے مل جائے تو میری طرف سے اس کو سلام نہ کہنا یعنی یہ کہہ دینا کہ ابن عمرؓ نے آپ کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ بدعتی خصوصاً منکر تقدیر سلام کے جواب کا مستحق نہیں۔ کیونکہ سلام کا جواب تو اکرام ہے اور یہ اہانت کے مستحق ہیں۔ ان کے سلام کا جواب دینا بھی مباح ہے۔ ضروری نہیں ہے۔ آگے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ فرما رہے تھے میری امت میں خسف و مسخ اور آسمانوں سے کنکریوں کی بارش یہ منکرین تقدیر پر ہوگی۔ باقی حدیثوں کا تعارض کا جواب بھی گزر چکا یعنی یہ قضیہ شرطیہ ہے اگر بالفرض میری امت میں خسف و مسخ ہوگا تو وہ منکر تقدیر میں ہوگا اور یہ بالفصل وقوع کو مستلزم نہیں یا جن احادیث میں نفی آئی ہے اس سے مراد علی وجہ العموم ہے۔ یعنی عمومی طور پر یہ نہیں ہوگا اور جن میں اثبات ہے مطلب یہ ہے کہ جزوی طور پر وقوع ہو جائے گا اور یہ کوئی معارض نہیں۔ فی امتی او فی هذه الامة اس میں راوی کو شک ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فی امتی کہا یا فی هذه الامة کہا۔

وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ سَاَلَتْ خَدِيْجَةُ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَلَدَيْنِ مَا تَا لَهَا فِی الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا حضرت خدیجہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دو بچوں کے متعلق سوال کیا جو جاہلیت میں مر گئے تھے۔

يا محمد ان لا يصلي عليك احد من امتك الا صليت عليه عشرا ولا يسلم عليك احد من امتك الا سلمت عليه عشرا۔ (رواه النسائي والدارمي)

علیہ وسلم کہ تجھ پر درود نہ بھیجے تیری امت سے کوئی مگر رحمت بھیجوں دس بار اور نہیں کوئی سلام بھیجتا تیری امت میں سے مگر سلام بھیجتا ہوں اس پر دس بار۔ روایت کیا اس کو نسائی اور دارمی نے۔

٨٦٨/١١ وعن ابي بن كعب قال قلت يا رسول الله اني اكثر الصلوة عليك فكم اجعل لك من صلوتي فقال ما شئت قلت الربع قال ما شئت فان زدت فهو خير لك قلت النصف قال ما شئت فان زدت فهو خير لك قلت فالثلثين قال ما شئت فان زدت فهو خير لك قلت اجعل لك صلوتي كلها قال اذا تكفى همك ويكفر لك ذنبك۔ (رواه الترمذي)

حضرت ابی ابن کعب سے روایت ہے کہا میں نے کہا اے اللہ کے رسول میں بہت بھیجتا ہوں درود آپ پر پس کتنا مقرر کر دوں آپ کے واسطے اپنی دعا سے پس فرمایا جس قدر چاہے میں نے کہا چوتھائی فرمایا جس قدر چاہے تو پس اگر زیادہ کرے تو پس تیرے لیے وہ بہتر ہے میں نے کہا آدھا مقرر کر دوں فرمایا جس قدر تو چاہے پس اگر زیادہ کرے گا تو تیرے لیے وہ بہتر ہے پس میں نے کہا دو تہائی فرمایا جسقدر تو چاہے پس اگر تو زیادہ کریگا تو تیرے لیے بہتر ہے میں نے کہا مقرر کیا میں نے اپنا سارا وقت دعا کا آپ پر درود کیلئے فرمایا اب کفایت کیا جاوے گا تو اپنے غموں اور بخشے جاویں گے تیرے لیے تیرے گناہ (ترمذی)

٨٦٩/١٢ وعن فضالة بنت عبيد قال بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم قاعد اذ دخل رجل فصلى فقال اللهم اغفرلي وارحمني فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عجلت ايها المصلي اذا صليت فقعدت فاحمد الله بما هو اهله وصل علي ثم ادعه قال ثم صلى رجل اخر بعد ذلك فحمد الله وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم فقال له النبي صلى الله عليه وسلم ايها المصلي ادع تجب۔ رواه الترمذي وروى ابوداود والنسائي نحوه

حضرت فضالہ بنت عبید سے روایت ہے کہا اس وقت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوتے تھے ناگہاں ایک شخص آیا پس نماز پڑھی اور کہا یا الٰہی بخش مجھ کو اور مجھ پر رحم کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے جلدی کی اے نماز پڑھنے والے جس وقت پڑھے تو نماز پس بیٹھے پس تعریف کر اللہ کی ساتھ اس چیز کے کہ وہ اس کے لائق ہے اور درود بھیج مجھ پر اور مانگ اللہ سے جو چاہے۔ کہا راوی نے پھر ایک اور شخص نے نماز پڑھی اسکے بعد پس اللہ کی تعریف کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا پس آپ نے اس کے لیے فرمایا اے نماز پڑھنے والے دعا کر قبول کی جاوے گی روایت کیا اس کو ترمذی نے اور روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے اس کے مانند۔

٨٧٠/١٣ وعن عبد الله بن مسعود قال كنت اصلي والنبي صلى الله عليه وسلم وابوبكر وعمر معه فلما جلست بدأت بالثناء على الله ثم الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم ثم دعوت لنفسي فقال النبي صلى الله عليه وسلم سل تعطه سل تعطه۔ (رواه الترمذي)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہا کہ میں نماز پڑھتا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اور ابوبکر اور عمر ساتھ ان کے حاضر تھے پس جب بیٹھا میں شروع کی میں نے تعریف اللہ کی پھر درود بھیجا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر دعا کی میں نے اپنے لیے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگ دیا جاوے گا۔ مانگ دیا جاوے گا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تیسری فصل

٨٧١/١٤ عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سره ان يكتال بالمكيال الاوفى اذا صلى علينا اهل البيت فليقل اللهم صل على محمد

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کہ خوش لگے اس کو یہ کر دیا جاوے ثواب پورے پیمانہ سے جس وقت کہ بھیجے درود ہم پر کہ اہل بیت نبوت کے ہیں پس چاہیے کہ کہے اے اللہ رحمت

وَبِیْضًا مِّنْ نُّوْرٍ ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلٰی اٰدَمَ فَقَالَ اَیْ رَبِّ مَنْ ھٰؤُلَآءِ فَقَالَ ذُرِّیَّتُکَ فَرَاٰی رَجُلًا مِّنْھُمْ
آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھ دی۔ پھر انکو آدمؑ کے سامنے کیا اس نے کہا اے میرے پروردگار یہ کون لوگ ہیں فرمایا تیری اولاد ہے
فَاَعْجَبَهٗ وَبِیْصُ مَابَیْنَ عَیْنَیْهِ قَالَ اَیْ رَبِّ مَنْ ھٰذَا قَالَ دَاوٗدُ فَقَالَ اَیْ رَبِّ کَمْ جَعَلْتَ عُمْرَهٗ
پس ایک آدمی ان میں دیکھا اس کی آنکھوں کی چمک بہت بھلی معلوم ہوئی کہا اے میرے پروردگار یہ کون ہے فرمایا یہ داؤد ہے۔
قَالَ سِتِّیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ زِدْهُ مِنْ عُمْرِیْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
کہا اے پروردگار تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے فرمایا ساٹھ برس۔ کہا اے میرے رب میری عمر کے چالیس سال اس کی عمر میں زیادہ کردے۔
فَلَمَّا انْقَضٰی عُمْرُ اٰدَمَ اِلَّا اَرْبَعِیْنَ جَآءَهٗ مَلَکُ الْمَوْتِ فَقَالَ اٰدَمُ اَوَلَمْ یَبْقَ مِنْ عُمْرِیْ اَرْبَعُوْنَ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمؑ کی ساری عمر ختم ہوگئی اور چالیس برس رہ گئے اس کے پاس موت کا فرشتہ آیا آدمؑ نے کہا میری عمر کے چالیس
سَنَةً قَالَ اَوَلَمْ تُعْطِھَا ابْنَکَ دَاوٗدَ فَجَحَدَ اٰدَمُ فَجَحَدَتْ ذُرِّیَّتُهٗ وَنَسِیَ اٰدَمُ فَاَکَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ
سال نہیں باقی رہتے اس نے کہا کیا تو نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیئے تھے۔ آدمؑ نے انکار کردیا اس کی اولاد بھی انکار کرتی ہے۔ آدم بھول
فَنَسِیَتْ ذُرِّیَّتُهٗ وَ خَطَأَ اٰدَمُ وَخَطَأَتْ ذُرِّیَّتُهٗ. (رواه الجامع ترمذی)
گئے کھالیا اس کی اولاد بھی بھول جاتی ہے۔ آدمؑ نے خطا کی اس کی اولاد بھی خطا کرتی ہے۔

تشریح: حاصل حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب آدمؑ کو اللہ جل شانہٗ نے پیدا فرمایا تو مسح ظہر آدم فرمایا جس کے نتیجے میں قیامت تک جس ذی روح کو اللہ نے پیدا کرنا تھا۔ وہ سب کے سب حضرت آدمؑ کی پشت سے باہر گر پڑے۔ اور کیفیت یہ تھی پیشانی پر کچھ نور کی چمک تھی اور یہ نور کی چمک دراصل فطرة کی چمک تھی اس کے بعد تمام کو حضرت آدمؑ کے سامنے جمع کیا گیا اور انہوں (آدم) نے پوچھا یہ کون ہیں اے رب۔ تو اللہ نے فرمایا یہ تیری اولاد ہیں تو ان کی پیشانی میں نور کی چمک تھی وہ آدمؑ کو بہت اچھی لگی اور ایک کی تو بہت ہی زیادہ چمک رہی تھی وہ سب سے زیادہ اچھی لگی آدمؑ نے ان کے متعلق سوال کیا یہ کون ہے تو اللہ نے فرمایا یہ آپ کے بیٹے داؤد ہیں۔ (داؤد کا خصوصی تعارف ہوا) اس کے بعد فوراً پوچھا ان کی عمر کتنی ہے تو اللہ نے فرمایا ان کی عمر ۶۰ سال ہے حضرت آدمؑ نے فرمایا میری عمر جو مقدر ہے میری عمر میں سے چالیس سال ان کی عمر میں بڑھا دو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت آدمؑ کی عمر سے چالیس سال باقی تھی تو ملک الموت ان کے پاس گئے آدمؑ نے فرمایا کہ ابھی میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں ملک الموت نے عرض کیا کہ آپ نے وہ اپنے بیٹے حضرت داؤدؑ کو دے دیئے تھے تو حضرت آدمؑ نے انکار کردیا تو اس کا اثر ان کی اولاد میں بھی ہوگیا۔ خطاؤں کا ہونا' ذھول ہوجانا' بھول جانا یہ حضرت آدمؑ کی خطاؤں اور لغزشوں کا اثر ہے۔ باقی حضرت آدمؑ کو داؤدؑ کے نور کا زیادہ اچھا لگنا یہ افضلیت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ مناسبت خلافت کی وجہ سے تھا۔ جیسے حضرت آدمؑ کے بارے میں فرمایا گیا انی جاعل فی الارض خلیفة اور حضرت داؤدؑ کے بارے میں فرمایا گیا انا جعلناک خلیفةً فی الارض اور کسی چیز کا باعث تعجب ہونا تمام ماعدا سے افضلیت کو مستلزم نہیں۔

مسح ظہر یا تو کما یلیق شانہٗ یا پھر فرشتوں کو حکم دیا۔ باقی اللہ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا اور ایک میدان سماوی پر یہ کوئی محال نہیں ہے۔ شکلوں کے اعتبار سے انسان تھے اور جثہ کے اعتبار سے چیونٹی تھے۔

قولہ کل نسمة ھو۔ ھو ضمیر کا مرجع نسمة ہے بتاویل ذی روح کے۔ سوال۔ اس حدیث کے اندر یعنی ابتدا کتاب والی حدیث میں چالیس سال کا ذکر ہے اور مشکوٰۃ جلد ثانی کی حدیث میں ۶۰ سال کا ذکر ہے بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ اس کے مختلف جواب

دئے گئے۔ جواب (۱) ابتداء حضرت آدمؑ نے ۴۰ برس کا اضافہ فرمایا پھر شفقت کا غلبہ ہوا اور فرمایا ۲۰ سال اور اضافہ کردو ایک حدیث میں مجموعہ کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں اضافہ اولیٰ کا ذکر ہے۔ ابتداء کتاب میں اضافہ اولیٰ کا ذکر ہے اور آخر والی حدیث میں اضافہ ثانیہ کے ساتھ مجموعہ کا ذکر ہے لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ جواب (۲) ابتداوالی روایت زیادہ اصح ہے بنسبت آخر والی روایت کے۔

سوال کیا تقدیر میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے؟ جواب۔ یہ تغیر و تبدیلی مراتب کے لحاظ سے ہے علم ازلی کے اعتبار سے نہیں۔ یعنی اللہ کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ آدمؑ اور داؤدؑ کے درمیان یہ بات ہوگی اور آدمؑ نے داؤدؑ کو ساٹھ سال عمر دینی ہے۔ تو یہ تبدیلی ہمارے اعتبار سے ہے۔ اس جواب کی مزید تفصیل یہ ہے کہ تقدیر کے مراتب کئی ہیں۔

(۱) پہلا مرتبہ علم ازلی کا ہے۔ (۲) دوسرا مرتبہ کتابت لوح محفوظ کا ہے۔ (۳) تیسرا مرتبہ پشت میں سے اولاد کو نکال کر ان میں جنتیوں اور جہنمیوں کی تمیز کر دینا ہے۔ (۴) چوتھا مرتبہ تقدیر حولی کا ہے کہ سال میں جو امور ہونے والے ہیں ان کی اطلاع اور ان کا ظہور فرشتوں پر کر دیا جاتا ہے۔ (۵) تقدیر یومی کا ہے روزمرۃ کی حالت۔ (۶) چھٹا مرتبہ کتابت فی حالت الجنین پیشانی پر حالت جنین میں کتابت کا ہے وہ چھ مراتب میں سے جو پہلا مرتبہ ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ باقیوں میں ہمارے اعتبار سے تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ **کل یوم ھو فی شأن**۔ یہ بھی کوئی تقدیر کے منافی نہیں۔ باقی حضرت آدمؑ کا انکار قصداً نہیں تھا بلکہ ذھول کی وجہ سے تھا۔ یہ تاویل اس وجہ سے کرتے ہیں کہ عصمت انبیاء دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اس لئے اگر کسی مقام پر اس کے خلاف ہو تو اس کی مناسب تاویل کر لی جائے گی۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ حِیْنَ خَلَقَہٗ فَضَرَبَ کَتِفَہٗ
حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو پیدا کیا اس کے دائیں کندھے کو مارا اس سے سفید اولاد نکالی گویا
الْیُمْنٰی فَاَخْرَجَ ذُرِّیَّۃً بَیْضَآءَ کَاَنَّھُمُ الذَّرُّ وَ ضَرَبَ کَتِفَہُ الْیُسْرٰی فَاَخْرَجَ ذُرِّیَّۃً سَوْدَآءَ کَاَنَّھُمْ
کہ وہ چیونٹیاں ہیں پھر بائیں کندھے پر مارا اس کی سیاہ اولاد نکالی گویا کہ وہ کوئلہ ہیں۔ اس اولاد کیلئے کہا جو دائیں طرف تھی کہ یہ جنت میں جائیں گے اور
وَلَآ اُبَالِیْ. (رواہ مسند احمد بن حنبل)
میں پرواہ نہیں کرتا اور اس اولاد کیلئے کہا جو بائیں کندھے سے نکلی تھی یہ آگ میں جائیں گے میں پرواہ نہیں کرتا۔

تشریح: حاصل حدیث: اس میں ماقبل والا مضمون ہی ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو پیدا فرمایا۔ پیدا کرنے کے بعد اللہ نے اپنا ہاتھ آدم کے دائیں کندھے پر مارا تو اس کے نتیجے میں گورے رنگ والی اولاد نکلی گویا کہ وہ چیونٹیاں تھیں۔ یہ تشبیہ جثہ اور مقدار کے اعتبار سے ہے ورنہ ان کی شکلیں انسانوں والی تھیں اور پھر دوبارہ بائیں کندھے پر اپنا ہاتھ (کما یلیق بشانہ) مارا جس کے نتیجے میں سیاہ رنگ کی اولاد نکلی۔ اتنی سیاہ تھی گویا کہ وہ کوئلے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مخلوق کے متعلق جو دائیں کندھے سے نکلی تھی یعنی گوروں کے بارے میں فرمایا یہ جنتی ہیں **الی الجنۃ ای یذھبون ویدخلون الی الجنۃ**۔ یہ انجام کے لحاظ سے جنت میں جائیں گے اور میں پرواہ نہیں کرتا کہ ان کا اعزاز و اکرام کہاں سے ہو گا۔ اور ان کے بارے میں فرمایا جو بائیں کندھے سے نکلی تھی یعنی سیاہ رنگ والوں کے بارے میں فرمایا **الی النار ای یذھبون ویدخلون الی النار** وہ جہنمی ہیں انجام کے اعتبار سے۔ اور مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ یہ لوگ میرے خلاف کوئی سازش بنالیں یہ سوداء تھے انجام کے اعتبار سے۔

وَعَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَالُ لَہٗ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ دَخَلَ عَلَیْہِ
حضرت ابونضرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک آدمی ابوعبداللہ تھا اس کے دوست عیادت کرنے کیلئے
اَصْحَابُہٗ یَعُوْدُوْنَہٗ وَھُوَ یَبْکِیْ فَقَالُوْا لَہٗ مَا یُبْکِیْکَ اَلَمْ یَقُلْ لَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اس کے پاس گئے وہ رونے لگا انہوں نے کہا تو کیوں روتا ہے کیا تیرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تھا کہ اپنے لبوں کے بال

خُذْ مِنْ شَارِبِکَ ثُمَّ اَقِرَّہٗ حَتّٰی تَلْقَانِی قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
لے پھر اس پر ٹھہرا رہ حتیٰ کہ مجھ سے ملاقات کرے کہا کیوں نہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم
یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ قَبَضَ بِیَمِیْنِہٖ قَبْضَۃً وَّاُخْرٰی بِالْیَدِ الْاُخْرٰی وَقَالَ ھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ
فرماتے تھے اللہ تعالیٰ نے ایک مٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں لی ایک دوسرے ہاتھ میں دائیں ہاتھ والی کو کہا یہ جنتی ہیں اور دوسری کو کہا
وَلَا اُبَالِیْ وَلَآ اَدْرِیْ فِیْٓ اَیِّ الْقَبْضَتَیْنِ اَنَا. (رواہ مسند احمد بن حنبل)
یہ دوزخی اور میں پروا نہیں کرتا اور میں نہیں جانتا کہ میں کس مٹھی سے ہوں۔

تشریح: حاصل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ میں سے ایک صحابیؓ بیمار ہوگئے راوی کہتے ہیں مجھے نام تو معلوم نہیں ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی ابوعبداللہؓ کے ساتھی ان کے پاس ان کی بیمار پرسی کے لئے گئے جب یہ لوگ ان کے پاس پہنچے تو ابوعبداللہ نے رونا شروع کردیا۔ اس پر ان کے ساتھیوں نے کہا تم روتے کیوں ہو تمہیں معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے بارے میں کیا بشارت دی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے متعلق فرمایا تم اپنے لبوں کے بالوں کو لیتے رہو اور اسی پر مداومت اختیار کرو۔ یہاں تک کہ میرے ساتھ ملاقات ہوجائے یا فرمایا جنت میں ملاقات ہوجائے یا حوض کوثر پر ملاقات ہوجائے ملاقات تب ہوگی جب یعنی تم جنتی ہوگئے اور جنتی تب ہو گے جب حسن خاتمہ ہوگا۔ (یہ بشارت بالجنۃ آپؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی) حضرت ابوعبداللہؓ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قبضہ ایک ہاتھ میں لیا اور دوسرا قبضہ دوسرے ہاتھ میں لیا (اور فرمایا) ھذا لھذہ و ھذا لھذہ۔ دائیں ہاتھ والے جنت میں ہوں گے انجام کے اعتبار سے۔ اور بائیں ہاتھ والے جہنم میں ہوں گے انجام کے اعتبار سے۔ اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں کون سے قبضہ میں سے ہوں۔ اس چیز نے مجھے بے چین کر رکھا ہے۔ (فی ای القبضتین انا) اس کی وجہ سے میں مضطرب ہوں کہ میں کونسی مٹھی میں سے ہوں۔ نیز میرے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر مداومت اختیار کرنا یہ شرط لگائی تھی تو نامعلوم خاتمے تک میں اس پر برقرار رہ سکوں یا نہ رہ سکوں۔ چلو اس کو ہم تسلیم بھی کرلیں تو پھر جس قسم کی وہ مداومت مجھ سے لینا چاہتے تھے آیا اس قسم کی مداومت مجھ سے ہوئی ہے یا نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ شدت خوف کے وقت بشارت (بالجنۃ) کا ذھول ہوجاتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَخَذَ اللّٰہُ الْمِیْثَاقَ مِنْ ظَھْرِ اٰدَمَ بِنَعْمَانَ یَعْنِیْ
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میثاق آدم کی پشت سے نعمان یعنی عرفہ میں لیا تھا اس کی
عَرَفَۃَ فَاَخْرَجَ مِنْ صُلْبِہٖ کُلَّ ذُرِّیَّۃٍ ذَرَاَھَا فَنَثَرَھُمْ بَیْنَ یَدَیْہِ کَالذَّرِّ ثُمَّ کَلَّمَھُمْ قُبُلًا قَالَ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ
پشت سے اس کی کل ذریت جسے پیدا کرنا تھا نکالی اور اس کے سامنے چیونٹیوں کی مانند پھیلا دیا۔ پھر روبرو ان سے باتیں کیں
قَالُوْا بَلٰی شَھِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ اَوْتَقُوْلُوْا اِنَّمَآ اَشْرَکَ اٰبَآؤُنَا مِنْ
فرمایا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں سب نے کہا کیوں نہیں ہم گواہی دیتے ہیں قیامت کے دن یہ نہ کہنا کہ ہم اس سے غافل تھے یا یہ نہ کہنا کہ شرک ہمارے آباء نے کیا
قَبْلُ وَکُنَّا ذُرِّیَّۃً مِّنْ بَعْدِھِمْ اَفَتُھْلِکُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ. (رواہ مسند احمد بن حنبل، الاعراف ۱۷۲)
اور ہم اولاد تھے ان کی کیا تو ہم کو ہلاک کرے گا اس کے سبب جو باطل پرستوں نے کیا۔

تشریح: حاصل حدیث۔ اللہ نے ظہر آدمؑ سے پیدا ہونے والی اولاد سے عہد و پیمان لیا پھر صلب آدمؑ سے تمام مخلوق و ذریت جس نے پیدا ہونا تھا۔ اس کا اخراج ہوا اور پھر ان کو اللہ نے آدمؑ کے سامنے بکھیر دیا اور یہ مثل چیونٹی کے تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سے

آمنے سامنے کلام کی اور اس کلام کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

الست بربکم قالوابلیٰ شهدنا ان تقولوا یوم القیٰمة انا کنا عن هذا غافلین الآیة.

قوله' کلمهم قبلا. سوال:۔ قرآن مجید کی آیت **ماکان لبشران یکلمه الله الا وحیاً او من وراء حجاب** ۔(الایۃ) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بغیر حجاب کے کلام ہو ہی نہیں سکتا اور اس حدیث میں فرمایا گیا کہ آمنے سامنے کلام ہوا۔ جواب۔ آیت کا مدلول یہ ہے کہ اس عالم دنیا میں آنے کے بعد بلاحجاب کلام نہیں ہوسکتا اور حدیث میں عالم ارواح کے اندر کلام کا ذکر ہے۔ امتناع عالم دنیا کے اعتبار سے ہے اور اولا دذریہ کا اللہ سے کلام کرنا آمنے سامنے یہ عالم ارواح کے اعتبار سے تھا۔ عالم تبدیل ہوگئے لھذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ قَالَ
حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں کہ جب تیرے رب نے آدمؑ کے بیٹوں سے ان کی پشتوں سے ان کی
جَمَعَھُمْ فَجَعَلَھُمْ اَزْوَاجًا ثُمَّ صَوَّرَھُمْ فَاسْتَنْطَقَھُمْ فَتَکَلَّمُوْا ثُمَّ اَخَذَ عَلَیْھِمُ الْعَھْدَ وَالْمِیْثَاقَ
اولاد نکالی راوی نے کہا ان سب کو جمع کیا ان کو قسم قسم بنا دیا پھر انکو صورت بخشی پھر ان کو گویا کیا سب بولے پھر ان سے عہد اور میثاق لیا اور ان کو انکی
وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ فَاِنِّیْٓ اُشْھِدُ عَلَیْکُمُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ
جانوں پر گواہ بنایا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں انہوں نے کہا کیوں نہیں فرمایا میں تم پر ساتوں آسمانوں ساتوں زمینوں اور تمہارے باپ آدمؑ کو
وَالْاَرَضِیْنَ السَّبْعَ وَاُشْھِدُ عَلَیْکُمْ اَبَاکُمْ اٰدَمَ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَمْ نَعْلَمْ بِھٰذَا اِعْلَمُوْٓا اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ
گواہ بناتا ہوں کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی پروردگار نہیں میرے ساتھ
غَیْرِیْ وَلَا رَبَّ غَیْرِیْ وَلَا تُشْرِکُوْا بِیْ شَیْئًا اِنِّیْ سَاُرْسِلُ اِلَیْکُمْ رُسُلِیْ یُذَکِّرُوْنَکُمْ عَھْدِیْ
کسی کو شریک نہ کرنا میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا وہ میرا عہد اور میثاق تمہیں یاد کرائیں گے میں اپنی کتاب تم پر نازل کروں گا انہوں نے
وَمِیْثَاقِیْ وَاُنْزِلُ عَلَیْکُمْ کُتُبِیْ قَالُوْا شَھِدْنَا بِاَنَّکَ رَبُّنَا وَاِلٰھُنَا لَا رَبَّ لَنَا غَیْرُکَ وَلَا اِلٰہَ لَنَا غَیْرُکَ
کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا پروردگار اور ہمارا معبود ہے تیرے سوا ہمارا کوئی پروردگار نہیں اور نہ کوئی معبود ہے انہوں نے اس بات کا اقرار کیا
فَاَقَرُّوْا بِذٰلِکَ وَرُفِعَ عَلَیْھِمْ اٰدَمُ یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ فَرَاَی الْغَنِیَّ وَالْفَقِیْرَ وَ حَسَنَ الصُّوْرَةِ وَدُوْنَ ذٰلِکَ
آدمؑ ان پر بلند کئے گئے وہ ان کو دیکھتے تھے۔ انہوں نے غنی فقیر خوبصورت اور بدصورت سب کو دیکھا کہا اے میرے رب تو نے اپنے بندوں کو
فَقَالَ رَبِّ لَوْ لَا سَوَّیْتَ بَیْنَ عِبَادِکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَحْبَبْتُ اَنْ اُشْکَرَ وَرَاَی الْاَنْبِیَآءَ فِیْھِمْ مِثْلَ السُّرُجِ
ایک جیسا کیوں پیدا نہیں کیا۔ فرمایا میں پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے انبیاء کو ان میں دیکھا وہ ان میں چراغوں کی مانند ہیں ان پر ایک
عَلَیْھِمُ النُّوْرُ خُصُّوْا بِمِیْثَاقٍ اٰخَرَ فِی الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ وَھُوَ قَوْلُہٗ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ
خاص قسم کا نور ہے رسالت ونبوت کے متعلق ان سے ایک الگ عہد لیا گیا جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے اور جب ہم نے نبیوں سے وعدہ لیا
النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ اِلٰی قَوْلِہٖ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ کَانَ فِیْ تِلْکَ الْاَرْوَاحِ فَاَرْسَلَہٗ اِلٰی مَرْیَمَ عَلَیْھَا السَّلَامُ
اللہ تعالیٰ کے فرمان عیسیٰ بن مریمؑ تک حضرت عیسیٰؑ بھی ان روحوں میں تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت مریم کی طرف بھیج دیا ابی سے
فَحُدِّثَ عَنْ اُبَیٍّ اَنَّہٗ دَخَلَ مِنْ فِیْھَا. (رواہ مسند احمد بن حنبل)
حدیث بیان کی گئی ہے کہ ان کی روح مریمؑ کے منہ کی طرف سے داخل ہوئی۔

تشریح: حاصل حدیث: واذاخذ ربک من بنی الخ (لآیۃ) کی تفسیر اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔اور یہ تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ اس تفسیر کو وہ اپنے خیال اور اپنی رائے سے بیان نہیں کر سکتے لامحالہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوگی۔باقی اس آیت کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ جب اللہ نے عہد و پیمان لینے کا ارادہ کیا تو اللہ نے آدم کو ذاا قسام مختلف قسموں میں پیدا کیا اور پھر ان کی مختلف صورتیں بنائیں اور ان کو قوت گویائی عطا فرمائی اس کے بعد اللہ نے ان سے کلام کی اور عہد و پیمان لیا۔جو الست بربکم میں مذکور ہے۔پھر اس کے بعد اللہ نے فرمایا میں ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو تم پر گواہ بناتا ہوں اور تمہارے ابا جان حضرت آدمؑ کو بھی تم پر گواہ بناتا ہوں کہ تا کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہمیں تو پتہ بھی نہیں۔جان لو تم اس بات کو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میرے سوا کوئی تمہارا رب نہیں اور تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور میں تمہارے پاس اس عہد کو یاد دلانے کے لئے اپنے رسولوں کو بھیجتا رہوں گا جو تم کو اس عہد و پیمان کی یاد دہانی کرائیں گے۔اور انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے میں تم پر کتابوں کو نازل کروں گا اس پر انہوں نے دوبارہ اقرار دیا کہ آپ ہمارے معبود ہیں اور رب ہیں اور آپ کے سوا کوئی رب اور معبود نہیں ہے پھر آدمؑ کے سامنے ان کو کھڑا کر دیا۔حضرت آدمؑ نے بعض کو غنی اور بعض کو فقیر بعض کو اچھی صورت والا اور بعض کو بدصورت والا دیکھا تو حضرت آدمؑ نے عدم التسویہ کی حکمت پوچھی اللہ نے فرمایا تا کہ ہر شخص میرا شکر یہ ادا کرتا رہے اور پھر انبیاء علیہم السلام کو دیکھا جن کی خاص شان تھی ان کے چہروں پر نور غالب تھے جو نور چراغوں کی طرح تھے۔تو انبیاء علیہم السلام سے بھی خاص عہد لیا گیا یعنی نبوت و رسالت کا عہد یعنی جو نبوت و رسالت تمہیں ملے گی اس کے تمام امور آگے امت تک پہنچانے ہیں جس کا ذکر یہ قرآن پاک میں و اذاخذنا من النبیین میثاقھم ہے اس کے بعد نتیجے کے طور پر فرمایا عیسیٰؑ کی خاص شان ہے کہ عالم ارواح میں حضرت عیسیٰؑ کی روح کے ماسوا تمام روحوں کو خاص خاص شکلیں عطا کی گئی تھیں لیکن روح عیسیٰؑ یہ جسم میں متمثل نہیں تھی شاید اس وجہ سے کہ ان میں روحانیت غالب تھی اس کے بعد راوی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی روح حضرت مریم کے منہ کی جانب سے داخل ہوئی۔

پہلا مسئلہ سوال۔الست بربکم ۔یہ اقرار میثاق قولی تھا یا محض تمثیلی تھا؟

جواب: جمہور کے نزدیک یہ قولی تھا محض تمثیلی نہیں تھا۔

دوسرا مسئلہ۔اس میثاق اور اقرار ربوبیت سے مقصود اور اس میں حکمت کیا ہے۔

جواب: حکمت دین اور توحید کو فطری بنانا تھا یہی وجہ ہے کہ اگر دنیا میں آنے کے بعد عوارض نہ پائے جائیں تو انسان توحید کو اختیار کرتا ہے۔

تیسرا مسئلہ۔سوال۔جب وہاں سب نے اقرار کر لیا تھا تو دنیا میں آنے کے بعد تقسیم کیوں ہوئی۔جواب بعض نے وہاں پر اقرار طوعاً کیا اور بعض نے کرہاً کیا۔جنہوں نے طوعاً و کرھاً کیا انہوں نے دنیا میں آنے کے بعد اور اختیار کے ملنے بعد کفر کو اختیار کر لیا۔سوال وہاں پر طوعاً و کرھاً اقرار میں تفاوت کیوں ہوا؟ جواب جن پر اللہ کے لطف و جمال کی تجلی پڑی انہوں نے طوعاً اقرار کیا اور جن پر قہر و جلال کی تجلی پڑی انہوں نے کرھاً کیا۔سوال یہ تقسیم کیوں شروع ہوگئی۔ایسا کیوں ہوا؟

جواب: لایسئل عما یفعل وھم یسئلون۔

سوال: ہمیں تو یاد نہیں کہ ہم نے اقرار کیا ہو؟

جواب۔(۱) عدم تذکر عدم وجود کی دلیل نہیں۔عدم تذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں جیسے بچپن میں تعلیم کی کیفیات کوئی نہیں بتلا سکتا کہ کیسے الف ب پڑھی کیسے استاذ نے ہاتھ پکڑ کے الف ب لکھنا سکھلایا۔باوجود اس کے کہ اس کو یقین ہے کہ ان کیفیات سے گزرے ہیں

جواب: (۲) یہ عدم تذکر اکثر افراد کے اعتبار سے ہے ہر ہر فرد کے اعتبار سے نہیں چنانچہ اللہ کے بعض بندوں (صوفیاء) کے لحاظ سے عدم تذکر پایا ہی نہیں جاتا۔

قولہ' سارسل الیکم رسلی۔یہ حکایت حال ماضی ہے۔یعنی اسی وقت اللہ نے عالم ارواح میں بتلا دیا تھا کہ میں تمہاری طرف انبیاء اور رسول بھیجتا رہوں گا۔(یہ معنے نہیں میرے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد رسول آتے رہیں گے) یہ عالم ارواح کی حکایت ہے کہ

تمہیں یاددہانی کے لئے (اقرار ربوبیت کی) رسول آتے رہیں گے۔

باقی آدمؑ نے تسویہ کے بارے میں سوال کیا۔ کہ یہ فقیر غنی اور (کالے اور گورے) خوبصورت اور بدصورت کے تسویہ کے بارے میں سوال کیا کہ ان کو برابر کیوں نہیں بنایا اور یہ سوال بطور اعتراض کے نہیں تھا بلکہ حکمت عدم تسویہ کے بارے میں سوال تھا۔ جواب میں اللہ نے حکمت یہ بتلائی کہ تا کہ میرا شکر یہ ادا کرتے رہیں۔ مختلف طریقوں سے جو کچھ ہے اس کو نعمت سمجھ کر مالدار شکر ادا کرے گا کہ یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے مالدار بنایا اور فقیر کہے گا یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے مجھ کو مال کے فتنے سے محفوظ رکھا نہ معلوم مجھ سے اس کے فرائض پورے ہوتے یا نہ ہوتے۔ خوبصورت کہے گا یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے اچھی صورت عطا کی۔ اور بدصورت کہے گا یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے خوبصورت شکل کی وجہ سے جو لوگوں کے ذہن میں خیالات اور گناہ پیدا ہوتا ہے ان سے محفوظ رکھا۔ مختلف طریقوں سے شکر ادا کرتے رہیں۔ اسی وجہ سے ان کے درمیان میں نے تسویہ نہیں کیا۔ جیسے باغیچہ کے اندر اگر ایک قسم کے پھول ہوں تو زیادہ اچھا نہیں لگتا۔ لیکن مختلف قسم کے پھولوں سے باغیچہ خوبصورت لگتا ہے۔ باقی عوام سے اللہ نے ایک عہد لیا لیکن انبیاء سے دو عہد لئے۔ (۱) اقرار ربوبیت (۲) اقرار نبوت ورسالت کہ تم نے میری بات پوری امت تک پہنچانی ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَتَذَا كَرُمَا یَكُوْنُ اِذْقَالَ
حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہا ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے اور ہم آئندہ ہونیوالی چیز کا تذکرہ کررہے تھے۔
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهٖ فَصَدِّقُوْهُ وَاِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ
اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ایک پہاڑ کے متعلق سنو۔ وہ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے اس کو سچ مان لو اور جب
تَغَیَّرَ عَنْ خُلُقِهٖ فَلَا تُصَدِّقُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ یَصِیْرُ اِلٰی مَاجُبِلَ عَلَیْهِ. (رواه مسند احمد بن حنبل)
تم سنو کہ کوئی آدمی اپنی خلق سے بدل گیا ہے اس کو سچ نہ مانو کیونکہ وہ اس چیز کی طرف ہو جاتا ہے جس پر پیدا کیا گیا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث: ہر چیز مقدر ہو چکی ہے حتیٰ کہ اخلاق بھی مقدر ہو چکے ہیں ہر شخص وہی اخلاق اختیار کرتا ہے جو اس کے حق میں مقدر ہو چکے ہیں چنانچہ ایک مثال کے ذریعہ تشبیہ المعقول بالمحسوس کے ذریعہ سمجھایا کہ اگر تم کو کوئی یہ خبر دے کہ پہاڑ اپنی جگہ ہٹ چکا ہے منتقل ہو چکا ہے تو تم اس کی تصدیق کر سکتے ہو اور اگر تم کو کوئی کسی شخص کے اخلاق کے تبدیلی کی خبر دے تو تم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ اخلاق مقدرہ ہو چکے ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبیہ میں پہاڑ کو پیش کیا۔ یہ تشبیہ درست نہیں اس لئے کہ مشبہ بہ جبل کی تبدیلی تو ممکن ہے بہت سارے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں اور مشبہ اخلاق مقدرہ میں تو تبدیلی ممکن نہیں۔ یہ تشبیہ کیسے؟

جواب: چونکہ عرف میں پہاڑ کا اپنی جگہ سے ہلنا اور ہٹ جانا مستبعد سمجھا جاتا ہے لہذا تشبیہ عرف کے اعتبار سے ہے۔ زوال وتغیر وتبدیلی جبل عقلاً اگرچہ ممکن ہے مگر عرفاً مستبعد ہے لہٰذا یہ تشبیہ عقل کے اعتبار سے نہیں بلکہ عرف کے اعتبار سے ہے اور اس کا مستبعد ہونا تشبیہ کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

سوال: حدیث میں آیا اخلاق مقدر ہو چکے ہیں اخلاق میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور صوفیاء کہتے ہیں ہاتھوں میں ہاتھ دو ہاتھوں میں ہاتھ دو اپنے اخلاق درست کرو۔ صوفیاء کی کاوشوں کا حاصل یہ ہے کہ اپنے اخلاق سنوارو اس سے بڑے بڑے بدمعاش بھی نیک بن جاتے ہیں'' قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل کیا ہے لاریب فیه اور لاریب فیه کی دلیل کیا ہے۔ هدیً للمتقین۔ هدیً للمتقین کا معنی یہ ہے بگڑے ہوئے انسانوں کے اخلاق کو سنوارنا اور سوال ہوگا کہ کافروں نے بھی سنا ہے ان میں تبدیلی کیوں نہیں ہوتی۔ کافروں نے نہیں سنا۔ دلیل وقال الذین کفروا لاتسمعوا لهذا القرآن سوال منافقین نے گو سنا تھا جواب مگر اپنی اصلاح کی نیت سے نہیں سنا تھا سمعون لقوم آخرین اعتراض الغرض دوسری احادیث میں آتا ہے کہ اخلاص کو سنوارو اس حدیث سے تو معلوم ہوگا کہ اخلاق مقدر ہو چکے ہیں ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی بظاہر تعارض ہے۔

جواب: تبدیلی اخلاق دو قسم پر ہے۔(۱) تبدیلی ذاتی۔(۲) تبدیلی وصفی۔تبدیلی ذاتی یہ ہے کہ بالکل مادہ ہی ختم ہو جائے۔جبن کا مادہ ہی بالکل ختم ہو جائے اور شجاعت آ جائے۔غضب کا مادہ ختم ہو کر شفقت آ جائے۔بخل ختم ہو کر جود آ جائے۔اور تبدیلی وصفی یہ ہے کہ متعلقات کے اندر تبدیلی ہو جائے غضب کے متعلقات بدل جائیں اس کی مثال حضرت عمرؓ کہ اسلام سے پہلے غضب کے سارے متعلقات ساری کوششیں اسلام کے خلاف ہوتی تھیں لیکن اسلام لانے کے بعد وہ غضب باقی رہا لیکن متعلقات بدل گئے اب کفر کے خلاف شروع ہو گئے۔فرمانے لگے آؤ جس نے اپنے بچے یتیم کرانے ہوں۔آئے وہ جس نے اپنی بیوی کو بیوہ کرانا ہو وغیرہ۔اسی طرح بخل کے متعلقات بدل جائیں اصلاح سے پہلے بخل صحیح مصارف میں خرچ کرنے سے اور اصلاح تبدیلی کے بعد غلط مصارف میں خرچ کرنے سے بخل ہوتا ہے۔اب ہم کہتے ہیں کہ حدیث کا مدلول یہ ہے کہ اخلاق میں تبدیلی ذاتی نہیں ہوتی اور جن نصوص میں حکم دیا گیا کہ اخلاق میں تبدیلی کہ اخلاق سنوار لو تو اس سے مراد یہ ہے کہ متعلقات سنوار و متعلقات تبدیل کرو۔صوفیاء کی تربیت سے تبدیلی وصفی ہوتی ہے ذاتی نہیں۔

بعنوان آخر حضرت تھانوی فرماتے ہیں چیزیں دو ہیں۔ ۱-ازالہ ۲-امالہ۔

اخلاق کا ازالہ نہیں ہوتا انکا امالہ ہوتا ہے۔حدیث کا مدلول یہ ہے کہ ازالہ نہیں ہوتا اور صوفیاء کہتے ہیں امالہ ہوتا ہے۔

بعنوان ثالث اخلاق دو قسم پر ہیں (۱) اخلاق مبرمہ (۲) اخلاق معلقہ۔مبرمہ۔علم ازلی کے اعتبار سے اور معلقہ ان کان کذا یکون کذا اگر وہ ایسا کرے گا تو یوں ہو جائے گا۔وغیرہ وغیرہ مثال کے طور پر اگر فلاں سے تعلق جوڑا تو اچھی تربیت ہو جائے گی۔یہ کام کیا یہ اخلاق ہوں گے وغیرہ حدیث کا مدلول یہ ہے کہ اخلاق مبرمہ میں تبدیلی نہیں ہوتی اور صوفیاء کے مجاہدوں اور کاوشوں سے جو تبدیلی ہوتی ہے وہ اخلاق معلقہ میں ہوتی ہے۔اچھی صحبت اختیار کی تو اچھے اخلاق اور اگر بری صحبت اختیار کی تو برے اخلاق ہوں گے۔

سوال: یہ تقسیم تو اضطراب کا باعث بنے گی۔ جواب: اسباب کو اختیار کرنے کے بعد جو کچھ واقع ہو جائے اس کے بعد یہ عقیدہ رکھنا کہ میرے حق میں یہی اسباب مقدر تھے۔(۱) نیز یہ تبدیلی بھی ہمارے اعتبار سے ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَا يَزَالُ يُصِيْبُكَ فِيْ كُلِّ عَامٍ وَجَعٌ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ الَّتِيْ اَكَلْتَ
حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے اس نے کہا اے اللہ کے رسول ہمیشہ ہر سال زہر ڈالی ہوئی بکری کھانے کی وجہ سے بیماری آپ کو پہنچتی ہے فرمایا جو تکلیف
قَالَ مَآ اَصَابَنِيْ شَيْءٌ مِنْهَا اِلَّا وَهُوَ مَكْتُوْبٌ عَلَيَّ وَاٰدَمُ فِيْ طِيْنَتِهٖ. (رواہ ابن ماجۃ)
مجھے پہنچتی ہے وہ میرے لئے لکھ دی گئی تھی اور ابھی آدم اپنی مٹی میں تھے۔

تشریح: حاصل حدیث خیبر سے واپسی کے موقع پر ایک یہودیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی۔کھانا کھلایا اور دعوت کے کھانے میں زہر ملایا ہوا اس وقت اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بذریعہ وحی بتلا دیا تھا لیکن اس وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ مبارک سے قئی کر دی تھی اور کچھ نہ کچھ اثر باقی رہا جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال تکلیف ہوتی تھی۔صحابہؓ نے بھی یہ گوشت کھایا تھا جس کی وجہ سے بعض صحابہ شہید بھی ہو گئے تھے چنانچہ اس زہر کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ظاہر ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت کا مرتبہ حاصل ہو جائے۔الغرض حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ کو شاۃ مسمومہ کے اکل کی وجہ سے ہر سال تکلیف ہوتی ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں مجھے کسی چیز نے بھی ضرر نہیں پہنچایا مگر وہ جو لکھا جا چکا ہے۔اس وقت سے لکھا جا چکا جب کہ آدم کا ابھی جسم عنصری بھی نہیں بنا تھا۔یہ فرمانا بھی تقریب الی الفهم کے لئے تھا۔ورنہ علم ازلی ہی سے اس کا کھانا مقدر ہو چکا ہے۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ کا تکلیف کی نسبت شاۃ مسمومہ کے اکل کی طرف کرنا عرفاً صحیح تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بجائے تقدیر ازلی کی طرف نسبت فرمائی تا کہ حضرت ام سلمہؓ اور آنے والی امت اس کو موثر حقیقی نہ سمجھ لے۔واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ اِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ
عذاب قبر کے ثبوت کا بیان

سوال۔ یہ باب قائم کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

جواب۔ منکرین عذاب قبر پر صراحۃً رد کرنے کیلئے مستقل باب قائم کیا۔ نیز اس کی اہمیت کو بیان کرنے کیلئے مصنف نے مستقل باب قائم کیا۔

سوال۔ عذاب قبر کی طرح راحت قبر بھی تو حق ہے۔ تو لہذا باب اثبات عذاب القبر وراحتہ ہونا چاہئے تھا۔

جواب-۱: جلب منفعت سے دفع مضرت زیادہ اہم ہے ۔ دفع مضرت یعنی عذاب قبر سے بچنا یہ بھی ایک راحت ہے۔

جواب-۲: یہ ذکر الخاص ارادۃ العام کی قبیل سے ہے۔ یعنی عذاب قبر کو ذکر کر کے احوال قبر مراد لیا۔ احوال قبر عام از یں عذاب کی قبیل سے ہوں یا راحت کی قبیل سے ہوں عام ہے۔

جواب-۳: معطوف بمع حرف عطف کے محذوف ہے اصل عبارت میں اس طرح تھا باب اثبات عذاب القبر و راحتہ۔ جیسے شرح جامی کے شروع میں ہے وبدأ بتعريف الكلمة والكلام اور آگے معطوف بمع حرف عطف کے محذوف ہے و بتقسيمها الخ۔

سوال۔ عذاب قبر کے منکرین کون لوگ ہیں اور ان میں کیا مذاہب ہیں۔ جواب: تقریباً چھ مذاہب بیان کئے گئے ہیں۔

مذہب اول۔ مطلقاً عذاب قبر ثابت نہیں۔ مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ نہ مومنین کے حق میں عذاب قبر ثابت ہے اور نہ کفار کے حق میں عذاب قبر ثابت ہے چنانچہ معتزلہ اور خوارج کا بھی یہی مذہب ہے ان میں سے بعض کے نام کی بھی تصریح کی گئی مثلاً ضرار ابن عمرو اور مریسی کا مذہب بھی یہی ہے۔

دوسرا مذہب۔ عذاب قبر صرف کفار کے حق میں ثابت ہے مومنین کے حق میں ثابت نہیں نہیں یہ بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔

تیسرا مذہب۔ عذاب قبر مطلقاً حق ہے۔ مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ کفار اور مومنین دونوں کے حق میں ثابت ہے۔ (مومنین سے مراد فاسق وفاجر ہیں) لیکن عذاب قبر صرف روح کو ہوگا۔

چوتھا مذہب:۔ مطلقاً عذاب قبر حق ہے لیکن عذاب صرف جسم کو ہوگا روح کو نہیں ہوگا۔

پانچواں مذہب۔ مطلقاً عذاب قبر حق ہے اور عذاب کا تعلق دونوں کے ساتھ ہے مومنین و کفار کے ساتھ مگر میت کو اس کا احساس صرف مابين النفحتين ہی میں ہوگا نہ اس سے قبل اور نہ اس کے بعد ہوگا۔

چھٹا مذہب:۔ اہل سنت والجماعت کا مذہب۔ کہ مطلقاً عذاب قبر حق ہے اور اس کا تعلق دونوں کے ساتھ ہوگا نیز روح مع الجسد کو عذاب ہوگا اور میت کو عذاب قبر کا احساس مطلقاً ہے کوئی مابين النفحتين کی تخصیص نہیں۔

فریق مخالف کے مذاہب کا بطلان معتزلہ کا مذہب احادیث متعلقہ بعذاب القبر کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور دوسرا مذہب بھی اسی وجہ سے باطل ہے اور تیسرا اور چوتھا مذہب بھی باطل ہے خیالی میں لکھا ہے کہ یہ محض مستبط ہے کہ جسم جماد ہو روح نہ ہو اور پھر متاثر ہو یہ نہیں ہو سکتا لہذا یہ عقلاً ونقلاً باطل ہوا۔

اہلسنت والجماعت کے دلائل۔ دلائل قرآنی بھی ہیں اور احادیث بھی ہیں۔

قرآن کی آیتیں (۱) النار يعرضون عليها غدواً و عشيا و يوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب طریق استدلال اس پر اجماع ہے کہ اس کا مصداق اموات ہیں احیاء نہیں مردے ہیں زندہ نہیں اور یوم تقوم الساعۃ کا عطف ہو رہا ہے النار

یعرضون پر۔اور قاعدہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ کے درمیان تغایر ہوتا ہے فرعونیوں پر جو صبح وشام آگ پیش کی جاتی تھی وہ کون سا عذاب ہے۔دنیا کا عذاب مراد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس پر اجماع ہو چکا کہ یہ آیت مردوں کے بارے میں ہے اور آخرت کا عذاب بھی مراد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اگر یہ مراد ہو تو معطوف اور معطوف علیہ میں تغایر باقی نہیں رہے گا لامحالہ اس سے مراد عذاب قبر ہے

(۲) دوسری آیت کریمہ **یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخر** قول ثابت سے مراد کلمہ توحید ہے۔اور تثبیت فی الآخرۃ سے مراد یہ ہے کہ قبر کے اندر منکر نکیر کے سوالات کے جوابات کی توفیق کامل جانا۔اس سے مفہوم مخالف کے طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر منکر نکیر کے سوالات کے جوابات کی توفیق نہ ملنا یہی تو عذاب ہے کیونکہ جب جواب نہیں ملے گا تو فوراً سزا ملے گی ۔

دوسری دلیل:۔ وہ احادیث (ہیں کہ علم کلام کے متکلمین فرماتے ہیں) جن کا قدر مشترک بدرجہ شہرت کو پہنچا ہوا ہے بلکہ تواتر معنوی کے درجے تک پہنچا ہوا ہے (یہ ابن ہمام نے کہا ہے) مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے دونوں کو عذاب ہو رہا تھا ایک کو چغلخوری کی وجہ سے اور دوسرے کو پیشاب سے کماینبغی نہ بچنے کی وجہ سے نیز یہ دونوں مسلمان تھے تو معلوم ہوا کہ عذاب قبر حق ہے۔

سوال۔عذاب قبر کے آثار نمایاں نہیں ہوتے۔اگر عذاب قبر ہوتا تو مشاہدہ ہوتا حالانکہ اگر قبر کھول کر دیکھا جائے تو بسا اوقات کوئی تغیر وتبدیلی نہیں ہوتی تو خلاف مشاہدہ چیز کو کیسے مان لیا جائے۔

جواب:۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جو دکھائی نہیں دیتیں مگر ان کا وجود ہوتا ہے مثلاً پھول میں خوشبو ہے مگر دکھائی نہیں دیتی اور دودھ میں مکھن ہے مگر دکھائی نہیں دیتا اسی طرح عذاب قبر ہوتا ہے تو مگر دکھائی نہیں دیتا۔اگر محسوس ہو جائے اگر دکھا دیا جائے تو ایمان بالغیب باقی نہیں رہے گا۔حواس قائم نہ رہیں نظام درہم برہم ہو جائے یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ نائم شخص خواب دیکھتا ہے خواب میں اچھی چیز دیکھے تو فرحت وخوشی محسوس کرتا ہے اور اگر بری چیز دیکھے تو غمی محسوس کرتا ہے تو نائم شخص احوال سے متاثر ہوتا ہے خوشی ہو یا غمی حتیٰ کہ بسا اوقات بعد میں بھی اس کے اثرات محسوس کرتا ہے لیکن جس نے خواب کبھی دیکھا ہی نہ ہو اس کو سمجھایا جائے تو وہ انکار کرے گا لامحالہ اس سے کہا جائے گا تو اس مقام پر پہنچے گا تو تجھے پتہ چل جائے گا حتیٰ کہ پہلو میں لیٹے ہوئے شخص کو بھی اس کے احوال کا پتہ نہیں چلتا حالانکہ وہ تو لذت وفرحت وغمی محسوس کر رہا ہے۔

سوال: جو پانی میں ڈوب گیا اور جو جانوروں کے پیٹ میں چلا گیا یا جلا دیا گیا اس کو عذاب کیسے ہوگا۔

جواب: اس میں دو مقدمے مسلمات میں سے ہیں۔(۱) حق جل شانہ کا علم کامل ہے۔جمیع کلیات وجزئیات کو محیط ہے کوئی بھی چیز اللہ کے دائرہ علم سے باہر نہیں۔میت کے اجزاء جہاں کہیں بھی ہوں وہ اللہ کے علم میں ہیں۔(۲) باری تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے (قدرت خداوندی کاملہ ہے) لہٰذا بحکم مقدمہ اولیٰ میت کے اجزاء جہاں ہیں وہ اللہ کے علم میں ہیں اور بحکم مقدمہ ثانیہ اپنی قدرت کاملہ سے ان کو جمع کر کے بیک وقت عذاب دے سکتے ہیں یا ہر جز کو وہیں عذاب دے سکتے ہیں۔

سوال: اگر جانور کے پیٹ میں ہے اور اللہ عذاب دیتے ہیں تو جانور کو بدکنا چاہئے اس کو متاثر ہونا چاہئے۔

جواب: مریض کے پیٹ میں کیڑے ہیں لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں آپ کو پتہ کچھ نہیں جانور کے پیٹ میں عذاب دینا بھی ایسے ہی ہے۔ اللہ کی ذات قادر ہے اس بات پر کہ جانور کے پیٹ میں میت کو عذاب دیں اور جانور کو پتہ تک نہ چلے۔میت معذب ہو اور جانور متاثر بھی نہ ہو۔

سوال: اس پر کیا دلیل ہے کہ عذاب قبر روح مع الجسد کو ہوتا ہے۔

جواب: وہ احادیث جن کا تعلق عذاب قبر سے ہے ان کے اندر ایسی صفات ذکر کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب روح مع الجسد کو ہوتا ہے مثلاً ایک حدیث میں اقعاد اور اجلاس کا ذکر ہے (اٹھانا بٹھانا) تو یہ جسم کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا تو معلوم ہوا کہ عذاب روح مع الجسد کو ہوگا نیز عقل کا تقاضا بھی یہی ہے۔حضرت انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ''اگر طبیعت سلیمہ ہو تو عام آدمی کی عقل میں وہ بات آجاتی ہے جو بڑے بڑے عقلاء کے ذہن میں بھی نہیں آتی''۔

واقعہ-۱: اس پر ایک واقعہ سناتے ہیں کہ میری عمر چار سال کی تھی اپنے وطن دستی میں دو شخص کو میں نے دیکھا کہ دو شخص جھگڑ پڑے آیا عذاب قبر روح کو ہوتا ہے یا جسم کو تو طے یہ ہوا کہ دونوں کو عذاب ہوگا انہوں نے مثال یہ پیش کی کہ ایک لنگڑا اور ایک اندھا شخص ہیں وہ دونوں باغ میں گئے اب پھل توڑ کر کھانے تھے اندھے کو تو کچھ نظر نہیں آتا وہ کیسے توڑے اور جو لنگڑا ہے وہ پھل تک پہنچ نہیں سکتا اگر چہ اس کو نظر آتا ہے اندھے نے کہا میں تمہاری سواری بنتا ہوں تم میرے کندھے پر بیٹھو اور تم اس کو توڑو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب مالک کو شکایت پہنچی تو دونوں کو گرفتار کر لیا پوچھا گیا تو اندھے نے کہا کہ میں نے نہیں توڑا میں نے نہیں توڑ لنگڑا کہنے لگا سارا کرتوت اسی کا ہے اس نے مجھے کندھے پر اٹھایا ہے۔ الغرض مالک کس کو سزا دے گا۔ دونوں مجرم ہیں دونوں کو سزا دے گا۔ بالکل اسی طرح روح اور جسم دونوں مجرم ہیں اس لئے عذاب دونوں کو ہوگا۔ علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بیس تیس سال کے عرصے کے بعد تفسیر قرطبی میں دیکھا حضرت ابن عباسؓ سے بعینہ یہی مثال مذکور تھی اس لئے یہ جملہ فرمایا کہ اگر طبیعت سلیمہ ہو تو عام آدمی کی عقل میں وہ بات آجاتی ہے جو بڑے بڑے عقلاء کی عقل میں بھی نہیں آتی۔ یہ جھگڑنے والے عام دیہاتی لوگ تھے۔ مگر مثال کیسی دی (مزید اگر واقعات دیکھنے ہوں تو ڈاکٹر نور احمد نور کے چشم دید واقعات احوال قبر سے متعلق الخیر کے رسالہ میں شائع ہوئے تھے اس میں دیکھ لو) مثلاً ان میں سے ایک واقعہ یہ سناتے ہیں کہ ہماری تبلیغی جماعت بغہ کے علاقہ میں گئی۔ (یہ ہزارہ کے علاقہ میں ہے) جہاں علامہ غلام غوث ہزارویؒ رہتے تھے ان کے ہاتھوں پر لوہے کی سلاخوں کے نشانات پڑے ہوئے تھے۔ لوہے کی سلاخیں گرم کر کے ان کے ہاتھوں پر لگائی جاتی تھیں) ان دنوں میں ۶۵ء کی جنگ لگی ہوئی تھی اور اسلحہ قبرستان میں چھپایا ہوا تھا اور وہاں ایک فوجی اس کی حفاظت کر رہا تھا وہ فوجی اپنا واقعہ بتلاتا ہے کہ ایک قبر میں سے ٹک ٹک کی آواز آرہی تھی میں نے سمجھا کہ کوئی جاسوس چھپا ہوا ہے۔ تو جب میں قبر کے پاس آیا اور اس میں دیکھا تو ایک چھوٹا سا جانور ہے اور وہ پیٹ کو بار بار ڈستا ہے اس کی وجہ سے وہ آواز آرہی تھی مجھے اس پر ترس آیا میں نے اس کو اپنی بندوق کے بٹ کے ساتھ اس کو ہٹایا تو وہ میری طرف متوجہ ہو گیا میری طرف گھورنے لگا میں ڈر کے مارے پیچھے ہو گیا پھر مجھے ترس آیا پھر میں نے اس کو مارا تو وہ فوراً میرے پیچھے لگ گیا۔ میں آگے آگے اور وہ میرے پیچھے یہاں تک کہ میں ایک نہر کے اندر داخل ہوا وہ جانور جو پرندہ کی شکل میں تھا میرے پیچھے آرہا ہے۔ میں نے ابھی نہر کو عبور نہیں کیا تھا کہ اچانک اس نے اپنا منہ نہر میں ڈال دیا تو فوراً نہر کا پانی ابلنے لگا۔ اور میری ٹانگیں پانی میں تھیں جس کا اثر یہ ہوا کہ میری پنڈلیوں کا گوشت فوراً گرنا شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ صرف ہڈیاں بچ گئیں چونکہ میں سرکاری فوجی تھا اس لئے مجھے علاج کے لئے امریکہ بھیجا گیا مگر پنڈلیوں پر گوشت واپس نہ آیا۔ یہ واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر حق ہے۔

واقعہ-۲: ۔ڈیرہ غازی خان میں ایک نہر کھودی جا رہی تھی اور نہر کھدوانے والا میرا (ڈاکٹر) کا دوست تھا اور وہ عذاب قبر کا منکر تھا۔ نہر کے کھودنے والے مزدور ایک دن ایک جگہ جمع ہیں اور وہ افسر آیا اس نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے کیوں کھڑے ہو انہوں نے بتلایا کہ ہم نے ۵۰ فٹ نیچے نہر کھودی ہے اور اس کے نیچے ہم دیکھتے ہیں ایک پتھر ہے اور پتھر کے نیچے ایک سیب نما پھل رکھا ہوا ہے اور میت کے منہ کے اوپر ہے اور وقفہ وقفہ سے ایک ایک قطرہ گرتا ہے اس کے منہ میں جاتا ہے اور وہ میت تازہ پھل کا جوس پی رہا ہے۔ تو افسر نے دیکھا واقعی ایسا ہی تھا۔ تو اس وقت اس نے یقین کر لیا کہ واقعی عذاب قبر اور رحمت قبر حق ہے۔ یہ کوئی شہید ہوگا اس لئے وہ (اس کی میت) تر و تازہ پڑی تھی تو معلوم ہوا کہ شہداء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور بتایا گیا کہ یہ کئی سالوں کی قبر ہے یہ واقعات وقتاً فوقتاً خرق عادت کے طور پر حقانیت اور صداقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ عذاب قبر حق ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ اِذَا سُئِلَ فِي
حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان سے جس وقت
الْقَبْرِ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ
قبر میں سوال کیا جاتا ہے کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے
الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (ابراھیم پ۱۳ رکوع ۱۶) وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
کہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو ثابت رکھتا ہے محکم بات کے ساتھ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی ایک روایت میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ يُقَالُ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ
نے فرمایا آیت کریمہ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت عذاب قبر کے متعلق اتری ہے۔ اسے قبر میں کہا جاتا ہے تیرا رب کون ہے۔
فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ وَنَبِيِّيْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور میرا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مسلمان قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس سے سوال کیا جاتا ہے اپنی قبر میں تو وہ گواہی دیتا ہے اس بات کی کہ لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ اور یہی مصداق ہے اللہ کے فرمان کا۔ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الآخرۃ (الایۃ) اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت (الآیۃ) عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کو کہا جائے گا من ربک وہ کہے گا ربی اللہ نبیی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوال: المسلم کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر سے سوالات نہیں ہوں گے۔　جواب:۔ یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ کافروں سے بھی سوالات ہوں گے۔ المسلم کے ذکر کرنے سے مقصود صرف مسلمانوں کے احوال فی القبر کو بیان کرنا ہے۔

سوال۔ مسئول بہ کا ذکر نہیں۔　جواب: وہ دوسری نصوص میں موجود ہیں مسئولہ بہ تین چیزیں ہیں۔ من ربک من نبیک مادینک ان تینوں کا جواب شہادت میں آ گیا ہے۔ لا الہ الا اللہ (شہادت توحید) پہلے سوال کا جواب ہے اور محمد رسول اللہ (شہادت رسالت) دوسرے سوال کا جواب ہے اور دونوں کا مجموعہ تیسرے سوال کا جواب ہے

فلذالک قولہ تعالیٰ۔ یہاں مضاف محذوف ہے ای فمصداق ذالک قولہ' تثبیت فی الآخرۃ کا مطلب یہ ہے کہ قبر کے اندر منکر نکیر کے سوالات کے جوابات کی توفیق کامل جانا۔

سوال: اس آیت میں کہیں بھی عذاب قبر کا ذکر نہیں ہے۔　جواب (۱): اس آیت کریمہ کے مفہوم مخالف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو مومنین نہیں ان کو جوابات کی توفیق نہیں ملے گی۔ جب توفیق نہیں تو سزا ملے گی۔ یہی تو عذاب قبر ہے۔

جواب (۲): یہ آیت احوال قبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ نزلت ای ھٰذہ الآیۃ نزلت فی عذاب القبر۔

سوال: اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ میت سے ایک ہی سوال ہوگا۔　جواب۔ ایک کا ذکر ہے باقیوں کی نفی نہیں۔

سوال: ونبیُّ محمدٌ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مذکورہ سوال کا جواب ہے۔

جواب: یہاں پر سوال محذوف ہے من نبیک جس کا جواب مذکور ہے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم باقی ایک سوال رہ گیا مادینک جواب۔ ماعدا کی نفی مقصود بلکہ بعض کا ذکر دوسری احادیث میں مذکور ہے۔

سوال: آیا ان منکر نکیر کے سوالات میں عموم ہے یا تخصیص ہے ہر ایک سے سوال ہوگا یا کسی کی تخصیص ہے۔

جواب۔ اس میں دوقول ہیں پہلا قول عموم والا ہے اور دوسرا قول تخصیص والا ہے قول ثانی جمہور کا قول یہ ہے کہ تخصیص ہے انبیآء اور اطفال المسلمین اور امت کے بعض خوش نصیب لوگ صلحاء اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی یہ عام مخصوص منہ البعض کی قبیل سے ہے اور یہی راجح قول ہے شرح عقائد کے مصنف مولانا عمر نسفیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب ان کی وفات ہوگئی شاگرد نے خواب میں ان کو دیکھا کہ منکر نکیر کا معاملہ جو مولانا کے ساتھ پیش آیا تھا وہ یہ کہ منکر نکیر مولانا کے پاس آئے اور انہوں نے سوال کیا تو مولانا عمر نسفیؒ نے کہا میں تمہارے سوال کا جواب عربی نظم میں دوں یا عربی نثر میں تو انہوں نے اختیار دے دیا اس پر عمر نسفیؒ نے اپنے جواب کو عربی نظم میں پیش کیا اور پوری نظم شاگرد کو سنائی اور وہ پوری نظم شاگرد کو یاد ہوگئی اور وہ نظم شائع ہو چکی ہے۔

مولانا ادریس کاندھلوی نے بھی ایک نظم تیار کی ہے اور اپنے ساتھیوں کو فرماتے تم سے جب سوال ہوگا قبر میں تو تم میری نظم میں جواب دینا۔ معلوم ہوا کہ عربی کی فکر نہیں کرنی چاہئے وہاں خود بخود آ جائے گی یہ سوال و جواب عربی میں ہوں گے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِىْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰى عَنْهُ اَصْحَابُهٗ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق بندہ جس وقت قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس لوٹتے

وَاِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِىْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ

ہیں وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں۔ اس کو بٹھلاتے ہیں اور کہتے ہیں اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَيُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ

متعلق تو کیا کہتا تھا۔ مومن شخص کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اسے کہا جاتا ہے اپنے دوزخ کے

اَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّةِ فَيَرٰهُمَا جَمِيْعًا وَّاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِىْ

ٹھکانے کو دیکھ اللہ تعالیٰ نے جنت کے ٹھکانے سے تبدیل کر دیا ہے وہ ان دونوں کو دیکھتا ہے اور منافق اور کافر کیلئے کہا جاتا ہے کہ تو اس شخص کے

هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِىْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَهٗ لَادَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ

متعلق کیا کہتا تھا۔ پس وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا جو کچھ لوگ کہتے تھے میں بھی کہتا تھا۔ پس کہا جاتا ہے نہ تو نے جانا نہ پڑھا۔ لوہے کے گرزوں سے

مِنْ حَدِيْدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَّسْمَعُهَا مَنْ يَّلِيْهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِىِّ)

اسے مارا جاتا ہے وہ چلاتا ہے جسے اس کے نزدیک جنوں انسانوں کے سوا سب سنتے ہیں۔ (متفق علیہ اور لفظ بخاری کے ہیں)

تشریح: حدیث کے ابتدائی حصے کے اندر یہ بات مذکور ہے کہ میت کو جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کو دفنانے کے بعد اس کو دفن کرنے والے ساتھی واپس لوٹتے تو وہ میت و مردہ ان کے جوتوں کی آواز کو سن رہا ہوتا ہے اسی اثناء میں اس کے پاس دو فرشتے سوال و جواب آتے ہیں۔ اس حدیث کے تحت یہ مسئلہ آیا کہ (سماع موتی حق ہے یا نہیں)

مسئلہ سماع موتی: اس مسئلے میں معتد بہ تین مذاہب ہیں (موجودہ زمانے میں معرکۃ الآراء ہے)

(۱) پہلا مذہب مطلقاً سماع موتی حق ہے۔ یعنی ہر مردہ ہر بات ہر وقت میں سنتا ہے نہ تو شخص دون شخص کی تخصیص ہے اور نہ کلام دون کلام کی تخصیص ہے اور نہ وقت دون وقت کی تخصیص ہے۔ (۲) دوسرا مذہب: سالبہ کلیہ کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے کہ مطلقاً سماع حق نہیں۔ یعنی کوئی مردہ کوئی بات کسی وقت میں نہیں سنتا۔ نہ تو شخص دون شخص کی تخصیص اور نہ کلام دون کلام کی تخصیص اور نہ وقت دون وقت کی تخصیص ہے تمام میں نفی ہے۔ (۳) تیسرا مذہب: سماع فی الجملہ۔ یعنی جس مردے کو جو بات جس وقت اللہ تعالیٰ سنانا چاہیں وہ سنتا ہے یعنی جن مواقع میں نصوص کے اندر سماع موتی کی تصریح ہو چکی ہے ان میں سماع کا قول کیا جائے اور اس کو تسلیم کیا جائے اور جن مواقع میں نصوص سے سماع کی تصریح ثابت نہیں ان کے بارے میں وہاں سکوت اختیار کرنا چاہیئے۔

دلائل: ۔قول اول والوں کی دلیل یہی حدیث حدیث قرع النعال ہے۔

فریق مخالف کی طرف سے اس دلیل کا جواب: یہ تو سماع جزئی ہے ایک جزئی سے کلی کے احکام ثابت نہیں ہوتے اس کے لئے جزئیات کثیرہ کا ہونا ضروری ہے لہذا امر جزئی کے اثبات سے امر کلی کا اثبات نہیں ہوسکتا۔

قول ثانی والوں کی دلیل۔ فانک لاتسمع الموتی ولاتسمع الصم الدعآ. ومآانت بمسمع (الآیۃ) فریق مخالف کی طرف سے اس دلیل کا جواب: ۔یہاں سماع کی نفی نہیں اسماع کی نفی ہے (۲) معنی کنائی مراد ہے۔ حقیقی معنی سماع کا مراد نہیں (اسماع نافع کی نفی ہے)

قول ثالث والوں کی دلیل۔ حضرت نانوتویؒ نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے اس عالم میں واقع ہونے والے حوادثات (امور) دو قسم پر ہیں۔ (۱) ماتحت الاسباب (۲) مافوق الاسباب۔ (۱) ماتحت الاسباب۔ مثلاً رائی مرئی کے درمیان معتدبہ مسافت ہے آپ مجھے دیکھ رہے ہیں میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ اسباب کے تحت ہے اور مافوق الاسباب مثلاً معتدبہ مسافت ہے سامع اور مسموع کے درمیان یعنی دیوار کے پیچھے کوئی یہ کہے کہ میں دیوار کے پیچھے جو شخص بیٹھا ہے میں اس کو دیکھ رہا ہوں اور ایک کراچی میں بیٹھا ہے اور ایک شخص ملتان بیٹھا ہے اور دونوں ایک دوسرے کی باتیں سن رہے ہیں یہ مافوق الاسباب ہے۔ جیسے حضرت عمرؓ مدینہ میں ہیں اور ساریۃ الجبل مدینہ سے کتنا ہے وہ حضرت عمرؓ کو دکھائی دے رہا ہے اور فرما رہے ہیں یا ساریۃ الجبل۔......... الغرض ضابطہ یہ ہے کہ جو امور ماتحت الاسباب ہیں وہ دلائل کے محتاج نہیں اور جو امور مافوق الاسباب ہیں ان کے لئے دلائل کی ضرورت ہے۔ میت کا اس عالم سے چلے جانے کے بعد اس عالم کی بات کو سن لینا یہ مافوق الاسباب ہے ماتحت الاسباب نہیں۔ لہذا دلیل جن مواقع میں نصوص سے سماع کی تصریح ہو چکی ہے ان مواقع میں سماع کا قول کیا جائے اور جہاں جہاں دلائل نہیں سماع کی تصریح موجود نہیں وہاں سکوت اختیار کیا جائے۔

مسئلہ مشی بالنعال

آیا قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا جائز ہے یا نہیں۔ اس بارے میں دو قول ہیں

پہلا قول: جائز نہیں۔ معتزلہ کا یہی مذہب ہے۔ دوسرا قول: جمہور کا مذہب یہ ہے قبرستان میں جوتے پہن کر چلنا جائز ہے۔

دلیل۔ حدیث باب دلیل ہے۔ جن حدیث میں قبرستان میں جوتا پہننے کی ممانعت آئی ہے۔ جواب وہ کسی امر آخر یا امر عارض کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی مثلاً وہ یہ ہے کہ وہ بطور افتخار اور تکبر سے چلنے کی وجہ سے ممانعت فرمائی یا جوتے کے ساتھ گندگی لگی ہوئی تھی اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی۔

حدیث کا دوسرا حصہ: قولہٗ فیقعدانہ۔ وہ دو فرشتے آتے ہیں۔ میت کو بٹھاتے ہیں ان دو فرشتوں میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے اس لئے کہ ان کی شکل ڈراؤنی ہوتی ہے۔

سوال۔ ماقبل میں یہ بات گزر چکی کہ قعود اور جلوس میں فرق ہے یا نہیں۔ ایک قول ترادف کا ہے اور دوسرا قول فرق کا ہے وہ یہ کہ اگر قیام سے بیٹھنا ہو تو اس کے لئے قعود کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر اضطجاع لیٹے ہوئے ہوں اٹھ کر بیٹھیں مذکورہ ضابطہ کی بناء پر اس کے لئے

جلوس کا لفظ بولتے ہیں۔ مذکورہ ضابطہ کی بناء پر یہاں مناسب جلوس کا لفظ تھا نہ کہ قعود کا یہ اشکال دوسرے قول پر ہے۔

جواب-۱: یہ روایت بالمعنی کی قبیل سے ہے۔

جواب-۲: یہ مذکورہ ضابطہ اس وقت ہے کہ جب قعود و جلوس دونوں ایک عبارت میں اکٹھے ہو جائیں اور اگر ایک ہی لفظ مذکور ہو تو وہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اذا اجتمعا افترقا. و اذاافترقا اجتمعا. لہٰذا اس صورت میں اس کو روایت بالمعنی پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں۔ قوله فیقولان۔الخ وہ فرشتے پوچھتے ہیں اس رجل کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔

قوله لمحمد صلی الله علیه وسلم یہ هذا اسم اشارہ کے مشار الیہ کی تعیین کا بیان ہے اور یہ راوی کا کلام ہے۔فرشتوں کا کلام نہیں۔ اس رجل کا مصداق محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سوال۔ فرشتے ایسا کلام جو تعظیم پر دلالت نہیں کرتا ایسا کلام کیوں ذکر کرتے ہیں۔ عبارت دالة علی التعظیمی بلکہ وہ الفاظ جو تعظیم پر دلالت کرتے ہیں ان کو ذکر کرنا چاہئے جواب۔ غیر تعظیمی الفاظ اس لئے ذکر کرتے ہیں تا کہ مسئول کا پورا پورا امتحان ہو سکے۔ سوال کی عبارت سے (کے لفظوں) جواب اخذ نہ کر سکے۔

سوال: ھذا اسم اشارہ ہے مشار الیہ کے لئے چار وصفوں کا ہونا ضروری ہے۔ (۱) موجود ہو معدوم نہ ہو۔ (۲) محسوس ہو۔ حواس کے ذریعہ سے اس کا احساس ہو سکتا ہے (۳) بالبصر ہو آنکھوں سے دیکھا جا سکے۔ (۴) فی الخارج متعین ہو۔

ماتقول فی هذاالرجل ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر میت کے پاس حاضر ناظر ہوتے ہیں بریلوی کہتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کے پاس موجود ہیں تو زندوں کے پاس موجود کیوں نہیں ہو سکتے۔

واقعہ: قاضی صاحب کا خادم غیر مقلد تھا (گوپال شہر)۔

نواب صدیق حسن خان کے بارے میں قاضی ایوب کے خادم نے خواب دیکھا کہ ہم بہت سارے آدمی جمع ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود ہیں تو اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نواب صدیق حسن خان کو فرمایا کہ نماز پڑھاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے نواب صاحب کو آگے کیا۔ صبح کو یہ خادم خوش خوش اٹھا۔ قاضی صاحب نے پوچھا کیا بات ہے تو اس نے پھر خواب سنایا قاضی صاحب نے کہا واقعی نواب صاحب نماز کے لئے آگے کئے گئے۔ یہ خواب آیا ہے اس نے کہا جی ہاں۔ تو اس کی تعبیر یہ بتلائی کہ قاضی صاحب نے نواب صدیق حسن خان فوت ہو چکے ہیں چنانچہ ان کی تعبیر صحیح نکلی۔ بعد میں اس خادم نے تعبیر اور خواب کے درمیان مناسبت پوچھی تو قاضی صاحب نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں میت آگے ہو سکتا ہے زندہ نہیں نہیں۔ اس لئے یہ تعبیر میں نے دی۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر ناظر موجود ہیں۔

جواب-۱: کلام عرب کے اندر کبھی کبھی معہود فی الذہن متصور فی الذہن چیز کو ھذا کا مشار الیہ بنا دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی چونکہ ہر موذن کے ذہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں اس وجہ سے مشار الیہ بنا دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم عنصری ہر میت کے پاس موجود ہوتا ہے باقی اس کے نظائر بھی موجود ہیں۔

پہلی مثال: بخاری شریف کی روایت حدیث جبرئیل میں ہے۔ جب سائل مجلس سے چلے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ یہ کون تھا تو صحابہؓ کے انکار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھذا جبرئیل ۔ جبرئیل تو اس وقت مجلس سے جا چکے تھے۔ معہود فی الذہن ہونے کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ھذا کا مشار الیہ رجل (جبرئیل) بنا کر فرمایا ھذا جبرئیل اتاکم الخ۔

دوسری مثال: حدیث وفد عبدالقیس میں ہے۔ وفد عبدالقیس کے لوگوں نے کہا ھذا الحی من کفار مضر۔ کیا اس وقت کفار مضر

موجود تھے نہیں ان کو معہود فی الذہن ہونے کی وجہ سے ہذا کا مشار الیہ بنایا گیا۔

تیسری مثال: حدیث اعطاء العلین میں حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا "ھولاء الناس من ورائی یہ الفاظ ہیں اس میں اگرچہ ھذا کا لفظ نہیں مگر ھولاء اسم اشارہ تو ہے۔ کیا تمام صحابہؓ اس وقت موجود نہیں تھے صرف مقصود فی الذہن ہونے کی وجہ سے ان کو ھولاء کا مشار الیہ بنایا گیا۔

چوتھی مثال: بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ مکہ سے دور رہتے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں سنتے ہیں اور تحقیق حال کے لئے اپنے بھائی کو مکہ کی طرف بھیجتے ہیں اور فرماتے ہیں ارکب الی ھذا لوادی۔ کیا مکہ اس وقت ان کے سامنے تھا نہیں صرف معہود فی الذہن ہونے کی وجہ سے مشار الیہ بنایا گیا۔

پانچویں مثال: حضرت معاویہؓ ملک شام سے حضرت حسنؓ کی طرف اپنے دو قاصدوں کو روانہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں اذھبا الی ھذا الرجل کیا حضرت حسنؓ سامنے تھے نہیں بلکہ وہ تو مدینہ منورہ میں تھے صرف معہود فی الذہن ہونے کی وجہ سے ہذا کا مشار الیہ بنایا گیا۔

تو ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ کلام عرب کے اندر مشار الیہ کے معہود فی الذہن ہونے کی وجہ سے بھی ھذا کا مشار الیہ بنا دیا جاتا ہے۔ خود دشمن بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اگر ان کی عبارت کا عربی میں ترجمہ کیا جائے تو ان کا ترجمہ ہذا بنتا ہے۔ مثلاً اہل بدعت کے پیشوا لیڈر اور قائد احمد رضا خان خود اپنی کتاب "حسام الحرمین" میں حضرت تھانویؒ کی کتاب "حفظ الایمان" پر تنقید کرتے ہوئے "کاش یہ ظالم" کے الفاظ لکھتا ہے۔ اسی طرح "کوکب" میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے بارے میں یہی الفاظ لکھتا ہے "کاش یہ ظالم" اور لفظ یہ کا ترجمہ عربی میں ہذا ہے۔ کیا یہ لوگ حاضر ناظر تھے۔ کیا اس کے سامنے یہ موجود تھے نہیں۔ فقط معہود فی الذہن ہونے کی بناء پر ہذا کا مشار الیہ بنایا گیا۔

جواب-۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مثالیہ پیش کر دی جاتی ہے ہر میت کے سامنے اور صور مثالیہ میں تعدد ہو سکتا ہے اور اب تو یہ تعدد کوئی مستبعد نہیں رہا۔ مثلاً ملک کا وزیر اعظم ایک جگہ بیٹھا ہے خطاب کرتا ہے لیکن اس کی صورت کئی صورت مثالیہ بن جاتی ہیں پورے ملک میں اس کی صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ بس اسی طرح صورت مثالیہ کو مشار الیہ بنا دیا جاتا ہے۔ لیکن جمہور کہتے ہیں کہ اس پر نقل سے کوئی تائید حاصل نہیں۔

جواب-۳: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور میت کے درمیان جو حجابات ہوتے ہیں وہ اٹھا دیئے جاتے ہیں۔ جیسے معراج کے واقعے میں بیت المقدس دکھایا گیا صحابہ کرامؓ پوچھتے جاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ دیکھ کر بتاتے جاتے۔ محققین نے اس قول کو بھی پسند نہیں کیا۔ دلائل وشواہد کے نہ ہونے کی وجہ سے الراجح ھو الاول۔ یہی وجہ ہے کہ سوال کرنے کے بعد جب میت جواب دیگی تو وہ کہے گی ھو عبداللہ و رسولہٗ غائب کو ذکر کرے گا۔ باقی یہاں ایک مختصر سوال کا ذکر ہے کہ باقی دو سوالات کا تذکرہ نہیں کیا اس کا جواب دیا کہ ایک سوال کے ذکر کرنے باقی دو سوال وجواب کی نفی نہیں۔

قولہٗ من النار فی النار کے معنے میں ہے فیقول پس ان دونوں میں سے ہر ایک کہے گا۔

حدیث کے دوسرے حصے کا حاصل یہ ہے کہ فرشتے سوال کریں گے تو میت اگر مومن ہے تو وہ کہے گی اشھد انہ عبداللہ و رسولہٗ تو اس کو کہا جائے گا تو دیکھ اپنے جہنم کے ٹھکانے کی طرف اللہ نے اس کو جنت کی جگہ تبدیل کر دیا ہے تو وہ شخص ان دونوں کو دیکھے گا اور منافق اور کافر سے سوال کیا جائے گا ما تقول فی ھذا الرجل۔ تو وہ جواب دیں گے لا ادری یعنی ان میں سے ہر ایک یہی کہے گا میں وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے تھے۔ منافق کہے گا یعنی جو مومنین کہتے تھے میں بھی وہی کہتا ہوں۔ یہ صرف بچنے کیلئے کہے گا۔ یا جو لوگ کہتے ہیں یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے تھے میں بھی وہی کہتا ہوں۔ اس کو کہا جائے گا لا دریت و لا تلیت لادریت. نہ تو نے خود سمجھا لا تلیت اور نہ تو نے سمجھ کر دوسرے کی بات مانی۔

یا تلیت اصل میں تلاوت سے ہے۔ ای تلوت تو نے قرآن کی تلاوت کر کے کچھ سمجھا پھر سوال ہوگا کہ تلوت سے تلیت کیسے ہوگا۔ پڑوس میں واقع ہونیکی وجہ سے تلیت ہوگا۔ جیسے لا خزائی و لا ندائی پڑوس کی رعایت کرتے ہوئے ندائی پڑھا گیا ہے۔ الغرض نہ خود تجھے سمجھ حاصل تھی اور نہ سمجھ والوں کی تقلید کی۔

مطارق ہتھوڑا۔ اس کے بعد اس شخص کو لوہے کے ہتھوڑوں کے ساتھ مارا جائے گا۔ پس وہ چیخے گا اس کی چیخ کو ثقلین کے علاوہ سب سنتے ہیں۔

قولہ' من یلیه کی قید واقعی ہے کوئی احتراز مقصود نہیں ہے۔

سوال: عذاب کا مشاہدہ تو نہیں ہوتا۔ جواب۔ اگر مشاہدہ ہو جائے تو ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔ اگر اس کا مشاہدہ ہو جائے تو حواس گم ہو جائیں۔ ہوش و حواس باختہ ہو جائیں لوگ آبادی چھوڑ کر جنگل میں اپنا ٹھکانہ بنانے لگ جائیں۔ اس لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اللہ مجھے اتنا خوف عطا فرما جتنا کہ میرے درمیان اور معصیت کے درمیان حائل ہو۔

سوال: اس حدیث سے مسلم کامل کا حال بھی معلوم ہوا اور کافر و منافق کا حال بھی معلوم ہوا مگر مومن فاسق و فاجر کا حال معلوم نہیں ہوا۔

جواب: قول اول۔ مومن فاسق و فاجر کا حال جواب میں مومن کامل کی طرح ہوگا اور بشارتوں میں فراخی قبر میں اور جنت کی خوشبو میں فرق ہوگا۔

قول ثانی ان چیزوں میں بھی فاسق و فاجر مومن مطیع کی طرح ہوگا۔

سوال: دونوں میں کوئی فرق تو نہ رہا۔ جواب فرق احساس کے اعتبار سے ہوگا یا کیفیات کے اعتبار سے ہوگا۔ جنت کا دروازہ کھولنے سے جنتی خوشبو اور نورانیت مومن کامل کو محسوس ہوگی اتنی نورانیت فاسق و فاجر مومن کو محسوس نہیں ہوگی بلکہ کم ہوگی۔

قولہ' من یلیه۔ سوال دوسری احادیث میں آتا ہے اس کی آواز مشرق و مغرب والے (مخلوق) سنتے ہیں۔ جواب یہ قید احترازی نہیں واقعی ہے۔

سوال: اس حدیث میں ثقلین کے علاوہ کا ذکر ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ آواز سنی تھی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ثقلین میں سے ہیں۔

جواب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور معجزے کے سنا تھا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا
حضرت عبداللہؓ بن عمر سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جس وقت
مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ
مرتا ہے صبح و شام اس کا ٹھکانہ اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اگر جنتی ہے تو جنتیوں کا ٹھکانہ اور اگر دوزخی ہے
النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
تو دوزخیوں کا ٹھکانہ اور کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف تجھے اٹھائے گا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ جب کوئی شخص مرتا ہے تو اس پر قبر میں صبح شام اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے اگر وہ جنتیوں میں سے ہو اس کو جنت کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اگر جہنمیوں میں سے ہو جہنم کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اس کو کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن تجھ کو اس ٹھکانہ کی طرف اللہ بھیج دیں۔

سوال۔ معروض علیہ کیا چیز ہے۔ جواب روح مع الجسد۔ سوال جنت و دوزخ کیوں پیش کی جاتی ہے؟ جواب تاکہ خوش قسمتوں کی فرحت و مسرت بڑھ جائے اور بدقسمتوں کی حسرت میں اضافہ ہو۔ سوال۔ صبح و شام میت کے حق میں تو متحقق ہی نہیں ہو سکتی تو پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ صبح و شام ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے؟ جواب۔ مراد ان اوقات میں (ہے) یعنی اس دنیا کے اعتبار سے جو وقت ہے وہ مراد ہے یہاں پر عبارت میں اختصار ہے اصل میں عبارت یوں ہے۔ **ان كان الميت من اهل الجنة فعرض عليه مقعدمن مقاعد الجنة وان كان من اهل النار فعرض مقعدمن مقاعد اهل النار**۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا اَعَاذَكِ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت اس کے پاس آئی عذاب قبر کا اس نے ذکر کیا۔ اس نے حضرت عائشہؓ کو کہا
اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَاَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ
اللہ تجھے قبر کے عذاب سے بچائے۔ عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب قبر کے متعلق دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلّٰى

فرمایا ہاں قبر کا عذاب حق ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں اس کے بعد میں نے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

صَلٰوةً اِلَّا تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

کبھی کوئی نماز پڑھی ہو مگر اس میں اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے پناہ مانگتے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ایک یہودی عورت آتی رہتی تھی تو ایک مرتبہ اس نے عذاب قبر کا تذکرہ شروع کر دیا اور اس نے حضرت عائشہؓ کو یہ دعا دی اعاذک اللہ من عذاب القبر۔ اللہ تجھے عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ سنایا اور فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتائیں عذاب قبر حق ہے یا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں عذاب قبر حق ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی مگر اللہ سے عذاب قبر سے پناہ کی دعا نہ مانگی ہو۔

سوال: اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نماز کے بعد تعوذ من عذاب القبر پڑھنا ایک یہودی کی خبر کی وجہ سے تھا۔

جواب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہراً تعوذ من عذاب القبر اس واقعہ کے بعد کیا۔ ورنہ پہلے بھی دعا مانگتے تھے بلکہ جہراً اس لئے مانگنا شروع کر دیا تاکہ امت کو مسئلہ معلوم ہو جائے۔ اور حضرت عائشہؓ کو پہلے کا علم نہیں تھا اس لئے انہوں نے بیان کر دیا یا بعنوان آخر یوں کہو کہ یہودیہ کی خبر کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تھا۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ لِّبَنِي النَّجَّارِ

حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو نجار کے ایک باغ کے پاس تھے۔

عَلٰى بَغْلَةٍ لَّهٗ وَنَحْنُ مَعَهٗ اِذْ حَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَاِذَا اَقْبُرٌ سِتَّةٌ اَوْ خَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَّعْرِفُ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خچر پر سوار تھے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شوخی کی قریب تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دے

اَصْحَابَ هٰذِهِ الْاَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ فَمَتٰى مَاتُوْا قَالَ فِي الشِّرْكِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ

اور ناگہاں پانچ یا چھ قبریں تھیں۔ آپ نے فرمایا کسی کو ان قبر والوں کے متعلق علم ہے ایک آدمی نے کہا میں جانتا ہوں آپ نے فرمایا کب

قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا اَنْ لَّا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ اَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ

مرے تھے اس نے کہا شرک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امت قبروں میں آزمائی جاتی ہے اگر اس بات کا ڈر نہ ہو کہ تم دفن نہ کرو گے میں

عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ

اللہ سے دعا کرتا کہ تم کو قبر کا عذاب سنائے جو میں سن رہا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ ہماری طرف کر لیا۔ فرمایا اللہ کے ساتھ قبر کے

مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

عذاب سے پناہ پکڑو۔ انہوں نے کہا ہم اللہ کے ساتھ قبر کے عذاب سے پناہ پکڑتے ہیں فرمایا اللہ کے ساتھ قبر کے عذاب سے پناہ پکڑو۔ انہوں

بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ

نے کہا ہم اللہ کے ساتھ قبر کے عذاب سے پناہ پکڑتے ہیں فرمایا فتنوں سے جو ظاہر ہیں اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں ان سے پناہ پکڑو۔ انہوں نے کہا ہم اللہ سے پناہ پکڑتے

مِنۡهَا وَمَابَطَنَ قَالَ تَعَوَّذُوۡا بِاللّٰهِ مِنۡ فِتۡنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوۡا نَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ فِتۡنَةِ الدَّجَّالِ. (صحیح مسلم)

ہیں۔ان فتنوں سے جوظاہر ہیں اور جو چھپے ہوئے ہیں فرمایا اللہ کے ساتھ دجال کے فتنہ سے پناہ پکڑو۔انہوں نے کہا ہم اللہ کے ساتھ دجال کے فتنہ سے پناہ پکڑتے ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنونجار کے باغ میں اپنی بغلہ (خچر) پر سوار تھے۔اسی اثنا میں وہ بغلہ بدکنے اور کودنے لگی اور اتنی کودی کہ قریب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دیتی۔(بظاہر یہی ہے اس نے عذاب قبر کو سن لیا تھا اس لئے وہ کودی) اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ یا چھ قبریں نظر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان قبروں والوں کو کون جانتا ہے ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں۔فرمایا کہ تو یہ بتلا کہ ان کی وفات کب ہوئی تھی۔اس نے کہا شرک کے زمانہ میں زمانہ جاہلیت میں ان کی وفات ہوئی۔اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ امت اپنی قبروں میں آزمائش میں مبتلا کی جائے گی۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو دفنانا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا اللہ تم کو وہ عذاب قبر سناتا جو میں سن رہا ہوں۔پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک کیا اور امور اربعہ سے پناہ مانگنے کا حکم دیا اور وہ امور اربعہ یہ ہیں۔

(۱) جہنم کے عذاب سے پناہ مانگو (۲) عذاب قبر سے پناہ مانگو (۳) ظاہری اور باطنی فتنوں سے پناہ مانگو

(۴) دجال کے فتنوں سے پناہ مانگو۔چنانچہ صحابہؓ نے یہی پناہ اللہ سے مانگی۔

سوال۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں عذاب قبر بتلا دوں تو تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے۔یہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیسے ممکن ہے کہ مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیں گے۔ جواب:۔ترک تدافن کی علت عذاب قبر نہیں بلکہ تعطل الحواس ہے۔یعنی عذاب قبر کو سننے کی وجہ سے خوف میں پڑ جاؤ گے اور اس خوف کے نتیجے میں تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے۔

سوال۔فتنہ دجال سے کیوں پناہ مانگنے کا حکم دیا عذاب قبر کے ساتھ اس کی کیا مناسبت ہے۔جواب۔(فتنہ دجال سے بھی) عذاب قبر کا فتنہ فتنہ دجال سے کم نہیں۔شدت وہولناکی کو بیان کرنا یہ باب کے ساتھ مناسبت ہے۔

اَلۡفَصۡلُ الثَّانِیۡ

وَعَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ اِذَآ اُقۡبِرَ الۡمَیِّتُ اَتَاهُ مَلَکَانِ اَسۡوَدَانِ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت کو قبر میں اتارا جاتا ہے۔اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں

اَزۡرَقَانِ یُقَالُ لِاَحَدِهِمَا الۡمُنۡکَرُ وَلِلۡاٰخَرِ النَّکِیۡرُ فَیَقُوۡلَانِ مَاکُنۡتَ تَقُوۡلُ فِیۡ هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَاِنۡ

جن کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلگوں ہوتی ہیں۔ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے وہ کہتے ہیں تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا تھا اگر وہ ایماندار ہے وہ کہتا ہے

کَانَ مُؤۡمِنًا فَیَقُوۡلُ هُوَ عَبۡدُاللّٰهِ وَرَسُوۡلُهٗ، اَشۡهَدُ اَنۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ فَیَقُوۡلَانِ

وہ اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اسکے رسول ہیں وہ کہتے ہیں ہم

قَدۡ کُنَّا نَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡلُ هٰذَا ثُمَّ یُفۡسَحُ لَهٗ فِیۡ قَبۡرِهٖ سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فِیۡ سَبۡعِیۡنَ ثُمَّ یُنَوَّرُلَهٗ فِیۡهِ ثُمَّ یُقَالُ

جانتے تھے کہ تو اس طرح کہے گا پھر اس کیلئے ستر ستر گز تک قبر فراخ کردی جاتی ہے۔پھر اس کیلئے اس میں روشنی کردی جاتی ہے پھر اسے کہا جاتا ہے تو

لَهٗ نَمۡ فَیَقُوۡلُ اَرۡجِعُ اِلٰۤی اَهۡلِیۡ فَاُخۡبِرُهُمۡ فَیَقُوۡلَانِ نَمۡ کَنَوۡمَةِ الۡعَرُوۡسِ الَّذِیۡ لَا یُوۡقِظُهٗۤ اِلَّا اَحَبُّ اَهۡلِهٖ

سوجا۔وہ کہتا ہے میں اپنے گھر والوں کے پاس جاتا ہوں تا کہ ان کو خبر دوں وہ کہتے ہیں سو جا جس طرح دلہن سو جاتی ہے۔جس کو نہیں جگاتا مگر زیادہ پیارا

اِلَيْهِ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ وَاِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُ
لوگوں کا اس کی طرف یہاں تک کہ اللہ اس کو اسکے سونے کی جگہ سے جگائے گا۔اگر منافق ہوتا ہے وہ (فرشتوں کے جواب میں) کہتا ہے میں نے لوگوں
مِثْلَهٗ لَآ اَدْرِیْ فَيَقُوْلَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْلُ ذٰلِكَ فَيُقَالُ لِلْاَرْضِ الْتَئِمِیْ عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ
سے سنا وہ ایک بات کہتے تھے میں نے اس کی مثل کہہ دی میں نہیں جانتا وہ کہتے ہیں ہم جانتے تھے کہ تو اس طرح کہے گا۔زمین کیلئے کہا جاتا ہے اس پر مل
فَتَخْتَلِفُ اَضْلَاعُهٗ فَلَا يَزَالُ فِيْهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ. (رواہ الجامع ترمذی)
جا وہ اس پر مل جاتی ہے۔مختلف ہو جاتی ہیں اس کی پسلیاں ہمیشہ رہتا ہے اس میں عذاب کیا گیا یہاں تک کہ اللہ اس کو اس کی قبر سے اٹھائے گا۔

تشریح: حاصل حدیث۔جب میت قبر میں رکھ دی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے کالے اور نیلگوں آنکھوں والے آتے ہیں ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے وہ میت سے سوال کرتے ہیں۔

سوال۔قبر کا لفظ آیا ہے اگر پانی میں ڈوب کر مر گیا یا جانوروں نے کھا لیا یا جلا دیا گیا اس کی تو قبر نہیں ہے کیا اس سے سوال و جواب نہیں ہوگا۔

جواب-۱: قبر کی قید اغلب الوجود ہونے کے اعتبار سے ہے کوئی احتراز مقصود نہیں۔

جواب-۲: قبر کا معنی متعارف مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے ہر وہ جگہ جہاں میت موجود ہو خواہ وہ قبر سے متعارف ہو یا متعارف نہ ہو۔

سوال۔بعض میتیں کئی دنوں کے بعد دفن کی جاتی ہیں اگر میت کو تابوت میں بند کر کے رکھ دیا جائے تو کیا ان سے سوال (تدفین کے بعد ہوگا) یا تدفین تک موقوف رہے گا یا اس وقت ہو جائے گا۔

جواب-۱: اس میں دو قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ تدفین تک موقوف رہے گا۔

جواب-۲: بعض کہتے ہیں موقوف نہیں راجح یہی قول ہے۔بس جب لوگوں کی نظروں سے دور ہوگا تو فوراً ان سے سوال جواب ہو جائے گا۔

قوله' اسودان ازرقان کالے نیل گوں آنکھوں والے یہ کنایہ ہے ڈراؤنی شکل سے۔

منکر نکیر۔ چونکہ یہ میت کے اعتبار سے یہ اجنبی اور اوپرے اور غیر مانوس ہوتے ہیں اس اعتبار سے ان کو منکر نکیر کہا جاتا ہے۔بعض نے کہا کہ کافروں سے جو سوال کریں ان کو منکر نکیر اور جو مومنین سے سوال کریں ان کو بشیر مبشر کہتے ہیں لیکن راجح پہلا قول ہے۔یہ مرجوح ہے۔

سوال ۔ ملکان فرشتے تو دو ہیں اور میت تو ہزاروں کی تعداد میں بیک وقت مرتے ہیں یہ سب کے پاس کیسے پہنچتے ہیں۔

جواب: منکر نکیر یہ دو نوع ہیں اور اس نوع کے تحت کئی افراد ہیں۔

الغرض فرشتے سوال کرتے ہیں **ماتقول فی هذا الرجل** وہ جواب دیتا ہے **عبدالله و رسوله اشهد ان لا اله الا الله و ان محمداً عبده و رسوله'** اس میں تینوں سوالوں کا جواب آ گیا۔تو وہ فرشتے کہتے ہیں ہمیں پتہ تھا کہ تو یہی جواب دے گا۔

سوال: اس سے پتہ چلتا ہے کہ فرشتے بھی عالم الغیب بن گئے۔

جواب: عالم الغیب نہیں بلکہ علامات کی وجہ سے ان کو پتہ چل جاتا ہے۔علامات چہرہ روشن ہو رہا ہے قبر وسیع ہو رہی ہے وغیرہ۔پھر وہ میت ستر ذراع فراخ کر دی جاتی ہے وسیع کر دی جاتی ہے۔پھر اس میں نور پیدا کر دیا جاتا ہے۔(روشنی) پھر اس کو کہا جاتا ہے تم سو جاؤ (یعنی آرام کر) کیونکہ اگر سو گیا تو پھر جنت کی نعمتوں سے کیسے فائدہ اٹھائے گا جنت کی راحتوں سے کیسے مستفید ہوگا۔

سوال: اس حدیث میں آیا ستر ذراع فراخ کر دی جاتی ہے اور آگے حدیث میں آیا کہ حدنگاہ تک فراخ کر دی جاتی ہے۔

جواب-۱: درجے کے لحاظ سے فراخ کر دی جائے گی۔عوام کے حق میں پہلی صورت متحقق ہے خواص کے حق میں دوسری صورت متحقق ہے پیر کے حق میں پہلی صورت اور مرید کے حق میں دوسری صورت متحقق ہے۔

جواب-۲: عدد اقل عدد اکثر کے منافی نہیں۔ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا ۷۰ ذراع پھر حد نگاہ بتلائی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تدریجا ہوا۔ الغرض مراد بڑی وسعت ہے۔ پھر میت کہتی ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں کے پاس جانا چاہتی ہوں تا کہ میں ان کو بتلاؤں کہ یہاں بہت مزے ہیں۔ میرا حال بہت اچھا ہے فرشتے کہتے ہیں تو آرام کر سوجا دلہن کی نیند کی طرح نیند کر۔ (عروس کا لفظ مذکر ومونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے) اور اگر میت منافق ہوگی تو وہ کہے گی کہ میں وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے ہیں۔ یا لا ادری کہے گا۔ فرشتے کہیں گے ہمیں پتہ تھا کہ تو یہی جواب دے گا۔ پھر زمین کو کہا جاتا ہے تو تنگ ہو جا مل جا۔ وہ مل جاتی ہے اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ اور اس کو ہمیشہ یہی عذاب ہوتا رہتا ہے۔

وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَاْتِیْہِ مَلَکَانِ فَیُجْلِسَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ

حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ فرمایا میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں وہ اس کو بٹھاتے

لَہٗ مَنْ رَّبُّکَ فَیَقُوْلُ رَبِّیَ اللّٰہُ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَا دِیْنُکَ فَیَقُوْلُ دِیْنِیَ الْاِسْلَامُ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَا ھٰذَا

ہیں اور کہتے ہیں یہ شخص کون ہے جس کو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے وہ اسے کہتے ہیں

الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْکُمْ فَیَقُوْلُ ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ وَمَا یُدْرِیْکَ فَیَقُوْلُ قَرَأْتُ کِتَابَ اللّٰہِ

تجھے اس بات کا علم کیسے ہوا وہ کہتا ہے۔ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس کے ساتھ ایمان لایا

فَاٰمَنْتُ بِہٖ وَ صَدَّقْتُ فَذٰلِکَ قَوْلُہٗ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ اَلْاٰیَۃَ قَالَ فَیُنَادِیْ مُنَادٍ

اس کو سچا جانا۔ اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ اللہ تعالیٰ ثابت رکھتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ثابت بات کیساتھ الآیۃ۔

مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِیْ فَاَفْرِشُوْہُ مِنَ الْجَنَّۃِ وَاَلْبِسُوْہُ مِنَ الْجَنَّۃِ وَافْتَحُوْا لَہٗ بَابًا اِلَی الْجَنَّۃِ

آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے۔ میرے بندے نے سچ کہا اس کو جنت کا بچھونا بچھا دو اور جنت کی پوشاک پہنا دو جنت کی طرف

فَیُفْتَحُ لَہٗ قَالَ فَیَاْتِیْہِ مِنْ رُّوْحِھَا وَطِیْبِھَا وَیُفْسَحُ لَہٗ فِیْھَا مَدَّ بَصَرِہٖ وَاَمَّا الْکَافِرُ فَذَکَرَ مَوْتَہٗ

دروازہ کھول دو۔ اس کیلئے کھولا جاتا ہے اس کے پاس اس کی ہوا اور خوشبو آتی ہے اور تا حد نگاہ اس کی قبر کھول دی جاتی ہے اور جو کافر ہے اس کی موت

قَالَ وَیُعَادُ رُوْحُہٗ فِیْ جَسَدِہٖ وَیَاْتِیْہِ مَلَکَانِ فَیُجْلِسَانِہٖ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَنْ رَّبُّکَ فَیَقُوْلُ ھَاہْ ھَاہْ

کا ذکر کیا فرمایا پھر اس کی روح اس کے جسم میں ڈالی جاتی ہے۔ دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے

لَا اَدْرِیْ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَا دِیْنُکَ فَیَقُوْلُ ھَاہْ ھَاہْ لَا اَدْرِیْ فَیَقُوْلَانِ لَہٗ مَا ھٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ

وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا وہ کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے۔ ہائے ہائے میں نہیں جانتا

فِیْکُمْ فَیَقُوْلُ ھَاہْ ھَاہْ لَا اَدْرِیْ فَیُنَادِیْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ کَذَبَ فَاَفْرِشُوْہُ مِنَ النَّارِ وَ اَلْبِسُوْہُ

وہ کہتے ہیں وہ شخص کون ہے جسے تمہاری طرف بھیجا گیا وہ کہتا ہے ہا ہا میں نہیں جانتا۔ آسمان سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے یہ جھوٹا ہے

مِنَ النَّارِ وَ افْتَحُوْا لَہٗ بَابًا اِلَی النَّارِ قَالَ فَیَاْتِیْہِ مِنْ حَرِّھَا وَسَمُوْمِھَا قَالَ وَیُضَیَّقُ عَلَیْہِ قَبْرُہٗ حَتّٰی

پس آگ سے اسکا بچھونا بچھا دو اور آگ کا لباس پہنا دو اور دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دو کہا اس کی لو اور گرمی آتی ہے۔ فرمایا حضرت

تَخْتَلِفَ فِیْہِ اَضْلَاعُہٗ ثُمَّ یُقَیَّضُ لَہٗ اَعْمٰی اَصَمُّ مَعَہٗ مِرْزَبَّۃٌ مِنْ حَدِیْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِھَا جَبَلٌ لَصَارَ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قبر اس پر تنگ کی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں مختلف ہو جاتی ہیں۔ پھر ایک اندھا بہرا فرشتہ مقرر کر دیا جاتا

تُرَابًا فَيَضْرِبُهُ بِهَا ضَرْبَةً يَّسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ
ہے۔اس کے پاس لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے اگر وہ پہاڑ پر مارا جائے تو وہ بھی مٹی بن جائے وہ اس کو گرز کے ساتھ مارتا ہے کہ جن وانس کے سوا
فِيْهِ الرُّوْحُ. (رواه مسند احمد بن حنبل و ابوداؤد)
مشرق ومغرب کے درمیان جومخلوقات ہے سب اس کی آواز سنتا ہے۔وہ مٹی ہوجاتا ہے پھر اس میں روح لوٹادی جاتی ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔دو فرشتے میت کے پاس آتے ہیں اس کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں اس سے تینوں سوال کرتے ہیں ان میں سے ایک سوال یہ ہوتا ہے اس شخص کی صفات کونسی ہیں۔الغرض وہ مومن ہونے کی تقدیر پر جواب دیتا ہے تو فرشتے اس سے پوچھتے ہیں تجھے اس کا کیسے پتہ چلا وہ کہتا ہے قرات کتاب الله فامنت به۔اور اسی کا یہی مصداق ہے اس کی تصدیق ہے اللہ کا فرمان یثبت الله الذین آمنوا بالقول الثابت۔(الآیۃ) سوالات کے جوابات کی توفیق مل جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان سے آواز دینے والا آواز دیتا ہے۔ان صدق عبدی۔میرے بندے نے سچ کہا اور پھر منادی کہتا ہے اس کو جنت کا لباس پہنا دو۔جنت کے بچھونے بچھادو۔جنت کا دروازہ اس کے لئے کھول دو۔

وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے اس سے اس میت کو جنت کی خوشبو اور ہوا آتی رہتی ہے۔اور قبر اس کے لئے حدنگاہ تک فراخ ہوجاتی ہے۔ اور جو کافر ہوتا ہے اس کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کیا کہ اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے اس کے پاس بھی فرشتے آتے ہیں سوال کرتے ہیں وہ ھاہ ھاہ کہتا ہے لاادری کہتا ہے۔ھاہ ھاہ یہ تحیر کے وقت اور محبوس الحواس ہونے کے وقت زبان سے نکلتا ہے۔ الغرض آسمان سے نداد ینے والا ندا دیتا ہے ان کذب اس نے جھوٹ بولا ہے۔یہاں عبدی نہیں کہا حقارت کو بتلانے کے لئے پھر وہ منادی کہتا ہے۔جہنم کے بچھونے بچھادو اور جہنم کا لباس پہنا دو اور جہنم کا دروازہ کھول دو تو وہ کھول دیا جاتا ہے اس سے جہنم کی گرمی اور اس کی گرم ہوا آتی رہتی ہے۔اور اس پر اس کی قبر تنگ کردی جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں پھر اس پر ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مسلط کردیا جاتا ہے۔جس کے ساتھ ایک لوہے کا ہتھوڑا ہوتا ہے وہ اتنا وزنی ہوتا ہے کہ اگر اس کو پہاڑ پر مارا جائے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائے۔تو اس کے ذریعہ فرشتہ اس کو مارتا ہے۔ثقلین کے علاوہ اس کی آواز کو مشرق ومغرب والے سنتے ہیں۔پس وہ ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے۔ پھر اس میں روح لوٹادی جاتی ہے پھر مارا جاتا ہے۔الغرض یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

سوال۔حدیث میں آیا فرشتہ ایسا متعین کیا جاتا ہے سزا پر جو اعمیٰ اور بے رحم ہوتا ہے حالانکہ فرشتے تو نقائص سے پاک ہیں؟

جواب۔یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ وہ فرشتہ میت کے معذرت ہونے سے متاثر نہیں ہوتا۔(ورنہ رحم آجاتا ہے) گویا کہ وہ اندھا اور بہرا ہے نہ میت کی کیفیت کو دیکھتا ہے اور نہ اس کی چیخ وپکار کو سنتا ہے۔

قولہ' ثم یعادفیه الروح۔روح کا تعلق فی الجملہ برقرار رہتا ہے بالکل انقطاع نہیں ہوتا۔یہ حدیث صراحۃً رد ہے ان لوگوں پر جو کہتے ہیں کہ عذاب صرف جسم کو ہوگا۔روح کو نہیں ہوگا۔

حدیث براء بن عازب پر اعتراض:۔جن احادیث صحیحہ سے جمہور اہل السنّت والجماعت نے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے ان میں ایک حدیث براء بن عازب بھی ہے جس کو یہاں صاحب مشکوٰۃ نے فصل ثانی میں بحوالہ ابوداؤد واحمد نقل کیا ہے۔اس میں صاف لفظ ہیں''یعاد روحه فی جسده'' حافظ ابن حزم وغیرہ حضرات نے اس حدیث کو گرانے کی کوشش کی ہے اس کی سند پر کچھ اعتراضات کئے ہیں۔یہاں ان اعتراضات کو نقل کرکے مختصراً جواب دیں گے لیکن اس سے پہلے اس حدیث کی صحت کے بارے میں ائمہ حدیث میں سے دو حضرات کی اجمالی شہادت نقل کرنا مناسب ہے۔

پہلی شہادت:۔حدیث کے مشہور امام حافظ عبداللہ الحاکم اپنی المستدرک میں فرماتے ہیں۔''هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین

وقد احتجا جميعا بالمنهال بن عمرو وزا ذان ابی عمر الکندی وفی هذالحديث فوائد کثيرة لاهل السنة وقمع للبدعة“

دوسری شہادت :۔حافظ ابن القیمؒ کتاب الروح میں اس حدیث کے متعلق ارشادفرماتے ہیں۔’’هذا حديث ثابت مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولانعلم احداً من ائمة الحديث طعن فيه بل رواه في كتبهم وتلقوه بالقبول و جعلوه اصلا من اصول الدين في عذاب القبر ونعيمه وسالة منکرونکير وقبض الارواح وصعودها الیٰ بين يدی الله ثم رجوعها الیٰ القبر“ ۔اب حدیث براء کی سند پر کئے جانے والے اعتراضات نقل کر کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

اعتراض اول :۔اس حدیث کوحضرت براء سے نقل کرنے والےزاذان ہیں اوروہ’’ يعاد روحه الی جسده ‘‘والی زیادتی نقل کرنے میں متفرد ہیں۔

اس اعتراض کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں۔جواب (۱) زاذان ہیں بہت سے ائمہ حدیث نے ان کوتوثیق کی ہے۔یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔حمید بن بلال نے ان کے بارے میں کہا ہے۔هوثقة لاتسئل عن مثل هولاء يحيیٰ بن معين کا قول حافظ نے نقل فرمایا ہے۔ثقه لايسئل عن مثله۔محدثین کا یہ متفقہ قاعدہ ہے کہ ثقہ اگرکسی حدیث میں کوئی زائدبات نقل کرے۔جس کو دوسرے نقل نہیں کرتے تو یہ زیادتی مقبول ہوتی ہے۔لہٰذا اگرزاذان متفرد بھی ہوں اس زیادتی کے نقل کرنے میں تب بھی قواعد محدثین کی روشنی میں اسے قبول کرنا پڑے گا۔

جواب (۲) حضرت براء سے اس حدیث کونقل کرنے میں زاذان متفرد نہیں ہے بلکہ ان کے اور بھی متابعات ثقات ملتے ہیں چنانچہ حافظ ابن القیم کتاب الروح میں فرماتے ہیں۔’’وقدرواه عن البراء بن عازب جماعة خير زاذان منهم عدی بن ثابت و محمد بن عقبة ومجاهد‘‘اس کے بعد متابعت والی روایت تفصیل سے پیش کی ہیں۔مثلاً پہلے حافظ ابن مندۃ کی کتاب’ کتاب الروح والنفس میں اس سند سے یہ حدیث ہے۔’’اخبرنا محمد بن يعقوب بن يوسف قال حدثنا محمد بن السفار انا ابو النضر هاشم بن القاسم ثنا عيسی بن المسيب عن عدی بن ثابت عن البراء السفار انا ابوالنضر هاشم بن القاسم ثنا عيسی بن المسيب عن عدی بن ثابت عن البراء بن عازب قال خرجنا مع رسول الله صلی الله عليه وسلم فی جنازة رجل من الانصار‘‘

اس لمبی حدیث میں تعادروحه کے لفظ کی بجائے فتر دروحه الی مضجعه کے لفظ ہیں۔اس سند میں براء سے نقل کرنے والے زاذان نہیں بلکہ عدی بن ثابت ہیں اورعدی سے نقل کرنے والے منہال نہیں بلکہ عیسیٰ بن میتب ہیں۔اس کے بعد پھرابن مندۃ کی اور سند پیش کی ہے۔من طريق محمد بن سلمه عن خصيف الجزری عن مجاهد عن البراء بن عازب اس میں براء سے نقل کرنے والے مجاہد ہیں اور مجاہد سے نقل کرنے والے منہال نہیں خصیف جزری ہیں غرضیکہ نہ زاذان متفرد ہے نہ منہال متفرد ہے۔دونوں پرتفرد کا الزام غلط ہے۔

جواب (۳) اگر بالفرض براء بن عازب کی اس حدیث کو بالکل کالعدم تصور کرلیں۔تب بھی جمہور کا موقف صحیحین کی حدیثوں سے ثابت ہے۔

اعتراض ثانی :۔زاذان کو براءؓ سے سماع حاصل نہیں۔لہٰذا یہ روایت منقطع ہوئی۔

جواب (۱) یہ بہت غلط الزام ہے ایک تو اس لئے کہ رجال کی تمام کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ زاذان جن صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ان میں حضرت براء بن عازبؓ بھی ہیں۔جواب (۳) دوسرا یہ کہ صحیح ابوعوانۃ میں سماع کی تصریح موجود ہے۔یعنی زاذان اس کو سمعت البراء کہہ کے نقل کرتے ہیں۔اس کے بعد کسی قسم کا خلجان باقی نہیں رہنا چاہئے۔

اعتراض ثالث :۔اس حدیث کوزاذان سے نقل کرنے والے منہال بن عمرو ہیں اور منہال ضعیف ہیں۔لہٰذا یہ حدیث قابل قبول نہیں۔

جواب :۔منہال کوضعیف کہنا غلط ہے اس لئے کہ بہت سے ائمہ رجال نے ان کی توثیق کی ہے۔حافظ ابن قیم اپنی کتاب الروح میں فرماتے ہیں۔’’فالمنهال احد الثقات العدول قال ابن معين المنهال ثقة وقال العجل‘‘ کوفی ثقہ ان کی توثیق کے الفاظ حافظ ابن حجرؒ نے بھی تہذیب التہذیب میں نقل فرمائے ہیں۔ان پر جو بڑی سے بڑی جرح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے گھر سے گانے کی آواز سنائی دی گئی ہے۔حافظ ابن قیم ارشادفرماتے ہیں۔’’وليس علی المنهال جرح فی ماحکیٰ ابن ابی حازم نذکر حکاية المتقدمة‘‘ اس ارشاد کے آخر میں فرماتے ہیں۔’’وجرحه بهذا تعسف ظاهر‘‘ یعنی اس بناء پر ان پر جرح کرنا کھلی بے انصافی ہے۔اس لئے کہ اول تو یہی

متیقن نہیں کہ انہی کے گھر سے گانوں کی آواز آرہی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ پڑوس کے گھر سے یہ آواز آئی ہو اگر انہی کے گھر سے آئی تھی تو ہوسکتا ہے کہ یہ وہاں موجود نہ ہوں یا یہ بات ان کے علم میں نہ ہو۔ اس لئے اس کی بنا پر جرح بعید از انصاف ہے۔ حافظ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ "قال وهب بن جرير عن شعبة اتيت منزل المنهال فسمعت منه صوت الطنبور فرجعت ولم اسئله قلت فهلا سالته عسى كان لايعلم" اس سے ثابت ہوا کہ شعبہ کو اس بات کی ہرگز بالکل تحقیق نہیں ہوئی کہ واقعی یہ آواز ان کے اختیار سے تھی اور ان کے علم میں تھی۔

جواب (۲) جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے منہال اس زیادتی کے نقل کرنے میں متفرد نہیں ہے۔ روایات تفصیل سے پیش کی جاچکی ہیں اس لئے اس بنیاد پر اس زیادتی کو گرانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جواب (۳) نیز اس زیادتی سے جو بات ثابت ہوتی ہے یعنی حیات فی القبر وہ اسی حدیث پر موقوف نہیں ہے۔ صحیحین کی حدیثیں بھی اسکے ماننے پر مجبور کرتی ہیں اگر کوئی حدیث سنداً ضعیف بھی ہو لیکن اس کا مضمون دوسری نصوص سے موید ہو تو اس کو ماننا پڑتا ہے۔

جواب (۴) اگر علی سبیل التنزل یہ مان بھی لیا جائے تو یہ زیادتی ضعیف ہے تب بھی اس کے ماننے سے فرار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ حدیث ضعیف کو اگر تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے تو وہ حدیث صحیح کے حکم میں ہوتی ہے۔ آپ کو بہت سے مسائل کی احادیث ایسی نظر آئیں گے جن کی سند میں کلام ہے لیکن اس سے جو مسئلہ نکلتا ہے اس کو اکثر تسلیم کرتے ہیں۔ جامع ترمذی میں اس کی بہت سی مثالیں آسانی سے مل سکتی ہیں۔ امام ترمذی حدیث کی سند پر کلام فرماتے ہیں۔ اس کے بعد فرما دیتے ہیں۔ "والعمل عليه عند اهل العلم" اس میں کوئی شک نہیں کہ سند کی حالت پر نظر ضرور رکھنی چاہئے۔ سند اور سند پر اعتقاد اس امت کی امتیازی شان ہے لیکن تحقیق مسائل کیلئے صرف سند پر ہی نگاہ نہیں رکھی جاتی بلکہ صحیح موقف تک پہنچنے کیلئے یہ بات انتہائی معاون اور مفید ہوتی ہے کہ دیکھا جائے کہ سلف نے اس حدیث کے مضمون کو قبول کیا ہے یا نہیں؟ اگر سلف کا نظریہ اسی کے مطابق چلا آیا ہے تو یہ واضح دلیل ہوگی کہ یہ حدیث مقبول ہے اس لئے کہ سلف کے نظریات مسلسل ورثہ عن ورثہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہیں۔ خلاصۃ یہ کہ حدیث ضعیف کو بھی جب تلقی بالقبول کا شرف حاصل ہو جائے تو وہ مقبول سمجھی جاتی ہے کوئی شخص بھی اس ضابطے سے فرار نہیں کرسکتا اور اوپر حوالہ جات میں بتایا جاچکا ہے کہ جمہور اہل السنۃ والجماعت نے حیات فی القبر کو تسلیم کیا ہے وهذا حق وبعد الحق الاالضلال۔

فائدہ: ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے ان سوالات کا تذکرہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا امم سابقہ سے نہیں ہوگا۔ اسی سے دھوکہ کھایا گیا ہے کہ بعض کہتے ہیں امم سابقہ سے سوال و جواب نہیں ہوگا۔ جواب۔ یہاں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال قبر کا ذکر ہے۔ امم سابقہ کے احوال کی نفی نہیں۔

وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ كَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ بَكٰى حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهُ فَقِيْلَ لَهُ تَذْكُرُ الْجَنَّةَ

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ جب وہ قبر پر کھڑے ہوتے روتے یہاں تک کہ اپنی داڑھی تر کر لیتے اسے کہا گیا تو جنت

وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِيْ وَتَبْكِيْ مِنْ هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ

اور دوزخ کا ذکر کرتا ہے پس روتا نہیں اور اس جگہ کھڑے ہونے سے روتا ہے کہا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يُنْجَ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَشَدُّ مِنْهُ قَالَ

قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پائی پس اس کے بعد جو ہے وہ آسان ہے

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَارَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اگر نہ نجات پائی اس سے پس اس کے بعد جو ہے اس سے سخت ہے اور میں نے کوئی جگہ نہیں دیکھی مگر قبر سخت ہے۔

وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

(ترمذی، ابن ماجہ، ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے)

تشریح: حاصل حدیث۔ حضرت عثمانؓ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ رونے کی وجہ سے وہ اپنی داڑھی مبارک کو تر کر دیتے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ جس قدر بکا آپکا قبر کے پاس کھڑے ہو کر ہوتا ہے اس درجے کا بکا جنت وجہنم کے تذکرہ سے نہیں ہوتا اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ اگر اس سے نجات پا گیا تو آگے بھی کامیابی میں آسانی ہوگی۔ اور اگر نجات نہ پائی تو بعد والی منزلیں اس کے لئے سخت ہوں گی۔ اگر یہاں پھنس گیا تو آگے بھی پھنس گیا حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اس سے زیادہ گھبراہٹ والا منظر نہیں دیکھا۔ اس حدیث میں حضرت عثمانؓ کی حالت کا بیان ہے۔

سوال۔ حضرت عثمانؓ تو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے پھر اس قدر بکاء کیوں تھا۔ بشارت فی الجنۃ والے تو معذب فی النار نہیں ہوں گے۔

جواب (۱): اگرچہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں لیکن شدت خوف کی وجہ سے یہ حالت تھی کہ بشارت کا اثر مغلوب ہو گیا۔

جواب (۲): جنتی ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ عذاب قبر نہ ہو۔

جواب (۳): حضرت عثمانؓ کا رونا۔ ضغطۃ القبر کی وجہ سے تھا۔ قبر تنگ ہوتی ہوئی مومن کو دکھائی دیتی ہے جس کی وجہ سے وحشت ہوتی ہے اس وجہ سے وہ وحشت دیکھ کر رو رہے تھے۔ اور ضغطۃ القبر سے کوئی محفوظ نہیں۔

سوال: اگر قبر سے نجات نہ پائی تو مابعد والی منزلیں سخت ہو جائیں گی اس سے معلوم ہوتا ہے مومن فاسق وفاجر کا عذاب بھی اسی طرح سخت ہوگا۔

جواب: یہاں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس حدیث میں مومن کامل کے حال کا بیان ہے اور اس کے مقابلے میں وان لم تنج میں کافر اور منافق کا حال بیان ہے۔ اور کافر اور منافق کے لئے قبر کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہوگا اور آگے اس سے بھی زیادہ ہوگا۔ کما وکیفاً عذاب ہلکا ہوگا (کوکب الدری شرح ترمذی حضرت گنگوہیؒ)

اس حدیث میں بڑی تنبیہ ہے ان لوگوں پر جو اپنے اعمال پر ناز ونخرے کرتے ہیں اور یہ لوگ کہتے ہیں ہمارے سہارے بڑے مضبوط ہیں۔ حضرت عثمانؓ سے بڑھ کر کس کا سہارا مضبوط ہوگا۔ حضرت عثمانؓ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جو امام الانبیاء کے دوہرے داماد ہیں۔ یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اور بیٹیاں ہوتیں میں عثمان کے نکاح میں دیتا۔ وہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا ان کا یہ حال ہے جب قبر پر کھڑے ہوتے ہیں الخ ہمارا کیا حال ہوگا۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا
اور اسی (عثمانؓ) سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے اس پر ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کیلئے
لِاَخِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْا لَهُ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْأَلُ. (رواہ ابوداؤد)
بخشش کی دعا کرو پھر اس کیلئے ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جاتا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث: سوال۔ اس حدیث سے بعض نے تلقین علی القبر کو ثابت کرنے کیلئے استدلال کیا ہے۔

جواب:۔ اس میں استغفار کا ذکر ہے تلقین کا ذکر نہیں۔ استغفار اور ہے تلقین علی القبر اور ہے۔ چونکہ شوافع کے ہاں یہ ثابت ہے اس لئے کوئی کرے تو جھگڑا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اگر جھگڑے کو ختم کرنے کے لئے سورۃ بقرہ کا پہلا اور آخری رکوع پڑھ لیا جائے تو جائز ہے۔ باقی یہ دعا قبر پر ہے اور یہ استغفار علی القبر ہے اور مروجہ دعا اور ہے وہ نماز جنازہ کے فوراً بعد ہے وہ محل نزاع ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُسَلَّطُ عَلَى الْكَافِرِ فِيْ قَبْرِهٖ تِسْعَةٌ
ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر پر اس کی قبر میں

وَّتِسْعُوْنَ تِنِّيْنًا تَنْهَسُهٗ وَتَلْدَغُهٗ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ لَوْ اَنَّ تِنِّيْنًا مِنْهَا نَفَخَ فِي الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَتْ
ننانوے سانپ مسلط کئے جاتے ہیں جو اس کو کاٹتے ہیں اور ڈستے ہیں یہاں تک کہ قائم ہو قیامت اگر ایک سانپ زمین پر پھونک مار دے
خَضِرًا. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ سَبْعُوْنَ بَدَلَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ.
نہ اگاوے سبزہ۔ ترمذی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اس نے ننانوے کی بجائے ستر کہا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر پر ۱۹۹ اژدھے اس کی قبر میں مسلط کئے جاتے ہیں جو اس کو ڈستے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ وہ اژدھے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک زمین پر پھونک مارے تو زمین سبزہ نہ اگائے۔ قوت روئید گی ختم ہو جائے۔

سوال: ترمذی میں ۷۰ کا ذکر ہے اور یہاں ۹۹ کا ذکر ہے۔

جواب-۱: روایات میں کوئی تعارض نہیں عدد اقل عدد اکثر کے منافی نہیں۔ یا اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کم کا علم دیا گیا اور پھر زائد کا علم تدریجاً ہوا۔

جواب-۲: جو روساء ہوں گے ان کے لئے ۱۹۹ اژدھے ہوں گے اور جو نوکر ہوں گے ان کے لئے ستر اژدھے ہوں گے۔ متبوع کے لئے ۹۹ تابع کے لئے ۷۰ اژدھے ہونگے۔

سوال: ننانوے کی تخصیص کیوں کی۔ جواب۔ کسی عدد کی تخصیص کی حکمت کا شارح کے علاوہ کسی اور کو پتہ نہیں البتہ احتمال کے درجے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے ہیں ایک حصہ اللہ نے زمین پر اس دنیا میں نازل کیا حتیٰ کہ مرغی بھی اپنے بچے سے محبت کرتی ہے اور باقی ننانوے اللہ کے پاس ہیں۔ چونکہ یہ وہ ننانوے حصے سے محروم رہے اس لئے کہ اگر اتارتے تو انہوں نے انکار ہی کرنا تھا اس لئے ہر ایک حصے کے انکار میں ایک اژدہا مسلط کیا جائے گا۔ یا یہ کہا جائے کہ اللہ کے صفاتی نام ننانوے ہیں۔ اور ہر ایک نام کے انکار کے لئے ایک اژدہا مقرر کیا گیا۔ اگر کوئی کہے ہمیں تو نظر نہیں آتے اس کا جواب ان آنکھوں سے نظر نہیں آتے کیونکہ ان آنکھوں سے عالم آخرت کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ فَلَمَّا
جابرؓ سے روایت ہے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سعد بن معاذ کے جنازہ کی طرف نکلے جب وہ فوت ہوئے جب رسول اللہ
صَلّٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جنازہ پڑھا اور انہیں قبر میں رکھ دیا گیا اور اس پر مٹی ڈالی گئی تسبیح کہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلًا ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ فَقَالَ لَقَدْ
اور تسبیح کہی ہم نے دیر تک پھر تکبیر کہی آپ نے اور تکبیر کہی ہم نے کہا گیا اے اللہ کے رسول آپ نے
تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ. (رواه مسند احمد بن حنبل)
کیوں تسبیح کی اور پھر تکبیر کہی فرمایا اس نیک بندے پر قبر تنگ ہوئی یہاں تک کہ اللہ نے اس سے کھول دی۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں جب حضرت سعد ابن معاذؓ کی وفات ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ کے لئے تشریف لے گئے اور ہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو قبر میں رکھا گیا جب مٹی برابر کر دی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسبیح پڑھنا شروع کر دی اور پھر تکبیر کہنا شروع کر دی۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ

ہم نے بھی تکبیر کہنا شروع کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا لم سبحت ثم کبرت فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس عبد صالح (سعد ابن معاذ) پر قبر تنگ ہو رہی تھی یہاں تک کہ تسبیح کی برکت سے قبر کی تنگی کھول دی گئی۔

قوله، سبح رسول الله صلی الله علیه وسلم (طویلاً) فسبحنا طویلاً (تنازع فعلان بھی ہے) یہ حدیث لا کر صاحب مشکوٰۃ نے یہ بتلایا حضرت سعد بن معاذؓ ضغطة القبر سے نہیں بچ سکتے تو پھر کون بچ سکتا ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الَّذِى تَحَرَّكَ لَهُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کیلئے عرش نے حرکت کی اور آسمان کے

لَهُ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَشَهِدَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفًامِنَ الْمَلَائِكَةِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّةً ثُمَّ فُرِّجَ عَنْهُ. (رواه السنن نسائی)

دروازے اس کیلئے کھولے گئے اور ستر ہزار فرشتوں نے ان کا جنازہ پڑھا۔ تحقیق قبر بھینچی گئی بھینچنا پھر کشادہ کی گئی قبر اس کی۔

تشریح: حاصل حدیث قوله، ابواب السماء الخ۔ حضرت معاذ کیلئے دروازے کھولے گئے حالانکہ ایک دروازہ ہی کافی تھا لیکن اتنے دروازوں کا کھلنا اعزاز و اکرام کی وجہ سے ہے۔ سوال۔ عرش کیوں متحرک ہوا؟ جواب جب روح سعد بن معاذؓ کی آسمان پر پہنچی تو عرش خوشی میں آ کر جھومنے لگا یا بعنوان آخر حضرت معاذؓ کے اعمال صالحہ کے صعود کے فقدان سے (کپکپی طاری ہوگئی) لرزہ براندام ہوگیا۔ یہ صفات اس لئے بیان کیں (تحرک له العرش الخ) تاکہ ملحد یہ نہ سمجھے کہ سعد بن معاذؓ کے فضائل کچھ کم ہیں نیز صاحب مشکوٰۃ نے یہ حدیث لا کر بتلایا کہ جب یہ سعد بن معاذؓ جو ان صفات کے حامل ہیں ان فضائل و مناقب کے باوجود ضغطه القبر سے نہ بچ سکے تو کون بچ سکتا ہے۔ ضغطة القبر۔ قبر تنگ ہوتی دکھائی دیتی ہے حقیقت میں ہوتی نہیں اس سے وحشت ہوتی ہے۔

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطِيْبًا

اسماءؓ بنت ابی بکر سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کیلئے کھڑے ہوئے آپ نے فتنہ قبر کا ذکر کیا جس میں آدمی مبتلا کیا جاتا ہے۔

فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِىْ يُفْتَنُ فِيْهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذٰلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّةً. (صحیح البخاری)

جب آپ نے اس کا ذکر کیا چلائے مسلمان چلانا بخاری نے روایت کیا۔

هٰكَذَا وَزَادَ النَّسَآئِىُّ حَالَتْ بَيْنِىْ وَبَيْنَ اَنْ اَفْهَمَ كَلَامَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا

نسائی نے زیادہ کیا کہ وہ چلانا میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے درمیان حائل ہوگیا۔ میں سمجھ نہ سکی

سَكَنَتْ ضَجَّتُهُمْ قُلْتُ لِرَجُلٍ قَرِيْبٍ مِّنِّىْ اَىْ بَارَكَ اللهُ فِيْكَ مَاذَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

رسول اللہ کے کلام کو جب انکا چلانا رک گیا میں نے اپنے نزدیک والے شخص کو کہا اے فلاں اللہ تجھ میں برکت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ فِىْ اٰخِرِ قَوْلِهٖ قَالَ قَالَ قَدْ اُوْحِىَ اِلَىَّ اَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِى الْقُبُوْرِ قَرِيْبًا مِّنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

نے آخر میں کیا فرمایا ہے کہا فرمایا ہے کہ وحی کی گئی ہے میری طرف کہ تم قبروں میں مبتلا کئے جاؤ گے۔ دجال کے فتنہ کے قریب۔

تشریح: قام خطيباً الخ کنایہ ہے وعظ فرمانے سے۔

قوله، ضج المسلمون ضجةً چلا کر رونے لگے جیسے کسی بزرگ کے بیان سے لوگ متاثر ہو کر رونے لگ جاتے ہیں اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ اور سننے والے صحابہ کرامؓ ہوں تو پھر کیا منظر ہوگا۔

حاصل حدیث:۔ اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعظ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (احوال قبر کو) قبر کے اس فتنہ کو ذکر فرمایا جس میں لوگ مبتلا کئے جاتے ہیں۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر کیا تو مسلمان چلا کر رونے

لگے۔ اور یہ بخاریؒ نے روایت کی اور نسائی میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔

قولہ' حالت بینی یہ صفت ہے ضجۃ کی۔ یعنی ایسا رونا چلانا کہ جو میرے درمیان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے سمجھنے کے درمیان حائل ہو گیا۔ (مطلب اتنی چیخ و پکار ہوگئی کہ اس چیخ و پکار کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تو سنائی دے رہی تھی مگر مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا) پس جب ان کی چیخ و پکار ختم ہوگئی تو میں نے اپنے سے قریب والے آدمی کو کہا بارک اللہ فیک (یہاں ای حرف نداء ہے اور منادی محذوف ہے فلان) کہ کمال کردی ہے حضرت اسماءؓ نے کہ پہلے دعا دی کیونکہ علم حاصل کرنا ہے) اللہ تیری عمر میں برکت دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بات میں کیا فرمایا (ماذاقال صلی اللہ علیہ وسلم اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی استاد کی بات سمجھ نہ آئے تو اپنے قریب والے یا کسی ساتھی سے پوچھ لینا چاہئے۔ تاکہ محروم نہ رہے۔ کیونکہ خیر الناس من ینفع الناس۔ نیز استاذ کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے۔ یہی دعا بارک اللہ فیک اگر سوال پردہ کی آیات کے نزول سے پہلے کا ہو تو کوئی اشکال نہیں اور اگر بعد کا ہو پھر بھی کوئی اشکال نہیں اس لئے کہ ممکن ہے پردہ کے ساتھ سوال کیا ہو) تو اس شخص نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلے قال کا فاعل مسئول اور دوسرے قال کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) تحقیق وحی کی گئی میری طرف یہ بات کہ تم آزمائے جاؤ گے قبروں میں ایسا آزمایا جانا جو فتنہ دجال کے قریب قریب ہوگا۔ (ہولناکی اور شدت خوف میں)

سوال (تفتنون فی القبور قریباً مذکر ہے اور فتنۃ الدجال مونث ہے۔ تو قریبۃ ہونا چاہئے تھا؟

جواب۔ فتنہ افتتان کی تاویل میں ہے لہذا دونوں مذکر جیسے ان رحمت اللہ قریب من المحسنین یہاں بھی رحمت مونث اور قریب مذکر ہے تاویل کریں گے اس سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر حق ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ
حضرت جابرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا۔ جب میت کو قبر میں اتارا جاتا ہے خیال کیا جاتا ہے
عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَيَجْلِسُ يَمْسَحُ عَيْنَيْهِ وَيَقُوْلُ دَعُوْنِيْ اُصَلِّيْ. (رواه ابن ماجه)
اس کیلئے سورج غروب ہونے کے قریب ہے وہ بیٹھتا ہے اپنی آنکھیں ملتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑو میں نماز پڑھوں۔

تشریح: حاصل حدیث: مردے کو سورج اس طرح دکھائی دیا جاتا ہے کہ وہ اس کو یوں سمجھتا ہے کہ یہ غروب ہو رہا ہے۔ خواہ واقع میں ایسا ہو نہ ہو۔ وہ اٹھ کر بیٹھتا ہے آنکھوں کو ملتے ہوئے جیسے ابھی نیند سے سو کر اٹھا ہو تو اسی اثناء میں منکر نکیر آتے ہیں۔ سوال و جواب کرنے کے لئے وہ کہتا ہے دعونی نہیں نہیں مجھے چھوڑو میں نماز پڑھ لوں۔ سوال و جواب بعد میں کرلیں گے سورج غروب ہو رہا ہے کہیں میری نماز قضاء نہ ہو جائے اس لئے مجھے چھوڑو میں نماز پڑھ لوں۔

سوال۔ اس میں کیا حکمت ہے کہ میت سورج قریب الغروب دکھایا جاتا ہے مناسبت کیا ہے۔

جواب۔ دنیا کے اندر مسافرت کے ساتھ اس کی مناسبت ہے۔ جس طرح دنیا میں آدمی نے کسی اجنبی شہر میں جانا کوئی پرسان حال نہ ہو اور سورج قریب الغروب ہو تو مسافر متحیر ہو جاتا ہے پریشان ہو جاتا ہے کہ اس کو پتہ نہیں ہوتا کہ میری رات کہاں گزرے گی اسی طرح میت بھی مسافر ہے عالم آخرت کا تو مسافر کے حال کے مناسبت کی وجہ سے یہ قریب الغروب منظر دکھایا جاتا ہے۔ دعونی اصلی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کو دنیا میں نماز کی فکر ہوگی اس کو قبر میں بھی نماز کی فکر ہوگی۔

قولہ' دعونی اصلی۔ سوال۔ دعو امر کا صیغہ ہے اور اصلی تو جواب امر مجزوم ہونا چاہئے۔ اصل ہونا چاہئے تھا یا کا اضافہ کیوں کیا؟

جواب-۱: جواب امر حرف اصلی نہیں ہے بلکہ عبارۃ محذوف ہے انا ای انا اصلی پورا جملہ جواب امر ہے۔

جواب-۲: یا اشباعی ہے مگر تھوڑا سا کھینچا تو اصلی بن گیا۔

جواب-۳: ابن ماجہ کا قدیمی نسخہ اس میں اصل لکھا ہوا ہے جہاں جلد ثانی ختم ہو رہی ہے۔ الغرض اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر کے احوال کچھ راحت کے ہوں گے اور کچھ تنگی کے بھی ہوں گے۔ بایں ہمہ بعض نسخوں میں اصلی بھی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَیِّتَ یَصِیْرُ اِلَی الْقَبْرِ فَیُجْلَسُ الرَّجُلُ
حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہا کہ میت قبر کی طرف پہنچتی ہے۔ آدمی اپنی قبر میں بیٹھ جاتا ہے۔ نہ کچھ خوف زدہ ہوتا
فِیْ قَبْرِہٖ مِنْ غَیْرِ فَزَعٍ وَلَا مَشْغُوْبٍ ثُمَّ یُقَالُ لَهٗ فِیْمَ کُنْتَ فَیَقُوْلُ کُنْتُ فِی الْاِسْلَامِ فَیُقَالُ مَا هٰذَا
ہے اور نہ گھبرایا ہوا۔ پھر اسے کہا جاتا ہے تو کس دین پر تھا وہ کہتا ہے اسلام میں۔ کہا جاتا ہے یہ کون شخص تھا وہ کہتا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول
الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَآءَنَا بِالْبَیِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَصَدَّقْنَاهُ فَیُقَالُ لَهٗ هَلْ رَاَیْتَ اللّٰهَ
تھے۔ اللہ کے ہاں سے ظاہر دلیلیں لے کر آئے تھے۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اسے کہا جاتا ہے کیا تو نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے پس وہ کہتا ہے کسی کیلئے
فَیَقُوْلُ مَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّرَی اللّٰهَ فَیُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ النَّارِ فَیَنْظُرُ اِلَیْهَا یَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا
لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھے آگ کی طرف ایک روشن دان کھول دیا جاتا ہے۔ وہ اس کی طرف دیکھتا ہے کہ اسکا بعض بعض کو توڑ رہا ہے پس کہا جاتا ہے دیکھ اس چیز کی طرف کہ اللہ تعالیٰ
فَیُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰی مَاوَقٰکَ اللّٰهُ ثُمَّ یُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَیَنْظُرُ اِلٰی زَهْرَتِهَا وَمَا فِیْهَا فَیُقَالُ
نے تجھ کو بچالیا ہے۔ پھر اس کیلئے جنت کی طرف روشن دان کھول دیا جاتا ہے وہ اس کی تروتازگی کی طرف دیکھتا ہے اور جو کچھ اس میں ہے کہا جاتا
لَهٗ هٰذَا مَقْعَدُکَ عَلَی الْیَقِیْنِ کُنْتَ وَعَلَیْهِ مُتَّ وَعَلَیْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ یُجْلَسُ الرَّجُلُ
یہ تیرا ٹھکانہ ہے تو یقین پر تھا اور اس پر تو مرا اور اس پر اٹھایا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ......... اور برا آدمی اپنی قبر میں ڈرا ہوا اور گھبرایا ہوا بیٹھتا ہے
السُّوْءُ فِیْ قَبْرِہٖ فَزِعًا مَشْغُوْبًا فَیُقَالُ لَهٗ فِیْمَ کُنْتَ فَیَقُوْلُ لَآ اَدْرِیْ فَیُقَالُ لَهٗ مَاهٰذَا الرَّجُلُ فَیَقُوْلُ
اسے کہا جاتا ہے تو کس دین میں تھا وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا۔ کہا جاتا ہے۔ وہ شخص کون تھا وہ کہتا ہے میں نے لوگوں کو سنا وہ ایک بات
سَمِعْتُ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ قَوْلًا فَقُلْتُهٗ فَیُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ قِبَلَ الْجَنَّةِ فَیَنْظُرُ اِلٰی زَهْرَتِهَا وَ مَا فِیْهَا فَیُقَالُ
کہتے تھے میں نے بھی کہہ دی اس کیلئے جنت کی طرف روشن دان کھول دیا جاتا ہے وہ اس کی تروتازگی اور جو کچھ اس میں ہے دیکھتا ہے کہا جاتا
لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰی مَاصَرَفَ اللّٰهُ عَنْکَ ثُمَّ یُفَرَّجُ لَهٗ فُرْجَةٌ اِلَی النَّارِ فَیَنْظُرُ اِلَیْهَا یَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا
ہے دیکھ اس چیز کی طرف کہ اللہ تعالیٰ نے پھیر دیا ہے تجھ سے پھر دوزخ کی طرف روشن دان کھول دیا جاتا ہے۔ وہ اس کی طرف دیکھتا ہے کہ اس کا
فَیُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُکَ عَلَی الشَّکِّ کُنْتَ وَعَلَیْهِ مُتَّ وَ عَلَیْهِ تُبْعَثُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ (رواہ ماجه)
بعض بعض کو توڑتا ہے پس کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے۔ تو شک پر تھا اور اس پر تو مرا اور اس پر تو اٹھایا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تشریح: حاصل حدیث۔ اس حدیث میں بھی احوال قبر کا تفصیل سے بیان ہے۔ جب میت قبر میں رکھ دی جاتی ہے تو وہ اٹھ کر اپنی قبر میں بیٹھ جاتا ہے۔ غیر فزع و لامشغوب۔ (اس حال میں کہ) درانحالیکہ نہیں ہوتا وہ گھبرایا ہوا اور نہیں ہوتا وہ خوفزدہ پھر کہا جاتا ہے تو نے کس دین میں زندگی گزاری جواب میں وہ کہتا ہے دین اسلام میں پھر کہا جاتا ہے ماھذا الرجل اس رجل کی صفات کیا ہیں۔ جواب دیتا ہے محمد رسول اللہ ہیں جو ہمارے پاس اللہ کی طرف سے واضح معجزات کو لے کر آئے ہیں ہم نے ان کی تصدیق کی ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے (یہ جو تو کہہ رہا ہے محمد رسول الله جاء نا بالبینات من عندالله) هل رایت الله کیا تو نے اللہ کو دیکھا ہے وہ کہتا ہے نہیں۔ کیونکہ آخرت میں تو رویت زیارت الٰہی ہوگی) یعنی یہ سارا عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا تھا ہم نے ان کی اس پر

تصدیق کردی)۔اس کے لئے ایک روشن دان جہنم کی جانب سے کھول دیا جاتا ہے۔وہ (مومن) اس کی طرف دیکھتا ہے درانحالیکہ ان کا بعض بعض کو توڑ رہا ہوتا ہے۔(یہ کنایہ ہے شدت سے) پس کہا جاتا ہے اس کو دیکھ تو ان مناظر (ہولناک کی طرف جس) سے اللہ نے تجھے بچا لیا ہے (دیکھ اس ٹھکانہ کی طرف یعنی اگر تو ایمان پر نہ ہوتا تو تیرا یہ ٹھکانہ ہوتا۔ یہ اس لئے دکھایا جاتا ہے تاکہ جنت کا شوق پیدا ہو) پھر جنت کی جانب سے روشن دان کھول دیا جاتا ہے۔ وہ اس کی تروتازگی کی طرف دیکھتا ہے اور اس انعامات کی طرف جو اس میں ہوتے ہیں۔ پس وہ کہتے ہیں یہ تیرا ٹھکانہ ہے (قیامت قائم ہونے کے بعد تجھے یہی ٹھکانہ حاصل ہوگا۔ یہ ٹھکانہ کیوں ملا؟ اس لئے کہ (علی الیقین) تو ایمان پر تھا اور اسی پر تو مرا اور اسی پر اٹھایا جائے گا۔علی الیقین یہ ماقبل کے لئے جملہ معللہ ہے علله تبعث ان شاء الله (یہ بطور تبرک کے فرمایا ورنہ ہر آدمی اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت پر مرا تھا یہاں تک تو مومن آدمی کا بیان تھا آگے رجل سوء کا بیان ہے)

اور رجل سوء بھی اٹھ بیٹھتا ہے اپنی قبر میں (سوء سے سوء کامل مراد ہے یعنی کافر) اس حال میں کہ گھبرایا ہوا ہوتا ہے اور خوفزدہ ہوتا ہے (تقابل کیا لا فزعاً و لا مشغوباً کیساتھ) اس سے بھی یہی سوال کئے جاتے ہیں اسکو کہا جاتا ہے تو نے کون سے دین میں زندگی گزاری وہ کہتا ہے۔ لا ادری اس سے رجل کی صفات کے متعلق پوچھا جاتا ہے وہ کہتا ہے سمعت الناس یقولون قولاً فقلته یعنی میں نے بھی یہی بات کہہ ڈالی۔

قوله فيفرج بالتشديد وغیرہ۔ جنت کی جانب سے ایک روشن دان کھول دیا جاتا ہے (تاکہ حسرت بڑھے) تو وہ اس کی تروتازگی اور اس کی نعمتوں کو دیکھتا ہے۔ پھر اس کو کہا جاتا ہے دیکھ تو اس ٹھکانہ کی طرف جو اللہ نے تجھ سے پھیر لیا (یعنی اللہ نے تجھے اس سے محروم کردیا) پھر جہنم کی جانب سے کھڑکی روشن دان کھول دیا جاتا ہے۔ وہ اس کی طرف دیکھتا ہے کہ درانحالیکہ ان کا بعض بعض کو توڑ رہا ہوتا ہے۔ پس اس کو کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے (کیوں) اس لئے کہ تو شک پر تھا (یہ بھی جملہ معللہ ہے ایمان کو یقین سے اور کفر کو شک سے تعبیر کیا) اور تو اسی پر مرا اور اسی پر تو اٹھایا جائے گا۔ان شاءاللہ۔

بَابُ الْاِعْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ
کتاب وسنت پر اعتماد کرنے کا بیان

سوال۔اس باب کی ماقبل کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ اور ارتباط کیا ہے؟

جواب۔ ماقبل میں جو عقائد مذکورہ حقہ بیان ہوئے ان پر عمل اور ان پر پختگی اور بقا تب ہوگا جب اعتصام بالکتاب والسنۃ ہوگا

ربط: ماقبل سے ربط یہ ہے کہ عذاب قبر اور تقدیر کیلئے صرف دلائل عقلیہ کافی نہیں بلکہ دلائل نقلیہ کی بھی ضرورت ہے اور وہ قرآن وسنت ہیں۔

قوله الاعتصام یہ عصمۃ بمعنی منع سے ہے اور یہاں اس کے معنی ہیں مضبوطی سے پکڑنا۔

قوله بالكتاب اس پر الف لام عہد کا ہے اور مراد قرآن مجید ہے اور سنت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال افعال اور تقاریر مراد ہیں۔اعتصام کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حق ہونے کا عقیدہ رکھا جائے کہ یہ کتاب منزل من اللہ ہے اور ان کے مقتضیٰ پر عمل کیا جائے خواہ اوامر کی قبیل سے ہوں یا نواہی کی قبیل سے ہوں۔

سوال: بالکتاب کے بعد السنۃ کو کیوں ذکر کیا کیونکہ اعتصام بالکتاب مستلزم ہے اعتصام بالسنۃ کو۔

جواب: سنت کی اہمیت کو بتلانے کے لئے والسنۃ کا اضافہ کیا۔ سنت رسول اللہ کے بغیر عمل ہو ہی نہیں سکتی۔ اقیموا پر سنت رسول اللہ کے بغیر عمل نہیں ہوسکتا۔ آتوا الزکوٰۃ پر بغیر سنت رسول کے عمل نہیں ہوسکتا کیسے پتہ چلے گا کہ سونے کا نصاب میں اتنی زکوٰۃ ہے چاندی کا اتنا اور اونٹوں اور بکریوں کا اتنا نصاب ہے یہ سنت رسول اللہ سے پتہ چلے گا۔

قوله والسنة سنت کے لغوی معنی طریقے کے ہیں۔

اصطلاح شریعت میں حدیث نبوی کا نام سنت ہے۔ سنت شرعیہ کے مقابلے میں بدعت ہے۔

بدعت کی تعریف:۔ بدعت کے لغوی معنیٰ نئی چیز کے ہیں اچھی ہو یا بری اور اصطلاح شریعت میں ہر وہ نئی چیز بدعت ہے جس کو دین اور قابل ثواب سمجھ کر اختیار کیا جائے اور اس کی اصل اور نظیر **قرون ثلثه مشهود لها بالخير** اور اجماع امت میں نہ ملے۔

(۱) بدعت شرعیہ (۲) بدعت لغویہ۔ بدعت شرعیہ مطلقاً مذموم ہے اور وجوہ مذمت یہ ہیں۔

۱- حضرت انسؓ سے مروی ہے **حجبت التوبة عن صاحب كل بدعة** کیونکہ بدعتی آدمی اس بدعت کو گناہ نہیں سمجھتا اور توبہ گناہ سے ہوتی ہے۔

۲- مجدد الف ثانی فرماتے ہیں وہیچ از بدعت بدعت حسنہ نیست مکتوبات مجدد الف ثانی تو یہاں اصطلاحی بدعت مراد ہے۔

۳- بدعت میں ایک قسم کا ادعاء نبوت ہے کیونکہ بدعتی آدمی اس کو دین سمجھ کر اختیار کرتا ہے اور دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔

۴- بدعتی آدمی اتباع سنت سے محروم رہتا ہے۔

بدعت لغویہ پانچ قسم پر ہے ۱-واجب ۲-حرام ۳-مستحب ۴-مکروہ ۵-مباح ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱- واجب مثلاً فرق باطلہ کی تردید کرنا اور مثلاً علم نحو کا اشتغال کیوں کہ شریعت کی حفاظت واجب ہے اور یہ چیزیں اس کا مقدمہ ہیں اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے

۲- حرام مثلاً جبریہ اور معتزلہ کے عقائد۔ ۳- مستحب مثلاً مدارس مسافر خانے اور خانقاہوں کی تعمیر اور تصوف کے حقائق میں بحث کرنا اور نماز تراویح باجماعت ادا کرنا چنانچہ حضرت عمرؓ اس کے متعلق فرماتے ہیں **نعمت البدعة هذه** تو یہاں بدعۃ لغویہ مراد ہے جو در حقیقت سنت حسنہ ہے۔ ۴- مکروہ مثلاً صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا عندالاحناف مکروہ اور عندالشوافع مباح ہے علی ہذا میت کیلئے تیجہ اور چہلم بھی بدعت مکروہ ہے چنانچہ شامی ص۶۶۴ ج۱ میں ہے **و يكره اتخاذ الطعام فى اليوم الاول و الثالث و بعد الاسبوع**

۵- مباح مثلاً کھانے پینے اور مکان بنانے میں توسع کرنا جبکہ مال حرام سے نہ ہو اور اسی طرح مسجدوں میں نقش و نگار کرنا عندالاحناف مباح اور عندالشوافع مکروہ ہے۔ بدعت کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نئی بات نکالی ہمارے
مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ . (صحيح البخارى و صحيح مسلم)
اس دین میں جو اس میں نہ تھی وہ مردود ہے۔

تشریح: حاصل حدیث۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہمارے امر (دین) میں اس چیز کو ایجاد کیا جو دین میں سے نہیں ہے وہ قابل رد ہے یا وہ مردود ہے۔

قوله **فهو رد** کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں۔ (۱) مرجع امرنا ہو اس کا معنی ہوگا۔ ایجاد کردہ کام یعنی وہ قابل رد ہے۔

(۲) یا ضمیر کا مرجع من ہو ایسا شخص یعنی ایجاد کرنے والا مردود ہے۔ واقعی یہ شخص مردود ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے کہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ دین کی تکمیل کرنا چاہتا ہے حالانکہ دین تو پہلے سے مکمل ہے۔

دین اسلام میں نئی چیز کو ایجاد کیا یعنی کسی چیز کو موجب اجر و ثواب سمجھا حالانکہ اس کی سند و دلیل نہ کتاب اللہ میں ہے نہ سنت رسول اللہ میں ہے

اور نہ تعامل صحابہ سے اور نہ مجتہدین کے اجتہاد سے ثابت ہے تعمیم ہو یعنی نہ ملفوظاً نہ غیر ملفوظ نہ منطوقاً نہ عبارۃ النص نہ اشارۃ النص سے ثابت ہے۔

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعد حمد و ثنا کے بہترین بات
الْهُدٰى هَدْىُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (صحیح مسلم)
اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور بدترین چیز وہ ہے جو نئی نکالی گئی ہو اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

تشریح: امابعد اس کے بارے میں ماقبل میں بحث گزر چکی کہ یہ لفظ ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف انتقال کے وقت استعمال ہوتا ہے نیز خطبے میں ذکر کرنا مستحب ہے۔

قولہ' فان خیر الحدیث کتاب اللہ یہ حدیث کا پہلا جملہ ہے اس میں کتاب اللہ کی مدح بیان کی گئی ہے۔ اعتصام تب ہی ہوگا جب مدح ہوگی اور اس کی عظمت معلوم ہوگی اس لئے کتاب اللہ کی مدح فرمائی گئی۔

سوال: کتاب اللہ پر حدیث کا اطلاق کیا گیا۔ کیا کتاب اللہ حادث ہے۔ **جواب۔** چونکہ قرآن پاک کا نزول آسمان دنیا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر **نجماً فنجماً** واقعات کی مناسبت سے اور حسب ضرورت ۲۳ سال کے عرصے میں تجدد سے ہوا اس مناسبت سے اس پر حدیث کا لفظ بولا گیا۔ کیونکہ تجدد کو حدوث سے تعبیر کرتے ہیں۔ ورنہ وہ حدیث مراد نہیں جو قدیم کے مقابلے میں ہو۔

قولہ' خیر الھدی۔ اگر اس کا عطف ان کے اسم کے لفظ پر کریں تو یہ منصوب ہوگا اور اگر محل پر کریں تو مرفوع ہوگا۔ بہرحال **خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم** یہ حدیث کا دوسرا جملہ ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی مدح کا بیان ہے۔

سوال: جملہ اولیٰ کے ساتھ جملہ ثانیہ کا ربط کیا ہے؟

جواب: جملہ اولیٰ میں فرمایا گیا کتاب اللہ خیر الکلام ہے خیر الحدیث ہے اور اس کے خیر الحدیث ہونے کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اسی پر عمل کیا جائے اور اس پر عمل کرنا تب ممکن ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی اتباع کی جائے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی مدح بیان کی۔ سیرت لرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرنا عمل کی طرف راغب ہے۔ باقی کسی شعبے کی تخصیص نہیں ہر شعبۂ زندگی میں اس کی اتباع کرنی چاہئے۔ **وشر الامور محدثاتھا۔ و کل بدعۃ ضلالۃ۔** یہ تیسرا اور چوتھا جملہ ہے اس میں بدعت کی قباحت وشناعت کا بیان ہے کہ سب سے بدترین امور وہ ہیں جو دین میں ایجاد کئے گئے۔

سوال: ماقبل کے ساتھ ان کا ارتباط کیا ہے؟ **جواب۔** جملہ ثانیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی مدح کا بیان تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اختیار کرنے سے بڑا مانع بدعتوں کا ارتکاب ہے۔ اس لئے بدعت کی قباحت وشناعت کو بیان کیا تا کہ وہ مانع دور ہو جائے یا بعنوان آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اختیار کرنے کے اسباب میں سے سب سے بڑا قوی سبب اجتناب عن البدعت ہے۔ اور بدعت سے اجتناب تب ہوگا جب قباحت وشناعت ہوگی۔ اس لئے جملہ ثالثہ ورابعہ میں قباحت بیان فرمائی۔ فرمایا **کل بدعۃ ضلالۃ** ہر بدعت گمراہی ہے۔

مامفھوم البدعۃ؟ اس کے کئی مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ (ا) کسی چیز کو مستحسن یعنی موجب اجر وثواب سمجھتے ہوئے رضائے الٰہی وقرب الٰہی وخداوندی کا ذریعہ سمجھتے ہوئے ایجاد کرنا۔ اس طور پر کہ نہ اس کی سند کتاب اللہ میں ہے نہ حدیث رسول اللہ میں موجود ہے اور نہ منطوقاً ہو اور نہ مفہوماً ہو اور نہ عبارۃً اور نہ اشارۃً ہو اور نہ ہی تعامل صحابہؓ سے ثابت ہو اور نہ مجتہدین کے اجتہاد سے ثابت ہو یہ بدعت کا مفہوم ہے۔

سوال: کیا ایجادات دنیویہ بدعت ہیں سیارات مطارات وغیرہ۔ **جواب۔** یہ موجب اجر وثواب نہیں۔

سوال: مدارس وخانقاہیں اور دین اسلام کی کتب کی تصانیف ظاہر ہے کہ یہ تو اجر وثواب کے لئے ایجاد کئے گئے ہیں۔ یہ اس جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو نہیں تھے اس ایجاد کے بارے میں کیا کہو گے یہ بدعت ہیں؟ **جواب:** اس کا جواب حضرت تھانویؒ نے دیا کہ یہ

اگر چہ موجب اجر وثواب کے لئے ہیں لیکن یہ احداث فی الدین نہیں۔ احداث للدین ہے یہ دین کو قائم کرنے کے لئے ایجاد کئے گئے ہیں۔

بدعت کی تقسیم۔ بدعت قابل انقسام ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔

پہلا قول۔ بعض کا قول یہ ہے کہ قابل انقسام ہے۔ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱- بدعۃ حسنہ ۲- بدعۃ ضلالۃ۔

دوسرا قول۔ بعض کا قول یہ ہے کہ قابل انقسام نہیں۔ یہ محققین کا قول ہے۔ کل بدعة ضلالة بعض نے تطبیق کی یہ صورت نکالی کہ بدعت کے دو معنے ہیں۔ (۱) لغوی۔ ایجاد کرنا (۲) اصطلاحی۔ موجب اجر وثواب۔ جنہوں نے کہا کہ بدعت قابل انقسام ہے انہوں نے لغوی معنی کے اعتبار سے کہا۔ اور جنہوں نے کہا کہ قابل انقسام نہیں انہوں نے معنے اصطلاحی کے لحاظ سے کہا۔

یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ لفظی اختلاف ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بدعت کی تعریفیں دو کی گئی ہیں۔ اتنی بات پر سب متفق ہیں کہ بدعت وہ کام ہے جس کا خیر القرون میں وجود نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے۔ خیر القرون میں موجود ہونے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز خیر القرون میں موجود بوجود حسی ہو دوسرے یہ کہ موجود بوجود شرعی ہو موجود بوجود حسی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کا نفس الامر میں وجود ہو اور موجود بوجود شرعی کا مطلب یہ ہے کہ اس کام کے جواز پر دلیل شرعی قائم ہو۔ خواہ نفس الامر اور خارج میں وہ کام پایا جاتا ہو یا نہ۔

اگر موجود سے مراد موجود بوجود شرعی لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جس کام کے جواز پر دلیل شرعی قائم نہ ہو اس کو دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے اس صورت میں ہر بدعت سیئہ ہی ہوگی کوئی بدعت بھی اس معنی کے اعتبار سے حسنہ نہیں ہو سکتی جو حضرات عدم انقسام کے قائل ہیں وہ یہی معنی مراد لیتے ہیں اور بدعت کی یہی تعریف کرتے ہیں۔

اگر موجود سے مراد موجود بوجود حسی لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ بدعت وہ کام ہے جس کا خیر القرون بن وجود خارجی نہ ہو اور اس کو دین سمجھ کر کیا جائے۔ اس صورت میں بدعت کی دو قسمیں ہیں ہوں گی اس لئے کہ جو چیز خیر العزن میں خارجا موجود نہ ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کا وجود خارجی تو نہیں تھا لیکن اس کے جواز پر دلیل شرعی قائم ہے۔ یہ بدعت حسنہ ہوگی اور دوسری صورت یہ کہ اس چیز کا نہ تو وجود خارجی خیر القرون میں تھا اور نہ ہی یہ کسی اور دلیل شرعی سے ثابت ہے تو یہ بدعت سیئہ ہوگی۔

اس نکتہ پر دونوں فریق متفق ہیں کہ جو چیز کسی بھی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو اور اس کو دین میں داخل سمجھا جائے تو وہ بدعت ہے اور سیئہ ہے۔ اس کی قباحت پر سب کا اتفاق ہے اور ایک چیز جس کا خیر القرون میں تو وجود خارجی نہیں تھا لیکن کسی دلیل سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ تو ایسی چیز سب کے نزدیک جائز ہے۔ ان دونقطوں پر اتفاق کے بعد اختلاف صرف اتنی بات میں ہے کہ اس دوسری قسم کی چیز کو بدعت سے تعبیر کیا جائے گا یا نہیں؟ جو انقسام کے قائل ہیں وہ اس کو بدعت سے تعبیر کرتے ہیں اور جو عدم انقسام کے قائل ہیں وہ اس کو بدعت ہی شمار نہیں کرتے تو یہ اختلاف محض تعبیری اور لفظی ہوا۔

بدعت منقسم نہیں۔ سوال۔ رہی یہ بات کہ کل بدعة ضلالة یہ موجبہ کلیہ ہے آیا یہ اپنی کلیت پر باقی ہے یا نہیں عموم پر باقی ہے یا نہیں۔

جواب۔ جو انقسام کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں اس کی کلیۃ اور اس کا عموم عام مخصوص منہ البعض کی قبیل سے ہے۔ اور جو انقسام کے قائل نہیں ان کے نزدیک اپنے عموم پر باقی ہے۔

بدعت کی پہچان: اس کے لئے مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ العالی نے کی کتاب صراط مستقیم کا مطالعہ کر لینا چاہئے۔ انہوں نے بدعت کی پہچان کے لئے کچھ اصول بیان کئے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

پہلا اصول: شریعت نے کسی کام اور عبادت کے لئے ایک محل تجویز کیا ہے اب اس کو محض اپنی رائے سے اس عمل کو چھوڑ کر دوسرے محل میں کام کرنا یہ جائز نہیں مثلاً اذان عندالولادۃ کو شریعت نے محل متعین کیا اب عندالموت بھی اذان کہنا یہ جائز نہیں اسی طرح اذان عندصلوٰۃ الخمس شریعت نے مقرر کیا مگر اس پر قیاس کر کے عیدین کے لئے اذان کہنا یہ جائز نہیں۔

دوسرا اصول۔ شریعت نے جس چیز کو جس کیفیت کے ساتھ متعین کیا ہے محض اپنی رائے سے اس کیفیت کو بدل دینا یہ جائز نہیں۔ مثلاً

نمازوں (ظہر اور عصر کی نماز میں قرات سراً مشروع قرار دیا ہے الخ) میں تسمیہ وتعوذ کو سراً پڑھنے کی شریعت نے کیفیت متعین کی ہے اس کیفیت کو چھوڑ کر جہراً میں بدل دے یہ جائز نہیں بدعت ہے۔

تیسرا اصول: شریعت نے کسی کام کو انفرادی حیثیت سے جائز قرار دیا لیکن اس کو محض اپنی رائے سے اجتماعی شکل میں بدل دینا یہ جائز نہیں۔ مثلاً نوافل کو جماعت کی شکل میں پڑھنا اور اسی طرح شریعت نے صلوٰۃ التسبیح کو انفرادی شکل میں مشروع کیا ہے اس کو جماعت کی شکل میں پڑھنا یہ بدعت ہے۔

چوتھا اصول: شریعت نے کسی کام کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے مگر محض اپنی رائے سے اس کو مقید کرنا جائز نہیں۔ مثلاً مصافحہ اسلام شریعت نے اس کو مطلقاً مشروع کیا ہے اب اس کو مقید کر دینا بعد صلوٰۃ الخمس کے ساتھ (کما یفعل البریلوی) اور اسی طرح شریعت نے ایصال ثواب کو مطلقاً جائز قرار دیا اس کو مقید کرنا چالیسواں تیسواں اور گیارہویں وغیرہ کے ساتھ یہ جائز نہیں بدعت ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ ثَلٰثَۃٌ
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص اللہ کی طرف نہایت مبغوض ہیں۔
مُلْحِدٌ فِی الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَمُطَّلِبٌ دَمَ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ بِغَیْرِ حَقٍّ لِّیُھْرِیْقَ دَمَہٗ۔ (بخاری)
کجروی کرنے والا اور اسلام میں جاہلیت کا طریقہ ڈھونڈنے والا اور مسلمان آدمی کا ناحق خون طلب کرنے والا کہ اس کا خون بہائے۔

تشریح: حاصل حدیث۔ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جو ابغض الناس عند الی اللہ ہیں۔ (۱) حدود زمین حرم میں گناہ کرنیوالا (۲) جاہلیت کے امور کو اسلام میں تلاش کرنے والا (۳) ناحق کسی مسلمان کے خون کے بہانے کی طلب رکھنے والا۔

یہ ابغض الناس کیوں ہیں؟ اس لئے کہ ان کا گناہ زیادہ قبیح ہے اس کی معصیت اور زیادہ ہوگئی۔ ایک تو صرف گناہ خود قبیح ہے پھر زمین حرم میں گناہ قباحت ومعصیت اور بڑھ گئی۔ ایک تو جاہلیت کے امور کو رواج دینا یہ خود قبیح ہے پھر اسلام میں بدعت یہ اور زیادہ قباحت بڑھ گئی۔ حدیث میں آیا مبتدغی (طالب) فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ ہے یعنی خواہش اور ارادہ رکھنے والا ابغض الناس ہے تو مباشر بالفعل کا کیا حال ہوگا۔ وہ بطریق اولیٰ ابغض الناس ہے اور اسی طرح ایک صرف مسلمان کو قتل کرنا قبیح ہے پھر ناحق قتل ہو تو وہ اور زیادہ قبیح ہے۔ اس لئے یہ لوگ ابغض الناس ہیں۔

سوال: ابغض الناس تو کفار ہیں یہاں حدیث میں بیان کیا گیا کہ یہ تین شخص ابغض الناس ہیں۔ ایک شخص کفر کو اختیار کئے ہوئے ہے اور دوسرا شخص زمانہ جاہلیت کی رسم کو اختیار کرنے والا ہے کون ابغض الناس ہوگا۔ کافر ہی ہوگا؟

جواب: ان کا ابغض الناس ہونا عصاۃ المسلمین کے اعتبار سے ہے مطلق الناس کے اعتبار سے نہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار کے بارے میں فرمایا مبغوض ترین جگہ بازار ہے کیا اس میں جو لوگ کام کر رہے ہیں وہ جگہیں بھی مبغوض ہیں یا نہیں (اس کا جواب مولانا عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے دیا) فرمایا یہ ان مواقع کے اعتبار سے ہے جن میں جانا مباح ہے ان مواقع میں سے بدترین جگہ بازار ہے جن میں جانا مباح نہیں جائز نہیں ان کے بارے میں نہیں فرمایا کیونکہ وہ تو ناجائز ہی ہے۔

(مثلاً فحاشی کے اڈے سینما وغیرہ) سنت کا لفظ لغوی معنے کے اعتبار سے شر کو بھی شامل ہے جیسے یہاں پر سنۃ کا اطلاق کیا گیا سنۃ الجاھلیۃ.

باب کے ساتھ مناسبت:۔ یہ تین اشخاص یہ مبغوض اس لئے ہیں کہ انہوں نے اعتصام بالکتاب والسنۃ نہیں پایا تھا اگر اعتصام بالکتاب والسنۃ کرتے تو یہ مبغوض نہ ہوتے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری سب امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے قبول نہ کیا کہا گیا
اَبٰی قِیْلَ وَمَنْ اَبٰی قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی (بخاری)
کس نے قبول نہ کیا فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی پس اس نے قبول نہ کیا۔

تشریح: حاصل حدیث: قوله' کل امتی کا مصداق کیا ہے۔ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں اس سے مراد امت اجابت ہے اب معنی یہ ہوگا کہ میری ساری امت اجابت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ بجز ان سے جن سے ابیٰ پایا جائے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ من ابی کون لوگ ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے من ابیٰ کا مصداق بیان کرنے سے پہلے پہلے من اطاع کا مصداق بیان کیا۔ (پہلے پہلے یہ بات بتلائی کہ من ابیٰ کون نہیں اس کا سوال بھی کرنا چاہئے تھا) فرمایا کہ من اطاع۔ جس نے میری فرمانبرداری کی وہ من اطاع ہے اور جنت میں داخل ہوگا۔ جس نے اعتصام بالکتاب والسنۃ کیا وہ من اطاع ہے۔ جس نے میری نافرمانی کی یعنی اعتصام بالکتاب والسنۃ نہ کیا بلکہ ارتکب البدعۃ بدعت کا ارتکاب کیا وہ من ابیٰ ہے۔ (اگر وہ بدعت منجرالی الکفر ہے تو پھر ابدی طور پر جنت میں داخل نہیں ہوگا اور اگر منجرالی الکفر نہیں تو ابتداءً جنت میں داخل نہیں ہوگا) یہی من ابیٰ کا مصداق ہے۔ گویا من ابی کی دو صورتیں ہوئیں۔ (۱) اباء اعتقادی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی بات پر پورا اعتقاد نہیں ایسا شخص مخلد فی النار ہوگا۔

اباءِ عملی۔ یعنی اعتقاداً تمام ضروریات دین کو مانتا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض باتوں پر عمل کرنے میں سستی کرتا ہے ایسے شخص کو دخول فی النار کا خطرہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ میری امت اجابت کو جنت کا دخول اولیٰ ضرور حاصل ہوگا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے کوئی بدعملی کی ہوگی۔ باب کے ساتھ مناسبت بھی ہوگئی کہ ایسا کرنے والا بدعتی شخص ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالُوا اِنَّ لِصَاحِبِكُمْ
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہا کہ فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے۔
هٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوا لَهُ مَثَلًا قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانٌ
انہوں نے کہا کہ تمہارے اس صاحب کی ایک مثال ہے وہ بیان کرو بعض نے کہا وہ سوئے ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا آنکھ سوتی ہے
فَقَالُوا مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا وَ جَعَلَ فِيْهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ
اور دل بیدار ہے انہوں نے کہا آپ کی مثال ایک آدمی کی طرح ہے جس نے گھر بنادیا اور اس میں کھانا تیار کیا ہے اور بلانے والے کو بھیجا ہے
الدَّارَ وَاَكَلَ مَعَهُ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ
جس نے بلانے والے کو مانا گھر میں داخل ہوا اور کھانا کھالیا اور جس نے بلانے والے کو قبول نہ کیا۔
فَقَالُوا اَوِّلُوْهَا لَهُ يُفْقِهُهَا قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانٌ
گھر میں داخل نہ ہوا اور کھانا نہ کھایا۔ فرشتوں نے کہا اس کو بیان کرو تا کہ سمجھے بعض نے کہا وہ سویا ہوا ہے بعض نے کہا آنکھ سوتی ہے اور دل جاگتا
فَقَالُوا الدَّارُ الْجَنَّةُ وَالدَّاعِي مُحَمَّدٌ فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا
ہے پھر کہا گھر سے مراد جنت ہے بلانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے
فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ. (صحيح البخاری)
اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

تشریح: حضرت جابرؓ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے۔ ان فرشتوں میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ یہ جو شخص سوئے ہوئے ہیں ان کا عجیب حال ہے ان کی ایک عجیب مثال ہے۔ دوسروں نے کہا کہ بیان کرو تو دوسرے بعض نے کہا کہ یہ تو سوئے ہوئے ہیں اگر اس کی مثال بیان کریں تو کوئی فائدہ نہیں تو بعض نے کہا ان کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں دل تو بیدار ہے الغرض انہوں نے مثال بیان کی کہ بھائی اس شخص کی مثال ایسے ہے کہ ایک شخص نے محل

(گھر) تیار کیا ہوا اور اس میں کھانا تیار کیا۔ (دستر خوان بچھایا) پھر بانی دار نے کہا کہ لوگوں کو بلاؤ باہر جا کر آواز لگاؤ کہ محل میں کھانا تیار ہے آؤ گھر میں کھانا کھاؤ۔ ظاہر ہے کہ جو گھر میں داخل ہوگا وہ کھانا کھائے گا کھانے سے فائدہ اٹھائے گا اور جو داخل نہیں ہوگا وہ کھانے سے محروم رہ جائے گا۔ اس کو کھانا نہیں ملے گا۔ جب یہ مثال دوسروں نے سنی تو کہا اولوھا ابھی واضح نہیں ہوئی اس کی وضاحت کرو تفصیل بیان کرو تا کہ اس کو سوئے ہوئے شخص اچھی طرح سن لیں سمجھ لیں۔ تو ان میں سے بعض نے کہا کہ یہ تو سوئے ہوئے ہیں۔ **وقال بعضهم ان العين نائمة والقلب يقظان**۔ تو پھر کہا یہ دار جنت ہے اور داعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کھانا جنت کی نعمتیں ہیں۔ تو جس شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانا یعنی اعتصام بالکتاب والسنۃ کیا اس نے اللہ کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا یعنی اس کی نعمتوں کو حاصل کر لیا اور جس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی پس اس نے اللہ کی نافرمانی کی یعنی **لم يعتصم بالكتاب والسنة** کیا تو (جہنم میں جائے گا) جنت کے کھانے سے محروم رہا اس کی نعمتیں حاصل نہ کر سکا۔ اور محمد لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں **(بين المومنين والكافر)**

سوال: ہر آدمی کو فرشتے نظر نہیں آئے۔ حضرت جابرؓ کیسے فرما رہے ہیں کہ فرشتوں کی ایک جماعت آئی۔

جواب: حضرت جابرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے کے بعد کہا ہے سننے کے بعد ان کو معلوم ہوا۔

سوال: دو مرتبہ سوال وجواب کیوں ہوا؟ تکرار کا سبب کیا ہے۔ جواب۔ تا کہ بات راسخ فی الذہن ہو جائے۔

سوال: جنہوں نے کہا **ان العين نائمة والقلب يقظان** ان کا شبہ کیسے دور ہوا کہ یہ تو سوئے ہوئے ہیں بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں آگے انہوں نے جواب دیا **ان العين نائمة والقلب يقظان**۔

جواب: ذوات قدسیہ کے ادراکات کا مدار و معیار محض حواس ظاہرہ پر نہیں حواس باطنہ پر ہے اس لئے وہ سن لیں گے اور ان کو فائدہ ہو جائے گا۔ بیان کرنے میں فائدہ ہے۔

اشکال: ایک حدیث کتاب الصلوٰۃ میں آئے گی جس کو "حدیث لیلۃ التعریس" کہتے ہیں اس میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے قریب آرام کرنے کیلئے پڑاؤ ڈالا۔ حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ صبح صادق کے وقت جگا دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سو گئے اتفاق سے حضرت بلالؓ کو بھی نیند آ گئی۔ فجر کے وقت کسی کو بھی جاگ نہیں آئی جب سورج نکل آیا تو جاگ آئی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قضا فرمائی۔ اس پر سوال کہ نبی کا دل ہر وقت بیدار ہوتا ہے اگر یہی بات ہے تو پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح صادق کا علم کیوں نہ ہوا۔ جواب:۔ بعض حضرات نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ نبی کے دل کا بیدار ہونا کلی نہیں اکثری ہے کبھی کبھار نبی کا دل بھی نیند سے متاثر ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع میں سے ایک موقعہ پر لیلۃ التعریس کا واقعہ بھی پیش آیا ہے لیکن یہ جواب اچھا نہیں کیونکہ نبی کا ہر خواب وحی ہے۔ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ نبی کا دل بھی بعض اوقات نیند سے متاثر ہو جاتا ہے تو وحی کی اس مستقل قسم پر اعتماد نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ ہر خواب میں یہ احتمال موجود ہے کہ اس وقت نبی کا دل سویا ہوا ہو۔ اس لئے یہ جواب مناسب نہیں۔ اکثر شارحین حدیث نے جواب دیا ہے کہ اس حدیث کا حدیث لیلۃ التعریس کے ساتھ کوئی تعارض ہی نہیں ہر عضو کے وظائف الگ الگ ہیں۔ صبح صادق کے معلوم ہونے کا تعلق آنکھوں کا کام ہے۔ صبح صادق کا ادراک کرنا بصر میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنکھیں بند کر لے اور دل جاگ رہا ہو تو اس کو صبح کا ادراک بالکل نہیں ہوگا۔ لیلۃ التعریس میں صبح کے علم نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت آنکھیں سوئی ہوئی تھیں اور ادراک صبح ان کا کام تھا۔

سوال: اجمال میں چار چیزوں کا ذکر ہے۔ (۱) رجل۔ یعنی بانی (۲) دار۔ یعنی جنت (۳) مادبہ۔ یعنی کھانا (۴) داعی۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور تفصیل کے اندر صرف دو چیزوں کا ذکر ہے۔ نمبر (۱) دار کا کہ جنت ہے نمبر (۲) داعی کا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ باقی دو چیزوں کا ذکر نہیں ہوا۔ نمبر (۱) رجل۔ بانی نمبر (۲) مادبہ مراد جنت کی نعمتیں ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ان دو چیزوں کا ذکر شہرت کی وجہ سے نہیں کیا۔ بوجہ وضوح ظہور کے۔ نیز چونکہ اس میں رجل کا ذکر آیا اور رجل بانی، تو اللہ

تعالیٰ ہیں اس لئے رجل کی تفسیر اللہ سے کرنے میں قبح تھی اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔

سوال: مثال بیان کرنے کے لئے کہامثلہ کمثل رجل۔ اس سے معلوم ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشبیہ دی گئی ہے رجل بانی کے ساتھ اور آخر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشبیہ دی گئی ہے داعی کے ساتھ۔

جواب: یہ تشبیہ المفرد بالمفرد کی قبیل سے نہیں بلکہ تشبیہ تمثیلی کی قبیل سے ہے۔ تشبیہ المفرد بالمفرد کہتے ہیں کہ ہم ہر مفرد کا مفرد کے ساتھ تقابل ہو اور تشبیہ تمثیلی یہ ہے کہ ہیئت کا تقابل ہیئت کے ساتھ ہو۔ یعنی چند امور کے مجموعہ سے حاصل شدہ ہیئت کو اس دوسری ہیئت کے ساتھ تشبیہ دی جائے جو دوسرے چند امور سے حاصل ہوئی ہے۔

سوال: مابعد میں ایک حدیث کے اندر دار کی تفصیل اسلام کے ساتھ کی گئی اور یہاں جنت کے ساتھ کی گئی بظاہر تعارض ہے۔

جواب: کوئی تعارض نہیں ایک جگہ مسبب کے ساتھ تفصیل کی گئی اور ایک جگہ سبب کے ساتھ یہاں مسبب کے ساتھ اور مابعد میں سبب کے ساتھ تفصیل کی گئی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ جَآءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰی اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ صَلَّی
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس تین آدمی آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا کَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ
عبادت کے متعلق پوچھا جب ان کو خبر دی گئی۔ انہوں نے اس کو کم جانا اور کہنے لگے ہماری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا
غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ
نسبت ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں۔ ایک کہنے لگا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔
النَّهَارَ اَبَدًا وَّلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَآءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا اور افطار نہ کروں گا تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ ہوں گا کبھی نکاح نہ کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اِلَیْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَخْشٰکُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقٰکُمْ لَهٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ
ان کے پاس آئے پس فرمایا تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں خبردار اللہ کی قسم میں تمہاری نسبت اللہ سے بہت ڈرتا اور تقویٰ کرتا ہوں لیکن میں روزہ رکھتا بھی
وَاُصَلِّیْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
ہوں افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کیا ہے جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

تشریح: ترجمہ۔ تقالوھا۔ اس عبادت کو اپنے حق میں کم سمجھا۔

قولہ' ثلثہ رھط سے کیا مراد ہے۔ اشخاص ثلثہ کا مصداق کون ہیں۔ جواب (۱) حضرت علیؓ (۲) حضرت عثمان بن مظعون۔ یہ رضاعی بھائی ہیں عثمان بن عفانؓ کے (۳) حضرت مقداد بن الاسود یا عبداللہ بن ارواح۔ یہ تینوں شخص ازواج مطہراتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سوال: ازواج مطہرات کی خدمت میں کیوں حاضر ہوئے کس مقصد کے لئے حاضر ہوئے۔ جواب۔ جواب آگے حدیث میں مذکور ہے کہ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کریں۔

سوال: رجال کی خدمت میں حاضر کیوں نہیں ہوئے؟ جواب: ان کا مقصد فرائض کے متعلق سوال کرنا نہیں تھا بلکہ نوافل کے متعلق سوال کرنا تھا وہ نوافل و عبادت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں رہ کر کیا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو گھر والی عبادت کو خوب جانتی تھیں۔ اس لئے ان سے سوال کیا مردوں سے سوال نہیں کیا تو جب ازواج مطہرات نے تفصیل بتائی تو انہوں نے گویا اس عبادت کو اپنے حق میں کم سمجھا۔

سوال: انہوں نے قلیل کیوں سمجھا۔ جواب۔ اس لئے کہ یہ بات ذہن میں راسخ ہوچکی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعبد البشر ہیں اعبد الناس ہیں اس سے یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی مقدار بھی سب سے زیادہ ہوگی۔ جب انہوں نے اس کے مطابق عبادت کو نہ پایا تو تقالوھا انہوں نے اس کو اپنے حق میں کم سمجھا۔ اس پر انہوں نے کہا این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ کہاں ہم خستہ حال اور کہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہ ارفع واعلیٰ ہیں باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے گئے ہیں۔ پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کرتے ہیں ہمیں تو اس سے زیادہ کرنی چاہئے گویا اس جملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قلت عبادت کے عذر کا بیان اور اپنے لئے کثرت عبادت کو اختیار کرنے کی وجہ کا بیان ہے۔

فائدہ: این کا مدخول جب من آجائے تو وہ اس بات پر دلالت کرے گا کہ اس کا مدخول اعلیٰ ہے اور اس کا ماقبل گھٹیا ہے۔ لہذا یہاں اب ترجمہ ومعنی یوں ہوگا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کم مرتبہ ہیں سے۔ جیسے شعر ہے

این لثلاثۃ من ثلاث خصالہ..... من حسنہ و ابائہ یہ تین خصلتیں گھٹیا ہیں ممدوح کی خصلتوں کے مقابلے میں۔

اس کے بعد ہر ایک نے اپنے اپنے ذوق وطبیعت کے مطابق ایک ایک عبادت اپنے لئے انتخاب والتزام کیا۔ ایک نے کہا میں مدت العمر شب بیداری کروں گا۔ یعنی ساری رات عبادت میں گزاروں گا۔ اگرچہ پہلے بھی عبادت کرتے تھے مگر اب پوری رات کا التزام کرلیا اور دوسرے نے کہا میں مدت العمر روزہ رکھوں گا کبھی افطار نہیں کروں گا تیسرے نے کہا کہ میں شادی ہی نہیں کروں گا۔ اگرچہ پہلے سے شادی نہیں تھی تو پھر تو مطلب ظاہر ہے اور اگر شادی تھی تو پھر مطلب یہ ہے کہ اس کو طلاق دے دوں گا اس کے بعد شادی نہیں کروں گا۔ النساء پر الف لام جنس کا ہے۔ اسے جنس نساء مراد ہے۔ شادی اس لئے نہیں کروں گا تاکہ عبادۃ میں مشغول رہوں۔ الغرض جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا تم نے اس طرح اور اس طرح کہا ہے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا عالم الغیب تھے۔

جواب: حضرات ازواج مطہرات نے بتادیا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پھر قسم کھا کر فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں۔ لیکن اخشیٰ اور اتقیٰ ہونے کے باوجود عبادت میں اعتدال ہے۔ میں رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں کچھ حصہ عبادت میں اور کچھ سونے میں۔ روزے رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ تم سے زیادہ بیویوں کے حقوق بھی ادا کرتا ہوں۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سمجھائی کہ نجات کا مدار کثرت عبادت پر نہیں بلکہ اتباع پر ہے۔ نیز یہ بات بتلائی کہ اعبد البشر ہونے کا مدار عبادت کی کمیت پر نہیں بلکہ کیفیت پر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت قلیلہ امت کی بڑی سے بڑی عبادت سے بھی بڑی ہے۔ اخلاص کی وجہ سے اگر تمام عابدین کی عبادت کو اکٹھا کرلیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعت نفل عبادت کو لیا جائے تو بھی برابر نہیں ہوسکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا اخلاص کہاں سے لاؤ گے۔

قولہ' غفر لہ' ماتقدم من ذنبہ وماتاخر یہ اعزاز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے گناہ ہوئے تھے پھر مغفرت ہوئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ اعزاز شروع ہی سے ملا تھا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی مولیٰ اپنے غلام کی مدح کے لئے اس کو کہتا ہے لوگوں کے سامنے کہ جاؤ تم جو چاہے مرضی کرو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے ناراض تھا اب راضی ہوگیا نہیں بلکہ مطلب یہ صرف اس کی تعریف لوگوں کے سامنے اظہار کرتا ہے۔ باقی ذنب کا معنی لغزش وغیرہ ہے۔

قولہ' ماتاخر اشکال وہ لغزش جو ابھی تک ہوئی ہی نہیں۔ پھر اس پر کیسے معافی ہوسکتی ہے۔ جواب اگر بالفرض والمحال ہوجائے تو وہ بھی معاف کردیا گیا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ **اعتصام بالکتاب والسنۃ** تب متحقق ہوگا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال جیسے ہیں ان پر ویسے ہی عمل کیا جائے۔

قولہ' اما واللہ انی لاخشاکم اس کے اندر پانچ تاکیدیں کی ہیں۔ (۱) اما حرف تنبیہ (۲) واللہ قسم (۳) ان (۴) جملہ اسمیہ (۵) لام

تاکید یہ اس لئے تاکیدیں لگائی تاکہ بات راسخ فی الذہن ہو جائے۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ جس نے میری سنت سے یعنی میرے طریقے سے اعراض کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا۔ اس میں آپ نے رخصت دی کئی شخصوں نے اس سے پرہیز کیا
عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذَالِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَبَ فَحَمِدَاللّٰهَ ثُمَّ قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اللہ کی تعریف کی پھر فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے
عَنِ الشَّيْئِ اَصْنَعُهُ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
کہ ایک چیز سے جسے میں کرتا ہوں پرہیز کرتے ہیں پس اللہ کی قسم میں ان کی نسبت اللہ کو بہت زیادہ جانتا ہوں اور اس سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہوں۔

تشریح: حاصل حدیث۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایک کام کیا جس میں دو پہلو تھے۔

(۱) عزیمت کا (۲) رخصت کا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام میں رخصت پر عمل کیا۔ بعض صحابہؓ نے یہ سمجھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی زیادہ اجر وثواب کی ضرورت نہیں اور ہمیں تو زیادہ اجر وثواب کی ضرورت ہے اس لئے ہمیں عزیمت پر عمل کرنا چاہئے۔ لہٰذا انہوں نے عزیمت پر عمل کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ میں تم سے زیادہ دین کو جاننے والا ہوں اور زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ اس کے باوجود میں نے رخصت پر عمل کیا ہے۔ خلاصہ حدیث کا یہ ہوا کہ جس طرح عزیمتوں پر عمل کرنا اللہ کو پسند ہے اسی طرح رخصتوں پر عمل کرنا بھی اللہ کو پسند ہے۔ عجز کے اظہار کی وجہ سے اور عبدیت اور کمزوری کے اظہار کی وجہ سے اللہ کو پسند ہے۔ انسان آخر کب تک عزیمت پر عمل کرتا رہے گا آخر عاجز آ کر رخصت پر عمل کرے گا۔

باب کے ساتھ مناسبت یہ ہوئی کہ جن کاموں میں دونوں پہلو ہیں۔ ان میں رخصت پر عمل کرنا یہ بھی اعتصام بالکتاب والسنۃ ہے۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوا نصیحت کا طریقہ۔ وعظ واصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کا نام نہ لیا جائے بلکہ خطاب عام کیا جائے۔ کماقال صلی اللہ علیہ وسلم مابال اقوام۔

قولہ' اعلمھم قاعدہ مشہورہ ہے علم کا تعلق جزئیات کے ادراکات کے ساتھ ہے اور معرفت کا تعلق کلیات کے ادراکات کے ساتھ ہے یہاں یہ قاعدہ ٹوٹ گیا ہے۔ یا پھر تاویل کریں گے کہ یہاں مضاف محذوف ہے ای انی اعلمھم باحکام اللہ۔

وَعَنْ رَّافِعٍؓ بْنِ خَدِيْجٍؓ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُؤَبِّرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ
رافع بن خدیج سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے وہ کھجوروں کو تابیر کرتے تھے فرمایا تم کیا کرتے ہو
مَا تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوْا
انہوں نے کہا ہم ایسا ہی کرتے ہیں اپنی عادت کے موافق فرمایا شاید کہ اگر تم نہ کرو بہتر ہو۔ انہوں نے چھوڑ دیا میوہ کم ہو گیا صحابہ نے یہ بات آپ
ذَالِكَ لَهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ اَمْرِ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهِ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ
سے ذکر کی آپ نے فرمایا سوائے اس کے نہیں میں ایک آدمی ہوں جب میں تمہیں کسی دین کی بات کا حکم دوں تم اسے قبول کرو اور جس وقت
مِّنْ رَّأْيِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ. (صحيح مسلم)
اپنی عقل سے کسی کام کا حکم دوں تو سوائے اس کے نہیں میں ایک آدمی ہوں۔

تشریح: حدیث تابیر النخل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ تابیر النخل کا کام کرتے تھے۔ تابیر النخل اصل میں درخت دو قسم کے ہیں۔ (۱) ذکور (۲) اناث۔ اللہ تعالیٰ نے ذکور واناث کا مادہ درختوں میں بھی رکھا ہے۔ جو درخت ذکور ہیں ان کا بور لے کر اناث کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ جس کا اثر من جانب اللہ یہ ہے کہ پھلوں میں کماً و کیفاً اضافہ ہو جاتا ہے مقدار کے اعتبار سے بھی پھل زیادہ ہوتے ہیں اور لذیذ بھی ہوتے ہیں ذائقہ اور مزہ بھی ہوتا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال کیا کہ موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں۔ بظاہر اس عمل میں کوئی فائدہ نہیں اس لئے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم یہ کام چھوڑ دو گے تو بہتر ہوگا۔ جزماً نہیں فرمایا بلکہ فرمایا لو لم تفعلو الکان خیراً تو صحابہ کرامؓ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء پر چلتے تھے۔ انہوں نے اس کو چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھلوں میں کماً و کیفاً کمی ہونا شروع ہوگئی۔ پیداوار میں غیر معمولی کمی ہوگئی اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تذکرہ کیا گیا تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انما انا بشر۔ اگر میں دین کے بارے میں کوئی حکم کروں تو اس کا ماننا ضروری ہے اور اگر کسی دنیا کے بارے میں اپنی رائے سے کسی کام کا حکم دوں تو اس میں خطا ہو سکتی ہے۔ فانما انا بشر۔ اس لئے تمہیں اجازت ہے تم اسی پر عمل کرو۔ تم تابیر النخل والا کام کرو۔

سوال: اولاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تابیر النخل والے فعل سے منع فرمایا پھر آخر میں اجازت دے دی اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب:۔ اولاً جو منع فرمایا اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں اس لئے اس پر عمل کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اور پھر جب اجازت دی تو اجازت دینے کا منشاء یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غور وفکر کیا کہ دنیا دار الاسباب ہے حق جل شانہ نے مسببات کو اسباب پر مرتب فرماتے ہیں اللہ جل شانہ نے مسببات اور اسباب کے درمیان تعلق وجوڑ رکھا ہے اور تابیر النخل یہ بھی سبب ہے جس کے ذریعہ پھلوں میں اضافہ ہو جاتا ہے لہٰذا اس تابیر النخل والے عمل سے پھلوں میں اضافہ ہو جانا یہ بھی من جانب اللہ ہے اس لئے آخر میں اجازت دے دی الغرض یہ دنیا دار الاسباب ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور حضرت آدم وحوا کو بغیر باپ کے پیدا کیا لیکن اس کے باوجود عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ نکاح کے بغیر اولاد نہیں ہوگی۔ نکاح سبب ہے اولاد کا۔ اللہ اسباب پر مسببات کو مرتب فرماتے ہیں جب بھوکا انسان کھانا کھاتا ہے تو اللہ اس پر اثر مرتب فرماتے ہیں کہ وہ سیر ہو جاتا ہے ورنہ کئی شخص ایسے ہوتے ہیں جو سیر بھی نہیں ہوتے ایک آدمی کا دل کرتا ہے کہ سارا سمندر پی جاؤں مگر اس کی پیاس پھر بھی نہیں بجھتی۔ تو یہ ایک اثر ہے جو کہ اسباب پر مرتب ہوتا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولاً منع فرمانا کوئی حتماً اور جزماً نہیں تھا۔ لہٰذا کوئی باعث اشکال نہیں۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو لم تفعلوا کان خیراً۔ **جواب۔** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان امور میں ایسا فرمایا اس وجہ سے تھا کہ امور دنیویہ کی طرف آپ کی التفات نہیں تھی اور نسائی کے اندر یہ الفاظ ہیں انتم اعلم بامور دنیا کم۔ اپنے امور دنیویہ میں تم زیادہ جاننے والے ہو۔ اس سے بعض محدثین نے سمجھا کہ امور دنیا میں انسان آزاد ہے۔ خود مختار ہے۔ کھانا سنت کے مطابق کھاؤ محدثین کہیں گے یہ دنیا کا کام ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کاروبار ہو یا لباس کا مسئلہ ہو اس میں کہیں گے کہ یہ دنیا کا کام ہے۔ یہ ان کا صغریٰ ہے۔ اور کبریٰ یہ ہے کہ دنیا کے کام میں انسان خود مختار ہے آزاد ہے لہٰذا ان کاموں میں بھی انسان آزاد ہے۔ ان کی یہ بات درست نہیں ہے۔ اگر ہم ان کے صغریٰ وکبریٰ کو تسلیم کر بھی لیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان خود مختار ہے۔ اس لئے کہ اعلم بامور دنیا اور چیز ہے اور خود مختار ہونا اور چیز ہے۔ کیونکہ مثال کے طور پر ایک لوہار ہے وہ ہتھیار بناتا ہے اور وہ اسلحہ بناتا ہے اور ایک بادشاہ ہے اس کو بنانا نہیں آتا۔ بلکہ اس کو استعمال کرنا آتا ہے تو تم کیا کہو گے کہ بادشاہ کو اسلحہ بنانا آتا ہے نہیں۔ اعلم ہونا اور چیز ہے اگرچہ وہ بادشاہ استعمال تو کر سکتا ہے مگر خود مختار نہیں۔ بنانا نہیں آتا۔ خود مختار ہونا اور چیز ہے وھم ای اھل المدینہ ای اھل بساطین۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ
ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اور اس چیز کی مثال جس کو دیکر مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ ایک آدمی کی

كَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰى قَوْمًا فَقَالَ يَاقَوْمِ اِنِّىْ رَاَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَىَّ وَاِنِّىْ اَنَا النَّذِيْرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَاءَ

مانند ہے جو ایک قوم کے پاس آ کر کہتا ہے کہ میں نے ایک بہت بڑا لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں ڈرانے والا ہوں ننگا بس جلدی کرو جلدی کرو قوم

النَّجَاءَ فَاَطَاعَهُ طَآئِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ فَاَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰى مَهْلِهِمْ فَنَجَوْا وَكَذَّبَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

میں سے ایک جماعت نے اس کی بات مان لی وہ راتوں رات چلے گئے۔ آہستگی پر پس وہ نجات پا گئے اور ان میں سے ایک جماعت نے اس بات کو

فَاَصْبَحُوْا مَكَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَاَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِىْ فَاتَّبَعَ مَا

جھٹلا دیا وہ اپنی جگہ پر رہے صبح کے وقت ان پر لشکر نے حملہ کر دیا اور جڑ سے ان کو اکھاڑ پھینکا یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے میری اطاعت کی اور جس

جِئْتُ بِهٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِىْ وَكَذَّبَ مَا جِئْتُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

چیز کو میں لے کر آیا ہوں اس کی پیروی کی اور اس شخص کی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جس چیز کو میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔

تشریح: **قوله' فالنجاء النجاء**۔ لازم پکڑو جلدی کرنے کو مرتین۔ (دو مرتبہ کہا) معنی بچاؤ کے اسباب اختیار کرو۔ **مهلهم** اپنے وقار و سکون کے ساتھ **قوله' فاهلكهم و اجتاحهم**۔ پس اس لشکر نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اور میرے لائے ہوئے دین کی مثال یوں سمجھ لو کہ جیسے کوئی شخص اپنی قوم کے پاس پہنچے اور کہے کہ اے میری قوم۔ دشمن کے لشکر تو حملے کیلئے آتے ہوئے دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے اور میں نذیر العریان ہوں۔ یعنی میں اس لشکر سے ڈرانے والا ہوں۔

قوله' نذير العريان۔ یہ ایک ضرب المثل ہے جو انتہائی سخت خطرے کے وقت بولی جاتی ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں رسم اور طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص دشمن کو آتے دیکھتا تو اپنے کپڑے اتار کر لاٹھی سے باندھ لیتا اور اس کو اپنے سر کے اردگرد گھماتا ہوا اپنی قوم کی طرف دوڑتا۔ جس کو دیکھ کر ہر شخص سمجھ جاتا کہ کوئی بڑا لشکر آ رہا ہے بڑا انتہائی خطرہ ہے (اس وقت یہ جملہ بولتا ہے انا نذیر العریان) میں سختی سے ڈرانے والا ہوں لہٰذا اپنے بچاؤ کے اسباب اختیار کرلو جلدی جلدی تو الغرض جہاں انذار علی وجہ المبالغہ مقصود ہو تو وہاں پر یہ جملہ بولا جاتا ہے **النجاء النجاء** تو ایک جماعت نے اس کی اطاعت کی پس وہ جماعت رات ورات اس جگہ سے نکل پڑی اور وہ بڑے سکون سے چلتی رہی پس انہوں نے نجات پالی۔ اور ایک فریق و جماعت نے اس شخص کی تکذیب کی اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ باتیں ہوتی رہتی ہیں کون رات کو یہاں سے نکلے اور سفر کرے کوئی بات نہیں نتیجہ یہ نکلا کہ صبح یہ لوگ اپنے گھروں میں تھے کہ اچانک دشمن نے آ کر حملہ کر دیا اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی **والعاديات ضبحا فالموريات قدحا فالمغيرات صبحاً** ان لوگوں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال بھی اسی طرح ہے میں بھی جہنم کے مہلکات اور جہنم کی ہولناکیوں سے ڈراتا ہوں جنہوں نے میری بات کو مان لیا۔ میں جو میں لایا ہوں کہ مان لیا وہ شخص خود بخود کامیاب ہو گئے اور جنہوں نے میری نافرمانی کی میری بات نہ مانی وہ ناکام ہو گئے۔

یہ حدیث تین تشبیہات پر مشتمل ہے (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تشبیہ دی گئی ہے منذر کے ساتھ وجہ تشبیہ جس طرح منذر کا مقصود خیر خواہی ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود بھی خیر خواہی ہے۔ (۲) آپ کی امت اجابت یعنی جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو مان لیا ان کو تشبیہ دی گئی ہے ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے رجل منذر کی بات کو مان لیا تو نجات پا گئے اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو مان لیا وہ بھی نجات پا گئے۔ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے وہ لوگ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو نہیں مانا ان کو تشبیہ دی گئی ہے ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے رجل منذر کی تکذیب کی اور اس کی بات کو نہیں مانا وجہ تشبیہ ھالک ہونے میں ہے جس طرح رجل منذر کی تکذیب کرنے والے نتیجۃً ہلاک ہو گئے۔ نیست و نابود ہو گئے اسی طرح اسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ ماننے والے بھی ہلاک ہو گئے۔ اگر بالکلیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو نہیں مانا بلکہ کفر پر رہے تو بالکل نجات سے محروم اور اگر

بالکلیہ نہیں تو کسی نہ کسی وقت میں محرومی ہوگی لیکن بعد میں جنت میں داخل ہوجائیں گے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ کَمَثَلِ رَجُلِ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے آگ جلائی جب اس نے اپنا گرد روشن

اَضَآءَ تْ مَاحَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَآبُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْهَا وَجَعَلَ یَحْجُزُهُنَّ

کیا پروانوں اوران جانوروں نے جوآگ میں گرتے ہیں آگ میں گرنا شروع کیا اس نے ان کو روکنا شروع کیا وہ اس پر غالب آتے ہیں اور

وَیَغْلِبْنَهُ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْهَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا هٰذِهٖ رِوَایَةُ الْبُخَارِیِّ

آگ میں داخل ہورہے ہیں۔ میں تمہاری کمریں پکڑ کر آگ میں داخل ہونے سے روکتا ہوں اور تم اس میں داخل ہوتے ہو۔ (بخاری)

وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِهَا قَالَ فَذٰلِکَ مَثَلِیْ وَمَثَلُکُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ

مسلم کی روایت میں ہے اوراس کے آخر میں آپ نے فرمایا میری اور تمہاری مثال ایسے ہے کہ میں تمہاری کمریں پکڑتا ہوں آگ سے بچانے کیلئے

عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

اور کہتا ہوں میری طرف آؤ آگ سے بچو میری طرف آؤ آگ سے بچو اور تم مجھ پر غالب آتے ہو اور اس میں داخل ہوتے ہو۔

تشریح: حاصل حدیث۔ یہ حدیث بھی کئی تشبیہات پر مشتمل ہے۔ (۱) اس حدیث میں مہالک ومعاصی کو تشبیہ دی گئی ہے نار کے ساتھ وجہ تشبیہ جیسے آگ ہلاکت کا سبب ہے اسی طرح معاصی ومہالک بھی ہلاکت کا سبب ہیں۔ (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معاصی ومہالک کو کھول کھول کر واضح بیان کرنے کو تشبیہ دی گئی ہے موقد نار (آگ جلانے والے) کے ساتھ وجہ تشبیہ جس طرح موقد نار کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ان معاصی ومہالک کو کھول کھول کر بیان کرنے سے مقصود انتفاع الخلق ہے مخلوق کو فائدہ پہنچانا کیونکہ کوئی شخص زہر سے تب ہی بچے گا جب اس کو علم ہوگا۔ (۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان واضح بیانات کے مشارق ومغارب میں (عالم اطراف میں) پہنچ جانے کو تشبیہ دی گئی ہے اضاء ة النار ماحولها کے ساتھ۔

(۴) لوگوں کے انجام سے ناواقف ہونے کی بناء پر ان معاصی ومہالک کے ارتکاب کی وجہ سے ان لوگوں کے تساقط فی نار جہنم کو تشبیہ دی گئی ہے۔ تساقط الفراش فی نار الدنیا کے ساتھ یعنی ان پروانوں کے ساتھ انجام ہے اور یہ لوگ ناواقف ہونے کی بناء پر دنیا کی آگ میں گر رہے ہیں۔ جس طرح یہ پروانے دنیا کی آگ میں چھلانگیں لگا رہے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی جہنم کی آگ میں چھلانگیں لگا رہے ہیں۔ اس تشبیہ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح یہ پروانے دنیا کی آگ کے عاشق اور حریص میں ان کو اپنے انجام کا علم نہیں۔ اسی طرح مبتدعین بھی اجر وثواب کے حریص ہیں عاشق ہیں لیکن انجام کا پتہ نہیں ہوتا۔

(۵) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی امت کو جہنم کی آگ سے بچانے کو تشبیہ دی گئی ہے اس شخص کے ساتھ جو کسی کی کمر کو مضبوطی سے پکڑ کر آگ سے پیچھے دھکیل رہا ہو اس کو آگ سے بچا رہا ہو اور وہ شخص آگ میں گرنا چاہتا ہو۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانا چاہتے ہیں کہ میں تم کو جہنم سے کھینچ رہا ہوں اور تم اس میں گرنا چاہتے ہو۔

پہلے عن النار میں متعلق محذوف ہے لاخلصکم عن النار اور مسلم کی روایت میں عن النار کا متعلق یہ ہے۔ هلم تبعدین عن النار تقحمون اصل میں تفتحمون تھا۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰی وَالْعِلْمِ

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس چیز کی مثال جس کو دے کر مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے ہدایت اور علم سے بہت بارش کی

كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ قَبِلَتِ الْمَآءَ فَاَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ
طرح ہے جوزمین کو پہنچی اس زمین کا ایک ٹکڑا اچھا تھا اس نے پانی قبول کیا اور گھاس اگائی خشک اور تر گھاس بہت زیادہ اور ایک ٹکڑا سخت تھا کہ پانی اس کے اوپر جمع
الْكَثِيْرَ وَكَانَتْ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ
ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو نفع پہنچایا۔لوگوں نے اس کو پیا اور پلایا اور اس سے کھیتی کو سیراب کیا اور بارش کا یہ پانی زمین کے ایک ٹکڑے کو پہنچا سوائے اس
مِنْهَا طَائِفَةً اُخْرٰی اِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَآءً وَّلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِيْ دِيْنِ
کے نہیں وہ چٹیل میدان تھا اس نے پانی کو روکا اور نہ گھاس اگایا۔یہ اس شخص کی مثال ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے دین کی سمجھ نصیب ہوئی اور جس چیز
اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَاْسًا وَّلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِیْ
کے ساتھ مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اس کے ساتھ نفع حاصل کیا اور اس شخص کی مثال جس نے اس کے ساتھ اپنا سر نہ اٹھایا اور اس ہدایت کو قبول نہ
اُرْسِلْتُ بِهٖ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
کیا جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں۔

تشریح: حاصل حدیث یہ حدیث دو تشبیہوں پر مشتمل ہے۔(۱) اس حدیث میں علم وہدایت کو تشبیہ دی گئی ہے موسلا دھار بارش کے ساتھ وجہ تشبیہ جس طرح موسلا دھار بارش فوائد کا ذریعہ ہے اسی طرح علم وہدایت بھی فوائد کا ذریعہ ہے۔

(۲) علم وہدایت سے انتفاع کے اعتبار سے انسان کو (فائدہ حاصل کرنے اور نہ کرنے) کے اعتبار سے انسان کو تشبیہ دی گئی ہے۔زمین کے ساتھ جس کی تفصیل یہ ہے کہ موسلا دھار بارش سے فائدہ حاصل کرنے نہ کرنے کے اعتبار سے زمین کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) زمین کا وہ عمدہ حصہ جس نے اپنی عمدگی کی وجہ سے پانی کو جذب کیا اور پھر اس نے فائدہ اٹھایا۔طرح طرح کے نباتات اگائے بہترین قسم کا سبزہ وگھاس اگایا جس کی وجہ سے لوگوں کو فائدہ پہنچا۔بالفاظ دیگر یعنی نافع اور منتفع ہوئی۔(۲) زمین کا وہ سخت حصہ جس نے سلابت کی وجہ سے جذب تو نہیں کیا مگر ٹھہرا لیا اور اس ٹھہرے ہوئے پانی سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا خود بھی پیا جانوروں کو بھی پلایا۔یعنی نافع غیر منتفع۔(۳) زمین کا وہ سخت حصہ پتھریلا حصہ چٹیل میدان جس پر پانی برسا اور بہہ کر چلا گیا نہ تو اس نے جذب کیا اور نہ ہی (ٹھہرا) روکا۔یعنی غیر نافع غیر منتفع۔

بالکل اسی طرح علم وہدایت سے فائدہ حاصل کرنے نہ کرنے انتفاع عدم انتفاع کے اعتبار سے انسان کی بھی تین قسمیں ہیں۔

(۱) علم حاصل کیا اس پر عمل کیا دوسروں تک پہنچایا جس کا حاصل یہ ہے عالم عابد اور معلم بنا (عبادت سے مراد نوافل وغیرہ) (۲) علم حاصل کیا لیکن دوسروں تک نہیں پہنچایا جس کا حاصل عالم غیر عابد معلم (۳) جس نے خود بھی علم حاصل نہیں کیا دوسروں کی طرف سر نہیں اٹھایا یعنی توجہ نہیں دی نہ عمل کیا اور نہ دوسروں تک پہنچایا غیر عالم غیر عابد غیر معلم (عابد سے مراد نفلی عبادات کرنے والا ہے) فرائض زیر بحث نہیں فرائض چھوڑنے والا عالم ہی نہیں۔

اشکال۔مشبہ بہ ارض کی تین قسمیں حدیث میں مذکور ہیں اور مشبہ یعنی انسان کی دو قسمیں مذکور ہیں۔تشبیہ منطبق نہیں ہوتی۔

زمین کی قسمیں یہ مذکور ہیں (۱) اصاب ارضاً فكانت منها طائفة طيبة قبلت الماء فانبتت الكلاء و العشب الكثير۔

(۲) وكانت منها اجادب مسكت الماء فنفع الله بها (الناس فشربوا وسقوا وزرعوا) (۳) اصاب منها طائفة اخرىٰ انما هي قيعان لاتمسک ماء ولاتنبت كلاً۔اور انسان کی دو مذکورہ قسمیں یہ ہیں۔(۱) مثل من فقه فی دين الله و نفعه' ما بعثنی الله به فعلم و علم۔(۲) مثل من لم يرفع بذالک راساولم يقبل هدى الله الذى ارسلت به۔یہاں تیسری قسم مذکور نہیں ہے۔

جواب۔جواب کے اندر شراح کے دو قول ہیں۔دو گروہ ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ جس طرح مشبہ انسان کی تقسیم ثنائی ہے (دو قسمیں ہیں) اسی طرح مشبہ بہ ارض کی تقسیم بھی ثنائی ہے۔حدیث کے اندر مشبہ بہ ارض کی تقسیم دکھائی دینے میں تو ثلاثی ہے (تین قسمیں ہیں) لیکن

اندر اندر سے ثنائی ہے۔ وہ اس طرح کہ زمین کی دو قسمیں ہیں۔(۱) منتفع بالماء (۲) غیر منتفع بالماء۔
اور پھر منتفع بالماء کی دو صورتیں ہیں (۱) منبت (۲) غیر منبت۔ مشبہ انسان دو قسم پر ہے۔(۱) منتفع بالدین (۲) غیر منتفع بالدین
پھر منتفع بالدین کی دو قسمیں ہیں۔(۱) معلم (۲) غیر معلم۔ بعنوان آخر مشبہ انسان دو قسم پر ہے۔(۱) محمود (۲) غیر محمود۔
پھر محمود کی دو قسمیں ہیں۔(۱) عالم عابد معلم۔(۲) عالم عابد غیر معلم۔ اور مشبہ بہ کی بھی یہی قسمیں ہیں۔ محمود غیر محمود منبت غیر منبت اس پر قرینہ بھی ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ اصاب کا تکرار پایا جاتا ہے اور اصاب دو مرتبہ ہے تو دوسرے اصاب سے دوسری قسم ہے تیسری قسم نہیں ہے لہٰذا اب مشبہ کی بھی تقسیم ثنائی اور مشبہ بہ کی بھی تقسیم ثنائی ہے لہٰذا مطابقت ہوگئی تو تشبیہ بھی منطبق ہوگئی۔
دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کا عکس کرلو کہ جس طرح مشبہ بہ کی (تین قسمیں ہیں) تقسیم ثلاثی ہے اسی طرح مشبہ انسان کی تقسیم بھی ثلاثی ہے۔
مشبہ بہ انسان کی تقسیم ثلاثی یوں ہے۔(۱) **مثل من فقه في دين الله** (۲) **من نفعه ما بعثني الله به فعلم و علم**۔ اس قسم میں من کا کلمہ محذوف ہے۔(۳) **مثل من لم يرفع بذالک راساً و لم** الخ اور ارض کی تین قسمیں تو واضح ہیں۔ لیکن اس میں یہاں لف ونشر مشوش ہے۔ مشبہ کی جانب جو پہلی قسم پہلے نمبر پر ہے یہ مشبہ بہ کی جانب دوسری قسم ہے اور مشبہ کے اندر جو دوسری قسم ہے یہ مشبہ کی پہلی قسم پہلے نمبر پر ہے یہ مشبہ بہ کی جانب دوسری قسم ہے اور مشبہ کے اندر دوسرے نمبر پر جو دوسری قسم ہے یہ مشبہ کی پہلی قسم پہلے نمبر پر ہے اور تیسری قسم دونوں میں ایک ہے۔ دوسرے نمبر یہ دوسری قسم کا کیا قرینہ ہے یا نہیں اور اس پر قرینہ بھی موجود ہے دوسرے نمبر پر اور شاہد موجود ہے وہ یہ ہے کہ علامہ طیبیؒ نے اپنی شرح میں حضرت حسان بن ثابتؓ کا ایک شعر نقل کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ **امن يهجو رسول الله منكم و يمدحه' سواء**۔ کلا ہرگز نہیں برابر ہوسکتے یہاں **يمدحه'** سے پہلے کلمہ من محذوف ہے۔ **لكل وجهة** جس کا جی چاہے وہی اختیار کرے احتمال کے درجے میں یوں بیان کیا گیا کہ قسم اول میں فقہاء مراد ہیں خود بھی عالم اور دوسروں کو بھی اجتہاد کے ذریعہ فائدہ پہنچاتے ہیں اور قسم ثانی میں محدثین مراد ہیں۔
حدیث کے الفاظ کی تشریح **قوله' غيث** مطلق بارش کو نہیں کہتے بلکہ اس بارش کو کہتے ہیں جس کی لوگوں کو چاہت ہو آرزو ہو دنیا اس کی محتاج ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس ہدایت کو لے کر جس کی دنیا پیاسی تھی ساری دنیا محتاج تھی کیونکہ پہلے فطرۃ کا زمانہ تھا۔ اب لوگوں کو چاہت تھی کہ کوئی رہنما ملے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔
قوله' كلاء اور **شعب** میں فرق ہے کلاء میں دو قول ہیں (۱) یابس کے ساتھ خاص ہو تر گھاس کو کہتے ہیں۔
(۲) عموم ہے خواہ یابس ہو یا رطب ہو۔ دونوں پر اطلاق ہے۔ اور شعب کا اطلاق صرف رطب پر ہوتا ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَاقَالَتْ تَلاَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَالَّذِيْ اَنْزَلَ عَلَيْکَ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اللہ وہ ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب
الْكِتَابَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ وَّقَرَءَ اِلٰى "وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوالْاَلْبَابِ" (پ۳. رکوع۹) **قَالَتْ قَالَ**
اتاری اس میں آیات ہیں محکم اور آخر تک پڑھی کہ نہیں نصیحت پکڑتے مگر عقل والے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا رَاَيْتِ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ رَاَيْتُمُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
فرمایا جس وقت تو دیکھے۔ مسلم میں ہے جب تم دیکھو ان لوگوں کو کہ متشابہ آیات کے پیچھے پڑتے ہیں
فَاُولٰٓئِکَ الَّذِيْنَ سَمّٰهُمُ اللّٰهُ فَاحْذَرُوْهُمْ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام رکھا ہے ان سے بچو۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ آیات دو قسم پر ہیں۔ ا۔ محکمات (۲) متشابہات۔ محکمہ اس کو کہتے ہیں جس کا مرادی معنی واضح ہو

اور متشابہ اس کو کہتے ہیں جن کا لغوی معنی واضح ہو مگر مرادی معنی واضح نہ ہو بلکہ اشتباہ ہو جیسے ید اللہ عام از یں وہ اشتباہ الفاظ مفردہ کے اعتبار سے ہو یا جملوں کے اعتبار سے ہو یا اسباب نزول کے اعتبار سے ہو یا مختلف المعانی ہونے کے اعتبار سے ہو۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ اور مسلم کی روایت کے مطابق اے مخاطبین (رأت راجح ہے یا رایت۔ رایت راجح ہے وجہ ترجیح حدیث مسلم اس میں رائیم ہے اس لئے خطاب عام ہے) جب دیکھو تم ان لوگوں کو جو آیات متشابہات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو ان سے بھی بچو یہی وہ لوگ ہیں جن کا نام اللہ نے اہل زیغ رکھا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیات متشابہات کی تشریح کرنا اور ان کے پیچھے پڑنا جائز نہیں۔ ابتغاء شرعاً جائز نہیں۔ سوال اہل حق نے مفسرین نے متشابہات کے معنے بیان کئے ہیں جیسے الم الف سے مراد اللہ لام سے مراد جبرئیل اور میم سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس حدیث میں آیا کہ ان سے بچو اہل حق کا متشابہات کا معنی بیان کرنا وہ اس حدیث کی زد میں آ رہا ہے۔

ابتغاء المتشابہات دو قسم پر ہے۔ (۱) ایسی مراد بیان جو آیات محکمات کے معارض ہو۔ (۲) ایسی مراد بیان کرنا جو آیات محکمات کے معارض نہ ہو۔

حدیث کا مدلول یہ ہے کہ آیات متشابہات کی ایسی مراد و تفسیر بیان کرنا جو آیات محکمات کے معارض ہو اس سے بچنا ضروری ہے اور اہل حق نے جو معنی و تفسیر بیان کیا وہ آیات محکمات کے معارض نہیں ہے۔ بعنوان آخر متشابہات کی مراد کو بیان کرنا دو قسم پر ہے۔

(۱) جزماً (۲) احتمالاً۔ حدیث کا مدلول جزماً ہے اور مفسرین و اہل حق نے جو معنی و مراد بیان کیا ہے وہ احتمالاً ہے۔ احتمال کے درجے میں ہے جزمی طور پر نہیں۔ مابعد والی روایت بے مقصد کبھی نہیں ہوتی رائیم پر رایت کی وجہ ترجیح ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ هَجَّرْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا
حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے ایک دن دوپہر کے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
قَالَ فَسَمِعَ اَصْوَاتَ رَجُلَيْنِ اخْتَلَفَا فِيْ اٰيَةٍ فَخَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَفُ
دو آدمیوں کی آواز سنی کہ ایک آیت میں اختلاف کر رہے تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر نکلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے
فِيْ وَجْهِهِ الْغَضَبُ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ فِي الْكِتَابِ. (صحیح مسلم)
غصہ پہچانا جاتا تھا۔ فرمایا تم سے پہلے لوگ اللہ کی کتاب میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں دوپہر کے وقت سخت گرمی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکلا۔ سوال اس بات کو بیان کرنے سے مقصود کیا ہے؟ جواب اس کو بیان کرنے سے مقصود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرنے میں اپنے شدید الحریص ہونے کو بتلانا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جونہی اپنے حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائیں تو میں فوراً استفادہ کرنا شروع کر دوں۔ لہٰذا یہ بتلایا کہ تمہیں بھی حریص علم ہونا چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں میں باہر نکلا تو میں نے دو آدمیوں کی آواز کو سنا کہ وہ کسی آیت کے بارے میں جھگڑا کر رہے تھے۔ یہ اختلاف کس قسم کا تھا۔ اس میں کئی قول و احتمال ہیں۔

(۱) یہ اختلاف آیت من القرآن ہونے نہ ہونے میں تھا کہ آیا یہ آیت قرآن کی ہے یا نہیں۔

(۲) یہ اختلاف قراۃ میں تھا۔ کہ اس کو کیسے پڑھنا ہے۔ (۳) مصداق اور معنے میں اختلاف تھا۔ ظاہر ہے کہ آیت من القرآن ہونے نہ ہونے میں اختلاف مناسب نہیں اور اختلاف قراۃ اور مصداق و معنے میں اختلاف کرنا یہ بھی مناسب نہیں تھا۔

یہ اختلاف آیت محکمہ میں تھا یا آیت متشابہ میں۔ اگر آیت محکمہ کے بارے میں ہو تو اشکال یہ ہے کہ یہ تو واضح المراد ہوتی ہے۔ جواب عدم التفات اور کما ینبغی تامل نہ کرنے کی وجہ سے اختلاف ہوا اور اگر آیت متشابہ کے بارے میں ہو تو جزمی طور پر اس کی مراد متعین کرنی بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے اختلاف ہوا۔

سوال: ائمہ مجتہدین کے جتنے اجتہادات ہیں یہ سب کے سب آیت کے معنے سے مسائل استنباط کرتے ہیں یہ اختلاف اسی وجہ سے ہوتا ہے لامحالہ آیت میں اختلاف تو ہوگیا جواب اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو ہلاکت کا سبب ہو۔

اختلاف فی الآیۃ دو قسم پر ہے۔(۱) وہ اختلاف جو ہلاکت کا سبب ہو یعنی وہ اختلاف جس کی وجہ سے دین میں شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں یہ صلاح کا ذریعہ ہے۔ اور حدیث میں یہی مراد ہے اور (۲) وہ اختلاف جو شبہات کو دور کرنے کے لئے ہو۔ تناقض وتعارض کو ختم کرنے کے لئے ہو۔ ائمہ مجتہدین کا اختلاف اختلاف رفع تعارض کے لئے ہے نہ کہ شکوک وشبہات دور کرنے کے لئے۔ الغرض اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر مہم پر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر غصہ کے آثار تھے۔ تو آپ نے غصہ کی وجہ سے فرمایا هلک الخ کہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے ہیں وہ اپنی کتابوں میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں (ناراضگی فرمائی) لہٰذا تمہیں اس سے بچنا چاہئے۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِیْنَ فِی الْمُسْلِمِیْنَ
حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے بڑھ کر
جُرْمًا مَّنْ سَاَلَ عَنْ شَیْءٍ لَّمْ یُحَرَّمْ عَلَی النَّاسِ فَحُرِّمَ مِنْ اَجْلِ مَسْاَلَتِہٖ.(صحیح البخاری و صحیح مسلم)
مجرم وہ ہے جس نے ایک چیز کے متعلق دریافت کیا جو حرام نہیں تھی اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام ہوگئی۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں سے مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے ایسی چیز کے متعلق سوال کیا ہو جو پہلے حرام نہیں تھی پھر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے لوگوں پر حرام کردی گئی۔ بڑا مجرم کیوں ہے؟ جواب اس لئے کہ اس میں ضرر عامہ ہے اس کے سوال کرنے سے پہلے ہر شخص اس سے منتفع ہوسکتا تھا مگر اس کے سوال کے نتیجے میں وہ حرام کردی گئی اس میں تمام لوگوں کا نقصان ہوا۔

سوال:۔ روافض کی طرف سے ہے وہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق سوال کیا جس کے نتیجے میں حرام کردی گئی تو (نعوذ باللہ) حدیث کا مصداق بن گئے؟......الخ

جواب-۱: حدیث کا مصداق سوال علی وجه التعنت والعناد ہے۔ جیسے بنو اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ فذبحوها بقرة تو انہوں نے آگے سوالات شروع کردئے حکم تو یہی تھا کہ کوئی ایک گائے ذبحہ کردو (مگر انہوں نے سوالات کرکے اپنی ضد کی بناء پر دشمنی کی بناپر اس کا وبال اٹھایا (تامل) اور حضرت عمرؓ کا سوال علی وجہ المصلحہ والضرورۃ تھا تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلا ضرورت سوال نہیں کرنا چاہئے۔

جواب-۲: یا یوں کہا جائے کہ یہ اس زمانے کا قصہ ہے جب احکام بدل رہے تھے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانہ میں فریب دینے والے جھوٹے ہوں گے۔ تمہارے پاس ایسی ایسی
یَاْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَآؤُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاهُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ.(مسلم)
حدیثیں لائیں گے جن کو تم نے سنا نہیں اور نہ تمہارے آباء نے ان سے بچو اور اپنے آپ کو بچائے رکھو وہ تم کو گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانے میں ایسے مکر و فریب جھوٹے لوگ آئیں گے جو تم کو ایسی (احادیث کا لغوی) احادیث (احادیث کا اصطلاحی معنی) سنائیں گے جن کو نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے آباء واجداد میں سے کسی نے سنا ہوگا یہ کنایہ ہے کہ موضوع احادیث ہوں گی وہ سنائیں گے یا ایسی باتیں سنائیں گے۔ (احادیث کا لغوی معنی) جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ آباء واجداد نے سنی ہوں گی۔ اس لئے کہ اگر یہ احادیث (مسموعہ) یا یہ باتیں ثابت ہوتیں تو تمہارے اجداد و آباء میں سے کسی نے سنا ہوتا یہ

کنایہ ہے کہ وہ ایسے عقائد پیش کریں گے کہ جو تمہارے آباء واجداد نے بھی نہیں سنے ہوں گے۔ مثلاً وہ یہ کہیں گے نحن علماء و نحن مشائخ ہم تمہاری ہدایت واصلاح کے لئے بھیجے گئے ہیں ''ہم آئے نہیں بھیجے گئے ہیں۔ (لہٰذا) تم ہاتھ میں ہاتھ کیوں نہیں دیتے۔ یہ لوگوں کو پھسلانے کے لئے آئیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم و ایاھم پس تم دور رکھو اپنے آپ کو ان سے اور ان کو اپنے آپ سے دور رکھو اگر تعلق جوڑو گے تمہارے عقائد فاسد کر دیں گے لہذا تم ان سے احتیاط اختیار کرو تا کہ وہ تم کو گمراہ نہ کریں اور فتنہ میں نہ ڈال سکیں۔

وَعَنْهُ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُ وْنَ التَّوْرٰةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ
اسی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اہل کتاب تورات عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کیلئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب کو نہ سچا جانو اور نہ جھوٹا اور کہو ہم اللہ کے ساتھ اور جو ہماری طرف
وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا "اَلْاٰيَةِ (پ ا رکوع ۱۴)
کتاب نازل کی گئی ہے اس پر ایمان لائے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ اہل کتاب (یہود) تورات عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور اس کی تفسیر و ترجمہ مسلمانوں کے سامنے عربی میں کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کی تصدیق نہ کرو (کیونکہ اس لئے کہ اس میں تحریف کا احتمال ہے) اور ان کی تکذیب بھی نہ کرو (کیوں اس لئے کہ احتمال ہے کہ تحریف نہ ہوئی ہو) بس تم کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل کی گئی۔ باقی کہتے ہیں کہ احکام شریعت میں تو ان کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ قصص وواقعات میں ان کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ باقی تفصیل آگے احادیث آجائے گی۔

وَعَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. (مسلم)
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کو یہی جھوٹ کافی ہے کہ بیان کردے جو بھی سنے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بغیر تحقیق کے آگے بیان کر دے اس لئے کہ ہر سنی ہوئی بات بغیر تحقیق کے جو کرے گا یہ کذب کا سبب بنے گا اس لئے یہ جھوٹا ہے۔ یہ کذب بیانی کا سبب بن جاتا ہے۔ لہذا بات کو بیان کرنے میں احتیاط کرنی چاہئے جس میں صدق کا پہلو راجح ہو اس کو بیان کرنا چاہئے۔ یہ بھی اعتصام بالکتاب والسنۃ ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو آگے بیان نہ کرو۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَّبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ اُمَّتِهٖ قَبْلِيْ اِلَّا كَانَ
حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے اپنی امت میں کوئی نبی نہیں بھیجا گیا مگر اس کیلئے اس کی
لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحٰبٌ يَّاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ
امت میں مددگار ہوتے تھے اور اصحاب اس کے طریقہ کو پکڑتے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے پھر پیدا ہو جاتے۔ انکے ناخلف
يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ
وہ کہتے جو نہ کرتے اور کرتے جس کا حکم نہ دیئے جاتے جو شخص ان کے ساتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے۔ جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے

فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَآءَ ذَالِکَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ. (صحیح مسلم)

وہ بھی مومن ہے اور جو ان سے اپنے دل کے ساتھ جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور نہیں اس کے سوا رائی کے دانہ برابر بھی ایمان۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ ہر نبی کے کچھ نہ کچھ مخلص مددگار ہوتے ہیں۔ حواری اصل میں ہر کسی کے مخلص مددگار کو کہتے ہیں۔ پھر کثرت استعمال کی بناء پر انبیاء کے حواریوں پر اس کا اطلاق ہوگیا پھر زیادہ کثرت استعمال کی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ کے مخلص مددگاروں پر ان کا اطلاق ہوگیا ان کے ساتھ خاص ہے۔

سوال: اس حدیث کا تعارض ہے ان احادیث سے کہ جن میں یہ آیا ہے کہ بعض نبی ایسے ہیں جن کا کوئی مخلص مددگار نہیں اور اس حدیث میں مامن نبی فرمایا۔ جواب۔ اس حدیث میں اغلب اور اکثر ہونے کے اعتبار سے فرمایا اغلب الوجود کثیر الوقوع ہونے پر محمول ہے یہ امر کلی پر محمول نہیں۔ پھر قصہ یہ ہوا کہ نالائق و نااہل جانشین پیدا ہوئے۔

خلوف: خلوف جمع ہے خلف کی بسکون اللام۔ اس کا معنی ہے نااہل جانشین اور خلف بفتح اللام اس کی جمع ہے اخلاف بااہل جانشین اور اچھے جانشین کو کہتے ہیں۔ آگے یقولون سے نااہل جانشینوں کا بیان ہے کہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ خلوت (میں) اور جلوت (میں) اور بدعات کا ارتکاب مالایعنی کا ارتکاب اور ایسے کام کرنا جو شریعت میں جائز نہیں۔ معلوم کیا؟ مبتدعین خلاف ہیں یا اخلاف ہیں؟ خلوف ہیں لہٰذا ان کی اصلاح کرنی ہے کون اصلاح کرے گا؟ اخلاف کریں گے خلوف کی۔ اصلاح کے تین طریقے ہیں:

(۱) سزا کے ساتھ (۲) وعظ و نصیحت (۳) دل میں نفرت۔ تین درجے ہیں۔ اعلیٰ وسطیٰ ادنیٰ (درجات بالترتیب لف نشر مرتب کے طور پر ہیں) دل میں برائی سے نفرت ہونی چاہئے برے سے نہیں۔ تو ادنیٰ درجہ ایمان کا یہی ہے کہ دل سے منکر کو منکر سمجھا جائے اگر دل میں برائی سے نفرت نہیں تو پھر اپنے ایمان کی خیر منائے باقی ہر شخص کے لئے کیا یہی تین طریقے ہیں؟ نہیں۔ پہلا درجہ حکمرانوں کے لئے دوسرا درجہ علماء کے لئے اور تیسرا درجہ عامۃ المسلمین کیلئے۔ دل میں نفرت ہونی چاہئے ورنہ رضا بالمنکر ہو جائے گی اور رضا بالمنکر کفر ہے۔

قولہ' وراء ذالک میں ذالک کا مشار الیہ کیا ہے۔ (۱) آخری درجہ ہے۔

سوال:۔ ذالک یہ تو اسم اشارہ بعید ہے اور آخری قسم یہ تو قریب ہے۔

جواب (۱)۔ اس کی تحقیر کو بتلانے کے لئے بعد انہی کی وجہ سے ذالک سے تعبیر کیا۔ مشار الیہ میں بعد رتبی ہے۔

جواب (۲) تینوں کا مجموعہ ذالک کا مشار الیہ ہے۔

سوال۔ اشارہ اور مشار الیہ میں مطابقت نہیں ہے۔ جواب:۔ یہ مذکور کی تاویل میں ہے اس لئے مطابقت ہوگئی۔

قولہ' فهو مومن میں تنوین تنویع کے لئے ہے مختلف انواع ہیں۔ اعلیٰ وسطیٰ ادنیٰ

قولہ' فمن جاهدهم۔ یعنی اس امت میں بھی ایسا ہوگا کہ کچھ اخلاف ہوں گے اور کچھ خلوف ہوں گے۔ اخلاف خلوف کی اصلاح کریں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعَا اِلٰى هُدًى كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہدایت کی طرف بلایا اس کو ان سب لوگوں جتنا ثواب ہوگا

مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَّمَنْ دَعَا اِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ

جو اس کی پیروی کریں گے۔ یہ بات ان کے ثواب سے کچھ کم نہ کرے گی اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا اس کو ان لوگوں کے برابر گناہ ہوگا

مِثْلَ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَيْئًا. (مسلم)

جنہوں نے اس کی پیروی کی یہ بات ان کے گناہوں سے کچھ کم نہیں کرے گی۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ پہلا حصہ داعی الی الھدایت کی دعوت وتبلیغ سے متاثر ہو کر جن لوگوں نے بھی ہدایت کو اختیار کیا جتنا ثواب ان متبعین کو ملے گا اتنا ہی ثواب داعی الی الھدایت کو بھی ملے گا اور متبعین کے ثواب سے کمی نہیں ہوگی یہ نہیں ہوگا کہ متبعین کے ثواب سے کمی کر کے داعی کو دے دیا جائے۔ بلکہ دونوں کو الگ الگ ثواب ملے گا۔ اس لئے کہ جہتیں مختلف ہیں۔ داعی کے اجر وثواب کی جہت دعوت وتبلیغ ہے اور متبعین کے اجر وثواب کی جہت اس فعل پر عمل کرنا۔ جب جہتیں مختلف ہوگئی ہیں تو اس لئے کسی کا ثواب دوسرے کے ثواب سے کمی کر کے نہیں دیا جائیگا۔ دوسرا حصہ اسی طرح داعی الی الضلالت کی دعوت ضلالت وبدعت سے متاثر ہو کر جن لوگوں نے ضلالت وبدعت کو اختیار کیا جتنا وبال ان متبعین پر ہوگا اتنا ہی وبال داعی پر ہوگا اور متبعین کے وبال سے کمی نہیں کی جائیگی اس لئے کہ جہت مختلف ہے۔ داعی الی الضلالۃ والبدعۃ کی جہت اضلال ہے اور متبعین کی جہت بالفعل گمراہی کو اختیار کرنا۔ (ولا تزر وازرۃ وزر اخری الآیۃ) پہلی صورت کے مطابق اندازہ لگائیں کہ ابو حنیفہ کو کتنا اجر وثواب ملے گا اور دوسری جماعت والوں کو کتنا ثواب ملے گا اور دوسری صورت کے مطابق آپ اندازہ لگائیں کہ کس قدر بدعات ایجاد کرنے والوں کا وبال کس قدر رہوگا۔

قولہ' ھدیٰ کی تنوین تقلیل کے لئے ہے کہ تھوڑی سی بھی اگر ہدایت ہوگی۔

قولہ' لاینقص داعی کا یہ اجر کم نہیں کریگا داعی کا یہ اجر کم نہیں کرے گا من دعا۔ اس کا مفعول محذوف ہے الناس مفعول کو حذف کر دیا تا کہ عموم پیدا ہو جائے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى
اسی حضرت (ابو ہریرہؓ) سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام شروع ہوا غریب اور اسی طرح ہو جائیگا جس طرح شروع ہوا
لِلْغُرَبَآءِ. (صحیح مسلم)
پس مبارک ہو غرباء کیلئے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ پہلا مطلب ابتدائے زمانہ اسلام میں مسلمان کی (حالت) مسافر جیسی تھی۔ جس طرح مسافروں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ راحتوں کی بجائے تکالیف زیادہ ہوتی ہیں۔ مشقتیں زیادہ ہوتی ہیں یہی حال مسلمانوں کا تھا کہ راحتیں کم تھیں مشقتیں زیادہ تھیں اور آخر زمانہ میں بھی مسلمانوں کا یہی حال ہوگا۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ مسلمانوں کا دین پر رہنا اتنا دشوار ہوگا جیسے انگارہ ہاتھ میں لینا دشوار ہوتا ہے۔ آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوشخبری ہو غرباء کے لئے۔ غرباء کے لئے۔ غربا کی تفسیر آگے چل کر آرہی ہے۔ غرباء وہ لوگ ہیں جو معصیت کے زمانے میں اور بدعتوں کے شیوع کے زمانے میں سنت کا دامن نہ چھوڑیں سنت پر پابندی کریں۔ دوسرا مطلب ابتدائے زمانہ اسلام میں اسلام کی حالت (حال) مسافرت کمزور ہونے میں اور پردیس جیسی تھی جس طرح حالت پردیس اور حالت مسافرت کمزور ہوتی ہے اسی طرح مسلمانوں کی تعداد کی کمی (قلیل التعداد) ہونے کی وجہ سے اسلام کی حالت کمزور تھی آخر زمانہ میں یہی حالت اسلام کی ہوگی ان میں سے پہلا معنی راجح ہے۔ قرینہ فطوبیٰ للغرباء ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى
اسی حضرت (ابو ہریرہؓ) سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان مدینہ کی طرف سمٹ آئیگا جس طرح سانپ اپنے بل کی
جُحْرِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ سَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ (ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُمْ) فِيْ كِتَابِ الْمَنَاسِكِ
طرف سمٹ آتا ہے۔ (متفق علیہ) اور ہم ابو ہریرہؓ کی حدیث ذرونی ماترکتم فی کتاب المناسک میں اور دو حدیثیں معاویہؓ
وَحَدِيْثَيْ مُعَاوِيَةَ وَ جَابِرٍ (لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ) فِيْ بَابِ ثَوَابِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.
اور جابرؓ کی ایک کے الفاظ ہیں۔ لایزال من امتی اور دوسری کے لایزال طائفه من امتی باب ثواب هذه الامة میں ذکر کرینگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تشریح: حاصل حدیث:۔ اخیر زمانہ میں اسلام مدینہ میں لوٹ جائے گا جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف لوٹ جاتا

ہے۔ بھاگنے میں اور لوٹنے میں سانپ کے ساتھ تشبیہ دی اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ سانپ اپنی طرح کے جانوروں میں سب سے زیادہ بھاگنے والا ہے اسی طرح مسلمان اپنے مخالفوں کی اذیتوں سے بھاگ کر مدینہ میں آ جائیں گے۔

سوال: ایک حدیث میں آتا ہے کہ اسلام حجاز کی طرف لوٹ جائے گا۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدینہ کی طرف لوٹ جائے گا۔

جواب۔ اس میں کوئی تعارض نہیں۔ اولاً حجاز میں اور بعد میں مدینہ کی طرف لوٹ جائیگا اس حدیث میں حالت سابقہ کا بیان ہے اور اس حدیث میں آخری حالت کا بیان ہے۔ اس سے مراد مدینہ اور ماحولہا ہے اور ماحولھا میں حجاز بھی داخل ہے۔ الغرض (مکہ اسلام کی جائے پیدائش ہے اور مدینہ اسلام کی جائے پرورش ہے۔ لہٰذا اسلام مدینہ کی طرف لوٹ جائے گا)

فائدہ:۔ **قوله وسنذكر** تین حدیثیں ایسی ہیں کہ جن کو صاحب مصابیح نے باب الاعتصام والسنۃ کے الصحاح عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ نمبر (۱) حدیث ابو ہریرہؓ جس کی ابتدا **ذرونی ماتركتم** سے ہے۔ صاحب مشکوٰۃ کہتے ہیں ہم اس کو کتاب المناسک میں ذکر کریں گے (۲) حدیث معاویہؓ جس کی ابتداء **لايزال من امتی** سے ہے۔ قولہ وحدیثی معاویۃ جابرؓ جس کی ابتداء **لايزال طائفة** سے ہے۔ ان دونوں حدیثوں کو باب ثواب **هٰذه الامة** کے تحت بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ واضح رہے کہ انہوں نے آگے چل کر کتاب کے بالکل آخر باب "**باب ثواب هٰذه الامة**" کے تحت ایک حدیث ذکر کی ہے۔

یعنی صرف حدیث معاویہؓ کو ذکر کیا مگر حدیث جابر کو ذکر نہیں کیا۔ یہ ان سے سہو ہو گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

وَعَنْ رَبِيعَةَ الْجُرَشِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اُتِيَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهُ لِتَنَمْ عَيْنُكَ
حضرت ربیعہؓ جرشی سے روایت ہے کہا کہ خواب آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پس کہا گیا کہ چاہیے تیری آنکھ سوئے اور تیرا کان سنے
وَلْتَسْمَعْ اُذُنُكَ وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ قَالَ فَنَامَتْ عَيْنَايَ وَسَمِعَتْ اُذُنَايَ وَعَقَلَ قَلْبِيْ قَالَ فَقِيْلَ لِيْ
اور تیرا دل سمجھے۔ پس کہا سوئیں میری آنکھیں اور سنا میرے کانوں نے اور سمجھا میرے دل نے کہا پس میرے لئے کہا گیا
سَيِّدٌ بَنٰى دَارًا فَصَنَعَ فِيْهَا مَأْدُبَةً وَّاَرْسَلَ دَاعِيًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ
ایک سردار نے گھر بنایا ہے اس میں کھانا تیار کیا اور بلانے والا بھیجا جس نے بلانے والے کو قبول کیا گھر میں داخل ہوا اور کھانے سے کھانا کھالیا اور
وَرَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ وَمَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَسَخِطَ عَلَيْهِ
سردار اس سے راضی ہوگیا اور جس نے بلانے والے کو قبول نہ کیا گھر میں داخل نہ ہوا اور کھانے میں سے نہ کھایا
السَّيِّدُ قَالَ فَاللهُ السَّيِّدُ ، وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِيْ وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ ، وَالْمَأْدُبَةُ الْجَنَّةُ. (رواه الدارمی)
اور سردار اس پر ناراض ہوا فرمایا پس اللہ سردار ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلانے والے ہیں اور گھر اسلام اور کھانا جنت ہے۔

تشریح: حاصل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھلایا گیا پس خواب کی حالت میں عرض کیا گیا چاہئے کہ سو جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اور چاہئے کہ سنیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان اور چاہئے کہ سمجھے آپ کا دل (ان تینوں جملوں سے مقصود اس کا یہ تھا کہ) یہ تینوں جملے مستعد باستعداد تام اور متوجہ بتوجہ تام اور حاضر بحضور تام سے ہو کنایہ ہیں (جائیں) اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **فنامت عینی و سمعت اذنای و عقل قلبی**۔ یہ کنایہ ہے کہ میں مستعد باستعداد تام ہوں متوجہ بتوجہ تام ہوں۔ حاضر بحضور تام بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو اس پر آپ کیلئے ایک تمثیل بیان کی گئی ہے کہ ایک سردار اولوالعزم سردار ہے اس نے کھانا پکا رکھا ہے اور ایک

داعی کو بھیجا کہ وہ لوگوں کو بلا کر لائے اور وہ کھانے سے مستفید ہوں۔ اب جس نے داعی کا کہا مانا وہ گھر میں داخل ہوا اور کھانا کھایا اور سردار اس سے راضی ہوا۔ اور جس نے داعی کی دعوت کو نہیں مانا وہ گھر میں داخل نہیں ہوا اور اس نے کھانا نہیں کھایا اور سردار اس پر غصہ ہوا۔ تو اس حدیث کے اندر چار چیزیں ہیں۔ (۱) بانی دار (۲) دار (۳) مادبہ (۴) داعی۔ بانی دار یعنی سید حق جل شانہ ہیں۔ دار سے مراد اسلام ہے اور مادبہ سے مراد جنت ہے اور داعی سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس حدیث میں پچھلی حدیث کے درمیان چند فرق معلوم ہوئے۔

(۱) ماقبل والی حدیث میں عقل رجل فرمایا گیا اور رجل کی تفسیر نہیں کی گئی تھی اس لئے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ تھے تو اس کی تفسیر مناسب نہیں تھی اور اس حدیث میں ساتھ تفسیر کی گئی اور سید سے مراد اللہ تعالیٰ ہیں۔ اس حدیث میں بانی رجل کو قرار دیا اور اس حدیث میں سید کو قرار دیا۔ (۲) اس حدیث میں رجل بانی کی تفسیر مذکور نہیں اور اس حدیث میں سید کے ساتھ تفسیر مذکور ہے۔ (۳) وہاں جنت کے ساتھ دار کی تفسیر کی گئی اور یہاں اسلام کے ساتھ دار کی تفسیر کی گئی۔ (۴) وہاں مادبہ کی تفسیر نہیں اور یہاں جنت کے ساتھ مادبہ کی تفسیر کی گئی۔

فائدہ۔ ہونا تو یوں چاہئے تھا کہ فالسید اللہ کیونکہ سید کی تفسیر کرنی ہے اللہ کے ساتھ مگر فاللہ السید کہا۔ جو وجہ معلوم تھی اس کو پہلے ذکر کر دیا۔ اللھم اجعلنا من الداخلین فی الجنة و من السلاکلین من المادبة.

وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَاْتِیْهِ
حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کہ میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ تکیہ لگائے ہے اپنے چھپر کھٹ پر) اس کے پاس میرے
اَلْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْنَهَیْتُ عَنْهُ فَیَقُوْلُ لَآ اَدْرِیْ مَاوَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ اِتَّبَعْنَاهُ.
احکام میں سے ایک حکم آتا ہے جو میں نے حکم کیا ہے اس کا یا اس سے روکا ہے پس وہ کہے میں نہیں جانتا۔ ہم جو اللہ کی کتاب میں پائیں گے اس کی پیروی کریں گے۔
(رواہ مسند احمد بن حنبل والجامع ترمذی و ابوداؤد و ابن ماجة والبیھقی فی دلائل النبوة)
(احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی ایک کو اس حالت پر نہ پاؤں یعنی کسی کو اس حالت پر (متکبرین کے طریقے پر) نہیں ہونا چاہئے اور میری احادیث میں سے اس کے پاس کوئی حدیث پیش کی گئی خواہ وہ احادیث متعلق بالاوامر ہو یا بالنواہی ہوں تو وہ کہے لا ادری اس حالت پر نہیں ہونا چاہئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔

قولہ' یاتیہ الامر میں الامر بمعنی حکم کے ہے آگے حکم عام ہے خواہ اوامر کی قبیل سے ہو یا نواہی کی قبیل سے ہو ورنہ ماہیت والی تفصیل مابعد والی منطبق نہیں ہوگی۔

قولہ' ماوجدنا فی کتاب اللہ میں ما میں دو احتمال ہیں (۱) ماموصولہ ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جس کو ہم پاتے ہیں کتاب اللہ میں اس کی اتباع کرتے ہیں اس صورت میں ہٗ ضمیر محذوف ہے ماوجدناہٗ (۲) ما نافیہ ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ نہیں پایا ہم نے اس کو کتاب اللہ میں۔

قولہ' اتبعناہ یہ الگ جملہ ہے۔ حالانکہ ہم قرآن کی اتباع کرتے ہیں ہم قرآن پر عمل کرنے والے ہیں (یہ تو حدیث میں ہے لہذا ہم اس کی اتباع نہیں کرتے) حدیث کے انکار کا منشا تکبر ہے ایک حدیث میں آیا ہے تکبر بھی جہل کی وجہ سے آتا ہے یہ لوگ اپنے آپ کو اہل قرآن کہلواتے ہیں لیکن ایسے ہیں نہیں۔

وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْکَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ
حضرت مقدامؓ بن معدیکرب سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار تحقیق میں قرآن
وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ اَلَا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانَ عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَقُوْلُ: عَلَیْکُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَاوَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ
اور مثل اس کی اس کے ساتھ دیا گیا ہوں۔ قریب ہے ایک شخص پیٹ بھرا اپنے چھپر کھٹ پر کہے گا تم اس قرآن کو لازم پکڑو اس میں

حَلاَلَ فَاَحِلُّوْهُ وَمَاوَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
جو حلال پاؤ اسکو حلال جانو اور جو حرام پاؤ اس کو حرام جانو اور بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حرام کیا ہے مانند اس چیز کے
كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ اَلاَ لاَ يَحِلُّ لَكُمُ الْحِمَارُ الْاَهْلِیُّ وَلاَ كُلُّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلاَ لُقْطَةُ مُعَاهِدٍ
جو اللہ نے حرام کی ہے۔خبردار رہو کہ گھریلو گدھا تمہارے لئے حلال نہیں اور نہ درندوں میں سے کچلی والا اور عہد والے کا لقطہ مگر جب کہ اس کا مالک
اِلاَّ اَنْ يَّسْتَغْنِیَ عَنْهَا صَاحِبُهَا وَمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ اَنْ يَقْرُوْهُ فَاِنْ لَّمْ يَقْرُوْهُ فَلَهُ اَنْ يُعْقِبَهُمْ
بے پرواہ ہو اور جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے ان پر لازم ہے کہ اس کی مہمانی کریں پس اگر نہ مہمانی کریں اس کیلئے جائز ہے کہ اپنی مہمانی ان سے لے۔
بِمِثْلِ قِرَاهُ) رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَی الدَّارِمِیُّ نَحْوَهُ وَكَذَا ابْنُ مَاجَةَ اِلٰی قَوْلِهٖ (كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ)
ابوداؤد، دارمی نے اسی طرح روایت کیا ہے اسی طرح ابن ماجہ نے حرم اللہ تک۔

تشریح: حاصل حدیث:۔مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی دیا گیا۔

قولہ ومثلہ معہ کی تفسیر میں دو قول ہیں۔(۱) مماثلت کیف میں وحی کے اعتبار سے ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی وحی دی گئی ہے لہذا جس طرح قرآن حجت شرعیہ ہے اسی طرح قرآن کے ماسوا حدیث بھی وحی ہے وہ حجت شرعیہ ہے اور واجب الاتباع ہے۔(۲) یہ مماثلت کم میں ہے مقدار کے اعتبار سے ہے۔یعنی مجھے قرآن دیا گیا اور اس کی مقدار بلکہ اس سے زائد مجھے اور کچھ بھی دیا گیا کیونکہ جو احکام قرآن میں بیان کئے گئے ہیں وہی احادیث میں بیان کئے گئے ہیں بمع شئی زائد کیونکہ قرآن کی تفسیر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ پیٹ بھرے تخت پر بیٹھے ہوئے یہ کہیں گے کہ جس چیز کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو حرام سمجھو اور جس کو اللہ نے حلال کیا ہے اس کو حلال سمجھو۔یعنی وہ یہ وعظ کریں گے کہ حرام و حلال قرآن میں بند ہے۔فرمایا تم ان لوگوں سے بچو بلکہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حرمت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جیسا کہ اللہ نے بیان کیا لہذا جیسے اللہ کی حلال و حرام واجب الاتباع ہیں۔اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلال و حرام بھی واجب الاتباع ہیں۔آگے چند چیزوں کو ذکر کیا جن کی حرمت صرف حدیث میں بیان ہوئی ہے۔(۱) لایحل لکم الحمار الاهلی۔گھر میں رہنے والے گدھے کا گوشت حرام ہے۔(۲) کل ذی ناب من السباع کی حرمت۔(۳) معاہد کے لقطے کے تصرف کی حرمت۔یہ حدیث میں مذکور ہے۔

سوال۔باقی معاہد کے لقطے کی تخصیص کیوں کی حالانکہ مسلمان کے لقطے کے تصرف کی بھی اجازت نہیں۔

جواب:۔معاہد کے لقطے میں تصرف کی اباحت کا وہم ہوسکتا تھا کیونکہ وہ تو کافر ہے اس وجہ سے اس کی تخصیص کی۔

قولہ الاان یستغنی۔ہاں اگر اس کا ساتھی اس سے مستغنی ہو تو سوال پھر تصرف کی گنجائش ہے۔(۴) جب کوئی شخص کسی قوم کا مہمان بنے تو ان پر ضروری ہے کہ اس کی مہمان نوازی کریں اور اس کو کھانا کھلائیں لیکن اگر وہ اس کو کھانا نہیں کھلاتے تو مہمان کیلئے جائز ہے کہ بمقدار ضیافت خود زبردستی چھین لے خواہ جس طریقہ سے بھی ہو۔دوسری نصوص سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا مال اس کی طیب خاطر کے بغیر لینا درست نہیں۔یہ حدیث اس کے معارض ہے اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب (۱) یہ حدیث حالت اضطرار پر محمول ہے۔یعنی اگر بھوک اتنی لگی ہوئی ہو کہ جان جانے کا خطرہ ہو تو بقدر ضرورت ان کی اجازت کے بغیر کھا لینا جائز ہے گو بعد میں قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

جواب (۲) بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حدیث عام نہیں بلکہ بعض کافر قبائل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاہدہ تھا کہ ہمارے مجاہدین اگر تمہارے پاس سے گزریں تو ان کی مہمان نوازی کرنا اور ان کو کھانا کھلانا یہ گویا جزیہ کا ایک حصہ تھا ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر وہ خود کھانا نہ کھلائیں تو ان سے زبردستی بھی لیا جاسکتا ہے جزیہ زبردستی وصول کرنا جائز ہے۔

جواب (۳) بعض نے کہا کہ یہ ابتداء اسلام پر محمول ہے لیکن اچھے جواب پہلے دو ہی ہیں۔

قوله' رجل شبعان الخ ۔ پیٹ بھرا ہوا ہر شخص یہ کنایہ ہے جہالت سے سستی تکاسل کھانا بقدر ضرورت کھائے۔ خلاصہ کلام کا یہ ہوا کہ حلال وحرام قرآن میں بند نہیں جس طرح اللہ کی حرام کردہ چیزیں حرام ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرام کردہ چیزیں بھی حرام ہیں۔ واضح رہے کہ انکار حدیث کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ جب دنیا کی نعمتیں مل جاتی ہیں اور آدمی تخت پر بیٹھ جاتا ہے تو اس کو صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے اور جہالت کی وجہ سے انکار حدیث کر بیٹھتا ہے۔

وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ (اَيَحْسِبُ اَحَدُكُمْ
حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے پس فرمایا کیا گمان کرتا ہے تم سے ایک
مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَظُنُّ اَنَّ اللهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا اِلَّا مَافِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ؟ اَلَا وَاِنِّيْ وَاللهِ قَدْ اَمَرْتُ
تکیہ لگائے ہوئے اپنی چھپر کھٹ پر وہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حرام نہیں کی مگر وہ جو اس قرآن میں ہے۔ خبردار تحقیق قسم ہے اللہ کی تحقیق
وَوَعَظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ اَشْيَاءَ اِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ اَوْ اَكْثَرُ' وَاِنَّ اللهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ
میں نے حکم کیا اور نصیحت کی اور منع کیا کئی ایک چیزوں سے تحقیق وہ قرآن کی مانند ہیں بلکہ زیادہ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جائز نہیں
اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَآءِ هِمْ وَلَا اَكْلَ ثِمَارِهِمْ اِذَا اَعْطُوْكُمُ الَّذِيْ عَلَيْهِمْ)
کیا کہ اہل کتاب کے گھروں میں جاؤ مگر انکی اجازت سے اور ان کی عورتوں کو مارو اور نہ ان کے پھل کھاؤ جب کہ وہ چیز جو ان کے ذمہ ہے تمہیں ادا کر دیں۔
رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَ فِيْ اِسْنَادِهٖ اَشْعَثُ بْنُ شُعْبَةَ الْمَصِيْصِيُّ قَدْ تُكُلِّمَ فِيْهِ.
ابوداؤد نے روایت کیا ہے اس کی سند میں اشعث بن شعبہ مصیصی ہے اس میں کلام کیا گیا۔

تشریح: اس حدیث میں بعض احکام کا بیان کہ جن کا قرآن میں ذکر نہیں مثال کے طور پر (۱) اہل کتاب کے گھروں میں بغیر ان کی اجازت کے جانا حرام ہے۔ (۲) لاضرب نسائھم اور عورتوں کو جنگ میں نہ مارنا۔ (۳) اہل ذمہ کے باغات کے پھلوں کو بغیر اجازت کے کھانا حرام ہے۔

سوال۔ پہلا حکم تو قرآن میں بھی موجود ہے۔ جیسے لاتدخلوا ھوتا غیر بیوتکم۔ جواب: ۱- آیت میں حکم مومنین کیساتھ مخصوص ہے۔

جواب: ۲- آیت میں حکم بعد میں نازل ہوا۔ یہ وحی سے پہلے کا حکم ہے۔

جواب: ۳- تینوں کا مجموعہ من حیث المجموع صرف حدیث میں مذکور ہے اگرچہ فرداً پہلے کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔ اذااعطوکم الذی علیهم۔ اس سے مراد جزیہ ہے۔ قوله' وفی اسناده الخ حدیث کی حالت کا بیان کہ یہ حدیث متکلم فیہ ہے۔ کسی ایک حدیث کے متکلم فیہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مضمون بھی کمزور ہو جائے جبکہ اس کی تائید کسی دوسری حدیث سے بھی ہو جائے۔

وَعَنْهُ قَالَ: صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا
حضرت عرباضؓ سے روایت ہے ایک دن ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر اپنے منہ کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوئے ہم کو
مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً' ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ، وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ
ایک بلیغ اثر نصیحت کی۔ آنکھیں اس سے بہ پڑیں اور دل ڈر گئے۔ ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول گویا
كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ: (اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ
یہ نصیحت ہے رخصت کرنے والے کی پس ہمیں وصیت کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقویٰ کے ساتھ

كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ

اور سننے اور بجالانے کی اگر ہو حبشی غلام جو شخص زندہ رہا میرے بعد تم میں سے وہ بہت اختلاف دیکھے گا لازم پکڑو میرے طریقہ کو اور ہدایت کئے گئے خلفاء

الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ

راشدینؓ کے طریقہ کو اس کے ساتھ بھروسہ کرو اور دانتوں سے اسے مضبوط پکڑلو نئی نئی باتوں سے بچو۔ پس تحقیق نئی بات بدعت ہے

مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يَذْكُرَا الصَّلٰوةَ.

اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (احمدؒ ابو داؤدؒ ترمذی ابن ماجہ نے روایت کیا) مگر ترمذی ابن ماجہ نے نماز کا ذکر نہیں کیا۔

تشریح: حدیث کے ابتدائی حصہ میں یہ بات مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن نماز پڑھائی پھر ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک کیا۔ پس ہمیں ایسا وعظ فرمایا جو ظاہراً بھی موثر ہوا اور باطناً بھی موثر ہوا ظاہراً اس طرح کہ آنکھیں بہنے لگ گئیں۔ اتنا روئے اتنا روئے کہ بجائے آنسوؤں کے (مبالغۃً) آنکھیں بہنے لگ گئیں اور باطناً اس طرح کہ دل کی کیفیات بھی بدل گئیں۔ دل پر بھی اثر ہوا کیوں نہ ہوتا وعظ کرنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سننے والے صحابہ کرامؓ تھے۔ فاعل میں فاعلیت تامہ تھی منفعل میں منفعلیت تامہ تھی۔ اس پر ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ (یہ وعظ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے الوداع کرنے والے کا وعظ ہو)۔

وجہ تشبیہ جس طرح الوداع کرنے والا کا وعظ نہایت مختصر اور جامع ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی ایسے ہی ہے اس پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں مزید نصیحت فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کی وصیت (نصیحت) فرمائی۔ (۱) تقوی الله سبحان اللہ سارا دین اس ایک جملہ میں بند کر دیا تقویٰ جمیع ماینبغی کا امتثال اور جمیع مالاینبغی سے اجتناب۔ انسان کے دو تعلق ہیں۔ ایک خالق کے ساتھ اور مخلوق کے ساتھ تقویٰ اللہ میں تعلق مع اللہ کا بیان فرمایا۔ (۲) امیر کی اطاعت۔ یہ تعلق مع الناس ہے و ان كان عبداً حبشياً۔

سوال: حدیث میں آیا الائمة من قريش اور یہاں فرمایا گیا و ان كان عبداً حبشيا۔

جواب:۔ کمال اطاعت علی وجہ المبالغہ بیان کرنا مقصود ہے یعنی اگر بالفرض والمحال عبد حبشی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ یہاں خلیفۃ المسلمین مراد نہیں بلکہ نچلے درجہ کا امیر مراد ہے کوئی کام اس کے سپرد کر دیا جائے تو تم پر اس کی اطاعت واجب ہے۔ پھر فرمایا پس جو شخص بھی میرے بعد زندہ رہے گا پس عنقریب دیکھے گا بہت اختلاف تو پس لازم پکڑنا میری سنت کو اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کو اور اس کو مضبوطی سے پکڑو اتنی مضبوطی سے پکڑو جیسے داڑھوں سے کوئی چیز مضبوطی سے پکڑی جاتی ہے۔ خلفاء راشدین ومہدیین سے مراد خلفاء اربعہ ابو بکرؓ وعمرؓ وعثمان وعلیؓ ہیں۔ یا اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں۔ علم وتقویٰ وعمل وہدایت نیز جس میں خلیفہ راشد والی صفات مذکورہ پائی جائیں اس کی اتباع کرنا باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کے بارے میں مہدین فرمایا مھتدی نہیں فرمایا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ مهتدی اس کو کہتے ہیں جو محنت کر کے اسلام لائے۔ اور مھدی اس کو کہتے ہیں جو نہ بھی آنا چاہے تو بھی خدا اس کو کھینچ کر لے آئے۔ خلفاء کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خیال تھا کہ یہ مھتدی نہیں مھدی ہیں اللہ ان کو کشاں کشاں کھینچ کر رشد کی طرف لے جا رہے ہیں۔ واضح رہے کہ الخلفاء جب جمع پر الف لام آ جائے تو اس کی جمعیت باطل ہو جاتی ہے لھذا ہر جنس خلیفہ بھی مراد ہوگا۔

مسئلہ: خلفاء راشدین کی سنت کیا ہے یا تو صحابہ کرامؓ کے اجتہادات ہیں یا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کہ جن کی شہرت حضرات خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہوئی۔ مثلاً ام ولدہ کی بیع اور صبح کی اذان میں الصلوة خير من النوم کی شہرت خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہوئی۔

سوال۔ حدیث میں آیا اصحابی كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم اور خلفاء راشدین کے بارے میں فرمایا کہ ان کی سنت پر عمل کرنا؟

جواب: یہ حکم معلول بعلۃ ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ: (ھٰذَا سَبِیْلُ

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے ایک خط کھینچا پھر فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے

اللہِ) ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ وَقَالَ (ھٰذِہٖ سُبُلٌ عَلٰی کُلِّ سَبِیْلٍ مِّنْھَا شَیْطَانٌ یَدْعُوْا

پھر کئی خطوط اس کے بائیں اور دائیں کھینچے اور فرمایا یہ راستے ہیں ہر راستہ پر ایک شیطان ہے جو اس کی طرف بلاتا ہے

اِلَیْہِ) وَقَرَأَ: (وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ) اَلْآیَۃَ. (رواہ والسنن نسائی والدارمی)

اور یہ آیت پڑھی تحقیق یہ راہ میری ہے سیدھی اس کی پیروی کرو۔ اخیر آیت تک۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراط مستقیم کی مثال دی ایک سیدھے خط کے ساتھ اور پھر نبی کریم نے اس خط مستقیم کے دائیں بائیں جانب ٹیڑھے خطوط کھینچے خطوط منھیہ بعض روایات میں آتا ہے چھ خط کھینچے پھر فرمایا یہ سیدھا خط صراط مستقیم ہے اور یہ جو دائیں بائیں خطوط ہیں یہ شیطان کے راستے ہیں لیکن جڑے ہوئے سیدھے راستے کے ساتھ ہیں۔ لہذا کفر نہیں ہوگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ سیدھے راستے پر چلنا چاہئے کیونکہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے سیدھا خط جلدی پہنچا دیتا ہے اس لئے اس پر چلو اور سبل شیاطین سے بچو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو بھی اعتصام بالکتاب والسنہ کو چھوڑے گا وہ سبل شیاطین پر چلے گا۔

شیطان تمہیں اپنے راستوں کی طرف بلاتا ہے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ و ان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ الایۃ۔

وَعَنْ عَبْدِاللہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وسلم (لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی

حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک کوئی کامل مومن نہیں ہوتا۔ جب تک کہ

یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ) رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ قَالَ النَّوَوِیُّ فِیْ (اَرْبَعِیْنِہٖ) ھٰذَا حَدِیْثٌ

اس کی خواہش اس چیز کے تابع نہ ہو جو میں لایا ہوں۔ (شرح السنہ) اس کو روایت کیا نوویؒ نے کہا اپنی اربعین میں یہ حدیث

صَحِیْحٌ رَوَیْنَاہُ فِیْ (کِتَابِ الْحُجَّۃِ) بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ.

صحیح ہے کتاب الحجہ میں ہم کو صحیح سند کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔

تشریح: حاصل حدیث نفس ایمان کی نفی ہے یا کمال ایمان کی۔ اس کا مدار تبعیت لماجئت پر ہے۔ اگر تبعیت بحسب الاعتقاد مراد ہے تو نفس ایمان کی نفی ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ تم میں سے کوئی ایک مسلمان نہیں ہوسکتا اس وقت تک جب تک کہ وہ میرے لائے ہوئے دین کا اعتقاد نہ رکھے اور اگر تبعیت بحسب الاعمال ہے تو کمال ایمان کی نفی ہے۔ جب تک وہ میرے لائے ہوئے دین پر کمال درجہ کا اتباع نہ کرے۔

وَعَنْ بِلَالِ بْنِ حَارِثٍ الْمُزَنِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (مَنْ اَحْیَا سُنَّۃً مِّنْ سُنَّتِیْ

حضرت بلالؓ بن مزنی سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری ایک سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی اس کیلئے

قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا

ثواب ہے مانند ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے ساتھ عمل کیا بغیر اس کے کم کیا جائے ان کے ثواب سے کچھ اور جس نے گمراہی کی بدعت نکالی اللہ اور اس کا

وَّمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَۃَ ضَلَالَۃٍ لَّا یَرْضٰھَا اللہُ وَرَسُوْلُہٗ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِھَا لَا تَنْقُصُ

رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے راضی نہیں۔ اوپر اس کے گناہ ہے ان تمام لوگوں کے گناہوں کی مانند جنہوں نے اس پر عمل کیا بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں

ذَالِکَ مِنْ اَوْزَارِھِمْ شَیْئًا رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ کَثِیْرِ ابْنِ عَمْرٍو وعَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ
سے کچھ کم کیا جائے۔ (ترمذی) ابن ماجہ نے اسے کثیر بن عبداللہ بن عمروؓ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے کثیر کے دادا سے روایت کیا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث یہ ہے کہ جس شخص نے میری ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی اور اس پر عمل کرنا شروع کردیا۔ پس اس کے لئے اتنا ہی اجر ہوگا جتنا کہ اس کرنے والے کو ملے گا۔ اور اسی طرح اس کے مقابلے میں بدعت کو جس نے ایجاد کیا۔

قولہ' ابتدع بدعة ضلالة اس کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ (۱) موصوف صفت بدعةً ضلالةً (۲) اضافت کے ساتھ بدعةَ الضلالة حدیث میں سنت سے مراد وہ سنت ہے جو بدعت کے مقابلے میں ہو اور وہ سنت جس کا مقابل سنت ہو وہ اس میں داخل نہیں جن کے نزدیک بدعت انقسام کے قبیل سے ہے ان کے نزدیک ضلالة کی قید سے بدعت حسنہ خارج ہوگئی اور جو انقسام کے قائل نہیں ان کے نزدیک یہ صفت کاشفہ ہے۔ بدعت ہوتی ہی ضلالۃ ہے۔

وَعَنْ عَمْرِوبْنِ عَوْفٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (اِنَّ الدِّیْنَ لَیَارِزُ اِلَی الْحِجَازِ کَمَا تَارِزُ الْحَیَّۃُ
حضرت عمروؓ بن عوف سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا البتہ دین حجاز کی طرف سمٹ آئیگا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف
اِلَی جُحْرِھَا وَلَیَعْقِلَنَّ الدِّیْنُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْاَرْوِیَّۃِ مِنْ رَّاْسِ الْجَبَلِ اِنَّ الدِّیْنَ بَدَاغَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ
سمٹ آتا ہے اور جگہ پکڑے گا حجاز میں دین جیسے پہاڑی بکری پہاڑ کی چوٹی پر جگہ پکڑتی ہے۔ دین ابتداء میں اجنبی شروع ہوا تھا اور ہو جائے گا جس
فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ وَھُمُ الَّذِیْنَ یُصْلِحُوْنَ مَآ اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِیْ مِنْ سُنَّتِیْ)(رواہ الجامع ترمذی)
طرح شروع ہوا تھا۔ خوشحالی ہے اجنبیوں کیلئے اور یہ وہ لوگ ہیں جو درست کریں گے میرے بعد میری سنت کو جسے لوگ بگاڑ دیں گے۔

تشریح: اس حدیث کا مضمون ماقبل میں گزر چکا کہ اخیر زمانہ میں لوگ حجاز میں آ جائیں گے جیسے سانپ بھاگ کر اپنے سوراخ میں داخل ہو جاتا ہے دوسرا مضمون تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے کہ جس طرح پہاڑی بکری پہاڑ پر پناہ حاصل کرنے کے لئے سب مشقتیں برداشت کر کے مقصود تک پہنچ جاتی ہے۔ ابتداء سے انتہا تک مشقیں برداشت کرتی ہے اگر گر ہی جائے تو دوبارہ دوبارہ چڑھتی ہے آخر منزل مقصود تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمان بھی اخیر زمانہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کریں گے اپنے دین کو بچانے کے لئے (فساد کی اصلاح کریں گے اور سنتوں پر عمل کریں گے) پھر فرمایا ان الدین بداغریب و سیعود کما بدا. فطوبی للغرباء۔ آگے غرباء کی تعریف کی کہ غرباء کون لوگ ہیں غربآء وہ لوگ ہیں جو فساد کی اصلاح کریں گے اور میری سنتوں کو دوبارہ عمل میں لائیں گے یہ غربآء کیوں ہیں اس لئے کہ یہ اجنبی ہیں یہ شخص اجنبی سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ غرباء کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمْرٍو قَالَ: وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیَاتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ کَمَا اَتٰی
حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر ایک زمانہ آئے گا جیسے
عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ
بنی اسرائیل پر آیا تھا جیسے ایک جوتا دوسرے کے ساتھ برابر ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی اپنی ماں کے پاس ظاہر آیا تھا۔ میری امت
یَّصْنَعُ ذٰلِکَ وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ
میں ہوگا جو اس طرح کرے گا اور بے شک بنی اسرائیل بہتر گروہوں میں بٹے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں متفرق ہوگی

مِلَّةٍ كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً) قَالُوْا مَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللهِ ؟ قَالَ (مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي)

سب وہ دوزخ میں جائیں گے مگر ایک گروہ صحابہ نے کہا وہ کونسا گروہ ہے اے اللہ کے رسول فرمایا جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَاَبِي دَاوُدَ عَن معاوية ثنتان وَسَبْعُوْنَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي

ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (احمدؒ ابو داؤد) نے معاویہؓ سے بیان کیا ہے بہتر (۷۲) دوزخ میں ہوں گے اور ایک

الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَاِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي اُمَّتِي اَقْوَامٌ تَتَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَاءُ كَمَا

جنت میں اور وہ گروہ ہے جماعت اور میری امت میں سے کئی قومیں نکلیں گی جن میں نفسانی خواہشات سرایت کر جائیں گی

يَتَجَارٰى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ لَا يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ اِلَّا دَخَلَهٗ)

جس طرح بھڑک بھڑک والے میں سرایت کر جاتی ہے کوئی رگ اور کوئی جوڑ باقی نہیں رہتا مگر اس میں سرایت کر جاتی ہے۔

تشریح: حاصل حدیث حدیث کے ابتدائی حصہ میں یہ بات مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں بھی کچھ لوگ ان قباحتوں کے مرتکب ہوں گے۔ میری امت بھی ان امور قبیحہ کی مرتکب ہوگی جن امور کی بنی اسرائیل کی قوم مرتکب ہوئی۔

امت سے کیا مراد ہے اس میں دو قول ہیں۔(۱) امت دعوت۔(۲) امت اجابت اس کی تفصیل بھی ماقبل میں گزر چکی ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی شخص ایسا ہو کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ طور پر امر قبیحہ کا مرتکب ہوا ہو تو میری امت میں بھی ایسا ہوگا۔ جو اس بے حیائی کا مرتکب ہوگا مزید فرمایا حذو النعل بالنعل۔ ایک جوتے کے دوسرے جوتے کے ساتھ برابر سرابر رکھو۔

سوال۔ امت اجابت سے یہ کیسے متحقق ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ بے حیائی کا ارتکاب کرے۔ یہ تو مستبعد ہے؟

جواب۔ یہاں منکوحۃ الاب مراد ہے اور یہ کوئی مستبعد نہیں بلکہ اس کا وقوع بھی ہو چکا۔

حدیث کے دوسرے حصہ میں یہ بات مذکور ہے کہ جیسے بنی اسرائیل متعدد فرقوں میں یعنی ۷۲ فرقوں میں منقسم ہوئی اسی طرح میری قوم بھی متعدد فرقوں میں منقسم ہوگی۔ بلکہ میری امت میں ایک فرقہ بڑھ جائے گا۔ کل ۷۳ فرقے ہوں گے۔ فرمایا سب کے سب جہنم میں ہوں گے مگر ایک فرقہ وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ اس کا مصداق اہل سنت والجماعت ہیں۔

سوال۔ یہ انقسام آیا عالم دنیا کے اعتبار سے ہے یا یہ انقسام وصول کے اعتبار سے ہے۔ جواب۔ راجح یہی قول ہے کہ عالم دنیا کے اعتبار سے ہے اصول وفروع کے اعتبار سے ہے لیکن وہ جن کے درمیان معتد بہ امتیاز ہو اور اگر فقط اصول مراد ہوں تو پھر قیامت تک تعداد پوری ہو جائے گی۔

سوال۔ اس حدیث میں فرمایا گیا سب فرقے جہنم میں جائیں گے مگر ایک فرقہ وہ ملت واحدۃ کون سا ہے۔

جواب ما انا علیہ و اصحابی۔ اس پر اشکال ہوگا کہ سوال جواب میں مطابقت نہیں۔ سوال ملت ناجیہ والے کون لوگ ہیں۔ یعنی سوال ذوات کے بارے میں تھا اور جواب میں اوصاف کو ذکر کیا۔

جواب (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے سوال کے منشاء کو سمجھتے ہوئے جواب دیا بجائے ذوات کے صفات کے بارے میں جواب دیا صحابہ کرامؓ کا منشا بھی یہی تھا کہ ان لوگوں کی صفات کیا ہیں۔

جواب (۲) یہ جواب اسلوب حکیمانہ کی قبیل سے ہے کہ اے صحابہ تم ان لوگوں کی صفات کے بارے میں پوچھو ذوات کے بارے میں نہیں اوصاف کے بارے میں سوال کرنا زیادہ اہم ہے اس لئے تم ان کی اوصاف کے بارے میں سوال کرو۔

سوال؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ملت ناجیہ کا کوئی فرد بھی جہنم میں نہیں جائے گا حالانکہ یہ نصوص قطعیہ کے خلاف ہے کیونکہ عصاۃ من المسلمین جہنم میں جائیں گے پھر انبیاء کی سفارش کی وجہ سے جنت میں جائیں گے۔ جواب۔ مراد ان کا جہنم میں جانا سوء اعتقادی

کی وجہ سے ہے اور عصاة من المسلمین اور ملت ناجیہ کے بعض افراد کا جہنم میں جانا سوء عمل کی وجہ سے ہوگا۔

سوال ان ۷۲ فرقوں کا جہنم میں دخول ابدی ہوگا یا غیر ابدی۔

جواب:۔ ان کا دخول غیر ابدی ہوگا۔ مگر سزا دو وجوں سے ہوگی (۱) سوء اعتقادی کی وجہ سے (۲) سوء عملی کی وجہ سے اور عصاة من المسلمین کو سزا صرف سوء عملی کی وجہ سے ہوگی۔ یہ ترمذی کے الفاظ ہیں اور دوسری روایت کے الفاظ و مضمون یہ ہے کہ ۷۲ فرقے جہنم میں اور ایک جنت میں جائے گا اور وہ جماعت ہے اور بے شک میری قوم میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ ان لوگوں اور قوموں میں بدعات و خواہشات ایسے سرایت کریں گی جیسے باولا کتا اگر کسی کو کاٹ دے تو اس کا باولا پن تمام بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔ ہر رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے اور جس طرح باولا کتے کا کاٹا ہوا انسان پانی سے بھاگتا ہے جو پانی حیات جسمانی کا ذریعہ ہے بالکل ایسے ہی بدعتی سنت سے بھاگتا ہے جس سنت میں حیات جاودانی ہے (جو سنت حیاۃ جاودانی کا ذریعہ ہے)

قولہ' یتجاری الکلب باولے کتے کا کاٹا ہوا اس سے جو بیماری پیدا ہوتی ہے اس کو کہتے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ میری امت کو یا
أَوْقَالَ (أُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلَى ضَلَالَةٍ وَّيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ) (رواه الجامع ترمذی)
فرمایا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت سے جدا ہوا تنہا ڈالا جائے گا آگ میں۔

تشریح: حاصل حدیث۔ یہ حدیث امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجماع کی حجت شرعیہ ہونے پر جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔ ید اللہ یہ اللہ کی مدد اور نصرت سے کنایہ ہے۔

قولہ' و من شذ شذ فی النار۔ اس کا دو طرح معنی کیا گیا ہے۔ شذ معروف دوسرا مجہول۔ (۱) مجہول والا معنی جس نے علیحدگی اختیار کی وہ علیحدہ کر دیا جائے گا۔ (۲) برعکس دوسرا معلوم والا معنی کے ساتھ۔ جس نے علیحدگی اختیار کی وہ علیحدہ ہوگا۔ اوقال امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم راوی کو شک ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (اِتَّبِعُوْا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي
اسی حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑی جماعت کی پیروی کرو کیونکہ شان یہ ہے جو تنہا ہوا جماعت سے تنہا ڈالا جائیگا
النَّارِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ مِنْ حَدِيْثِ أَنَسٍ وَابْنُ عَاصِمٍ فِي كُتُبِ السُّنَّةِ)
آگ میں۔ روایت کیا ہے ابن ماجہ نے انس اور ابن عاصم کی روایت سے کتاب السنہ میں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سواد اعظم کی اتباع کرو۔ سواد اعظم اصل میں کثیر الافراد جماعت کو کہتے ہیں اسی مناسبت سے ان امور کے منتظم کو سید کہا جاتا ہے۔ لیکن مراد اس سے جمہور علماء کی جماعت ہے جس کا پہلا فرد حضرات صحابہ کرامؓ پھر ما انا علیہ و اصحابی کی جماعت مراد ہے۔ موجودہ دور کے محسنین کہلوانے والے اس کو اپنے حق ہونے پر دلیل بناتے ہیں کہ ہم سواد اعظم پر ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما انا علیہ و اصحابی اس کا اولاً مصداق صحابہ کرامؓ ہیں اور اس کے بعد ہم میں ما انا علیہ و اصحابی ہم ہیں تم نہیں۔ ثانیاً زیادتی دو قسم پر ہے۔ (۱) مقدار (۲) کیفیت اگر مقدار کے اعتبار سے زیادتی ہو تو اس کو کثرت سے تعبیر کرتے ہیں جس کا مقابل قلیل آتا ہے اور اگر کیفیت کے اعتبار سے زیادتی ہو تو اس کو عظمت سے تعبیر کرتے ہیں جس کا مقابل تحقیر ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں اعظم کا لفظ آیا ہے لہٰذا شخص واحد بھی اگر ما انا علیہ و اصحابی کی صفت کے ساتھ متصف ہو تو وہ بھی

سواد اعظم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواد اعظم فرمایا سواد اکثر نہیں فرمایا تم تو سواد اکثر ہو سواد اعظم نہیں تو اب مطلب یہ ہے کہ پیروی کرو عظیم الشان جماعت کی خواہ اس کے افراد زیادہ ہوں یا تھوڑے ہوں۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (يَا بُنَيَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَ تُمْسِيَ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے میرے بیٹے اگر تو قدرت رکھتا ہے تو صبح کرے
وَلَيْسَ فِيْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ) ثُمَّ قَالَ (يَابُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِيْ وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِيْ فَقَدْ
اور شام اور تیرے دل میں کسی کا کینہ نہ ہو پس تو کر پھر فرمایا اے میرے بیٹے اور یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت کو دوست
اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ) (رواه الجامع ترمذی)
رکھا اس نے مجھ کو دوست رکھا اور جس نے مجھ کو دوست رکھا جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یا بنی یہ شفقت کے لئے فرمایا۔ حدیث کے ابتدائی حصہ میں یہ فرمایا کہ انسان کو ہمہ وقت حسد بغض اور کینہ سے دور رہنا چاہئے۔ بشرطیکہ اس کا منشاء امر دنیوی ہو اور اگر اس کا منشاء امر اخروی ہو تو وہ اس کا مصداق نہیں اور دوسرے حصہ میں یہ فرمایا کہ یہ بغض وحسد نہ کرنا یہ میرا طریقہ ہے اور جس نے میرے طریقے سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ یعنی جس نے اقوال سے محبت یعنی افعال سے محبت یعنی مصدر اقوال مصدر افعال سے محبت کی وہ میرے ساتھ خادمانہ حیثیت سے جنت میں ہوگا تو یہ علامت بتلائی کہ اعتصام بالکتاب والسنہ تب ہوگا جب حسد بغض وغیر ہما نہ ہو۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری سنت کے ساتھ دلیل پکڑی میری امت کے بگڑنے
فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَبِ الزُّهْدِ لَهٗ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ.
کے وقت اس کیلئے سو شہید کا ثواب ہے۔ روایت کی ہے بیہقی نے کتاب الزھد میں ابن عباس کی حدیث سے

تشریح: حاصل حدیث۔ سو شہیدوں کا اجر کیوں ملے گا۔ اس لئے کہ عند فساد امتی سنت پر استقامت وثابت قدم رہنا ایسا ہی دشوار ہوگا جیسا کہ جان کا نذرانہ پیش کرنا دشوار ہے۔ مجاہد وشہید بھی مشقتیں برداشت کرتا ہے اسی طرح یہ شخص بھی مشقتیں اور لوگوں کے طعنے برداشت کرے گا۔ باقی یہاں سنت سے مراد وہ سنت ہے جو بدعت کے مقابلے میں ہو وہ مراد نہیں جو سنت کے مقابلے میں نہ ہو۔

وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ: اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِيْثَ مِنْ يَهُوْدَ تُعْجِبُنَا
حضرت جابرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب ان کے پاس حضرت عمرؓ آئے پس کہا ہم یہودیوں سے حدیثیں سنتے ہیں ہم کو وہ
اَفَتَرٰى اَنْ نَّكْتُبَ بَعْضَهَا ؟فَقَالَ: اَمُتَهَوِّكُوْنَ اَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى؟لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا
اچھی لگتی ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے ہم ان میں سے بعض لکھ لیں فرمایا کیا تم حیران ہو جس طرح یہود ونصاریٰ حیران ہیں میں تمہارے
بَيْضَاءَ نَقِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا وَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ.(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)
پاس روشن صاف شریعت لے کر آیا ہوں اور اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو لائق نہ تھی ان کو مگر میری اتباع ہی۔ احمد۔ بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم یہود سے ایسی حکایتیں اور باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں ہمیں خوش کرتی ہیں۔ کیا رائے ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہ جو باتیں ہمیں اچھی لگتی ہیں

ہم ان کو لکھ لیا کریں تو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم حیران و متحیر ہوئے جیسے یہود و نصاریٰ متحیر و حیران ہوئے تھے۔ سو لایا میں تمہارے پاس ایسے دین جو صاف شفاف ہے بیضاء ہے۔ جس میں کسی قسم کے شکوک و شبہات نہیں۔

ناراضگی کا اظہار اس لئے فرمایا کہ کوئی شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ اپنے دین کو ناقص سمجھ رہے ہیں۔ تب ہی تو دوسروں کے دین سے باتیں لیتے ہیں۔ میں تو تمہارے پاس ایسے دین کو لایا ہوں جو شکوک و شبہات سے پاک ہے۔ آگے فرمایا کہ تم تو یہود و نصاریٰ کی بات کرتے ہو اگر یہود کے اولوالعزم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ بھی میری اتباع کرتے۔

سوال موجودہ غیر مقلدین اس حدیث کو لے کر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ جیسے اولوالعزم پیغمبر کی اتباع جائز نہیں تو ائمہ کی اتباع کیسے جائز ہے۔

جواب۔ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ موسیٰؑ کی اتباع اس وجہ سے جائز نہیں کہ ان کا دین منسوخ ہو چکا اور ائمہ کا دین یہ ان کا اپنا دین نہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے۔ ائمہ کی اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔

قولہ' جئتکم بھا میں ضمیر کا مرجع مشہور ہونے کی وجہ سے پہلے مذکور نہیں۔

وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (مَنْ اَکَلَ طَیِّبًا وَعَمِلَ فِی

حضرت ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حلال کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا

سُنَّۃٍ وَاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَہٗ دَخَلَ الْجَنَّۃَ) فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ ھٰذَا الْیَوْمَ لَکَثِیْرٌ فِی النَّاسِ؟

اور لوگ اس کی زیادتی سے محفوظ ہیں جنت میں داخل ہوگا۔ ایک شخص نے کہا اللہ کے رسول آج کے دن

قَالَ: وَسَیَکُوْنَ فِیْ قُرُوْنٍ بَعْدِیْ. (رواہ الجامع ترمذی)

ایسے لوگ بہت ہیں فرمایا میرے پیچھے بعد کے زمانہ میں کم ہوں گے۔

تشریح: حاصل حدیث۔ جس میں صفات ثلثہ مذکورہ پائی جائیں وہ دخول جنت بدخول اولیٰ کا مستحق ہوگا۔ صفات ثلثہ یہ ہیں (۱) اکل حلال۔ (۲) اتباع (۳) ترک ایذاء۔ کسی کے دکھ کا باعث نہ بنے۔ دخل الجنۃ سے مراد بدخول اولیٰ۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں طیبا فرمایا حلالاً نہیں فرمایا۔ یعنی ایسا حلال کھانا چاہئے جس کے انوارات کے آثار دوسروں کو بھی محسوس ہونے لگیں اس کی خوشبو دوسروں کو بھی آئے۔

قولہ' و عمل فی سنۃ سنت کو عمل کیلئے ظرف بنایا۔ مطلب یہ ہے کہ عمل عمل بنتا ہی نہیں تحقق نہیں ہو سکتا۔ جب تک سنت کے مطابق نہ ہو۔

قولہ' من اکل طیباً اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے پاس جائیں تو زیادہ کھائیں اور کوئی بزرگ تب ہی کھلائے گا جب کسی سے تعلق ہوگا۔ اس کے بعد ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آج کے زمانے میں اس طرح کے لوگ بہت ہیں جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ کیا آئندہ زمانوں میں بھی یہ لوگ ہوں گے فرمایا ہاں میرے بعد بھی ایسے لوگ موجود ہوں۔ خلاصہ حدیث کا یہ ہوا کہ **معتصمین بالکتاب والسنۃ فی الجملہ** تا قیامت باقی رہیں گے۔ یہ تینوں اوصاف اعتصام بالکتاب والسنہ ہیں۔ جب نہیں رہیں گے تو قیامت آ جائے گی۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (اِنَّکُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَکَ مِنْکُمْ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ایسے زمانہ میں ہو جس نے دسواں حصہ اس چیز کا چھوڑ دیا

عُشْرَ مَا اُمِرَ بِہٖ ھَلَکَ ثُمَّ یَاْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْھُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِہٖ نَجَا) (رواہ الجامع ترمذی)

جس کا حکم دیا گیا ہے ہلاک ہو گیا۔ پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس شخص نے دسویں حصہ کے ساتھ عمل کیا جس کا حکم دیا گیا ہے نجات پا جائے گا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے صحابہؓ تم ایسے زمانے میں ہو کہ تم میں سے اگر کوئی شخص مامور بہ دین کے دسویں حصہ کو چھوڑ دے گا تو وہ ہلاکت کا مستحق ہو جائے گا اور پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اگر کوئی مامور بہ کے

دسویں حصے پر عمل کرے گا تو وہ اس کے لئے نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔

سوال۔اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دن رات میں اگر دو تین نمازیں پڑھ لے تو کافی ہے وہ نجات کا ذریعہ ہے اور دس سالوں کے روزوں میں سے ایک سال کے روزے رکھ لئے تو وہ بھی نجات کا ذریعہ ہے حالانکہ یہ تو نصوص قطعیہ کے خلاف ہے۔

جواب:۔اس حدیث کا مدلول پورا دین نہیں بلکہ دین کا ایک شعبہ امر بالمعروف نہی عن المنکر مراد ہے۔باقی مامور بہ کے دسویں حصہ پر عمل کو چھوڑنے سے ہلاکت کا مستحق اس لئے ہو جاؤ گے کہ اس زمانہ میں غلبہ اسلام ہے اور تکالیف زیادہ نہیں ہیں تحمل کرنا کوئی مشکل نہیں۔اور بعد میں فسق و فجور زیادہ ہوگا ظالم و فاجر حکمران ہوں گے لہٰذا اس زمانے میں اگر کوئی مامور بہ کے دسویں حصہ پر عمل کرے گا تو نجات کا مستحق ہے۔بعض نے کہا ہے کہ جتنا اخلاص عمل میں مطلوب ہے اس کا دسواں حصہ مراد ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (مَاضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ ھُدًی کَانُوْا عَلَیْہِ اِلَّا
حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی قوم ہدایت کے بعد
اُوْتُوا الْجَدَلَ) ثُمَّ قَرَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذِہِ الْاٰیَةَ (مَاضَرَبُوْہُ لَکَ اِلَّا جَدَ لًابَلْ
جو اسے دی گئی تھی گمراہ نہیں ہوئی مگر وہ جھگڑا دیئے گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی نہیں بیان کرتے
ھُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ) (رواہ الجامع ترمذی و ابن ماجة)
اس کو تیرے لئے مگر جھگڑنے کیلئے بلکہ وہ قوم ہیں جھگڑالو۔

تشریح: حاصل حدیث:۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی کوئی قوم ہدایت پر ہونے کے بعد گمراہ ہوئی ہے اس کے اسباب میں سے بڑا سبب جدل ہے۔عناد اور دین میں شکوک و شبہات پیدا کرنا۔پھر اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ماضربوہ لک الاجدلا بل ھم قوم خصمون۔جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم (الآیۃ) اللہ کے سوا جتنے معبود بنائے گئے ہیں وہ سب جہنم میں جائیں گے اس پر قریش نے اعتراض کیا کہ حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ ان کو بھی تو معبود بنایا گیا یہ بھی جہنم میں جائیں گے پھر وہ اشکال کرتے ہیں کہ تمہارے معبود زیادہ بہتر ہیں یا عزیرؑ۔یہ بیان کرتے وقت رقص کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اگر (ماضربوہ لک الاجدلابل ھم قوم خصمون) تمہارے اس قول کے مطابق حضرت عزیرؑ کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا (العیاذ باللہ) تو پھر ہم راضی ہیں کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو۔قرآن نے کہاماضربوہ' لک الاجدلا۔یہ ان کا قول محل اشکال نہیں تھا۔قرآن نے کہا یہ اہل لسان ہونے کی وجہ سے مقام مقام اشکال نہیں۔انہیں بھی پتہ ہے کہ کلمہ ما سے مراد معبود ہیں جو اصنام کی قبیل سے ہوں وہ جہنم میں جائیں گے عزیرؑ اس میں داخل نہیں۔

قولہ' ماضربوہ الخ ان مشرکین کا یہ کہنا محض عناد ہے ان کا جدل ہے اور اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ ما کا کلمہ ذی العقول اور غیر ذوی العقول کے لئے ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ اگلی آیت نظر نہیں آتی ان الذین سبقت لھم منا الحسنی اولئک عنھا مبعدون. (الایة) یہاں ان کا استثناء موجود ہے۔

سوال۔مثال اور ممثل لہٗ کے درمیان انطباق نہیں۔مثال کفار مکہ ہیں اور ممثل لہٗ وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے بعد گمراہ ہوئے۔

جواب یہ لوگ بالفعل اگرچہ ہدایت پر نہیں تھے مگر ان کو تمکن علی الھدایت تو حاصل تھا تمکن علی الھدایت کو بالفعل ہدایت سمجھا گیا واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ فَیُشَدِّدُ اللّٰہُ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اپنی جانوں پر سختی نہ کرو پس اللہ سختی کرے گا

عَلَيْكُمْ فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ
تم پر ایک قوم نے سختی کی تھی اپنی جانوں پر اللہ نے ان پر سختی کی پس یہ جماعت صومعوں میں ان کا بقایا ہے اور دیار میں رہبانیت تھی۔
(رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ) (رواہ ابوداؤد)
انہوں نے اسے نکالا تھا ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ کتاب وسنت میں جو احکام ہیں ان کی اتباع کرو بدون کمی بیشی کے اپنی طرف سے نذر کے ذریعہ اعمال شاقہ کا التزام نہ کرو جیسا کہ ہمیشہ کے لئے روزہ رکھوں گا افطار کبھی نہیں کروں گا اور ہمیشہ شب بیداری کروں گا کبھی سوؤں گا نہیں کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا۔ اس لئے کہ اگر یہ التزام کرلیا تو نبھا نہیں سکو گے تو اللہ تعالیٰ اس پر مواخذہ کریں گے۔ تم سے پہلے لوگوں نے بھی اعمال شاقہ کا التزام کیا تھا۔ مثلاً گرجا خانوں میں رہنے کا التزام کرلیا وغیرہ مگر اس کو نبھانہ سکے باقی فرائض میں کمی بیشی نہیں ہونی چاہئے۔ فرائض پورے ادا کرنے ہوں گے۔

مطر مطر اذا جتمعت نهر   نهر نهر اذا اجتمعت بحر

رهبانية یہ منصوب علیٰ شریطۃ التفسیر ہے فتلک کا مشار الیہ رہبانیہ کی جماعتیں ہیں جو معہود فی الذہن ہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (نَزَلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ حَلَالٍ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ طرح پر قرآن نازل ہوا ہے۔ حلال،
وَّحَرَامٍ وَّ مُحْكَمٍ وَّمُتَشَابِهٍ وَّاَمْثَالٍ فَاَحِلُّوا الْحَلَالَ وَ حَرِّمُوا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوا بِالْمُحْكَمِ وَاٰمِنُوْا
حرام، محکم، متشابہ اور امثال، حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام جانو۔ محکم کے ساتھ عمل کرو اور متشابہ کے ساتھ
بِالْمُتَشَابِهِ وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ) هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي (شُعَبِ الْاِيْمَانِ) وَلَفْظُهٗ:
ایمان لاؤ اور مثال کے ساتھ عبرت پکڑو۔ یہ مصابیح کے لفظ ہیں۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اسے ذکر کیا ہے
فَاعْمَلُوْا بِالْحَلَالِ وَ اجْتَنِبُوا الْحَرَامَ وَاتَّبِعُوا الْمُحْكَمَ.
اس کے الفاظ ہیں۔ حلال کے ساتھ عمل کرو حرام سے بچو اور محکم کی پیروی کرو۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ قرآن پانچ مضمونوں پر نازل کیا گیا ہے۔

(۱) حرام (۲) حلال (۳) محکم (۴) متشابہ (۵) امثال۔ باقی امثال سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں دو قول ہیں۔

(۱) وہ مثالیں جو اللہ نے مشرکین کی بیان کی ہیں جیسے مثل الذین اتخذوا۔ (۲) اس سے مراد قصص اور امثال دونوں ہیں۔

سوال۔ اقسام تو متباینہ ہوتی ہیں قرآن میں تو حلال وحرام محکم وغیرہ کا بیان ہے۔

جواب۔ یہاں مراد یہ ہے کہ تقسیمات متعددہ ہیں۔ اقسام نہیں اور ایک تقسیم کی قسمیں دوسری تقسیم کی قسموں کے ساتھ جمع ہو جاتی ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اَلْاَمْرُ ثَلَاثَةٌ اَمْرٌ بَيِّنٌ رُشْدُهٗ فَاتَّبِعْهُ وَاَمْرٌ
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امر تین طرح پر ہیں۔ ایک امر اس کی ہدایت ظاہر ہے اس کی پیروی
بَيِّنٌ غَيُّهٗ فَاجْتَنِبْهُ وَاَمْرٌ اُخْتُلِفَ فِيْهِ فَكِلْهُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ) (رواہ مسند احمد بن حنبل)
کرو ایک امر ہے اس کی گمراہی ظاہر ہے اس سے بچو ایک امر ہے اس میں اختلاف کیا گیا ہے اس کو اللہ کے سپرد کردو۔

تشریح: مفہوم حدیث۔ امور تین قسم پر ہیں (۱) ایسی بات جس کا ہدایت ہونا واضح ہے فاتبعوا اس کی پیروی کو (۲) ایسی بات جس کا

گناہ ہونا واضح ہو فاجتنبوہ (اس سے بچو) (۳) امر مختلف فیہ۔ نہ ہدایت ہونا واضح اور نہ گناہ ہونا واضح ہو۔ اس کا حکم اس کو تفویض الی اللہ کرو۔

حاصل حدیث:۔ پہلی قسم ادلہ حلت ہی موجود ہوں ادلہ محرم بالکل نہ ہوں (۲) ادلہ حرمت موجود ہوں ادلہ حلت موجود نہ ہو (۳) تعارض ادلہ ہو جائے امر اشتباہ تو اس میں تقویٰ یہ ہے کہ اس کو تفویض الی اللہ کرو۔ جیسے سوء حمار۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (اِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ كَذِئْبِ
حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے جس طرح بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے
الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْقَاصِيَةَ وَالنَّاحِيَةَ وَاِيَّاكُمْ وَالشِّعَابَ وَ عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ)
کہ وہ پکڑ لیتا ہے بھاگنے والی اور دور کی بکری کو اور کنارے والی بکری کو اور تم پہاڑ کے دروں سے بچو اور جماعت اور مجمع کو لازم پکڑو۔

(رواہ مسند احمد بن حنبل)

تشریح: حاصل حدیث میں انسان کو تشبیہ دی گئی ہے بکری کے ساتھ اور شیطان کو تشبیہ دی گئی ہے بھیڑیے کے ساتھ فرمایا شیطان انسان کے حق میں بھیڑیا ہے جس طرح کہ بھیڑیا بکریوں کے حق میں بکریوں کا بھیڑیا جس قسم کی بکریوں پر حملہ کرتا ہے۔

اس کی تین قسمیں ہیں۔(۱) شاذہ (۲) قاصیہ (۳) ناحیہ

شاذہ: وہ بکری جو ریوڑ سے نفرت کی بناء پر علیحدہ ہو جائے۔ قاصیہ:۔ وہ بکری جو گھاس چارہ اور پتوں کی لالچ میں ریوڑ سے علیحدہ ہو جائے۔ جب علیحدہ ہوئی تو بھیڑیا کھا گیا۔ ناحیہ۔ وہ بکری جو چرواہے کی غفلت کی وجہ سے ریوڑ سے علیحدہ ہو جائے۔ جب یہ علیحدہ ہوئی اس کو بھیڑیا کھا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جو بھی اہل حق اہل سنت والجماعت سے بغض وعناد کی وجہ سے نفرت کی وجہ سے علیحدہ ہوا تو وہ شیطان کا شکار ہو جائے گا۔

قولہ' وایاکم والشعاب۔ تشبیہ المعقول بالمحسوس شیطان کے راستے کو تشبیہ دی پہاڑی راستوں کے ساتھ کہ جس طرح پہاڑی راستوں پر چلنا دشوار ہوتا ہے اسی طرح کتاب وسنت کے علاوہ اور راستوں پر چلنا نہایت دشوار ہے۔ اور فرمایا تم جماعت کو لازم پکڑو۔

وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ
حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہوا اس نے
الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ) (رواہ مسند احمد بن حنبل و ابوداؤد)
اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا۔

تشریح: حاصل حدیث فرمایا جو اہل حق کی جماعت سے ایک بالشت علیحدگی اختیار کرے گا گویا اس نے اسلام کو اپنی گردن سے اتار دیا ہے۔ گویا رسی ڈالی ہوئی تھی وہ نکل گئی۔ یہاں اسلام کے کمال کی نفی ہے۔ بشرطیکہ اس کا علیحدہ ہونا منجر الی الکفر نہ ہو۔ باقی اہل حق کا اولاً مصداق صحابہ کرامؓ اور پھر تابعین وغیرہ ہیں۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ، مُرْسَلًا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ
حضرت مالکؒ بن انس سے مرسل روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر چلا ہوں
لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا : كِتَابُ اللهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ) (رواہ فی الموطا)
تم گمراہ نہیں ہوگے جب تک مضبوطی سے ان کو پکڑے رکھو گے۔ یعنی کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت۔

تشریح: قولہ' ترکت فیکم الخ چونکہ چھوڑ کر جانا یقینی تھا اس لئے ماضی سے تعبیر کیا۔

حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں تم اگر ان کو مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے۔(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ۔ احدھما کتاب اللہ و ثانیھما سنت رسول اللہ۔

سوال:۔ حجت شرعیہ تو چار ہیں یہاں دو کا ذکر ہے جواب:۔ اجماع اور قیاس کا مرجع بھی کتاب وسنت ہی ہے کیونکہ اجماع وہی معتبر ہوگا جس کی سند قرآن وحدیث میں ہو اور قیاس بھی وہی معتبر ہوگا کہ مقیس علیہ کی علت قرآن وحدیث میں موجود ہو۔

وَعَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثُّمَالِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَآ اَحْدَثَ قَوْمٌ
حضرت عفیفؓ بن حارث ثمالی سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی قوم نے کوئی
بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ) (رواہ مسند احمد بن حنبل)
بدعت نہیں نکالی مگر اس کی مانند سنت اٹھائی جاتی ہے سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت نکالنے سے بہتر ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ایجاد کرتی کوئی قوم بدعت کو مگر اس کی مثل اٹھا دیا جاتا ہے سنت سے یعنی بدعت کے مقابلے میں جو سنت ہوتی ہے اس سے محرومی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا قلیل المونۃ سنت کو اختیار کرنا اچھا ہے۔ بنسبت بہت بڑی بدعت کو ایجاد کرنے سے لہٰذا قلیل المونۃ سنت کو اختیار کرو بیت الخلاء میں جاؤ سنت کے مطابق جاؤ زیادہ مشقت کا کام نہیں۔ مسجد کے اندر داخل ہوں باہر نکلیں تو سنت کے مطابق نکلیں (واقعہ حضرت سفیان ثوریؒ کو ثوری کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ خلاف عادت مسجد میں بایاں پاؤں چلا گیا تو غائب سے آواز آئی یا ثور۔ اے بیل اس وقت سے ثوری مشہور ہوئے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت و بدعت جمع نہیں ہو سکتی باقی خیر کا معنی "زیادہ بہتر" نہیں کرنا صرف بہتر ہے۔ اسم تفصیل اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے۔

وَعَنْ حَسَّانَ ، قَالَ: مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِي دِيْنِهِمْ اِلَّا نَزَعَ اللهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيْدُهَا
حضرت حسانؓ سے روایت ہے کہا کہ کسی قوم نے اپنے دین میں بدعت نہیں نکالی مگر اللہ تعالیٰ ان کی سنت سے اس کی مثل نکال لیتا ہے
اِلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. (رواہ الدارمی)
پھر قیامت تک وہ ان کی طرف نہیں لوٹتی۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ سنت اس درخت کی طرح ہے کہ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء اگر درخت کو اکھاڑ دیا جائے تو اس کو اکھاڑنے کے بعد اس کی سابقہ شان وشوکت برقرار نہیں رہتی اسی طرح جب سنت کی جگہ بدعت ایجاد کر دی گئی تو دوبارہ اسی شان وشوکت سے نہیں لوٹے گی۔ باقی نزع اللہ من سنتھم چونکہ انہوں نے اس سنت کو چھوڑنا تھا اس ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے نسبت کر دی اس حدیث میں سنت کی عظمت بیان کی گئی ہے۔

وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ
حضرت ابراہیمؒ بن میسرہ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صاحب بدعت کی تعظیم کرے
اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ) رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا. (رواہ البیہقی)
اس نے اسلام کے گرانے پر مدد کی۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اسے مرسل روایت کیا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ جس نے صاحب بدعت (بدعتی) کی تعظیم کی پس اس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی۔ اس کو یوں سمجھ لو کہ سنت ایک محل اور عمارت ہے اور بدعت اس محل کو گراتا ہے اور بدعتی اس کو گرانے والا ہے۔ جو بدعت کو اختیار کرتا ہے تو وہ اسلام کو

جڑ سے اکھیڑ رہا ہے یہ تو حالت تعظیم کرنے والے کی ہے خود بدعتی کا کیا حال ہوگا۔ باقی بدعتی کی تعظیم شر سے بچنے کے لئے کی جائے گی۔ اکرام نہیں ہوگا۔ اس لئے کبھی اس کا اکرام کرنا پڑ جائے تو دفع مضرت کی نیت کر لینا۔ مقصود جلب منفعت نہ ہو۔

دفع مضرت اور ہے اور جلب منفعت اور ہے حیثیت کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں دفع شر یجوز جلب منفعت لایجوز۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللّٰهِ ثُمَّ اتَّبَعَ مَافِيْهِ هَدَاهُ اللّٰهُ مِنَ الضَّلَالَةِ فِي الدُّنْيَا وَوَقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سُوْٓءَ الْحِسَابِ وَفِيْ رِوَايَةٍ، قَالَ : مَنِ اقْتَدٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ لَايَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْقٰى فِي الْاٰخِرَةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ(فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى) (رواہ رزین)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ جس نے اللہ کی کتاب سیکھی پھر اس میں جو ہے اس کی پیروی کی اللہ اسے گمراہی سے ہدایت دے گا دنیا میں اور قیامت کے دن برے حساب سے بچائے گا۔ ایک روایت میں ہے کہا جس نے اللہ کی کتاب کی پیروی کی دنیا میں نہ گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی جس نے میری ہدایت کی پیروی کی نہ گمراہ ہوگا نہ بدبخت۔

تشریح: حاصل حدیث۔ دنیا میں گمراہی سے بچاؤ کا ذریعہ اور آخرت میں (مناقشہ سے) یعنی نعمتوں سے عدم محرومی کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح اس کے مقابلے میں بدعت دنیا اور آخرت میں ہلاکت کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں گمراہی کا ذریعہ اور آخرت میں مواخذہ ہو گا۔ فلا یضل و لایشقی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ(ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَعَنْ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِيْهِمَا اَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ وَعَلَى الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُرْخَاةٌ وَعِنْدَ رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُوْلُ اسْتَقِيْمُوْا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تَعْوَجُّوْا وَفَوْقَ ذٰلِكَ دَاعٍ يَّدْعُوْا كُلَّمَاهَمَّ عَبْدٌ اَنْ يَفْتَحَ شَيْئًا مِنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ قَالَ: وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَاِنَّكَ اِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ) ثُمَّ فَسَّرَهُ فَاَخْبَرَ (اَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْاِسْلَامُ وَاَنَّ الْاَبْوَابَ الْمُفَتَّحَةَ مَحَارِمُ اللّٰهِ وَاَنَّ السُّتُوْرَ الْمُرْخَاةَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَاَنَّ الدَّاعِيَ عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ هُوَالْقُرْاٰنُ وَاَنَّ الدَّاعِيَ مِنْ فَوْقِهٖ هُوَوَاعِظُ اللّٰهِ فِيْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ) رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَاَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ وَكَذَا التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهٗ ذَكَرَ اَخْصَرَ مِنْهُ.

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بیان کی ہے ایک سیدھی راہ ہے اور راہ کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں ان میں کھلے ہوئے دروازے ہیں دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ راہ کے سر پر ایک پکارنے والا ہے جو پکارتا ہے راہ پر سیدھے رہو اور کج مت چلو اس کے اوپر ایک اور پکارنے والا ہے جب کوئی آدمی ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تیرے لئے افسوس ہو اس کو مت کھول اس لئے کہ اگر تو نے اس کو کھول دیا اس میں داخل ہوگا پھر آپ نے اس کی تفسیر بیان کی پس خبر دی کہ راہ سے مراد اسلام ہے اور کھلے ہوئے دروازوں سے مراد اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور بے شک لٹکے ہوئے پردوں سے مراد اللہ کی حدیں ہیں اور راستہ کے سر پر پکارنے والا قرآن ہے اور اس کے اوپر پکارنے والا وہ نصیحت دینے والا ہے اللہ کی طرف سے ہر مومن کے دل میں۔ رزینؒ احمد بیہقی نے شعب الایمان میں نواس بن سمعان سے روایت کیا ہے اسی طرح ترمذی نے اس سے مگر ترمذی نے اس سے مختصر ذکر کیا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث: اس حدیث میں تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سیدھا راستہ ہے اس کے دونوں طرف دروازے ہیں اور وہ کھلے ہوئے ہیں اور ان پر پردے لٹکے ہوئے ہیں اور جہاں سے راستہ شروع ہوتا ہے وہاں ایک پہرے دار ہے جو لوگوں کو آگاہ کررہا ہے کہ سیدھے چلتے جاؤ ادھر ادھر نہ ہونا اور ان پردوں کو نہ ہٹانا اس لئے کہ اگر ان کو ہٹا دیا تو پھر اندر جانے کے بغیر نہیں رہ سکو گے اور پھر کچھ مسافت پر ایک اور پہرے دار ہے (داعی ہے) وہ کہہ رہا ہے کہ ان پردوں کو ہٹانا نہیں اگر اٹھا دیا تو پھر ان کی چمک دمک تمہیں رہنے نہیں دے گی۔

تشبیہ:۔ کا حاصل یہ ہے کہ اسلام بمنزلہ راستے کے ہے اور محرمات الٰہیہ بمنزلہ ابواب مفتوحہ کے ہیں اور احکام وحدود جو بندوں کو ان محرمات سے روکنے والی ہیں۔ وہ بمنزلہ پردوں کے ہیں اور قرآن بمنزلہ اس داعی کے ہے جو راستے کے سرے پر بیٹھا ہے اور یوں کہتا ہے "استقیموا علی الصراط ولا تعوجوا" اور القاء ملکی جو دل میں اچھا خیال آتا ہے۔ یہ بمنزلہ اس داعی کے ہے جو راستے کے اوپر بیٹھا ہے اور یوں کہتا ہے "ویحک لا تفتحہ"۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْمَاتَ فَاِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ
حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا جو شخص پیروی کرنا چاہے اسے ان لوگوں کی پیروی کرنا چاہئے جو مر گئے ہیں
اُولٰئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَّاَعْمَقَهَا عِلْمًا
کیونکہ زندہ پر فتنوں سے امن نہیں کیا جاتا اور وہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں جو اس امت کے بہت نیک باعتبار دل
وَّاَقَلَّهَا تَكَلُّفًا اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاَقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى اٰثَارِهِمْ
اور بہت کامل تھے علم میں اور بہت کم تھے تکلیف میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور دین قائم کرنے کیلئے
وَتَمَسَّكُوْا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ اَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَاِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ. (رواہ رزین)
چن لیا پس ان کی فضیلت پہچانو۔ ان کے نقش قدم کی پیروی کرو ان کے اخلاق اور سیرت کو جس قدر ہو سکے پکڑے رکھو کیونکہ وہ سیدھی راہ پر تھے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس میں حضرت ابن مسعودؓ نے صحابہ کرامؓ کی منقبت اور فضیلت اور وجوہ فضیلت کو بیان کیا ہے اور ان کے دلائل کو بھی بیان کیا ہے کہ اگر تم نے کسی کی پیروی کرنی ہے تو اس کی پیروی کرو جس کی وفات اسلام پر ہو چکی ہے یعنی صحابہؓ کا یہ خطاب تابعین کو ہے کہ صحابہؓ کے ماسوا قابل اقتداء وہ لوگ ہیں جو کمال ایمان پر وفات پا چکے ہیں اس لئے کہ صحابہؓ کے ماسوا جو زندہ ہیں ان کے فتنے میں پڑنے سے امن نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں نہیں کہہ رہے اس لئے کہ آگے فرمایا اولئک اصحاب نبی۔ یہ اس امت کے افضل ترین لوگ ہیں۔ یہ وجوہ فضیلت بیان فرمارہے ہیں کہ افضل هذه الامة دلوں کے اعتبار سے انتہائی مخلص ان کے دلوں میں نیکی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ برائی کے خیالات پیدا ہوتے ہی نہیں دل میں اخلاص ہی ہے خود غرض نہیں گہرے علم والے ہیں سطحی علم والے نہیں ان میں جو عالم ہیں صرف ان کا علم نصوص تک محدود نہیں ان کا علم نصوص کی تہہ تک پہنچا ہوا ہے۔ ان کا علم صرف چھلکے تک محدود نہیں مغز تک پہنچا ہوا ہے۔ امت سے مراد امت اجابت ہے جو تمام امتوں سے افضل ہے جیسا کہ قرآن میں ہے کنتم خیر امة اخرجت للناس (پ۴) پھر اس امت میں سے سب سے افضل صحابہ کرامؓ ہیں تو معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ بجز انبیاء علیہم السلام کے تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

قوله اقلها۔ قلیل کبھی کمی کے معنے میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی نفی کے معنے میں استعمال ہوتا ہے یہاں نفی کے معنے میں ہے۔ یعنی بالکل تکلف کرنے والے نہیں ہیں۔ انتہائی بے تکلف تھے۔ قیمتی برتن کے منتظر نہیں رہتے ایک دوسرے کے مشروب کو پی لیا کرتے تھے نفرت نہیں کرتے تھے بغیر چٹائی کے نماز پڑھنے کی ضرورت پیش آ گئی تو نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور اسی طرح قرآن پاک کی تلاوت کرنے میں بھی بے تکلف ہیں۔ لحون عرب کے بغیر تلاوت کرتے تھے نغمہ سازی کا اہتمام کوئی نہیں کرتے تھے کوئی فکر نہیں کرتے تھے ویسے ہی عرب کے لہجوں کے مطابق تلاوت کر لیتے تھے۔ اور اسی طرح پاک صاف لباس حلال جو میسر آ جاتا تو استعمال کر لیتے تھے کوئی زرد برگ لباس کے منتظر نہیں

رہتے تھے۔اسی طرح کھانے میں مرغن غذاؤں کا نہ پرہیز تھا اور نہ خواہش تھی۔اسی طرح باطنی احوال میں نہ کوئی رقص تھا نہ کوئی سرور تھا نہ کوئی ہوں ہاں نہ کوئی حلقہ بندی تھی۔الغرض بدن کے اعتبار سے فرشی تھے۔روح کے اعتبار سے عرشی تھے۔یہ فضائل ان کو کیوں حاصل ہوئے اس لئے کہ ساری کائنات میں سے اللہ نے اپنے نبی کی صحبت کے لئے ان کو منتخب فرمایا لہذا اے تابعین ان کے فضائل کو پہنچانو صرف علم کی حد تک نہیں و اتبعوھم بلکہ ان کے نشہانائے قدم کی پیروی کرو ان کے اوصاف ان کے اخلاق کو اختیار کرو جس قدر ہو سکے ان کے اخلاص و سیرت کی اتباع کرو علی اثرھم یہ کنایہ ہے کمال اطاعت سے۔پیروی کرو کیوں کہ فانھم کانوا علی الھدی المستقیم۔اعتصام بالکتاب والسنۃ تب متحقق ہوگا جب صحابہ کرامؓ کی سیرت پر عمل کیا جائے گا۔جب صحابہؓ کی اقتداء باقی رہے گی ورنہ زبانی دعویٰ ہے۔

قولہ اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو امام الانبیاء کی صحبت و رفاقت کے لئے پسند کیا کیونکہ وہ اس کے اہل تھے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے والزمھم کلمۃ التقویٰ و کانوا احق بھا و اھلھا پ ۲۶۔

قولہ و لاقامۃ دینہ الخ یعنی صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پورا دین حاصل کیا اور پھر اس کی حفاظت و اشاعت کے لئے بے انتہا قربانیاں دیں اور جہاد کے ذریعہ بڑے بڑے ممالک فتح کر کے ان میں حکومت الٰہیہ اور عدل و مساوات کا بے نظیر نظام قائم کیا۔

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَۃٍ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے یہ کہا بے شک حضرت عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تورات کا ایک نسخہ لے کر آئے پس کہا اے اللہ کے رسول یہ

مِنَ التَّوْرَاۃِ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! ھٰذِہٖ نُسْخَۃٌ مِّنَ التَّوْرَاۃِ فَسَکَتَ فَجَعَلَ یَقْرَأُ وَوَجْہُ رَسُوْلِ اللّٰہِ

تورات کا نسخہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہے حضرت عمرؓ نے پڑھنا شروع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَغَیَّرُ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ثَکِلَتْکَ الثَّوَاکِلُ مَاتَرٰی مَابِوَجْہِ

چہرہ متغیر ہوتا تھا حضرت ابوبکرؓ نے کہا گم کریں تجھ کو گم کرنے والیاں کیا نہیں دیکھتا تو اس چیز کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ میں ہے

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف دیکھا پس کہا میں پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے ساتھ اللہ کے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَّسُوْلِہٖ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا

غضب سے اور اس کے رسول کے غضب سے ہم اللہ کے ساتھ راضی ہوئے۔رب ہونے پر اور اسلام کے ساتھ دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْبَدَا لَکُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْہُ

ساتھ نبی ہونے پر۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اس کے قبضہ میں ہے اگر ظاہر ہو جائیں موسیٰ اور تم

وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِیْلِ وَلَوْ کَانَ حَیًّا وَّاَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاَ تَّبَعَنِیْ) (رواہ الدامی)

مجھ کو چھوڑ کر اس کی پیروی کرو تو سیدھی راہ سے گمراہ ہو جاؤ گے۔اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے البتہ میری پیروی کرتے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطابؓ تورات کا نسخہ لے کر آئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ تورات کا نسخہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کوئی جواب نہ دیا۔حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموش رہنا رضا مندی کی علامت ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے توراۃ کے نسخے کو پڑھنا شروع کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار اور غضب و غصہ کے آثار نظر آنے لگے اسی مجلس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی موجود تھے جب ابوبکر صدیقؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو عمرؓ کو فرمایا اے عمرؓ تم اتنا معلوم نہ کر سکے کہ خاموشی رضا کی علامت ہے یا ناراضگی کی علامت ہے۔

قولہ' ماتری الخ میں پہلا ما استفہامیہ ہے اور دوسرا ماؔ نافیہ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ مزاج نبوت تھے۔ مزاج شناس تھے۔ الغرض جب عمرؓ نے دیکھا تو فوراً کہنے لگے رضیت بالاسلام دینا رضیت بالله ربا و بالا سلام دینا و بمحمد رسولاً۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ والذی نفسی محمد صلی الله علیه وسلم بیدہ اگر تم میں حضرت موسیٰ تشریف لائیں اور تم نے ان کی اتباع کی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ فرمایا اگر وہ آج بھی زندہ ہوتے تو ان کی نجات بھی میرے اتباع میں منحصر تھی۔ موسیٰ میری اتباع کیوں کرتے؟ اس لئے کہ ان کا دین منسوخ ہو چکا ہے اور منسوخ پر عمل کرنا جائز نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (كَلَامِيْ لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللهِ وَ كَلَامُ اللهِ يَنْسَخُ
اسی حضرت (جابرؓ) سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ
كَلَامِيْ وَ كَلَامُ اللهِ يَنْسَخُ بَعْضُهٗ بَعْضًا)
کر دیتا ہے اور اللہ کا کلام اس کا بعض بعض کو نسخ کرتا ہے۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری کلام نہیں منسوخ کرتی اللہ کی کلام کو اور اللہ کی کلام منسوخ کر دیتی ہے میری کلام کو اور اللہ کی کلام منسوخ کرتی ہے بعض بعض کو۔ اس کی مزید تفصیل اگلی حدیث میں آ رہی ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (إِنَّ اَحَادِيْثَنَا يَنْسَخُ
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق ہماری حدیثیں ایک دوسری کو منسوخ کر دیتی ہیں۔
بَعْضُهَا بَعْضًا كَنَسْخِ الْقُرْاٰنِ)
قرآن کے نسخ کی مانند۔

تشریح: بے شک ہماری احادیث بعض بعض کو جس طرح قرآن بعض بعض کو منسوخ کر دیتا ہے۔ نسخ کرتی ہیں ان دونوں حدیثوں سے مسئلہ نسخ معلوم ہوا۔

مسئلہ نسخ: پہلی بات۔ نسخ کا لغوی معنے۔ نسخ کے لغوی معنی دو ہیں۔ (۱) الازلة یقال له' نسخت الشمس الظلة ای ازالته. و یقال له' نسخت الریح الآثار ای ازالته' آندھی نے نشانات قدم کو مٹا دیا ختم کر دیا۔ دھوپ نے سائے کو ختم کر دیا۔ (۲) النقل والتحویل۔ عام ازیں تحویل من مکان الی مکان آخر ہو یا من حالة الی حالة آخر ہو یا من کیفیت الی کیفیت اخری ہو۔ جیسے نسخت النحل العسل شہد کی مکھیوں نے شہد کو ایک خانے سے دوسرے خانے کی طرف منتقل کر دیا۔

دوسری بحث:۔ آیا لفظ نسخ کا ان دونوں معنوں میں استعمال اور اس کی کیفیت استعمال اشتراک کی قبیل سے ہے یا مجاز کی قبیل سے ہے۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔

قول اول۔ یہ دونوں اشتراک کی قبیل سے ہیں دونوں معنے حقیقی ہیں قول ثانی مجاز کی قبیل سے ہے۔ ازالہ والا معنی حقیقی دوسرا نقل والا معنی مجازی ہے۔

تیسرا قول دوسرے قول کا برعکس ہے یعنی پہلا معنی مجازی دوسرا حقیقی۔

تیسری بحث:۔ نسخ کا اصطلاحی معنے۔ بیان انتهاء مدة حکم شرعی مطلق عن التابید و التاقیت بنص متاثر عن ورودہ کسی حکم شرعی مطلق (جس میں نہ ہمیشگی کی قید ہو اور نہ خاص وقت کی قید ہو) کی مدت کی انتہا کو بیان کرنا ایسی نص کے ساتھ جو اس کے ورود سے موخر ہو اس کو نسخ کہتے ہیں۔

چوتھی بحث۔ نسخ بایں معنے بیان تفسیر کی قبیل سے ہے یا بیان تغییر وتبدیل کی قبیل سے ہے؟ شارع کے حق میں تفسیر کی قبیل سے ہے اور بندہ کے حق میں بیان تغییر وتبدیل کی قبیل سے ہے کیونکہ بندہ یہ سمجھے ہوئے تھا کہ یہ حکم ہمیشہ رہے گا لکم دینکم ولی دین فرمایا نہیں اب وہ حکم باقی نہیں رہا۔ فاقتلوھم حیث وجدتموھم الخ یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی طبیب یا ڈاکٹر کہے کہ یہ نسخہ ہے اس کو استعمال کرو اور دس دن کے بعد اس کو تبدیل کر دیتا ہے اور کہتا ہے اب اس نسخہ کو چھوڑ و اس کو استعمال نہ کرنا یہ تبدیل کرنا حکیم کے حق میں بیان تفسیر ہے کیونکہ اس کو پتہ تھا کہ دس دس دن یہ نسخہ کھلانا ہے پھر اس کو تبدیل کرنا ہے لیکن مریض کے حق میں یہ بیان تبدیل ہے کیونکہ مریض سمجھا ہوا تھا کہ یہی نسخہ چلے گا۔

پانچویں بحث۔ نسخ اس کا وقوع بھی ہے یا نہیں؟ اہل حق کہتے ہیں اس کا وقوع بالفعل ہے ملحدین کہتے ہیں کہ نسخ ممکن ہی نہیں چہ جائیکہ اس کا وقوع بالفعل ہو۔

اہل حق کی ادلہ۔ قرآن کی آیات ما ننسخ من آیة او ننسھانات بخیر منھا او مثلھا۔ اور بھی آیات ہیں۔ باقی ملحدین اس نسخ کا انکار کرتے ہیں تاکہ دین موسوی باقی رہے۔ نیز انہوں نے نسخ کے اصطلاحی معنی کے سمجھنے میں غلطی کی ہے اسی وجہ سے انہوں نے نسخ کا انکار کر دیا وہ کہتے ہیں نسخ کا معنی ہے حکم میں خطا ہونے کی وجہ سے منطبق نہ ہونے کی وجہ سے حکم کو تبدیل کر دینا یہ نسخ ہے جس طرح شیعہ بدا کے قائل ہیں لیکن اگر چہ بندہ کے حق میں تو متصور ہوسکتا ہے باری تعالیٰ کے حق میں اس کا تصور محال ہے یعنی غلطی کی وجہ سے دوسرے حکم کو تبدیل کر دینا باری تعالیٰ کے حق میں یہ محال ہے اہل حق کی طرف سے۔

جواب:۔ یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ نسخ کا جو آپ نے معنی کیا یہ غلط ہے۔ نسخ کا اصطلاحی معنی صحیح وہ ہے جو کہ ہم نے بیان کیا ہے بیان انتھاء مدة النخ ازمنہ امکنہ اور مزاج کے مختلف ہونے سے احکام بدل جاتے ہیں۔ حضرت آدمؑ کے زمانے میں احکام کچھ تھے اور اب کچھ ہیں ان کے زمانے میں بہن سے نکاح حلال تھا اب حلال نہیں۔ اور نیز کیفیات کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں۔

چھٹی بحث۔ نسخ کی باعتبار منسوخ کے چار قسمیں ہیں۔ (۱) منسوخ التلاوۃ منسوخ الحکم جیسے سورۃ کی آیات۔ (۲) حکم منسوخ ہو تلاوت منسوخ نہ ہو جیسے آیات صلح۔ لکم دینکم ولی دین (۳) تلاوت منسوخ ہو حکم منسوخ نہ ہو جیسے آیات رجم الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھا الخ۔

(۴) منسوخ الوصف حکم کی کیفیت منسوخ ہو نفس حکم منسوخ نہ ہو۔ مثلاً صوم عاشورہ فرضیت رمضان سے پہلے فرض تھا لیکن اس کے بعد فرض نہیں رہا۔

ساتویں بحث۔ ناسخ کے اعتبار سے نسخ کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) نسخ القرآن بالقرآن جیسے آیات متعلقہ بالجہاد سے آیات صلح کا حکم منسوخ ہو گیا۔ لکم دینکم ولی دین (۲) نسخ الحدیث بالحدیث جیسے کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا پہلے زیارت قبور سے ممانعت پھر زیادہ قبور کی اباحت ہے (۳) نسخ الحدیث بالقرآن جیسے بیت المقدس کو قبلہ بنایا جانا یہ حدیث سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن کی وجہ سے ہے فول وجھک شطر المسجد الحرام۔ (۴) نسخ القرآن بالحدیث جیسے اقربین کیلئے وصیت کا حکم قرآن سے ثابت ہے اور نسخ حدیث کی وجہ سے ہوا۔ لا وصیة لوارث۔

آٹھویں بحث۔ ان اقسام اربعہ میں سے کونسی جائز ہے اور کونسی جائز نہیں۔ پہلی اور دوسری قسم کے بارے میں اتفاق ہے کہ جائز ہیں۔ چوتھی قسم میں نزاع ہے۔

احناف جواز کے قائل ہیں اور شوافع عدم جواز کے قائل ہیں۔

اور تیسری قسم میں شوافع کے دو قول ہیں۔ ایک قول میں نزاع نہیں یعنی جواز کے قائل ہیں اور ایک قول میں نزاع ہے یعنی وہ عدم جواز کے قائل ہیں بہر حال چوتھی قسم کا اختلافی ہونا متفق ہے۔ شوافع عدم جواز کے قائل ہیں۔

دلائل شوافع۔ یہی دلیل حدیث الباب ہے۔ کلامی لا ینسخ کلام اللہ اس سے معلوم ہوا کہ نسخ القرآن بالحدیث جائز نہیں یہ حدیث احناف کے خلاف ہے۔

احناف کی طرف سے جوابات۔ جواب (۱)۔ حدیث دو قسم پر ہے (۱) وہ حدیث جس کا منشاء وحی خفی ہو (۲) وہ حدیث جس کا

منشاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ہو۔ احناف اس حدیث کے متعلق نسخ کے قائل ہیں جس کا منشاء وحی خفی ہو اور جس کا منشاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ہو۔ اس کے متعلق نسخ کے قائل نہیں اور حدیث میں کلامی لاینسخ کلام اللہ میں یہی قسم ثانی مراد ہے۔

جواب (۲) نسخ القرآن دو قسم پر ہے۔

(۱) حکم کا نسخ (۲) الفاظ کا نسخ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری کلام کلام اللہ کی تلاوت والفاظ کے لئے ناسخ نہیں بن سکتی۔ یعنی حکم کے لئے ناسخ بن سکتی ہے تلاوت کے لئے نہیں۔

جواب (۳):۔ استدلال کے لئے قوت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ پہلی حدیث سنداً توازن نہیں رکھتی۔ اس میں ایک راوی ہیں محمد بن جبرون الواقدی نامی اس پر علامہ ذھبی نے جرح کی ہے لہذا حاشیہ نصیر یہ میں ہے کہ یہ سند کے لحاظ سے قابل استدلال واحتجاج نہیں۔

جواب (۴):۔ یہ حدیث منسوخ ہے اور مابعد والی ناسخ ہے۔ بشرطیکہ کنسخ القرآن میں نسخ مصدر کی اضافت ہو مفعول بہ کی طرف اور فاعل محذوف ہو (حدیث) جیسے منسوخ کر دیتی ہے حدیث قرآن کو۔

کنسخ القرآن۔ نسخ مصدر کی اضافت قرآن کی طرف ہے اس میں دونوں احتمال ہیں کہ (۱) اضافت مفعول کی طرف ہو (۲) اضافت فاعل کی طرف ہو۔ جب اس کی اضافت مفعول کی طرف ہوگی تو اس صورت میں فاعل کو محذوف مانیں گے اور اس فاعل میں دو احتمال ہیں۔ (۲) فاعل قرآن ہو۔ کنسخ القرآن۔ القرآن یہ اقسام اربعہ میں سے پہلی قسم ہے۔ (۲) فاعل حدیث ہو کنسخ الحدیث القرآن یہ اقسام اربعہ میں سے چوتھی قسم پر ہے۔ جو محل نزاع ہے اور اگر نسخ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہو تو پھر مفعول محذوف ہوگا اور پھر اس مفعول میں دو احتمال ہیں۔ (۱) قرآن ہو کنسخ القرآن بالقرآن یہ وہی پہلی قسم کا تکرار ہو (۲) مفعول حدیث ہو کنسخ القرآن الحدیث یہ اقسام اربعہ میں سے تیسری قسم ہے جو ایک قول کے مطابق محل نزاع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ اَبِی ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّؓ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ (اِنَّ اللهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا
حضرت ابو ثعلبہؓ خشنی سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرائض فرض کئے ہیں
تُضَیِّعُوْهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِکُوْهَا وَحَدَّحُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَآءَ مِنْ غَیْرِ
ان کو ضائع نہ کرو اور کتنی چیزوں کو حرام کیا ہے ان کے نزدیک نہ جاؤ اور حدیں مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور بہت سی اشیاء سے
نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا (رَوَی الْاَحَادِیْثَ الثَّلَاثَةَ الدَّارَقُطْنِی).
بغیر بھول جانے کے سکوت فرمایا ہے۔ اس سے بحث نہ کرو۔ تینوں حدیثیں دارقطنی نے روایت کی ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے کچھ احکام مقرر کئے ہیں تم ان کو ضائع نہ کرو بلکہ اس پر عمل کرو اور کچھ احکام حرام کئے ہیں پس ان کی حرمت کو مت توڑو اور اللہ نے حدود مقرر کی ہیں پس ان سے آگے تجاوز نہ کرو۔ اور اللہ نے کچھ اشیاء کے بارے میں سکوت فرمایا بغیر نسیان پس ان میں بحث ومباحثہ نہ کرو پس تم ان کے بارے میں تفتیش نہ کرو اسی حدیث کی بناء پر بعض علماء نے استدلال کیا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

کِتَابُ الْعِلْم

علم اوراس کی فضیلت کا بیان

سوال۔ کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کوذکر کیااس کی ماقبل کے ساتھ مناسبت کیا ہے۔ جواب۔ ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ ایمان کا مقتضیٰ اوامر کو بجالانا اور نواہی سے اجتناب کرنا ہے۔ یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب اوامر کا علم ہواور نواہی کا علم ہواوامر کو بجالانا اور نواہی سے اجتناب یہ موقوف ہے علم پر یہ فرع ہے علم کی اس لئے کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کوذکر کیا۔

قوله العلم اس پر الف لام عہدی ہے اس سے مراد علم دین علم شرعی ہے۔ اور علم دین اس کو کہتے ہیں جس کو رضائے الٰہی کے حصول میں دخل ہو چنانچہ اس عنوان کے تحت آنے والی احادیث میں اسی علم دین کے فضائل کا بیان ہوگا علم دین پڑھنے پڑھانے والوں کے فضائل کا بیان ہوگا نیز علم کے فضائل پر قرآن کی آیات بھی دال ہیں۔ مثلاً **والذین اوتوا العلم درجات**۔ اس آیت کے بعد حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اہل علم کے درجات باقی لوگوں کے درجات کے اعتبار سے سات سو درجات زائد ہوں گے۔ اور ہر دو دو درجوں کے درمیان ۵۰۰ برس کی مسافت ہوگی۔ اس سے بڑھ کر علم کی فضیلت کیا ہوسکتی ہے کہ خود حق جل شانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمارہے ہیں **رب زدنی علماً** کہا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں اضافہ ایسا ہی ہے جیسا کہ گنتی میں اضافہ اور گنتی کا اضافہ کیا ہے **لاتقف عند حد** کسی حد پر منتہی نہیں ہوتا۔ یہ چلتا چلا جائے گا ہماری زبانیں اس کو شمار کرنے سے قاصر ہو جائیں گی مگر گنتی ختم نہیں ہوگی اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا حال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے علم کا اضافہ ہوتا رہتا ہے کہ اس کا شمار کرنا ممکن نہیں ہماری زبانیں اس کو بیان کرنے سے قاصر ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ختم نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب قیامت کے دن شفاعت کبریٰ کیلئے میں سجدے میں پڑ جاؤں گا تو مجھے ایسے محامد کا القاء ہوگا جن کو پہلے میں نے کبھی نہیں سنا اور نہ جانا الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایسے نہیں کہ ایک ہی مرتبہ گھڑی باندھ کے دے دیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں اضافات ہو رہے ہیں تو اے ملحدین ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو زیادہ قرار دے رہے ہیں ہم بند نہیں کر رہے۔

شرح نقایہ میں ملا علی قاریؒ نے علم کی فضیلت میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ علماء کی سیاہی اور شہداء کے خون کا وزن ہوگا تو علماء کی سیاہی وزن میں غالب آجائے گی۔ اگر چہ مولانا اعزاز علیؒ نے حاشیہ میں اس روایت کو متکلم فیہ قرار دیا ہے مگر ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو شمس الحق افغانی جیسے لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے۔

قوله' کتاب العلم ای هذا کتاب العلم اس کتاب میں علم اور تعلیم وتعلم کی فضیلت اور علم شرعی کی حقیقت کا بیان ہے۔

یہاں چار مباحث ہیں۔ (۱) حقیقت علم۔ (۲) اقسام علم۔ (۳) حکم تحصیل علم۔ (۴) طریقہ حصول علم۔

البحث الاول:۔ حقیقت علم علم کے لغوی معنیٰ ہیں دانستن۔

اس کے اصطلاحی معنی میں کئی اقوال ہیں۔ حکماء کی اصطلاح میں اس کے معنیٰ ہیں **حصول صورة الشئی فی العقل**۔

جمہور فلاسفہ کے نزدیک اس کے اصطلاحی معنیٰ ہیں **الصورة الحاصله من الشئی عند العقل**۔

علم کے شرعی معنیٰ یہ ہیں **هو نور فی قلب المومن یوخذ من الکتب والسنة و یهتدی به الی الله و صفاته واحکامه**.

البحث الثانی:۔ اقسام علم۔ اولاً علم کی دوقسمیں ہیں۔ ۱۔ دینی۔ جو کتاب وسنت سے متعلق ہو۔

۲-دنیوی۔ جو دنیا سے متعلق ہو۔ مثلاً ڈاکٹری سائنس جغرافیہ وکالت وغیرذٰلک یہاں علم دینی مراد ہے۔ پھر دینی علم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) تشریعی۔ جو قرب الٰہی اور اصلاح ظاہر و باطن کا ذریعہ ہے یعنی علم شرعی ظاہری جس کو علم معاملہ بھی کہتے ہیں اور علم تصوف باطنی جس کو علم طریقت بھی کہتے ہیں۔ (۲) تکوینی۔ جو ذریعہ قرب نہ بنے مثلاً چند واقعات وحالات ہونے کا انکشاف ہو جائے جیسا کہ خضرؑ کو بادشاہ کے ظلم، بچے کے کفر اور خزانے کے دفن کا علم ہو گیا تھا یہاں علم تشریعی مراد ہے پھر علم تشریعی چار قسم پر ہے۔

۱-علوم عالیہ مقصودہ نقلیہ یعنی تفسیر حدیث فقہ قراءت۔ ۲-علوم عالیہ مقصودہ عقلیہ مثلاً فلسفہ۔

۳-علوم آلیہ غیر مقصودہ نقلیہ مثلاً صرف نحو لغت ادب معانی بیان وغیرذٰلک۔ ۴-علوم آلیہ غیر مقصودہ عقلیہ مثلاً منطق وغیرہ۔

البحث الثالث: بلوغ کے بعد تحصیل علم کا حکم جن امور کا انسان مکلف ہے ان کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے خواہ وہ علم تقلید سے ہو یا دلیل سے ہو مثلاً توحید رسالت نماز اور صاحب نصاب ہو تو زکوٰۃ اور رمضان میں روزہ دار اور کاروباری ہو تو تجارت اور بیع وشراء کے احکام ومسائل اور شادی کرے تو حیض ونفاس اور طلاق ونکاح کے مسائل علیٰ ہذا معاصی کا علم تا کہ ان سے اجتناب کر سکے یہ سب چیزیں فرض عین ہیں۔ اس مقدار سے زائد تبحر علمی حاصل کرنا محض فرض کفایہ ہے۔

البحث الرابع: حصول علم کا طریقہ۔ تحصیل علم کے دو طریقے ہیں۔ اول۔ کسبی۔ جو بواسطہ بشر کوشش ومحنت سے حاصل کرے۔ دوم۔ وہبی۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) بذریعہ وحی یہ تو قطعی ہے۔ (۲) بذریعہ الہام۔ (۳) فراست وبصیرت۔ یہ دونوں ظنی ہیں اور علم وہبی کو علم لدنی بھی کہتے ہیں جیسا کہ حضرؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا و علمنه من لدنا علماً پ(۵) ا اور اس کو علم کاشفہ علم حقیقت اور علم وراثت علم باطن بھی کہتے ہیں اور یہ علم علم ظاہری پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً وَّحَدِّثُوْا
حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک آیت ہو اور
عَنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَ لَا حَرَجَ وَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ ۔ (رواہ بخاری)
بنی اسرائیل سے حدیث بیان کرو کوئی گناہ نہیں ہے جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا پس چاہئے کہ پکڑے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں۔

تشریح: اس حدیث میں تین باتوں کا بیان ہے پہلے حصے میں تبلیغ کے حکم کا بیان ہے کہ میری طرف سے پہنچا دو۔ اگرچہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

ترکیب:۔ آیةً یہ منصوب ہے کان کی خبر ہونے کی بناء پر اصل میں تھا ولو کان المبلغ آیةً۔

سوال: اس حدیث سے آیات کی تبلیغ کا ضروری ہونا معلوم ہوا مگر احادیث کی تبلیغ کا ضروری ہونا معلوم نہیں ہوا حالانکہ وہ بھی ضروری ہے۔

جواب-۱: جب آیات کی تبلیغ کا ضروری ہونا معلوم ہوا تو احادیث کی تبلیغ کا ضروری ہونا بطریق اولیٰ معلوم ہوا کیونکہ آیات کا ذمہ تو خود اللہ نے لیا ہے انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون الآیة تو جب اس کی تبلیغ ضروری ہے تو جس کا ذمہ صراحۃً نہیں لیا اس کی تبلیغ تو بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ جواب-۲: آیات کی تخصیص بیان اہتمام کے لئے ہے ورنہ کوئی احتراز مقصود نہیں اس لئے کہ قرآنی آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہونے کی وجہ سے نبوت کے دلائل میں سے یہ دلیل ہیں۔

جواب-۳: یہ جواب دونوں کو شامل ہو جائے گا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ آیات سے مراد متعارفہ ہیں بلکہ آیات سے مراد آیت بمعنی کلام مفید کے ہے۔ آپ کا یہ اعتراض تب وارد ہوتا جب آیت متعارفہ مراد ہوتی یہاں وہ مراد نہیں بلکہ آیت بمعنی کلام مفید کے ہے۔

حدیث باب کے ساتھ مناسبت کیا ہے وہ یہ ہے کہ آیت کا معنی ہے علامت اور نشانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ''جو بات بھی صادر ہو'' جو کلام مفید ہی صادر ہوئی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی نشانی ہے۔عام ازیں وہ کلام مفید کلام اللہ ہو یا حدیث رسول اللہ ہو عام ازیں وہ وحی متلو ہو یا غیر متلو ہو وحی جلی ہو یا وحی خفی ہو۔

حدیث کا دوسرا حصہ۔حدثوا عن بنی اسرائیل الخ۔اس سے مراد قصص ہیں نہ کہ احکام جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔

حدیث کا تیسرا حصہ. من کذب علی متعمداً الخ اس حصہ میں حدیث موضوع کو بیان کرنے پر وعید شدید کا بیان ہے من النار ای فی النار اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کو وضع کرنا گناہ کبیرہ ہے اور یہ وضع الحدیث جہنم کے دخول کا ذریعہ ہے اس وضع حدیث کا مصداق وہ حدیث ہے جس کے ساتھ اس کے موضوع ہونے کو بیان نہ کیا جائے اگر ساتھ بتلا دیا جائے کہ یہ موضوع ہے تا کہ ان سے بچا جائے تو پھر وہ حرام نہیں وہ اس حدیث کا مصداق ہیں۔اسی وجہ سے بعض علماء نے موضوعات کے مجموعے لکھے ہیں صرف اس لئے تا کہ ان سے بچا جا سکے۔

باقی جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مطلقاً حدیث کو وضع کرنا حرام ہے عام ازیں اس کا تعلق احکام کے ساتھ ہو یا حلال وحرام کے ساتھ ہو یا اس کا تعلق ترغیب وترہیب کے ساتھ ہو۔

فرقہ کرامیہ کہتے ہیں ترغیب وترہیب کے لئے حدیث کو وضع کرنا جائز ہے۔کیونکہ اس میں فائدہ ہے۔اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو نقصان پہنچا ہو تو پھر وضع الحدیث ناجائز اور اگر دین کو نقصان نہ پہنچ رہا ہو تو پھر جائز ہے۔

دلیل یہی حدیث ہے بعض روایتوں میں ان الفاظ کی زیادتی ہے من کذب علی متعمداً لیضل به الناس تو اس اضلال کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اضلال مقصود نہ ہو تو پھر وضع الحدیث جائز ہے۔ جمہور کی طرف سے اس دلیل کے جوابات۔

جواب-۱: حدیث کے صحیح الفاظ اتنے ہی ہیں جتنے یہاں مذکور ہیں زیادتی ثابت ہی نہیں ہے جب زیادتی ثابت نہیں تو استدلال درست نہیں۔

جواب-۲: اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ زیادتی ثابت ہے تو پھر ہم کہتے ہیں یہ لیضل لام تعلیلیہ نہیں بلکہ لام لام عاقبۃ ہے یعنی اس کا نتیجہ اور اس کا انجام اضلال الناس ہے۔

مسئلہ:۔ کذب علی النبی صلی الله علیه وسلم کے مرتکب کی تکفیر کی جائے گی یا نہیں۔اگر اس کو مباح سمجھتا ہے مستحل ہے حلال سمجھتا ہے تو کافر اگر حرام سمجھتا ہے عقیدہ حرمت ہی کا ہے تو پھر ارتکاب کرتا ہے تو یہ سب سے بڑا فاسق وفاجر ہے لیکن کافر نہیں۔

مسئلہ:۔کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتکب کی توبہ مقبول ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔

پہلا قول: راجح قول یہی ہے جمہور کا قول کہ مقبول ہوگی کیونکہ آیات اسی پر دال ہیں

دوسرا قول: بعض حضرات کے نزدیک مقبول نہیں ممکن ہے زجراً للناس کہا ہو جیسے قتل عمد میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔

سوال: اس حدیث موضوع کا علم کیسے ہوگا؟ جواب یا تو خبر متواتر کے معارض ہو یا تو عقل سلیم کے خلاف ہو یہ حدیث کی رائحہ اور روشنی پر محمول ہے کہ حدیث میں روشنی اور خوشبو ہوتی ہے کہ جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ حدیث صحیح ہے اور یہ موضوع ہے اس کا پتہ ہر ایک کو نہیں چلتا۔

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍؓ وَالْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَدَّثَ

حضرت سمرہؓ بن جندب اور مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہا ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ سے کوئی

عَنِّیْ بِحَدِیْثٍ یُرٰی اَنَّهٗ کَذِبٌ فَهُوَ اَحَدُ الْکَاذِبِیْنَ. (مسلم)

حدیث بیان کی اور وہ گمان رکھتا ہے کہ وہ جھوٹ ہے پس وہ ایک ہے جھوٹوں میں سے۔

تشریح: اس حدیث:۔میں بھی حدیث موضوع پر وعید شدید کا بیان ہے۔

قولہ' احد الکاذبین میں دو احتمال ہیں۔(۱) جمع کا صیغہ کاذبِین (۲) تثنیہ کا صیغہ ہو کاذبَین پہلی صورت میں معنے یہ ہوگا دنیا کے

جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا۔ دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے ایک راوی اور ایک مروی عنہ ایک واضح اور ایک راوی راجح لفظ کون سا ہے؟ علامہ طیبی کی رائے عربوں کے محاورات سے راجح تثنیہ کا صیغہ معلوم ہوتا ہے اگر چہ روایت جمع کے صیغے کے ساتھ بھی صحیح ہے۔ **قوله** ویری کے لفظ سے یہ فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کو معلوم نہ ہو تو پھر اس کو بیان کرنا حرام نہیں ہے۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ
حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا
وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
ارادہ کرے اسے دین میں سمجھ دیتا ہے سوائے اس کے نہیں میں بانٹتا ہوں اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں علم کی فضیلت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس کے متعلق اللہ خیر کا ارادہ کرتے ہیں اس کو اللہ دین میں فقاہت عطا فرماتے ہیں۔ دنیا میں کوئی شخص بھی سوائے عالم ربانی کے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میرے متعلق اللہ نے خیر کا ارادہ فرمایا ہے تو اس سے علم کی فضیلت معلوم ہوئی ہے۔

فقاہت فی الدین کا یہ مطلب نہیں کہ مسائل آ جائیں **فقاہت فی الدین** کی دو شرطیں یا دو علامتیں ہیں:

(۱) دل میں خوف خدا ہو خشیت الٰہی (۲) اس کا اثر جوارح پر بھی ہو۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ بعض صورتوں میں عامی کی نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن عالم کی فاسد ہو جاتی ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے ہوئے ایسا انحناء آ جائے کہ جس سے معلوم ہو جائے کہ دوسرا رکوع ہے تو اس میں تعدد رکوع ہوگا اور تعدد رکوع جائز نہیں اس لئے عالم کی تو فاسد مگر عامی کی فاسد نہیں اس لئے کہ اس کو پتہ نہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں عالم کی تعریف فقاہت فی الدین کی تعریف کرتے ہوئے۔ **هل رايت فقيها قط۔ انما الفقيه الزاهد عن الدنيا و الراغب فی الآخرة البصير فی امور دينيه المداوم علی عبادة ربه** (کیا تم نے کبھی کسی فقیہ کو دیکھا فقیہ تو وہ ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو اور آخرت کی طرف راغب ہو امور دینیہ میں بصارت رکھتا ہو اور اپنے رب کی عبادت پر دوام رکھتا ہو) بحوالہ علامہ سندھیؒ نے یہ بات سنن ابن ماجہ کے حاشیے میں لکھی ہے۔

سوال: حلال مال کا صحیح مصرف میں خرچ کرنا یہ تو خیر ہے تو یہاں حدیث میں فرمایا گیا کہ خیر فقاہت فی الدین ہے۔

جواب-۱: خیراً کی تنوین تعظیم کے لئے ہے خیراً عظیماً معنی یہ ہوگا اللہ جس کے ساتھ خیر عظیم کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو فقاہت فی الدین عطا فرماتے ہیں خیر اگر چہ اور بھی ہیں۔

جواب-۲: تنزیل الناقص بمنزلۃ المعدوم کی قبیل سے ہے کہ فقاہت فی الدین والی خیر کے مقابلے میں دوسری خیریں خیر کہلانے کے قابل ہی نہیں ہیں کہ اس پر خیر کا اطلاق ہو جیسے مدینہ اور کتاب اس صورت میں فقاہت فی الدین کی فضیلت علی وجہ المبالغہ ہوگی۔

جواب-۳: یہ قضیہ مھملہ ہے اور یہ جزئیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ بعض اشخاص جن کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو فقاہت فی الدین عطا فرماتے ہیں۔

سوال: پھر کیا وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ علم کے حصول میں متفاوت ہیں۔

جواب: فرمایا کہ میں تو برابر برابر تقسیم کرنے والا ہوں آگے فہم مختلف ہیں جس کی جتنی فہم ہے اس کے مطابق اس کی استعداد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قاسم کی نسبت اپنی طرف کی یہ عرف کے لحاظ سے ہے ورنہ قاسم بھی اللہ ہیں اور معطی بھی اللہ ہیں۔

قوله انا قاسم میں قسمت سے مراد قسمت علم ہے یہی وجہ ہے اس حدیث کو محدثین نے کتاب العلم میں بیان کیا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگ کان ہیں جیسے سونے

وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا (صحيح مسلم)

اور چاندی کی کان ہوتی ہے۔ جاہلیت میں ان کے بہتر اسلام میں بہتر ہیں جبکہ سمجھیں۔

تشریح: اس حدیث میں علماء کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اہل علم کو تشبیہ دی گئی ہے کانوں کے ساتھ کہ جس طرح کانیں مختلف دھاتوں کی صلاحیت رکھتی ہیں اسی طرح لوگوں کی بھی مختلف قسمیں ہیں پھر خصوصا سونے اور چاندی کی کانوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

وجہ تشبیہ-۱: جس طرح سونا اور چاندی باقی تمام دھاتوں سے افضل ہیں قیمتی ہیں اسی طرح انسان بھی تمام مخلوقات سے افضل ہے فی احسن تقویم.

وجہ تشبیہ-۲: جس طرح سونا چاندی گردوغبار میں مستور ہوتا ہے۔ صاف کرنے کے بعد اس کی چمک دمک ظاہر ہوتی ہے بالکل اسی طرح ہر انسان میں فطرۃ سلیمہ کا جوہر موجود ہے جو خواہشات نفسانی کے تحت دبا ہوا ہے معنوی گردغبار کے نیچے بھی۔

قوله' کل مولود علی الفطرة۔ اس خواہشات نفسانی کو دور کرنے سے وہ فطرت کا جوہر چمک اٹھتا ہے۔ وجہ تشبیہ (۳) جس طرح سونا چاندی کا خلوص آگ پر بار بار تپانے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کھوٹ ختم ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح انسانی کمالات بھی مشقتوں کو بار بار جھیلے جانے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔

بقدر الكدتكتسب المعالی — من طلب العلیٰ سحر اللیالی

کوئی نامی بغیر مشقت کے نہیں ہوا — عقیق سو بار جب کٹا تب نگین ہوا

باقی حدیث کے اخیری حصہ میں یہ بات مذکور ہے کہ جو لوگ زمانہ جاہلیت میں اپنے عمدہ اخلاق کی وجہ سے اچھے سمجھے جاتے تھے۔ دوسروں پر فائق تھے تو اب بھی وہ فائق سمجھے جائیں گے بشرطیکہ وہ اسلام لے آئیں اور دین میں فقاہت حاصل کریں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسد نہیں ہے مگر دوشخصوں میں ایک وہ آدمی

فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا (صحیح البخاری وصحیح مسلم)

اللہ نے جسے مال دیا اور حق میں اسے خرچ کرنے کی توفیق دی ہے اور دوسرا وہ شخص اللہ نے اس کو حکمت دی پس وہ اس کے ساتھ حکم کرتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی علم کی فضیلت کو بیان کیا گیا کہ علم ان دوخصلتوں میں سے ایک ہے جن پر رشک کیا جائے۔

قوله الا فی اثنین یہاں روایتیں ہیں۔ اثنین . اثنتین۔ دوخصلتوں یا دوخصلتوں والے آدمی وہ دو آدمی یہ ہیں۔

۱-ائمہ نے مال دیا ہو اور پھر وہ اس کو صحیح مصارف پر خرچ کرتا ہو بمعنی موافق۔ حق کے۔ اللہ نے خرچ کرنے کی توفیق دی ہو۔

۲-اللہ نے اس کو حکمت دی ہو اور وہ اس کے ذریعہ لوگوں میں فیصلہ کرے اور لوگوں کو سکھلائے۔

سوال۔ حسد تو حرام ہے۔ جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو چیزوں میں حسد جائز ہے۔

جواب (۱): کلام فرضیت پر محمول ہے کہ اگر بالفرض حسد جائز ہوتا تو ان دو چیزوں میں حسد جائز ہوتا یہ خصلتیں ایسی ہیں کہ ان میں حسد کیا جاتا مگر چونکہ حسد جائز نہیں اس لئے ان دوخصلتوں میں بھی حسد جائز نہیں۔

جواب (۲): حسد کے دو معنے ہیں۔ (۱) حسد کا حقیقی معنی دوسرے کی نعمت کو دیکھ دیکھ کر جلنا اور یہ آرزو کرنا کہ یہ اس سے نعمت زائل ہو جائے مجھے ملے یا نہ ملے۔ (۲) مجازی معنی جس کو عربی میں غبطہ سے تعبیر کرتے ہیں اور اردو میں رشک سے تعبیر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر آرزو کرنا کہ یہ نعمت بدوں اس سے زائل ہونے کے مجھے بھی حاصل ہو جائے۔ بدوں اس آرزو کے کہ یہ نعمت اس سے زائل ہو جائے یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت مجھے بھی حاصل ہو جائے۔ تو یہ غبطہ جائز ہے اور یہی حدیث میں مراد ہے۔

سوال: حسد بمعنی غبطہ تو ہر اچھی خصلت میں جائز ہے بلکہ ہونا چاہئے تو پھر ان دو کی تخصیص کیوں کی گئی؟

جواب: یہ دو نعمتیں و خصلتیں ایسی ہیں کہ ان میں حسد بمعنی غبطہ ہونا ہی چاہئے اور کسی میں ہو نہ ہو جس کا کوئی حاسد نہیں اس کا کوئی کمال نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مر جاتا ہے اس کے عمل کا ثواب موقوف ہو جاتا ہے

مِنْ ثَلَاثَةِ اَشْيَاءٍ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَّدْعُوْا لَهٗ. (صحیح مسلم)

مگر تین عملوں کا ثواب باقی رہتا ہے۔ صدقہ جاری یا علم کہ نفع لیا جائے اس کے ساتھ یا صالح اولاد جو اس کیلئے دعا کرے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی علم کی فضیلت کا بیان ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس سے اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین چیزیں منقطع نہیں ہوتی۔(۱)صدقه جارية (۲)علم ينتفع به (۳)ولد صالح يدعو اله۔

حاصل حدیث۔علم ایسی ذافضیلت چیز ہے کہ مرنے کے بعد اس کا فائدہ آدمی کو پہنچتا رہتا ہے مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔باقی عبارت پر ایک لفظی اشکال ہے۔

سوال: انقطع عنه عمله الامن ثلثة۔جب انسان مر جاتا ہے تو منقطع ہو جاتا ہے اس سے اس کا عمل مگر تین سے تو یہ استثناء صحیح نہیں اس کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ گو استثناء کی تصحیح کی توجیہات کیا ہیں۔ **جواب**۔ پہلی توجیہ مستثنیٰ منہ کی جانب میں مضاف محذوف ہے اصل میں یوں تھا۔ انقطع عنه ثواب عمله الامن ثلثة۔اب معنی درست ہو جائے گا کہ مگر تین عملوں کا ثواب منقطع نہیں ہوتا۔

دوسری توجیہ۔عنه میں ضمیر کو زائد قرار دے دیا جائے۔اب بھی معنی درست ہے کہ آدمی اپنے عملوں سے منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عملوں سے منقطع نہیں ہوتا۔

سوال۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انہی تین عملوں کا ثواب ملتا رہتا ہے یہ حصر ٹوٹ گیا ہے مابعد والی حدیث ابو ہریرہ کے ساتھ کہ جس سے معلوم ہوتا ہے ان تین کے علاوہ اور بھی چیزیں ہیں جن کا ثواب ملتا رہتا ہے مثلاً مسجد بنوادی وغیرہ۔

جواب۔ان تین چیزوں کے علاوہ باقی سب چیزیں ان تینوں کے تحت مندرج ہیں یہ کلیات ہیں باقی جزئیات ہیں لہٰذا حصر نہیں ٹوٹتا۔باقی وہ تین عمل یہ ہیں۔

۱-صدقہ جاریہ مثلاً نلکا لگوادیا۔مدرسہ بنوادیا رفاع عامہ کیلئے سڑک بنوادی جب تک یہ چیزیں باقی رہینگی اسکا ثواب اسکو ملتا رہے گا۔

۲-علم ينفع به مثلاً کتاب لکھی یا طالب علم تیار کر گیا۔(۳)ولد صالح۔

سوال۔ولد کی قید کیوں لگائی حالانکہ رجل من المسلمین اگر دعا کرے یا کوئی صدقہ خیرات کر کے ثواب بھیجے تو وہ بھی پہنچتا ہے۔

جواب۔اولاد کو تو کرنا ہی چاہئے اور کوئی دعا کرے یا نہ کرے تو ولد کی قید ترغیب کے لئے ہے۔

سوال۔صالح کی قید کیوں لگائی اگر بد دعا کرے تو اس کا ثواب نہیں ملے گا؟

جواب۔یہ دعا صالح اولاد ہی کرے گی یا یہ کہ اولاد کو صالح ہونا چاہئے۔فاسق وفاجر نہیں ہونا چاہئے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَّفَّسَ عَنْ مُّؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ

اسی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کی سختی دور کرتا ہے

اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ يَّسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ

اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں کو دور کرے گا جس نے تنگدست پر آسان کر دیا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کیلئے آسان کر دے گا

سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ وَمَنْ

اور جس نے مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی

سَلَكَ طَرِيْقًا يَّلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ وَ مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِّنْ

مدد میں ہے اور جو شخص علم حاصل کرنے کیلئے کسی راستہ پر چلا اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کا راستہ آسان کر دے گا اور کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی

بُیُوتِ اللّٰہِ یَتلُونَ کِتَابَ اللّٰہِ وَیَتَدَارَسُونَہٗ بَینَھُم اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیھِمُ السَّکِینَۃُ وَغَشِیَتھُمُ الرَّحمَۃُ
گھر میں جمع نہیں ہوئی کہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہوں اور اس کے معنی بیان کرتے ہوں مگر ان پر تسکین اترتی ہے اور رحمت ان کو ڈھانکتی ہے اور فرشتے
وَحَفَّتھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فِیمَنْ عِندَہٗ وَمَنْ بَطَّأَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ. (مسلم)
ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان فرشتوں میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں اور جس کا عمل تاخیر کرے اس کا نسب جلدی نہیں کرے گا۔

تشریح: قولہ' کربۃً پہلا اس میں تنوین تقلیل کے لئے ہے اور کربۃً دوسرا اس میں تنوین تعظیم کے لئے ہے۔قولہ' یتدارسون خواہ الفاظ کا تکرار ہو یا معانی کا تکرار ہو یا مقدمات کا تکرار ہو۔موقوف علیہ سب اس میں داخل ہیں یعنی وہ علوم جو کہ تفسیر کے لئے حدیث کے لئے موقوف علیہ ہیں وہ سب اس میں داخل ہیں علم نحو علم صرف علم فقہ علم حدیث وغیرہ۔قولہ' الآنزلت علیھم السکینۃ الخ سکینہ کی تعریف کیفیۃ جالبۃ للاطمینان و دافعۃ اللاضطراب (علامہ سندھیؒ نے سنن ابن ماجہ کے حاشیہ میں یہ معنی لکھا ہے) آخر میں علماء کی چار فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔حدیث کے ابتدائی حصہ میں فرمایا گیا کہ کسی مومن سے تکلیف کو دور کرنا یہ بھی باعث فضیلت ہے۔

دوسرے حصے میں فرمایا کسی کے لئے آسانی پیدا کرنا یہ بھی باعث فضیلت ہے۔

تیسرے حصہ میں فرمایا کہ مستور الحال کے عیب کو اچھالنا نہیں چاہئے۔پردہ پوشی کرنا چاہئے باقی ستر میں ستر معنوی بھی داخل ہے ستر حقیقی بھی داخل ہے۔ننگے کو کپڑا پہنا دینا۔منتظمین اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے حضرت عمرؓ رات کو کان لگا کر سنا کرتے تھے۔

چوتھے حصہ میں فرمایا من سلک جو کہ باب کے ساتھ اصل مناسبت ہے کہ جو شخص علم والے راستہ سے چمٹ جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے راستے کو آسان کر دیتے ہیں یعنی اعمال مفضیہ الی الجنۃ کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

قولہ' من یسر علی معسر الخ فرمایا صدقہ خیرات کرنے سے قرضے میں مہلت دے دینا زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے نیکی کی ترغیب کرو اور برائی سے بچاؤ پھر اس کے بعد علماء وطلباء کے چار انعامات کو ذکر فرمایا (۱) نزلت علیھم السکینہ (۲) غیشتھم الرحمۃ' (۳) خفت ملائکۃ (۴) اللہ کے مقربین (ملائکہ) کے ہاں اس کا تذکرہ۔

قولہ' من بطاء بہ۔اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ جو اعمال صالحہ کے نہ ہونے کی وجہ سے مراتب عالیہ تک نہیں پہنچ سکا قیامت کے دن محض نسبت کی وجہ سے نسب کی وجہ سے وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو فرمایا کہ اے فاطمہ اس بات پر ناز نہ کرنا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہوں۔عام طور پر یہ حدیث علماء کے فضائل میں بیان کی جاتی ہے مگر میرے ہاں (مشکوٰۃ کی اسی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ) طلباء کی بھی یہی فضیلت ہے۔......مقدمۃ الواجب واجب۔لہٰذا سب علوم اس میں داخل ہیں۔

وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ رَجُلٌ اُسْتُشْھِدَ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سب سے پہلے جس کا فیصلہ کیا جائیگا قیامت کے دن وہ شخص ہوگا جو شہید کیا گیا۔
فَاُتِیَ بِہٖ فَعَرَّفَہٗ نِعَمَہٗ فَعَرَفَھَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْھَا قَالَ قَاتَلْتُ فِیْکَ حَتّٰی اُسْتُشْھِدْتُّ قَالَ کَذَبْتَ
اسے لایا جائے گا۔اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں معلوم کرائے گا۔وہ ان کو جان لے گا پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے ان میں کیا عمل کیا کہے گا میں تیری راہ میں لڑا
وَلٰکِنَّکَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُّقَالَ جَرِیٌّ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِہٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْھِہٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ
یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے اور لیکن تو اس لئے لڑا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے پس کہا گیا۔پھر حکم کیا جائیگا اسے منہ کے بل کھینچ کر
وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَہٗ وَقَرَءَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِہٖ فَعَرَّفَہٗ نِعَمَہٗ فَعَرَفَھَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْھَا قَالَ
آگ میں ڈالا جائے گا اور ایک وہ شخص کہ اس نے علم سیکھا اور اس کو سکھایا اور قرآن پاک پڑھا اس کو لایا جائے گا اس کو اپنی نعمتیں معلوم کرائے گا وہ معلوم کرلے

تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيكَ الْقُرْآنَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اِنَّكَ

گا فرمائے گا تو نے کیا عمل کیا کہے گا میں نے علم سیکھا اور اس کو سکھایا اور تیری راہ میں میں نے قرآن پڑھا اور اللہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو نے علم اس

عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ اِنَّكَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ

لئے سیکھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور تو نے قرآن اس لئے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے پس تحقیق کہا گیا پھر حکم کیا جائے گا اور منہ کے بل کھینچ کر اسے آگ

وَرَجُلٌ وَّسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِيَ بِهٖ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ

میں ڈالا جائے گا اور ایک وہ شخص ہے اللہ نے اسے مالدار کیا اور اس کو ہر قسم کا مال دیا اسے لایا جائے گا اسے اپنی نعمتیں معلوم کرائے گا وہ معلوم کرلے گا

فِيْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ اَنْ يُّنْفَقَ فِيْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِيْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ

فرمائے گا تو نے کیا عمل کیا کہے گا میں نے کوئی راہ نہ چھوڑی جس میں تو پسند کرتا ہے کہ خرچ کیا جائے مگر میں نے تیرے لئے خرچ کیا فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو

فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَّادٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ. (صحیح مسلم)

نے اس لئے خرچ کیا تا کہ کہا جائے کہ وہ سخی ہے پس تحقیق کہا گیا۔ پھر اس کے ساتھ حکم کیا جائے گا اور منہ کے بل کھینچ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ ہر عمل کے اندر رضائے الٰہی مقصود ہونی چاہئے اگر رضائے الٰہی مقصود نہ ہو بلکہ کوئی دنیوی غرض مثلاً شہرت ہو تو اس صورت میں بڑے سے بڑا عمل بھی وبال کا ذریعہ بن جائے گا۔ مثلاً جان کا نذرانہ پیش کرنا کتنا بڑا عمل ہے اس سے اگر غرض شہرت ہو تو یہی وبال بن جائے گا۔ بے شک پہلا وہ شخص کہ جس کیلئے حقوق العباد میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اس پر قیامت کے دن وہ ایسا آدمی ہے کہ جو شہید کیا گیا اللہ کے راستے میں پس اس کو لایا جائے گا پس گنوائیں گے اللہ اس کی نعمتوں کو پس وہ اس کا اقرار کرلے گا پس اللہ فرمائیں گے کیا شکریہ ادا کیا تو نے ان نعمتوں کے عوض میں۔ وہ کہے گا قاتلت فیک حتی استشهدت یہاں تک میں شہید کر دیا گیا۔ قال الله كذبت یعنی واقعی تو نے قتال تو کیا مگر تو نے فیک کہنے میں جھوٹ بولا ہے تو نے میری رضا کے لئے جہاد نہیں کیا۔ اس لئے تو نے جہاد کیا تا کہ میں بہادر سمجھا جاؤں۔ لوگ کہیں کہ یہ بڑا بہادر ہے دلیر ہے شجاع ہے پس یہ بات کہی جا چکی لوگوں نے تجھ کو بہادر کہہ دیا پھر حکم کریں گے اللہ اس کے ساتھ کہ پس وہ گھسیٹا جائے گا۔ اپنے منہ کے بل یہاں تک وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

دوسرا آدمی عالم کو لایا جائے گا۔ ایسا آدمی جس نے علم سیکھا اور اس کو سکھایا اور قرآن پڑھا۔ اس سے بھی اقرار کروائیں گے نعمتوں کا الغرض وہ بھی یہی کہے گا۔ فیک تو اللہ فرمائے گا کذبت یعنی فیک کہنے میں جھوٹ بولا ہے۔ تو نے اس لئے علم سیکھا تا کہ یہ کہا جائے کہ یہ مولوی ہے یہ علامہ ہے آگے نہیں تو معلم ہے اس لئے کہ جب بنیاد فاسد ہے تو آگے بھی فاسد ہوگا۔

الغرض تیسرے شخص سخی کو لایا جائے گا۔ حاتم طائی اپنے مال کو مدرسوں میں دیا خانقاہوں میں دیا۔ ان تینوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (دیکھا کہ) کتنا ہی بڑے عمل ہیں۔ مگر نیت کے فاسد ہونے کی وجہ سے وہی عمل وبال بن گئے۔ (یاد رکھئے جب آپ کی بستی میں کوئی دوسرا عالم بھی آ جائے جہاں آپ پڑھا رہے ہیں یہ کام) کر رہے ہیں تو خوش ہونا چاہئے کیونکہ آپ کی ذمہ داری میں کمی آ گئی ہے۔ آ جائے جہاں آپ پڑھا رہے ہیں یا کام کر رہے ہیں تو خوش ہونا چاہئے کیونکہ آپ کی ذمہ داری میں کمی آ گئی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ بندوں سے

الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَّنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَآءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ

اسے نکال لے لیکن اسے اٹھائے گا علماء کے اٹھانے کے ساتھ یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہیں رکھے گا

النَّاسُ رُءُ وسًا جُهَّالاً فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
لوگ جاہلوں کوسردار بنالیں گےان سے مسائل پوچھیں گے وہ بغیر علم کے فتوئی دیں گے پس گمراہ ہوں گےاور گمراہ کریں گے۔

تشریح: اس حدیث میں علم کے اٹھائے جانے کی یہ بھی ایک صورت بیان کی گئی ہے کہ علماحق کی موت کاواقع ہونا علماء حق باقی نہیں رہیں گے۔
سوال: ابن ماجہ میں روایت ہے کہ قبض علم کی دوسری صورت ہے سینوں سے علم قبض ہوجائے گا سینے سے علم نکال لیں گے۔رات کوسوئے ہوں گے صبح کچھ بھی یاد نہیں۔ جواب: ابتداء رفع علم کی صورت قبض علماء اور انتہاء علم سینے سے نکال دیا جائے گا۔ جاہل لوگ مقتدا بن جائیں گے۔

وَعَنْ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ يُّذَكِّرُ النَّاسَ فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَا اَبَا عَبْدِ
حضرت شقیقؒ سے روایت ہے کہا کہ عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات لوگوں کو نصیحت کیا کرتے تھے ایک آدمی نے کہا اے ابو عبد
الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ اَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالَ اَمَا اِنَّهٗ يَمْنَعُنِيْ مِنْ ذَالِكَ اَنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ
الرحمٰن میں دوست رکھتا ہوں کہ آپؓ ہر روز ہمیں نصیحت کیا کریں۔ فرمایا خبردار مجھ کو اس سے یہ بات روکے ہوئے ہے
وَاِنِّيْ اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا مَخَافَةَ السَّآمَةِ
کہ میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ تمہیں تنگ کروں اور میں خبر گیری رکھتا ہوں نصیحت کے ساتھ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری خبر گیری رکھتے تھے
عَلَيْنَا. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
ہم پر اکتانے کے خوف سے۔

تشریح: حضرت شقیق یہ تابعی ہیں حاصل حدیث:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہر شب جمعہ کو وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے تو ایک شخص نے کہا کہ روزانہ وعظ ہونا چاہئے ایک ہفتہ انتظار کرنا پڑتا ہے لہٰذا آپ روزانہ وعظ فرمایا کریں یہ طلب تھی ان لوگوں میں تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ اما یمنعنی۔ یہ بات کہ میں ناپسند سمجھتا ہوں ہر روز وعظ کرنے سے مجھ کو یہ بات روکتی ہے کہ میں تم کو ملال میں ڈالوں۔ یہ ناپسند سمجھتا ہوں۔ اور میں تمہاری خبر گیری کرتا ہوں وعظ کے ساتھ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وعظ کرتے ہیں ہماری خبر گیری کیا کرتے تھے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سامعین کی توجہ کا خیال کیا کرتے تھے کہ کہیں ملال پیدا نہ ہو حاصل یہ نکلا کہ عام لوگوں کو وعظ کرنے میں ایسا انداز اختیار کیا جائے کہ ان میں ملال پیدا نہ ہوا کتا نہ جائیں کیونکہ علم وہی فائدہ مند ہوتا ہے جو طلب سے حاصل ہو۔

قوله' كل خميس. یہ عام لوگوں کیلئے ہے طلباء کے لئے نہیں کہیں یہ نہ کہنا کہ بس ہفتہ میں ایک دن سبق پڑھ لیا تو حدیث پر عمل ہوگیا باقی صحابہ کرام کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ سے ملال نہیں ہوا کرتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیماً للامۃ سامعین کی توجہ کا خیال فرمایا کرتے تھے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام فرماتے تھے تین بار دہراتے تھے تاکہ ہم اچھی طرح سمجھ لیں
وَاِذَا اَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلٰثًا. (صحيح البخاری)
اور جب کسی قوم پر آتے تو انہیں تین بار سلام کہتے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے تو تین مرتبہ اس کو دہراتے۔ ہر کلمہ نہیں بلکہ وہ کلمہ جس کا مناسب حال اعادہ ہوتا۔ جو بات مہتم بالشان ہوتی عظیم الشان ہوتی اس کو تین مرتبہ دہراتے۔ اور دوسرے حصے میں فرمایا کہ جب کسی قوم سے گزر ہوتا تو تین مرتبہ ان کو سلام کرتے۔ اس کے دو مطلب ہیں۔

ا- یا تو یہ جماعت کثیرہ پر محمول ہے کہ ایک مرتبہ سلام دائیں طرف اور ایک بائیں طرف اور ایک مرتبہ درمیان میں سلام کرتے تاکہ تمام صحابہؓ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام سے برکت حاصل کرلیں۔ ۲-یا پھر سہ سلام استیذان پر محمول ہے کہ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے گھر جاتے تو اجازت طلب کرنے کے لئے سلام کرتے تھے دوسری مرتبہ بھی تیسری مرتبہ اگر اجازت مل جاتی تو چلے جاتے ورنہ واپس آجاتے۔

وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّہٗ اُبْدِعَ بِیْ
حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہا کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میری سواری نہیں چل سکتی پس مجھے سواری دو
فَاحْمِلْنِیْ فَقَالَ مَا عِنْدِیْ فَقَالَ رَجُلٌ یَّا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا اَدُلُّہٗ عَلٰی مَنْ یَّحْمِلُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سواری نہیں ایک شخص نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کو بتلاتا ہوں ایک ایسا شخص جو اس کو سواری دے گا۔
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ. (صحیح مسلم)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھلائی پر آگاہ کرے اس کو بھلائی کرنے والے کی مانند ثواب ہے۔

تشریح: حاصل حدیث: اس حدیث میں یہ قصہ بیان کیا گیا کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ میری سواری چلنے سے عاجز آگئی ہے لہٰذا مجھ کو سواری دے دیجئے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں تھی اس لئے فرمایا میرے پاس نہیں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میں اس کی ایسے شخص کی طرف رہنمائی کرتا ہوں جو اس کو سواری دے گا۔ تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ تو معلوم ہوا کہ دلالت علی الخیر بھی من باب التعلیم ہے کیونکہ اس حدیث کو کتاب العلم میں ذکر کیا۔ باقی ابدع بہ ابدعت الراحلہ۔ اس وقت کہا جاتا ہے جب سواری تھک کر چلنے سے عاجز آجائے۔ چونکہ خلاف عادت چلنے سے رک جانا ایک نئی چیز ہے اس لئے اس کو ابداع سے تعبیر کرتے ہیں۔

وَعَنْ جَرِیْرٍ قَالَ کُنَّا فِیْ صَدْرِ النَّھَارِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَآءَہٗ قَوْمٌ عُرَاۃٌ مُّجْتَابِیْ
حضرت جریرؓ سے روایت ہے ہم ایک دن اول النہار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک قوم ننگے
النِّمَارِ اَوِ الْعَبَآءِ مُتَقَلِّدِی السُّیُوْفِ عَآمَّتُھُمْ مِّنْ مُّضَرَ بَلْ کُلُّھُمْ مِّنْ مُّضَرَ فَتَمَعَّرَ وَجْہُ رَسُوْلِ
بدن والی کمبل یا عبا کو لپیٹے تلواریں گلے میں ڈالے آئی۔ ان کے اکثر مضر قبیلہ سے تھے بلکہ سب ہی مضر کے تھے۔ رسول اللہ
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمَا رَاٰی بِھِمْ مِّنَ الْفَاقَۃِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ وَاَقَامَ
صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ بسبب اس کے کہ ان پر فاقہ کا اثر دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر داخل ہوئے
فَصَلّٰی ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ "یَا اَیُّھَا النَّاسُ" اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ اِلٰی اٰخِرِ
پھر باہر نکلے حضرت بلالؓ کو حکم دیا اس نے اذان کہی اور پھر تکبیر کہی پھر نماز پڑھی پھر خطبہ ارشاد فرمایا اور یہ آیت پڑھی
الْاٰیَۃِ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا" (النساء :پ۴ ع۱۲) وَّالْاٰیَۃِ الَّتِیْ فِی الْحَشْرِ اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ
اے لوگو ڈرو اپنے پروردگار سے جس نے ایک جان سے تم کو پیدا کیا آخر آیت تک تحقیق اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے اور وہ آیت جو سورہ حشر میں ہے
نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" (الحشر :پ۲۸ ع۲) تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِّنْ دِیْنَارِہٖ مِنْ دِرْھَمِہٖ مِنْ ثَوْبِہٖ مِنْ صَاعِ
اللہ سے ڈرو اور چاہئے کہ نظر کرے آدمی اس چیز کو جو آگے بھیجی ہے کل کیلئے۔ آدمی اپنے درہم دینار اپنے کپڑے اپنے
بُرِّہٖ مِنْ صَاعِ تَمْرِہٖ حَتّٰی قَالَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ بِصُرَّۃٍ کَادَتْ کَفُّہٗ
گندم کے پیمانے اور کھجور کے پیمانے سے صدقہ خیرات کرے یہاں تک کہ فرمایا اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہو۔ راوی نے کہا

تَعْجزُ عَنهَابَلْ قَدْ عَجزَتْ ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ حَتّٰی رَأَیْتُ کَوْمَیْنِ مِنْ طَعَامٍ وَّثِیَابٍ حَتّٰی رَأَیْتُ

انصار کا ایک آدمی تھیلی لایا قریب تھا کہ اس کی ہتھیلی اس کے اٹھانے سے عاجز آجائے بلکہ عاجز آگئی پھر لوگ پے درپے صدقہ لائے یہاں تک کہ

وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَهَلَّلُ کَاَنَّهٗ مُذْهَبَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

میں نے کھانے اور کپڑے کی دو ڈھیریاں دیکھیں حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرانور دیکھا کہ چمکتا ہے گویا کہ سونا بھرا ہوا ہے۔

وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اسلام میں نیک طریق رواج دے اس کیلئے اس کا ثواب ہے

یَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَیِّئَةً کَانَ عَلَیْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ

اور اس شخص کا ثواب جس نے اس کے بعد اس پر عمل کیا اس کے بغیر کہ ان کے ثواب میں کمی ہو اور جس نے برے طریقہ کو رواج دیا اس پر اس کا

بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَیْءٌ. (صحیح مسلم)

گناہ ہے اور ان لوگوں کا گناہ جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے اس کے بغیر کہ ان کے گناہوں میں کمی ہو۔

تشریح: حاصل حدیث۔ایک قصہ بیان کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ننگی قوم آئی یعنی ان کا اکثر حصہ ننگا تھا یہ معنی نہیں کہ سارا جسم ننگا تھا ورنہ مجتابی النمار کے ساتھ تعارض ہو جائے گا۔ چادر کے ساتھ کچھ بدن لپٹا ہوا تھا۔اور یہ لوگ ان کے ساتھ تلواریں لٹکی ہوئی تھیں یہ قبیلہ حضر سے آئے تھے۔الغرض فاقہ کی اس حالت کے آثار کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کا رنگ تبدیل ہو گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے یا تو اس لئے تاکہ کوئی چیز کھانے پینے کی ان کے لئے لائیں یا اپنی ضرورت وحاجت کے لئے تشریف لے گئے جب واپس آئے حضرت بلالؓ کو حکم فرمایا کہ اذان دو اذان دی تکبیر کہی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔پھر خطبہ دیا وعظ فرمایا اس میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔فقال ای قرء تلا. یایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة الی آخر الآیة) و ان الله کان علیکم رقیبا اور سورۃ حشر کی یہ آیت۔ اتقوا الله ولتنظر نفس ماقدمت لغد۔الغرض خرچ کرنے کی ترغیب دی تو ایک صحابی نے درہم و دنانیر اور گندم و کھجور وغیرہ لا کر حاضر کر دی اگرچہ کھجور کے چھلکے تھے وہ بھی حاضر کر دئے اور ایک اور صحابی انصاری آیا۔اس نے اس کو اٹھانے سے عاجز کر دیا تھا پھر لوگ آتے رہے دیتے رہے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ طعام اور کپڑے کی دو ڈھیریاں لگ گئی ہیں تو اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ ایسے چمک رہا تھا جیسے سونے کو قلعی کر دیا گیا ہو۔اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام میں سنت حسنہ کو ایجاد کیا اس کو اس کا اجر بھی ملے گا اور اس کا بھی اجر ملے گا جو اس کے بعد اس سنت پر عمل کرے گا اور جس نے اسلام میں سنت سیئہ کو ایجاد کیا اس کا وبال بھی اس طرح ہوگا اس پر حاصل حدیث کا یہ ہے کہ سنن حسنہ کا اجراء یہ بھی من باب التعلیم ہے اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ سنت اپنے لغوی معنے کے اعتبار سے اچھے اور برے دونوں طریقوں کو شامل ہے اور اصطلاحی معنے کے اعتبار سے قابل انقسام نہیں ہے۔سنت خیر ہی خیر ہے اور سیئہ شر ہی شر ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا اِلَّا کَانَ عَلٰی

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی جان قتل نہیں کی جاتی ظلماً مگر آدمؑ کے پہلے بیٹے پر ایک حصہ ہے اس کے خون سے اس لئے

ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ کِفْلٌ مِّنْ دَمِهَا لِاَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کا طریقہ نکالا۔(متفق علیہ) اور ذکر کرینگے ہم حدیث معاویہ کی جسکے لفظ ہیں لایزال من امتی۔باب ثواب ہذہ الامتہ میں انشاءاللہ تعالیٰ۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس ابن آدم سے مراد قابیل ہے۔باب کے مناسبت علی سبیل الانعکاس ہے کہ جب سنن سیئہ کے جاری کرنے والا کا یہ حال ہے تو سنن حسنہ جاری کرنے والا کا حال اس کے برعکس ہوگا۔

قولہ' و سند کر الخ بیان تصرف کہ صاحب مصابیح نے حدیث معاویہ کو جس کی ابتداء لایزال من امتی سے ہے کتاب العلم کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے مگر ہم اس کو باب ثواب هذه الامة کے عنوان کے تحت ذکر کریں گے کیونکہ مناسبت اس کے ساتھ زیادہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا
حضرت کثیر بن قیسؓ سے روایت ہے کہا کہ میں دمشق کی مسجد میں ابوالدرداءؓ کے ساتھ بیٹھا تھا ان کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا اے
اَبَاالدَّرْدَاءِ اِنِّی جِئْتُکَ مِنْ مَدِيْنَةِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لِحَدِيْثٍ بَلَغَنِیْ اَنَّکَ تُحَدِّثُهٗ
ابوالدرداءؓ میں تیرے پاس پیغمبر خدا کے شہر سے آیا ہوں ایک حدیث کیلئے جس کی مجھے خبر پہنچی ہے کہ
عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ قَالَ فَاِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتا ہے میں کسی اور کام کیلئے نہیں آیا۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے کہا میں نے رسول اللہ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَلَکَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَاِنَّ
صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جو علم طلب کرنے کیلئے ایک راہ پر چلے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستوں میں سے ایک
الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًى لِّطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ
راستہ پر چلاتا ہے اور فرشتے اپنے بازو طالب علم کی رضامندی کیلئے رکھتے ہیں اور بے شک عالم کیلئے استغفار کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں
فِي الْاَرْضِ وَ الْحِيْتَانُ فِي جَوْفِ الْمَآءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ
اور زمین میں ہے اور مچھلیاں پانی کے اندر اور عالم کی فضیلت عابد پر اس قدر ہے جس قدر
عَلٰى سَآئِرِ الْكَوَاكِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَاِنَّمَا
چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر اور تحقیق علماء انبیاءؑ کے وارث ہیں۔ تحقیق انبیاءؑ دینار اور درہم
وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ
اپنے ورثہ میں نہیں چھوڑ گئے انہوں نے علم کا ورثہ چھوڑا ہے جس نے اسے حاصل کیا اس نے کامل حصہ لے لیا۔ (احمد ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ دارمی)
وَالدَّارِمِیُّ وَسَمَّاهُ التِّرْمِذِیُّ قَيْسُ بْنُ كَثِيْرٍ.
ترمذی نے راوی کا نام قیس بن کثیرؓ بتایا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ کے ابتدائی حصہ میں یہ بات مذکور ہے کہ حضرت کثیر بن قیسؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوالدرداءؓ کے ساتھ دمشق کی مسجد میں ملک شام میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ اے ابودرداءؓ میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہوں (دمشق منصرف بھی ہے غیر منصرف بھی۔ بقعہ یا موضعہ کی تاویل میں ہو کر کے) یہ ذوق کی بات کہ مدینہ سے شام آئے علم حاصل کرنے کے لئے لحدیث ای لتحصیل حدیث ایسی حدیث کو حاصل کرنے کے لئے کہ پہنچی ہے مجھ کو یہ بات کہ آپ اس کو بیان کرتے ہیں میرے آنے کا مقصد صرف حدیث کو حاصل کرنا ہے کوئی اور مقصد نہیں۔ ظاہر ہے کہ یا تو اجمالی طور پر پہلے حدیث کو سنا ہوا تھا اب تفصیل کو سننے کے لئے آئے یا تفصیل سے بھی سنا ہوا تھا لیکن اپنی سند کو عالی اور قوی بنانے کے لئے حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس آئے۔ بالواسطہ سنا ہوا تھا۔ اب بلاواسطہ سننے

کے لئے آئے تاکہ واسطہ کم ہوجائیں پھر یہ حدیث سنائی۔ **من سلک طریقاً یطلب فیه علماً . سلک الله** ......الخ یعنی اعمال مفضیہ الی الجنۃ (وہ اعمال جو جنت کی طرف لے جانے والے ہیں ان) کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔ اس میں دو احتمال ہیں۔

(۱) رجل جائی کا مطلوب یہی حدیث ہو۔ (۲) مطلوب دوسری ماسوا حدیث ہو چونکہ اس حدیث کا مضمون رجل جائی کے حال کے زیادہ مناسب تھا اس کی تطییب قلب کے لئے شاباش دینے کے لئے یہ حدیث سنائی کہ تمہارا سفر اچھے مقصد کے لئے ہوا ہے پھر مطلوبہ حدیث بھی سنائی ہوگی۔ باقی علم سے مراد وہ علم دین ہے جس میں رضائے الٰہی کے حصول کو دخل ہو۔

دوسرے حصہ میں یہ بات مذکور ہے کہ فرشتے طالب علموں کو خوش کرنے کے لئے پر بچھاتے ہیں۔ (۱) یا تو یہ حقیقت پر محمول ہے۔ مرقاۃ میں ہے کہ ایک شخص نے اس کو مستبعد سمجھ کر پاؤں کو زور سے زمین پر مارا تو اس کا پاؤں ٹوٹ گیا باقی رہی یہ بات کہ ہمیں تو نظر نہیں آتا۔ تو ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ (۲) **وضع الجناح** یہ کنایہ ہے طیران کے رک جانے سے اور ان کی علمی بات کو سننے سے۔ (۳) یہ کنایہ ہے نرمی کے ساتھ پیش آنے سے (طلبا کے ساتھ) (۴) **وضع الجناح** فرماتے ہیں کہ یوں سمجھو گویا کہ ملائکہ کی جانب سے طلباء کو سلامی پیش کی جاتی ہے کتنا بڑا اعزاز ہے۔

تیسرے حصے میں فرمایا کہ (علماء وطلباء کے) مزے ہی مزے ہیں اگر کوئی کمی کوتاہی ہو جائے تو پریشان نہیں ہونا چاہئے بحر و بر کی مخلوق دعائے مغفرت میں لگی ہوئی ہے بحر و بر کی مخلوق کو مغفرت میں لگانے والے اللہ ہیں ظاہر ہے کہ اللہ معاف کرنا چاہتے ہیں تب ہی استغفار میں لگائے ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود جو گناہ کرے وہ اس طرح ہے کہ جیسے ہڈ درم ہے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ مرہم اس لئے تو نہیں ہوتی کہ اپنے آپ کو جلایا جائے اسی طرح اللہ استغفار میں لگائے ہوئے ہیں یہ معاف کرنا چاہتے ہیں برو بحر کی مخلوق استغفار کرتی ہے پھر خصوصاً بحری میں سے حیتان دعائے استغفار کرتی ہیں۔

سوال۔ بحری مخلوق میں سے حیتان کی تخصیص کیوں کی؟ اور اسی طرح اگلی حدیث میں ہے بری مخلوق میں سے نملۃ کی تخصیص کیوں کی؟

جواب۔ وجہ تخصیص یہ ہے کہ مچھلیاں وہ مخلوق ہیں جن کی زندگی پانی کے ساتھ وابستہ ہے۔ **امو ج الحیوانات الی الماء** ہیں اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے **وهم یمطرون** انہی علماء کی وجہ سے بارشیں ہوتی ہیں۔ نملہ کے بارے میں کہا گیا ہے یہ احرص الحیوانات علی جمع الرزق ہے گرمی میں الگ کمرہ بناتی ہے۔ اور سردی میں الگ کمرہ۔ پھر اس رزق کو رکھنے کا ایک خاص طریقہ ہے کہ اس میں سوراخ کر کے رکھتی ہے جس کی وجہ سے وہ خراب نہیں ہوتا۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا **وبهم یرزق** انہی علماء کی وجہ سے علماء ربانیین کی برکتوں سے مخلوق کو رزق دیا جاتا ہے تو ان دونوں کی تخصیص کر کے بتلایا کہ کوئی اور دعائے مغفرت کرے یا نہ کرے یہ تو ضرور کرتی ہیں۔

اور اگلے حصہ میں یہ فرمایا عالم کی فضیلت عابد کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی ستاروں پر ہے اس سے بڑھ کر عالم کی فضیلت کیا ہوسکتی ہے۔ وجہ تشبیہ جس طرح چودھویں رات کے چاند کا نور پر ہوتا ہے اسی طرح عالم کے علم کا نفع بھی متعدی ہونا چاہئے۔ یا بعنوان آخر چاند کا نور مقتبس ہوتا ہے۔ (مستفاد ہوتا ہے) نور آفتاب سے۔ **نور القمر مقتبس من نور الشمس** اسی طرح عالم کے علم کا نفع بھی وہ نفع مند ہوگا جو آفتاب نبوت سے حاصل ہو۔ اس حدیث میں عالم سے مراد وہ عالم ہے جو فرائض سنن ونوافل کو ادا کرنے کے بعد زیادہ وقت علم میں مشغول رہتا ہو۔ کیونکہ جو فرائض وغیرہ کو ادا ہی نہیں کرتا وہ تو عالم ہی نہیں ہے۔ اور عابد سے مراد وہ عابد ہے جو ضروری علم کے بعد زیادہ وقت عبادت میں مشغول رہتا ہو۔ ان دو کا مقابلہ ہے۔ عابد جو جاہل ہے اس کا عالم کے ساتھ تقابل نہیں کیونکہ اس کی عبادت کا کوئی اعتبار ہی نہیں۔

حدیث کے اخیری حصہ میں فرمایا علماء انبیآء کے وارث ہیں اور انبیاء مال کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم کا وارث بناتے ہیں۔ نیز وارث جو ہوتا ہے وہ میت کے ہمہ قسم کے مال کا وارث ہوتا ہے۔ تو انبیاء کا حقیقی وارث وہی ہوگا جو انبیاء کی ہمہ قسم عادات کا وارث ہو۔ اخلاق و عادات تمام شعبوں میں وارث ہونا چاہئے۔ وراثت سے مراد وراثت علمی ہے جیسا کہ وارث سلیمان ہیں وراثت سے مراد وراثت علمی ہے۔ تو خلاصہ اس حدیث کا ہے اس میں علماء کی پانچ فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) **من سلک طریقا یطلب فیه علماً مسلک الله به طریقاً من طرق الجنة** (۲) **ان الملائكة لتضع اجنحتها**. (۳) **ان العالم یستغفر من فی السموات الخ** (۴) **ان فضل**

العالم علی العابد کفضل القمر البدر علی سائر الکواکب. (۵) ان العلماء ورثة الانبیاء.

وَعَنْ اَبِی اُمَامَةَ الْبَاهِلِیِّ قَالَ ذُکِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ: اَحَدُهُمَا عَابِدٌ

حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخصوں کا ذکر کیا گیا ان میں سے ایک عابد ہے

وَالْاٰخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِی عَلٰی اَدْنَاکُمْ

اور دوسرا عالم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ایک ادنیٰ پر

ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِکَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰی النَّمْلَةَ

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور اہل آسمان اور اہل زمین حتیٰ کہ بلوں میں چیونٹیاں اور حتیٰ کہ

فِی جُحْرِهَا وَحَتَّی الْحُوْتَ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ الدَّارِمِیُّ

مچھلیاں بھی لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کیلئے دعا خیر کرتی ہیں۔ ترمذیؒ دارمی نے

عَنْ مَکْحُوْلٍ مُرْسَلًا وَلَمْ یَذْکُرْ رَجُلَانِ وَقَالَ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِی عَلٰی اَدْنَاکُمْ

مکحول سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ دو شخصوں کا ذکر نہیں کیا اور فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمہارے ایک ادنیٰ پر ہے اور پھر آپ

ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ (اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا) وَسَرَدَ الْحَدِیْثَ اِلٰی اٰخِرِهٖ. (جامع ترمذی)

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ سوائے اس کے نہیں ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے جو کہ عالم ہیں اور بیان کی حدیث آخر تک۔

تشریح: اس حدیث میں عالم کی فضیلت کو علی وجہ المبالغہ بیان فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ پر۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام لے لیتے تو بھی فضیلت ثابت ہو جاتی لیکن ادناکم فرمایا علی وجہ المبالغہ۔

قولہ' انما یخشی الله من عباده العلماء۔ آیت کا مصداق خشیت کی علت علم و معرفت ہے اللہ کی ذات وصفات کی پہچان اور یہ کبھی رسمی علم سے حاصل ہوگی اور کبھی کسی اللہ والے کی صحبت سے اور کبھی من جانب اللہ حاصل ہوگی۔ دوسری قرات رفع کے ساتھ ہے۔ انما یخشی اللهُ من عباده العلماءَ اس صورت میں خشیت کا معنیٰ ڈرنا نہیں کرنا بلکہ تعظیم کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اکرام کرتے ہیں تعظیم کرتے ہیں اپنے بندوں میں علماء کی اس سے علماء کی کتنی بڑی فضیلت ثابت ہوئی بشرطیکہ معنیٰ صحیح کیا جائے۔

وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالًا

حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق لوگ تمہارے تابع ہیں اور تحقیق لوگ زمین کی

یَاتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یَتَفَقَّهُوْنَ فِی الدِّیْنِ فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَیْرًا. (رواہ الجامع ترمذی)

اطراف سے تمہارے پاس دین حاصل کرنے کیلئے آئیں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے حق میں میری وصیت قبول کرو بھلائی کی۔

تشریح: حاصل حدیث۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو فرمایا تم متبع ہو تمہارے پاس لوگ علم حاصل کرنے کے لئے آئیں گے تو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ان سے اچھے سلوک سے پیش آنا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ علم وہ معتبر ہوگا جو صحابہؓ کے واسطہ سے حاصل ہو۔

قولہ' فاستوصوا بھم خیرا کے کئی ترجمے ہو سکتے ہیں۔ (۱) ان کو خیر کی وصیت کرو۔ وصیت سے مراد پر سوز تاکیدی نصیحت ہے۔ (۲) ان کے بارے میں خیر کی وصیت قبول کرو یعنی میں تم کو ان کے ساتھ حسن معاملہ کی وصیت کرتا ہوں۔ معلم کائنات کی طرف سے امت کے تمام معلمین کو وصیت ہے متعلمین کے ساتھ حسن معاملہ اور بھلائی کے ساتھ پیش آنے کی طلبا کی تعلیم میں محنت کرنا ان کو زیور علم سے آراستہ کرنے کی پوری کوشش کرنا اور ان کی مشکلات دور کر کے راحت کا انتظام کرنا اس قسم کے سب امور استیصاء بالخیر میں داخل ہیں۔ (۳) تم ان

کے بارے میں (اپنے ضمیر سے) خیر کی وصیت طلب کرو۔ یعنی یہ سوچو اور مراقبہ کرو کہ جو لوگ صرف علم دین کیلئے اتنے لمبے سفروں کی مشقت برداشت کر کے آئے ہیں ان کے ساتھ کس نوعیت کا معاملہ کرنا چاہیے۔

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْحَكِيْمِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَاِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْفَضْلِ الرَّاوِي يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بات دانائی کی مطلوب ہے دانا آدمی کی۔ پس جہاں پر اس کو پائے اس کا زیادہ حق دار ہے۔ ترمذی، ابن ماجہ، ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس میں ابراہیم بن فضل راوی ضعیف ہے۔

تشریح: حاصل حدیث۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دانائی کی بات دانا کا گمشدہ سامان ہے کہ جس مقام میں پالے وہ اس کو لینے کا زیادہ حق دار ہے۔ اس حدیث میں چند تشبیہات کا ذکر ہے۔

وجہ تشبیہ-۱: جس طرح گمشدہ سامان کا مالک (گھٹیا ہونے) واجد کی حاست کی وجہ سے اس کو چھوڑتا نہیں اسی طرح انسان کو چاہیے کہ وہ دانائی حکمت کی بات جہاں سے ملے لے لے کسی کے کم مرتبہ ہونے کو خیال نہ کرے۔ شرم و عار محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

وجہ تشبیہ-۲: بعنوان آخر گمشدہ سامان کو مالک تک پہنچانا چاہیے اس گمشدہ سامان کو اس کے مالک تک پہنچانا ضروری ہے اسی طرح کسی کو کوئی علمی کتاب مل جائے بات مل جائے تو اگر خود نفع نہ اٹھا سکے تو مستحق تک پہنچا دینی چاہیے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک دیمک کتابوں کو کھا جاتی ہے مگر وہ نہ کسی کو کتاب دیتے ہیں اور نہ ہی خود نفع مند ہوتے ہیں آگے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے مگر فضائل کے اندر احادیث مشروطہ کو لینا صحیح ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ. (راوه الجامع ترمذی و ابن ماجة)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابد سے سخت تر ہے۔ ترمذی، ابن ماجہ نے روایت کیا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ ایک فقیہ زیادہ بھاری ہے شیطان پر ایک ہزار عابد کے مقابلے میں۔ مقابلے میں غالب آنے کا اصول یہ ہے کہ وہ غالب آتا ہے جو دشمن کے حملوں کو بھی جانتا ہو اور اس کے توڑ کو بھی جانتا ہو اور عالم یہ جانتا ہے کہ شیطان کون کون سی جگہ سے حملہ کرتا ہے اور اس کا توڑ کیا ہے اور عابد نہیں جانتا اس لئے شیطان عالم سے زیادہ گھبراتا ہے عابد سے نہیں۔ اس پر شیخ الہندؒ کا مقولہ قطبی پڑھانے پر اتنا ہی اجر و ثواب ملنے کی امید ہے جتنا کہ بخاری پڑھانے پر اجر و ثواب ملنے کی امید ہے۔ یہ عالم ہے عابد کو کچھ پتہ نہیں وہ تو صرف عبادت میں لگا رہتا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ وَوَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ اَهْلِهٖ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرِ الْجَوْهَرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ اِلٰى قَوْلِهٖ مُسْلِمٍ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مَتْنُهٗ مَشْهُوْرٌ وَاِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور علم نااہل کو سکھلانے والا ایسا ہے جیسے کوئی خنزیر کو جواہر اور موتیوں اور سونے کے ہار پہنائے۔ ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں مسلم کے لفظ تک روایت کی ہے اور کہا اس حدیث کا متن مشہور ہے اور اس کی سند ضعیف ہے

وَقَدْرُوِیَ مِنْ اَوْجُهٍ کُلُّهَا ضَعِیْفٌ.
اور کئی طرح یہ روایت کی گئی ہے اور سب طرق اس کے ضعیف ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث ہر مسلمان پر طلب علم کو وضع کرنے والا رکھنے والا نااہل کو علم پڑھانے والے اس کے اہل کے نہ ہونے کے وقت پر ایسے ہی ہے جیسے خنزیر کے گلہ میں جوہر سونے اور چاندی کا قلادہ ڈال دیا جائے۔ مسلم سے مراد جنس مسلم ہے۔

حدیث کے اخیری حصہ سے معلوم ہوا کہ نااہل کو علم نہیں پڑھانا چاہئے۔ نااہل کی دو تفسیریں ہیں۔

(۱) سرے سے اہل ہی نہ ہو استعداد ہی نہ ہو۔ (۲) استعداد ہے اہل تو ہے مگر مقصود شر ہو علماء کو تنگ کرنا مقصود ہے تو پھر اس کو علم نہیں سکھانا چاہئے۔ اہل کو اس علم کا سکھانے والا اس شخص کی طرح ہے جو کہ ہیرے جواہرات خنزیر کے گلے میں ڈالے۔

قوله طلب العلم میں علم سے مراد علم دین ہے۔ سکولوں اور کالجوں کے دروازے پر لکھا ہوتا ہے **طلب العلم فریضة علی کل مسلم**۔ یہ **وضع الشئی فی غیر محله** کی قبیل سے ہے اور اسی طرح مکان سب حرام مال سے بنے ہوتے ہیں مگر لکھتے ہیں **هذا من فضل ربی** یہ بھی وضع الشئی فی غیر محلّہ ہے۔

اپنی ضرورت کے مطابق علم دین کو حاصل کرنا ہر شخص پر فرض ہے اور اتنا علم دین حاصل کرنا کہ جن سے دوسروں کو نفع پہنچایا جائے اور فرق باطلہ کا مقابلہ کیا جائے مخالفوں کا جواب دیا جائے یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر مدت سفر و مسافت میں ایک شخص بھی ایسا پایا گیا تو سب کے سب گنہگار ہونے سے بچ جائیں گے اگر نہیں تو سب گنہگار رہوں گے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِیْ مُنَافِقٍ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوتیں۔
حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِی الدِّیْنِ. (رواه الجامع ترمذی)
حسن خلق اور دین میں سمجھ۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ دو خصلتیں ایسی ہیں جو کہ منافق میں علی وجہ الکمال نہیں پائی جاتیں۔ (۱) حسن اخلاق (۲) تفقہ فی الدین اس سے مقصود تعریض ہے کہ منافق میں تو جمع نہیں ہو سکتی لیکن مسلمانوں میں ہو سکتی ہیں لہذا مسلمان کو چاہئے کہ وہ ان کو جمع کرے۔

اس میں حکمت کیا ہے کہ یہ دو خصلتیں منافق میں نہیں پائی جاسکتیں۔ وہ یہ ہے اللہ کا فضل ہے کیونکہ اگر منافق میں بھی یہی دو خصلتیں پائی جائیں تو حق اور باطل کے درمیان فرق نہیں رہے گا تو فرق کرنے کے لئے اللہ نے یہ فضل فرمایا کہ منافق میں ان کا ہونا ممکن نہیں کیونکہ یہ دو ایسی خصلتیں ہیں کہ جس شخص کے اندر یہ پائی جائیں وہ مرجع الخلائق بن جاتا ہے۔ اب اگر منافق میں بھی پائی جائیں تو وہ بھی مرجع الخلائق بن جائے گا اور حق باطل کے درمیان فرق نہیں رہے گا۔

وَعَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو علم طلب کرنے کیلئے نکلے وہ راہ خدا میں ہے
حَتّٰی یَرْجِعَ. (رواه الجامع ترمذی والدارمی)
یہاں تک کہ لوٹ آئے روایت کیا اس کو ترمذی اور دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ جو شخص طلب علم میں نکلا وہ اللہ کے راستے میں ہے جب تک وہ لوٹے نہیں۔ قتال بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے اس طرح طلب علم بھی جہاد ہے۔

وَعَنْ سَخْبَرَةَ الازْدِیٌّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ کَانَ کَفَّارَۃً لِّمَا مَضٰی
حضرت سخبرہ ازدیؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوشخص علم طلب کرتا ہے یہ کفارہ بن جاتا ہے ان گناہوں کا
رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ ضَعِیْفُ الْاِسْنَادِ وَ اَبُوْدَ اوُدَ الرَّاوِیُّ یُضَعَّفُ.
جو اس نے پہلے کیئے ہوتے ہیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور دارمی نے ترمذی نے کہا یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ طلب علم دین یہ گناہوں کی تکفیر کا ذریعہ ہے علم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا۔ باقی ابوداؤد سے مراد صاحب سنن کے علاوہ ہیں۔ یہ تو ثقہ ہیں یہاں اسی روایت میں کوئی اور راوی مراد ہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیٌّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ یَّشْبَعَ الْمُؤْمِنُ مِنْ خَیْرٍ
ابوداؤد راوی اس میں ضعیف ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن خیر سے سیر نہیں ہوتا کہ
یَّسْمَعُہٗ حَتّٰی یَکُوْنَ مُنْتَھَاہُ الْجَنَّۃَ. (رواہ الجامع ترمذی)
اس کو سنتا ہے یہاں تک کہ اس کی انتہا جنت ہوتی ہے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں طالب علم کیلئے حسن خاتمہ کی بشارت وخوشخبری ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے مومن ہرگز سیر نہیں ہوتا اس علم سے جس کو وہ سنتا ہے حتیٰ کہ اس کی انتہا ہو جاتی ہے جنت کی طرف۔ الجنة منصوب ہے کان کی خبر ہونیکی وجہ سے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَہٗ ثُمَّ کَتَمَہٗ اُلْجِمَ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے علم کی بات پوچھی گئی پھر اس نے اس کو چھپا لیا
یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ. (ورواہ ابن ماجة عن انس)
قیامت کے دن آگ کی لگام پہنایا جائے گا۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد اور ترمذی نے اور روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے انسؓ سے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں کتمان علم پر سخت وعید سنائی گئی ہے کہ اگر کسی سے کوئی بات پوچھے اور مسئول کو وہ بات معلوم بھی ہو محض خواہشات نفسانی کی بناء پر یا تکبر کی بناء پر اس کو چھپالے تو کل قیامت کے دن اس کے منہ پر آگ کی لگام چڑھادی جائے گی۔ کیونکہ دنیا میں اس نے اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے فم امساک کیا اپنے منہ کو بند کیا ہے لہذا قیامت کے دن بھی جب اس کو بولنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کے منہ کو بند کر دیا جائے گا۔

''**قولہ** من سئل عن علم علمه ثم كتمه الجم يوم القيمه بلجام من نار '' کتمان علم کی وعید کا مستحق ہونے کیلئے چند شرائط ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو کتمان علم کا گناہ نہیں ہوگا۔

۱- جس بات کو چھپایا ہے اس کی پوری تحقیق ہو اگر مسئلہ میں تردد ہونے کی وجہ سے چھپایا ہے تو گناہ نہیں ہوگا۔

۲- پوچھنے والا واقعی طالب ہو۔ اگر قرائن سے واضح ہو جائے کہ سائل طالب نہیں ہے تو مسئلہ نہ بتانے میں کوئی حرج نہیں۔

۳- طالب کو اس مسئلہ کی ضرورت بھی ہو اور وہ اس کو سمجھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

۴- وہاں کوئی اور مسئلہ بتانے والا نہ ہو اگر کوئی اور عالم بھی وہاں موجود ہو تو پھر یہ وعید نہیں۔

وَعَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُجَارِیَ بِہٖ
حضرت کعبؓ بن مالک سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جوشخص علم کو طلب کرے کہ اس کے ساتھ

الْعُلَمَآءَ اَوْلِيُمَارِیَ بِهِ السُّفَهَآءَ اَوْيَصْرِفَ بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَرَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ
علماء سے فخر کرے یا بیوقوفوں سے جھگڑا کرے یا اس کے ساتھ لوگوں کے منہ اپنی طرف متوجہ کرے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔
وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ.
روایت کیا اس کو ترمذی نے اور روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے۔

تشریح: حاصل حدیث۔ جو شخص علم دین کو دنیا کی غرض فاسد کے لئے حاصل کرے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا اگر چہ غیر ابدی ہو گا۔ مگر یہ علماء کی شان کے لائق نہیں۔ وہ غرض فاسد مثلاً علماء سے مقابلہ کرنا اور جہلاء سفہاء کو شک وشبہات میں ڈالنا لوگوں کے مال کو لینا مقصود ہے ادخلہ النار اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی علم سیکھے ایسا جس سے اللہ کی رضا مندی تلاش کی جاتی ہے وہ نہیں سیکھتا
لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِیْ رِيْحَهَا.
اس کو مگر اس لئے کہ دنیا کے اسباب کو پالے۔ قیامت کے دن جنت کی عرف یعنی اس کی بو نہ پائے گا۔ روایت کیا اس کو احمدؒ ابوداؤدؒ اور ابن ماجہ نے۔

(رواه مسند احمد بن حنبل و ابوداؤد و ابن ماجة)

تشریح: حاصل حدیث۔ علم دین کو دنیوی غرض سے حاصل کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔ جنت کی خوشبو سے محروم ہونا اس سے مراد یہ ہے کہ جس وقت علماء جنت کی خوشبو محسوس کریں گے اس وقت یہ لوگ محروم ہو جائیں گے ان کی حالت مذکوم جیسی ہو جائے گی جیسے ان کا ناک کٹا ہوا ہے جبکہ کہا جاتا ہے کہ جنت کی خوشبو پانچ سو میل کی مسافت سے محسوس ہوگی۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا
حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تازہ رکھے اللہ تعالیٰ اس بندے کو جس نے سنا کہنا میرا اس کو یاد رکھا
وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ. ثَلَاثٌ لَا يَغُلُّ عَلَيْهِنَّ
اور ہمیشہ یاد رکھا اور اس کو پہنچایا پس بعض فقہ کے اٹھانے والے غیر فقیہ ہوتے ہیں۔ اور بعض فقہ کے اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ اس شخص کی طرف جو زیادہ فقیہ ہے تین چیزیں ہیں
قَلْبُ مُسْلِمٍ، اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَالنَّصِيْحَةُ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلُزُوْمُ جَمَاعَتِهِمْ فَاِنَّ دَعْوَتَهُمْ تُحِيْطُ
مسلمان آدمی کا دل خیانت نہیں کرتا۔ عمل کا خالص اللہ کیلئے کرنا اور مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور ان کی جماعت کو لازم
مِنْ وَّرَائِهِمْ رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ وَالْبَيْهَقِیُّ فِی الْمَدْخَلِ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ
پکڑنا تحقیق ان کی دعا گھیرے ہوئے ہے ان کے پیچھے سے روایت کیا اس کو شافعی اور بیہقی نے مدخل میں
مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اِلَّا اَنَّ التِّرْمِذِیَّ وَاَبَا دَاوُدَ لَمْ يَذْكُرَا ثَلَاثٌ لَا يَغُلُّ عَلَيْهِنَّ اِلٰى اٰخِرِهٖ.
اور روایت کیا احمدؒ ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ ابن ماجہؒ دارمی نے مگر ترمذی اور ابوداؤدؒ نے حدیث کے الفاظ ثلاث لا یغل علیھن آخر حدیث تک ذکر نہیں کئے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حدیث کے ابتدائی حصے میں مشتغلین بالحدیث کے لئے (تروتازگی) کی نضارن دعا کا بیان ہے لہذا جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مصداق بننا چاہے اس کو چاہئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ حدیث سے شغل رکھے۔ چنانچہ فرمایا کہ جو میری کلام کو سنے اور یاد رکھے محفوظ رکھے اور پھر اس کو امت تک پہنچایا اللہ تعالیٰ اس کو تروتازہ رکھے معنوی تروتازگی مراد ہے۔

اس مخصوص دعا کی حکمت کیا ہے؟ وہ حکمت یہ ہے کہ جس شخص نے یہ مذکورہ کام کیا گویا اس نے میری حدیث کو تروتازہ بنادیا بارونق بنادیا۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ دعا کی کہ اللہ اس کو تروتازہ اور بارونق بنادے۔

قولہ' نضر اللہ عبداسمع مقالتی......الخ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احادیث یاد کر کے آگے پہنچانے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ نضر ماضی کا صیغہ ہے اور ماضی کی اصل وضع اخبار کیلئے ہے یہاں کس معنی میں ہے اس میں دواحتمال ہیں ایک یہ کہ ماضی اپنے معنی میں ہے۔ یعنی اخبار کیلئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیث سن کر یاد کر کے آگے پہنچانے والے کے تروتازہ اور خوش وخرم ہونے کی خبر دے رہے ہیں۔ یہ بات اگرچہ مستقبل کی ہے لیکن کبھی کبھی مستقبل کی بات کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ تحقیق وقوع کیلئے یعنی جتنی ماضی کی بات ہوتی ہے یہ بھی اتنی ہی یقینی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ ایسے شخص کو حق تعالیٰ ضرور بالضرور تروتازہ اور خوش وخرم کرے گا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ماضی اپنے معنی میں نہ ہو بلکہ یہاں دعا کیلئے ہو۔ ماضی کا صیغہ عربی زبان میں دعا کیلئے بکثرت استعمال ہوتا رہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کیلئے خوش وخرم رہنے کی دعا فرمارہے ہیں۔

اشتغال بالحدیث۔ یعنی محض حدیث پڑھانے پر تنخواہ لینا یہ جائز نہیں متکلمین اسی کے قائل ہیں۔ البتہ فنون پڑھانے پر تنخواہیں لینا جائز ہے۔ یہ اجماع ہے۔ اس لئے جو متکلمین کے اعتراض سے بچنا چاہے تو حدیث پڑھانے کے ساتھ ساتھ فن کی کتابیں بھی پڑھائے۔

سوال۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت باللفظ ہی ہونی چاہئے حالانکہ روایت بالمعنی بھی جائز ہے عند الجمہور۔

جواب۔ اس حدیث میں مرتبہ عزیمت کا بیان ہے کہ عزیمت یہی ہے کہ حدیث روایت باللفظ ہو اگر روایت باللفظ نہ کر سکے تو روایت بالمعنی بھی جائز ہے۔ یہ بھی صحیح ہے اس کی بھی اجازت ہے۔

حدیث کے دوسرے حصے میں تبلیغ کے فائدے کا بیان کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خود حدیث پہنچانے والا استنباط پر قادر نہیں ہوتا۔ لیکن جس تک پہنچاتا ہے وہ استنباط پر قادر ہوتا ہے۔ (امام اعمش اور ابو یوسف کا واقعہ۔ اعمش سے کسی نے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے کہا مجھے پتہ نہیں۔ (اعمش یہ ابو یوسف کے استاذ ہیں) تو ابو یوسف نے کہا میں بتلادوں۔ تو ایک حدیث سنائی جس سے مسئلہ سمجھ میں آ گیا۔ تو اعمش نے کہا یہ حدیث مجھے اس وقت سے یاد تھی جب کہ تیرے ماں باپ بھی پیدا نہیں ہوئے مگر مطلب اب مجھے سمجھ میں آیا۔ اب جو محدث ہے استاذ ہے حافظ اس مسئلہ کا استنباط نہ کر سکا مگر شاگرد نے مسئلہ مستنبط کر لیا۔ تو معلوم ہوا کہ کبھی شاگرد کی استعداد استاذ سے بھی زیادہ ہوتی ہے مگر یہ بھی استاذ ہی کا کمال ہے جیسے قطرہ قطرہ پانی کا اس میں دخل ہے نیز بسا اوقات خود حافظ حدیث کو پہنچانے والا حامل حدیث استنباط پر قادر ہوتا ہے لیکن جس تک وہ پہنچادیتا ہے وہ استنباط پر زیادہ قادر ہوتا ہے وہ مبلغ الیہ زیادہ فقیہ ہوتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ مسئلے مستنبط کرے گا۔ یہ تیسرے حصے میں مزید تبلیغ کے لئے تین خصلتوں کا بیان کہ جس شخص میں یہ تین خصلتیں پائی جائیں گی جو شخص ان تین خصلتوں کے ساتھ متصف ہوگا یہ تین خصلتیں تقویت پیدا کریں گی تبلیغ میں معین ہوں گی لھذا تم ان تین خصلتوں کو اختیار کرو جب یہ خصلتیں اپنے اندر پیدا کرلو گے تو کسی قسم کا حسد بغض کینہ نہیں رہے گا۔ وہ تین خصلتیں یہ ہیں (۱) اخلاص العمل۔ عمل لوجہ اللہ ہونا چاہئے خود غرضی نہ ہو۔ یہ نہ ہو کہ جہاں کوئی غرض نظر آئی وہاں عمل کر کے دکھادیا جہاں نہیں وہاں نہیں۔ (۲) خیر خواہی مسلمانوں کی نصیحت المسلمین عام ہے خواہ احکام کی ہو یا دوسری چیزوں کی تبلیغ کردی۔ (۳) مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑو۔ مسلمان ہی جماعتوں کا التزام بحسب الاعتقاد والعمل ہو آگے فائدہ بتا دیا کہ جب تک آدمی مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ التزام رکھتا ہے لزوم رہتا ہے تو اس کی برکت سے فائدہ ہوتا رہتا ہے۔

من ورائھم دونوں طرح آگے اخیر میں فرمایا کہ ابوداؤد اور ترمذی کے اندر حدیث کا آخری حصہ ثلث لایغل یہ مذکور نہیں ہے۔ ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور احمد نے اس روایت کو زید بن ثابت سے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی اس کو پہنچادیا جیسا کہ

كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى لَهُ مِنْ سَامِعٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ.

سنا تھا پس اکثر پہنچائے گئے اس کو بہت یاد رکھنے والے ہوتے ہیں سننے والے سے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور ابن ماجہ نے اور روایت کیا اس کو دارمی نے ابوالدرداءؓ سے۔

تشریح: اس حدیث کی تشریح ماقبل حدیث کی طرح ہے کہ تبلیغ حدیث کے فائدے کا بیان اور دعا کا بیان اشارۃً یہ بتا دیا کہ روایت باللفظ اولیٰ ہوتی ہے بنسبت روایت بالمعنی کے۔ بسا اوقات مبلغ زیادہ سمجھنے والا ہوتا ہے اس حدیث کو ابتداءً سننے والے سے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ فَمَنْ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھ سے حدیث بیان کرنے سے بچو مگر اس چیز کو کہ تم کو اس کا علم ہے

كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ

جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ بنالے۔ روایت کیا اسے ترمذی نے اور روایت کیا ابن ماجہ نے ابن مسعودؓ سے

وَّجَابِرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَاعَلِمْتُمْ.

اور جابرؓ سے اور انہوں نے ان لفظوں کو ذکر نہیں کیا۔ اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم۔

تشریح: حاصل حدیث۔ حدیث کو بیان کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہئے جس کا زیادہ غالب گمان ہو کہ یہ حدیث سچی ہے اس کو بیان کرنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ غلط بیانی ہو جائے غلط بیانی کی نسبت رسول اللہ کی طرف ہو جائے قصداً غلط بیانی کرنا موجب وعید ہے۔ باقی جس نے غلط بیانی کی نسبت رسول اللہ کی طرف کی فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ باقی ابن ماجہ اور ترمذی کی روایت میں دو فرق ہیں۔

(۱) ترمذی میں راوی ابن عباس ہیں اور ابن ماجہ میں راوی ابن مسعود جابرؓ ہیں۔ (۲) ترمذی کی روایت میں اتقوا الحدیث عنی کے الفاظ موجود ہیں لیکن ابن ماجہ کی روایت میں اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم کے الفاظ موجود نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَاْيِهٖ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ

اور اسی (ابن عباسؓ) سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن میں اپنی عقل کے ساتھ کہا پس چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں

مِنَ النَّارِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (رواه الجامع ترمذی)

بنالے اور ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن میں بغیر علم کے بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں کرلے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے

تشریح: حاصل حدیث تفسیر بالرائے موجب وعید ہے۔ جس نے تفسیر بالرائے کی پس چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے۔ تفسیر بالرائے حرام ہے یعنی قرآن کی تفسیر کرنا جو علوم قرآن کے لئے محتاج الیہ ہیں ان کو حاصل کئے بغیر تفسیر کرنا حرام ہے۔

سوال۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر میں رائے کو استعمال کرنا جائز ہی نہیں حالانکہ رائے کو استعمال کرنے کے بغیر قرآن کی تفسیر ہو سکتی ہی نہیں تفسیر میں تو رائے کو ضروری دخل ہے۔

جواب۔ رائے سے مراد وہ فاسد رائے ہے اور فاسد نظریہ ہے۔ جس کو اصل قرار دے کر (اپنے نظریہ فاسد کو ثابت کرنے کے لئے) کھینچ تان کر قرآن کی آیات کو اس پر منطبق کیا جائے اگر نصوص کے مطابق تفسیر کی جائے تو وہ اس میں داخل نہیں۔ نیز فرمایا بغیر علم کے بھی قرآن میں بات کرنا یہ بھی ناجائز ہے۔ علم سے مراد وہ علوم ہیں جو تفسیر کے لئے موقوف علیہ ہیں۔ ان کو حاصل کئے بغیر قرآن میں کلام کرنا جائز نہیں۔

وَعَنْ جُنْدُبٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْاٰنِ بِرَاْيِهٖ فَاَصَابَ

حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن میں اپنی عقل سے کہا پس موافق واقع ہوا پس تحقیق اس

فَقَدْ اَخْطَأَ. (رواه الجامع ترمذی و ابو داؤد)
نے خطا کی روایت کیا۔اس کوترمذی اورابوداؤدنے۔

تشریح: حاصل حدیث۔کسی نے بغیران علوم کوحاصل کئے (جوقرآن کی تفسیر کے لئے ضروری ہیں جوموقوف علیہ ہیں) قرآن کی اگرتفسیر کی اوروہ اتفاقی طورپردرست نکل آئی تو بھی یہ شخص مجرم ہوگا۔یہ وزریعنی جھوٹ ہے گناہ ہے۔بخلاف مجتہد کے کہ اگروہ غلطی بھی کرے تب ہی اس کوایک نیکی ملے گی۔یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا بغیر سند یافتہ طبیب ہونے کے کوئی علاج معالجہ شروع کردے وہ علاج اگرچہ اس کے ذریعہ مریض کوفائدہ پہنچ رہاہے مگرپھربھی یہ مجرم ہوگا۔قانوناًشرعاًمجرم ہے۔اب اگریہ اسی جرم میں گرفتارہوگیاتواب وہ یہ کہے کہ میری دوائی نے مریض کو فائدہ ہی پہنچایاہےاس کی یہ بات سنی نہیں جائے گی۔بلکہ یہ کہاجائے گاکہ تونے بغیرسند کے علاج کیوں کیاتونے قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔

دوسری مثال یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ اگرکسی شخص پرقبلہ مشتبہ ہوجائے تواس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ تحری کرے۔اگرتحری کرنے کے بعدنمازپڑھ لے اگرچہ اس کی تحری کے مطابق قبلہ عکس مستوی ہی کیوں نہ ہواس کی نمازہوجائے گی۔اوراگراس نے بدون تحری کے نمازپڑھ لی اوربعدمیں معلوم ہواکہ قبلہ درست تھاپھربھی نمازکااعادہ ضروری ہے کیونکہ حکم تحری کاتھاجواس پراس نے عمل نہیں کیالہٰذانمازفاسدہوجائے گی۔وگرنہ توحیرت کی بات ہے کہ یہ کیوں مجرم بن رہاہے باوجودیکہ کام تواس نے صحیح کیا۔

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمِرَاءُ فِی الْقُرْاٰنِ کُفْرٌ.
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاقرآن میں جھگڑاکرناکفرہے۔روایت کیااس کواحمداورابوداؤدنے۔

(رواه ابو داؤد مسند احمد بن حنبل)

تشریح: حاصل حدیث:۔قرآن میں اختلاف کفرہے۔ائمہ مجتہدین کا اختلاف اس کا مصداق نہیں مصداق وہ اختلاف ہے جوتناقض وتعارض پیداکرے ائمہ کااختلاف توتناقض وتعارض کورفع کرنے کے لئے ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍؓ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَوْمًا یَتَدَارَؤُوْنَ
حضرت عمروبن شعیبؓ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سنا کہ
فِی الْقُرْاٰنِ فَقَالَ اِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِهٰذَا. ضَرَبُوْا کِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ وَاِنَّمَا نَزَلَ
قرآن میں جھگڑتے ہیں پس فرمایا سوائے اس کے نہیں تم سے پہلے لوگ اسی (جھگڑا) کی وجہ سے ہلاک ہوگئے انہوں نے
کِتَابُ اللّٰهِ یُصَدِّقُ بَعْضُهٗ بَعْضًا فَلَا تُکَذِّبُوْا بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُوْلُوْا وَمَا جَهِلْتُمْ
کتاب اللہ کے بعض کوبعض کے ساتھ ماراسوائے اس کے نہیں اللہ نے کتاب اتاری ہےجس کابعض بعض کی تصدیق کرتاہےتم اس کے بعض کوبعض
فَکِلُوْهُ اِلٰی عَالِمِهٖ. (رواه مسند احمد بن حنبل و ابن ماجة)
کے ساتھ نہ جھٹلاؤ۔پس جوتم جانوپس وہ کہواورجونہ جانواس کواس کے جاننے والے کی طرف سونپ دو۔روایت کیااس کواحمدنے اورابن ماجہ نے۔

تشریح: ابتدائے حدیث میں یہ بات مذکورہے کہ حضورصلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کوقرآن کے بارے میں جھگڑاکرتے ہوئے دیکھاتوفرمایاکہ تم سے پہلے جولوگ ہلاک ہوئے ہیں وہ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں انہوں نے کتاب اللہ کے بعض کا بعض کے ساتھ ٹکراؤکیا۔اس وجہ سے ہلاک ہوگئے لہٰذاتم ایسانہ کرو۔

سوال۔بظاہرتوجھگڑاکرنے والے صحابہ کرامؓ معلوم ہوتے ہیں۔توصحابہ کرامؓ سے قرآن کے بارے میں ایسااختلاف جومشابہ ہو ان قوموں کے اختلاف کے جواختلاف ان کی ہلاکت کاسبب بنا۔ایسااختلاف صحابہؓ سے کیسے ممکن ہے۔

جواب-۱: اس سے مراد منافقین ہیں۔منافقین کا اختلاف ایسا ہو جو پہلی قوموں کے اختلاف کے ساتھ ملتا ہو۔

جواب-۲: اگر چہ صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہی تھا مگر یہ فرمانا سد الباب الفساد کی قبیل سے ہے۔

کتاب اللہ کو اللہ نے نازل کیا تا کہ اس کا بعض بعض کی تصدیق کرے پس نہ تکذیب کرو تم اس کے بعض کی بعض کے ساتھ پس جو جانو تم اس قرآن سے تو اس کو بیان کرو اور جو تم نہیں جانتے اس کو سپرد کردو تم اس کے جاننے والے کی طرف۔

عالمہ سے مراد یا تو اپنے سے اعلم ہے یا عالم سے مراد باری تعالیٰ ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ لِكُلِّ
حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن سات طریقوں پر اتارا گیا ہے۔ ہر آیت کا ظاہر اور باطن ہے
اٰيَةٍ مِّنْهَا ظَهْرٌ وَّ بَطْنٌ وَلِكُلِّ حَدٍ مُّطَّلَعٌ. (رواه فی شرح السنة)
اور واسطے ہر حد کے خبردار ہونے کی جگہ ہے۔روایت کیا اس کو شرح السنہ میں۔

تشریح: یہ حدیث حدیث نزول القرآن علی سبعة احرف کے نام سے مشہور ہے جس کا متن یہ ہے کہ **انزل القرآن علی سبعة احرف لکل آیة ظهر و بطن و لکل حد مطلع الحدیث**۔ **انزل القرآن علی سبعة احرف** یہ حدیث کا پہلا حصہ ہے۔ سبعہ احرف کا مصداق کیا ہے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے **الاتقان فی علوم القرآن** میں علماء کے ۴۰ کے قریب قول ذکر کئے ہیں اور روح المعانی میں سات قول بیان کئے گئے ہیں۔ ہم چند ایک یہاں پر بیان کریں گے۔

سبعہ احرف کے مصداق

قول اول: اس سے قبائل عرب کی سات لغات مراد ہیں۔ لغات سبعہ اب معنی یہ ہوگا کہ قرآن عرب کے سات قبائل کی لغات پر نازل ہوا۔

سوال: لغات اور احرف میں مناسبت کیا ہے۔

جواب: لغات کلمات سے بنتی ہیں اور کلمات حروف سے بنتے ہیں۔ تو حروف کو ذکر کیا مراد لغات کو لیا۔

سوال: قبائل عرب تو متعدد ہیں۔ سات قبائل کی لغات کی تخصیص کیوں کی؟۔

جواب۔ قبائل سے مراد مطلق قبائل نہیں بلکہ وہ قبائل مراد ہیں جن کی فصاحت و بلاغت کا عالم میں ڈنکا بج رہا تھا جو قبائل مشہور بالفصاحت والبلاغت تھے اور وہ سات ہیں اس لئے سات کی تخصیص کی۔

سوال: وہ قبائل سبعہ کون کون سے ہیں جن کی لغات پر قرآن نازل ہوا۔

جواب: شیخ محدث عبدالحق دہلویؒ نے ان قبائل سبعہ کی تعیین یوں کی ہے۔

۱-لغت قریش ۲-لغت ہوازن ۳-لغت ثقیف ۴-لغت یمن ۵-لغت طی ۶-لغت تمیم ۷-لغت ھذیل۔

سوال: مشہور تو یہ ہے **انما انزل القرآن علی لغت قریش** کہ قرآن لغت قریش پر نازل ہوا تو پھر قرآن کے ان قبائل سبعہ کی لغات پر نزول کا کیا مطلب ہے۔ انما تو کلمہ حصر کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغت قریش پر ہی نازل ہوا۔

جواب۔ ابتداءً قرآن لغت قریش پر نازل ہوا باقی قبائل ستہ کو اپنی اپنی لغات پر پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ اور یہی پڑھنے کی اجازت دینا گویا حکماً یہ بھی نزول ہے۔ اور **انما انزل القرآن علی لغت قریش** میں جو حصر بتلایا گیا وہ نزولی کے اعتبار سے ہے حکمی کے اعتبار سے نہیں۔

سوال: لغت قریش کے علاوہ باقی لغات پر قرآن اس میں حکمت کیا ہے اور اجازت کا منشاء کیا ہے۔

جواب: حکمت و منشاء التسہیل والتطییب ہے۔ تسہیل اس طرح کہ قرآن کا نزول ابتداء لغت قریش پر نازل ہوا تو دیگر قبائل کے لئے

لغت قریش پر پڑھنا دشوار تھا اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق جل شانہ کی جانب سے بقیہ لغات میں پڑھنے کی اجازت دے دی۔ اور تطییب اس طرح کہ قریش کو جس طرح یہ فخر کرنے کا حق ہے کہ قرآن ہماری لغت پر نازل ہوا اسی طرح دیگر قبائل بھی خوش ہو جائیں کہ قرآن ہماری لغات میں بھی نازل ہوا۔ سوال۔ کیا دیگر قبائل کو لغات میں پڑھنے کی اجازت توفیقی تھی یا غیر توفیقی۔ جواب۔ راجح یہی ہے۔

سوال: یہ لغات کا اختلاف لفظی تھا یا معنوی تھا۔ جواب یہ اختلاف لفظی تھا تلفظ میں اختلاف تھا۔ معنوی اختلاف نہیں تھا۔

سوال: یہ تسہیل اب بھی باقی ہے یا نہیں۔ جواب: بالاتفاق باقی نہیں اس پر اجماع ہے۔

سوال: یہ تسہیل کب ختم ہوئی۔ جواب اس میں دو قول ہیں۔ قول اول۔ جب جبرئیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان شریف میں آخری دور کیا تو اس وقت ختم ہو گئی۔ قول ثانی۔ یہ تسہیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی باقی رہی شیخین ابوبکر و عمرؓ کے زمانہ میں بھی باقی رہی اور حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور خلافت میں بھی باقی رہی لیکن پھر حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے آخری دور میں اس کو ختم کر دیا۔

سوال: جب یہ تسہیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں باقی رہی اور شیخین کے زمانہ میں بھی باقی رہی انہوں نے اس کو باقی رکھا تو پھر حضرت عثمانؓ نے اس تسہیل کو کیوں ختم کر دیا۔ امت پر دشواری کیوں کی۔

جواب: پہلی وجہ ضرورت باقی نہ رہنے کی وجہ سے اس کو ختم کر دیا۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں لوگ لغت قریش سے مانوس ہو چکے تھے اور لغت قریش کے مطابق پڑھنا دشوار نہیں تھا اس لئے اس سہولت کو ختم کر دیا تو یہ **انتهاء الحكم للانتهاء العلة** کی قبیل سے ہو گیا کہ جب تک علت دشواری باقی تھی وہ حکم باقی رہا جب علت منتھی ہو گئی تو حکم بھی منتہی ہو گیا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے **مولفة القلوب** کا حصہ ختم ہو گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں **مولفة القلوب** کو حصہ دیا کرتے تھے تا کہ کہیں اسلام سے پھر نہ جائے لیکن جب علت ختم ہو گئی تو اب حکم یعنی حصہ بھی نہیں دیا جائے گا اس کا حصہ ختم ہو گیا یہ قول زیادہ راجح ہے۔ دوسری وجہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اختلاف شروع ہو گئے جو شخص جس انداز میں جس لہجے کے مطابق قرآن پڑھتا وہ کہتا یہی قرآن ہے قرآن اسی میں بند ہے اس کے ماسوا قرآن نہیں ظاہر ہے کہ یہ نظریہ تو فاسد ہے۔ تو حضرت عثمانؓ کو لوگوں نے کہا کہ اس امت کو سنبھالو ابھی سے یہ اختلاف شروع ہو گئے ہیں بعد میں تو بہت زیادہ اختلاف ہو جائیں گے۔ تو حضرت عثمانؓ نے ان اکابر صحابہ کرامؓ کے (مشورہ سے جو موجود تھے) کے مطابق سد الباب للفساد امت پر احسان کرتے ہوئے اس سہولت کو ختم کر دیا اور لغت قریش پر پڑھنے کا حکم فرمایا اور یہی مطلب ہے حضرت عثمانؓ کے جامع القرآن ہونے کا کہ انہوں نے سب کو لغت قریش پر جمع کیا۔

دوسرا قول: سبعہ احرف سے مراد قرأت سبعہ متواترہ ہیں۔ اب معنے یہ ہوگا کہ قرآن کا نزول سات قرأت متواترہ پر ہوا۔

سوال: ایسے کلمات تو بہت کم ہیں جن میں سات قرائتیں ہیں۔ ہر ہر کلمے میں تو ساتوں قرائتیں جاری نہیں ہوتیں تو پھر سبعہ احرف کے کیا معنے ہیں۔

جواب: اگر کسی ایک کلمہ میں بھی سات قرائتیں جاری ہو جائیں تو یہ بعض کلمات میں بھی جاری ہونا نزول قرآن علی سبعہ احرف کیلئے کافی ہے۔

سوال: قرائتیں تو سات سے زائد ہیں تو پھر سبعہ کی تخصیص کیوں۔ جواب۔ جو سات سے زائد قرائتیں ہیں ان سب کا ارجاع ہو جاتا ہے ان سات کی طرف معتد بہ اختلاف سات میں ہے۔ اس لئے سات کی تخصیص کی۔

سوال: قراتوں کی تدوین تو تابعین کے دور میں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بھی بعد تو پھر سبعہ احرف کا مصداق سات قراۃ متواترہ کو بنانا کیسے صحیح ہے اس کو حدیث کا مصداق کیسے بنایا گیا۔ جواب۔ ایک ہے تدوین اور ایک ہے ان کا وجود ان قراتوں کا وجود پہلے ہی سے ہے اگرچہ تدوین بعد میں ہوئی۔ لہٰذا حدیث کا مصداق بنانا درست ہے۔

تیسرا قول: سات قسم کے اختلاف مراد ہیں پھر وہ سات قسم اختلاف کون کون سے ہیں۔ اس میں دو قول ہیں قول اول تلفظ کے اعتبار سے اختلاف۔ ۱-اظہار ۲-ادغام ۳-تفخیم ۴-ترقیق ۵-امالہ غیر امالہ مدغیر مد

وہ اختلافات سبعہ یہ ہیں۔ (۱) تقدیم و تاخیر کا اختلاف۔

مثلاً ۱-وجاء ت سکرة الموت بالحق۔دوسری قرات وجاء ت سکرة الحق بالموت۔
۲-لفظ کے وجوداور عدم وجود کا اختلاف جیسے ان الله لهو الغنی الحمید دوسری قرات ان الله لغنی الحمید ھوموجودنہیں۔
۳-ایک لفظ کی دوسرے لفظ کے ساتھ تبدیلی بایں طور کہ معنے میں اتحاد باقی رہے۔جیسے کالعهن المنفوش. کالصوف المنفوش۔
۴-ایک لفظ کی دوسرے لفظ کے ساتھ تبدیلی بایں طور کہ معنے میں اختلاف ہوجائے مع اختلاف الفاظ کے جیسے طلح منضود دوسری قرات طلع منضود۔لفظ کی بھی تبدیلی اور معنی کی بھی تبدیلی ہوگئی۔
۵-مجرد مزید کی تبدیلی یا بابوں کا اختلاف جیسے باعد بین اسفارنا بعد بین اسفارنا۔
۶-مادے کا اختلاف۔جیسے کیف ننشزها. کیف ننشرها۔
۷-اعراب کا اختلاف جیسے هن اطهر لکم بالرفع۔دوسری قرات هن اطهر لکم بالفتح۔
چوتھا قول:احرف سے مراد معانی سبعہ ہیں اب معنے یہ ہوگا کہ قرآن کا نزول سات معانی مضامین پر ہوا۔اور وہ مضامین سبعہ یہ ہیں۔
۱-عقائد ۲-احکام ۳-اخلاق۔ ۴-قصص واقعات۔ ۵-امثال ۶-وعد ۷-وعید۔
اور اس میں ایک دوسرا قول بھی ہے کہ اس سے مراد مضامین سبعہ یہ ہیں۔(۱)اوامر(۲)نواہی۔آگے پانچ وہی جن کا ماقبل کی سطروں میں ہوچکا۔
پانچواں قول:سبعہ کا عدد تحدید کیلئے نہیں بلکہ تکثیر کیلئے ہے اب معنی یہ ہوگا۔ انزل القرآن علی معانی کثیرة۔
سوال:سبعہ کا عدد تکثیر کے لئے ہے یا نہیں۔ **جواب**:قرآن میں فرمایا گیا والبحر یمده' من بعده سبعة ابحر ما نفدت الخ (الآیۃ) یہاں سبعہ کا لفظ آیا سب کا اتفاق ہے کہ یہ کثرت بتلانے کیلئے ہے کوئی تحدید کیلئے نہیں تو معلوم ہوا کہ سبعہ کا عدد کثرت کے لئے ہے۔
چھٹا قول:سبعہ احرف سے مراد اقالیم سبعہ ہیں۔جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن زمین کے ہر ہر حصہ پر رائج ہوگا ابھی اس کے بارے میں علم ختم نہیں ہوا۔اور بھی اقوال ہیں جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے ۴۰ قول ذکر کئے ہیں۔اسی بنا پر بعض نے کہہ دیا ہے کہ یہ حدیث من قبیل المتشابہات ہے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سپرد کردو۔مگر تم یہ نہیں کہنا بلکہ یہ کم از کم چھ قول ذہن میں رکھنا۔ان اقوال میں سب سے زیادہ راجح پہلا قول ہے۔
حدیث کا دوسرا حصہ:ولکل آیة منها ظهر و بطن۔ظہر اور بطن سے کیا مراد ہے۔اس میں متعدد اقوال ہیں راجح قول یہ ہے کہ ظہر سے مراد وہ معانی جن کو علماء تفسیر قواعد عربیہ کے مطابق بیان کریں۔بطن سے مراد وہ اسرار رموز جن کو علماء صوفیین علماء باطن بیان کریں۔
سوال:فرق باطنیہ یہ بھی قرآن کے اسرار رموز بیان کرتے ہیں حالانکہ یہ زنادقہ میں سے ہیں تو پھر علماء صوفیین اور ان فرق باطنیہ میں فرق کیا ہوا۔
جواب:جو معانی زنادقہ بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مراد الٰہی یہی ہے جو ظاہری مطلب ہے وہ مراد الٰہی نہیں اور علماء صوفیاء کہتے ہیں کہ ظاہری معنی تو وہی ہے جو علماء تفسیر بیان کرتے ہیں اور مراد الٰہی وہی ہے مگر اس کا بھی احتمال ہے جیسے ان تذبحوا ابقرة۔علماء باطنیہ زنادقہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد نفس ہی ہے کہ نفس کو ذبح کرو رو جیسی تم کو بتلادیں گی کہ کونسی چیز تمہارے حق میں اصلح ہے۔اور علماء صوفیا کہتے ہیں اس کا اصل معنی و تفسیر وہی ہے جو علماء تفسیر بیان کرتے ہیں ظاہری معنے اصل ہے مگر ان رموز و اسرار کو اس سے استنباط کرتے ہیں کہ اس سے مراد نفس ہے۔صرف استنباط کو اس کا مصداق نہیں بناتے اور اسی طرح دوسری آیت قاتلوا الذین یلونکم من الکفار۔اس میں محدثین کہتے ہیں سب سے قریب دشمن نفس ہے لہذا نفس سے قتال کرو ظاہری معنے مراد نہیں لیتے وہ کہتے ہیں کہ مراد الٰہی بھی یہی نفس ہے لیکن صوفیاء کہتے ہیں کہ اصل معنی ظاہری ہے لیکن اس میں یہ بھی ایک رمز ہے کہ اس سے مراد نفس ہو۔
دوسرا قول:ظہر سے مراد الفاظ اور بطن سے مراد معانی ہیں۔**تیسرا قول**۔ظہر سے مراد تلاوت کرنا اور بطن سے مراد معانی میں غور و فکر کرنا۔
قولہ' ولکل حد مطلع۔یہاں عبارت میں اختصار ہے۔پوری عبارت یوں ہے۔ولکل من الظهر و البطن حد و لکل حد مطلع۔حد کے معنی کیا ہیں۔دو قول ہیں۔

(۱) پہلا قول:۔ حد بمعنی غایۃ اور مطلع کا لغوی معنی ہے اونچی جگہ سے نیچے جھانکنا اب حاصل معنی یہ ہوگا کہ ظہر او بطن میں سے ہر ایک آیت کے لئے غایت ہے اور ہر ایک کیلئے مطلع الگ الگ ہیں ظہر کی غایۃ کا مطلع علوم عربیۃ او بطن کی غایۃ کا مطلع تزکیہ نفس ریاضتیں مجاہدے صفائے قلب ہو جائے۔ مطلع کے لفظ سے اشارہ ہے کہ قرآن کی تفسیر وہ کر سکے گا تفسیر کرنے کا حق اس شخص کو حاصل ہے جو علوم عربیت کی بلندیوں پر چوٹیوں تک پہنچا ہوا ہو۔ اور اسی طرح اسرار و رموز وہ بیان کر سکے گا یعنی اس شخص کو رموز و اسرار بیان کرنے کا حق حاصل ہے جو تزکیہ باطن کی بلندیوں کی چوٹیوں تک پہنچا ہوا ہو صفائے قلب والا ہو۔ ہر شخص کو بیان کرنے کا حق نہیں۔

دوسرا قول حد بمعنی حکم ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا ظہر و بطن کے لئے ایک حکم ہے اور ہر ایک کا ماخذ مطلع یعنی قرآن ہے لیکن اس پر بھی ہر شخص مطلع نہیں ہو سکتا۔ ان دو قولوں میں سے زیادہ بہتر معنی حد بمعنی غایۃ ہے ماقبل کے ساتھ ارتباط بھی اس سے ہوگا۔ بعض حضرات اور معنی بھی بیان کئے ہیں۔

حکمت سبعہ احرف: (۱) ظہر لفظ کا او بطن معنیٰ کا نام ہے (۲) ظہر سے معانی تفسیر یہ او بطن سے مسائل مستنبط مراد ہیں

(۳) ابن النقیب کے نزدیک ظہر سے ظاہری معانی و احکام او بطن سے باطنی اسرار و دقائق مراد ہیں یہی قول سب سے راجح ہے سہولت و آسانی ہے کیونکہ دراصل قرآن مجید لغت قریش میں نازل ہوا جو افصح اللغات ہے پھر چونکہ قرآن کے اولین مخاطب عرب تھے اور ان کے مختلف قبیلے اور مختلف لغات والسنۃ تھے اور ایک قبیلے کے لئے دوسرے قبیلے کی لغت میں پڑھنا نہایت مشکل تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہولت کی دعا فرمائی تو سہولت کے لئے ہر قبیلے کو اپنی لغت میں تلاوت کی اجازت مل گئی۔ یہ سلسلہ عثمان غنیؓ کے دور خلافت تک جاری رہا آپ کی خلافت میں اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع ہو چکا تھا اور کثرت سے عجمی لوگ مسلمان ہو گئے تھے تو پھر دور دراز کے علاقوں میں اختلاف لغات کی بناء پر جھگڑے ہونے لگے اس لئے حضرت عثمان غنیؓ نے پچاس ہزار صحابہ کرامؓ کے اجماع سے قرآن کی حفاظت کے لئے اس عارضی اجازت کو ختم کر دیا اور محض لغت قریش کے موافق چند نسخے لکھوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں بھیج دیئے اور باقی لغات میں سے غیر فصیح لغات کو ختم کر دیا جو قریش کے نزدیک معتبر نہ تھے مثلاً لغت ہذیل میں حتیٰ کی بجائے عتیٰ اور لغت اسد میں علامت مضارع کا کسرہ وغیرہ لک اس وقت کی تمام مروجہ قرات لغت قریش میں اور دیگر قبائل کے لغات فصیحہ غیر منسوخہ کے اندر ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعِلْمُ ثَلَاثَةٌ اٰيَةٌ مُحْكَمَةٌ
حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم تین ہیں آیت مضبوط یا سنت قائم
اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ وَمَا كَانَ سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ فَضْلٌ. (رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ)
یا فریضہ عادلہ پس جو چیز اس سے زائد ہے وہ فضل ہے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ اور دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث علم دین کے اصول (بنیاد) تین ہیں۔ (۱) آیات محکمہ (۲) سنۃ قائمہ (۳) فریضہ عادلہ۔

آیات محکمہ سے مراد کتاب اللہ ہے پھر کتاب اللہ کے اندر دو طرح کی آیات ہیں متشابہات محکمات پھر محکمات کی تخصیص اس سے کی کہ احکام کا تعلق محکمہ کے ساتھ ہے۔ سنۃ قائمۃ ایسی سنت جو غیر منسوخہ ہو۔ منسوخ نہ ہو اور (سند حدیث صحیح ثابت ہو) سند صحیح ثابت ہو۔ یعنی اس کا سنت ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہو۔ فریضہ عادلہ سے مراد اجماع امت اور قیاس ہے۔

ان کو عادلہ سے تعبیر کیوں کیا۔ جواب۔ یہ بھی یعنی اجماع امت اور قیاس احکام ثابتہ۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مساوی ہیں۔ یعنی جس طرح احکام ثابتہ من الکتاب والسنۃ واجب الاتباع ہیں اسی طرح اجماع امت اور قیاس بھی واجب الاتباع ہیں۔ یا بعنوان آخر۔ جس طرح کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ حجت شرعیہ ہیں اسی طرح اجماع امت اور قیاس بھی حجت شرعیہ ہیں۔ لہٰذا اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ حجت شرعیہ تو چار ہیں یہاں دو کا ذکر ہے کیونکہ فریضہ عادلہ میں دونوں داخل ہیں۔ مبادی ہیں۔ بعض نے فریضہ عادلہ سے مراد علم میراث کو لیا ہے اس کو عادلہ سے کیوں تعبیر کیا اس لئے کہ میراث سے ورثاء کے درمیان مساوات ہو جاتی ہے عدل و انصاف ہو جاتا ہے۔ باقی اس مذکور کے ماسوا مقدار ضروری سے زائد منقول ہیں یعنی یہ تین

کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع امت اور ان کے مبادی کے ماسوا مقدار ضروری سے زائد ہیں۔ مبادی کے اندر بڑی وسعت ہے۔

وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُصُّ اِلَّا اَمِيْرٌ

حضرت عوفؓ بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ قصہ بیان کرے گا مگر حاکم یا محکوم

اَوْمَامُوْرٌ اَوْ مُخْتَالٌ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ

یا تکبر کرنے والا روایت کیا اس کو ابو داؤد نے روایت کیا اس کو دارمی نے عمرو ابن شعیبؓ عن ابیہ عن جدہ سے

وَفِيْ رِوَايَةٍ اَوْمُرَاءٍ بَدَلَ اَوْ مُخْتَالٍ.

اور اس کی روایت میں لفظ اومراء کے بدلے اومختال کے ہے۔

تشریح: حاصل حدیث واعظ تین قسم پر ہیں۔(۱) امیر (۲) ماموراوقاف کے خطیب۔ مراد یہ ہے کہ پابندی نہ ہو۔ (۳) فی روایۃ متکبرفی روایۃ ریاکار۔ سوال۔ اس حدیث سے کوئی شرعی حکم مسئلہ تو معلوم نہیں ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو احکام شرعیہ کو بیان کرنے کے لئے آئے ہیں۔ تو آپ نے تفسیر بتادی واعظ کی؟ جواب۔ اس حدیث کا مصداق یہ ہے کہ تم اپنی فکر کرو کہ تم کونسی قسم کا مصداق بن رہے ہو۔ واعظ کی تو تین قسمیں ہیں۔ محض خبر دینی مقصود نہیں۔ اول وثانی قسم کا مصداق بننا چاہئے ثالث کا نہیں۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ اِثْمُهٗ عَلٰى مَنْ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا اس کا گناہ اس کو فتویٰ دینے والے پر ہوگا اور

اَفْتَاهُ وَمَنْ اَشَارَ عَلٰى اَخِيْهِ بِاَمْرٍ يَّعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِيْ غَيْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ. (رواہ ابوداؤد)

جس نے اپنے بھائی کو ایسے کام کا مشورہ دیا اور وہ جانتا ہے کہ بھلائی اس کے غیر میں ہے اس نے اس کی خیانت کی۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ بغیر علم کے غلط فتویٰ دینے کی وجہ سے مفتی گنہگار ہوگا۔ مستفتی نہیں اس لئے کہ وہی ذریعہ بنا ہے۔ اور اس وقت ہے کہ جب اس نے اپنی بساطت کے مطابق کوشش کر کے فتویٰ نہ دیا ہو اگر اپنی بساطت کے مطابق کوشش کر کے فتویٰ دیا اور وہ غلط نکلا تو وہ گنہگار نہیں ہوگا۔ یہ معنے اس وقت ہوگا جب افتی اس کو مجہول پڑھا جائے۔ اور اگر معروف کا صیغہ ہے اور افتاہ بمعنی استفت کے ہو تو اس صورت میں معنے یہ ہوگا کہ جس شخص نے غلط فتویٰ دیا ہے اس کا گناہ مستفتی پر بھی ہوگا کیونکہ غلط فتویٰ دینے کا سبب یہی مستفتی بنا ہے اور حدیث کے دوسرے حصے میں فرمایا کہ قصداً کسی کو غلط مشورہ دینا یہ خیانت ہے۔ مثلاً کسی ساتھی نے مشورہ لیا کہ فلاں مدرسہ میں جانا ہے آگے سے وہ مشورہ دیتا ہے چلے جاؤ حالانکہ اس کو پتہ ہے کہ اس کا فائدہ بھلائی زیادہ اسی مدرسہ میں رہنے میں ہے تو یہ خیانت ہے خائن ہے۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْاُغْلُوْطَاتِ. (راوہ ابوداؤد)

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا مغالطہ دینے سے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اغلوطات سے منع فرمایا۔ اغلوطہ کا معنے ہے۔ ایسی دشوار کلام جس سے دوسرے کو غلطی میں ڈالا جاسکے حیرت میں ڈالا جاسکے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں فرمارہے ہیں کہ اغلوطات کے بارے میں سوال کرنا صحیح نہیں ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ ایسا درخت بتاؤ جو گرمیوں اور سردیوں میں یکساں رہتا ہے۔ تو صحابہؓ میں سے کسی نے نہ بتایا پھر خود ہی فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ (حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں جب گھر گیا تو میں نے اپنے والد کو بتایا کہ میرے ذہن میں یہی درخت آرہا تھا لیکن میں نے اس وقت بتایا نہیں اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کاش تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس کو بیان کر

دیتے۔اس سے میری بھی عزت بڑھ جاتی کیونکہ الولد سر لابیہ)

جواب: اگر اغلوطہ سے سوال کرنے سے مقصود امتحان ہو یا مسئلہ سمجھنا مقصود ہے یا تشخیص اذہان مقصود ہو کوئی مصلحت ہو تو پھر جائز ہے۔اور اگر علماء کو ایذاء رسانی مقصود ہے ذلیل ورسوا کرنا مقصود ہے تو پھر مشکل مسئلہ پوچھنا جائز نہیں۔واقعہ قاضی ابو یوسف سے ہارون الرشید کی مجلس میں مشکل سوالات پوچھے گئے آخرکار انہوں نے جواب دیئے پھر قاضی ابو یوسف نے کہا میرے بھی ایک سوال کا جواب دو۔

سوال: ایک شخص مرگیا ۶۰۰ درہم ترکہ چھوڑا۔بہن ایک وارث ہے اس کو ایک درہم ملا کیا صورت ہے تو وہ عالم تو نہ بتا سکا مگر ہارون الرشید نے اس سے اجازت لے کر مسئلہ کی صورت کو بیان کر دیا۔اور کہا بہن کو ایک درہم ہی ملتا ہے۔یہ محدث عبدالحق نے ذکر کیا ہے۔اس کو حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا تھا ممکن ہے کہ اصل حضرت علیؓ سے منقول ہو پھر ہارون الرشید سے یہ مسئلہ تم بھی بیان کرو۔

وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَالْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْا
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم فرائض اور قرآن کا علم سیکھو
النَّاسَ فَاِنِّی مَقْبُوْضٌ. (رواہ الجامع ترمذی)
اور لوگوں کو سکھلاؤ کیونکہ میں قبض کیا جاؤں گا۔

تشریح: حاصل حدیث: فرائض کو سیکھو اور قرآن کو بھی سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔کیونکہ میں عنقریب اٹھا دیا جاؤں گا۔یعنی میری اجل قریب ہے۔اور یہ وحی میری اجل کی وجہ سے ختم ہو جائے گی۔فرائض سے مراد مطلق احکام ہیں تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَخَصَ بِبَصَرِهٖ اِلَى السَّمَآءِ
حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی
ثُمَّ قَالَ هٰذَا اَوَانٌ يُخْتَلَسُ فِيْهِ الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتّٰى لَا يَقْدِرُوْا مِنْهُ عَلٰى شَيْءٍ. (رواہ الجامع ترمذی)
پھر فرمایا یہ وقت ہے کہ علم لوگوں سے اٹھا رہے گا یہاں تک کہ علم سے کسی چیز پر طاقت نہیں رکھیں گے۔روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: حاصل حدیث۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر کو آسمان کی طرف اٹھایا وحی کی انتظار کرنے کیلئے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجل منکشف ہوا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت منکشف ہوا۔پھر فرمایا کہ قریب ہے کہ یہ علم اچک لیا جائے گا یعنی وحی کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔علم سے مراد وحی ہے من الناس ای من قلوب الناس۔

وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رِوَايَةً يُوْشِكُ اَنْ يَّضْرِبَ النَّاسُ اَكْبَادَ الْاِبِلِ يَطْلُبُوْنَ الْعِلْمَ فَلَا يَجِدُوْنَ اَحَدًا
حضرت ابو ہریرہؓ سے بطور روایت کے ہے فرمایا قریب ہے کہ لوگ اونٹوں کے جگر علم طلب کرنے کیلئے ماریں وہ مدینہ کے
اَعْلَمَ مِنْ عَالِمِ الْمَدِيْنَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي جَامِعِهٖ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ اَنَّهُ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ وَمِثْلُهُ عَنْ
عالم سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پائیں گے روایت کیا اس کو ترمذی نے اپنی جامع میں۔ابن عیینہؒ نے کہا اس سے مراد امام مالک بن انسؒ ہیں اس کی
عَبْدِ الرَّزَّاقِ وَقَالَ اِسْحٰقُ ابْنُ مُوْسٰى وَسَمِعْتُ ابْنَ عُيَيْنَةَ اَنَّهُ قَالَ هُوَ الْعُمَرِيُّ الزَّاهِدُ
مانند عبدالرزاق سے بھی منقول ہے۔اسحاق بن موسیٰؒ نے کہا میں نے ابن عیینہؒ سے سنا کہ انہوں نے کہا وہ عالم عمری زاہد ہے
وَاِسْمُهٗ عَبْدُ الْعَزِيْزِ ابْنُ عَبْدِ اللهِ. (رواہ الجامع ترمذی)
اور اس کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ ہے۔

تشریح: روایةً بمعنی مرفوعاً۔ حاصل حدیث ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ علم حاصل کرنے کے لئے دور دراز کی مسافت کا سفر کریں گے۔ سواریوں کو تیز دوڑاتے ہوئے (اکباد الابل یہ کنایہ ہے سواریوں کو تیز دوڑانے سے) لیکن حال یہ ہوگا کہ نہیں پائیں گے لوگ کسی کو سب سے بڑا عالم مدینہ منورہ کے عالم سے۔

اس عالم سے مراد کون ہے۔ عالم کا مصداق کون ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔

۱-امام مالک ہیں جو کہ ائمہ اربعہ میں سے ایک امام ہیں۔ اس قول کے قائل سفیان بن عینیہ ہیں۔ اور یہی قول منقول ہے عبدالرزاق سے بھی۔

۲-سفیان بن عینیہ سے دوسرا قول یہ ہے کہ اس عالم کا مصداق العمری الزاہدی عبدالعزیز بن عبداللہ ہیں العمری اس لئے کہ انکا سلسلہ نسب حضرت عمر بن الخطابؓ سے ملتا ہے اور الزاہدی اس لئے کہ یہ دنیا سے بے رغبت تھے۔ ان میں سے پہلا قول راجح ہے۔ اس لئے کہ اسکی تائید عبدالرزاق کے قول سے بھی ہوتی ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے اس کو پہلے بھی ذکر کیا ہے۔ اور ایک تیسرا قول یہ ہے اس سے مراد اخیر زمانہ کا عالم ہے مہدئ کے زمانے مراد ہے۔

وَعَنْهُ فِيْمَا اَعْلَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَ جَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ

اور اسی ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا جو میں جانتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا اللہ عزوجل اس امت کیلئے

عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُلَهَا دِيْنَهَا. (رواہ ابوداؤد)

ہر سو برس بعد ایک آدمی بھیجتا ہے جو اس کیلئے اس کا دین تازہ کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: اعلم یہ واحد متکلم مضارع کا صیغہ ہے اسم تفضیل کا نہیں۔ (لہٰذہ الامہ میں لام نفع کیلئے ہے) اور دین سے علم دین مراد ہے۔

حاصل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس امت کی نفع رسانی کے لئے ہر صدی کے اختتام پر ایسے شخص کو بھیجتے رہیں گے جو امت کے لئے تجدید دین کا کام کرتا رہے گا۔ جس کو ہماری اصطلاح میں مجدد کہتے ہیں۔ یعنی ایسے شخص کو بھیجتے رہیں گے جو علوم ظاہرہ و باطنہ کو جاننے کے ساتھ ساتھ خود بھی متبع السنّت ہوگا قانع البدعت ہوگا یعنی جو دین کو رسم و رواج اور سنت و بدعت کے درمیان فرق کرے گا دوسروں کو متبع بالسنّت ہونے کی تلقین کرے گا۔ چنانچہ علماء اور اہل حق ہر زمانہ کی تعیین کردیتے ہیں۔

مجدد کی تعریف شخص واحد ہوتا ہے یا جماعت بھی ہوسکتی ہے راجح قول یہی ہے کہ شخص واحد بھی ہوسکتا ہے اور جماعت بھی ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ تجدید دین کرے۔

سب سے پہلے مجدد عمر بن عبدالعزیز ہیں پھر امام شافعیؒ پھر علامہ سیوطیؒ پھر علامہ امام غزالیؒ اور پھر مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی چودھویں صدی کے مشہور مجدد حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ ہیں۔ بعض حضرت تھانویؒ کے قائل ہیں لیکن وہ مجدد غیر مانہ ہیں۔ مجدد غیرہ وہ ہوتا ہے جو دین کے کسی جز کو لے کر بدعت سے پاک کردے۔ میرے نزدیک اس موجود زمانہ میں تبلیغی جماعت بھی مجددین کی جماعت ہے۔

وَعَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْعُذْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ

حضرت ابراہیمؒ بن عبدالرحمان عذری سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس علم کو ہر جماعت آئندہ سے نیک لوگ لیں گے

مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهٗ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَ تَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ رَوَاهُ

جو اس علم سے حد سے بڑھ جانے والوں کا تغیر دور کریں گے اور باطل والوں کا جھوٹ باندھنا اور جاہلوں کی تاویل کرنا۔ روایت کیا

الْبَيْهَقِيُّ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثُ جَابِرٍ فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ فِيْ بَابِ التَّيَمُّمِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

اسکو بیہقی نے اپنی کتاب مدخل میں مرسلاً اور ذکر کرینگے ہم جابرؓ کی حدیث جس کے لفظ ہیں انما شفاء العی السوال باب التیمم میں اگر اللہ نے چاہا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس علم دین کے حامل عدول ہوں گے صاحب عدالت لوگ نیز اس حدیث سے علماء کی بہت

بڑی فضیلت معلوم ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کوعدول قرار دیا۔ یہ وصف صحابہ کرامؓ کی ہے الصحابة کلهم عدول۔

سوال: ہم دیکھتے ہیں کہ علماء بغیر عدول بھی ہیں۔

جواب: وہ عدول علماء نہیں بلکہ وہ درحقیقت علم کی معلومات رکھنے والے ہیں۔ حاملین علم نہیں حدیث میں حاملین علم کوعدول کہا گیا ہے۔

نیز اس حدیث میں علماء ربانیین کی ذمہ داری کو بیان کیا کہ ہر اٹھنے والے فتنے کی سرکوبی کرنا یہ علماء کی ذمہ داری ہے اسلام کے ہمہ قسم کے خلاف اٹھنے والے فتنے کا قلع قمع کرنا اوران کا سدباب کرنا دلائل کے ذریعہ یہ علماء کی ذمہ داری ہے۔ اسلام کے ہمہ قسم کے خلاف اٹھنے والے فتنے کا قلع قمع کرنا اوران کا سدباب کرنا دلائل کے ذریعہ یہ علماء کی ذمہ داری ہے۔

• صاحب مشکوٰۃ نے اس حدیث کو حدیث مجدد کے بعد ذکر کیا اس بات کو بتلانے کے لئے کہ مجدد کی ذمہ داری بھی یہی ہے کہ رسم ورواج کو سنت سے الگ کرے بدعت کو الگ کرے مبتدعین کی تحریفات کا اندفاع کرے اور مبطلین کے انتحال کا دفاع اور جہلاء کی تاویلوں کا اندفاع کرے۔ ہر اٹھنے والے فتنے کا جواب دے جو بھی فتنہ اٹھے۔ اس کو دلائل کے ذریعہ نیچے گرادے۔

و سنذکر۔ حدیث جابرؓ جس کی ابتدا انما شفاء العی السؤال سے ہے کہ صاحب مصابیح نے کتاب العلم کے تحت ذکر کیا ہے مگر ہم اس کو باب التیمم میں بیان کریں گے انشاء اللہ کیونکہ اس کی باب التیمم کے ساتھ مناسبت زیادہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ

حضرت حسنؒ سے مرسلاً روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو موت آئی اور جب کہ

الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْإِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ. (رواه الدرامی)

علم کو تلاش کررہا ہے تاکہ اس کے ساتھ اسلام کو زندہ کرے اس کے درمیان اور انبیاء کے درمیان جنت میں ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حدیث میں جب مطلق حسن کا ذکر آئے تو اس سے مراد حسن بصری (تابعی) ہوتے ہیں۔ ان سے مرسلاً روایت ہے کہ علم کا حصول رضائے الٰہی کے لئے ہونا چاہئے۔ اور اسلام کی آبیاری بھی یعنی اشاعت اسلام بھی رضائے الٰہی کے لئے ہونی چاہئے چنانچہ فرمایا اگر طالب علم علم کو پورا کرنے سے پہلے اور دوران تعلیم مرگیا تو اس کا یہ فعل رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ قیامت کے دن اس کے درمیان اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فاصلہ ہوگا۔ مرتبہ نبوت کا فاصلہ مراد ہے۔

وَعَنْهُ مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ

اسی حسنؒ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو آدمیوں کے متعلق پوچھا گیا وہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے

اَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ، وَالْآخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ

ایک ان میں عالم تھا وہ فرض نماز پڑھتا۔ پھر لوگوں کو علم سکھلانے کیلئے بیٹھ جاتا اور دوسرا دن کو روزہ رکھتا

وَيَقُوْمُ اللَّيْلَ اَيُّهُمَا اَفْضَلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِيْ

اور رات کو قیام کرتا ان میں سے افضل کون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عالم کی فضیلت جو فرض نماز پڑھتا ہے پھر لوگوں کو

يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِيْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ

علم سکھلانے کیلئے بیٹھ جاتا ہے اس عابد پر جودن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے

اللَّیْلَ کَفَضْلِی عَلٰی اَدْنَاکُمْ. (رواہ الدارمی)
اس قدر ہے جیسے مجھے تم میں سے ایک ادنیٰ پر فضیلت حاصل ہے۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں طالب علم کی فضیلت کو علی وجہ المبالغہ بیان کیا گیا ہے۔ باقی خیر سے مراد علم ہے یقوم اللیل کنایہ ہے شب بیداری سے۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کو لمبا کیا۔

فضل ھذ االعالم الخ لمبی کلام اختیار کی تاکہ طلباء کی فضیلت سامع کے ذہن میں راسخ ہو جائے۔ ھذا العالم میں اسم اشارہ تعظیم کیلئے ہے۔

وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ الْفَقِیْہُ فِی الدِّیْنِ
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ہے دین میں سمجھ رکھنے والا شخص اگر اس کی طرف محتاج ہوا جائے تو وہ نفع دیتا ہے
اِنِ احْتِیْجَ اِلَیْہِ نَفَعَ وَاِنِ اسْتُغْنِیَ عَنْہُ اَغْنٰی نَفْسَہٗ. (رواہ رزین)
اگر اس سے بے پروائی کی جائے تو وہ بے پرواہ کر لیتا ہے اپنے نفس کو روایت کیا اس کو رزین نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ بہترین عالم وہ ہے جس کا مقصد دنیا کا ساز و سامان نہ ہو اور فی الجملہ دنیا والوں کے ساتھ لوگوں کے ساتھ اختلاط رکھے (بالکلیہ لوگوں سے انقطاع نہ ہو) اور یہ اختلاف دنیا کمانے کے لئے نہ ہو بلکہ ان کی دینی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہو اور اگر یہ دینی ضرورت کسی اور عالم سے پوری ہو رہی ہو تو ان کے پیچھے نہ پڑے (پریشان نہ ہو) کسی اور کام میں مشغول ہو جائے۔ تصنیف مطالعہ نفلی عبادت وغیرہ میں ان استغنی عنہ اغنی نفسہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ضرورت ہو اور لوگ پوچھیں نہ پھر بھی نہ بتاؤ۔ ایسا وقت بھی آئے گا کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں گے تو اٹھا کر ان کو مسئلہ بتانا پڑے گا۔ اگر ضرورت نہ ہو تو آج کے دور میں تبلیغی جماعت میں چلا جائے۔

وَعَنْ عِکْرِمَۃَؒ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍؓ قَالَ حَدِّثِ النَّاسَ کُلَّ جُمُعَۃٍ مَّرَّۃً فَاِنْ اَبَیْتَ فَمَرَّتَیْنِ فَاِنْ
حضرت عکرمہؒ سے روایت ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا لوگوں کو ہر جمعہ میں ایک بار حدیث بیان کیا کہ اگر تو اس سے انکار کرے تو دوبار
اَکْثَرْتَ فَثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ وَلَا اُلْفِیَنَّکَ تَاْتِی الْقَوْمَ وَھُمْ فِیْ حَدِیْثٍ
اگر زیادہ کرے تو تین مرتبہ اور لوگوں کو اس قرآن سے تنگ نہ کر اور میں تجھ کو نہ پاؤں کہ تو لوگوں کے پاس آئے وہ اپنی باتوں میں مشغول ہوں تو
مِّنْ حَدِیْثِھِمْ فَتَقُصُّ عَلَیْھِمْ فَتَقْطَعُ عَلَیْھِمْ حَدِیْثَھُمْ فَتُمِلُّھُمْ وَلٰکِنْ اَنْصِتْ فَاِذَا اَمَرُوْکَ فَحَدِّثْھُمْ
انہیں وعظ کہنا شروع کر دے اور ان کی باتیں منقطع ہو جائیں تو ان کو تنگ کرے گا لیکن چپ رہ کر پس وقت وہ فرمائش کریں ان کو حدیث بیان کر حالانکہ
وَھُمْ یَشْتَھُوْنَہٗ وَانْظُرِ السَّجْعَ مِنَ الدُّعَآءِ فَاجْتَنِبْہُ فَاِنِّیْ عَھِدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
وہ اس کی رغبت کرتے ہوں۔ پس موقوف کر تو مقفیٰ کلام بنانا دعا میں پس اس سے بچ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وَاَصْحَابَہٗ لَا یَفْعَلُوْنَ ذٰلِکَ. (صحیح البخاری)
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ایسا نہیں کرتے تھے روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: حاصل حدیث۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عکرمہؒ کو فرمایا کہ لوگوں کو وعظ و نصیحت ہفتہ میں ایک مرتبہ کر لیا کرو اگر آپ کی طبیعت اس سے آمادہ نہ ہو تو پھر دو مرتبہ کر لیا کرو اگر پھر بھی آمادہ نہ ہو تو ہفتہ میں تین مرتبہ وعظ کر لیا کرو اس سے زیادہ نہ کرو کیونکہ اس سے لوگوں کے دل اکتا جائیں گے۔ اور یہ کہنے لگیں گے کہ ہم ہر وقت وعظ سے رہیں ہمیں کوئی اور کام ہی نہیں۔ اس لئے ان کی طبیعت کا خیال رکھا کرو۔ حدیث کے پہلے حصے سے معلوم ہوا کہ وعظ و نصیحت کرنے میں سامعین کی توجہ کا خیال رکھنا چاہئے۔ فرمایا ان کی مجلس میں اگر جاؤ (میں

تم کو نہ پاؤں کہ) لوگ اپنی دنیاوی باتوں میں مشغول و مصروف ہوں تو آپ ان پر وعظ کرنا شروع کر دیں۔ پس ان پر ان کی بات منقطع ہو جائے جس کی وجہ سے وہ اکتا جائیں ان کو ملال ہو آپ خاموش رہیں۔ جب وہ آپ کو حکم کریں تو پھر آپ وعظ شروع کریں اور ان کے دلوں میں تڑپ ہو وعظ سننے کی تو پھر آپ وعظ کیا کریں۔ کیونکہ تعلیم وہی مفید ہوگی جو توجہ کے ساتھ ہو۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زبردستی دینی بات نہیں سنانی چاہئے۔

جواب: یہ اس دور کی بات ہے جب لوگوں کی دینی حالت اچھی تھی۔ یہ ان لوگوں کی حالت کا بیان ہے جن کا شوق یہ تھا کہ حضرت وعظ کرو وعظ کرو۔ لہٰذا ہر زمانہ کے حالات کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ عام لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کا بیان ہے کوئی طلباء کے سبق کا بیان نہیں۔ حدیث کے دوسرے حصے میں دعا میں سجع بندی سے ممانعت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ دعا میں سجع بندی سے اجتناب کرو کیونکہ سجع بندی بغیر تکلف کے نہیں آتی اور جو شخص سجع بندی کرے گا اس کی توجہ دعا سے ہٹ جائے گی جو دعا کی روح ہے۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں جو آگے آ رہی ہیں کتاب الدعوات میں وہ تو مقفی سجع ہیں جبکہ یہاں پر حضرت ابن عباسؓ سے منع فرمایا۔

جواب: نہی کا مصداق وہ دعوات ہیں جس کی سجع بندی متکلف ہو۔ جس کو بناوٹ کے ساتھ مسجع بنایا گیا ہو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں ہیں وہ بغیر بناوٹ اور بغیر تکلف کے ہوتی تھیں۔ چنانچہ اگر قوت فصاحت و بلاغت کی بناء پر کلام مقفی مسجع بنتی چلی جائے تو کوئی حرج نہیں لہٰذا کوئی تعارض نہ ہوا۔

وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَاَدْرَكَهُ كَانَ
حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے علم طلب کیا اور پا لیا اس کو دوہرا ثواب ہے۔
لَهٗ كِفْلَانِ مِنَ الْاَجْرِ فَاِنْ لَّمْ يُدْرِكْهُ كَانَ لَهٗ كِفْلٌ مِّنَ الْاَجْرِ. (رواه الدارمی)
اگر اس کو نہ پایا تو اس کو ایک حصہ ہے ثواب کا۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث۔ طالب علم کا حال مجتہد جیسا ہے اجر و ثواب کے اعتبار سے کہ جس طرح مجتہد مصیب ہوا اپنے مقصد کو پہنچ جائے تو دہرے اجر کا مستحق اور اگر مخطی اپنے مقصد کو نہ پہنچے تو ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے یہی حال طالب علم کا ہے۔ اس کی محنت بھی ضائع نہیں جائے گی اس کو ایک اجر کا ثواب ملے گا۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق اس قسم کے عمل سے جو مومن کو مرنے کے بعد پہنچتا ہے علم ہے
وَحَسَنَاتِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ عِلْمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوْمُصْحَفًا وَرَّثَهٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاهُ
کہ اسے سکھایا اور رواج دیا اور اولاد نیک بخت چھوڑ گیا یا قرآن چھوڑا اپنے وارثوں کو یا مسجد کو بنایا سرائے مسافروں کیلئے بنوائی
اَوْبَيْتًا لِاِبْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ اَوْنَهْرًا اَجْرَاهُ اَوْصَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهٖ فِىْ صِحَّتِهٖ وَحَيَاتِهٖ تَلْحَقُهٗ مِنْ
یا نہر جاری کر گیا یا صدقہ جسے اپنے مال سے تندرستی اور زندگی میں نکالا۔ پہنچتا ہے اس کو اس کی
بَعْدِ مَوْتِهٖ. (رواه ابن ماجة والبيهقى فى شعب الايمان)
موت کے بعد روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں

تشریح: حاصل حدیث۔ اعمال ستہ ایسے ہیں کہ جن کا اجر و ثواب مومن کو اس کے مرنے کے بعد پہنچتا رہتا ہے گا وہ یہ ہیں۔

۱۔علم ۲۔ولد صالح ۳۔قرآن ۴۔مسجد ۵۔مسافر خانہ ۶۔نہر ۷۔صدقہ

سوال۔ ماقبل میں تین کا ذکر اور یہاں ستہ کا ذکر ہے۔ جواب: حقیقتاً کوئی تعارض نہیں۔ باقی سوال و جواب ماقبل میں گزر چکے ہیں۔

وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ اَوْحٰى اِلَيَّ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے بے شک اللہ عزوجل نے میری طرف وحی کی

اَنَّهٗ مَنْ سَلَکَ مَسْلَکًا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهٗ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيْمَتَيْهِ اَثَبْتُهٗ عَلَيْهِمَا

ہے کہ جو شخص علم حاصل کرنے کیلئے ایک راہ پر چلا میں اس کیلئے جنت کا راستہ آسان کردوں گا اور جس کی میں دونوں آنکھیں لے لوں بدلہ دوں گا میں

الْجَنَّةَ وَفَضْلٌ فِي عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلٍ فِي عِبَادَةٍ وَمِلَاکُ الدِّيْنِ الْوَرَعُ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

اس کو جنت کا اور علم میں زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے اور دین کی جڑ پرہیزگاری ہے۔ روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

تشریح: حاصل حدیث۔ علم کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے دو وجوں سے (۱) طلب علم طریق تسہیل جنت کا ذریعہ ہے یعنی طلب علم سے اعمال مفضیه الى الجنة کی توفیق مل جاتی ہے۔ (۲) علم میں زیادتی کا ہونا یہ نفلی عبادات میں زیادتی ہونے سے کنایہ ہے (اوحی معلوم ہوا کہ ایک وحی جلی ہوتی ہے اور ایک وحی خفی ہوتی ہے یہاں خفی مراد ہے)

ایک وجہ سے افضل ہے (۱) کیونکہ علم کا نفع متعدی ہے اور عبادت نفلی کا نفع غیر متعدی ہے (انما بعثت معلماً)

دوسرے حصہ میں ارشاد فرمایا کہ جس کی میں بینائی لے لیتا ہوں (یعنی وہ نابینا ہو جاتا ہے) دو آنکھوں کی بصیرت چھین لیتا ہوں اگر وہ اس پر صابر ہو تو اس کا معاوضہ جنت ہے۔ فرمایا دین کی بنیاد ورع ہے۔

ورع اور تقویٰ میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔ اس میں دو قول ہیں۔ (۱) فرق ہے۔ (۲) فرق نہیں۔ دونوں ایک چیز ہیں۔

فضل في علم خير من فضل في عبادة۔ تیسرے حصے میں فرمایا ازدیاد علم بہتر ہے ازدیاد عبادت سے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اِحْيَائِهَا. (رواه الدارمى)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ رات کو تھوڑی دیر علم کا درس کہنارات کے زندہ رکھنے سے بہتر ہے۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث علم۔ سبق کا تکرار کرنا ایک گھڑی یہ رات بھر نفلی عبادت کرنے سے افضل ہے۔ سبق کا تکرار شب بیداری سے افضل ہے۔ (گو رات مردہ اور اس کا احیاء شب بیداری ہے تکرار اس سے بھی افضل ہے) ایک طالب علم سو رہا ہے قیلولہ کر رہا ہے تا کہ میری ظہر کے بعد کی پڑھائی اچھی طرح ہو سکے اور دوسرا شخص تسبیح لے کر بیٹھا پڑھ رہا ہے بظاہر تسبیح پڑھنے والا افضل معلوم ہوتا ہے فرمایا نہیں بلکہ یہ قیلولہ کرنے والا افضل ہے اور اسی طرح ایک شخص بیوی سے باتیں کر رہا ہے اور اسی طرح ایک شخص مہمان سے باتیں کر رہا ہے اس کا دل خوش کر رہا ہے اور ان کے مقابلے میں دوسرا شخص تسبیح لے کر بیٹھا پڑھ رہا ہے تو یہ باتیں کرنے والے اس سے افضل ہیں کیونکہ یہ دونوں شخص سنت کو زندہ کر رہے ہیں اپنے اپنے اوقات میں سنت پر عمل کر رہے ہیں جب علم کا تکرار افضل ہے تو باقی اس کے موقوف ہیں وہ بھی اس علم کے تحت داخل ہوں گے کیونکہ اذا ثبت الشئى ثبت بلوازمه. مقدمة الواجب واجب کے تحت سب علوم حدیث تفسیر فقہ اصول فقہ وغیرہ اس میں داخل ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِي مَسْجِدِهٖ فَقَالَ

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد کی دو مجلسوں کے پاس سے گذرے فرمایا دونوں ہی بھلائی کے کام پر ہیں

كِلَا هُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَآءَ

اور ایک ان دونوں میں افضل ہے دوسرے سے یہ لوگ اللہ سے دعا کرتے ہیں اور اس کی طرف رغبت کرتے ہیں اگر چاہے تو ان کو دے

اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَآءَ مَنَعَهُمْ وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِالْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ

اور اگر چاہے روک لے اور یہ لوگ فقہ یا علم سیکھتے ہیں اور جاہل کو سکھلاتے ہیں پس یہ ان سے بہتر ہیں

وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ. (رواه الدارمی)

اور سوائے اس کے نہیں میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں پھر ان میں بیٹھ گئے روایت کیا اس کو دارمی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس علم کو مجلس عبادت پر ترجیح دی اور آپ مجلس علم میں بیٹھ گئے نفس مدح دونوں کی فرمائی۔ قوله الخير سے مراد علم ہے۔ وجہ ترجیح انما بعثت معلماً۔ (۲) علم کا نفع متعدی اور عبادت کا نفع غیر متعدی ہے۔

وَعَنْ اَبِى الدَّرْدَآءِؓ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ علم کی مقدار کیا ہے کہ جس وقت آدمی

مَاحَدُّ الْعِلْمِ الَّذِى اِذَا بَلَغَهُ الرَّجُلُ كَانَ فَقِيْهًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

اس کو حاصل کرلے وہ فقیہ۔بن جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری امت پر

حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِىْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثًا فِىْ اَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيْهًا وَكُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَّشَهِيْدًا.

چالیس حدیثیں یاد کرلے جو اس کے دین کے معاملہ میں ہوں اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے والا اور گواہ ہوں گا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ علم دین کی وہ کتنی مقدار ہے کہ جس کو حاصل کرنے سے آدمی فقہاء علماء کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ (آگے بشارت دی) اس حدیث میں یہ بشارت بیان فرمائی کہ جو شخص میری امت پر شفقت کرتے ہوئے چالیس حدیثوں کو یاد رکھے اور محفوظ کرے اور ان کو میری امت تک پہنچائے تو وہ زمرہ فقہاء میں داخل ہو جائے گا۔ اس کے لئے یہ علماء کے زمرے میں داخل کرنے کے لئے بھی ہوگی مگر خصوصی سفارش ہوگی اور گواہ ہوں گا یہ کہ مطیع ہے۔ چنانچہ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے مختلف علماء نے اربعینات رکھی ہیں ان میں سے ایک اربعین نووی کے نام سے مشہور ہے وغیرہ وغیرہ باقی یہاں پر حفظ سے مراد یاد رکھنا مراد نہیں پہنچانا ضروری ہے اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے خواہ وہ یاد ہوں یا نہ ہوں۔

قوله علی امتی یعنی میری امت پر شفقت کرتے ہوئے آپ بھی ارادہ کرلیں کہ اربعین لکھیں گے۔ ان شاء الله .

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوا

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو سخاوت کرنے میں سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ

اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِىْ اٰدَمَ وَاَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِىْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا

اور اس کا رسول خوب جانتا ہے فرمایا اللہ سب سے بڑا سخی ہے پھر تمام بنی آدم میں سے میں سخی ہوں اور میرے بعد وہ شخص سخی ہے جس نے علم سیکھا

فَنَشَرَهٗ يَاْتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَمِيْرًا وَّحْدَهٗ اَوْقَالَ اُمَّةً وَّاحِدَةً.

اور پھر اسے پھیلایا۔ قیامت کے دن آئے گا وہ اکیلا ہی امیر ہوگا یا فرمایا اکیلا ہی امت ہوگا۔

تشریح: حاصل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو اجود کون ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم۔ جہاں قرائن سے پتہ چل جاتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بتانا چاہتے ہیں تو صحابہ کرامؓ کو اگر چہ پتہ بھی ہوتا تب بھی فرماتے اللہ و رسولہ اعلم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اجود (قال کے اندر فاعل ہو ضمیر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور لفظ اللہ تعالیٰ مبتدا اور اجود خبر ہے یہ پورا جملہ ہو کر قول کا مقولہ ہے) پھر بنی آدم میں سے میں اجود ہوں۔ پھر میرے بعد بنی آدم میں سے اجود وہ ہوگا۔ جو علم کو حاصل کرے اور اس کو پھیلائے فرمایا یہ شخص قیامت کے دن تنہا امیر ہو کر آئے گا یا ایک امت ہو کر آئے گا۔ الغرض الحاصل۔ علم دین کو حاصل کرنا پھر اس کو پڑھانا اس کی اشاعت کرنا یہ بنی آدم میں سے اجود ہونے کا ذریعہ ہے۔

قوله' امیراً وحدہ' کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن عالم یہ شخص متبوع ہوگا تابع نہیں ہوگا۔ یہ ایسے آئے گا جیسے دنیا میں متبوع ہوتا ہے (اس کی حیثیت) یہ متبوع ہوگا مکرم ہوگا معزز ہوگا۔ مخدوم سمجھا جائے گا۔ خادم نہیں اس کی ایک خاص شان ہوگی اور امۃ واحدۃ کا مطلب یہ ہے کہ ان ابراھیم کان امۃ قانتاً کی طرح ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ
اسی (انسؓ) سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو حریص ہیں کہ ان کا پیٹ نہیں بھرتا علم میں حرص کرنے والا کہ
وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا رَوَى الْبَيْهَقِيُّ اَلْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ قَالَ
اس سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور دنیا میں حرص کرنے والا کہ اس سے اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں
الْاِمَامُ اَحْمَدُ فِي حَدِيْثِ اَبِي الدَّرْدَآءِ هٰذَا مَتْنٌ مَشْهُوْدٌ فِيْمَا بَيْنَ النَّاسِ وَلَيْسَ لَهٗ اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ.
ذکر کیا اور کہا کہ فرمایا امام احمد نے ابوالدرداءؓ کی حدیث کے متعلق کہ اس کا متن مشہور ہے لوگوں میں اور اس کی سند صحیح نہیں۔

تشریح: حاصل حدیث۔ دو حریص ایسے ہیں کہ جن کو قناعت حاصل ہی نہیں ہوتی وہ سیر ہی نہیں ہوتے

۱۔ علم کا حریص کہ اس کو جتنی مقدار بھی حاصل ہو جائے مزید تلاش میں رہتا ہے۔ ۲۔ دنیا کا حریص جیسے یہ دنیا کا حریص مال سے دنیا سے سیر نہیں ہوتا جتنا مال آ جائے کہتا ہے اور ہو اور ہو۔ یہی حال عالم کا ہے اور علم ہو اور علم ہو حتیٰ کہ روکنا پڑا کہ تشابہات میں غور و فکر نہ کرنا (تا کہ امتحان ہو رکتا ہے یا نہیں) ظاہر ہے کہ حریص الدنیا مذموم ہے اور حریص العلم محمود ہے لہذا اس کو حاصل کرنا چاہئے۔

قوله' روی البیهقی هی الاحادیث الثلثه فی شعب الایمان امام احمد نے حدیث ابی الدرداء جس کا متن یہ ہے ماحد العلم الذی اذا بلغه الخ کے بارے میں فرمایا کہ اس کا متن تو مشہور ہے مگر اس کی اسناد صحیح نہیں ہیں۔ اگرچہ اس کی سندیں صحیح نہیں ہیں لیکن تعدد سند ہے تو اس تعدد سند کی وجہ سے حدیث صحیح لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے لہٰذا علم دین کی فضیلت پر اس سے استدلال صحیح ہے۔

وَعَنْ عَوْنٍ قَالَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍؓ مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَ صَاحِبُ الدُّنْيَا
حضرت عونؓ سے روایت ہے کہا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا دو حریص ہیں کہ سیر نہیں ہوتے ایک صاحب علم اور دوسرا صاحب دنیا
وَلَا يَسْتَوِيَانِ اَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضًى لِلرَّحْمٰنِ وَاَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَارٰى فِي الطُّغْيَانِ
اور دونوں برابر نہیں ہیں۔ صاحب علم خدا کی رضامندی میں زیادہ ہوتا ہے اور صاحب دنیا وہ سرکشی زیادہ کرتا ہے
ثُمَّ قَرَاَ عَبْدُاللّٰهِ كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى قَالَ وَقَالَ الْاٰخِرُ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ
پھر حضرت عبداللہؓ نے یہ آیت پڑھی تحقیق آدمی سرکشی کرتا ہے اس لئے کہ اس نے اپنے تئیں دیکھا بے پرواہ کہا عون نے اور دوسرے کے متعلق یہ
عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا. (رواه الدارمی)
آیت پڑھی سوائے اس کے نہیں اللہ سے اس کے بندوں میں سے عالم ڈرتے ہیں۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا دو حریص ایسے ہیں جو سیر نہیں ہوتے۔

(۱) حریص علم (۲) حریص دنیا لیکن ثمرہ ہر دونوں کا الگ الگ ہے حریص علم کا ثمرہ خشیت الٰہی ہے اور خشیت الٰہی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور تقویٰ ہی اللہ کے ہاں محبوب ہونے کا مدار ہے۔ ان اکرمکم عندالله اتقاکم۔ اور حرص دنیا کا ثمرہ طغیانی اور سرکشی ہے عمومی طور پر ورنہ عبدالرحمٰن جیسے بھی ہیں بطور استشہاد کے حضرت عبداللہؓ نے دو آیتیں تلاوت فرمائیں کلا ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنی۔ اس بات کے استشہاد کے لئے کہ حرص دنیا کا ثمرہ طغیان و سرکشی ہے۔ دوسری آیت (الآخر ای قال آیۃ الآخر یا الاستدلال الآخر) انما یخشی

الله من عباده العلمآء اس بات کے استشہاد کے لئے کہ حرص علم کا ثمرہ خشیت الٰہی ہے۔ خشیت سبب ہے تقویٰ کا اور کہو کہ علم جب ہے تقویٰ کا ثمرہ تو اس کو بتلانے کے لئے یہ آیت پڑھی انما یخشی الله من من عباده العلماء الخ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُنَاسًا مِنْ اُمَّتِيْ سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ دین میں سمجھ حاصل کریں گے
وَيَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَقُوْلُوْنَ نَاْتِي الْاُمَرَاءَ فَنُصِيْبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا وَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ
اور قرآن پڑھیں گے وہ کہیں گے ہم امراء کے پاس جائیں اور ان کی دنیا سے پہنچیں اور اپنے دین کو ان سے یکسو رکھیں گے اور ایسا نہیں ہو سکتا
كَمَا لَا يُجْتَنٰى مِنَ الْقَتَادِ اِلَّا الشَّوْكُ كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنٰى مِنْ قُرْبِهِمْ اِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ
جس طرح خاردار درخت سے نہیں چنا جاتا مگر کانٹا اسی طرح ان کی نزدیکی سے نہیں چنے جاتے مگر محمد بن صباح نے کہا گویا کہ
كَاَنَّهُ يَعْنِي الْخَطَايَا. (رواه ابن ماجة)
وہ گناہوں کو مراد رکھتے تھے۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

تشریح: حاصل حدیث۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے کچھ علماء ایسے ہوں گے جو علم دین حاصل کریں گے اور قرآن کی تلاوت کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی آمد و رفت ظالم حکمرانوں کے ساتھ بھی ہوگی۔ فاسق و فاجر امراء کے ساتھ اختلاط اور آنا جانا ہوگا۔ لوگ پوچھیں گے کہ یہ کیا چکر ہے تو یہ علماء کہیں گے ہمارا ان حکمرانوں کے پاس آنا جانا سیاسی ہے۔ دنیوی غرض کے لئے ہے رفاع عامہ کے لئے ہے ہم اپنے دین کو اس سے متاثر نہیں ہونے دیں گے۔ دین پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا کہ ظالم فاسق و فاجر حکمرانوں کے ساتھ آمد و رفت بھی ہو اور دین متاثر نہ ہو۔ نیز اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبیہ المعقول بالمحسوس کے ساتھ سمجھایا کہ ایک آدمی خاردار کانٹے دار درخت پر ہاتھ لگائے اس کے قریب ہو تو اس کو سوائے کانٹے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس کا نقصان ہوگا اسی طرح ظالم حکمران کے پاس جب علماء جائیں گے تو ان علماء کو بھی نقصان ضرور ہوگا کیونکہ صحبت کے اثرات ہوا کرتے ہیں۔

یہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشبہ بہ کے اندر الا کے بعد مستثنیٰ کو مقدر کیوں کیا اس کی دو وجہ ہیں یا تو بوجہ ظہور و وضوح کے مقدر کر دیا یا عموم کو بتلانے کے لئے یا شدت مضر کو بتلانے کے لئے کہ ظالم حکمرانوں کے پاس آنے جانے سے مضرتیں ہی مضرتیں ہیں کس کو بیان کریں کس کو نہ کریں اتنی مضرتیں ہیں کہ ان کا شمار بیان سے باہر ہیں۔ تو اس عموم کو بتلانے کے لئے مستثنیٰ الخطایا کو حذف کر دیا۔ باقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے الا کے بعد مستثنیٰ کو مقدر کہا یاد رکھنا کہ ان ظالم حکمرانوں کو ان کی اصلاح کی نیت سے ان کے پاس آنا جانا تا کہ وہ اپنے ظلم سے باز آجائیں زیادہ ظلم نہ کریں۔ یہ مستثنیٰ ہے ورنہ خلفاء راشدین جیسے حکمرانوں کے پاس آنا جانا نیز ان کی زیارت بھی تو قوت ایمان کا ذریعہ ہے لہذا صحابہ کرامؓ اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اس حدیث کی زد میں نہیں آئیں گے اس حدیث کا مصداق فاسق و فاجر ظالم حکمران ہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْعِلْمِ صَانُوا الْعِلْمَ وَوَضَعُوْهُ عِنْدَ اَهْلِهٖ لَسَادُوْا بِهٖ اَهْلَ
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ اگر اہل علم اپنے علم کی حفاظت کریں اور اس کو اس کے اہل کے
زَمَانِهِمْ وَلٰكِنَّهُمْ بَذَلُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْيَا لِيَنَالُوْا بِهٖ مِنْ دُنْيَاهُمْ فَهَانُوْا عَلَيْهِمْ سَمِعْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى
نزدیک رکھیں۔ اس کے ساتھ زمانہ والوں کے سردار بن جائیں لیکن انہوں نے اس کو اہل دنیا کیلئے خرچ کیا تا کہ اس کے سبب اس کی دنیا حاصل
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ اٰخِرَتِهٖ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّ دُنْيَاهُ وَمَنْ تَشَعَّبَتْ
کریں وہ دنیا داروں پر ذلیل ہو گئے۔ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس نے اپنے تمام مقصود کو

بِهِ الْهُمُوْمُ (فِي) اَحْوَالِ الدُّنْيَا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِي اَيِّ اَوْدِيَتِهَا هَلَكَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ
صرف آخرت کا مقصد بنالیا اللہ تعالیٰ دنیا کے مقصود سے اس کو کفایت کرتا ہے جسکے قصد پراگندہ ہوگئے کہ حالات دنیا کے ہیں اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا کہ دنیا کے
فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مِنْ قَوْلِهِ مَنْ جَعَلَ الْهُمُوْمَ اِلٰى اٰخِرِهٖ.
کس جنگل میں وہ ہلاک ہو۔ روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے اور روایت کیا ہے بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عمرؓ سے انکے قول من جعل الھموم الی اخرہ تک

تشریح: حاصل حدیث۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ علم سیادت وسرداری وفوقیت اور مقتداء بننے کا ذریعہ ہے (واقعی جو علماء ربانیین ہیں وہ مقتدا ہیں) بشرطیکہ وہ علم کی حفاظت کرتا ہو اور علم کی حفاظت یہ ہے کہ اس کے مقتضی پر عمل کرنا اور علم کے اہل کو پڑھانا نااہل کو نہ پڑھانا۔ علم کا اہل وہی ہے جو صحیح غرض سے پڑھ رہا ہو اور جو صحیح غرض سے نہ پڑھ رہا ہو وہ نااہل ہے۔ قرائن کے ذریعہ پتہ چل جاتا ہے اس کو نہیں پڑھانا چاہئے آگے شکوہ کیا کہ اگر یہ لوگ علم کی حفاظت کرتے تو یہ اپنے اہل زمانہ پر سردار بن جاتے۔

لیکن انہوں نے اہل دنیا کے لئے اس کو ضائع کیا تاکہ اس علم کے ذریعہ دنیا کے مفاد حاصل کریں پس جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ذلیل ہوگئے۔ یہ اپنے دور کے تابعین علماء کے اعتبار سے کہا کیونکہ ان میں ملے جلے لوگ تھے علماء ربانیین بھی تھے اور غیر ربانیین بھی تھے دونوں کو سامنے رکھ کر فرمایا۔

حدیث کے آخری حصہ میں فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا الخ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ علم سے مقصود فکر آخرت ہونی چاہئے اور جو فکر آخرت کو اپنا قصہ بنالیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی کفایت کرتے ہیں۔ اللہ اس کی مدد کرتے ہیں اس کی ضروریات کو اپنے ذمہ لے لیتے ہیں اور جو اپنا مقصد فکر آخرت کو نہیں بناتا بلکہ احوال دنیا کو مقصد اور فکر بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی کفایت بھی نہیں کرتے وہ دنیا میں پریشان رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پرواہ بھی نہیں کرتے کہ کون سے جنگل میں جا کر مرا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰفَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ وَاِضَاعَتُهٗ اَنْ تُحَدِّثَ
حضرت اعمشؒ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم کی آفت بھولنا ہے اور اس کا ضائع کرنا یہ ہے کہ تو نااہل کے
بِهٖ غَيْرَ اَهْلِهٖ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا.
روبرو اسے بیان کرے۔ روایت کیا اس کو دارمی نے مرسل

تشریح: حاصل حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم کی آفت بھول جانا ہے اور اس کو ضائع کرنا یہ ہے کہ اس کو نااہل کے سامنے بیان کرنا۔

سوال۔ نسیان تو غیر اختیاری چیز ہے جواب:۔ نسیان کے اسباب تو اختیاری ہیں اب معنی یہ ہوگا کہ نسیان کے اسباب سے عالم کو بچنا چاہئے اور نسیان کے اسباب یہ ہیں مثلاً مطالعہ نہ کرنا تکرار نہ کرنا علمی شغل کو چھوڑ کر غیر علمی شغل اختیار کر لینا۔ ایک اور سبب بھی ہے گناہ کرنا لہذا نسیان کے اسباب ظاہرہ و باطنہ دونوں سے عالم کو بچنا چاہئے۔

وَعَنْ سُفْيَانَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لِكَعْبٍ مَنْ اَرْبَابُ الْعِلْمِ؟ قَالَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
حضرت سفیانؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے کعبؓ سے صاحب علم کون ہیں جو عمل کریں اس چیز کے موافق
بِمَا يَعْلَمُوْنَ قَالَ فَمَا اَخْرَجَ الْعِلْمَ مِنْ قُلُوْبِ الْعُلَمَآءِ قَالَ الطَّمَعُ. (رواه الدرامی)
کہ جانیں کہا کون سی چیز علم کو علماء کے دلوں سے نکال دیتی ہے کہا طمع۔ روایت کیا اس کو دارمی نے

تشریح: حاصل حدیث: حدیث میں جب مطلق سفیان کا ذکر ہو تو اس سے مراد سفیان ثوری ہوتے ہیں۔ ثوری کہنے کی وجہ ماقبل میں گزر چکی ہے۔ بہرحال حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت کعبؓ سے پوچھا (امتحاناً کہ ان کو بھی پتہ ہے یا نہیں)

قوله' من اربا ب العلم علماء کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا الذین یعملون بما یعلمون جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہوں۔ دوسرا سوال کیا کہ کس چیز نے علم کی تاثیرات وبرکات کو علماء کے قلوب سے نکال دیا فرمایا لالچ نے لالچ بری بلا ہے۔

نکتہ:۔ طمع میں تینوں بے نقط حروف ہیں نقطوں سے خالی ہیں یہ دلالت کرتے ہیں جو ذات مجھ (لالچ) سے متصف ہو اس کا پیٹ بھی نہیں بھرے گا۔ لالچی نہیں ہونا چاہئے حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ایک حصہ تبلیغ اور تین حصے استغناء ہو تب جا کر تبلیغ موثر ہوگی۔

وَعَنِ الْاَحْوَصِ بْنِ حَکِیْمٍؒ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشَّرِّ فَقَالَ لَا

حضرت احوصؒ بن حکیم نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہا کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شر کے متعلق سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

تَسْئَلُوْنِیْ عَنِ الشَّرِّ وَسَلُوْنِیْ عَنِ الْخَیْرِ یَقُوْلُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَآءِ

نے فرمایا مجھ سے شر کے متعلق سوال نہ کرو بلکہ مجھ سے خیر کے متعلق دریافت کرو تین بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے پھر فرمایا خبردار

وَاِنَّ خَیْرَ الْخَیْرِ خِیَارُ الْعُلَمَآءِ. (رواہ الدارمی)

بروں کے بدترین برے علماء ہیں اور بھلوں کے بہترین بھلے علماء ہیں۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث قوله' عن الشر ای عن رجل الشر قرینہ مابعد میں شرار العلماء ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے رجل شر کے متعلق سوال۔ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لایسئلونی عن الشر و سلونی عن الخیر یہ تین مرتبہ فرمایا۔ پھر فرمایا کہ بروں میں سے سب سے بدترین برے علماء سوء ہیں۔ اور اچھوں میں سے سب سے اچھے علماء ربانیین ہیں۔ اگر علماء ربانین ہیں تو سب سے اچھے تمام مخلوق میں جو خیر ہے ان میں سے سب سے بہترین اور اچھے ہیں اور اگر علماء سوء ہیں تو تمام مخلوق شر میں سے سب سے بدترین ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عالم کا فساد اور عالم کا صلاح وابستہ ہے۔ فساد عالم اور صلاح عالم کے ساتھ اسی واسطے کہا گیا ہے زلة العالم فساد العالم. موت العالم موت العالم۔ اور عبداللہ بن مبارک نے کہا هل افسدت الدین الاالملوک واحبار سوء ها و رهبانها۔

یہاں خیر اور شر کے تین تین معنے ہیں۔ خیر کے تین معنے۔ (۱) اچھائی بھلائی (۲) مرد نیک (۳) نیک ترین۔ شر کے تین معنے (۱) برائی (۲) مرد بد (۳) بدترین ہے۔ شر سب سے بدترین ہے۔ اور اسی طرح خیر میں نیک ترین مراد ہے۔

وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِؓ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَاللّٰهِ مَنْزِلَةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمٌ لَا یَنْتَفِعُ بِعِلْمِهٖ.(رواہ الدارمی)

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہا کہ بدترین لوگوں کے قیامت کے دن اللہ کے نزدیک مرتبہ میں ایسا عالم ہے جس نے اپنے علم سے نفع حاصل نہ کیا روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث اس حدیث میں وعید شدید کا بیان ہے عالم غیر عامل کیلئے لاینتفع به بصیغہ معروف بھی اور بصیغہ مجہول بھی ہے۔ اگر معروف (لاینتفع) کا صیغہ ہو تو معنی یہ ہوگا کہ لوگوں میں سے بدترین اللہ کے ہاں از روئے مرتبہ کے قیامت کے دن وہ عالم ہوگا جو اپنے علم سے نفع حاصل نہ کرے اس صورت میں عالم غیر عامل کے لئے وعید شدید کا بیان ہوگا۔ اور اگر مجہول (لاینتفع) کا صیغہ ہو تو معنی یہ ہوگا وہ عالم بدترین ہے جو کہ جس کے علم کے ذریعہ نفع نہ اٹھایا جائے اس صورت میں عالم غیر مدرس کے لئے وعید شدید کا بیان ہوگا کہ علم حاصل کرنے کے بعد غیر علمی شغل میں مصروف ہو گیا۔ مطالعہ تک چھوڑ دیا پڑھانا چھوڑ دیا۔ سکول وغیرہ میں پڑھانے چلا گیا۔ وغیرہ اور علمی مشاغل میں تعمیم ہے خواہ تدریس ہو یا وعظ ہو یا تبلیغ ہو وغیرہ۔

وَعَنْ زِیَادِ بْنِ حُدَیْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ لِیْ عُمَرُ هَلْ تَعْرِفُ مَا یَهْدِمُ الْاِسْلَامَ قُلْتُ لَا قَالَ

حضرت زیاد بنؓ حدیر سے روایت ہے کہا کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا کیا تو جانتا ہے اسلام کو کون سی چیز گرا دیتی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا

یَهْدِمُهٗ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْکِتَابِ وَحُکْمُ الْاَئِمَّةِ الْمُضِلِّیْنَ. (رواہ الدارمی)

اسے گرا دیتا ہے عالم کا پھسلنا اور منافق کا جھگڑنا کتاب اللہ کے ساتھ اور گمراہ سرداروں کا حکم کرنا روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جو اسلام کی عمارت کو ڈھا دینے والی ہیں۔

۱-عالم کا پھسلنا ۲-منافق کا کتاب اللہ سے جھگڑا کرنا یعنی شکوک وشبہات پیدا کرنا۔ ۳-گمراہ کن امراء کا حکم (فیصلے)

وَعَنِ الْحَسَنِؓ قَالَ الْعِلْمُ عِلْمَان فَعِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذَاکَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ فَذٰلِکَ
حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہا کہ علم دو ہیں ایک علم دل میں ہے یہ علم نافع اور ایک علم زبان پر ہے یہ ابن آدم پر
حُجَّةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ. (رواه الدرامی)
اللہ عزوجل کی حجت ہے روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث علم دوقسم پر ہے (۱) قلب کا علم۔ یہ علم نافع ہے (۲) اور علم علی اللسان۔ یہ ابن آدمؑ پر حجت اللہ کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا علم نافع حاصل کرو اور علم نافع وہ ہے جس کے مقتضیٰ پر عمل ہو جس کی تاثیر دل تک پہنچی ہوئی ہو۔ جس کی تاثیر دل تک نہ پہنچے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل نہ ہو وہ زبانی علم ہے۔ نافع نہیں۔ لہٰذا اس سے بچو۔

وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَؓ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَائَيْنِ فَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهٗ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن یاد رکھے ہیں۔ ان میں سے ایک میں نے تم میں
فِيْكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْمُ يَعْنِي مَجْرَى الطَّعَامِ. (رواه البخاری)
پھیلا دیا ہے اور دوسرا اگر پھیلاؤں تو یہ گلا کاٹ دیا جائے یعنی جگہ جاری ہونے طعام کی۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: حاصل حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوقسم کے علم حاصل کئے ہیں۔ (دعائین سے مراد علمین ہیں) ایک تو میں نے تم میں پہنچا دیا اور دوسرا اگر میں تم کو پہنچا دوں تو خوف کی وجہ سے یہ بلعوم کاٹ دی جائے اس پر تو اتفاق ہے کہ جو علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہریرہ تک پہنچا دیا ہے وہ علم علم تشریعی ہے اور جو نہیں پہنچایا جس کے بارے میں فرمایا کہ اگر میں (ابو ہریرہؓ) اس کو تمہارے سامنے بیان کردوں تو مجھے خوف ہے کہ تم میری گردن کاٹ دو۔ وہ کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔

صوفیاء اس کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد علم تصوف ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے امور تکوینیہ کا علم ہے کہ فلاں کی موت کب آئی ہے حتی کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو اس قوم کے افراد کے ناموں کا بھی علم تھا چنانچہ ہوسکتا ہے کہ اس سے حضرت ابو ہریرہؓ کی مراد ہی علم ہو جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اگر میں اسے لوگوں کے سامنے بیان کردوں گا تو میری جان کو خطرہ ہوگا وغیرہ۔ لیکن نہ یہ مراد ہے اور نہ وہ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد فتنوں کا علم ہے۔ جس طرح کہ حضرت حذیفہؓ کو فتنوں کا علم بتلایا گیا اسی طرح ابو ہریرہؓ کو بھی بتلایا گیا مگر ابو ہریرہؓ خوف کی بناء پر اس کو صراحۃً بیان نہیں کرتے تھے لیکن کبھی اشارۃً بیان فرما بھی دیتے تھے۔

سوال: یہ تو کتمان علم ہو گیا اور کتمان علم تو حرام ہے؟ جواب: کتمان علم کی وعید اس کے بارے میں ہے جس کا بتلانا ضروری ہو علم شرعی ہو۔ چونکہ اس کا علم بتلانا ضروری نہیں تھا اس لئے یہ کتمان علم والی وعید کے تحت داخل نہیں ہوگا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَعْلَمْ فَلْيَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ
حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہا کہ اے لوگو جو شخص جانے کچھ پس اس کو کہے اور جو نہ جانے پس کہے اللہ زیادہ جانتا ہے
فَاِنَّ مِنَ الْعِلْمِ اَنْ تَقُوْلَ لِمَا لَا تَعْلَمُ اَللّٰهُ اَعْلَمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِنَبِيِّهٖ قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ
پس تحقیق علم سے ہے یہ کہنا تو جسے نہیں جانتا کہہ دے کہ اللہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کیلئے فرمایا ہے کہہ میں اوپر اس قرآن کے کچھ
اَجْرٍ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
بدلہ تم سے نہیں مانگتا اور نہیں ہوں میں تکلف کرنے والوں سے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غلط مسئلہ بتانے سے گریز کرنا چاہئے جو نہ آتا ہو اس کے بارے میں صاف کہہ دینا چاہئے کہ مجھے نہیں آتا الله و رسوله اعلم کہہ دینا چاہئے کیونکہ یہ بھی ایک علم ہے۔

وَعَنِ بْنِ سِيْرِيْنَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ قَالَ اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ. (صحيح مسلم)
حضرت ابن سیرین سے کہا تحقیق یہ علم دین ہے پس دیکھو کس شخص سے لیتے ہو تم اپنے دین کو روایت کیا اس کو مسلم نے

تشریح: حاصل حدیث۔ پہلا مطلب ابن سیرینؒ نے کہا یہ علم دین دین ہے کوئی صنعت وحرفت نہیں دنیا کا کام نہیں لہٰذا ہر شخص سے حاصل نہیں کرنا چاہئے تم غور وفکر کرو کس سے دین حاصل کر رہے ہو۔ رافضی سے فاسق وفاجر سے علم حاصل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔

دوسرا مطلب:۔ احادیث کو بیان کرنا یہ بھی دین ہے لہٰذا تم غور وفکر کرو کس سے روایت لے رہے ہو یعنی جس سے روایت لو ان کے حالات کو پرکھ کر رواۃ کے حالات کی خوب چھان بین کرنا چاہئے کہ حدیث قابل اعتماد ہے یا نہیں۔ افراد کیسے ہیں وغیرہ۔ اسماء الرجال کو خوب پرکھو۔ کیونکہ یہ بھی علم دین ہے۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْقُرَّآءِ اسْتَقِيْمُوْا فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيْدًا وَّاِنْ اَخَذْتُمْ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا
حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہا اے قاریوں کے گروہ سیدھا رہو تم دور کی پیش دستی دیئے گئے ہو اگر تم دائیں بائیں
لَقَدْ ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا. (صحيح البخاری)
ہو جاؤ گے تم گمراہ ہو گے گمراہ ہونا دور کا۔

تشریح: حاصل حدیث: قراء اس زمانے میں علماء ہوتے تھے اس لئے یہاں علماء مراد ہیں اصطلاحی قراء مراد نہیں۔ حضرت حذیفہؓ نے اپنے زمانے کے علماء کو نصیحت کی کہ اے علماء تم کو سبقت حاصل ہے۔ قوله سبقتم معروف کے ساتھ کہ تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست علم حاصل کیا لہٰذا تم متبوع ہو گے۔ اس لئے تم استقامت اختیار کرو آنے والے لوگ تمہارے تابع ہوں گے تم متبوع ہو گے لہٰذا تم اگر ثابت قدم رہو گے تو تمہارے بعد والے بھی ثابت قدم رہیں گے۔ اگر تم نے یمین وشمال سے لیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے دور کی گمراہی۔

دوسرا نسخہ مجہول کا ہے سبقتم اب اس کا مطلب یہ ہے کہ ثابت قدم ہونا کوئی نئی چیز نہیں ہے تم سے پہلے بھی لوگ ثابت قدم رہ چکے ہیں لہٰذا تم بھی ان کی طرح ثابت قدم رہو۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ حُبِّ الْحُزْنِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ جب الحزن سے پناہ پکڑو۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ کے
اللّٰهِ وَمَا حُبُّ الْحُزْنِ قَالَ وَادٍ فِىْ جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ يَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ
رسول حب الحزن کیا ہے فرمایا جہنم میں ایک وادی ہے جہنم اس سے ہر روز چار سو مرتبہ پناہ مانگتا ہے۔ صحابہؓ نے کہا اللہ کے رسول
اللّٰهِ وَمَنْ يَّدْخُلُهَا قَالَ الْقُرَّاءُ الْمُرَاءُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَكَذَا بْنُ مَاجَةَ زَادَ فِيْهِ وَاِنَّ
اس میں کون داخل ہوں گے فرمایا۔ پڑھنے والے اپنے اعمال کا دکھلاوا کرنے والے روایت کیا اس کو ترمذی نے اور اسی طرح ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس
مِنْ اَبْغَضِ الْقُرَّآءِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى اَلَّذِيْنَ يَزُوْرُوْنَ الْاُمَرَآءَ قَالَ الْمُحَارِبِيُّ يَعْنِى الْجَوَرَةَ. (رواه الجامع ترمذی وابن ماجة)
میں زیادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت برے قاریوں میں سے وہ ہیں جو امراء کی ملاقات کرتے ہیں محاربی نے کہا اس سے ظالم امراء مراد ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حب الحزن سے اللہ کی پناہ مانگو۔ صحابہؓ نے عرض کیا حب الحزن کیا ہے فرمایا جہنم کی ایسی وادی ہے کہ جہنم کا ایسا خطہ (حصہ ٹکڑا) ہے کہ جس سے دوسری جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اس میں کون داخل ہوگا فرمایا وہ علماء جو اپنے اعمال کے ساتھ ریا کاری کرنے والے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ریا کار جہنم کے ایسے

حصہ میں ڈالے جائیں گے جس سے باقی دوسری جہنم بھی پناہ مانگتی ہے باقی یہاں کفار کی جہنم مراد نہیں بلکہ عصاۃ من المسلمین کی جہنم مراد ہے کفار کی جہنم تو اس سے بھی اشد ہوگی۔ **قولہ' یزوررون الامراء**:۔سرداروں سے ملاقات کا مطلب یہ ہے کہ جوقاری سرداروں سے محض حب جاہ اور دنیاوی طمع ولالچ کی خاطر ملتا ہے وہ خدا کے نزدیک مبغوض ترین ہے ہاں اگر سرداروں سے ملنا۔ **امر بالمعروف والنھی من المنکر** کیلئے ہوتو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔نیز یہاں سرداروں سے وہی سردار مراد ہیں جوظالم اور جابر ہوں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَّأْتِيَ عَلَى النَّاسِ
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے نہیں باقی رہے گا۔اسلام مگر
زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ
نام اس کا اور نہ باقی رہے گی قرآن سے مگر رسم اس کی۔ان کی مسجدیں آباد ہوں گی اور حقیقت میں ہدایت سے خالی ہوں گی۔ان کے علماء
خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَآءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ.
آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہیں ان کے نزدیک سے فتنہ نکلے گا اور ان میں لوٹ آئے گا روایت کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

تشریح: حاصل حدیث: حدیث کے ابتدائی حصہ میں فرمایا کہ اخیر میں ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں اسلام کی اصطلاح باقی رہ جائیں گی حقیقت باقی نہیں رہیں گے وجود اسمی باقی رہے گا۔دوسرے حصہ میں فرمایا کہ قرآن کے نقوش باقی رہ جائیں گے لیکن حقائق دل میں باقی نہیں رہیں گے۔کوئی عمل اس پرنہیں ہوگا۔اور مسجدیں تعمیر کے اعتبار سے بلندوبالا ہوں گی اور پختہ ہوں گی لیکن آثار ہدایت وغیرہ کے اعتبار سے ویران ہوں گی۔اس قسم کے زمانے کے لوگوں کے جوعلماء ہوں گے سطح آسمانی کے نیچے رہنے والی مخلوق میں سے سب سے زیادہ برے ہوں گے کیونکہ فساد عالم وابستہ ہے فساد عالم کے ساتھ انہی علماء سے فتنے نکلیں گے اورانہی میں لوٹیں گے یعنی انہی علماء سوء کے تعاون سے ظالم فاسق وفاجر حکمران امراء عہدوں پرآئیں گے اورانہی علماء کوگاجرمولی کی طرح کچل دیں گے اورکاٹ کررکھ دیں گے۔

وَعَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَقَالَ ذٰلِكَ عِنْدَ اَوَانِ ذَهَابِ
حضرت زیادؓ بن لبید سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کا ذکر کیا فرمایا یہ علم جاتے رہنے کا وقت ہے میں نے کہا اللہ کے رسول
الْعِلْمِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَنُقْرِئُهُ اَبْنَاءَ نَا وَ يُقْرِئُهُ اَبْنَاءُ نَا
علم کیسے جاتا رہے گا جبکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں ہمارے بیٹے اپنے بیٹوں کو پڑھائیں گے
اَبْنَاءَ هُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ زِيَادُ اِنْ كُنْتُ لَاَرَاكَ مِنْ اَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ
قیامت کے دن تک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری ماں تجھ کو گم کرے اے زیاد میں تجھ کو مدینہ کا
اَوَلَيْسَ هٰذِهِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصَارٰى يَقْرَؤُوْنَ التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ لَا يَعْمَلُوْنَ بِشَيْءٍ مِمَّا فِيْهِمَا.
سمجھ دار آدمی گمان کرتا تھا۔ یہ یہودی اور عیسائی تورات اور انجیل پڑھتے ہیں لیکن ان میں جو کچھ ہے اس پر عمل نہیں کرتے
رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ نَحْوَهٗ وَ كَذَا الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ.
روایت کیا اس کو احمد نے اور ابن ماجہ نے اور ترمذی نے بھی اس کو روایت کیا ہے اسی طرح اور دارمی نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے اندر واقع ہونے والے فتنوں میں سے سب سے اہم فتنہ کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ فتنہ تب واقع ہوگا تب وجود میں آئے گا جب علم کے اٹھ جانے کا وقت ہوگا جب علم اٹھ جائے گا۔اس پر حضرت زیاد

بن لبیدؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ علم کیسے اٹھ جائے گا حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے بیٹے اپنی اولادوں کو پڑھائیں گے ھلم جراً یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا او ہو! اے زیاد میں تو تجھ کو مدینہ کے مردوں میں سے سب سے زیادہ سمجھدار سمجھتا اور گمان کرتا تھا تمہاری سمجھداری کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ تم رفع علم کی صورت کو سمجھ لیتے پھر فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کو نہیں دیکھتے وہ تورات و انجیل پڑھتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ جب ان کا عمل تورات و انجیل کے مطابق نہیں تو اس لئے ان کو تورات نے کوئی فائدہ نہ دیا۔ الغرض حضرت زیاد بن لبیدؓ کے شبہ کے دو جواب ہو سکتے تھے کہ

(۱) محض پڑھنے پڑھانے سے کوئی فہم تو لازم نہیں ہے۔ (۲) چلو فہم تو ہو گیا لیکن اس کے مطابق عمل نہ ہو یہ بھی رفع علم کی صورت ہے۔ حضرت زیاد بن لبیدؓ پہلی صورت سمجھے ہوئے تھے فرمایا نہیں ذھاب علم کی صورت یہ ہے کہ لفظ باقی رہ جائیں گے عمل نہیں ہوگا۔ اصل یہی ہے۔

قوله' ثکلتک امک تعجب کے وقت بولا جاتا ہے۔ زیاد اصل میں یازیاد **ان مخففه من المثقله** ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ
حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علم سیکھو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دو۔
تَعَلَّمُوْا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوْهَا النَّاسَ تَعَلَّمُوْا الْقُرْاٰنَ وَعَلِّمُوْهُ النَّاسَ فَاِنِّیْ امْرُءٌ مَقْبُوْضٌ وَالْعِلْمُ سَیُقْبَضُ
علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو اسکی تعلیم دو۔ قرآن سیکھو اور لوگوں کو اسکی تعلیم دو تحقیق میں ایک شخص ہوں قبض کیا جاؤں گا اور علم بھی قبض ہو جائیگا فتنے ظاہر ہونگے
وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ حَتّٰی یَخْتَلِفَ اثْنَانِ فِیْ فَرِیْضَةٍ لَّا یَجِدَانِ اَحَدًا یَّفْصِلُ بَیْنَهُمَا. (رواه الدارمی والدار قطنی)
یہاں تک کہ دو شخص فرض چیز میں جھگڑا کریں گے اور کسی کو نہ پائیں گے جو ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ روایت کیا اس کو دارمی اور دارقطنی نے۔

تشریح: حاصل حدیث :۔ فرمایا علم و فرائض و قرآن سیکھو اور سکھاؤ پڑھو اور پڑھاؤ۔ کیونکہ میں اٹھا لیا جاؤں گا یعنی میری روح قبض کر لی جائے گی۔ **قوله' والعلم** سے مراد وحی ہے۔ یعنی وحی آنا بھی بند ہو جائے گی۔ اور فتنوں کا دور دورہ ہوگا یہاں تک کہ دو آدمی ایک فریضہ میں جھگڑا کریں گے تو ان کے درمیان کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوگا۔ ایسا آدمی نہیں پائیں گے جو ان کے درمیان فیصلہ کرے گا یا تو جہالت کی وجہ سے یا فتنوں کا دور ہوگا۔ ڈر کی وجہ سے ظاہر ہے کہ ایک کے حق میں فیصلہ ہوگا اور ایک کے خلاف ہوگا تو جس کے خلاف ہوگا وہ اس کی گردن اڑا دے گا اس ڈر کی وجہ سے وہ فیصلہ نہیں کریگا۔ جب فرائض کا یہ حال ہے تو باقیوں کا کیا حال ہوگا۔

قوله' تعلموا الفرائض میں دو احتمال ہیں۔ (۱) مطلق احکام (۲) احکام میراث وغیرہ۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ عِلْمٍ لَّا یُنْتَفَعُ بِهٖ کَمَثَلِ کَنْزٍ لَّا
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ علم جس سے نفع حاصل نہ کیا جائے
یُنْفَقُ مِنْهُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. (رواه مسند احمد بن حنبل والدارمی)
اس خزانے کی مثل ہے جسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے روایت کیا اس کو احمد اور دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث فرمایا اس علم کی مثال جس سے نفع حاصل نہ کیا جائے مثل اس خزانہ کے ہے وہ کالعدم جس طرح وہ خزانہ جس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہ کیا جائے وہ کالعدم ہوتا ہے اسی طرح وہ علم جس سے نفع نہ اٹھایا گیا ہو وہ بھی کالعدم ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ خزانہ جس سے اللہ کے راستے میں خرچ نہ کیا گیا ہو وہ غیر مفید ہوتا ہے۔ تو علم بے عمل خزانہ غیر مفید کی طرح ہے۔ علم باعمل خزانہ مفید کی طرح ہے تو اپنے علم کو مفید بنانا چاہئے علم مفید بنے گا جب علمی شغل کو اختیار کیا جائے۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

كِتَابُ الطَّهَارَةُ

پاکیزگی کا بیان

علم دین کا مقتضیٰ یہ ہے کہ امور دینیہ کو عمل میں لائے۔ امور دینیہ دو قسم پر ہیں۔(۱) عبادات (۲) معاملات۔ بنسبت معاملات کے عبادات زیادہ اہم ہیں۔(یا بعنوان آخر اعمال دو قسم پر ہیں حقوق اللہ۔(۲) حقوق العباد۔ حقوق العباد سے حقوق اللہ افضل ہیں اہم نہیں) عبادات کے افضل ہونے کی وجوہات (۱) اس لئے کہ مقصد تخلیق انسانی عبادات ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے۔ وماخلقت الجن والانس الالیعبدون۔(۲) عبادت روحانی غذا ہے اور روح جسم سے زیادہ اہم ہے اس لئے عبادت اہم ہے۔ اور پھر عبادات میں سے سب سے اہم نماز ہے اس کی کئی وجہیں ہیں (۱) اول بحسب الفرضية اول مايجب على المكلف (۳) قرین ایمان ہونے کی وجہ سے (۴) افضل الاعمال ہونے کی وجہ سے (۵) عماد الدین ہونے کی وجہ سے یا اس کو اس طرح تعبیر کرلو۔

نماز ام العبادات ہے۔ نصا وجوباً فعلاً فضلاً۔ نماز نصا الذين يومنون بالغيب ويقيمون الصلوٰة ایمان کے بعد صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ وجوباً ایمان کے ساتھ صلوٰۃ کا ذکر فرمایا اس لئے کہ سب سے پہلے نماز فرض ہوئی۔

(۳) فعلاً۔ اول مايجب على المكلف ہونے کے اعتبار سے۔

(۴) فضلاً افضل الاعمال ہونے کے اعتبار سے اور عماد الدین ہونے کے اعتبار سے۔

طہارت کو مقدم کرنیکی وجہ:۔ ام العبادات یعنی صلوٰۃ کے لئے سب سے اہم شرط طہارۃ ہے۔ اور شرط الشئی شئی پر مقدم ہوتی ہے اسی لئے کتاب الصلوٰۃ سے پہلے کتاب الطہارۃ کا عنوان قائم کیا گیا اور کتاب العلم کے بعد لائے۔

طہارت کے معنی اور اقسام:۔ طہارت کا معنی ہے نظافت۔ صفائی اور طہارت دو قسم پر ہے۔ طہارت ظاہرہ۔(۲) طہارت باطنہ پھر ہر دونوں دو قسم پر ہیں۔ طہارت ظاہرہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) حقیقیہ (۲) حکمیہ۔

حقیقیہ جیسے بدن پر یا کپڑے پر نجاست لگی ہوئی تھی اس کو دھولیا۔ حکمیہ جیسے بے وضو تھا وضو کرلیا نجاست زائل ہوگئی۔

طہارت باطنہ کی دو قسمیں ہیں (۱) باطنہ قلبیہ (۲) باطنہ قالبیہ۔ قلبیہ قلب کا عقائد فاسدہ سے کفر و شرک سے پاک ہونا حتی کہ ماسوا اللہ سے پاک ہونا۔ جس کو توحید کہتے ہیں۔ قالبیہ۔ جوارح کا اعضاء کے گناہوں سے پاک ہونا۔ اس عنوان کے تحت مقصود بالذات پہلی دو قسموں کو بیان کرنا ہے اور اس کے تحت ضمناً آخری دو قسموں کا ذکر بھی آجائے گا گویا کل چار قسمیں ہوگئیں۔ (۱) ظاہرہ حقیقیہ (۲) ظاہرہ حکمیہ (۳) باطنہ قلبیہ۔(۴) باطنہ قالبیہ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَان
حضرت ابو مالکؓ اشعری سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاک رہنا آدھا ایمان ہے
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاُ الْمِيْزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَاُ مَا بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اور الحمدللہ کہنا میزان کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ اور الحمدللہ بھر دیتے ہیں یا فرمایا بھر دیتا ہے اس چیز کو کہ جو زمین

وَالصَّلٰوۃُ نُوْرٌ وَّالصَّدَقَۃُ بُرْھَانٌ وَّالصَّبْرُ ضِیَآءٌ وَّالْقُرآنُ حُجَّۃٌ لَّکَ اَوْ عَلَیْکَ کُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْا

آسمان کے درمیان ہے اور نماز نور ہے اور صدقہ کرنا دلیل ہے اور صبر کرنا روشنی ہے اور قرآن حجت ہے تیرے لئے یا تجھ پر ہر شخص صبح کرتا ہے

فَبَآئِعٌ نَفْسَہٗ فَمُعْتِقُھَا اَوْ مُوْبِقُھَا رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ تَمْلَآنِ مَا بَیْنَ

پس بیچتا ہے اپنی جان کو بس آزاد کرتا ہے یا اس کو ہلاک کرتا ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے ایک روایت میں ہے لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہنا زمین

السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَمْ اَجِدْ ھٰذِہِ الرِّوَایَۃَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَلَا فِیْ کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ وَلَا فِی الْجَامِعِ

و آسمان کے درمیان کو بھر دیتے ہیں۔ میں نے یہ روایت صحیحین میں اور حمیدی کی کتاب میں اور جامع الاصول میں نہیں پائی

وَلٰکِنْ ذَکَرَھَا الدَّارِمِیُّ بَدَلَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ.

لیکن اس کو دارمی نے ذکر کیا ہے سبحان اللہ اور الحمد للہ کی جگہ۔

تشریح: حاصل حدیث: حدیث کا پہلا حصہ۔

قولہ' الطھور اس کو شطر الایمان ہے۔ **قولہ' الطھور** دو طرح ضبط کیا گیا ہے بضم الطاء بفتح الطاء بعض نے دونوں کے درمیان فرق بھی بیان کیا کہ بضم الطاء مصدری معنی طہارت حاصل کرنا۔ بفتح الطاء ہو تو اس کا معنے ہے ما بہ الطہارۃ یعنی آلہ طہارت پانی (اور مٹی تیمم کی صورت میں) شیخ کی رائے یہ ہے کہ بفتح الطا بھی مصدری معنے میں ہے راجح یہی ہے۔

حدیث کا مضمون یہ ہے کہ طہارت نصف ایمان ہے۔ **الطھور شطر الایمان**۔ طہارت ایمان کا جزو ہے۔

سوال: طہارت کا معنی ہے **اصالۃ الماء علی البدن یا استعمال الشراب فی اعضاء المخصوصۃ** یہ عمل ظاہری ہے۔ اور ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا اور یہ عمل امر باطنی ہے۔ یہ طہارت عمل ظاہری ہے اور تصدیق امر قلبی ہے عمل ظاہری تصدیق قلبی کا کیسے جزو بن گئی۔

جواب۔ اس کی متعدد توجیہات بیان کی گئی ہیں۔

التوجیہ الاول۔ (۱) شطر کا معنی جس طرح جزو کا ہے اسی طرح شطر کا معنی نصف کا بھی ہے تو یہاں **شطر** بمعنی نصف کے ہے جیسے ایام حیض گزارنے والی کے بارے میں کہا گیا **شطر احداھن** اب معنی یہ ہوگا کہ طہارت ایمان کا نصف ہے یعنی طہارت کا اجر و ثواب ایمان کے اجر و ثواب کا نصف ہے۔

سوال۔ طہارت شرط ہے اور صلوۃ مشروط ہے خود مشروط (نماز جو کہ اصل مقصود ہے) تو یہ نماز کا اجر و ثواب کے نصف کے برابر نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ طہارت (جو کہ شرط ہے) کا اجر و ثواب ایمان کے اجر و ثواب کے نصف ہو جائے۔

جواب۔ طہارت کے اجر و ثواب کو علی وجہ المبالغہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یوں سمجھ لو کہ اتنا ثواب ملتا ہے اتنا ثواب ملتا ہے گویا کہ وہ ایمان کے اجر و ثواب کے نصف کے برابر ہو جاتا ہے۔ یا بعنوان آخر یوں کہا جائے کہ اجر دو قسم پر ہے۔

(۱) اجر اصلی کبھی شئی کی ذات کے اعتبار سے قیمت لگتی ہے۔ (۲) باعتبار عوارض کے۔ کبھی شئی کی عوارض کی وجہ سے قیمت لگتی ہے۔ مثلاً بسا اوقات دار کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اچھے جار ہونے کی وجہ سے یعنی اجر انعامی۔ اب ہم کہتے ہیں کہ طہارت کی جانب جو ثواب مراد ہے یہ انعامی ہے اور ایمان کی جانب جو ثواب مراد ہے وہ اصلی ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ طہارت کا جو اجر انعامی ہے یہ ایمان کے اجر و ثواب جو اصل ہے اس کا نصف ہے۔ اور ایمان کا اجر انعامی تو احاطہ بیان سے باہر ہے اور اس معنے میں کوئی استبعاد نہیں۔

التوجیہ الثانی: (۱) شطر بمعنی نصف کے ہے اب معنی یہ ہوگا کہ طہارت ایمان کا نصف ہے بایں طور کہ ایمان مکفر للصغائر والکبائر ہے اور طہارت **حسنت من حسنات** ہونے کی وجہ سے اور عبادت من حیث العبادات ہونے کی وجہ سے فقط مکفر للصغائر ہے تو ایک دو کا

آدھا ہوتا ہے تو طہارت بایں معنی ایمان کا نصف ہے۔

التوجیہ الثالث: شطر بمعنی نصف کے ہے اب معنی یہ ہوگا کہ طہارت ایمان کا نصف ہے بایں معنی کہ ایمان نام ہے انقیاد ظاہری اور انقیاد باطنی کے مجموعہ کا اور طہارت نام ہے انقیاد ظاہری کا تو ایک کا آدھا ہوتا ہے تو طہارت بایں معنی ایمان کا نصف ہوئی۔

التوجیہ الرابع: ۔شطر بمعنی نصف کے ہے یعنی طہارت ایمان کا نصف ہے بایں طور کہ ایمان تخلیہ اور تحلیہ ہر دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور طہارت میں صرف تخلیہ ہے تحلیہ نہیں بایں معنی طہارت ایمان کا نصف ہے۔ تشریح ایمان تخلیہ عن الکفر اور تحلیہ عن الاسلام ہے یعنی دل کو کفر سے خالی کرنا اور اسلام سے مزین کرنے کا نام ایمان ہے اور طہارت صرف تخلیہ عن النجاست ہے۔ یعنی پانی کے استعمال سے نجاست تو دور ہو جاتی ہے مگر اچھے اخلاق مزین نہیں ہوتے۔ اس پر محنت کرنی پڑتی ہے۔ تو بایں معنی بھی طہارت ایمان کا نصف ہے۔

التوجیہ الخامس: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ شطر بمعنی جزو کے ہے اور قاعدہ ہے **جزء الشئی مکملات الشئی** ہوتا ہے اب معنی یہ ہوگا کہ طہارت ایمان کا جزو ہے یعنی ایمان کے مکملات و متممات میں سے ہے۔

التوجیہ السادس: شطر بمعنی جزو کے ہے اور ایمان اپنے اصلی معنے میں نہیں بلکہ صلوۃ کے معنے میں ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کہ طہارت ایمان بمعنی صلوٰۃ کی جزو ہے اور جزء الشئی کے لئے موقوف علیہ ہوتی ہے تو طہارت نماز کے لئے موقوف علیہ ہوگی۔

حدیث کے دوسرے حصہ میں چند تسبیحات کی فضیلت کا بیان کہ **الحمد لله** کا جملہ میزان کو بھر دیتا ہے یعنی اس کا اجر و ثواب میزان کو بھر دیتا ہے۔

سوال۔ جب الحمد للہ کا جملہ میزان ترازو کو بھر دیتا ہے تو باقی اعمال کا اجر و ثواب کدھر جائے گا کہاں سمائے گا۔ گھڑا جب پانی سے بھر گیا تو پانی باہر نکل کر تو ضائع ہو جاتا ہے اسی طرح میزان تو بھر گیا ہے؟

جواب (۱)۔ یہ اجر و ثواب اجسام لطیفہ کی قبیل سے ہیں کثیفہ کی قبیل سے نہیں ہیں۔

جواب (۲)۔ یا یہ نور کی طرح ہے بلب کی روشنی کی مثال کہ جس طرح ایک تاریک کمرے میں ایک بلب کی روشنی بھی سما سکتی ہے یہ چیز واضح نظر آنے لگتی ہے۔ اور کئی بلبوں کی روشنی بھی سما سکتی ہے اسی طرح ترازو کے اندر بھی اعمال کا اجر و ثواب سما جائے گا۔

اور **سبحان الله و الحمد لله** دونوں بھر دیتے ہیں یا بھر دیتا ہے اس خلاء کو جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے یا تو دونوں کا مجموعہ بھر دے گا یا پھر علیحدہ علیحدہ بھر دیں گے۔

قوله والصلوة نور ...... **الخ** اور صلوٰۃ نور ہے۔ یا تو قبر میں نور ہوگی یا قیامت کے دن نور کا سبب ہوگی **نور هم ای بين ايديهم** یا اس سے مراد یہ ہے کہ صلوٰۃ دنیا میں مصلی کے لئے بارونق ہونے کا ذریعہ ہے۔

قوله' والصدقت برهان والصبر ضياء اور صدقہ برھان ہے اور صبر ضیاء ہے مخلوق کے اندر نور ادنیٰ درجے کی روشنی اور ضیاء اعلیٰ درجے کی روشنی کو کہتے ہیں اور صبر میں تعمیم ہے خواہ صبر علی الطاعۃ ہو یا صبر علی المعصیت ہو۔ اور قرآن تیرے لئے حجت ہے اگر تو اس پر عمل کرے گا اور تیرے خلاف حجت ہے۔ اگر تو اس پر عمل نہیں کرے گا۔

قوله' كل الناس يغدو تمام لوگ صبح کرتے ہیں پس بیچنے والے ہوتے ہیں اپنے نفس کو پس اس کو آزاد کرنے والے ہوتے ہیں جہنم کی آگ سے یا ہلاک ہونے والے ہوتے ہیں۔ یعنی بیع مع اللہ یا بیع مع الشیطان کرتے ہیں اگر بیع مع اللہ ہوگی تو جہنم سے آزادی نصیب ہوگی اگر بیع مع الشیطان ہوگی تو جہنم کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو معلق کر دیا یعنی جہنم میں ڈال دیا۔ پس جس کا جی چاہے بیع مع اللہ کو اختیار کرے اور جس کا جی چاہے بیع مع الشیطان کو اختیار کرے لیکن ہر ایک کا ثمرہ مختلف ہے۔ رواہ مسلم۔

اور ایک روایت میں ہے **لا اله الا الله والله اكبر** یہ **مابين السماء والارض** کو کہتے ہیں۔

قوله' ولم اجدهذه الرواية سے صاحب مشکوٰۃ اور صاحب مصابیح اعتراض کر رہے ہیں کہ وہی روایت سے جو روایت نقل کی گئی

ہے اس کو صاحب مصابیح نے الصحاح کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے باوجودیکہ یہ اضافہ والی روایت نہ بخاری میں ہے اور نہ مسلم میں ہے اور نہ ان دو کتابوں میں ہے جن میں بخاری ومسلم کی حدیثیں مذکور ہیں۔ لہٰذا اس اضافہ والی روایت کو الصحاح کے عنوان کے تحت ذکر کرنا یہ شرط مشہور کے التزام کردہ کے خلاف ہے۔

جواب۔ صاحب مصابیح نے جو التزام کیا تھا یہ پوری روایت کے بارے میں تھی قطعۃ من الروایت کے بارے میں نہیں تھی اور یہ اضافہ والی روایت قطعہ ہے لہٰذا یہ کوئی ایسا بڑا اشکال نہیں۔

وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَایَمْحُوْ اللهُ بِهِ الْخَطَایَا
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتلاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے
وَیَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْابَلٰی یَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِهِ وَ کَثْرَةُ الْخُطٰی اِلَی
اور اس کے سبب درجات بلند کرتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں اے اللہ کے رسول فرمایا پورا کرنا وضو کا مشقت کے وقت اور کثرت سے رکھنا
الْمَسَاجِدِ وَ انْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطُ وَفِیْ حَدِیْثِ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ فَذٰلِکُمُ
قدموں کا مسجدوں کی طرف اور انتظار کرنا نماز کا بعد نماز کے پس یہ ہے رباط۔ حضرت مالک بن انسؓ کی روایت میں ہے پس یہ رباط
الرِّبَاطُ فَذٰلِکُمُ الرِّبَاطِ رَدَّدَ مَرَّتَیْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِی الرِوَایَةِ التِّرْمِذِیّ ثَلاثاً۔
پس یہ ہے رباط دوبار لوٹایا روایت کیا اس کو مسلم نے اور ترمذی کی ایک روایت میں تین بار ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اعمال ثلثہ ایسے ہیں جو محو سیئات محو خطایا اور رفع درجات کا ذریعہ ہیں۔ منجملہ ان میں سے اسباغ الوضوء بھی ہے۔ (باب کے ساتھ مناسبت ہے)

قولہ' الا ادلکم اسی قسم کے جملہ سے مقصود آنے والے مضمون کی توثیق اور اوقع فی النفس کرنا ہوتا ہے۔

سوال: محو خطایا سے کیا مراد ہے۔

جواب-۱: نامہ اعمال سے گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے۔ جواب-۲: گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ عفو ذنوب سے کنایہ ہے۔

جواب-۳: گناہوں کا کالا دھبہ دل پر لگ جاتا ہے۔ حسنات کی وجہ سے اس اثر کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

قولہ' الاادلکم یہ **تعلیماً للامۃ** فرمایا ورنہ کیسے صحابہ کرامؓ سے یہ متصور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات ارشاد فرما رہے ہوں اور صحابہ متوجہ نہ ہوں۔

قولہ' ویرفع بہ الدرجات۔ رفع درجات اس وقت ہوگا جب گناہ نہیں ہوں گے۔ وہ اعمال ثلثہ یہ ہیں۔

اسباغ الوضوء علی مکارہ۔ اسباغ الوضوء کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) **استیعاب المحل المفروضہ** جتنی مقدار فرض کے برابر دھونا اس پوری مقدار کو دھونا۔ (۲) اعضاء مغسولہ کو تین تین مرتبہ دھونا۔ (۳) مقدار مفروضہ سے کچھ زائد دھونا اسباغ الوضوء بالمعنی الاول فرض ہے بالمعنی الثانی سنت ہے اور بالمعنی الثالث مستحب ہے۔ اور ایک چوتھی صورت بھی ہے کہ اعضاء مغسولہ کو تین مرتبہ سے زائد دھونا یہ صورت ناجائز ہے لیکن موسوس اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کو یقین نہیں ہوتا۔

قولہ' علی مکارہ۔ مکارہ کی کئی صورتیں ہیں۔ (۱) انتہائی سردیوں کے موسم کے زمانہ میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا۔

(۲) بیماری کی حالت میں پانی سے وضو کرنا۔ (۳) کنویں سے پانی نکال کر مشقت برداشت کر کے وضو کرنا۔

(۴) یا ایسی جگہ میں ہے کہ ثمن مثلی کے ساتھ پانی نہیں ملتا ثمن فاحش خرچ کر کے پانی حاصل کر کے وضو کرنا یہ سب صورتیں مکارہ کی ہیں۔

دوسرا عمل: كثرة الخطى الى المساجد خطی جمع خطوۃ کثرۃ سے مسجد کی طرف قدموں کا اٹھنا۔اس کی دوصورتیں ہیں (۱) بعد مسافت کی وجہ سے کثرۃ خطی ہو (۲) کثرت سے وقاراور سکون کے ساتھ مسجد میں آنا جانا اگر چہ بعد مسافت نہ ہو۔

تیسرا عمل: انتظار الصلوة بعد الصلوة۔اس کی دوصورتیں ہیں (۱) نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھا رہے دوسری نماز کا انتظار کرتا رہے۔

(۲) نماز سے فارغ ہونے کے بعد چلا گیا اپنے کام کاج میں مصروف ہے لیکن اس بات کی فکر ہے کہ کب اذان ہو اور مسجد میں جاؤں۔اس کا دل مسجد کے ساتھ لٹکا ہوا ہے یہ بھی انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ کی صورت ہے۔

قوله فذالكم الرباط۔ذالک کا مشارالیہ کیا چیز ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس کا مشارالیہ آخری جملہ ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس کا مشارالیہ تینوں جملے ہیں۔

قوله رباط۔سرحد اسلام کا پہرہ دینا تا کہ دشمن اسلام سرحد میں داخل نہ ہو۔مطلب یہ ہے کہ یعنی جس طرح سرحد اسلام پر پہرہ دینے سے (جتنا) ثواب ملتا ہے اسی طرح ان اعمال ثلثہ کے کرنے سے بھی ثواب ملتا ہے یا بعنوان آخر سرحد اسلام پر پہرہ دینا یہ کفار کے حملوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔اسی طرح ان اعمال ثلاثہ کے مجموعے پر عمل کرنا اور اس پر مداومت کرنا یہ لشکر ابلیس کے حملوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔

قوله و فی حدیث الخ ایک تصرف کا بیان کہ حدیث مالک ابن انس میں فذالکم الرباط دو مرتبہ آیا ہے اور ترمذی کی روایت میں یہ تین مرتبہ آیا ہے۔

قوله و فی حدیث مالک بن انس الخ سے صاحب مشکوٰۃ صاحب مصابیح پر اعتراض کر رہے ہیں کہ صاحب مصابیح کی اس روایت کو الصحاح کے عنوان کے تحت بیان کرنا شرط مذکور کے التزام کے خلاف ہے اس لئے کہ مسلم کی روایت میں فذالکم الرباط دو مرتبہ آیا ہے اور یہاں انہوں نے ایک مرتبہ ذکر کیا ہے۔اور ترمذی کی روایت میں تین مرتبہ آیا ہے۔

وَعَنْ عُثْمَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ
حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا پس اچھا وضو کیا اس کے جسم سے گناہ نکل جاتے ہیں
خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث احسن وضو متوضی کے جسم کی خطاؤں کی تکفیر کا ذریعہ ہے۔باقی احسن وضوء یہ ہے کہ فرائض کے ساتھ سنن و مستحبات کی بھی رعایت ہو احسن وضوء کی تاثیر یہ ہے کہ اس کی وجہ سے متوضی کے جسم کے گناہ نکل جاتے ہیں۔

من تحت اظفاره مبالغے سے یہ کنایہ ہے۔جب ناخنوں کے نیچے سے گناہ نکل جاتے ہیں جو ان ہاتھوں نے کئے وہ ظلم تو بطریق اولیٰ نکل جاتے ہیں۔

وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِ الْمُؤْمِنُ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان آدمی وضو کرتا ہے یا فرمایا مومن
فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَّجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَآءِ اَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ فَاِذَا
پس اپنا چہرہ دھوتا ہے اس کے چہرہ سے ہر گناہ نکل جاتا ہے۔جس کی طرف اپنی دونوں آنکھوں کے ساتھ دیکھا تھا
غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَآءِ اَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَاِذَا
پانی کے ساتھ فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ جس وقت دھولیتا ہے اپنے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں سے ہر گناہ نکل جاتا ہے کہ اس کو پکڑا تھا
غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَّشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَآءِ اَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا
اس کے ہاتھوں نے پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ پس جب دھوتا ہے پاؤں نکلتا ہے ہر گناہ جس کی طرف اس کے پاؤں

مِنَ الذُّنُوْبِ. (صحیح مسلم)
چلے تھے پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ یہاں تک کہ نکل آتا ہے پاک گناہوں سے روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔اس حدیث میں بھی وضو کی فضیلت کو بیان کیا کہ وضو اعضائے وضو کی خطاؤں کی تکفیر کا ذریعہ ہے خطا کیلئے مکفر ہے بشرطیکہ متوضی میں دو وصفیں ہوں۔(۱) عبدیت۔(۲) اسلام وایمان۔پہلی وصف سے یہ معلوم ہوا کہ اگر ڈاکٹر وطبیب کے بتلانے سے غسل کر رہا ہے تو اس پر ثواب نہیں ملے گا یا بطور تبرید حاصل کرنے کیلئے غسل (ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے گرمیوں کے دن ہیں) کر رہا ہے تو اجر و ثواب نہیں ملے گا اور دوسری بات سے معلوم ہوا کہ اگر کافر ہے تو سو مرتبہ ہزار مرتبہ غسل کر لے تو بھی تکفیر سیئات کا ذریعہ نہیں۔اس پر اجر و ثواب نہیں ملے گا۔کیونکہ مشتق پر حکم کے وقت مبدأ اشتقاق حکم کی علت وضو بنتا ہے تو عبد کا مادۃ اشتقاق عبدیت ہے اور مسلم ومومن کا مادۃ اشتقاق اسلام وایمان ہے اور کافر میں اسلام وایمان نہیں اور تبرید والے میں عبدیت نہیں۔او المومن یہ راوی کو شک ہے۔

قوله ' نظر الیها...... سوال۔گناہوں کو دیکھا نہیں جا سکتا تو پھر کیسے فرمایا؟ جواب۔گناہوں کو اگرچہ نہیں دیکھا جاتا لیکن محل کو تو دیکھا جاتا ہے جیسے **نظر الی الاجنبیه**۔

سوال:اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے غسل وجہ سے عین (آنکھ) کے گناہوں کی تکفیر ہوگی حالانکہ وجہ میں اور اعضاء بھی ہیں ناک ہے فم ہے وغیرہا تو ان کا ذکر کیوں نہیں کیا۔

جواب (۱) آنکھوں کی تخصیص احتراز کے لئے نہیں بلکہ دفع استبعاد کے لئے ہے کہ وہ عضو جس کے لئے **حظ من الماء** ہے ہی نہیں (یعنی اس تک پانی پہنچتا ہی نہیں) جب اس کے گناہوں کی تکفیر ہو جاتی ہے اس کے گناہ جھڑ جائیں گے تو وہ اعضاء جن کے لئے **حظ من الماء** ہے اس کے گناہ تو بطریق اولیٰ جھڑ جائیں گے۔

جواب (۲)۔چہرے کے اعضاء میں سے سب سے بڑا مجرم آنکھ ہے (چوری کرنے والا مجرم) جب اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں تو باقی چھوٹے مجرموں کے بطریق اولیٰ جھڑ جائیں گے۔

جواب (۳): یہاں پر راوی کا اختصار ہے مابعد میں روایت ہے جس میں وجہ کے دیگر اعضاء کے گناہوں کی تکفیر کا بھی ذکر ہے۔

قوله' مع الماء او مع اخر قطر الماء۔راوی کو شک ہے یا تقسیم کے لئے ہے دونوں احتمال ہیں تشکیک کے لئے ہو یعنی ذنوب کا زوال یا تو فوراً ہو جائے گا یا پھر پانی کے آخری قطرے کے ساتھ ہوگا۔یہ ظاہر ہے اور اگر تقسیم کے لئے ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ گناہ دو قسم پر ہیں کچھ گناہ ایسے ہیں جو جلدی جھڑ جاتے ہیں اور کچھ دیر سے جھڑتے ہیں۔(۱) سریع الزوال (۲) بطئ الزوال جو سریع الزوال ہیں وہ پانی کو استعمال کرتے ہی جھڑ جاتے ہیں اور بطئ الزوال ہیں وہ پانی کے آخری قطرے کے ساتھ جھڑ جاتے ہیں۔سوال۔اس حدیث میں رأس اور کانوں کا ذکر نہیں۔

جواب۔یہاں راوی کا اختصار ہے۔موطا امام مالک میں روایت ہے اس میں پورے اعضاء کا ذکر ہے۔

سوال۔اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے صغائر کبائر دونوں معاف ہو جاتے ہیں۔جواب۔الذنوب میں الف لام عہد خارجی کا مراد وہ ذنوب ہیں جن کا ذکر ماقبل میں خطایا سے ہو چکا تو خطایا سے مراد صغائر ہی ہیں یا پھر اگر کوئی خوش قسمت ایسا ہے کہ اگر وضو کرتے وقت وضوء کی برکت سے انابت ہو جائے توبہ جیسی کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ توبہ کرے تو پھر **حتیٰ یخرج نقیامن الذنوب** ضرور ہو جائے گا۔سوال۔گناہوں کا دخول خروج یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اجسام کی قسم ہیں اور خطایا تو اعراض کی قبیل سے ہیں تو پھر خروج کی نسبت خطایا کی طرف کیسے صحیح ہوئی۔

جواب (۱) محو ذنوب سے یہ کنایہ ہے۔جواب (۲)۔آثار ذنوب کے زوال سے کنایہ ہے۔یعنی خطایا سے پیدا شدہ آثار ہوتے ہیں دل پر کالا دھبہ لگ جاتا ہے ان آثار کا دل سے زائل ہونا۔

جواب (۳)۔عالم دو ہیں۔(۱) عالم مشاہدہ (۲) عالم مثال۔اس جہان میں جو چیزیں اعراض کی قبیل سے ہیں۔وہی عالم مثال

میں اجسام کی قبیل سے ہیں۔ تو یہاں دخول وخروج عالم مثال کی قبیل سے ہے۔ اس زمانے میں تو یہ باعث اشکال ہے ہی نہیں۔ امراض کا بھی گرمی سردی کا بھی انتقال ہوتا ہے اگر ذنوب کا انتقال ہو جائے تو کوئی مستبعد نہیں۔ یا یہ اس زمانے کے اعتبار سے ہے جب کہ یہ چیزیں ایجاد ہی نہیں ہوئی تھیں۔ باقی رہی یہ بات کہ اس حدیث میں اور پہلی حدیث میں کیا فرق ہے؟

جواب۔ پہلی حدیث میں پورے گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر ہے کیونکہ اس میں وضو علی صفت الاحسان کا ذکر ہے اور یہاں نفس وضو کا ذکر ہے اس لئے اس حدیث میں صرف اعضاء مغسولہ کے گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر ہے۔

یا بعنوان آخر۔ پہلی حدیث میں ذکر جسد کا ہے مراد اعضائے وضو ہیں اور یہاں اس کا برعکس ہے۔

وَعَنْ عُثْمَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنِ امْرِءٍ مُّسْلِمٍ تَحْضُرُهٗ صَلٰوةٌ
حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص مسلمان نہیں کہ اس کو فرض نماز آئے
مَّكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَ هَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا اِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِّمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَا
پس اچھا وضو کرے اور اس کا نماز میں خشوع کا ہونا اور اس کا رکوع مگر یہ نماز اسکے پہلے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب
لَمْ يُؤْتِ كَبِيْرَةً وَّذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ . (مسلم)
نہ کرے اور یہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: حاصل حدیث: احسان وضو مع الصلوٰة المكتوبة المودة بحقوقها سابقہ گناہوں کے لئے مکفر ہے کبائر کے ماسوا صغائر کے لئے مکفر ہے اور اس کا مکفر ہونا استمراری ہے وقت دون وقت صلوٰۃ دون صلوٰۃ کی قید کے ساتھ مختص نہیں۔ سوال۔ بحقوقها کہاں سے عبارت لائے۔ جواب۔ خشوعها سے نسبت لائے ہیں۔ یہ بات اس حدیث میں وضو مع صلوٰۃ المکتوبہ کا ذکر ہے اور پہلی حدیث میں صرف احسان وضوء کا ذکر ہے۔ یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے احسان وضو مکفر ہے صغائر کے لئے جبکہ صلوٰۃ مکتوبہ کے ساتھ اقتران ہو اور پہلی حدیث میں صرف احسان وضوء کو مکفر کہا گیا۔

جواب۔ مقصود صلوٰۃ کا ساتھ ذکر کرنے سے ہر ایک کے مکفر للذنوب ہونے کی صلاحیت کو بیان کرنا ہے کوئی احتراز مقصود نہیں۔

باقی لم يوت كبيرة۔ آیا حسنات کا مکفر ہونا سیئات کے لئے اجتناب عن الکبائر کی شرط کے ساتھ مقید ہے یا نہیں تو اہل سنت والجماعت کے نزدیک مقید نہیں اور معتزلہ کے نزدیک شرط کے ساتھ مقید ہے بظاہر یہ حدیث اہل سنت کے خلاف ہے اور معتزلہ کے موافق ہے۔ تو اہل سنت کی طرف سے۔ جواب-۱: مالم یوت کبیرة یہ الا کبیرۃ کے معنے میں ہے۔ جواب-۲: یہ قید وعدہ تکفیر کے لئے نفس تکفیر کے لئے نہیں۔ جواب-۳: یہ قید عموم کو بتلانے کے لئے ہے۔ باقی تفصیل کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ وذالک الدهر كله کا معنی ہے اور یہ تکفیر جاری رہتی ہے زمانہ بھر عمر بھر مسلم میں جنس مسلم مرد وعورت مراد ہے۔ والله اعلم بالصواب.

وَعَنْهُ اَنَّهٗ تَوَضَّاَ فَاَفْرَغَ عَلٰی يَدَيْهِ ثَلٰثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ
اسی (عثمانؓ) سے روایت ہے کہ اس نے وضو کیا اپنے ہاتھوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا۔ پھر کلی کی اور ناک جھاڑی تین بار
يَدَهُ الْيُمْنٰی اِلَی الْمِرْفَقِ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰی اِلَی الْمِرْفَقِ ثَلٰثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ
پھر اپنا چہرہ تین بار دھویا پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی تک تین بار دھویا پھر بایاں ہاتھ کہنی تک پھر مسح کیا اپنے سر کا پھر اپنا دایاں پاؤں
رِجْلَهُ الْيُمْنٰی ثَلٰثًا ثُمَّ الْيُسْرٰی ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ نَحْوَ
تین بار دھویا پھر بایاں تین بار پھر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ میری مانند وضو کیا پھر فرمایا جو شخص میری طرح

وُضُوْئِیْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِیْ هٰذَا ثُمَّ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ لَا یُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِیْهِمَا بِشَیْءٍ
وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے ان دونوں میں اپنے نفس سے بات نہ کرے بخشا جاتا ہے اس کیلئے
غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم ولفظه للبخاری)
وہ گناہ جو پہلے ہوتا ہے متفق علیہ اور اس کے لفظ بخاری کے ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث: قوله ثم غسل وجهه ثلثا سوال۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مضمضہ اور استنثار بھی مرۃ واحدۃ ہو۔ اس سے تثلیث تو معلوم نہیں ہوتی؟ جواب۔ مابعد میں ثلثا کے لفظ میں تنازع ہو رہا ہے مضمض کا بھی اس کے ساتھ تعلق ہے اور استنثر کا بھی اور غسل کا بھی اس کے ساتھ تعلق ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں بھی تثلیث ہوگی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تثلیث اعضاء مغسولہ میں ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مسح میں وحدت ہے نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی الحدیث یفسر بعضه بعضاً مابعد والی روایت ماقبل والی کے لئے مفسر ہے کہ اس طرح کا وضو جو اس حدیث میں مذکور ہے علی صفت الاحسان ہے ماقبل والی روایت میں آیا تھا۔ فیحسن وضوء ها و خشوعها کی تفسیر ہے یہ وضو کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے وضو کیا میرے اس وضو کے قریب قریب نحو وضوئی هذا فرمایا یہ نہیں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی وضو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بتلانے کے لئے کہ کہاں میرا وضو اور کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو۔ مساوات تو نہیں ہو سکتی۔

قوله' لایحدث نفسه' یعنی اپنے قصد واختیار سے خیالات نہ لائے۔

خلاصہ حدیث کا یہ ہے کہ وضو بصفت مخصوصہ (ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھونا) بمع تحیۃ الوضوء کی ایسی دو رکعتیں جو توجہ تام بحضور تام کے ساتھ ہوں اور خیالات سے خالی ہوں سابقہ گناہوں کی تکفیر کا ذریعہ ہیں۔

سوال۔ ماتقدم میں ما کا کلمہ عموم کا ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ کبائر بھی معاف ہوں۔

جواب: ما کا کلمہ اگرچہ عموم کا ہے مگر صغائر کے ساتھ تخصیص ہے۔

سوال۔ کون سے خیالات مراد ہیں؟ جواب: خیالات دو قسم پر ہیں (۱) اختیاریہ (۲) غیر اختیاریہ اکمل نماز وہ ہے جو دونوں قسم کے خیالات سے خالی ہو۔ اور اگر صرف دوسری قسم کے خیالات ہوں گے تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ بھی نماز پہلی نماز کے ساتھ ملحق ہوگی یعنی اس نماز کے ساتھ جو دونوں قسم کے خیالات سے خالی ہے اگر وہ اختیاریہ ہیں تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ (۱) دنیویہ ہوں گے (۲) دینیہ ہوں گے۔ اگر دنیویہ ہوں تو مضر ہی مضر ہے مذموم ہیں۔ اگر دینیہ ہوں تو پھر (۱) متعلقہ بالصلوٰۃ ہوں گے یا (۲) غیر متعلقہ بالصلوٰۃ ہوں گے اگر غیر متعلقہ بالصلوٰۃ ہوں تو یہ مضر تو ہے لیکن خیالات دنیویہ کی مضرت سے کم ہے اگر متعلقہ بالصلوٰۃ ہوں تو مضر ہونا تو درکنار یہ مطلوب ہے بلکہ ممدوح ہے۔

قوله' لایحدث میں نفی مطلق نہیں بلکہ قصد واختیار والوں کی ہے۔ اختیاریہ خیالات کی نفی ہے۔

سوال۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں انی لاجهز الجیش فی الصلوٰۃ میں نماز میں لشکر کو ترتیب دیتا ہوں کہاں بھیجنا ہے امیر کس کو بنانا ہے وغیرہ یہ دینیہ تو ہیں لیکن غیر متعلقہ بالصلوٰۃ ہیں۔ جواب۔ ہر شخص کو حضرت عمرؓ پر قیاس نہ کرنا ممکن ہے یہ الہام ربانی کی قبیل سے ہو جب تعلق بڑھا اللہ کے ساتھ نماز میں تو اللہ کی طرف سے صحیح بات دل میں ڈال دی گئی۔ یا یہ خیالات غیر اختیاریہ ہے

فرق تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کی دو رکعتوں میں شیخ نے فرق لکھا ہے کہ تحیۃ الوضوء کی دو رکعتیں پڑھتے وقت مطلق نماز کی نیت کرنی چاہئے اور تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا کرتے وقت تحیۃ المسجد ہونے کی نیت کی جائے وجہ فرق تحیۃ الوضوء خود قابل تعظیم نہیں۔ وضوء اپنی ذات کے اعتبار سے اعظم نہیں یہ تو آلہ اور وسیلہ ہے۔ اور مسجد خود قابل تعظیم ہے مسجد کی اپنی تعظیم ہے اس لئے اس کی دو رکعتیں ادا کرتے وقت تحیۃ المسجد کی نیت کی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ
حضرت عقبہؓ بن عامر سے روایت ہے کہارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایانہیں کوئی مسلمان جو وضو کرے پس اچھا وضو کرے پھر کھڑے ہو کر
وُضُوْءَه، ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَ وَجْهِهٖ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ. (مسلم)
نماز پڑھے متوجہ ہوان دونوں پر اپنے دل کے ساتھ اور اپنے چہرہ کے ساتھ مگراس کیلئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: حاصل حدیث: اس حدیث کی تشریح ماقبل حدیث کی تشریح کی طرح ہے۔یعنی احسان وضو بمع تحیۃ الوضوء کی دو ایسی رکعتوں کے جو خیالات سے خالی ہوں یہ سابقہ گناہوں کے لئے مکفر ہیں۔وجوب جنت کا ذریعہ ہیں بوجہ فضل الٰہی نہ کہ استحقاق کے وجہ یعنی توجہ تامہ ظاہری و باطنی ہو۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ
حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک نہیں جو وضو کرے پس
اَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَشْهَدُ
نہایت کو پہنچادے یا فرمایا پس پورا وضو کرے پھر کہے اشهد ان لا اله الاالله واشهدان محمداً عبده ورسوله ایک روایت میں ہے کہے اشهد
اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّافُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ
ان لاالہ الااللہ وحدہ لاشریک له واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔مگراس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھولے جاتے ہیں۔
الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ. (هٰكَذَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهٖ) وَالْحُمَيْدِيُّ فِيْ اَفْرَادِ مُسْلِمٍ وَكَذَا
داخل ہو ان میں سے جس سے چاہے اسی طرح روایت کیا ہے اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور حمیدی نے افراد مسلم میں اور اسی طرح
اِبْنُ الْاَثِيْرِ فِيْ جَامِعِ الْاُصُوْلِ وَذَكَرَ الشَّيْخُ مُحِيُّ الدِّيْنِ النَّوَوِيُّ فِيْ آخِرِ حَدِيْثِ مُسْلِمٍ عَلٰى
ابن اثیر نے جامع الاصول میں اور ذکر کیا۔ شیخ محی الدین نووی نے مسلم کی حدیث کے آخر میں جیسے کہ
مَارَوَيْنَاهُ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ وَالْحَدِيْثُ الَّذِيْ
ہم نے روایت کیا۔ ترمذی نے زیادہ کیا ہے کہ یہ دعا بھی پڑھے اے اللہ کر تو مجھ کو توبہ کرنے والوں میں اور کر
رَوَاهُ الْمُحْيِي السُّنَّةِ فِي الصِّحَاحِ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ اِلٰى اٰخِرِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ فِيْ جَامِعِهٖ
مجھ کو پاکیزہ رہنے والوں میں اور وہ حدیث جس کو محی السنۃ نے بیان کیا ہے صحاح میں کہ جس نے وضو کیا پس اچھا وضو کیا آخر تک روایت کیا ہے
بِعَيْنِهٖ اِلَّا كَلِمَةَ اَشْهَدُ قَبْلَ اَنَّ مُحَمَّدًا.
اس کو ترمذی نے اپنی جامع میں بعینہ مگر کلمہ اشہد کا پہلے ان محمداً سے ذکر نہیں کیا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اسباغ الوضوء بمع اذکار مخصوصہ کے جنت کی ابواب ثمانیہ کے کھلنے کا ذریعہ ہے۔عمل کس قدر قلیل المؤنۃ اور اجر کتنا زیادہ ہے۔سوال۔ جنت میں داخلہ تو قیامت کے بعد ہوگا تو فتحت له (ابھی آٹھوں دروازوں کے کھل جانے) کا کیا مطلب ہے۔

جواب: ایک عالم کا دوسرے عالم پر اثر ہوتا ہے وضو کرنے پر جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس کا اثر دنیا میں پڑتا ہے کہ جنت والے اعمال کی توفیق مل جاتی ہے۔ایک فضیلت دوسری توفیق پھر اس بناء پر فتحت کہا۔

سوال: مقصود تو جنت میں داخل ہونا ہے۔دخول کے لئے تو ایک دروازہ کھل جانا کافی ہے تو پھر آٹھوں دروازے کھلنے کا کیا مطلب؟

جواب۔ اعزاز مقصود ہے جیسے کوئی معزز مہمان آ جائے تو اس کے لئے سب دروازے کھول دیئے جاتے ہیں سب کھلے ہیں جس سے چاہے مرضی آ جاؤ۔ ایسے ہی مومن کا اعزاز ہوگا۔

قولہ' والحدیث الذی رواہ المعی السنة ......الخ صاحب مصابیح پر اعتراض کیا ہے کہ وہ حدیث جس کو امام محی السنہ نے الصحاح کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ جس کی ابتداء من توضافاحسن الوضوء سے ہے اس کو الصحاح کے عنوان کے تحت ذکر کرنا شرط مذکورہ التزام کردہ کے خلاف ہے اس لئے کہ اس حدیث کو تو ترمذی نے نقل کیا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت قیامت کے دن روشن پیشانی سفید اعضاء پکاری جائے گی۔
مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَهٗ فَلْیَفْعَلْ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
وضو کے آثار کی وجہ سے جو تم میں سے طاقت رکھے کہ اپنی پیشانی کی روشنی زیادہ کرے پس چاہیے کہ کرے۔

تشریح: حاصل حدیث: غرا اغر کی جمع ہے گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی کو کہتے ہیں۔ پھر ہر روشن چیز کو اغر کہا جاتا ہے۔ مراد یہاں متوضی کا چہرہ ہے اور محجل گھوڑے کے پاؤں جن میں سفیدی ہو باقی رنگ اس کے خلاف ہوں۔ یہاں مراد متوضی کے ہاتھ پاؤں ہیں۔

سوال: وضوء اس امت کی خصوصیت ہے یا نہیں؟ جواب۔ وضوء اس امت کی خاصیت نہیں لیکن اس پر مرتب ہونے والے آثار اس امت کی خاصیت ہیں۔ یعنی غرہ اور تحجیل ان یطیل غرتہ یہ معطوف علیہ ہے۔ آگے معطوف بمع حرف عطف کے محذوف ہے۔

قولہ' وتحجیلہ۔ فرمایا جب میری امت کے لوگ قیامت کے دن بلائیں گے جو ان کی پیشانیاں اور ان کے ہاتھ پاؤں آثار وضوء کی وجہ سے چمک رہے ہوں گے۔ پس جو شخص تم میں طاقت رکھے یہ کہ طول کرے اپنی چمک اور روشنی میں پس چاہئے کہ کرلے۔

باقی رہی یہ بات کہ غرۃ کی صورت کیا ہے؟ مقدار فرض سے کچھ زائد مقدار دھولے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَبْلُغُ الْحِلْیَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَیْثُ یَبْلُغُ الْوَضُوْءُ. (مسلم)
اسی (ابوہریرہؓ) سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا زیور پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: حاصل حدیث: بعض حضرات نے کہا ہے کہ مومن کو قیامت میں سونے اور چاندی کے زیورات پہنائے جائیں گے۔ حلیہ سے مراد وہی ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ وہی زیب و زینت مراد ہے جس کا ذکر ماقبل والی حدیث میں ہوا جس کو غرۃ و محجل سے تعبیر کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَیْرَ اَعْمَالِكُمُ
حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیدھے رہو اور تم سیدھے رہنے کی ہرگز طاقت نہ رکھ سکو گے اور جان
الصَّلٰوةُ وَلَا یُحَافِظُ عَلَی الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ. (رواہ موطا امام مالک و مسند احمد بن حنبل و ابن ماجة والدارمی)
لو کہ تمہارے عملوں میں سے بہترین نماز ہے اور نہیں حفاظت کرتا وضو پر مگر مومن۔ روایت کیا اس کو مالک احمد اور ابن ماجہ اور دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حدیث کے ابتدائی حصہ میں استقامت کا حکم دیا استقامت کا معنی گزر چکا ہے بجمیع اوامر و ما ینبغی کا امتثال اور جمیع مالا ینبغی نواہی سے اجتناب۔

قولہ' ولن تحصوا۔ پھر فرمایا کہ تم پوری طرح استقامت کو اختیار نہیں کرسکتے لہٰذا میں تمہیں ایسا عمل بتلائے دیتا ہوں کہ جس سے تم

کچھ نہ کچھ اس پر محافظت کرنے سے کچھ استقامت حاصل ہو جائے۔ دو اعمال بتلائے۔ (۱) محافظت علی الصلوۃ نماز کو بمع اس کے حقوق کے ادا کرنا (۲) مداومت علی الطہارۃ پاکی پر ہمیشگی اختیار کرنا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اکثر اوقات۔ خصوصاً حدیث کا سبق پڑھتے وقت باوضو رہنا چاہئے۔ کیونکہ طہارت مومن کا اسلحہ ہے۔ استقیموا ولن تحصوا کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم استقامت کے اجر وثواب کو ہرگز شمار نہیں کر سکتے لیکن پہلا مطلب راجح ہے مومن ای کامل۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰى طُهْرٍ كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو کرے اوپر وضو کے۔ اس کیلئے دس
حَسَنَاتٍ. (رواہ الجامع ترمذی)
نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ (ترمذی)

تشریح: حاصل حدیث:۔ وضو پر وضوء۔ یعنی تجدید وضو سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یہ تجدید وضو دس نیکیوں کے ملنے کا باعث ہے۔ لیکن علماء نے اس کو ایک قید کے ساتھ مقید کیا ہے بشرطیکہ پہلے وضوء سے کوئی نہ کوئی عبادت کر چکا ہو حضرت ابن عمرؓ کا غالباً واقعہ ہے کہ وہ ہر نماز کے ساتھ وضو کیا کرتے تھے تو دوسرے صحابہؓ نے کہا تم ایسا کیوں کرتے ہو فرمایا اگر میں چاہوں تو فجر کے وضوء سے عشاء کی نماز پڑھ سکتا ہوں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تجدید وضوء کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں تو میں اس دس نیکیوں کی حرص کی وجہ سے وضو کرتا ہوں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ.
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی وضو ہے روایت کیا اس کو احمد نے۔

(رواہ مسند احمد بن حنبل)

تشریح: حاصل حدیث:۔ فرمایا جنت کی چابی نماز ہے۔ نماز کی چابی طہارت ہے۔ شئی کے مفتاح کی مفتاح، مفتاح ہوتی ہے۔ شئی کا مقدمہ مقدمہ ہوتا ہے مقدمہ کا مقدمہ بھی شئی کا مقدمہ ہوتا ہے۔

سوال۔ جنت کی چابی تو لا الٰہ الا اللہ ہے اور یہاں صلوٰۃ کو چابی بنایا۔ جواب۔ صلوٰۃ کے ثواب کو علی وجہ المبالغہ بیان کرنا مقصود ہے۔

یعنی جس طرح تالے کا کھلنا بغیر مفتاح کے نہیں ہو سکتا اسی طرح جنت میں داخلہ بغیر صلوٰۃ کے نہیں ہو سکتا (نیز طہارۃ کی فضیلت علی وجہ المبالغہ بیان کرنا مقصود ہے) یا یوں سمجھ لو حدث ایک مقفل دروازہ ہے جو صلوٰۃ کے شروع کرنے سے مانع ہے اس کو کھولنے کے لئے مفتاح کی ضرورت ہے اور وہ طہارت ہے تو جس طرح صلوٰۃ مقدمہ ہے جنت کا اسی طرح وضو بھی مقدمہ ہوگا جنت کا کیونکہ شئی کے مقدمہ کا مقدمہ بھی شئی کا مقدمہ ہوتا ہے۔ تو لا الٰہ الا اللہ۔ اصل کے اعتبار سے یہ مفتاح الجنۃ ہے لیکن یہاں صلوٰۃ کو مفتاح الجنۃ کہا گیا علی وجہ المبالغۃ صلوٰۃ کے اجر وثواب کو بیان کرنا مقصود ہے۔

وَعَنْ شَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ رُوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ
حضرت شبیب بن ابی روحؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کیا ہے بے شک رسول اللہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ
صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی اس میں سورہ روم پڑھی پس تشابہ ہوا آپ پر جب نماز پڑھ چکے فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے

يُصَلُّونَ مَعَنَا لاَ يُحسِنُونَ الطُّهُوْرَ وَاِنَّمَا يَلْبِّسُ عَلَيْنَا قُرْآنَ اُوْلٰئِكَ. (رواہ السنن نسائی)
ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اچھا وضونہیں کرتے یہ لوگ ہم پر قرآن میں اشتباہ ڈالتے ہیں۔روایت کیا اس کو نسائی نے۔

تشریح: قوله' وعن رجل من اصحاب الخ۔ کسی بھی صحابی کا مجہول الاسم ہونا باعث ضعف نہیں کسی روایت میں بھی ضعف کا سبب نہیں بن سکتا۔اس لئے کہ الصحابه كلهم عدول۔

حاصل حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۃ روم پڑھی پس وہ آپ پر مشتبہ ہوگئی تشابہ لگنا شروع ہوگئے تھے۔

قوله' (فلما صلى......الخ) جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا حال ہے قوم کا ہمارے ساتھ لوگ نماز پڑھتے ہیں اس حال میں کہ وہ لوگ طہارت کو اچھا نہیں کرتے ہم پر قرآن کو یہ لوگ مشتبہ کردیتے ہیں۔تشابہ لگنے کا سبب وعلت نمازیوں کا طہارت وغیرہ كما ينبغى کا اہتمام نہ کرنا تھا۔پس اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی نامناسب حالت وحرکات باتوں کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے تو صحبت کا اثر بھی معلوم ہوا۔آپ کا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صحبت کا اثر ہوا باقیوں پر نہیں ہوگا۔بس جتنا دل جس کا صاف ہوگا اتنا ہی عبادت میں زیادہ لذت آئے گی۔تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہرانسان کو طہارۃ کما ینبغی کا اہتمام کرنا چاہئے۔ورنہ اس کا اثر دوسروں پر بھی ہوگا۔

وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ قَالَ عَدَّهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَدِي اَوْ فِي يَدِهٖ قَالَ
حضرت بنی سلیمؓ کے ایک شخص سے روایت ہے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کو گنا میرے ہاتھ میں یا اپنے ہاتھ میں فرمایا
التَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَاُهٗ وَالتَّكْبِيْرُ يَمْلَاُ مَابَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَالصَّوْمُ
سبحان اللہ کہنا بھر دیتا ہے آدھے ترازو کو اور الحمدللہ اس کو بھر دیتا ہے اور اللہ اکبر کہنا بھر دیتا ہے اس چیز کو کہ درمیان آسمان
نِصْفُ الصَّبْرِ وَالطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ.
اور زمین کے ہے اور روزہ آدھا صبر ہے اور پاک رہنا آدھا ایمان ہے۔روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ قوله' عدهن ان کلمات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ میں یا اپنے ہاتھ میں شمار کیا۔

سوال: ھن ضمیر کا مرجع کلمات ہے اسی کا ذکر ماقبل میں نہیں تو اضمار قبل الذکر لازم آیا۔

جواب: یہ ضمیر مبہم ہے اس کا مرجع وہی چیز ہوتی ہے جو تفسیر مذکور ہوتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا سبحان الله کہنا میزان کے نصف کو بھر دیتا ہے۔یعنی تسبیح کا اجر وثواب الله اكبر الحمد لله بھی ترازو کو بھر دیتا ہے۔اس میں دو احتمال ہیں۔ پہلا احتمال تو باقی نصف کو بھر دیتا ہے یعنی دونوں کا اجر وثواب برابر ہوتا ہے۔

دوسرا احتمال: ابتداء وہی بھر دیتا ہے اس صورت میں ہر ایک کا ثواب الگ الگ ہوگا ہر دونوں میزان بھر دیں گے۔

سوال: جب میزان بھر جاتا ہے تو باقی اعمال کا ثواب کدھر جائے گا؟ اس کا جواب بھی ماقبل گزر چکا۔

قوله' والصوم نصف الصبر۔ روزہ صبر کا نصف اجر ہے روزہ کا کامل صبر یہ ہے کہ صبر علی الطاعت اور صبر عن المعصیت کا مجموعہ اور روزہ میں صبر عن المعصیت ہے جماع وغیرہ سے کھانے پینے سے رکنا اس لحاظ سے صوم صبر کا نصف اجر ہے۔یا یوں کہو کہ زمانے کا اعتبار کامل صبر شب وروز ہے لیل ونہار میں صبر کامل ہے اور (روزہ میں صبر دن میں ہے) نہار میں روزہ ہوتا ہے اس لحاظ سے نصف صبر ہے۔ والطهور نصف الايمان الحديث يفسر بعضه بعضاً۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَمَضْمَضَ
حضرت عبداللہ صنابحیؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن بندہ وضو کرتا ہے پس کلی کرتا ہے

خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيْهِ وَإِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ اَنْفِهٖ فَإِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَتِ الْخَطَايَا

اس کے منہ سے گناہ نکل جاتے ہیں جس وقت ناک صاف کرتا ہے اس کی ناک سے گناہ نکل جاتے ہیں۔ اور سر کا مسح کرتا ہے تو سر کے گناہ خارج

مِنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ حَتّٰى

ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ کانوں کے گناہ بھی جس وقت منہ دھوتا ہے اس کے منہ سے گناہ نکل جاتے ہیں۔ اس کی پلکوں کے نیچے سے بھی جس

تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ يَدَيْهِ فَإِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهٖ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ اُذُنَيْهِ

وقت دونوں ہاتھ دھوتا ہے اس کے دونوں ہاتھوں سے گناہ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے دونوں ہاتھوں کے ناخنوں سے گناہ نکل جاتے ہیں

فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ رِجْلَيْهِ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهٗ

جب دونوں پاؤں دھوتا ہے اس کے پاؤں کے گناہ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ پاؤں کے ناخنوں کے گناہ بھی

اِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلَاتُهٗ نَافِلَةً لَّهٗ. (رواہ موطا امام مالک و السنن نسائی)

پھر اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز پڑھنا اس کیلئے زیادتی ہوتی ہے روایت کیا اس کو مالک اور نسائی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہاں انف اور اس کا بلکہ پورے اعضاء کا ذکر آ گیا۔

الحدیث یفسر بعضہ بعضاً تو معلوم ہوا کہ پہلی روایت میں راوی کا اختصار تھا یہاں تفصیل ہے۔

فاذا مسح برأسہ۔ حتی تخرج من اذنیہ سے معلوم ہوا کہ الاذنان من الرأس (کہ کان مسح میں سر کے ساتھ ہیں) س میں ماء جدید کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ سر کے ساتھ کانوں سے خطایا کے خروج کا ذکر ہوا ہے۔

قولہ، ثم کان مشیہ، پھر اس کا مسجد کی طرف جانا اور اس کا نماز پڑھنا اس مذکورہ ثواب پر اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد کی طرف چلنا اس سے صلوٰۃ نافلہ بن جاتی ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کا نماز پڑھنا اسی مذکورہ ثواب پر اضافہ کا ذریعہ ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ پہلی حدیث میں اجمال تھا اس میں تفصیل ہے۔

اس حدیث کے اصل راوی کون ہیں۔ یہاں تو عبداللہ الصنابحی کا ذکر ہے بعض نے کہا یہ راوی عبداللہ ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کے راوی ابوعبداللہ ہیں۔ فقط عبداللہ نہیں۔ کیونکہ صحابہؓ میں ابوعبداللہ شمار ہوتے تھے نہ کہ عبداللہ۔ باقی عبداللہ الصنابحی کتنے ہیں۔ بعض نے اس کی تعداد سات تک پہنچائی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَى الْمَقْبَرَةَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ

ابوہریرہؓ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کی طرف آئے پھر کہا سلام ہے اے مومن جماعت کے گھر اور ہم تحقیق اگر اللہ نے چاہا

مُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ وَدِدْتُّ اَنَّا قَدْ رَاَيْنَا اِخْوَانَنَا قَالُوْا اَوَلَسْنَا اِخْوَانَكَ يَا رَسُوْلَ

تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ میں آرزو رکھتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھوں صحابہؓ نے عرض کیا کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی نہیں ہیں اے اللہ کے رسول

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِيْ وَاِخْوَانُنَا الَّذِيْنَ لَمْ يَأْتُوْا بَعْدُ فَقَالُوْا كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابی ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی نہیں آئے صحابہؓ نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح پہچان لیں گے

لَمْ يَأْتِ بَعْدُ مِنْ اُمَّتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اَرَءَيْتَ اَنَّ رَجُلًا لَهٗ خَيْلٌ غُرٌّ مُّحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْ

اپنی امت میں سے جو ابھی تک نہیں آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبر دو کہ اگر ایک شخص کے گھوڑے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں

خَيلِ دُهْمٍ بُهْمٍ اَلاَ يَعْرِفُ خَيلَهُ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ فَاِنَّهُمْ يَاْتُوْنَ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنَ الْوُضُوْءِ
والے ہوں نہایت سیاہ گھوڑوں کے درمیان کیا وہ ان کو نہیں پہچان لے گا صحابہؓ نے عرض کیا کیوں نہیں فرمایا پس وہ وضو کے اثر سے سفید پیشانی اور
وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ. (رواه صحیح مسلم)
سفید ہاتھ پاؤں والے آئیں گے اور میں ان سے پہلے موجود ہوں گا حوض کوثر پر روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: مقبرہ قبرستان' ظاہر یہی ہے اس قبرستان سے مراد جنت البقیع ہے کیونکہ مدینہ منورہ کا یہ واقعہ ہے اور مدینہ منورہ میں مشہور قبرستان یہی تھا۔

حاصل حدیث: نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لائے اور مذکور دعا فرمائی جب دعا سے فارغ ہوئے تو اس کے بعد ارشاد فرمایا میری طبیعت یہ چاہتی ہے کہ کاش ہم اپنے بھائیوں کو دیکھ لیں تو صحابہؓ نے عرض کیا کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی نہیں ہیں یا رسول اللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابی ہو۔ اس سے مقصود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخوۃ کی نفی کرنا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ کو اخوت کے مرتبے کے ساتھ ساتھ اور پر ایک اور مرتبہ صحابیت کا حاصل ہے۔ میرے بھائی تو وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور ان کو بھی صرف اخوۃ کا مرتبہ حاصل ہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت آئے گی وہ تو باقی امتوں کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک آنے والی امت کی معرفت کو تشبیہ المعقول بالمحسوس کے ساتھ سمجھایا کہ مثلاً ایک شخص ہے اس کے پاس گھوڑے ہوں جن کی پیشانیاں روشن اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں وہ ایسے گھوڑوں کے درمیان چھوڑ دیا جائے جو انتہائی کالے سیاہ ہوں سیاہی کے علاوہ کسی قسم کی کوئی نشانی نہیں کیا خیال ہے آپ کا مالک اپنے گھوڑوں کو پہچان نہ لے گا۔ کیا پہچاننے میں کوئی دشواری ہوگی۔ نہیں اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی ان کی علامتوں کی وجہ سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ میری امت کی بھی خاص علامت ہوگی۔ اور وہ علامت آثار وضوء کی وجہ سے غرہ اور محجل ہونا یعنی پیشانی کا روشن اور ہاتھ پاؤں کا سفید ہونا ہے۔ لہٰذا میں اپنی امت کو پہچان لوں گا اور پہچاننے میں کوئی دشواری بھی نہیں ہوگی۔

قولہ' وانا فرطھم علی الحوض۔ میں ان کا پیش رو ہوں گا حوض پر۔ ان شاء الله معلق بالمشية ہے۔

سوال۔ معلق بالمشیت کیوں کہا موت تو یقینی ہے۔

جواب۔ بطور تبرک کے کہا یا تحسین کلام کے لئے یا مقبرہ مخصوصہ میں تدفین کے اعتبار سے یہ کہا ہے۔

وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهُ بِالسُّجُوْدِ يَوْمَ
حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پہلا شخص ہوں جسے قیامت کے
الْقِيَامَةِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهُ اَنْ يَّرْفَعَ رَاْسَهُ فَاَنْظُرُ اِلٰى مَابَيْنَ يَدَيَّ فَاَعْرِفُ اُمَّتِي مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ
دن سجدہ کی اجازت دی جائے گی اور میں پہلا ہوں جسے اجازت دی جائے گی کہ اپنا سر اٹھاؤں میں اپنے آگے دیکھوں گا امتوں کے درمیان
وَمِنْ خَلْفِي مِثْلَ ذٰلِكَ وَعَنْ يَّمِيْنِي مِثْلَ ذٰلِكَ وَعَنْ شِمَالِي مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ
اپنی امت کو پہچان لوں گا اور دیکھوں گا پیچھے اپنے مانند اس کی اور اپنی دائیں جانب اور اپنی بائیں جانب مانند اس کی ایک شخص نے کہا
اللهِ كَيْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَكَ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ فِيْمَا بَيْنَ نُوْحٍ اِلٰى اُمَّتِكَ قَالَ هُمْ غُرٌّ مُحَجَّلُوْنَ مِنْ اَثَرِ
اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم امتوں کے درمیان سے اپنی امت کو کیسے پہچان لیں گے۔ حضرت نوحؑ سے لے کر اپنی امت تک فرمایا وہ

الْوُضُوءِ لَيْسَ اَحَدٌ كَذٰلِكَ غَيْرُ هُمْ وَاَعْرِفُهُمْ اَنَّهُمْ يُؤْتَوْنَ كُتُبَهُمْ بِاَيْمَانِهِمْ وَاَعْرِفُهُمْ تَسْعٰى
سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے ہونگے وضو کی وجہ انکے سوا ایسا کوئی بھی نہیں ہوگا اور میں انکو پہچان لوں گا کہ انکے اعمال نامے دائیں ہاتھوں
بَيْنَ اَيْدِيهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ. (رواه مسند احمد بن حنبل)
میں دیئے جائیں گے اور میں پہچان لوں گا کہ ان کے آگے انکی اولاد دوڑتی ہوگی۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے سجدہ کرنے کی اجازت مجھ کو ہوگی۔ اور سب سے پہلے سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت بھی مجھ کو ہوگی۔ دونوں اعتبار سے اولیت مجھ کو حاصل ہوگی۔ پس میں سجدہ سے سر اٹھاؤں گا تو میں اپنے سامنے دیکھوں گا پس میں پہچان لوں گا اپنی امت کو امتوں کے درمیان سے۔

قولہ' ومن خلفی مثل ذالک سامنے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف امت ہی امت ہے۔ جہات مختلفہ کو بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ میری امت تمام باقی انبیاء کی امتوں سے زیادہ ہوگی۔ کثیر التعداد ہونے اور مختلف المراتب ہونے سے کنایہ ہے۔ اس پر ایک صحابیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ حضرت نوحؑ کے زمانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک جو امتیں چل پڑی ہیں۔ نوحؑ کی امت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تک اتنی کثیر التعداد امتوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو دوسری امت سے کیسے ممتاز کریں گے کیسے پہچانیں گے۔

سوال۔ نوحؑ سے پہلے بھی تو امتیں گزری ہیں تو پھر نوح کی تخصیص کیوں کی۔

جواب-۱: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ مشابہت حضرت نوحؑ کے ساتھ تھی۔

آیت۔ **انا او حینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین.**

جواب-۲: چونکہ نوحؑ سے پہلے جو امتیں تھیں وہ قلیل تھیں اس لئے ان کو نظر انداز کردیا۔

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین علامتیں اپنی امت کی بیان فرمائیں۔

(۱) اعضاء وضوء کا چمکنا۔ غرۃ تحجیل۔ (۲) نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جانا۔

(۳) اولاد نابالغ کا سامنے موجود ہونا۔ تو ان علامتوں کی وجہ سے میں اپنی امت کو ممتاز کرلوں گا۔

سوال: ان تین علامتوں میں سے پہلی علامت کا ذکر تو ممیز ہونے کی حیثیت سے ہے آخری دو علامتیں تو دیگر امتوں میں بھی پائی جائیں گی تو پھر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی تخصیص کیوں؟

جواب-۱: مقصود اصلی وہ وصف اول ہی ہے باقی دو کا ذکر وصف مدح ہونے کی حیثیت سے ہے۔ دونوں وصف مشترک ہیں

جواب-۲: اگر یہ دونوں بھی ممیز ہونے کی حیثیت سے ہوں تو یہ بھی توجیہ ہوسکتی ہے کہ کیفیت میں فرق ہوگا۔ نامہ اعمال سب کو دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا مگر جس کیفیت کے ساتھ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا جائے گا اس کیفیت کے ساتھ دوسری امتوں کو نہیں دیا جائے گا۔ جیسے دنیا میں ہوتا ہے مدرسہ میں ایک یہ ہے کہ انعام مہتمم صاحب خود اپنے ہاتھ سے دیں اور ایک یہ ہے کہ استاذ کے ہاتھ کے ذریعہ دلوائیں تو دونوں کیفیتوں میں فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح اولاد نابالغ تمام امتوں کے سامنے موجود ہوگی۔ مگر اس کیفیت کے ساتھ سامنے موجود نہیں ہوگی جس کیفیت کے ساتھ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نابالغ اولاد اپنے والدین کے سامنے موجود ہوگی۔

تو کیفیت بدل گئی۔ کذالک غیرہم۔ ان کے ماسوا کو ایسا نہیں ہوگا۔ معلوم ہوا کہ وضوء اس امت کی خصوصیت نہیں لیکن آثار وضو خصوصیت ہیں۔

بَابُ مَا یُوْجِبُ الْوُضُوْءَ
وضوکوواجب کرنے والی چیزوں کا بیان

مسئلہ: موجب وضوء کیا چیز ہے۔اس میں مختلف اقوال ہیں۔

پہلاقول (۱) موجب وضوء ارادۂ صلوٰۃ ہے۔(۲) موجب وضوحدث ہے(۳) موجب وضوحدث مع ارادہ صلوٰۃ (۴) استباحۃ مالایستبیح الابالطھارۃ یعنی ایسی چیز کاارادہ کرنا جس کا مباح ہونا طہارت پر موقوف ہو۔ھذاھوالراجح۔(پہلا قول اس لئے مرجوع ہے کہ ارادۂ صلوٰۃ کے وقت تو طہارت ضروری نہیں پہلے بھی تو کر سکتے ہیں۔

دوسرا قول: اس لئے مرجوع ہے ہر بول و براز کے بعد وضوکرنا کوئی واجب نہیں ہے **تیسرا قول** اس لئے مرجوح ہے کہ اس سے اگرمس مصحف کرنا چاہتا ہے تو بھی بغیر طہارت کے بغیر وضوء کے نہیں کرسکتا) بلکہ مس مصحف کیلئے وضوضروری ہے۔

سوال: صاحب مشکوٰۃ نے باب کاعنوان قائم کیامایوجب الوضوء یعنی موجب وضوکااور معنون میں تو نواقض وضوکا بیان ہے تو عنوان اور معنون میں مطابقت نہیں۔ جواب۔مجازی طور پر موجبات سے نواقض کوتعبیر کردیا۔

نواقض وضوتین قسم پر ہیں (۱) اجماعی۔وہ نواقض جن کا ناقض ہونا اجماع ہے متفق علیہ ہے مثلاً بول و براز۔

(۲) اختلافی وہ جن کا نواقض وضوء ہونے میں ائمہ میں اختلاف ہے مثلاً مس ذکر احناف کے نزدیک ناقض وضونہیں اور شوافع کے نزدیک ناقض وضو ہے۔(۳) وہ نواقض جن کا احادیث سے ناقض ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی ان کے ناقض ہونے کا قائل نہیں۔مثلاً اکل ممامست النار سے وضو۔یہ حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ناقض ہے مگر ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کے ناقض ہونے کا قائل نہیں۔باقی اس باب کے بعد آنے والی احادیث میں تینوں قسموں کا ذکر ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰی یَتَوَضَّأَ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے وضوآدمی کی نماز قبول نہیں کی جاتی یہاں تک کہ وضوکرے۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حاصل حدیث محدث شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی یہاں تک وہ وضوکرلے

قوله حتیٰ یتوضا۔ سوال۔اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص بغیر وضوء کے نماز پڑھتا رہے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔یہاں تک وہ وضوکرلے تو اس کی سابقہ پچھلی نماز قبول ہوجائے گی۔حالانکہ اس کی پچھلی نماز (جو بغیر وضو کے پڑھی ہو) بھی قبول نہیں ہوگی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول ہوجائے گی۔

جواب حتیٰ قبولیت کی غایت نہیں ہے بلکہ یہ احداث کی غایت ہے۔معنی یہ ہے کہ محدث کی نماز قبول نہیں ہوگی۔بے وضو کی نماز قبول نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ وضوکرلے یعنی طہارۃ والے کی نماز قبول ہوگی۔

سوال۔اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے متیمم کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی کیونکہ یتوضاء کالفظ آیا ہے حالانکہ اس کی (متمم کی نماز) تو ہوجاتی ہے۔

جواب۔حتی یتوضا یہ کنایہ حتی یتطھر سے۔عام ازیں طہارت بالماء ہو یا بالتراب ہو متیمم اور متوضی اس میں دونوں داخل ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی۔
طُهُوْرٍ وَّلَا صَدَقَةٌ مِّنْ غُلُوْلٍ. (صحیح مسلم)
نہ ہی مال حرام سے خیرات قبول ہوتی ہے۔روایت کیا اس کو مسلمؒ نے۔

تشریح: حاصل حدیث اس حدیث کے دو جملے ہیں (۱) لاتقبل صلوٰۃ بغیر طھور اس کا حاصل یہ ہے کہ کوئی نماز قبول نہیں ہوتی بغیر طہارت کے لاتقبل صلوٰۃ۔نکرہ تحت النفی واقع ہے اور یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔عموم ہے خواہ صلوٰۃ حقیقی ہو یا حکمی ہو جیسے سجدہ تلاوت (وہ بھی بغیر وضوء کے ادا نہیں ہوتا) حقیقی ہو کر یومی ہو یا اسبوعی ہو جیسے جمعہ عام ازیں سنوی ہوں جیسے عیدین عام ازیں فجائی ہوں جیسے نماز جنازہ۔بغیر طہارۃ کے نماز کا کوئی فرد بھی قبول نہیں ہوگا۔لہذا جن لوگوں نے یہ کہا کہ سجدہ تلاوت بغیر وضوء کے جائز ہے ان پر یہ حجت ہے۔

سوال۔اس حدیث سے صرف اتنی بات معلوم ہوئی کہ بغیر وضو کے نماز قبول نہیں ہوگی۔تو قبولیت کی نفی سے صحت کی نفی لازم نہیں آتی اس لئے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جو صحیح تو ہو جاتی ہیں مگر ان پر اجر و ثواب نہیں ملتا۔قبول نہیں ہوتیں۔مثلاً مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا کوئی شخص مغصوبہ زمین میں نماز پڑھے تو اس کی نماز تو صحیح ہو جائے گی فرض تو ساقط ہو جائے گا اگرچہ اس پر اجر و ثواب نہیں ملے گا اور اسی طرح عبدابق کی نماز صحیح تو ہو جاتی ہے مگر قبول نہیں ہوتی اور اسی طرح کاہن کے پاس جانے والے کی نماز صحیح تو ہو جائے گی مگر قبول نہیں ہو گی۔تو معلوم ہوا کہ قبولیت کی نفی صحت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے حالانکہ امت کا اجماع ہے کہ طہارۃ کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔

جواب-۱: قبولیت کے دو معنے ہیں۔

۱-کون الشئی مستجمعا لجمیع شرائطه و ارکانه کسی چیز کا اپنے تمام ارکان و شرائط پر مشتمل ہونا۔

۲-کون الشئی واقعافی حیز مرضاۃ الرب بحیث یترتب علیه ثمرته' کسی شئی کا حق جل شانہ کی رضامندی کے مقام میں واقع ہونا اس حیثیت سے کہ اس پر اس کا ثمرہ مرتب ہو۔اب ہم کہتے ہیں کہ قبولیت بالمعنی الاول مرادف ہے صحت کے اور قبولیت بالمعنی الثانی اور صحت میں تفاوت ہے۔(یہ مخالف ہے صحت کے) حدیث میں بالمعنی الاول کی نفی ہے اور یہ مرادف ہے صحت کے بھی تو صحت کی بھی نفی ہوگی۔

بعنوان آخر حدیث میں مطلق قبولیت کی نفی ہے یعنی قبولیت کے دونوں معنوں کی نفی ہے لہذا جب قبولیت بالمعنی الاول کی نفی ہوگئی۔ قبولیت بالمعنی الثانی کی نفی بطریق اولیٰ ہوگئی اس لئے کہ مرادفین میں سے ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی ہو جاتی ہے لہذا دونوں معنوں کی نفی ہے۔

جواب-۲: لاتقبل کنایه ہے تردیعنی رد کردی جاتی ہے نماز بغیر وضوء کے تو اس صورت میں صحت کی بھی نفی ہوگی۔

جواب-۳: یوں کہوں لاتقبل یہ لاتصح سے کنایہ۔ قوله' بغیر ۔یہ غیر کون ہے۔غیر صفتی ہے یا غیر حرفی۔غیر اسمی وصفتی مغایر کے معنی میں ہے اور غیر حرفی الا کے معنے میں ہے۔بظاہر دونوں معنوں پر اشکال ہے۔

اشکال۔اگر غیر صفتی ہو تو معنے یہ ہوگا نہیں صحیح ہوتی نماز ایسی چیز کے ہوتے ہوئے جو مغایر ہو طہارۃ کے تو معلوم ہوا کہ طہارت کے مغایر کے ہوتے ہوئے نماز صحیح نہیں ہوتی اور طہور کے مغایرات میں سے ایک ثیاب بھی ہے تو لازم آیا کہ ثیاب کے ہوتے ہوئے نماز صحیح نہ ہو حالانکہ ستر عورت ہوگا تو تب جا کر نماز صحیح ہوگی اور اگر غیر حرفی ہو تو معنی یہ ہوگا کہ طہارت کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔یعنی صحت نماز صرف طہارۃ پر موقوف ہے حصر ہے اور یہ حصر صحیح نہیں اس لئے کہ طہارت کے علاوہ اور بھی چیزیں ایسی ہیں جن پر صحت نماز موقوف ہے۔مثلاً ستر عورت پر اور استقبال قبلہ وغیر ہما پر۔تو ہر دونوں صورتوں میں اشکال ہے۔

جواب: ہر دونوں شقوں کو اختیار کر کے جواب دیا جا سکتا ہے۔اگر غیر صفتی ہو تو مطلق مغایرت مراد نہیں بلکہ کامل مغایرت مراد ہے۔

اور طہور کا کامل مغایر حدث ہے اب معنی یہ ہوگا کہ حدث کے ہوتے ہوئے نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اگر غیر حرفی ہو تو یہ حصر علی وجہ المبالغہ ہے کہ نماز کی صحت اور کسی شرط پر موقوف ہو یا نہ ہو بہر حال طہارۃ پر موقوف ہے اگر چہ ستر عورۃ پر بھی موقوف ہے اور چیزوں پر بھی موقوف ہے نیز حدیث کا پہلا جملہ ایک مسئلہ اختلافی میں امام صاحب کی دلیل ہے وہ مسئلہ اختلافی مشہور ہے۔ جو آگے آرہا ہے۔

مسئلہ فاقد الطہورین: وہ شخص جس کو دو طہارتوں میں سے کسی کے اسباب بھی حاصل نہ ہوں تو اس کا کیا حکم ہے۔ مثلاً ایک شخص ایسی کوٹھڑی میں بند ہے کہ اس کے پاس پانی بھی نہیں ہے اور اس کے در و دیوار گوبر کے ساتھ لپی ہوئی ہیں گوبر ملا ہوا ہے کوئی پاک جگہ نہیں تو ایسا شخص نماز کے وقت کیا کرے گا۔ اس میں چار قول ہیں۔

پہلا قول: امام صاحب فرماتے ہیں **لا یصلی بل یقضی**۔ نماز نہ پڑھے بلکہ قضا کرے۔

دوسرا قول: صاحبین فرماتے ہیں **تشبیہ بالمصلین و یقضی**۔ نماز کی نیت نہ کرے بلکہ نمازیوں کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور نمازیوں والے اعمال کرتا رہے لیکن بعد میں اس نماز کو قضاء کرے جیسے نابالغ بچہ روزہ کے دن میں بالغ ہو جائے تو حکم ہے **تشبیہ بالصائمین** کرتا ہے اور جو گنجا ہے بالکل سر صاف ہے حج کے بعد احرام کھولنا ہے تو وہ **تشبیہ بالحلقین** کرے۔ صرف استرہ سر پر پھروالے اسی طرح یہاں بھی حکم ہے۔

تیسرا قول: مالکیہ کا قول **لا یصلی و لا یقضی**۔ نہ اس وقت نماز پڑھے اور نہ قضا کرے۔

چوتھا قول: شوافع کے متعدد اقوال ہیں (۱) **یصلی وجوباً و یقضی وجوباً** ۔ (۲) **یصلی استحباباً و یقضی استحباباً**۔ (۳) **یصلی وجوباً و یقضی استحباباً**۔ (۴) **یصلی استحباباً و یقضی وجوباً**۔ باقی ان کے دلائل اپنے اپنے مقام میں آجائیں گے۔ یہاں یہ حدیث امام صاحبؒ کے مذہب کے موافق ہے اس لئے کہ اس میں **من احدث بغیر طہور** مطلق آیا ہے خواہ واجد طہارتین ہو یا فاقد طہارتین ہو۔ مصلی کی کوئی تخصیص نہیں۔

قولہ' ولا صدقة غلول. اس کا حاصل یہ ہے کہ صدقہ حرام مال سے قبول نہیں ہوتا۔ لفظ غلول فرمایا۔ اسکا معنی ہے مال غنیمت میں خیانت کرنا۔

سوال: اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مال غنیمت سے خیانت شدہ مال سے صدقہ کرنا حرام ہے۔ باقی حرام مال کا صدقہ قبول ہو جاتا ہے حالانکہ باقی حرام مال کا صدقہ بھی غیر مقبول ہے۔ تو پھر غلول کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟

جواب-۱: دفع وہم مقصود ہے مال غنیمت جس میں وہ فی الجملہ اپنا حق سمجھ رہا ہے اس مال سے جب صدقہ جائز نہیں تو حرام مال سے بطریق اولیٰ صدقہ قبول نہیں ہوتا وہ بطریق اولیٰ حرام ہے۔

جواب-۲: **ذکر الخاص ارادة العام**۔ غلول بول کر مطلق حرام مال مراد ہے۔ خواہ کسی سبب سے بھی حرام ہو۔ اس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا حتیٰ کہ لکھا ہے کہ اگر حرام مال صدقہ کرتے وقت اس میں ثواب کی نیت کرتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔

سوال: فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر حرام مال جمع ہو جائے اگر کسی سے مل جائے اول تو اس کو اس کے مالک تک پہنچائے ورنہ صدقہ کر دے اور اسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے حرام مال صدقہ نہ کرے۔ جواب حرام مال صدقہ کرنے میں دو حیثیتیں ہیں۔

(۱) اجر و ثواب کی نیت سے صدقہ کرے (۲) اپنی جان چھڑانے کے لئے صدقہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنی ملک سے نکال دیا جائے بدوں نیت اجر و ثواب کے۔ حدیث کا مدلول بالمعنی الاول ہے۔ یہ حرام ہے اور فقہاء کا مدلول بالمعنی الثانی ہے اور یہ جائز ہے۔

سوال: پہلے جملے میں اور دوسرے جملے میں مناسبت کیا ہے جواب۔ پہلے جملے میں طہارۃ ظاہرہ کا بیان اور دوسرے جملے میں طہارۃ باطنہ کا بیان ہے۔ لہٰذا حدیث کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ کوئی نماز صحیح نہیں ہوتی ایسی چیز کے ساتھ جو طہارت کے مغایر ہو۔

وَعَنْ عَلِيٍّؓ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّآءً فَكُنْتُ اَسْتَحْيِيْ اَنْ اَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَانِ
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا کہ میں بہت مذی ڈالنے والا شخص تھا میں حیا کرتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھوں انکی بیٹی کی وجہ سے

ابْنَتِهٖ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَأَلَهٗ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهٗ وَيَتَوَضَّأُ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

میں نے مقداد کو حکم دیا اس نے پوچھا فرمایا دھوڈالے اپنا ستر اور وضو کرے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔حضرت علیؓ بہت شجاع تھے اور کثیر المذی تھے۔ بیوی کے ساتھ ملاعبت کرتے تو اکثر وقت مذی خارج ہو جاتی تھی اور ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ خروج مذی سے غسل واجب ہوتا ہے یا وضوء اور شرم کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھتے بھی نہیں تھے کیونکہ خود حضرت علیؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ان کے گھر نکاح میں تھیں (حضرت فاطمۃ الزہراءؓ) تو سسر سے اس قسم کی باتیں نامناسب تھیں تو اس لئے حضرت علیؓ نے حضرت مقدادؓ کو حکم دیا کہ وہ میرے بارے میں مسئلہ پوچھیں تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ذکر کو دھولے اور وضو کرلے۔یعنی خروج مذی سے وضوء واجب ہوتا ہے غسل نہیں۔تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرم وحیاء کی وجہ سے اگر مسئلہ نہ پوچھ سکے تو محروم نہیں رہنا چاہئے بلکہ مسئلہ بالواسطہ پوچھ لے جیسے حضرت علیؓ نے بالواسطہ پوچھا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تَوَضَّؤُا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اس چیز کے کھانے کے بعد

قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ الْاَجَلُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ هٰذَا مَنْسُوْخٌ بِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

وضو کرو جسے آگ پہنچی ہے امام بزرگ شیخ محی السنۃ کہتے ہیں اللہ کی ان پر رحمت ہو یہ حکم منسوخ ہے۔ابن عباسؓ کی اس حدیث کے ساتھ کہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ کھایا اور پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کا اکل موجب للوضوء ہے تو یہ حدیث سب کے خلاف ہے چنانچہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔**قولہ' قال الشیخ الامام الاجل الخ:** (کتنا ادب ہے) سے امام محی السنہ نے شوافع کی طرف سے جو جواب دیا ہے صاحب مشکوٰۃ نے اس کو نقل کیا ہے۔

جواب یہ حدیث منسوخ ہے باقی ناسخ کونسی حدیث ہے فرمایا یہی حدیث ابن عباسؓ کہ جس میں یہ ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے کندھے کا گوشت کھایا (ظاہر ہے کہ پکا ہوا کھایا کچا تو نہیں کھایا جاتا) پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔تو معلوم ہوا کہ اکل ممامست النار سے وضو واجب نہیں۔لیکن محققین نے اس جواب کو پسند نہیں کیا۔یہ منسوخ تو ہے مگر ابن عباسؓ والی حدیث کو ناسخ پسند نہیں کیا کہ اس کے ساتھ منسوخ نہیں اس لئے کہ اس میں تقدم وتاخر کی کوئی تصریح نہیں۔اس بات کی کوئی تصریح نہیں کہ ممامست النار سے وضو پہلے تھا پھر یہ فعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔یا ممامست النار سے وضو بعد میں تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل پہلے تھا۔لہٰذا عندالجمہور صحیح یہ ہے کہ ناسخ حدیث جابرؓ کو بنایا جائے جس میں مذکور ہے۔**کان آخر الافعلین الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترک الوضوء ممامست النار** (الحدیث) فعلین سے مراد (۱) **فعل وضو ممامست النار۔** (۲) **ترک وضو ممامست النار**۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلین میں آخری تک وضو ممامست النار ہے۔تو اس میں تقدم وتاخر کی تصریح ہے کہ ترک وضو ممامست النار یہ متاخر ہے اور فعل وضو ممامست النار مقدم ہے تو لہٰذا یہ صحیح ناسخ بنے گی۔

سوال: فعل کیسے ناسخ ہوا قول کے لئے (قول تو قوی ہوتا ہے فعل سے اس لئے قول فعل کیلئے ناسخ نہیں ہوتا)۔

جواب-۱: صحابہ کو معلوم ہے کہ آخری فعل ترک وضو ممامست النار ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل دلیل ہے اس بات کی کہ

یہاں کوئی نص موجود ہے جو ناسخ ہے اس نص کے لئے تو لہٰذا قول ناسخ بنانہ کہ فعل۔

جواب-۲: وضولغوی پر محمول ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ اور کلی وغیرہ کر لینا۔

جواب-۳: ہم مانتے ہیں وضو شرعی ہے لیکن حکم استحبابی ہے۔وجوبی نہیں اس صورت میں منسوخ کا قول کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر جواب یہ حدیث منسوخ ہے باقی ناسخ کونسی حدیث ہے عندالشوافع حدیث ابن عباسؓ اور عندالجمھو رحدیث جابرؓ) اس حدیث کو جب ابو ہریرۃؓ نے حضرت ابن عباسؓ کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر میں سردیوں کے زمانے میں گرم پانی سے وضو کروں تو پھر ٹھنڈے پانی سے بھی وضو کروں کیونکہ گرم پانی مما مست النار ہے۔تو ابو ہریرۃؓ نے فرمایا یا ابن اخی (محاورۃ) اے بھتیجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے سامنے اپنی عقل کی باتیں مت کرو۔فرق سمجھ ایک ہے اکل اور ایک ہے استعمال۔(گرم پانی سے وضو کرنا استعمال ہے اکل نہیں)واللہ الموفق۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَؓ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْغَنَمِ قَالَ
حضرت جابرؓ بن سمرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ہم بکری کے
اِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا تَتَوَضَّأْ قَالَ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُوْمِ الْاِبِلِ قَالَ نَعَمْ فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُوْمِ
گوشت سے وضو کریں فرمایا اگر چاہے تو وضو کرلے اگر چاہے وضو نہ کر۔کہا کیا ہم وضو کریں اونٹ کے گوشت سے فرمایا ہاں اونٹ کے گوشت
الْاِبِلِ قَالَ اُصَلِّيْ فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَالَ نَعَمْ قَالَ اُصَلِّيْ فِيْ مَبَارِكِ الْاِبِلِ قَالَ لَا.(صحیح مسلم)
سے وضو کرلے۔کہا بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھوں فرمایا ہاں کہا اونٹوں کے باندھنے کی جگہ نماز پڑھ لوں فرمایا نہیں روایت کیا اس کو مسلمؒ نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ایک شخص نے نبی کریم سے چند سوالات کئے چنانچہ پہلا سوال کیا کہ اکل لحم غنم سے وضو ہم کریں یا نہ کریں۔مسئلہ اکل لحم غنم (شاۃ) موجب للوضو ہے یا نہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تخییر ہے اگر چاہو تو وضو کرلو اگر چاہو تو وضو نہ کرو تو معلوم ہوا کہ اکل لحم شاۃ موجب للوضو نہیں اور دوسرا سوال کیا کہ اکل لحم ابل موجب للوضوء ہے یا نہیں۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم مسئلہ کہ مما مست النار میں سے خاص فرد لحوم ابل کا اکل ناقض للوضوء ہے یا نہیں۔

احناف کے نزدیک ناقض نہیں اور حنابلہ کے نزدیک ناقض ہے۔اور یہ حدیث حنابلہ کی دلیل ہے اس لئے کہ اس میں فرمایا نعم. فتوضأ من لحوم الابل۔جمہور کی طرف سے اسکے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔ جواب-۱: یہ وضو لغوی پر محمول ہے ہاتھ دھونا کلی کرنا وغیرہ۔

جواب (۲) لحوم ابل سے وضو کی نہی اس لئے دی کہ اس کے گوشت میں وسوست ہوتی ہے۔اس لئے حکم دیا جبکہ آگے آ رہا ہے۔

سوال: وضوء لغوی تو دونوں میں مستحب ہے یعنی اکل لحم شاۃ کے بعد بھی وضو ہے تو پھر فرق کیوں کیا گیا؟

جواب: اس فرق کی وجہ سے اکل لحم ابل کے بعد وضو مستحب ہے علی وجہ التاکید اور اکل لحم شاۃ کے بعد وضو مستحب ہے لیکن علی وجہ التاکید نہیں نفس استحباب ہے۔

سوال: اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ایک میں علی وجہ التاکید ہے ایک میں علی وجہ التاکید نہیں۔

جواب-۱: وجہ فرق گوشت کے اندر دسومۃ (چکناہٹ) کا زیادہ ہونا نہ ہونا ہے بکریوں کے گوشت میں چکناہٹ زیادہ نہیں بنسبت ابل کے گوشت کے کہ اس میں چکناہٹ زیادہ ہوتی ہے۔

جواب-۲: وضو شرعی مراد ہے لیکن حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔باقی یہ حکم استحبابی اس لئے نہیں کہ یہ ناقض للوضوء ہے بلکہ یہ حلت والے انعام کے شکریے کو ادا کرنے کے لئے ہے۔پہلے بنی اسرائیل کی وجہ سے اونٹ کا گوشت کھانا حرام ہو گیا تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس امت کے لئے اونٹ کے گوشت کو حلال قرار دے دیا گیا۔

جواب-۳: (یہ حکم استحبابی بھی خواص کے لئے ہے) اگر مان لیا جائے کہ یہ حکم وجوبی ہے تو پھر یہ منسوخ ہے۔ اکل ممامست النار کا فرد ہونے کی وجہ سے اور اکل ممامست النار کے بعد وضو حدیث جابرؓ کی وجہ سے یہ منسوخ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تیسرا سوال: میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں۔ تو ارشاد فرمایا ہاں پڑھ سکتے ہو۔ تو چونکہ بکریوں کے باڑے میں مینگنیاں ہوتی ہیں۔ مسئلہ کہ ماکول اللحم جانوروں کی مینگنیاں پاک ہیں یا ناپاک ہیں۔ احناف کے نزدیک ناپاک اور مالکیہ کے نزدیک پاک ہیں۔ اور یہ جملہ مالکیہ کے موافق ہے اور احناف کے خلاف ہے۔

احناف کی طرف سے جواب:۔ فی مرابض الغنم سے قرب مرابض الغنم مراد ہے تو سائل کا مطلب یہ تھا کہ بکریوں کے باڑے کے قریب اگر کوئی جگہ پاک ہو تو کیا وہاں نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں فرمایا ہاں پڑھ سکتے ہو۔

چوتھا سوال:۔ کہ کیا اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں فرمایا نہیں پڑھ سکتا۔

اس کی وجوہ فرق کیا ہیں۔ وجہ فرق نجاست اور عدم نجاست نہیں بلکہ وجہ فرق اور ہیں۔ وجہ فرق (۱) ایذاء پہنچنے کا اندیشہ کا ہونا نہ ہونا ہے بکریوں کے باڑے میں ایذا پہنچنے کا اندیشہ نہیں (بخلاف) اونٹوں کے باڑے میں ایذا پہنچنے کا اندیشہ ہے ان کی ایذاء سے امن نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ فرق (۲) نیز پیشاب کے چھینٹوں کے لگنے کا اندیشہ ہونا نہ ہونا ہے کہ اونٹ کھڑے ہو کر پیشاب کرتا ہے اس لئے اندیشہ ہے کہ پیشاب کے چھینٹے پڑ جائیں اس لئے وہاں نماز نہ پڑھو۔ بخلاف بکری کے کہ وہ پیشاب کرتے وقت نیچے ہو جاتی ہے اس میں اندیشہ نہیں کہ چھینٹے پڑ جائیں اس لئے وہاں نماز پڑھ سکتے ہو۔

وجہ فرق (۳) بکری جنتی جانور ہے اس وجہ سے اسکے باڑے کے قریب نماز پڑھنا جائز ہے اور ابل کی تخلیق مادہ ناریہ سے ہوئی ہے اس لئے اس کے باڑے کے قریب نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَجَدَ اَحَدُكُمْ فِیْ بَطْنِهٖ شَیْئًا فَاَشْكَلَ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت پائے ایک تمہارا اپنے پیٹ میں کوئی چیز
عَلَیْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَیْءٌ اَمْ لَا فَلَا یَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰی یَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ یَجِدَ رِیْحًا ۔ (صحیح مسلم)
پس شک کرے کہ نکلی ہے اس سے کوئی چیز یا نہیں پس نہ نکلے مسجد سے یہاں تک کہ سنے آواز یا معلوم کرے بو۔ روایت کیا ہے اس کو مسلمؒ نے۔

تشریح: حاصل حدیث: اگر باوضو مسجد میں بیٹھا ہو اور اس کے پیٹ میں گڑ بڑ ہو جائے اور اس کو نقض طہارت کا شبہ ہو گیا تو محض شبہ کی وجہ سے وضو نہ کرے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ طہارت کا ہونا امر متقین ہے اور نقض میں شبہ پیدا ہو گیا اور قاعدہ اور ضابطہ ہے الیقین لایزول بالشک۔

سوال۔ اگر کوئی بہرہ ہو یا زکام زدہ ہو تو اس کو سمع صوت اور وجدان ریح تو نہ ہوا تو اس کا وضو بھی نہیں ٹوٹے گا۔

جواب۔ سمع صوت اور وجدان ریح یہ کنایہ ہے حدث کے یقینی ہونے سے عام ازیں سمع صوت ہو یا نہ ہو خواہ ریح ہو یا نہ ہو۔

فلایخرج من المسجد یہ کنایہ ہے کہ اس بات سے کہ وضو باقی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ اِنَّ
حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہا بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا پس کلی کی اور فرمایا
لَهٗ دَسَمًا ۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
دودھ میں چکناہٹ ہوتی ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ دسما چکناہٹ اس حدیث سے قاعدہ معلوم ہوا کہ دسومۃ والی چیز کے اکل کے بعد کلی کرنا

مستحب ہے۔دودھ میں چکناہٹ ہے۔آخر میں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ بظاہر تو اس باب سے اس حدیث کی کچھ مناسبت نظر نہیں آتی اس لئے یہ اعتراض پیدا ہوسکتا ہے کہ مصنف مشکوۃ نے اس حدیث کو اس باب میں کیوں ذکر کیا۔اس کا مختصر جواب چونکہ اس حدیث میں کلی کا ذکر کیا گیا اور یہ متعلقات وضو سے ہے اس لئے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔

وَعَنْ بُرَيْدَةَؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصَّلَوَاتِ يَوْمَ الْفَتْحِ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ وَّمَسَحَ

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح کیا۔حضرت عمر نے کہا آج

عَلٰى خُفَّيْهِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُؓ لَقَدْ صَنَعْتَ الْيَوْمَ شَيْئًا لَّمْ تَكُنْ تَصْنَعُهٗ فَقَالَ عَمْدًا صَنَعْتُهٗ يَا عُمَرُؓ. (مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمل کیا ہے کہ اس سے پہلے نہیں کرتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔روایت کیا اسکو مسلمؒ نے

تشریح: قوله' لم تكن تصنعه'۔جس عمل کو کرنے کی آپ کی پہلے حالت نہیں تھی۔

حاصل حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک وضوء سے متعدد نمازیں پڑھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا ہوا تھا اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج ایسا عمل کیا ہے کہ جس عمل کو کرنے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے سے عادت نہیں تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے قصداً کیا ہے۔وہ عمل کونسا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عادت کے خلاف کیا آج سے پہلے تو کیا نہیں آج کرلیا۔راجح یہی ہے۔ایک وضوء کے ساتھ متعدد نمازوں کو پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت نہیں تھی۔الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ میں نے یہ قصداً کیا ہے۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً ایسا کیوں کیا۔

جواب: دفع وہم کے لئے وہ وہم یہ ہے کہ آیت وضوءیایها الذین آمنوا اذاقمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوهكم۔(الآیۃ) سے بظاہر وجوب وضوء لکل صلوٰۃ کا وہم ہوتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عمل سے بتلا دیا کہ آیت وضو کا حکم حدث کی قید کے ساتھ مقید ہے۔ای اذاا ردتم الصلوٰۃ وانتم محدثون فاغسلوا وجوهكم الخ۔

مسئلہ اختلافیہ ہر نماز کیلئے تجدید وضو کا کیا حکم ہے اس میں اختلاف ہے داؤد ظاہری کے نزدیک ہر نماز کے لئے تجدید وضو واجب ہے لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔

دلیل جمہور کی طرف سے حضرت بریدہؓ کی حدیث باب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز پانچوں نمازیں ایک ہی وضو سے ادا فرمائیں۔

داؤد کی ظاہری دلیل:۔اللہ تعالیٰ کے فرمان اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوهكم (الایۃ) اس میں ہر قیام الی الصلوٰۃ کے موقع پر وضو واجب کیا گیا ہے۔

جوابات: جمہور کی طرف سے جواب-۱: آیت کریمہ میں یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔لیکن اس جواب کو پسند نہیں کیا گیا (یہ مرجوح ہے) اس لئے فقہاء نے اس آیت کریمہ سے وجوب وضو پر استدلال کیا ہے۔

جواب-۲: آیت کریمہ میں جو حکم ہے یہ وجوبی ہی ہے لیکن یہ حکم صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا جو بعد میں منسوخ ہو گیا لیکن اس جواب کو بھی پسند نہیں کیا گیا اس لئے کہ اذاقمتم میں ضمیر جمع مخاطب کی ہے۔

جواب-۳: یہ حکم ابتداء وجوبی تھا (وضوء لکل صلوٰۃ) وجوبی ہی تھا اور ساری امت کے لئے بھی یہی حکم تھا لیکن بعد میں منسوخ ہوگیا۔باقی ناسخ کیا ہے؟ تعامل صحابہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ ناسخ کی علامت ہے۔لیکن اس جواب کو بھی پسند نہیں کیا گیا کیونکہ یہ آیت سورۃ مائدہ کی ہے اور سورۃ مائدہ میں نسخ کا قول صحیح نہیں کیونکہ کہا یہ جاتا ہے کہ سورۃ مائدہ کے احکام منسوخ نہیں ہوئے۔

جواب-۴: اذا قمتم۔یہ حقیقی معنے پر محمول ہے اذاقمتم من المضاجع کی قید کے ساتھ مقید ہے ظاہر ہے کہ سونے سے وضو

ٹوٹ جاتا ہے تو اب اٹھ کر وضو کرو تو اس صورت میں منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں (بنی الاسلام علی خمس)

جواب-۵: یہاں ایک قید کے ساتھ مقید ہے۔ اذا اردتم القیام و انتم محدثون فاغسلوا وجوهكم الخ اس پر قرینہ و دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور تعامل صحابہ ہے۔

فائدہ۔ اس حدیث کی باب سے مناسبت یہ ہے کہ محض ارادہ نماز موجبات وضو میں سے نہیں بلکہ جب حدث طاری ہو تب وضو لازم ہوگا۔

وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ النُّعْمَانِ ؓ اَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى اِذَا كَانُوْا
حضرت سویدؓ بن نعمان سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے سال نکلے یہاں تک کہ
بِالصَّهْبَآءِ وَهِيَ مِنْ اَدْنٰى خَيْبَرَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَا بِالْاَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ اِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَاَمَرَ بِهٖ فَثُرِّيَ
صہباء میں پہنچے جو خیبر کے نزدیک ہے عصر کی نماز پڑھی توشہ منگوایا پس نہ حاضر کیا گیا مگر ستو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا پس وہ گھولے گئے۔
فَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ اِلَى الْمَغْرِبِ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا ثُمَّ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا اور ہم نے بھی کھایا پھر نماز مغرب کی طرف کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی
صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. (صحيح البخاری)
پھر نماز پڑھی اور وضو کیا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: حاصل حدیث۔ اس حدیث میں غزوہ خیبر کی طرف تشریف لے جانے کے لئے جو سفر ہوا اس کی کیفیت کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت سوید بن نعمانؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ نکلے غزوہ خیبر والے سال میں یہاں تک جب وہ مقام صہبا میں پہنچے تو (وھی من ادنی خیبر یہ راوی کی کلام ہے کہ مقام صہباء خیبر کے قریب ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی پھر کھانے پینے کی چیزیں منگوائیں پس نہیں لایا گیا مگر ستو یعنی کھانے کی چیزوں میں سے صرف ستو تھے اور کچھ نہیں تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اس کو بھگونے کا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ان کو بھگویا گیا۔ فثری تر کئے گئے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا اور ہم نے بھی کھایا۔ پھر اقامت کہی گئی۔ مغرب کے لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور ہم نے بھی کی پھر نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر والے سال ایک وضوء سے متعدد نمازیں پڑھائی تھیں۔ غزوہ خیبر ۵ ھجری میں ہوا اور غزوہ فتح مکہ ۹ ھجری میں ہوا تو مسئلہ تو امت کو پہلے سے معلوم تھا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً ایسا کیوں کیا؟

جواب: ممکن ہے غزوہ خیبر کے سفر میں بعض کو علم ہوا اور بعض کو نہ ہوا اور حضرت عمرؓ انہی میں سے ہوں جن کو اس کا علم نہیں تھا (نہ ہوسکا) تو اس لئے فتح مکہ کے موقعہ پر انہوں نے سوال کیا۔ یا غزوہ خیبر کے موقعہ پر عام اعلان نہیں ہوا تھا اور فتح مکہ کے موقعہ پر عام اعلان ہوا۔

سوال۔ غزوہ خیبر سے پہلے (یا پہلی حدیث کی روشنی میں) فتح مکہ سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو لکل صلوٰۃ عمل فرمایا اس کی کیا کیفیت تھی آیا آگے کا عمل وضو لکل صلوٰۃ وجوبی طور پر تھا یا استحبابی طور پر تھا؟

جواب۔ اس میں دو قول ہیں (۱) ابتداء استحبابی طور پر تھا۔ (۲) ابتداء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا ہر نماز کے لئے وجوبی طور پر تھا پھر دشواری کی بناء پر بعد میں منسوخ ہوگیا۔ منسوخ کرکے ایک وضوء کے ساتھ متعدد نمازیں پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ اس پر اب امت کا اجماع ہے کہ وضو لکل صلوٰۃ واجب نہیں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

مسائل مستنبطہ بھذا الحدیث۔ مسئلہ-۱: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کے بعد کھانا بھی جائز ہے۔

مسئلہ-۲: اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ امیر کو اختیار ہے حکم کرے کہ ضرورت کے وقت تمام چیزیں جو موجود ہوں ساتھیوں

سے منگوا لے اور سب اکٹھے اجتماعی طور پر کھائیں۔ مسئلہ-۳: یہ بھی معلوم ہوا کہ سفر میں زادراہ لے جانا کوئی توکل کے خلاف نہیں۔
مسئلہ-۴: مماست النار سے وضوء بھی نہیں کیونکہ ستو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا تو ستو پہلے بھونہ جاتا ہے پھر گھی وغیرہ ملا کر کھایا جاتا ہے۔
مسئلہ-۵: یہ بھی معلوم ہوا کہ وجوب وضو لکل صلوٰۃ نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیُ

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا وَضُوْءَ اِلَّا مِنْ صُوْتٍ اَوْرِیْحٍ.
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے۔ وضو کرنا لازم آتا مگر آواز سے یا بو سے روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی نے۔

(رواہ مسند احمد بن حنبل والجامع ترمذی)

تشریح: سوال۔ نواقض وضو کا حصر خروج ریح میں صریح وبدیہی البطلان ہے۔
جواب-۱: یہ حصر مکان کے اعتبار سے ہے۔ مطلق نہیں بلکہ داخل فی المسجد کے اعتبار سے ہے۔ معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور باوضو اس کو نقض وضوء کا شبہ پیدا ہو جائے تو فرمایا لا وضو الخ کیونکہ اس کے حق میں عمومی طور پر یہی (خروج ریح) ناقض پایا جاتا ہے۔ باقی قصداً اخراج ریح کو مسجد میں حرام قرار دیا ہے۔
جواب-۲: یہ حصر اخفا النواقض اور اخفاء الحدث کے اعتبار سے ہے۔ یعنی جب یہ اخفا النواقض والحدث بھی ناقض وضوء ہے تو جو اشد ہو گا وہ بطریق اولیٰ ناقض وضو ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔
جواب-۳: یہ حصر اغلب الوجود نواقض ہونے کے اعتبار سے ہے۔ یعنی نواقض وضوء میں سے خروج ریح اکثر الوجود اور اغلب الوجود ہے۔
جواب-۴: یہ کنایہ ہے لاوضوء من حدث مشکوک الامن حدث متیقن سے یعنی جب حدث یقینی ہو جائے تو وضو واجب ہے۔

وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذِیِّ فَقَالَ مِنَ الْمَذِیِّ
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مذی کے متعلق۔ فرمایا مذی نکلنے سے وضو آتا ہے اور منی نکلنے سے غسل۔
الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِیِّ الْغُسْلُ. (رواہ الجامع ترمذی)
روایت کیا اس کو ترمذی نے

تشریح: ۔ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ خروج مذی سے وضو اور خروج منی سے غسل واجب ہوتا ہے۔
حاصل حدیث:۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خروج مذی کے متعلق سوال کیا کہ اس سے کیا چیز واجب ہوتی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خروج مذی سے وضوء واجب ہوتا ہے اور خروج منی سے غسل واجب ہوتا ہے۔ فقال من المذی الوضوء اصل میں عبارت یوں ہے فقال یجب من خروج المذی الوضوء آگے بھی اسی طرح یجب من خروج المنی الغسل۔
سوال: پہلی فصل والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے (حضرت علیؓ نے حضرت مقداد کو حکم فرمایا۔ انہوں نے سوال کیا) حضرت مقداد کے واسطے سے سوال کیا اور فصل ثانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے بلاواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مقداد کے واسطہ سے سوال کیا اور ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمارؓ کے واسطہ سے سوال کیا کہ حضرت عمار کو حکم دیا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا؟ تطبیق کیسے؟
جواب-۱: جہاں سوال بالواسطہ کا ذکر ہے وہ حقیقت پر محمول ہے اور جہاں سوال بلاواسطہ کا ذکر ہے وہ مجاز پر محمول ہے اس لئے کہ

مسئول کا حکم دینے والے حضرت علیؓ تھے اس لئے مجازاً انہوں نے اپنی طرف نسبت کردی۔
جواب -۲: جہاں بلا واسطہ سوال کا ذکر ہے وہ حضرت علیؓ کے حال کے متعلق سوال ہے اور جہاں بلواسطہ سوال کا ذکر ہے وہ حضرت علیؓ نے مطلقاً مذی کے متعلق سوال کیا لالنفسہ اپنی ذات کیلئے نہیں۔ایک میں مقداد اور ایک میں عمار کا ذکر ہے۔
جواب: ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے پہلے مقداد کو حکم دیا ہوا انہوں نے کچھ تاخیر کی ہو غفلت کی ہو تو پھر حضرت عمرؓ کو حکم دیا ہو یا پھر یوں کہو کہ دونوں ایک ہی مجلس میں ہوں تو دونوں کو حکم ہوا۔
الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مذی موجب وضو ہے موجب غسل نہیں۔چنانچہ اس پر اجماع ہے کہ خروج مذی سے وضو واجب ہوتا ہے غسل واجب نہیں ہوتا۔
لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کتنی مقدار عضو کا غسل واجب ہے۔اس میں تین مذاہب ہیں احناف کا مذہب محل اصابت نجاست کا غسل واجب ہے یعنی جتنی مقدار میں عضو پر مذی لگی ہوئی ہے صرف اسکا دھونا واجب ہے۔(۲) مالکیہ کا مذہب بتامیہ کا غسل واجب ہے۔
(۳) حنابلہ کہتے ہیں مذاکیر کا غسل واجب ہے۔مذاکیر کا مطلب موحولہا۔ذکر اور انثیین کا دھونا واجب ہے۔انثیین کو بھی تغلیباً ذکر کے تابع کردیا۔یہ روایت بظاہر مالکیہ کے موافق ہے اور باقی ائمہ کے خلاف ہے کیونکہ اس میں فرمایا **یغسل ذکرہ** ' ویتوضا پورے عضو کا دھونا مراد ہے۔
احناف کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ذکر اکل ارادالجز ہے اور نیز قیاس کا مقتضا بھی یہی ہے کہ محل اصابت نجاست کا غسل واجب ہے۔دوسری اشیاء نجس پر قیاس کرتے ہوئے کہ جس طرح عام نجاستوں میں قاعدہ یہی ہے کہ محل اصابت نجاست کا غسل ہوتا ہے اسی طرح یہاں ہوگا۔اگر علی سبیل التنزل ہم تسلیم کرلیں کہ ذکر پورا مراد ہے تو پھر ہم کہتے ہیں پورے عضو کو دھونے کا حکم بطور علاج کے ہے تاکہ تبرید (ٹھنڈک) پیدا ہوجائے اور مذی کے خروج میں کمی آجائے اور اسی کی نظیر بھی ملتی ہے۔مثلاً ہدی کا جانور اس کا دودھ دھویا نہیں جاتا بلکہ اس کے تھنوں پر پانی کے چھینٹے مارے جاتے ہیں تاکہ برودت کی وجہ سے وہ دودھ اوپر کی طرف سے چڑھ جائے۔
حنابلہ کی دلیلیں یہاں مذکور نہیں وہ روایتیں ہیں کہ جن میں یغسل مذاکیر کے الفاظ آتے ہیں ان کا جواب بھی متعین ہے کہ یہ حکم تشریعی نہیں بلکہ علاج کی قبیل سے ہے۔علاج یہ ہے کہ اس کے برودت کی وجہ سے مذی سکڑ جاتی ہے اور مذی کا خروج کم ہوجاتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُوْرُ وَ تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا

اسی حضرت (علی) سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کی کنجی وضو ہے اور تحریم اس کی تکبیر ہے اور تحلیل اس کی

التَّسْلِيْمُ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ' وَعَنْ اَبِي سَعِيْدٍ.

سلام پھیرنا ہے۔روایت کیا اس کو ابوداؤد' ترمذی' دارمی نے اور روایت کیا ہے اس کو ابن ماجہ نے علی اور ابوسعید سے

تشریح: حاصل حدیث حیث ایک معنوی قفل ہے اس کی چابی طہارت ہے یعنی جس طرح مقفل دروازہ بغیر چابی کے نہیں کھلتا اسی طرح آدمی طہارت کے بغیر نماز میں مشروع نہیں ہوسکتا نماز میں شروع ہونے کے لئے چابی طہارت ہے۔
ترجمہ **وتحریمھا التکبیر**: سوال۔تحریم مصدر ہے اور مصدر کی اضافت دو طرح استعمال ہوتی ہے۔کبھی فاعل کی طرف اور کبھی مفعول کی طرف۔یہاں تحریم مصدر کی اضافت **ھا** ضمیر کی طرف ہو رہی ہے یہ اضافت کونسی ہے؟ اگر یہ اضافت الی الفاعل ہے تو معنی یہ ہوگا کہ نماز تکبیر کو حرام کرنے والی ہے اور اگر یہ اضافت الی المفعول ہے تو یہ معنی ہوگا کہ تکبیر نماز کو حرام کرنے والی ہے تو دونوں صورتوں میں معنی صحیح نہیں لگتا۔
جواب: یہ اضافت نہ الی الفاعل ہے اور نہ الی المفعول ہے بلکہ یہ اضافت الی الظرف ہے۔اب معنی یہ ہوگا نماز میں اشیاء کو حرام کردینے والی وہ تکبیر ہے یعنی جو چیزیں قبل الصلوۃ نماز میں مباح تھیں حلال تھیں وہ تکبیر سے حرام ہوگئی۔(خلاصہ یہ ہوا کہ) **محرم الاشیاء فی الصلوۃ التکبیر (اشیاء مباحہ قبل الصلوۃ) تحلیھا التسلیم۔** نماز میں جو چیزیں حرام تھیں انکو حلال ومباح کرنیوالی چیز تسلیم ہے۔**محلل الاشیاء التسلیم۔**

مسئلہ فقہی۔ تکبیر تحریمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ آیا شرط ہے یا رکن ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک شرط صلوٰۃ ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک رکن صلوۃ ہے۔ شرط شئی سے خارج ہوتی ہے۔ الشرط خارج الصلوٰۃ و الرکن داخل الشئی ثمرہ اختلاف اس میں نکلے گا کہ ایک شخص تکبیر کے وقت حامل نجاست ہے تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں ہوگی تو امام صاحبؒ کے نزدیک صحیح ہو جائے گی بشرطیکہ اس کو فوراً پھینک دے اور ائمہ ثلثہ کے نزدیک صحیح نہیں ہوگی۔

امام صاحب کی دلیل۔ و ذکر اسم ربه فصلی۔ اس میں صلی کا عطف ہو رہا ہے اسم ربه پر اور عطف میں اصل پر مغایرت ہے اور ذکر اسم ربه سے مراد تکبیر تحریمہ ہے تو معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ نماز سے خارج ہے۔

جمہور کی دلیل ۔ ۱: یہی حدیث الباب ہے۔ تحریمها التکبیر۔ مبتدأ اور خبر دونوں معرفہ ہیں۔

دلیل ۔ ۲: جو شرائط بقیہ ارکان کے ہیں وہی شرائط تکبیر تحریمہ کے ہیں تو معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ بھی رکن ہے۔

فریق مخالف کے دلائل کے جوابات: امام صاحبؒ کی طرف سے جواب یہ خبر واحد ہے اس سے رکنیت کا اثبات صحیح نہیں۔ رکنیت کے اثبات کے لئے ایسی دلیل کی ضرورت ہے جو قطعی الثبوت ہونے کے ساتھ ساتھ قطعی الدلالت بھی ہو اور یہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نہیں۔

عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جو شرائط بقیہ ارکان کیلئے ہیں وہی شرائط تکبیر تحریمہ کے ہیں۔ یہ شرائط مقارنہ کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے کہ یہ رکن ہے۔

دوسرا اختلافی مسئلہ۔ تکبیر تحریمہ کے الفاظ کیا ہیں (کوئی متعین ہیں یا نہیں) اس میں چار قول ہیں۔

(۱) پہلا قول مالکیہ۔ تکبیر تحریمہ بند ہے اللہ اکبر کہنے میں۔ (۲) دوسرا قول: امام شافعیؒ کا دو لفظوں میں بند ہے الله اکبر الله الاکبر۔

(۳) تیسرا قول: قاضی ابو یوسف کا تکبیر تحریمہ بند ہے چار کلموں میں الله اکبر الله الاکبر الله کبیر الله الکبیر۔ ان تینوں ائمہ کے نزدیک ''ک ب ر'' مادے کا باقی رہنا ضروری ہے۔ تب جا کر نماز صحیح ہوگی۔

(۴) چوتھا قول: قول طرفین کا ہے طرفین فرماتے ہیں تکبیر تحریمہ کسی خاص کلمے میں بند نہیں۔ بلکہ ہر وہ کلمہ جو تعظیم خداوندی پر دال ہو (دلالت کرے) اور تعظیم مقصود ہو اس کا ارادہ ہو تو اس سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

امام صاحبؒ اور امام محمدؒ (طرفین) کی دلیل ۔ و ذکر اسم ربه فصلی اور و ربک فکبر۔ اس میں ذکر رب عام ہے ہر وہ لفظ جو تعظیم پر دلالت کرے اور اس سے تعظیم مقصود ہو۔ ارادہ بھی ہو اس سے نماز صحیح ہو جائے گی۔

اور باقی ائمہ کی دلیل یہی حدیث باب ہے صراحۃً مالکیہ کی دلیل ہے طریق استدلال مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہیں جو کہ مفید للحصر ہے۔ تو معلوم ہوا محرم صلوٰۃ بند ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل معرف باللام اور غیر معرف باللام میں کوئی فرق نہیں (معنے کے اعتبار سے) اس لئے الله الاکبر کے ساتھ بھی نماز صحیح ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل (معرف باللام اور غیر معرف باللام میں کوئی فرق نہیں) افعل اور فعیل کے وزن میں بھی کوئی فرق نہیں لہذا ان چاروں کلمات کے ساتھ نماز صحیح ہو جائے گی۔

فریق مخالفین کے دلائل کے جوابات۔ امام صاحب کی طرف سے جواب یہ حصر اللہ اکبر کا فرد کامل ہونے کے اعتبار سے ہے اس اعتبار سے نہیں کہ تکبیر تحریمہ بند ہے اللہ اکبر میں اور فرد کامل ہونے کے ہم بھی قائل نہیں۔ یہ تمام اختلاف اس وقت ہے کہ جب عربیت پر قادر ہو اور اگر عربیت پر قادر نہ ہو تو پھر کوئی اختلاف نہیں۔

قوله تحليلها التسليم: مسئلہ۔ سلام کی شرعی حیثیت ۔ یہ شرط ہے یا رکن ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک تسلیم خارج صلوٰۃ ہے۔ (تکبیر تحریمہ) اور جمہور ائمہ کے نزدیک رکن داخل صلوٰۃ ہے۔

امام صاحبؒ کہتے ہیں جو چیز مخرج عن الصلوٰۃ ہے وہ داخل فی الصلوٰۃ کیسے ہو سکتی ہے لہذا تسلیم خارج صلوٰۃ ہے۔

نقلی دلیلیں۔ دلیل نمبر(۱) حدیث تعلیم تشہد عبداللہ ابن مسعود یعنی وہ حدیث جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم دی اس حدیث کے آخر میں ہے اذا قلت ھذا او فعلت ھذا فقد تمت صلوتک۔(او کماقال صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں سلام کا ذکر نہیں یہ نص ہے اس بات میں کہ تسلیم رکن نہیں اس لئے کہ رکن ہوتے ہوئے تو نماز تام ہوسکتی ہی نہیں اور یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں فقد تمت صلوتک۔ لہٰذا یہ خارج صلوٰۃ ہے۔

دلیل نمبر (۲) حدیث تعلیم مسیٔ الصلوٰۃ نماز کا جو طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا اس میں سلام کا ذکر نہیں تو معلوم ہوا کہ سلام خارج صلوٰۃ ہے۔

جمہور کی دلیل یہی حدیث الباب ہے۔ اس دلیل کا ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حصر فرد کامل کے اعتبار سے ہے یا یہ خبر واحد ہے۔ اس سے رکنیت ثابت نہیں ہوتی۔ امام صاحبؒ کی عقلی دلیل کے بعد سوال ہوگا کہ طواف صدر محلل ہے چونکہ وہ رکن ہے۔ جواب اصل محلل تو حلق ہے باقی طواف صدر متمم و مکملات میں سے ہے۔ باقی حدیث کے پہلے جملے میں طہارت کی فضیلت کا بیان ہے۔

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَأْتُوا
حضرت علیؓ بن طلق سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت ایک تمہارا حدث کرے پس چاہیئے کہ وضو کرے اور
النِّسَاءَ فِي اَعْجَازِهِنَّ. (رواہ الجامع ترمذی و ابوداؤد)
عورتوں کو انکی مقعدوں میں نہ آؤ۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے۔

تشریح: حاصل حدیث: حدیث کے پہلے حصہ سے معلوم ہوا کہ ریح ناقض للوضوء ہے۔ اس میں اتفاق ہے کہ خروج ریح من الدبر ناقض للوضوء ہے البتہ اس میں اختلاف ہوگیا کہ خروج ریح من القبل ناقض وضوء ہے یا نہیں۔ احنافؒ کے نزدیک خروج ریح من القبل مطلق ناقض للوضوء نہیں اور جمہورؒ کے نزدیک ناقض للوضوء ہے۔ (صرف عورتوں کے حق میں مردوں کے حق میں نہیں)

جمہورؒ کی دلیل حدیث کے عموم سے استدلال کرتے ہیں حدیث میں مطلق آیا ہے۔ لہذا خروج ریح من الدبر ہو یا من القبل ہو دونوں صورتوں میں ناقض للوضوء ہے۔ امام صاحب کی طرف سے اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ جو قبل سے خارج ہو وہ ریح ہی نہیں ہے۔

دوسرے حصہ میں ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے پاس ان کی دبروں میں نہ آؤ۔ سوال۔ عورتوں کی تخصیص کیوں کی؟ جواب۔ عورت کا پورا جسم خاوند کیلئے حلال ہے اس لئے اس میں یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ جماع من القبل بھی جائز ہو اس لئے اس کی تخصیص کر کے اس کی نفی کردی۔

سوال: پہلے اور دوسرے جملے میں مناسبت کیا ہے۔

جواب: مناسبت ہے جب خروج ریح کی وجہ سے انسان دربار خداوندی میں حاضری کے قابل نہیں رہتا تو اس شنیع اور اقبح فعل کی وجہ سے بطریق اولیٰ قابل نہیں رہتا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ وہ اپنی بیوی کی دبر میں وطی کرنے کی اباحت کے قائل تھے مگر محققین نے اس کو قبول نہیں کیا۔

وَعَنْ مُعَاوِيَةَ ابْنِ اَبِي سُفْيَانَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا الْعَيْنَانِ وِكَاءُ السَّهِ فَاِذَا نَامَتِ
حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان سے روایت ہے تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آنکھیں سرین کا سربند ہیں جس وقت سو جاتی ہیں آنکھیں
الْعَيْنُ اسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ (رواہ الدارمی)
سربند کھل جاتا ہے۔ روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تشریح: اس حدیث میں اسم من اسماء الابر کا ذکر ہے کہ ایک نام سرین کا السہ ہے۔

حاصل حدیث: دبر ایک مشکیزہ ہے اور بیداری ایک دھاگہ ہے جس کے ساتھ اس کے منہ کو بند کردینا ہے۔ اور سوجانا مشکیزے کے منہ کو کھول

دینا ہے یعنی جس دھاگے کے ساتھ باندھا ہوا تھا اس دھاگے کو کھول دیا ظاہر ہے اس طرح بندھن کھولنے کے بعد مافی المشکیزہ باہر نکل آتا ہے اسی طرح سو جانے سے مافی البطن (یعنی) ریح باہر نکل آتی ہے۔ تو لہذا ہر شخص کو چاہئے کہ وہ سو جانے کے بعد بیداری کے بعد وضو کرے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِكَاءُ السَّهِ الْعَيْنَانِ فَمَنْ نَامَ

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرین کی سربند دونوں آنکھیں ہیں جو شخص سو گیا پس چاہئے کہ

فَلْيَتَوَضَّأْ. (رواه ابو داؤد) وَقَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحِيُّ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا فِي غَيْرِ الْقَاعِدِ لِمَا

وضو کرے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے شیخ محی السنہؒ نے فرمایا یہ حکم بیٹھنے والے کے سوا ہے کیونکہ

صَحَّ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُوْنَ

حضرت انسؓ سے صحیح ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز عشاء کا انتظار کرتے تھے

الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّأُوْنَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ اِلَّا اَنَّهُ ذَكَرَ

یہاں تک کہ ان کے سر جھک جاتے تھے۔ پھر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور ترمذی نے۔

فِيْهِ يَنَامُوْنَ بَدَلَ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ حَتّٰى تَخْفِقَ رُؤُوْسُهُمْ.

لیکن ترمذی نے لفظ ینامون بدلے ینتظرون العشاء حتیٰ تخفق روسھم کے ذکر کیا ہے۔

تشریح: مسئلہ نوم ناقض وضو ہے یا نہیں؟۔ نوم غیر انبیاء ناقض وضو ہے یا نہیں؟ اس میں امام نوویؒ وغیرہ حضرات نے علماء کے آٹھ مذاہب نقل کئے ہیں۔ لیکن سب مذاہب کا مال و مرجع تین مذہب ہیں (۱) نوم مطلقاً ناقض وضو ہے خواہ نوم قلیل ہو یا نوم کثیر ہو۔ یہ قول ابواسحاق ابو عبیدہ اور مزنی کا ہے (۲) نوم کثیر مطلقاً ناقض وضو نہیں یہ قول حضرات صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے اور تابعین میں سے حضرت ابومجلز وغیرہ سے نقل کیا جاتا ہے (۳) نوم کثیر ناقض وضو ہے نوم قلیل ناقض وضو نہیں۔ یہ مذہب جمہور صحابہؓ و تابعین اور ائمہ اربعہ کا ہے۔ اس مذہب پر نوم کے بارے میں جو مختلف حدیثیں آرہی ہیں وہ جمع ہو جاتی ہیں۔ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نوم ناقض وضو ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کی حدیث فمن نام فلیتوضا اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نوم ناقض وضو نہیں جیسا کہ حضرت انسؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کان اصحابؓ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینامون ثم یصلون و لا یتوضاؤن۔ ائمہ اربعہ اور جمہور کے مذہب پر تطبیق آسان ہوگئی وہ یہ کہ نوم کی دو قسمیں ہیں ثقیل اور خفیف جن حدیثوں میں نوم کو ناقض وضو قرار دیا ہے وہاں نوم کثیر اور ثقیل مراد ہے جن حدیثوں میں نوم کو ناقض قرار نہیں دیا گیا وہاں نوم قلیل اور خفیف مراد ہے۔

اس ضابطہ پر جمہور کا اتفاق ہو گیا کہ نوم ثقیل ناقض ہے اور نوم خفیف غیر ناقض ہے اب غور طلب بات یہ رہ جاتی ہے کہ نوم ثقیل اور خفیف میں حد فاصل کیا ہے کون کون سی نیند ثقیل میں داخل ہے کون کون سی خفیف میں اس میں آئمہ کا اختلاف ہوا ہے بلکہ خود مشائخ حنفیہ کا بھی اختلاف ہوا ہے۔ کسی نوع کی نیند کو کسی نے ثقیل میں داخل کر کے ناقض وضو قرار دیا ہے اور کسی نے اسی نوع کو خفیف میں داخل کر کے غیر ناقض ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ اختلاف اختلاف دلیل نہیں بلکہ اختلاف تجربہ ہے کسی کے تجربہ میں نیند کی ایک نوع ثقیل ہے اور کسی کے تجربہ میں یہ خفیف ہے تو یہ اختلاف اختلاف مسئلہ کے قبیل سے نہیں اختلاف تجربہ کے قبیل سے ہے۔

نوم ثقیل اور نوم خفیف میں جو فاصل حنفیہ نے بیان کیا ہے وہ بالکل احادیث کے مطابق ہے وہ یہ ہے کہ جب نوم میں اس قدر استغراق ہو جائے کہ عقل پر غلبہ ہو جائے اور قوت ماسکہ کا زوال ہو جائے تو یہ نوم ثقیل سمجھی جائے گی۔ ورنہ خفیف احادیث میں منصوص ہے کہ ان الوضو علی من نام مضطجعا آگے اس کی علت بیان فرمائی۔ فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ یعنی پہلو کے بل سونے کے ناقض وضو ہونے کی علت یہ ہے کہ ایسی نوم سے استرخاء مفاصل ہو جائے قوت ماسکہ زائل ہو جائے ایسی نیند ناقض وضو ہے۔

حاصل حدیث:۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوم ناقض وضوء ہے۔اس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ نوم بذاتہ ناقض للوضوء نہیں۔بلکہ نوم کا ناقض الوضوء ہونا لغیرہ ہے یعنی استرخاء مفاصل کی وجہ سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔استرخاء مفاصل کے سبب سے نوم ناقض ہے۔البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کونسی نوم استرخاء مفاصل کا سبب ہے اور کونسی نوم استرخاء مفاصل کا سبب نہیں۔

احنافؒ کے نزدیک جو نوم مستنداً مضطجعاً متکئا ہو وہ اس قسم کی نوم استرخاء مفاصل کا سبب ہے اور جو نوم قائماً راکعاً ساجداً ہو اور ھیئت صلوۃ پر ہو اس قسم کی نوم استرخاء المفاصل کا سبب نہیں یہ ناقض للوضوء نہیں۔

شوافعؒ کے نزدیک نوم ثقیل استرخاء مفاصل کا سبب ہے اور نوم خفیف ہو وہ استرخاء مفاصل کا سبب نہیں لہذا اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔اور نوم ثقیل یہ ہے کہ مستنداً یا متکئاً سہارا لگایا ہوا ہو اور اس کو اگر کھینچ لیا جائے تو وہ گر پڑے یہ نوم ثقیل ہے یہ ناقض للوضوء ہے۔اگر نہ گرے تو یہ نوم خفیف ہے یہ ناقض نہیں۔

مالکیہ کے نزدیک نوم طویل استرخاء مفاصل کا سبب ہے اور جو نوم طویل نہ ہو وہ سبب نہیں اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔اور یہ حدیث سب کے خلاف ہے۔ما من ای کیفیۃ کان۔ کیونکہ اس میں تو مطلق آیا ہے اس میں مستنداً مضطجعاً متکئا کا ذکر ہے اور نہ نوم طویل کا ذکر ہے اور نہ نوم ثقیل کا ذکر ہے تو یہ حدیث سب کیخلاف ہے۔اس میں مطلقاً نوم کا ناقض للوضوء ہونا معلوم ہوتا ہے بہتر تقسیم مطلق نوم کسی کے ہاں بھی ناقض وضوء نہیں۔

قولہ' وقال الشیخ الخ امام محی السنۃ نے شوافعؒ کی طرف سے جو جواب دیا ہے اس حدیث کا جواب صاحب مشکوۃ اس کو نقل کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نوم کا مصداق نوم مضطجعا ہے۔سوال مادلیل التخصیص؟ **جواب** حدیث انسؓ کی وجہ سے جس میں یہ بات مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرامؓ عشاء کی نماز میں انتظار کرتے ہوئے بیٹھے رہتے اور سر نیند کی وجہ سے جھک جاتے ایک حدیث میں ہے بیٹھے بیٹھے سو جاتے تھے پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آتے تو اسی وضوء کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔دوسری دلیل تخصیص مابعد والی حدیث ابن عباسؓ اس میں فرمایا کہ نوم ناقض وضوء وہ ہے جو مضطجعا ہو۔لہذا اب حدیثوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْوُضُوْءَ عَلٰى مَنْ نَّامَ مُضْطَجِعًا فَاِنَّهٗ
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو اس شخص پر لازم آتا ہے جو لیٹ کر سو جائے اس لئے کہ جس
اِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهٗ. (رواہ الجامع ترمذی و ابوداؤد)
وقت وہ سوتا ہے ڈھیلے ہو جاتے ہیں اس کے جوڑ۔روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث اس حدیث پر دو سوال ہوئے۔**پہلا سوال**۔اس حدیث کا تعارض ہے ماقبل والی حدیث کے ساتھ کہ پہلی حدیث میں آیا مطلق نوم ناقض وضوء ہے اور اس حدیث میں آیا نوم مضطجعاً ناقض وضوء ہے۔

جواب یہ پہلی حدیث مخصوص منہ البعض کی قبیل سے ہے۔

دوسرا سوال:۔دوسری حدیث سے حصر معلوم ہوتا (نام مضطجعاً) ہے جواب یہ حصر نہیں کیونکہ یہ حدیث معلول بالعلت ہے۔

فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ استرخاء مفاصل خواہ نوم طویل یا نوم ثقیل یا کسی اور وجہ سے ہو یہ علت جس میں پائی جائے گی اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا نماز فاسد ہو جائے گی۔

وَعَنْ بُسْرَةَؓ بِنْتِ صَفْوَانَ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَسَّ اَحَدُكُمْ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّأْ.
حضرت بسرۃؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک تم میں سے اپنے ستر کو ہاتھ لگائے پس چاہیئے کہ وضو کرے
(رواہ موطا امام مالک و مسند احمد بن حنبل و ابوداؤد و الجامع ترمذی و السنن نسائی و ابن ماجہ و الدارمی)
روایت کیا اس کو مالک احمد ابوداؤد ترمذی نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے۔

تشریح: اس حدیث کا مدلول یہ ہے کہ مس ذکر ناقض للوضوء ہے۔اس کی تفصیل آگے حدیث میں آرہی ہے۔

وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسِّ الرَّجُلِ ذَكَرَهُ بَعْدَ مَا يَتَوَضَّأُ
حضرت طلقؓ بن علی سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آدمی کے اپنے ستر کو چھونے کے متعلق سوال کیا گیا جب کہ اس نے وضو کیا
قَالَ وَهَلْ هُوَ اِلَّا بُضْعَةٌ مِنْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنِّسَائِيُّ وَ رَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ
ہوا ہے۔فرمایا نہیں ہے وہ مگر ایک ٹکڑا اس کے بدن کا روایت کیا ہے۔اس کو ابوداؤد ترمذی اور نسائی نے اور روایت کیا ہے ابن ماجہ نے اسی طرح
الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ هٰذَا مَنْسُوْخٌ لِاَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ اَسْلَمَ بَعْدَ قُدُوْمِ طَلْقٍ وَقَدْرَوٰى اَبُوْهُرَيْرَةَؓ
کہا شیخ امام محی السنۃؒ نے یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ ابوہریرہ طلق کے آنے کے بعد مسلمان ہوئے ہیں اور ابو ہریرہؓ نے
عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَفْضٰى اَحَدُكُمْ بِيَدِهٖ اِلٰى ذَكَرِهٖ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے جس وقت ایک تمہارا اپنا ہاتھ اپنے ستر کو پہنچائے کہ اسکے درمیان کوئی چیز نہ ہو پس چاہئے کہ وضو کرے
شَيْءٌ فَلْيَتَوَضَّأْ. (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالدَّارَ قُطْنِيُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ بُسْرَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا شَيْءٌ)
روایت کیا اس کو شافعی نے اور دار قطنی نے اور روایت کیا اس کو نسائی نے بسرہؓ سے مگر اس میں یہ الفاظ ذکر نہیں کئے۔ولیس بینه وبینهما شئی۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص مس ذکر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے۔مس الذکر ناقض للوضوء ہے یا نہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ جسم کا ایک حصہ ہے۔جس طرح جسم کے دوسرے حصے کو ہاتھ لگانا ناقض للوضوء نہیں اسی طرح ذکر کو ہاتھ لگانا یہ بھی مس ناقض للوضوء نہیں تو اس حدیث کا مدلول یہ ہے۔مس الذکر ناقض للوضوء نہیں۔تو دونوں حدیثوں کا مدلول الگ الگ ہے۔حدیث بسرۃ کا مدلول۔مس الذکر ناقض للوضوء ہے اور حدیث طلق بن علیؓ کا مدلول ناقض للوضوء نہیں۔

مس الذکر ناقض للوضوء ہے یا نہیں۔اس میں دو قول ہیں۔**پہلا قول**۔احنافؒ کا مذہب یہ ہے کہ مس الذکر مطلقاً ناقض للوضوء نہیں۔ مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ بالشہوت ہو یا بلا شہوت ہو۔ببطن الکف ہو یا بظهر الکف ہو بلا حائل ہو یا لحائل ہو۔کیف ما کان ہو ناقض للوضوء نہیں۔

دوسرا قول۔شوافعؒ کا مذہب یہ ہے کہ مس الذکر ناقض للوضوء ہے بشرطیکہ ببطن الکف ہو اور بلا حائل ہو اور ایک روایت میں بالشہوۃ ہو۔

آئمہ کے دلائل:۔احنافؒ کی دلیل حدیث باب حضرت طلق بن علیؓ کی روایت ہے۔

شوافعؒ کی دلیل حدیث بسرہؓ کی ہے چونکہ یہ حدیث طلق بن علیؓ شوافع کے خلاف اور احناف کے موافق جا رہی ہے چونکہ صاحب مشکوٰۃ شافعی المسلک ہیں۔اس لئے شوافعؒ کی طرف سے جواب دیا ہے۔شیخ امام محی السنہ نے دیا ہے۔ **قوله قال الشیخ** اس کا جواب شیخ امام محی السنۃ نے دیا جس کو یہاں سے ذکر کر رہے ہیں کہ یہ حدیث طلق بن علیؓ منسوخ ہے۔باقی ناسخ کون سی حدیث ہے؟ حدیث ابی ہریرہؓ جس کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے ہاتھ کو ذکر تک پہنچادے اس حال میں کہ اس ذکر اور اس کے ہاتھ کے درمیان چیز کوئی حائل نہ ہو تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ وضو کرے۔اس حدیث کا مدلول حدیث بسرۃؓ ہے کہ مس الذکر ناقض للوضوء ہے۔باقی رہی یہ بات کہ حدیث ابو ہریرہؓ ناسخ کیسے ہے اور حدیث طلق بن علیؓ منسوخ کیسے ہے۔وہ اس طرح کہ حدیث طلق بن علیؓ متقدم ہے اور حدیث ابو ہریرہؓ متاخر ہے اور متاخر متقدم کے لئے ناسخ ہوا کرتی ہے۔اس پر کیا دلیل ہے کہ حدیث طلق بن علیؓ متقدم اور حدیث ابو ہریرہ متاخر ہے۔اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت طلق بن علیؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر اور مسجد نبوی کی تعمیر (۱ھ) میں ہوئی۔تو نتیجہ نکال لو کہ گویا جو حدیث طلق بن علیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی وہ (۱ھ) میں سنی جس کا مدلول یہ ہے کہ مس الذکر ناقض للوضوء نہیں اور حدیث نقض وضو من مس الذکر کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ غزوۂ خیبر کے موقع پر مشرف باسلام ہوئے اور غزوۂ خیبر

سن ۷ ہجری میں ہوا تو نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حدیث (جس کا مدلول مس الذکر ناقض للوضوء نہیں) حضرت ابو ہریرۃؓ نے ۷ (ہجری) میں سنی تو حاصل یہ نکلا کہ حدیث طلق بن علیؓ متقدم اور حدیث ابی ہریرۃؓ متاخر ہوئی۔ اور بوقت تعارض متاخر متقدم کے لئے ناسخ ہوتی ہے۔

احناف کی طرف سے جواب: مذکورہ پانچ باتوں میں سے ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ مسجد نبوی کی تعمیر ا ہجری میں ہوئی بلکہ متعدد بار مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی بلکہ غزوۂ خیبر کے بعد بھی ہوئی اس پر قرائن بھی موجود ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمرو بن بن العاصؓ بھی مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر شریک تھے۔ اور یہ فتح مکہ کے تقریباً چھ ماہ بعد مشرف باسلام ہوئے اور اسی طرح حضرت امیر معاویہؓ یہ بھی مسجد نبوی کی تعمیر میں شریک تھے اور یہ فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے نیز نسخ کا دعویٰ تب صحیح ہوگا جب یہ بات بھی ثابت ہو جائے کہ حضرت طلق بن علیؓ کی آمد مرۃ واحدۃ ہوئی مراراً (بار بار) نہیں ہوئی۔ حالانکہ ان کی آمد مراراً ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ا ہجری میں تشریف لائے اور ایک مرتبہ حضرت طلق بن علیؓ کی آمد قبیلہ وفد بنی حذیفہ کے ساتھ ہوئی اور قبیلہ وفد بنی حنیفہ کی آمد عام الوفود یہ ۸ ہجری کا واقعہ ہے۔ اور اس میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے احکام سکھلائے۔ اور حضرت ابو ہریرۃؓ نے جوارشاد سنا وہ ۷ ہجری میں سنا۔ تو یہاں تو معاملہ برعکس ہوگیا۔

اور اگر علی سبیل التنزل ہم تسلیم بھی کرلیں کہ حدیث طلق بن علیؓ منسوخ اور حدیث ابی ہریرۃؓ ناسخ ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ اصول ہی غلط ہے کہ متاخر الاسلام کی حدیث متقدم الاسلام صحابی کی حدیث کیلئے ناسخ ہے۔ کسی صحابی کا متاخر الاسلام ہونا قطعاً اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس کی حدیث بھی متاخر ہے ہوسکتا ہے کہ جو متاخر الاسلام صحابی ہے اس نے کسی متقدم الاسلام صحابی سے حدیث سن کر نقل کی ہو لہذا یہاں پر یہ احتمال موجود ہے کہ حدیث طلق بن علیؓ متاخر ہو اور حدیث ابو ہریرۃؓ ورود کے لحاظ سے متقدم ہو۔ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.** آپ کا یہ نسخ کا دعویٰ تب ثابت ہوگا جب کہ اس حدیث کا ورود کے لحاظ سے بھی متقدم ہونا ثابت ہوجائے۔ شوافعؒ کی دلیل ماقبل والی حدیث کا حدیث بسرۃؓ ہے۔

احناف کی طرف سے اس حدیث کے جوابات۔

جواب-۱: فلیتوضأ یہ وضو لغوی پر محمول ہے۔

جواب-۲: اس سے وضو شرعی مراد ہے لیکن حکم استحبابی ہے استحباب کے لئے وضو کرلے تا کہ فقہاء کے اختلاف سے بچ جائے۔

جواب-۳: ہم تسلیم کرتے ہیں یہ وضو شرعی ہے حکم بھی وجوبی ہے تو پھر جواب یہ کنایہ ہے بول سے یعنی جس شخص نے پیشاب کیا ہو اس کو چاہئے کہ وضو کرے۔ اور عمومی طور پر بول و براز کے بعد استبراء سے مس بالید ہوجاتا ہے تو اس سے پہلے ذکر کیا **من مس ذکرہ** کو اور مراد لیا من بال کو۔

جواب-۴: فلیتوضأ اس کا ترتب محذوف پر ہے۔ **ای من مس ذکرہ و خرج منہ شئی فلیتوضأ** اور ظاہر ہے کہ خروج مذی سے وضو ہوتا ہے۔

جواب-۵: یہ کنایہ ہے مباشرت فاحشہ سے اور ظاہر ہے کہ مباشرت فاحشہ سے مذی کا خروج ہوگا تو اس پر وضو واجب ہے۔

اشکال حدیث ابی ہریرۃؓ تو اس سے مانع ہے اس میں تو مس بالید کا ذکر صراحۃً ہے۔

جواب-۱: ہوسکتا ہے کہ یہ روایۃ کا تصرف ہو روایت بالمعنی کی قبیل سے ہو۔

جواب-۲: حدیث طلق بن علیؓ راجح اور حدیث بسرۃؓ مرجوح ہے۔ احناف کی وجوہ ترجیح۔

وجہ ترجیح (۱) حدیث طلق بن علیؓ موافق قیاس ہے اور حدیث بسرۃؓ مخالف قیاس ہے۔ وہ اس طرح کہ کسی باوضو شخص کا ہاتھ دم حیض یا دیگر اشیاء نجس کو لگ جائے تو یہ ناقض للوضوء نہیں تو پھر ایسے عضو کا مس جو فی نفسہ طاہر ہے تو اس کا مس کیسے ناقض للوضوء ہوگا۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قیاس پیش کیا کہ جیسے جسم کے باقی اعضاء کا مس ناقض وضو نہیں اسی طرح اس عضو کا مس بھی ناقض للوضوء نہیں۔

وجہ ترجیح (۲) حدیث بسرۃ حدیث امرأۃ ہے اور حدیث طلق بن علی حدیث الرجل ہے اور جب مسائل المتعلقہ بالرجال میں تعارض

ہو جائے تو حدیث الرجل راجح ہوتی ہے بنسبت حدیث المرأۃ کے۔

وجہ ترجیح (۳) حدیث طلق بن علیؓ اصح سنداً ہے بنسبت حدیث بسرۃ کے۔ حدیث بسرۃ کی سند تین طرح سے ہے۔

(۱) عن عروۃ عن مروان عن بسرہ (۲) عن عروۃ عن شرطی مروان عن بسرۃؓ۔

وجہ ترجیح (۳) عن عروہ عن بسرۃؓ تو اس کی سند میں مروان ہیں جن کے بارے فقہاء کا قول یہ ہے کہ معاذ اللہ ان نحتج عن مروان اللہ کی پناہ جس حدیث کی سند میں مروان کا لمیر ہو اس حدیث سے ہم استدلال پکڑیں۔ یہ شخص اپنی نالائقیوں کی وجہ سے ساقط العدالت ہے۔ نیز اس حدیث میں شرطی مروان کا واسطہ ہے اور شرطی مجہول الاسم ہے جب مجہول الاسم ہے تو مجہول العدالت بھی ہے کوئی پتہ نہیں ثابت العدالت ہے یا ساقط العدالت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عروہ جیسے جلیل القدر محدث نے بھی اس کی طرف کان نہیں دھرے۔ جس وقت کہ مناظرہ میں حضرت مروان اپنے موقف کو پیش کرنے کے لئے اس حدیث کو پیش کر رہے تھے اصل قصہ یہ ہوا کہ جس وقت مروان مدینہ کا حاکم تھا تو اس وقت عروہ اور مروان کا مناظرہ ہوا کہ عروۃ کہتے تھے کہ مس الذکر ناقض للوضوء نہیں اور مروان کہتے تھے کہ مس الذکر ناقض للوضوء ہے تو مروان نے یہ حدیث بسرۃ پیش کی تو عروہ نے کان نہیں دھرے۔ تو مروان نے شرطی کو بھیجا کہ جاؤ بسرۃ سے پوچھ کر آؤ کہ یہ حدیث تو نے رسول اللہ سے سنی ہے یا نہیں تو پوچھ کر آیا اس نے کہا سنی ہے تو چونکہ اس حدیث میں شرطی مروان کا ذکر و واسطہ آ گیا اس لئے یہ حدیث قابل استدلال نہ رہی۔ کیونکہ شرطی مجہول الاسم ہونے کے ساتھ ساتھ مجہول العدالت بھی ہے۔

وجہ ترجیح (۴) اور دلیل جب ذکر کی مماست ہو جائے فخذ کے ساتھ جو عورت میں سے ہے۔ یہ ناقض للوضوء نہیں ہے جب ہاتھ کے ساتھ ہو جائے جو عورت میں سے بھی نہیں ہے تو بطریق اولیٰ ناقض للوضوء نہیں۔ لہذا جو حدیث موافق قیاس ہوگی اس کو ترجیح ہوگی۔

وجہ ترجیح۔ (۵) نیز یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس میں ابتلاء عام ہے اس میں جزو اور حجت نہیں اگر مس الذکر ناقض للوضوء ہوتا تو اس کو نقل کرنے والے کثیر صحابہؓ ہوتے تو لہٰذا ان وجوہ مذکورہ کی بنا پر یہ حدیث بسرۃ قابل استدلال نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نیز اس حدیث بسرۃؓ کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن ابی بکر ہیں۔ محدثین کہتے ہیں کہ یہ راوی جس سند میں آ جائیں اس سند کا درجہ کم ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ حدیث سنداً حدیث طلق بن علیؓ کا معارض نہیں بن سکتی۔

وَعَنْ عَآئِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ بَعْضَ اَزْوَاجِهٖ ثُمَّ يُصَلِّيْ وَلَا يَتَوَضَّأُ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يَصِحُّ عِنْدَ اَصْحَابِنَا بِحَالِ

روایت کیا اس کو ابو داؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ نے کہا کہ ترمذی نے ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح نہیں ہے کسی حال سے

اِسْنَادُ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ وَاَيْضًا اِسْنَادُ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْهَا وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ هٰذَا مُرْسَلٌ وَاِبْرَاهِيْمُ

سند عروہ کی عائشہؓ سے اور اسی طرح سند ابراہیم تیمی کی حضرت عائشہؓ سے ابو داؤد نے کہا یہ حدیث مرسل ہے اور ابراہیم

التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ عَآئِشَةَؓ.

تیمی نے عائشہؓ سے نہیں سنا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے۔ تقبیل فرماتے اور پھر نماز پڑھتے۔ وضو نہیں فرماتے تھے۔

مسئلہ:۔ مس المرأۃ ناقض للوضوء ہے یا نہیں۔

پہلا قول۔ احنافؒ کے نزدیک مس المرأۃ کیف ما کان ہو مطلقاً ناقض للوضوء نہیں۔

دوسرا قول شوافع کے نزدیک مس المرأۃ ناقض للوضوء ہے بشرطیکہ مرأۃ مشتہات ہو اور اسکے ساتھ نکاح جائز ہو ہو عام ازیں بلا حائل ہو یا بالحائل ہو۔

ائمہ کے دلائل۔ احناف کی دلیل یہی حدیث ہے جو کہ حدیث تقبیل کے نام سے مشہور ہے۔ جس کا مدلول یہ ہے کہ مس تقبیل المرأۃ ناقض وضو نہیں۔ طریق استدلال یہ ہے کہ تقبیل مس المراۃ کے افراد میں سے اعلیٰ درجے کا فرد ہے۔ جب یہ ناقض للوضوء نہیں تو مطلق مس المراۃ بطریق اولیٰ ناقض للوضوء نہیں ہوگا۔ چونکہ یہ حدیث شوافع کے خلاف ہے اس لئے قال الترمذی سے امام ترمذی کے قول کو نقل کر رہے ہیں جس سے مقصود احناف کی اس دلیل پر اعتراض کرنا ہے اس اعتراض کو سمجھنے سے پہلے اس حدیث کی سندوں کو معلوم کرلیا جائے۔ اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔

۱- پہلی سند۔ عن حبیب بن ابی ثابت عن عروۃ عن عائشہؓ قالت کان النبی صلی الله علیه وسلم یقبل بعض ازواجه الخ۔

۲- دوسری سند۔ عن ابراهیم التیمی عن عائشہؓ قالت کان النبیؐ یقبل بعض ازواجه ثم یصلی و لا یتوضا۔

پہلی سند پر دو اعتراض ہیں۔

اعتراض (۱) اس سند میں عروہ سے مراد عروہ مزنی ہیں وھو رجل مجھول اس رجل مجھول کے موجود ہونے کی وجہ سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔

اعتراض (۲) اگر ہم تسلیم کرلیں کہ عروہ سے مراد عروہ مزنی نہیں بلکہ عروہ ابن زبیرؓ ہیں جو کہ حضرت عائشہؓ کے بھانجے ہیں تو پھر حبیب ابن ابی ثابت کا سماع عروہ ابن زبیرؓ سے ثابت نہیں تو لہٰذا یہ حدیث منقطع یعنی غیر متصل السند ہونے کی وجہ سے یہ قابل استدلال نہیں۔

اعتراض۔ دوسری سند پر اعتراض یہ ہے کہ ابراہیم التیمی کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں تو سند منقطع ہوئی لہٰذا یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔ باقی اس پر کیا دلیل ہے کہ ابراہیم کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں۔ اس عدم سماع کو ثابت کرنے کے لئے ابوداؤد کا قول پیش کیا۔ قال ابو داؤد هذا مرسل ابراهیم التیمی لم یسمع عن عائشہؓ۔

احناف کے استدلال پر اعتراض کے لئے یہ عبارت ذکر کی لایصح عنه اصحا بنا بحال اسناد عروۃ عن عائشه وایضاً اسناد ابراهیم التیمی عنها۔

احناف کی طرف سے جواب الجواب:۔ پہلی سند میں قطعاً کلا ہم تسلیم نہیں کرتے کہ عروہ سے مراد عروہ مزنی ہیں۔ بلکہ عروہ ابن زبیرؓ مراد ہیں اور اس تعیین پر دلیل یہ ہے سنن ابن ماجہ پر روایت موجود ہے اس میں تصریح ہے اس روایت کے اندر عروہ ابن زبیر کی تصریح ہے تو لہٰذا ہم اس کو تفسیر پر محمول کریں گے دوسری دلیل محدثین کے ہاں یہ اصطلاح قائم ہو چکی ہے کہ جب مطلق عروۃ کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد عروہ بن زبیر ہوتے ہیں جیسے ابن عباس مطلق بولا جائے تو عبداللہ ابن عباس اور ابن عمر بولا جائے تو عبداللہ ابن عمر مراد ہوتے ہیں تیسری دلیل ابوداؤد کی روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ عروۃ نے آگے سے کہا من هی الاانت میرا خیال ہے کہ وہ زوجہ محترمہ آپ ہی ہو سکتی ہیں کہ جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقبیل فرماتے اور وضو نہیں فرماتے تھے تو حضرت عائشہؓ فضحکت (یہ الفاظ موجود ہیں) ہنس پڑیں۔ تو یہ سوال وجواب اس طرح کی باتیں تو اجنبی نہیں کرسکتا بلکہ اجنبی کو جرات ہی نہیں ہوتی۔ ہاں بھانجا اپنی خالہ سے اس قسم کی بات کرسکتا ہے اور عروۃ مزنی تو اجنبی ہے۔ دوسرے اعتراض کا جواب حبیب کا عروۃؓ سے عدم سماع مسلم نہیں۔ کیونکہ امکان لقاء موجود ہے وہ اس طرح کہ حضرت حبیبؒ ان شیوخ سے بھی عروۃؓ کے علاوہ روایت کر رہے ہیں جو عروۃؓ سے پہلے وفات پاگئے اور جو عروہ سے بڑی عمر والے تھے تو ظاہر ہے کہ بعد والے سے تو لقاء ممکن ہے۔ اور امکان لقاء حدیث کے متصل السند ہونے کے لئے کافی ہے۔

جواب: دوسری سند پر جو اعتراض تھا اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ روایت مرسل ہوئی اور مرسل ہمارے نزدیک استدلال کیلئے سند میں کوئی عیب نہیں اور مرسل ہمارے نزدیک قابل استدلال ہے اور نیز دوسرا جواب دار قطنی میں روایت ہے اس میں سند کا موصول ہونا بھی ثابت ہے اور کسی حدیث کے صالح بلا استدلال ہونے کے لئے ہر ہر سند کا موصول ہونا ضروری نہیں۔ کسی ایک سند کے موصول ہونے سے حدیث صالح للاستدلال بن جاتی ہے۔

شوافع کے دلائل انہوں نے یعنی صاحب مشکوٰۃ میں ایک حدیث بھی مرفوع ذکر نہیں کی بلکہ آثار صحابہؓ ذکر کیا ہے باوجود یہ کہ وہ خود شافعی المسلک ہیں۔

شوافع کی اصل دلیل آیت کریمہ ہے اولا مستم النساء فلم تجدوا الخ۔ میں ملامست کے معنے مس بالید کے ہیں۔ اور آگے عدم وجدان ماء کی صورت میں تیمّم کا حکم ہے۔ مس المرأۃ کے بعد عدم وجدان ماء کی صورت میں تیمّم کا حکم دینا یہ فرع ہے اس بات کی کہ مس المرأۃ سے وضوٹوٹ گیا۔

احناف کی طرف سے جواب ملامست بمعنی جماع کے ہے نہ کہ مس بالید کے ہے۔ ملامست بمعنی جماع یہ راجح ہے۔ اس کی وجوہ ترجیح مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی وجہ ترجیح حضرت عبداللہ ابن عباس جو کہ رئیس المفسرین ہیں ان سے جماع والے معنے کے ساتھ تفسیر منقول ہے۔

دوسری وجہ ترجیح۔ خود قرآن کریم میں وجہ ترجیح موجود ہے وہ یہ اولا مستم یہ باب مفاعلہ ہے اس میں اشتراک من الجانبین سے ہوتا ہے یہ تب ہوسکتا ہے جب اس سے مراد جماع ہو کیونکہ اس میں کوشش جانبین سے ہوتی ہے اور مس بالید کی صورت میں جانب واحد سے ہوتی ہے تو جماع والا معنی راجح ہے۔

تیسری وجہ ترجیح آیت کریمہ میں جامعیت زیادہ تب ہوگی جب کہ لمس سے مراد جماع ہو کیونکہ قرآن کریم میں وجدان ماء کی صورت میں حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کا حکم مذکور ہے۔ و ان کنتم جنباً فاطھر وا۔ تو اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ جامعیت اسی میں زیادہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں عدم وجدان ماء کی صورت میں حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کا حکم مذکور ہو اور یہ تب ہی ہوگا جب لامستم بمعنی جماع کے ہو اور اگر مس بالید کے ہو تو اس صورت میں صرف حدث اصغر کا حکم معلوم ہوگا حدث اکبر کا حکم معلوم نہیں شوافع کہتے ہیں ہمارے پاس بھی وجوہ ترجیح موجود ہیں۔ وہ اس طرح کہ اولا مستم میں دوسری قرات ہے۔ اولمستم اور لمس سے مراد مس بالید متعین ہے۔ اور القرآن یفسر بعضہ بعضا جس طرح ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے اسی طرح ایک قرات دوسری قرات کی بھی تفسیر کرتی ہے لہٰذا اس سے مراد مس بالید ہے۔

جواب۔ اس وجہ ترجیح کا جواب اولمستم میں دونوں معنوں کا احتمال ہے۔ (۱) مس بالید (۲) جماع۔ جب ملامست کی نسبت کی جائے عورت کی طرف تو اس سے مراد جماع ہوتا ہے۔ جیسے مالم تمسوھن یہ بالا جماع جماع کے معنے میں ہے۔

شوافع کی دوسری دلیل آثار صحابہؓ فصل ثالث کی چوتھی پانچویں چھٹی حدیث ان سے معلوم ہوتی ہے کہ تقبیل ناقض للوضوء ہے۔

احناف کی طرف سے جواب یہ آثار صحابہؓ ہیں اور یہ اجتہادات صحابہؓ ہیں اور ایک مجتہد کا اثر دوسرے مجتہد کے لئے کوئی حجت نہیں اور نیز اس کے مخالف آثار بھی موجود ہیں۔ لہٰذا جواب الآثار بالآثار ہے لہٰذا جن صحابہؓ نے کہا کہ مس المراۃ ناقض للوضوء ہے یہ محمول ہے استحباب پر اور جنہوں نے کہا کہ ناقض للوضوء نہیں یہ محمول ہے وجوب پر یعنی واجب نہیں۔ البتہ تزکیہ نفس کے لئے وضو کر لینا چاہئے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتِفًا ثُمَّ مَسَحَ يَدَهٗ بِمَسْحٍ كَانَ تَحْتَهٗ
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانہ بکری کا کھایا پھر ٹاٹ کے ساتھ اپنا ہاتھ پونچھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم
ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى. (رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ)
کے نیچے تھا پھر کھڑے ہوئے پس نماز پڑھی۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے کندھے کا گوشت کھایا اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو اس بوریا کے ساتھ صاف کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے بچھایا ہوا تھا اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور وضو نہیں کیا۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اکل مماست النار سے وضو نہیں اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ چکناہٹ کو دور کرنے کے لئے اگر کسی چیز سے ہاتھوں کو پونچھ لیا جائے تو کافی ہو جائے گا کوئی دھونا ضروری نہیں۔ اور یہ

بھی معلوم ہوا کہ کھانے کے وقت اپنے نیچے صف چٹائی وغیرہ کوئی کپڑا بچھانا کوئی تواضع کے خلاف نہیں۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا قَالَتْ قَرَّبْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بھنا ہوا بکری کا پہلو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھایا پھر نماز کی

اِلَى الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. (رواه مسند احمد بن حنبل)

طرف کھڑے ہوئے اور وضو نہ کیا۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے بکری کا ایک پہلو بھنا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھایا پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور وضو نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اکل مما مست النار ناقض للوضوء نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

وَعَنْ اَبِيْ رَافِعٍ قَالَ اَشْهَدُ لَقَدْ كُنْتُ اَشْوِيْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَطْنَ الشَّاةِ

حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بکری کے پیٹ کا گوشت بھونتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. (صحيح مسلم)

کھایا نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بکری کے پیٹ کو بھونتا یعنی مافی البطن کلیجی وغیرہ کو بھونتا آگے عبارت محذوف ہے۔ پس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کرتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے اور نماز پڑھتے وضو نہیں فرماتے تھے۔ یہ بھی احناف کا مستدل ہے کہ مما مست النار سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

وَعَنْهُ قَالَ اُهْدِيَتْ لَهٗ شَاةٌ فَجَعَلَهَا فِي الْقِدْرِ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا هٰذَا

انہی (ابورافعؓ) سے روایت ہے کہا کہ اس کیلئے بکری (گوشت) تحفہ بھیجی گئی پس ڈالا اس کو ہنڈیا میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے

يَا اَبَا رَافِعٍ فَقَالَ شَاةٌ اُهْدِيَتْ لَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَطَبَخْتُهَا فِي الْقِدْرِ فَقَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ يَا اَبَا رَافِعٍ

اور فرمایا اے ابو رافع یہ کیا ہے کہا بکری تحفہ بھیجی گئی ہے واسطے ہمارے اے اللہ کے رسول میں نے پکایا اس کو ہنڈیا میں فرمایا دے

فَنَا وَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ فَنَا وَلْتُهُ الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ الْاٰخَرَ

مجھ کو دست میں نے انکو دست دیا۔ فرمایا اور مجھے دست دے میں نے اور دست دیا فرمایا اور مجھے دست دے

فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا لِلشَّاةِ ذِرَاعَانِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكَ

پس کہا اے اللہ کے رسول بکری کے دوہی دست ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار تحقیق

لَوْ سَكَتَّ لَنَا وَلْتَنِيْ ذِرَاعًا فَذِرَاعًا مَاسَكَتَّ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ فَاهُ وَغَسَلَ اَطْرَافَ اَصَابِعِهٖ

اگر تو چپکا رہتا دیتا تو مجھ کو دست پر دست دیئے جاتے جب تک تو چپکا رہتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا پس کلی کی

ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰی ثُمَّ عَادَاِلَیْھِمْ فَوَجَدَ عِنْدَھُمْ لَحْمًا بَارِدًافَاَکَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی وَلَمْ
اور اپنی انگلیوں کے پورے دھوئے کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی پھران کی طرف گئے۔ انکے ہاں ٹھنڈا گوشت کھایا پھر کھایا پھر مسجد میں داخل
یَمَسَّ مَآءً رَوَاہُ اَحْمَدُ وَرَوَاہُ الدَّارِمِیُّ عَنْ اَبِیْ عُبَیْدٍ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ اِلٰی آخِرِہٖ.
ہوئے نماز پڑھی اور پانی کو ہاتھ نہیں لگایا۔ روایت کیا اس کو احمد نے اور روایت کیا ہے دارمی نے عبید سے مگر یہ نہیں ذکر کیا ثم دعا بماء آخر تک۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت ابورافع یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بکری مجھے ہدیہ میں ملی۔ میں نے اس کے گوشت کو ہنڈیا میں ڈال کر پکانا شروع کیا تو اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے فرمایا ماھذا یا ابا رافع۔ یہ کیا پک رہا ہے۔ ابو رافع نے کہا بکری کا گوشت پک رہا ہے۔ جو بکری مجھے ہدیہ میں ملی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ذراع مجھے نکال کر دو۔ ذراع کہتے ہیں بکری کے اگلے پاؤں کو انہوں نے نکال کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا پھر فرمایا دوسرا ذراع نکال کر دو تو انہوں نے نکال کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا پھر فرمایا ایک اور ذراع نکال کر دو اس پر حضرت ابورافع نے کہا کہ یا رسول اللہ بکری کے دو ذراع ہوتے ہیں تیسرا ذراع میں کہاں سے لاؤں۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ذراع مع گوشت پسند کیوں تھا؟

جواب: اس وجہ سے کہ یہ جلدی پک جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ البعد عن المعدہ ہوتا ہے۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں العیاذ باللہ نفس پرستی نہیں تھی۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرا ذراع مانگا اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ تھا کہ بکری کے دو ہی ذراع ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معجزہ دکھانا چاہتے تھے لیکن معجزہ اس وقت تک ہوتا ہے جب تک تر دد نہ ہو یہاں اگر چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد نہیں تھا لیکن دوسری جانب سے حضرت ابورافعؓ کو تردد ہو گیا تھا اس لئے یہ تردد معجزہ کے لئے مانع ہو گیا۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابورافعؓ اگر تو خاموش رہتا اور میں مانگتا رہتا تو تو نکال کر دیتا رہتا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اپنے منہ کی کلی فرمائی اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے اطراف کو دھویا (وضو لغوی) پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے پھر نماز کے بعد گھر والوں کی طرف لوٹے ان کے پاس ٹھنڈا گوشت پایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھایا پھر مسجد میں داخل ہوئے نماز پڑھی اور پانی کو چھوا بھی نہیں تو معلوم ہوا کہ اکل مماسست النار سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ سوال دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی ایک دن میں دومرتبہ پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا بعض میں آتا ہے ایک ماہ تک گھر میں چولہا نہیں جلا یہاں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے دومرتبہ دن میں گوشت کھایا۔ جواب۔ یہ کہاں سے معلوم ہوتا ہے پیٹ بھر کر کھایا تھا۔

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ کُنْتُ اَنَا وَاُبَیٌّ وَاَبُوْ طَلْحَۃَ جُلُوْسًا فَاَکَلْنَا لَحْمًا وَخُبْزًا ثُمَّ دَعَوْتُ
حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہا کہ میں ابی اور ابوطلحہ بیٹھے ہوئے تھے ہم نے گوشت اور روٹی کھائی پھر میں نے وضو کیلئے پانی منگوایا۔
بِوَضُوْءٍ فَقَالَا لِمَ تَتَوَضَّأُ فَقُلْتُ لِھٰذَا الطَّعَامِ الَّذِیْ اَکَلْنَا فَقَالَا اَتَتَوَضَّأُ مِنَ الطَّیِّبَاتِ لَمْ یَتَوَضَّأْ مِنْہُ
وہ دونوں کہنے لگے تم کیوں وضو کرتے ہو میں نے کہا اس کھانے کی وجہ سے جو ہم نے کھایا ہے ان دونوں نے کہا کیا ہم پاکیزہ چیز کے کھانے
مَنْ ھُوَ خَیْرٌ مِّنْکَ. (رواہ مسند احمد بن حنبل)
سے وضو کریں اس سے اس شخص نے وضو نہیں کیا جو تجھ سے بہتر تھا۔ روایت کیا اس کو احمد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت انسؓ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ تین ساتھیوں کی مجلس تھی (۱) انسؓ (۲) ابی بن کعبؓ (۳) ابوطلحہؓ ہم نے گوشت روٹی کھائی۔ اصل میں حضرت انسؓ عراق سے واپس آئے تھے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کی دعوت کی اور

آج کل اس کے الٹ ہوتا ہے کہ جو بھی شخص سفر سے آئے وہ منتظر رہتا ہے کہ میری کوئی دعوت کرے اس زمانے میں سفر سے آنے والا خود میز بانی کرتا اور دعوت کرتا کہ الحمد للہ میں سفر سے خیریت سے واپس آ گیا ہوں۔ الغرض گوشت روٹی کھانے کے بعد حضرت انسؓ نے وضو کے لئے پانی منگوایا تو ابوطلحہؓ اور ابی بن کعبؓ نے کہا تم کیوں وضو کر رہے ہو۔ حضرت انس فرماتے ہیں میں نے کہا اس کھانے کی وجہ سے جو ہم نے کھایا اس پر ان دونوں نے کہا کہ کیا تم پاکیزہ چیزوں سے وضو کرتے ہو۔ حالانکہ جو تم سے بہتر ہیں انہوں نے اس سے وضو نہیں کیا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو نہیں کیا آپ کیوں وضو کر رہے ہیں۔ سوال حضرت انسؓ نے وضو کیلئے پانی کیوں منگوایا تھا۔ **جواب**۔ استحبابا وضو کرنا چاہتے تھے باقی ان حضرات نے روکا اس لئے کہ تا کہ ایسا مستحب پر عمل نہ کیا جائے کہ جس سے لوگوں کو غلط فہمی ہو۔ تو معلوم ہوا کہ مستحبات پر عمل کرنا چاہئے مگر ایسے مواقع میں نہیں جہاں دوسرے لوگوں کا غلط فہمی میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ لوگ سمجھیں گے کہ یہ وضو واجب ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بسا اوقات سفر پر جاتے کہیں رکتے تو نماز دو کی بجائے چار رکعتیں پڑھتے تا کہ لوگوں کو شبہ نہ ہو حتیٰ کہ ایسا ہوا بھی سہی کہ لوگوں نے دو رکعتیں پڑھنا شروع کر دی تھیں۔ الغرض حضرت انسؓ کہنے لگے کاش میں کبھی وضو کیلئے پانی نہ منگواتا اور وضو کا ارادہ نہ کرتا۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ يَقُوْلُ قُبْلَةُ الرَّجُلِ امْرَاَتَهٗ وَجَسُّهَا بِيَدِهٖ مِنَ الْمُلَامَسَةِ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ کہا کرتے تھے آدمی کا اپنی بیوی کا بوسہ اور اپنے ہاتھ سے چھونا ملامست میں سے ہے

وَمَنْ قَبَّلَ امْرَاَتَهٗ اَوْجَسَّهَا بِيَدِهٖ فَعَلَيْهِ الْوُضُوْءُ. (رواہ موطا امام مالک والشافعی)

جو اپنی بیوی کا بوسہ لے یا اپنے ہاتھ سے اسے چھوئے اس پر وضو لازم آتا ہے۔ روایت کیا اس کو مالکؒ اور شافعیؒ نے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ كَانَ يَقُوْلُ مِنْ قُبْلَةِ الرَّجُلِ امْرَاَتَهُ الْوُضُوْءُ. (رواہ موطا امام مالک)

ابن مسعودؓ سے روایت ہے وہ کہا کرتے تھے اپنی بیوی کا بوسہ لینے سے وضو آتا ہے روایت کیا اس کو مالکؒ نے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِؓ قَالَ اِنَّ الْقُبْلَةَ مِنَ اللَّمْسِ فَتَوَضَّؤُا مِنْهَا

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ فرمایا کرتے تھے عورت کا بوسہ لینا لمس ہے۔ اس سے وضو کرو۔

تشریح: ان احادیث کا حاصل مس المراۃ ناقض للوضوء ہے اور یہ امام شافعی کی دلیلیں بن جاتی ہیں۔ مسئلہ کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوُضُوْءُ

حضرت عمر بن عبدالعزیز تمیم داریؓ سے روایت کرتے ہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ رَوَاهُمَا الدَّارَ قُطْنِيُّ وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ

ہر بہنے والے خون سے وضو لازم ہے۔ روایت کیا ہے ان دونوں کو دارقطنی نے اور دارقطنی نے کہا عمر بن عبدالعزیز نے تمیم داری سے نہ سنا ہے نہ

وَلَا رَآهُ وَيَزِيْدُ بْنُ خَالِدٍ وَيَزِيْدُ بْنُ مُحَمَّدٍ مَجْهُوْلَانِ.

ان کو دیکھا ہے اور اس کی سند میں یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں مجہول ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث: خروج دم سائل کی وجہ سے وضو واجب ہوتا ہے مسئلہ دم خارج عن غیر السبیلین ناقض للوضوء ہے یا نہیں۔

پہلا قول۔ احناف کہتے ہیں کہ جس طرح خارج من السبیلین سے ناقض للوضوء ہے (یہ اجماعی ہے) اسی طرح بدن کے کسی حصہ سے بھی دم کا خروج ہو تو یہ ناقض للوضوء ہے سائل کی قید بھی ہے۔

دوسرا قول۔شوافع کہتے ہیں دم خارج من غیر السبیلین ناقض للوضوء نہیں۔**احناف کی دلیل** یہی روایت ہے۔چونکہ یہ روایت احناف کے موافق شوافع کے خلاف ہے اور صاحب مشکوٰۃ شافعی المسلک ہیں اس لئے انہوں نے قال سے دارقطنی کا قول نقل کیا ہے۔جس سے مقصود دارقطنی کا اس حدیث پر اعتراض کرنا ہے چنانچہ دارقطنی نے اس حدیث پر دو اعتراض کئے ہیں۔

اعتراض (۱) عمر بن عبدالعزیز کا تمیم داری سے سماع ثابت نہیں ہے کیونکہ عمر بن عبدالعزیز نے ان کا زمانہ ہی نہیں پایا۔

اعتراض (۲) عمر بن عبدالعزیز سے جو نیچے راوی یزید ابن محمد اور یزید بن خالد ہیں ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ دونوں مجہول ہیں۔

احناف کی طرف سے جواب پہلے اعتراض کا جواب اس صورت میں زیادہ سے زیادہ روایت۔مرسل ہو جائے گی اور مرسل ہمارے نزدیک قابل استدلال ہے۔**دوسرے اعتراض کا جواب-۱:** جس طرح بعض نے یزید بن محمد اور یزید بن خالد کو مجہول قرار دیا ہے اسی طرح بعض حضرات نے ان کی توثیق بھی کی ہے **جواب-۲:** اسی حدیث کو محمد نے اپنے مسند میں ذکر کیا ہے ایک دوسری سند سے اس سند کے اندر یہ راوی عمر بن عبدالعزیز ہے ہی نہیں اس میں اگرچہ ایک راوی متکلم فیہ ہیں مگر اس کے باوجود یہ حدیث درجہ حسن تک پہنچی ہوئی ہے اور کسی حدیث کے صالح للاستدلال ہونے کے لئے حدیث کا درجہ حسن تک پہنچ جانا کافی ہے۔

نیز احناف کا استدلال صرف اس حدیث میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دم خارج من غیر السبیلین ناقض للوضوء ہے مثلاً احادیث متعلقہ بالرعاف ان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے یہ ناقض للوضوء ہے یہ بھی تو خارج من غیر السبیلین ہے۔نیز دم خارج من غیر السبیلین ہمارے ہاں کوئی امر تعبدی نہیں بلکہ معلول بالعلت ہے اور وہ ہے نجاست کا نکلنا جس طرح خارج من السبیلین کی علت نجاست ہے اسی طرح یہ خارج من غیر السبیلین میں بھی ہے لہذا یہ بھی ناقض للوضوء ہے۔

شوافع کی دلیل۔دو صحابیوں کا واقعہ جو سرحد پر پہرہ دے رہے تھے (ایک مہاجر اور ایک انصاری) ان دونوں میں طے یہ ہوا کہ ایک ساتھی پہرہ دے اور ایک سو جائے۔وہ بعد میں پہرہ دے گا۔چنانچہ مہاجر سو گیا۔اور انصاری نے پہرہ دیا۔اس نے سوچا کہ پہرہ تو دینا ہی ہے نماز تو پڑھ لوں چنانچہ نماز پڑھنا شروع کی دشمن نے موقع پا کر تیروں کی بارش شروع کر دی۔اب خون بہنے لگا لیکن نماز نہیں توڑی (تفصیلی واقعہ پڑھ لوگے) تو معلوم ہوا کہ دم سائل خارج من غیر السبیلین ناقض للوضوء نہیں اگر خارج من غیر سبیلین ناقض وضو ہوتا تو صحابی رسول پہلا تیر لگنے سے نماز توڑ دیتے صحابی کا نماز نہ توڑنا اس بات کی دلیل کہ خارج من غیر سبیلین ناقض وضو نہیں۔

احناف کی طرف سے جوابات **جواب-۱:** ہو سکتا ہے یہ صحابی کا اپنا اجتہاد ہو یا۔

جواب-۲: پھر ممکن ہے کہ استغراق کی کیفیت ہو اس کو خون بہنے کا پتہ ہی نہ چلا ہو۔جیسے حضرت علیؓ کے جسم سے نماز کی حالت میں تیر نکالا گیا ان کو پتہ ہی نہ چلا یہ استغراق کی کیفیت طاری تھی اور استغراق کی کیفیت میں کسی قسم کا مکلّف نہیں رہتا۔یا یہ بھی ممکن ہے کہ صحابی کو مسئلہ معلوم نہ ہو۔نیز اگر یہ بات درست ہے تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت نہیں۔۔**واللہ اعلم بالصواب**۔

بَابُ اٰدَابِ الْخَلَاءِ

پاخانہ کے آداب کا بیان

آداب جمع ہے ادب کی۔ ادب ہر ایسے قول و فعل کو کہا جاتا ہے جس کو عمل میں لانا مستحسن ہو۔ اب معنی یہ ہو گا کہ وہ امور جن کو قضائے حاجت کے وقت بجالانا مستحسن سمجھا گیا ہو عام ازیں اس کا تعلق قول سے ہو یا فعل سے ہو۔ خلاء ایسی جگہ کو کہتے ہیں جو تنہا ہو۔ چونکہ قضائے حاجت کے وقت ہر شخص اس میں لوگوں سے تنہا ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اس کو خلاء کہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا
حضرت ابو ایوبؓ انصاری سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم پاخانہ کیلئے جاؤ پس نہ
الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا وَلٰكِنْ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) قَالَ الشَّیْخُ الْاِمَامُ مُحِیُّ السُّنَّةِ رَحِمَهُ
قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو لیکن مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف۔ متفق علیہ۔ شیخ امام محی السنہؒ فرماتے ہیں
اللّٰہُ هٰذَا الْحَدِیْثُ فِی الصَّحْرَآءِ وَاَمَّا فِی الْبُنْیَانِ فَلَا بَاْسَ لِمَا رُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ
یہ حدیث جنگل کے بارہ میں ہے اور عمارتوں میں کوئی ڈر نہیں ہے اس لئے کہ عبداللہ بن عمر سے روایت کی گئی ہے
اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ ارْتَقَیْتُ فَوْقَ بَیْتِ حَفْصَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا لِبَعْضِ حَاجَتِیْ فَرَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی
کہ میں حفصہ کے گھر کی چھت پر کسی کام کیلئے چڑھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْضِیْ حَاجَتَهٗ مُسْتَدْبِرًا لِلْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
دیکھا کہ قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے پاخانہ کررہے ہیں سامنے شام کے۔

تشریح: غائط پست جگہ کو کہتے ہیں اس سے مراد قضائے حاجت ہے۔

حدیث کے پہلے حصہ کا حاصل یہ ہے کہ جب تم قضائے حاجت کا ارادہ کرو تو پس نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ پیٹھ کرو لیکن مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔

سوال۔ حدیث کا ابتدائی حصہ اور اخیری حصہ آپس میں متعارض ہیں۔ اس لئے کہ اگر ہم مشرق کی طرف رخ کریں تو استدبار قبلہ لازم آتا ہے اور اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی فرمائی۔ اور اگر ہم مغرب کی طرف رخ کرتے ہیں تو استقبال قبلہ لازم آتا ہے اور استقبال سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی فرمائی۔ تو اول اور آخر حصے میں تعارض ہوگیا۔ تو رفع تعارض کیا ہوگا۔

جواب۔ ولکن شرقوا او غربوا کا حکم عام نہیں بلکہ یہ حکم اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ ان کا قبلہ جنوبی جانب ہے اور غیر

مدینہ والوں کیلئے حکم ہے کہ ولکن جنبوا و شملوا ہے۔

مسئلہ: استقبال قبلہ واستدبار قبلہ کا شرعی حکم (اس میں دس مذاہب بیان کئے جاتے ہیں لیکن یہاں صرف تین مذاہب بیان ہوں گے) اور وہ یہ ہیں۔

(۱) **پہلا مذہب احناف** کے نزدیک مطلقاً استقبال قبلہ واستدبار قبلہ حرام ہے مطلقاً کا مطلب ہے کہ صحرا میں ہو یا بنیان میں ہو یعنی آبادی میں ہو۔ دو تعمیمیں ہیں۔ (۲) **دوسرا مذہب شوافع** کے نزدیک صحرا میں مطلقاً استقبال قبلہ واستدبار قبلہ حرام ہے اور بنیان میں مطلقاً (استدبار ہو یا استقبال) جائز ہے ایک تعمیم استقبال واستدبار میں فرق صحرا و بنیان کا ہے۔ (۳) **تیسرا مذہب حنابلہ** کے نزدیک استقبال قبلہ مطلقاً ممنوع ہے اور استدبار قبلہ مطلقاً جائز ہے۔ خواہ صحرا میں ہو یا بنیان میں ہو۔ ایک تعمیم ہے صحرا اور بنیان میں فرق استقبال واستدبار کا ہے۔

ائمہ حضرات کے دلائل۔ احناف کی دلیل یہی حدیث باب ہے جس میں حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں۔ (یعنی بنیان اور صحرا) بلکہ حدیث عام ہے صحرا اور بنیان کا کوئی فرق نہیں کیا۔ اپنے اطلاق وعموم کی بناء پر دونوں کو شامل ہے۔

حنابلہ کی دلیل۔ اگلی حدیث جو حضرت سلمان سے مروی ہے۔ وعن سلمان قال نھانا۔ الخ وجہ استدلال یہ ہے کہ اگر استدبار جائز نہ ہوتا تو اس کو بھی ذکر کرتے اس کا ذکر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ استدبار جائز ہے۔ اس کا جواب اگلی حدیث کے تحت آرہا ہے۔

چونکہ یہ دلیل شوافع کے خلاف تھی اس لئے قال الشیخ سے صاحب مشکوٰۃ شوافع کی طرف سے اسکا جواب علامہ محی السنۃؒ نے دیا اسکو نقل کر رہے ہیں۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض کی قبیل سے ہے۔ کہ اس میں صحراء کا بیان ہے بنیان کا نہیں۔ تخصیص کی دلیل کیا ہے؟ تخصیص کی دلیل حدیث عبداللہ بن عمرؓ ہے۔ حضرت عبداللہ عمرؓ ابن فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کام کے لئے اپنی بہن حفصہؓ کے گھر کی چھت پر چڑھا تو میری نظر اچانک پڑی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے قضائے حاجت فرما رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل الشام اور مستدبر القبلہ تھے۔ تو معلوم ہوا کہ استدبار قبلہ جائز ہے جب استدبار جائز ہے تو استقبال بھی جائز ہوگا۔ یہ بھی شوافع حضرات کی دلیل ہے۔

یہاں دو حدیثوں میں تعارض ہوگیا شوافع کا رفع تعارض بصورت تطبیق کے ہے بایں طور کہ حدیث ابن عمرؓ بنیان پر محمول ہے اور حدیث ابوایوب صحرا پر محمول ہے۔ لیکن ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے ہماری طرف سے اس کا جواب یہاں رفع تعارض یا تو بصورت نسخ کے ہے یا بصورت ترجیح کے ہے۔ رفع تعارض بصورت نسخ اس طرح ہے کہ یہ احتمال موجود ہے کہ حدیث ابن عمرؓ کا مضمون حدیث ابوایوبؓ سے پہلے کا ہو تو ابن عمرؓ کی حدیث اباحت پر دال ہے جو کہ مقدم ہے اور دوسری حدیث ابوایوبؓ جو محرم پر دلالت کرتی ہے تو یہ موخر ہوئی لہٰذا متاخر متقدم کیلئے ناسخ ہوئی تو اس احتمال کے ہوتے ہوئے تطبیق کا قول نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا یہ حدیث مخصص نہیں بنے گی۔

یا رفع تعارض بصورت ترجیح کے بھی ہے کہ حدیث ابوایوبؓ راجح ہے اور دوسری مرجوح ہے۔ اور وجوہ ترجیح کئی ہیں۔

وجہ ترجیح -۱: حضرت ابوایوبؓ کی حدیث قولی ہے اور ابن عمرؓ کی حدیث فعلی ہے اور جب قولی وفعلی میں تعارض ہو جائے تو قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔ لہٰذا ابوایوبؓ کی حدیث راجح ہوگی۔ **وجہ ترجیح -۲:** حضرت ابوایوبؓ کی حدیث استقبال واستدبار قبلہ کیلئے محرم ہے اور حدیث ابن عمرؓ مبیح ہے تو محرم اور مبیح کے تعارض کے وقت محرم کو ترجیح ہوگی۔ **وجہ ترجیح -۳:** حدیث ابن عمرؓ ایک واقعہ جزئیہ ہے اور حدیث ابو ایوبؓ میں اذا اتیتم الغائط الخ قاعدہ کلیہ کا بیان ہے تو قاعدہ کلیہ کو جزو کے مقابلے میں ترجیح ہوتی ہے لہٰذا حدیث ابوایوبؓ کو ترجیح ہوگی۔

وجہ ترجیح -۴: حدیث ابوایوبؓ اپنے مدلول میں محکم ہے اور حدیث ابن عمرؓ محتمل ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو خصوصیت کی وجہ تعظیم ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اطہر زمین کے جس حصے کے ساتھ متصل ہوتا ہے وہ عرش معلیٰ سے افضل ہے۔ تو ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو استدبار واستقبال قبلہ کا مکلف نہ بنایا گیا ہو۔ لہٰذا محکم اور محتمل میں تعارض آجائے تو محکم کو ترجیح ہوتی ہے۔

وجہ ترجیح -۵: حدیث ابوایوبؓ مفسر ومفصل ہے اور حدیث ابن عمرؓ مجمل ہے۔ وجہ ابہام کوئی شریف آدمی سلیم الطبع آدمی پاخانہ کی

حالت میں کسی کو نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ خصوصاً جب رائی ابن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور مربّی حضور صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء اللہ کے نبی ہوں تو اس صورت میں بطریق اولیٰ صحیح نہیں دیکھا ہوگا اور حالت خاص قسم کی قضائے حاجت کے وقت یہ نظر فجائی تھی ممکن ہے پورے طور پر نہ دیکھ سکے ہوں جیسے سمجھا ویسے بیان کر دیا تو لہٰذا مفسر و مفصل کو مجمل پر ترجیح ہوگی۔

وجہ ترجیح -۶: یہاں دو صورتیں ہیں ایک ہے عین کعبہ اور ایک ہے جہت کعبہ امت مکلف ہے جہت قبلہ کی ہو سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عین کعبہ منکشف ہوا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین کعبہ سے منحرف ہو کر بیٹھے ہوں لیکن ابن عمرؓ نے جہت کعبہ سمجھ کر اس بیان کر دیا۔

وجہ ترجیح -۷: مدینہ منورہ سے استقبال شام محاذات مدینہ کو مستلزم نہیں بلکہ علماء ریاضی نے لکھا ہے کہ بیت المقدس مدینہ منورہ سے شمالاً یمیناً جھکاؤ میں ہے۔ بالکل محاذات میں نہیں ہے۔ استقبال شام تب ثابت ہوگا جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ ملک شام بالکل مدینہ منورہ کے محاذات میں ہے **والامر لیس کذالک** تو ان احتمالات کے ہوتے ہوئے حدیث ابن عمرؓ کو مخصص نہیں بنایا جا سکتا حدیث ابوایوبؓ کے لئے لہٰذا حدیث ابوایوبؓ راجح ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ سَلْمَانَؓ قَالَ نَهَانَا يَعْنِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَآئِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ

حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو منع کیا ہے کہ ہم پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں یا

نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِيْنِ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ اَوْ اَنْ نَّسْتَنْجِيَ بِرَجِيْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ. (صحیح مسلم)

دائیں ہاتھ سے استنجا کریں یا تین پتھروں سے کم کے ساتھ استنجا کریں۔ یا ہم لید اور ہڈی سے استنجا کریں روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نام کی تعیین کر دی۔ راوی کو اگرچہ بتلانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ویسے بھی ضابطہ یہی ہے کہ اگر صحابی کہیں نہانا یا امرنا تو فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ حدیث کے پہلے حصہ میں قضائے حاجت کے وقت میں استقبال قبلہ سے منع فرمایا۔ اگرچہ استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ دونوں منہی عنہ ہیں۔ یہاں صرف استقبال قبلہ کی نہی پر اکتفا کیا ہے اس سے استدبار قبلہ کی کوئی اباحت ثابت نہیں ہوتی۔

چنانچہ حنابلہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ استقبال قبلہ مطلقاً حرام ہے اور استدبار قبلہ مطلقاً جائز ہے۔ یہاں صرف استقبال قبلہ سے نہی کا ذکر ہے۔

احناف کی طرف سے جواب یہ حدیث استدبار کے حکم سے خاموش ہے ساکت ہے اور حدیث ابوایوبؓ استدبار کے حکم کے لئے ناطق ہے صراحۃً اس میں مذکور ہے تو ترجیح ناطق کو ہوگی بمقابلہ ساکت کے نیز ایسی صورت میں مبین کو غیر مبین پر ترجیح ہوگی۔

دوسرا مسئلہ استنجاء بالیمین سے نہی۔ کیونکہ اصول یہ ہے کہ اشرف الاعضاء کو اشرف الافعال میں استعمال کرنا چاہئے۔ اور ید الیمنیٰ یہ اشرف الاعضاء میں سے ہے اور نجاست کو صاف کرنا یہ اشرف الافعال نہیں لہٰذا (**او نستنجی بالیمین**) یہ حکم اس وقت تک ہے جب عذر نہ ہو اور اگر عذر ہو تو پھر کوئی اختلاف نہیں بلکہ جائز ہے۔ (یعنی استنجاء بالیمین) باقی اگر استنجاء بالیمین کر لیا بغیر عذر کے تو مکروہ ہوگا۔

قولہ' او ان نستنجی باقل من ثلثۃ احجار...... الخ تیسرا مسئلہ۔ استنجا بالاحجار کا حکم اور عدد کا بیان اس مسئلہ کو مابعد میں اسکو بیان کرینگے۔

چوتھا مسئلہ استنجا برجیع وعظام سے نہی۔ رجیع نجاست (جانور یا انسان کی ہو) کو کہتے ہیں۔ اس سے نہی کی علت یہ ہے کہ یہ نجاست ہے اور نجاست سے نجاست زائل نہیں ہوتی۔ یہاں تو نجاست کا ازالہ مقصود ہے۔ دوسری وجہ یہ کسی مخلوق یعنی جنات کے جانوروں کی خوراک ہے اور ہڈی سے استنجا کی نہی کی علت۔ (۱) ہڈی کھردری نہیں ہوتی اس لئے وہ مزیل نجاست نہیں ہوتی۔ (۲) نیز زخمی ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

(۳) نیز یہ جنات کی خوراک ہے اس کو نجاست سے آلودہ کر کے ان کی خوراک کو خراب نہیں کرنا چاہئے۔

پانچواں مسئلہ۔ مسئلہ تثلیث احجار اس میں دو قول ہیں پہلا قول امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کے نزدیک استنجا میں عدد احجار واجب نہیں بلکہ صفائی مطلوب ہے البتہ تثلیث مستحب ہے۔

دوسرا قول۔امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک تین ڈھیلوں کا استعمال کرنا واجب ہے۔
دلائل احناف۔پہلی دلیل حدیث ابی ہریرہؓ مرفوعاً و من استجمر فلیوتر من فعل فقد احسن و من لافلاحرج رواہ ابوداؤد و ابن ماجۃ والدارمی مشکوٰۃ(ص۴۳ج۱)
دوسری دلیل۔حدیث عبداللہ بن مسعودؓوہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور مجھے فرمایا کہ تین ڈھیلے لاؤ میں نے دو پتھر لے لئے اور ایک گوبر کا ٹکڑا ان کے ساتھ لے آیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پتھر لے لئے اور گوبر پھینک دیا اگر عدد احجار واجب ہوتے تو تیسرا ابھی منگواتے لہٰذا تیسرا نہ منگوانا اس بات کی دلیل ہے کہ تثلیث احجار واجب نہیں۔رواہ البخاری۔
دلائل شوافع:۔دلیل (۱) حدیث باب دلیل (۲) وہ تمام روایات جن میں تین ڈھیلوں کا امر فرمایا۔
ان کے دلائل کے جوابات۔جواب-۱: دلائل مذکورہ کے قرینے سے نہی تنزیہی ہے اور امر استحبابی ہے۔
جواب-۱: چونکہ عام طور پر پوری صفائی تین ڈھیلوں سے ہوجاتی ہے اس لئے تین کو عادۃً وغالباً مستحب قرار دیا ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت بیت الخلاء میں داخل ہوتے فرماتے
اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں تیرے ساتھ پلید جنوں سے اور پلید جنیوں سے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔مسئلہ محل دعا کیا ہے۔
اس میں دو قول ہیں۔پہلا قول۔جمہور کے نزدیک بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے اور صحراء میں کشف ازار سے پہلے پہلے اس دعا کو پڑھ لے۔
دوسرا قول مالکیہ کہتے ہیں کہ بیت الخلاء میں داخل ہونے کے بعد پڑھے۔
ائمہ حضرات کے دلائل:۔مالکیہ کی دلیل یہ حدیث باب ہے۔جمہور کی طرف سے انکی دلیل کا جواب یہاں دخول کو ذکر کیا اور ارادۂ دخول کو مراد لیا۔
دوسری بات قولہ من الخبث والخبائث یہ لفظ کیا ہیں۔اس میں دو قول ہیں۔خبث بضم الخاء والباء اس کی جمع خبیث ہے اور اس کا مصداق ذکور من الشیاطین ہیں۔
قولہٗ خبائث یہ جمع ہے خبیثۃ کی اس کا مصداق اناثامن الشیاطین ہیں (تاکہ تکرار نہ ہو) اب معنی یہ ہوگا کہ اے اللہ میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں جنوں سے اور جنیوں سے دوسرا احتمال یہ خبث ہو بضم الخاء وسکون الباء اس صورت میں یہ مصدر ہوگا بمعنی گندگی خباثت کے اور بصورت خبائث کا موصوف محذوف ہے۔اور خبائث سے مراد نفوس خبیثہ ہیں نیز اس سے اشیاء خبیثہ مراد ہیں خواہ نفوس کی قبیل سے ہوں یا غیر نفوس کی قبیل سے ہوں۔اب معنی یہ ہوگا کہ اے اللہ میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں نفوس خبیثہ سے عام از یں وہ نفوس خبیثہ ذکور من الشیاطین ہوں یا اناث من الشیاطین ہوں۔
تیسری بات۔اس طلب تعوذ کا حکم کیوں دیا؟ وجہ تعوذ کیا ہے؟ اس کی دو وجہیں ہیں۔
(۱) پہلی وجہ قضائے حاجت کی جگہوں میں عموماً شیاطین رہتے ہیں جنات حاضر ہوتے ہیں۔جو شیاطین کی جانب سے انسان کو تکلیف پہنچاتے ہیں تو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو ان کی اذی سے بچنے کیلئے علاج بتلا دیا۔
(۲) دوسری وجہ۔بیت الخلاء میں جانے کے بعد لوگوں سے تو پردہ ہوگیا لیکن جنوں وغیرہ سے پردہ نہیں ہوا تو اس دعا کے پڑھنے میں جنوں کے درمیان سے بھی پردہ حائل ہوجائے گا۔یہ ادعیہ قلیل المونۃ اور کثیر المنفعت ہیں ان کو اپنانا اور عمل میں لانا چاہئے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَیْنِ فَقَالَ اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ فرمایا یہ دونوں عذاب کئے جاتے ہیں

کَبِیْرٍ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ لَا یَسْتَنْزِہُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ

اور نہیں عذاب کئے جاتے کسی بڑی چیز میں ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اور مسلم کی روایت میں لایستنزہ کے لفظ ہیں

فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رَّطْبَۃً فَشَقَّھَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَۃً قَالُوْا

اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک تازہ شاخ منگوائی اس کو نصف سے چیر دیا پھر ہر قبر میں ایک ایک گاڑ دی۔

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ صَنَعْتَ ھٰذَا؟ فَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَالَمْ یَیْبَسَا. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

صحابہؓ نے عرض کیا آپ نے اے اللہ کے رسول ایسا کیوں کیا ہے فرمایا شاید کہ تخفیف ہو ان سے عذاب کی جب تک خشک نہ ہوں۔

تشریح: حاصل حدیث: قولہ' انھما۔ ھما ضمیر کا مرجع قبرین ہیں لیکن مراد صاحب قبریں ہیں۔ اس میں صنعت استخدام ہے۔ مرجع مقبورین مدفونین ہیں۔ صنعت استخدام یہ ہے کہ ایک لفظ ذکر کیا جائے اس کا صراحۃً معنی اور ہو اور جب ضمیر کا مرجع بنایا جائے تو اس کا معنی اور ہو۔

سوال: مابعد میں تفصیل کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو گناہوں کا ذکر فرمایا اور وہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔

(۱) ایک گناہ استنزاہ عن البول (پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا) اور (۲) چغلخوری تو حدیث کے ابتدائی حصے اور اخیری حصے میں تعارض ہو گیا کیونکہ حدیث کی ابتداء میں بتایا کہ گناہ کبیر کی وجہ سے معذب نہیں اور مابعد میں بتایا کہ یہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں اس وجہ سے ان کو عذاب ہو رہا ہے اور نیز اس روایت کا تعارض ہے ان روایات سے جن میں یہ مذکور ہے کہ ان کو کبیرہ گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا۔ (جن میں کبیرہ کی وجہ سے معذب ہونے کا ذکر ہے)

جواب-۱: جن کبائر کو سبع موبقات قرار دیا گیا ہے یہ ان میں سے نہیں تو منفی خاص کبیرہ گناہ ہے اور مثبت عام کبیرہ گناہ ہے۔

جواب-۲: کبیرہ گناہ کی نفی ان کے خیال کے اعتبار سے ہے کہ وہ ان کو کبیرہ نہیں سمجھتے تھے اور مابعد میں واقع اور نفس الامر کے مطابق یہی تھا کہ یہ کبیرہ گناہ نہیں۔

جواب-۳: کبیرہ کے دو معنے ہیں (۱) ایک اصطلاحی کبیرہ جو صغیرہ کے مقابلے میں آتا ہے۔ (۲) دوسرا معنی لغوی ہے دشوار یہاں اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی ہے کہ ان کا معذب ہونا اس گناہ کی وجہ سے نہ تھا کہ جس سے بچنا دشوار ہو۔ اگر بچنا چاہتے تو بچنا ان کے لئے دشوار نہیں تھا۔

قولہ' لایستتر من البول۔ اس کے دو معنے ہیں (۱) بینہ و بین الناس پردہ نہیں کرتا تھا (۲) اپنے درمیان اور بول کے درمیان پردہ نہیں کرتا تھا۔ دوسرا معنی صحیح و راجح ہے۔ قرینہ مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں لایستنزہ عن البول.

سوال: قطرات البول سے حفاظت نہ کرنے میں اور عذاب قبر میں کیا مناسبت ہے؟ اور اسی طرح نمیم کے ارتکاب اور عذاب قبر میں کیا مناسبت ہے؟ جواب قطرات البول سے عدم محافظت و عذاب قبر میں مناسبت یہ ہے کہ طہارۃ مقدمہ ہے صلوٰۃ کا اور (نماز) اصل ہے اور عالم برزخ مقدمہ ہے عالم آخرت کا اور عالم آخرت اصل ہے جو اصل ہے اس کا سوال اصل میں اور جو مقدمہ ہے اس کا سوال مقدمہ میں اور نمیمہ کا معنی ہے بغرض فساد کسی کی بات کو کسی کی طرف نقل کرنا۔ چغلخوری اس میں اور عذاب قبر میں مناسبت یہ (نمیمہ) ہے کہ یہ مقدمہ ہے قتل کا اور قتل اصل ہے اور عالم برزخ مقدمہ ہے عالم آخرت کا اور عالم آخرت اصل ہے اصل کا سوال اصل میں مقدمہ کا سوال مقدمہ میں (یعنی چغلخوری کا عذاب عالم برزخ میں ہوگا) (یعنی قتل کا سوال عالم آخرت میں)

قولہ' ثم اخذ جریدۃ ......الخ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سبز ٹہنی لی اور اس کو طولاً چیر کر ایک کو ایک قبر پر اور دوسری کو دوسری

قبر پر گاڑ دیا تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس امید سے کہ شاید ان کے عذاب میں تخفیف ہو جائے جب تک یہ خشک نہ ہوں۔ ان کے عذاب کی تخفیف کا سبب کیا بنا۔ اس میں دو قول ہیں۔

(۱) وضع الجرائد۔ (۲) ید برکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہاتھوں کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوگئی۔ پہلے قول والوں کے ہاں **وضع الجرائد علی القبور** مباح ہے مثلاً درخت وغیرہ لگانا جائز ہے اور دوسرے قول کے مطابق **وضع الجرائد علی القبور** صحیح نہیں کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی برکت تھی غیر نبی کے لئے جائز نہیں۔ دوسرا معنی راجح ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اگر **وضع الجرائد** ہوتو چیرنا مناسب نہیں تھا اس لئے کہ اس سے تو وہ جلدی خشک ہو جائے گی۔ ممکن ہے کہ اس وقت ایک ہی جریدہ ہو اس کے علاوہ ہو ہی نہ اس لئے اس کو چیر دیا۔ حضرت بریدہؓ نے وصیت کی تھی وفات کے وقت کہ میری قبر پر جریدہ ڈالیں تو یہ جریدہ کی وصیت پہلے قول والوں کی تائید کرتی ہے۔ جواب۔ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔

قولہ' یعذبان الخ یہ دو معذب مسلمان تھے یا کافر۔ تو راجح یہی ہے کہ وہ مسلمان تھے۔ قرینہ معذب جن افعال کی وجہ سے ہوئے وہ فروعات میں سے ہیں اور کافر کے معذب ہونے کا سبب تو کفر ہے جو اصل ہے۔

سوال: جب یہ دونوں شخص مسلم تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کا مقتضی یہ تھا کہ عذاب بالکلیہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا؟

جواب-۱: یہ ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت مقیدہ کی اجازت ہو شفاعت موبدہ کی نہ ہو۔

جواب-۲: یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ٹہنیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کی برکت سے خشک ہی نہ ہوئی ہوں۔

مسئلہ:۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قبروں پر پھول۔ نہیں ڈالے جاسکتے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ٹہنیاں گاڑی تھیں وہ معذب کی قبور پر گاڑی تھیں اور اولیاء کی قبروں پر پھول تو اعزاز کے لئے ڈالے جاتے ہیں نہ کہ معذب ہونے کی وجہ سے **و ذالک لایجوز**۔ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے۔ تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو بہت سی چیزیں معلوم ہوتی ہیں جو غیر نبی کو معلوم نہیں ہوتیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عذاب قبر حقیقت ہے کوئی وہمی خیالی چیز نہیں واقعی نفس الامری ہے اور بول انسانی بالاجماع نجس ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نمیمہ کبائر میں سے ہے۔ فرمایا یہ قتل سے بھی اشد ہے۔ (۵) نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ شفاعت برحق ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوْا اللَّاعِنَیْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ یَا
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کاموں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں۔
رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ. (صحیح مسلم)
صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ کیا ہیں فرمایا جو لوگوں کے راستہ میں پاخانہ کرے یا لوگوں کے سایہ میں روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ لاعنین تثنیہ ہے لاعن کا۔ اور یہ صفت ہے موصوف محذوف کی۔ اب اس موصوف میں دو احتمال ہیں۔ (۱) الرجلین الاعنین (لعنت کرنے والے دو مرد) (۲) انفعلین الاعنین.

سوال: یہ دو مرد تو لعنت کرنے والے نہیں لعنت تو دوسرے ان پر کرتے ہیں۔

جواب-۱: لاعن بمعنی ملعون کے ہے۔ معنی یہ ہے کہ "ملعون آدمیوں سے بچو۔

جواب-۲: لاعن اسم فاعل ذی کذی کی قبیل سے ہے۔ یعنی ایسے دو آدمی جو لعنت والے ہیں۔

جواب-۳: لاعن یہ دو شخص لعنت کرنے والے ہیں اپنے نفس پر اپنی ذات پر لعنت کرنے والے ہیں وہ کیسے؟ وہ اس طرح کہ جب انہوں نے ایسا کام کیا تو لوگوں نے ان پر لعنت کی اگر نہ کرتے یہ کام تو لوگ بھی لعنت نہ کرتے۔ یہ اسی طرح ہے کہ جیسے آیا ہے حدیث میں کہ اپنے ماں باپ کو گالی نہ دو۔ وہ اس طرح ہے کہ تم دوسروں کو گالی دو گے تو وہ تمہارے والدین کو گالیاں دیں گے تو یہ گالیاں دینے کا سبب تم خود

ہی بنے۔تو جس طرح وہاں یہ فرمایا تم اپنے والدین کو گالیاں نہ دو اسی طرح یہاں بھی ہے۔دوسرے احتمال کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ تم ایسے کاموں سے بچو جولعنت کا سبب ہیں۔آگے پھر فعل کا لفظ مضاف محذوف ہوگا فعل الذی اس شخص کا فعل مراد ہے وہ فعل جولعنت کا سبب ہیں۔پہلے احتمال پر یہ محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔وہ لعنت دو کام کیا ہیں (۱) ایسے راستے پر قضائے حاجت کرنا جولوگوں کی گزرگاہ ہو۔اگر کوئی راستہ ایسا ہے کہ پہلے تو وہ لوگوں کی گزرگاہ تھی اب لوگوں نے آنا جانا چھوڑ دیا تو اس پر قضائے حاجت کرنا اس کے تحت داخل نہیں۔

(۲) ایسے سائے کے نیچے قضائے حاجت کرنا جو منتفع بہ ہو۔اگر منتفع بہ نہ ہو تو وہ اس کے تحت داخل نہیں۔ایسا سایہ جس سے لوگ فائدہ حاصل کرتے ہوں۔اگر ایسا سایہ نہ ہو تو فلاحرج۔نیز سردیوں کے موسم میں ایسی دھوپ والی جگہ پر پیشاب کرنا جس سے لوگ فائدہ حاصل کرتے ہوں اس کا بھی یہی حکم ہے۔یہ بھی جائز نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَتَنَفَّسْ فِی الْاِنَاءِ
حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کوئی تم میں سے پانی پیئے برتن میں سانس نہ لے
وَاِذَا اَتَی الْخَلَاءَ فَلَا یَمَسُّ ذَکَرَہٗ بِیَمِیْنِہٖ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
اور جب پاخانہ میں آئے اپنے ستر کو دائیں ہاتھ سے نہ چھوئے۔

تشریح: حاصل حدیث حدیث کے ابتدائی حصہ میں فرمایا کہ اگر پانی پینا ہو تو برتن کے اندر سانس نہیں لینا چاہئے تاکہ کوئی اجزاء اندر نہ چلے جائیں تو اس سے دوسرے کو نفرت ہوگی۔

سوال: دوسری احادیث میں ہے کہ تین مرتبہ سانس لو وہاں سے سانس لینے کا حکم ہے اور یہاں نہی ہے۔

جواب: وہاں حدیث سے مراد یہ ہے کہ برتن سے منہ باہر نکال کر سانس لو اور یہاں برتن کے اندر سانس لینے سے منع کیا ہے لہٰذا ان روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔دوسرے حصہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ قضائے حاجت کے وقت مس الذکر بالیمین نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اشرف الاعضاء کو اشرف الافعال میں استعمال کرنا چاہئے اور یہ اشرف نہیں باقی یہاں پر مس الذکر بالیمین کی تخصیص اس لئے کہ یہ ضرورت کے وقت میں ہوتا ہے۔اس میں جائز نہیں تو غیر ضرورت کے وقت میں بطریق اولیٰ جائز نہیں ہوگا۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ فَلْیَسْتَنْثِرْ وَ مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ.
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وضو کرے پس چاہئے کہ ناک جھاڑے اور جو استنجا کرے چاہئے کہ طاق ڈھیلے استعمال کرے۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم)

تشریح: فرمایا جو وضو کرے پس چاہئے کہ ناک جھاڑے استنثار فرع ہے ناک میں پانی ڈالنے کی اور جو استجمار کرے پس چاہئے کہ طاق عدد استعمال کرے۔ان کے اختلافی مسائل ماقبل میں گزر چکے ہیں۔استجمار ڈھیلے استعمال کرنا اور استجمار دھونی دینے کو بھی کہتے ہیں کمافی الجنائز لیکن اس مقام میں پہلا معنی مراد ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ اِدَاوَۃً
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں داخل ہوتے میں اور ایک چھوٹا لڑکا
مِّنْ مَّاءٍ وَعَنَزَۃً یَسْتَنْجِیْ بِالْمَاءِ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
پانی کا لوٹا اور برچھی اٹھاتے آپ پانی کے ساتھ استنجا کرتے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔غلام کا مصداق کیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اس کا مصداق عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں لیکن

عبداللہ ابن مسعودؓ پر غلام کا اطلاق درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ کبارِ صحابہؓ میں سے ہیں۔ جواب۔ لڑکوں والا کام خدمت کی صورت میں کرنے کی وجہ سے غلام کہہ دیا۔ بعض نے کچھ کہا اور بعض نے کچھ کہا صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے ایک خادم تھے۔

قولہ' عنزۃ کس کو کہتے ہیں۔ جس لاٹھی کے آگے لوہا یا برچھی ہو جو نیزے سے چھوٹی اور عام لاٹھی سے بڑی ہوتی تھی۔

اپنے ساتھ کس مقصد کے لئے لے جاتے تھے ڈھیلے حاصل کرنے کے لئے اور موذی جانور مارنے کے لئے دشمن سے بچاؤ یا کہیں پردے کی ضرورت پڑے تو اس کو گاڑ کر اس پر کپڑا ڈال دیتے یا کوئی سخت زمین ہوتی تو اس کو نرم کرنے کے لئے تاکہ چھینٹے نہ پڑیں۔ اور بھی کئی فوائد ہوں گے۔ ساتھ پانی بھی لے جاتے تھے تاکہ استنجاء بالاحجار کے بعد استنجا بالماء کریں کیونکہ افضل یہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ نَزَعَ خَاتِمَهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ وَقَالَ اَبُوْدَاوٗدَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ وَ فِي رِوَايَتِهٖ وَضَعَ بَدَلَ نَزَعَ.

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے اپنی انگوٹھی اتار لیتے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نسائی اور ترمذی نے کہا ترمذی نے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ ابو داؤد نے کہا یہ حدیث منکر ہے اور اس کی روایت میں نزع کی جگہ وضع کا لفظ ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار لیتے تھے کیونکہ انگوٹھی پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقش تھا۔ ہر قابل احترام چیز کا یہی حکم ہے۔ بیت الخلاء میں قابل احترام چیز سے مجرد ہو کر جانا چاہئے اگر کوئی سفر وغیرہ کی حالت ہو اور کوئی قابل احترام اولیٰ چیز ہو تو اس کو عمامہ میں رکھ کر سر پر باندھ لینا چاہئے۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ اَحَدٌ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت پاخانہ کا ارادہ کرتے جاتے یہاں تک کہ ان کو کوئی نہ دیکھتا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہ اس زمانہ کا قصہ ہے جب بیت الخلاء گھروں میں نہیں بنے تھے اس معنی سے دوسری حدیثوں کے ساتھ مثلاً حدیث ابن عمرؓ ارتقیت فوق بیت الخ سے تعارض نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ صحرا میں قضائے حاجت کے لئے حتی الوسع دور جانا چاہئے۔

وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰىؓ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَاَرَادَ اَنْ يَّبُوْلَ فَاَتٰى دَمِثًا فِيْ اَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ اِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّبُوْلَ فَلْيَرْتَدْ لِبَوْلِهٖ. (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہا کہ میں ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کرنا چاہا تو دیوار کی جڑ کے پاس نرم زمین میں آئے پھر پیشاب کیا اور فرمایا جب تم میں سے کوئی پیشاب کرنا چاہے پس چاہئے کہ پیشاب کیلئے نرم جگہ تلاش کرے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ سوال۔ دیوار کی جڑ میں پیشاب کرنا تو مناسب نہیں دیوار تو بوسیدہ ہو جاتی ہے اور یہ باعث نقصان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا۔ جواب ممکن ہے یہ دیوار گری پڑی ہو غیر مملوکہ ہو تو اس میں پیشاب کرنا کوئی نقصان نہیں دیتا یا یہ دیوار ایسے صحابیؓ کی ہو جو اس کو اپنے لئے سعادت سمجھتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر کی دیوار میں پیشاب کیا ہے۔ یا یہ کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب جوار میں پیشاب کیا تھا مگر تعبیر ایسی کردی کہ جس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ دیوار کی جڑ میں کیا تھا۔ پھر فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ اس جیسی جگہ اپنے پیشاب کیلئے تلاش کرے۔ فلیرتد مکاناً مثل ذالک لبولہ۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَا الْحَاجَۃَ لَمْ یَرْفَعْ ثَوْبَہٗ حَتّٰی یَدْنُوَ مِنَ الْاَرْضِ. (رواہ الجامع ترمذی و ابوداؤد و الدارمی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت استنجا کرنے کا ارادہ کرتے اپنا کپڑا نہ اٹھاتے۔ یہاں تک کہ قریب ہوتے زمین کے روایت کیا اس کو ترمذی ٗ ابوداؤد اور دارمی نے۔

تشریح: کشف عورت ضرورت کے وقت ہو اور جتنی مقدار ضرورت ہو اتنی ہی ہو۔ قبل از وقت کشف عورت نہیں ہونا چاہئے اور بعد از وقت ضرورت کے بقدر کشف عورت کی گنجائش ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ مِثْلُ الْوَالِدِلِوَلَدِہٖ اُعَلِّمُکُمْ اِذَا اَتَیْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوْا الْقِبْلَۃَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْھَا وَ اَمَرَ بِثَلَاثَۃِ اَحْجَارٍ وَنَھٰی عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّۃِ وَنَھٰی اَنْ یَّسْتَطِیْبَ الرَّجُلُ بِیَمِیْنِہٖ. (رواہ ابن ماجۃ والدارمی)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے لئے والد کی مانند ہوں؟ میں تم کو سکھاتا ہوں جس وقت تم پاخانہ کیلئے آؤ قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور نہ پیٹھ کرو اور آپ نے تین پتھروں کے استعمال کرنے کا حکم دیا لید اور ہڈی کے ساتھ استنجا کرنے سے منع کیا اور اس بات سے منع کیا کہ کوئی آدمی اپنے دائیں ہاتھ سے استنجا کرے روایت کیا اس کو ابن ماجہ اور دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔قولہ' انما انالکم مثل الوالد لولدہ تمہیداً امتثال امر کی ترغیب دینے کے لئے فرمایا میری حیثیت اپنی اولاد کیلئے والد جیسی ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرماتے ہوئے شریعت کے چار مسئلے بتلائے یہ سارے احکام شفقت پر مبنی ہیں۔(۱) پہلا مسئلہ استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ سے نہی۔ استقبال واستدبار میں تعمیم ہے جیسا کہ یہ مسئلہ ماقبل میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔(۲) دوسرا مسئلہ۔تین ڈھیلوں کے استعمال کرنے کا حکم دیا۔تثلیث احجار یہ حکم احناف کے نزدیک استحبابی ہے اور شوافع کے نزدیک وجوب پر محمول ہے۔(۳) تیسرا مسئلہ۔روث اور ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔رمہ پرانی ہڈی کو کہتے ہیں روث گوبر نجاست (۴) چوتھا مسئلہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔اس لئے کہ دائیں ہاتھ اشرف الاعضاء میں سے ہے۔

الرجل کی قید بیان واقع کے لئے ہے کوئی احترازی نہیں چونکہ استنجا سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اس لئے اس کو استطابت سے تعبیر کردیا۔ واللہ الموفق۔

وَعَنْ عَآئِشَۃَؓ قَالَ کَانَتْ یَدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْیُمْنٰی لِطُھُوْرِہٖ وَطَعَامِہٖ وَ کَانَتْ یَدُہُ الْیُسْرٰی لِخَلَائِہٖ وَمَا کَانَ مِنْ اَذًی. (رواہ ابوداؤد)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ وضو کرنے کیلئے اور کھانا کھانے کیلئے تھا اور بایاں ہاتھ استنجا کرنے اور ایسی چیز کرنے کیلئے تھا جو مکروہ ہو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔دایاں ہاتھ پاک چیزوں اور کھانے کے لئے ہوتا تھا اور بایاں ہاتھ خلاء وغیرہ ان کاموں کے لئے جن میں تکلیف ہوتی ہے اس میں استعمال ہوتا تھا۔ یعنی وہ ناپسندیدہ امور جن کا تعلق ہاتھ سے ہے اس کو بائیں ہاتھ سے کیا کرتے تھے۔

وَعَنهَا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَهَبَ اَحَدُكُم اِلَى الْغَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهُ

اسی حضرت (عائشہؓ) سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت تم میں سے کوئی ایک پاخانہ کیلئے جائے اپنے ساتھ

بِثَلَاثَةِ اَحْجَارٍ يَسْتَطِيبُ بِهِنَّ فَاِنَّهَا تُجْزِی عَنْهُ. (رواه ابوداؤد والسنن نسائی و الدارمی)

تین پتھر لے جائے ان کے ساتھ استنجا کرلے پس یہ پتھر اس سے کفایت کر جائیں گے۔روایت کیا اس کو احمدؒ ابوداؤدؒ نسائی اور دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ جب تم میں سے کوئی ایک قضائے حاجت کے لئے جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے تا کہ استنجا کرے ان کے ذریعہ پس یہ تین پتھر کفایت کر جائیں گے پانی سے۔

قوله' فانها تجزی عنه ای عن الماء اگرچہ ماقبل میں اس کا ذکر نہیں ہوا لیکن مفہوم کلام سے سمجھ آتا ہے کیونکہ مزیل نجاست پانی ہے اگر پانی نہ ہو تو یہ احجار ثلثہ نجاست کے زائل کرنے کیلئے کافی ہیں۔یا **فانها تجزی عنه** میں ضمیر کا مرجع مستنجی اور عن بمعنی لام کے ہے۔ای **للمستجی** یہ تین پتھر مستنجی کے لئے کفایت کر جائیں گے یعنی اس سے اس کا جو مطلوب ہے وہ حاصل ہو جائے گا۔ **فلیذهب** کا امر احناف کے نزدیک استحبابی ہے۔وجوبی نہیں شوافع کے نزدیک وجوبی ہے۔یہ معلول بالعلت ہے وہ علت اجزاء اور اکفاء ہے کیونکہ عام طور پر تین پتھر کفایت کر جاتے ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَنْجُوا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لید اور ہڈی کے ساتھ استنجا نہ کرو کیونکہ ہڈی تمہارے بھائی

فَاِنَّهُ زَادُ اِخْوَانِكُم مِنَ الْجِنِّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ زَادَ اِخْوَانِكُم مِنَ الْجِنِّ

جنوں کا توشہ ہے روایت کیا ہے اس کو ترمذی اور نسائی نے مگر نسائی نے یہ ذکر نہیں کیا۔ زاداخوانکم من الجن۔

تشریح: حاصل حدیث:۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استنجا بالروث اور استنجا بالعظام سے منع فرمایا اور **فانها زاد اخوانکم** سے علت نہی بیان فرمائی۔(یہ فاء تعلیلیہ ہے ھا ضمیر کا مرجع عظام ہے) یعنی عظام کا جنات کی خوراک ہونا اور ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کی خوراک کو نجاست سے آلودہ کر کے متاثر نہیں کرنا چاہئے۔

سوال۔ہم تو دیکھتے ہیں کہ ہڈیاں ایسے ہی پڑی رہتی ہیں اگر یہ جنات کی خوراک ہوتی ہیں تو یہ کیسے باقی رہتی ہیں نیز ہڈیاں اجسام کثیفہ ہیں اور جنات اجسام لطیفہ ہیں تو اجسام کثیفہ اجسام لطیفہ کے لئے خوراک کیسے بن گئے۔

جواب-۱: اس میں کوئی بعید بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں سے گیس پیدا کر دیتے ہوں جس کو سونگھ کر وہ خوراک حاصل کر لیتے ہیں۔

جواب-۲: اللہ تعالیٰ ان پر گوشت چڑھا دیتے ہوں جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔لیکن ہمیں ہڈیاں نظر آتی ہیں۔اس صورت میں ہے (گوشت کا چڑھنا) جب متلبس بالنجاست نہ ہو۔نیز لکھا ہے جس ہڈی پر بسم اللہ پڑھی جائے کھانا کھاتے وقت اس پر گوشت چڑھتا ہے اور جس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس ہڈی پر گوشت نہیں چڑھتا۔لہٰذا ہڈیاں استعمال کرتے وقت دوسروں کا نفع بھی کرنا چاہئے۔بسم اللہ پڑھنی چاہئے اپنا تو فائدہ حاصل کر لیا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا دیا۔

سوال: اللہ نے ہڈیوں کو جنات کی خوراک کیوں بنایا۔ جواب: ہڈیوں میں مادہ ناری زیادہ ہوتا ہے اور جنات بھی نار سے بنے ہیں حتیٰ کہ سائنسدانوں نے بھی کہہ دیا ہے کہ ہڈیوں میں آتشی مادہ زیادہ ہوتا ہے۔اس مناسبت سے یہ ان کی خوراک ہے۔سوال۔حدیث میں دو چیزوں سے نہی ہے اور علت تو ایک کی بیان فرمائی۔استنجا بالروث کی علت تو معلوم نہ ہوئی۔

جواب: ضمیر عظام ہے مگر روث اس کے تابع ہے مقایسۃً یعنی روث کو عظام پر قیاس کر لو اس کی علت بھی غذا ہونا اور پھر غذا ہونا عام ہے بلاواسطہ یا بالواسطہ عظام کا خوراک ہونا بلاواسطہ اور روث کا خوراک ہونا بالواسطہ ہے۔اور بعض نسخوں میں فانہما کے الفاظ ہیں اس

صورت میں کوئی اشکال نہیں اور بعض نسخوں میں فانہ کے الفاظ ہیں اس صورت میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں ضمیر کا مرجع مذکور بتاویل کل واحد ہو جائے گا۔ اشکال فانہا کی صورت میں ہوگا۔ جس کا جواب گزر چکا۔

سوال: فانہا کی ضمیر کا مرجع عظام اور روث کو بنانے سے یہ معلوم ہوتا کہ جس طرح عظام جنات کی خوراک ہے اسی طرح روث بھی جنات کی خوراک ہے۔ حالانکہ روث یہ جنات کی خوراک نہیں بلکہ دواب جنات کی خوراک ہے۔ جواب۔ روث کا جنات کی خوراک ہونا بواسطہ دواب کے ہے۔ یہ ان کے چوپاؤں کی غذا ہے۔ اور کسی کے چوپاؤں کی غذا ہو نا وہ اس کی خوراک ہے۔

مسئلہ ہڈی سے اگر استنجا کر لیا تو شرعاً معتبر ہوگا یا نہیں۔ کفایت کرے گا یا نہیں۔ احناف کے نزدیک کفایت کر جائے گا معتبر ہے صرف کراہت ہے اور شوافع کے نزدیک معتبر نہیں ہوگا چنانچہ اگر کسی نے اسی حالت میں نماز پڑھ لی تو واجب الاعادہ ہوگی۔ شوافع کی دلیل یہی حدیث ہے جواب اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہی لغیرہ ہے لنفسہ نہیں۔ یہ نہی معلول بالعلت ہے یعنی یہ جنات کی خوراک ہے اس وجہ سے نہیں کہ اس سے استنجا حاصل نہیں ہوتا۔

وَعَنْ رَوَيْفِعٍ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُوْلُ
حضرت رویفعؓ بن ثابت سے روایت ہے کہا کہ میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے رویفعؓ شاید میرے بعد تیری زندگی
بِكَ بَعْدِي فَاَخْبِرِ النَّاسَ اَنَّ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ اَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا اَوِ اسْتَنْجٰى بِرَجِيْعِ دَآبَّةٍ اَوْ عَظْمٍ فَاِنَّ
دراز ہو تو لوگوں کو بتلانا جس نے داڑھی میں گرہ لگائی یا تانت کا ہار ڈالا یا جانور کی نجاست یا ہڈی سے استنجا کیا تحقیق محمد صلی اللہ علیہ وسلم
مُحَمَّدًا مِنْهُ بَرِيْءٌ. (رواہ ابوداؤد)
اس سے بیزار ہیں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث: حضرت رویفعؓ کو فرمایا کہ شاید تیری عمر و زندگی میرے بعد لمبی ہو (مجھ سے تیری زندگی دراز ہو) واقعۃً ان کی زندگی دراز ہوئی۔

پہلا مسئلہ: کہ داڑھی کو گرہ لگانا یعنی ایسا عمل کرنا جس سے اس کے بال مڑ گئے اور داڑھی کا سیدھا پن ختم ہو گیا اور گھنگھریاں بن جائیں ایسا کرنا یہ خلاف سنت ہے۔ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے وعید ہے کیونکہ تسریح اللحیۃ ہے۔ لہٰذا لوگوں کو حکم دو کہ اس سے بچیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ ہوتا تھا کہ اگر کسی کی ایک بیوی ہوتی تو داڑھی کو ایک گرہ اور اگر دو ہوتیں تو دو گرہ لگا دیتے تھے تو ایسا کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کیونکہ اس میں اہل جاہلیت کے ساتھ تشبہ ہے۔ یہ وعید اسی وجہ سے ہے۔

دوسرا مسئلہ: اپنے گلے میں دھاگے ڈالنے سے منع فرمایا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ جانوروں کے گلے میں دھاگے گھنٹیاں ڈالتے تھے اس سے جانوروں کا گلہ گھونٹ سکتا ہے اس لئے منع فرمایا۔ یہ فعل شیطانی ہے اس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بچوں کے گلے میں جب تک تعویذ وغیرہ نہ لٹکاتے تھے تو بچہ محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ وہ اس کو موثر بالذات و موثر حقیقی سمجھتے تھے۔ اس لئے منع فرمایا۔ اگر اس کو موثر حقیقی نہ سمجھے تو جائز ہے وہ اس وعید کے تحت داخل نہیں۔

تیسرا مسئلہ: کسی جانور کی نجاست سے استنجا کرنا اس سے منع فرمایا۔ بہر حال یہ مبالغہ فی الزجر کے لئے ہے۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَحَلَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سرمہ لگائے پس چاہئے کہ طاق سلائیاں لگاوے جس نے کیا پس اچھا کام کیا اور

وَمَنْ لَّا كَ فَلَا حَرَجَ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَّا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَكَلَ فَمَا
جس نے نہ کیا پس کوئی گناہ نہیں اور جو شخص استنجا کرے۔ پس طاق ڈھیلے لیوے جس نے ایسا کام کیا اس نے اچھا کیا جس نے نہ کیا پس کوئی گناہ نہیں ہے اور جس
تَخَلَّلَ فَلْيَلْفِظْ وَمَالَا كَ بِلِسَانِهٖ فَلْيَبْتَلِعْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ وَمَنْ اَتَى الْغَائِطَ
نے کھایا پس اس چیز کو نکالا خلال سے پس چاہیئے کہ پھینک دے اور جو نکالے اپنی زبان کیساتھ پس چاہیئے کہ نگل لیوے جس نے کیا اچھا کام کیا اور جس نے نہ کیا
فَلْيَسْتَتِرْ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اِلَّا اَنْ يَّجْمَعَ كَثِيْبًا مِنْ رَمَلٍ فَلْيَسْتَدْبِرْهُ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَلْعَبُ بِمَقَاعِدِ بَنِي
اس نے کوئی گناہ نہیں کیا اور جو پاخانہ کیلئے آئے پس چاہیئے کہ پردہ کرلے پس اگر نہ پائے مگر یہ کہ جمع کرے ریت کا تودہ پس چاہیئے کہ کرے اس تودہ کو اپنے پیچھے
اٰدَمَ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ. (رواه ابوداؤد وابن ماجة والدارمي)
کیونکہ شیطان بنی آدم کی شرمگاہ کے ساتھ کھیلتا ہے۔ جس نے کیا اچھا کیا اور جس نے نہ کیا پس کوئی گناہ نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ **قوله' فماتخلل الخ** کھانے کے وہ اجزاء جن کو خلال کے ذریعے نکالا ہو ان کو پھینک دے اور وہ اجزاء جن کو زبان سے نکالا ہو اس کو نگل لے۔ اس حدیث کے اندر کئی مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ سرمہ لگانے میں طاق عدد استعمال کرو۔ طاق عدد استعمال کرے اس میں دو قول ہیں۔

پہلا قول: **کل واحد** کے اعتبار سے طاق عدد۔ یعنی تین ایک آنکھ میں اور تین دوسری آنکھ میں اگر چہ مجموعہ جفت وزوج بن جائیگا۔

دوسرا قول:۔ مجموعہ اعداد کے اعتبار سے طاق عدد ہو۔ دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو سلائیاں لیکن راجح کل واحد والی صورت ہے بزرگوں کا معمول زیادہ اسی پر تھا۔

دوسرا مسئلہ: استنجا بالاحجار میں ایتار کرے۔ **من فعل فقداحسن و من لافلاحرج**۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ایتار واجب نہیں اس لئے کہ اگر واجب ہو تو **من فعل فقداحسن و من لافلاحرج** کا انطباق نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ استنجا بالاحجار کی حیثیت کیا ہے۔

احناف کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ نجاست دو حال سے خالی نہیں۔ محل نجاست سے متجاوز ہوگی یا نہیں۔ اگر محل نجاست سے متجاوز نہ ہو تو استنجا بالاحجار مستحب ہے اگر متجاوز ہے تو پھر تین حال سے خالی نہیں۔ ایک درہم سے کم ہوگی یا مساوی ہوگی یا زائد ہوگی کم ہو تو مستحب مسنون اگر مساوی یا زائد ہو تو واجب ہے۔

شوافع کے نزدیک علی الاطلاق استنجاء بالاحجار واجب ہے عام ہے جتنی مقدار بھی ہو۔ باقی معلوم کیسے ہوگا کہ درہم سے زائد یا مساوی ہے۔ اگر نجاست منجمد ہے تو وزن کے اعتبار سے اگر غیر منجمد ہے تو مسافت وجسامت کے اعتبار سے معلوم کرلیا جائے گا۔ محل استنجا سمیت یا محل استنجا کے (ماسوا) الگ کا اعتبار ہے۔ شیخین فرماتے ہیں محل استنجا کے ماسوا اور امام محمدؒ فرماتے ہیں محل استنجا سمیت کا اعتبار ہے شیخ ابن ہمام نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ محل استنجا کے ماسوا کا اعتبار ہے۔

تیسرا مسئلہ: ایتار کا کیا حکم ہے؟ احناف کے نزدیک اس میں اصل انقاء المحل ہے باقی ڈھیلوں کا تین عدد ہونا مسنون ہے۔ (واضح رہے ایتار سے مراد بصورت تثلیث ہے بصورت واحد یا بصورت خمسہ نہیں) اصل اختلاف بصورت تثلیث میں ہے) شوافع کے نزدیک ایتار بصورت تثلیث واجب ہے۔

احناف کی دلیل-ا: ماقبل میں حدیث عائشہؓ **فليذهب معه' بثلثة احجار يستطب بهن فانها تجزى عنه** اس میں تین ڈھیلوں کا حکم معلول بالعلت ہے۔ عمومی احوال میں ان سے مقصود حاصل ہوجاتا ہے۔

دلیل-۲: یہی روایت حدیث ابو ہریرہؓ جونص ہے اس بات پر کہ تثلیث واجب نہیں اس لئے کہ اگر واجب ہوتی تو **من فعل فقد احسن و من لافلاحرج** نہ فرماتے۔

شوافع کی طرف سے جواب اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ تین زائد پر محمول ہے ای **ولو فوق الثلثة من فعل الخ** لیکن یہ تاویل بعید ہے۔

دلیل-۳: حدیث عبداللہ بن مسعودؓ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے جانے لگے تو عبداللہ بن مسعودؓ کو فرمایا کہ تین ڈھیلے لاؤ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دو ڈھیلے اور ایک روث لے کر آئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روث کو پھینک دیا اور دو ڈھیلوں پر اکتفا کیا یہ تب ہوسکتا ہے کہ جب تثلیث واجب نہ ہو تو پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ تثلیث ضروری نہیں۔

اس پر شوافع اعتراض کرتے ہیں کہ ممکن ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تیسرا ڈھیلہ خود اٹھالیا ہو۔

جواب: اگر وہاں موجود ہوتے تو عبداللہ بن مسعودؓ کو پہلے ہی بھیجنے اور کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ احتمال تو ہے مگر ناشی عن غیر دلیل ہے۔

سوال: شوافع کی طرف سے بعض روایات میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حکم دیا کہ جاؤ تیسرا ڈھیلہ بھی تلاش کر کے لاؤ۔

جواب: معلوم ہوا تثلیث واجب ہے۔ ان کی سند صحیح نہیں استدلال کے لئے سند صحیح ہونی چاہئے۔

شوافع کی دلیلیں دو قسم کی ہیں۔ (۱) وہ روایات جن میں **اقل من ثلثه احجار** استعمال کرنے سے نہی ہے۔

(۲) وہ روایت جن میں امر **بثلثه احجار** ہے۔ تین ڈھیلوں کے استعمال کرنے کا حکم ہے جیسے **وعن سلمانؓ قال نہانا یعنی رسول اللہ علیہ وسلم ان نستنجی باقل من ثلثة احجار** یہ نہی ہے **من اقل ثلثه** سے اور جیسے حدیث عائشہؓ **فلیذ ھب معه بثلث احجار** یہ حکم بثلثہ احجار ہے۔ روایات کے جوابات پہلی قسم کی روایات کا جواب یہ ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے دوسری قسم کی روایات کا جواب یہ حکم استحبابی ہے۔ اس پر قرینہ وہ روایات ہیں جو ثلثہ احجار کے عدم وجوب پر دال ہیں جیسے حدیث ابو ہریرہؓ **من فعل فقد احسن من لافلاحرج** اور اسی طرح حدیث ابن مسعودؓ دو ڈھیلے لے لئے اور روث پھینک دیا اور دو ڈھیلوں پر اکتفاء کیا۔

چوتھا مسئلہ: خلال سے نکالے ہوئے اجزاء کو پھینکنے کا اختلاط من الدم کے احتمال کی وجہ سے ہو اس احتمال کی وجہ سے یہ حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں اور زبان سے نکالنے والے اجزاء میں اختلاط بالدم کا شبہ نہیں اس میں دم کی آمیزش کا احتمال نہیں اس لئے حکم دیا کہ کھالے نگل لے لیکن یہ بھی استحبابی ہے وجوبی نہیں۔

پانچواں مسئلہ۔ جو قضائے حاجت کے لئے آئے پردہ کرے۔ ای **فلیستتر بینه' وبین الناس** فرمایا اگر تم کوئی پردہ نہ پاؤ تو تم ایک ریت کو جمع کر کے ٹیلہ بنا کر اس کے روث میں بیٹھ کر قضائے حاجت کر لیا کرو کیونکہ بنی آدم کے مقاعد کے ساتھ شیطان کھیلتا ہے۔ **من فعل احسن و من لافلا حرج۔**

بمقاعد۔ مقاعد مقعد کی جمع ہے اس کے دو معنے ہیں۔ (۱) مراد اسفل البدن ہے کہ شیطان بنی آدم کے اسفل البدن کے ساتھ کھیلتا ہے یعنی نفوس خبیثہ کو نظر الیہا کی طرف شیطان آمادہ اور مجبور کرتا ہے۔

مقعد کا دوسرا معنی محل وقوع مراد ہے یعنی قضائے حاجت کے وقت بیٹھنے کی جگہ پر شیطان موجود ہوتے ہیں ان کی ایذاء سے بچنے کے لئے پردہ کرلے۔ پہلا معنی زیادہ راجح ہے۔ اس پردہ حسی کی وجہ سے ان کی ایذاء سے محفوظ ہو جائے۔

سوال: قضائے حاجت کے وقت پردہ تو واجب ہے حدیث میں آیا **من فعل فقد احسن لافلاحرج۔**

جواب: یہ اس صورت میں ہے کہ جب یہ احتمال نہ ہو کہ کوئی دیکھ رہا ہے اس احتمال کے نہ ہوتے ہوئے پردہ کرنا مستحب ہے اور اگر احتمال ہے کہ کوئی دیکھ رہا ہے تو پھر پردہ واجب ہے۔ وہ اس حدیث کے تحت داخل نہیں۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي مُسْتَحَمِّهٖ

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص غسل خانہ میں پیشاب نہ کرے۔ پس

ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْيَتَوَضَّأُ فِيْهِ فَاِنَّ عَامَةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ اِلَّا اَنَّهُمَا

غسل کرے اس میں یاوضوکرے گا اس لئے اکثر وسواس اس سے پیدا ہوتے ہیں۔روایت کیا اسکوابوداؤ د ترمذی نسائی نے مگر ترمذی اور نسائی نے

لَمْ يَذْكُرَا ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ اَوْيَتَوَضَّأُ فِيْهِ.

ثم يغتسل فيه اور يتوضا فيه کے الفاظ نقل نہیں کئے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ ہرگز نہ پیشاب کرے کوئی غسل خانہ میں پھر غسل کرے اس میں یاوضو کرے اس میں اس لئے کہ عام وسواس اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔ مستحم جہاں گرم پانی کے ذریعہ غسل کیا جائے۔اسی سے مراد حمام ہے غسل خانہ مجازاً کہا جاتا ہے ہر غسل کی جگہ کو مستحم کہتے ہیں۔یہ حکم تب ہے جب غسل خانہ اس کا مصداق وہ غسل خانہ ہو۔جس میں پیشاب جمع ہو جائے اور اگر غسل خانہ پکا ہواور پیشاب کرنے کے بعد پانی بہادے تو وہ غسل خانہ اس کا مصداق نہیں۔

ثم يغتسل فيه۔اس کو تینوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔(۱) مرفوع ہو خبر ہونیکی وجہ سے اور مبتداء محذوف ہوگا ثم هو يغتسل خبر ہوگا۔یہ ثم استبعاد یہ ہوگا۔یعنی ابعد عن شان المومن۔مومن وعاقل کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ غسل خانہ میں پیشاب کرے پھر وہ اس میں غسل کرے۔(۲) مجروم ہوگا۔اس صورت میں اس کا عطف ہوگا یبولن کے محل پر اور لائے نہی اس پر بھی داخل ہوگا۔ای لايبولن احد كم في مستحمه ولايغتسل۔(۳) منصوب ہو اس صورت میں ان مقدرہ کی وجہ سے یہ منصوب ہوگا۔

سوال: جن حروف کے بعد ان مقدرہ ہوتا ہے ان میں سے ثم نہیں ہے۔آپ نے ثم کے بعد ان کو کیسے مقدر مان لیا۔

جواب: حروف عاطفہ ایک دوسرے کے معنے میں استعمال ہوتے رہتے ہیں یہاں ثم واؤ کے معنے میں ہے اور واؤ کے بعد ان مقدرہ ہوتا ہے۔

سوال: اس صورت میں نہی مجموعہ سے ہوئی حالانکہ تنہا پیشاب کرنا بھی تو منع ہے؟ جواب۔اس لئے بہتر یہ ہے کہ مرفوع یا مجزوم پڑھا جائے۔

ثم هو يغتسل ثم لايغتسلن فان عامة الوسواس منه' علت نہی۔اکثر وسواس پیدا ہو جاتے ہیں اسی مذکور فعل سے اور مذکور فعل دو چیزوں کا مجموعہ ہے بول في المغتسل اور اس میں غسل کرنا ان کے مجموعہ سے شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقع ملتا ہے کہ پیشاب کرے گا دل میں وسوسہ پیدا ہوگا کہ مجھ پہ چھینٹے پڑ گئے ہیں پھر غسل کرے گا پھر وسوسہ پیدا ہوگا الخ۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي جُحْرٍ

حضرت عبداللہ بن سرجسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

(رواه ابوداؤد و السنن نسائی)

تشریح: حاصل حدیث:۔سوراخ میں پیشاب کرنے سے نہی فرمائی۔علت نہی نہ کسی کو ایذا دے اور نہ کسی سے ایذا حاصل کرے۔یہ مسلمان کی شان ہے۔ممکن ہے کوئی زہریلا جانور اس سوراخ میں ہو وہ اس کو ایذا پہنچادے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت پر شفقت کرتے ہوئے فرمایا سوراخ میں پیشاب نہ کرو دوسرا احتمال یہ بھی ہے نہ کہ کوئی کمزور جانور رہو۔تمہارے پیشاب سے اس کو ایذا پہنچے۔یہ تکلیف پہنچانا بھی درست نہیں۔

وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الْمَلَاعِنَ الثَّلَاثَةَ الْبَرَازَ فِي الْمَوَارِدِوَ

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین کاموں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں گھاٹوں (چشموں) پر پاخانہ کرنا

قَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وِالظِّلِّ. (رواه ابوداؤد و ابن ماجة)

اور راستہ میں اور سائے میں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ بچو تم تین لعنت کے کاموں سے یا بچو تم تین لعنت کی جگہوں سے
(۱) بول کرنا چشمے میں (۲) گزرگاہ میں پیشاب کرنا۔ (۳) سایہ میں پیشاب کرنا اور راستے میں پیشاب کرنا۔ ملاعن جمع کا صیغہ ہے مفرد ملعنۃ۔ اس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) اسم ظرف (۲) مصدر میمی۔ پہلی صورت میں لعنت کی جگہوں سے اور دوسری صورت میں لعنت کے کاموں سے راجع پہلا معنی ہے البراز فی الموارد موارد وارد ہونے کی جگہ سے مراد چشمے یا مجلسیں ہیں۔ لوگ جہاں بیٹھتے ہیں یعنی بیٹھنے کی جگہیں۔
قارعة الطريق۔ وہ راستہ جو کھٹکایا گیا ہو یعنی گزرگاہ جس پر لوگ چلتے ہوں۔ یہ احتراز ہے اس راستے سے جو پہلے کسی زمانے میں لوگوں کی گزرگاہ ہو اور پھر اب وہ گزرگاہ نہیں ہے۔ اس کے تحت داخل نہیں اور سائے میں پیشاب سے بھی منع فرمایا۔ برتن دھو کر پانی گرانے کا بھی یہی حکم ہے اور کمرہ صاف کر کے کوڑا وغیرہ ڈالنے کا بھی یہی حکم ہے ان تین جگہوں میں پھینکنا جائز نہیں۔ مراد ہر تکلیف دینے والی چیز سے بچے۔ اسی طرح صفوں کو پھلانگ کر یعنی لوگوں کے سر پھلانگ کر اگلی صفوں میں جانا اس کا حکم بھی یہی ہے۔ ایک ہے فضیلت حاصل کرنا اور ایک ہے حرام سے بچنا۔ اصل یہی ہے حرام سے بچے۔ ان چیزوں کی طرف بے توجہی ہے برکت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان اشیاء سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ الرَّجُلَانِ يَضْرِبَانِ الْغَائِطَ

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمی پاخانہ کیلئے نہ نکلیں کھولنے والے

كَاشِفَيْنِ عَنْ عَوْرَتِهِمَا يَتَحَدَّثَانِ فَاِنَّ اللهَ يَمْقُتُ عَلَى ذٰلِكَ. (رواه مسند احمد بن حنبل و ابوداؤد و ابن ماجة)

دونوں اپنی شرمگاہ کو اور باتیں کرتے ہوں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ شخصین کا قضائے حاجت کے لئے بیٹھنا اسی طور پر کہ کشف عورۃ ہو اور باتیں بھی کر رہے ہیں یہ فعل و عمل اتنا قبیح ہے کہ یہ اللہ کے غضب کا سبب ہے۔ ایک تو کشف عورت سے حرام کا ارتکاب اور دوسرا مروت انسانی کے بھی خلاف ہے کشف عورت دوسروں کے سامنے حرام ہے اور کشف عورت کی صورت میں باتیں کرنا مکروہ ہے اور دونوں کا مجموعہ اللہ کی ناراضگی و غضب کا سبب ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ ایک تو کشف عورت سے حرام کا ارتکاب دوسرا کشف عورت کے ساتھ باتیں کرنے کا ارتکاب دونوں درست نہیں ہیں۔ الخ۔

وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ اَرْقَمَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضِرَةٌ فَاِذَا

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاخانے کی جگہ حاضر ہونے کی ہے جب تم میں سے کوئی پاخانے کیلئے

اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ. (رواه ابوداؤد و ابن ماجة)

نکلے کہے پناہ پکڑتا ہوں میں اللہ کے ساتھ ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور ماجہ نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ قوله' حشوش حش کی جمع ہے کھجوروں کے جھنڈ کو کہتے ہیں اہل عرب کی عادت یہ تھی کہ وہ کھجوروں کی جھنڈ میں پیشاب کیا کرتے تھے اب بطور توسع کے قضائے حاجت والی جگہوں کو کہتے ہیں۔ قوله' محتضوۃ نفوس خبیثہ کی حضور کی جگہیں ہیں اب معنی یہ ہوگا کہ یہ قضائے حاجت کی جگہیں نفوس خبیثہ کے حضور کی جگہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ تم کو ایذاء پہنچادیں۔ اس لئے ان نفوس خبیثہ کی ایذاء سے بچنے کے لئے قضائے حاجت کے ارادہ کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ اعوذ بالله من الخبث و الخبائث۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتْرُ مَابَيْنَ اَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنوں کی آنکھوں اور بنی آدم کی شرمگاہ کے درمیان پردہ یہ ہے

بَنِی اٰدَمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُھُمُ الْخَلَاءَ اَنْ یَّقُوْلَ بِسْمِ اللّٰہِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَاِسْنَادُہٗ لَیْسَ بِقَوِیٍّ)

جس وقت بیت الخلا میں داخل ہونے لگے۔ بسم اللہ کہے روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند قوی نہیں ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ جنوں کی آنکھوں اور عورات بنی آدم کے درمیان جو چیز حائل ہے وہ بسم اللہ ہے۔ یعنی جو بسم اللہ پڑھ لے بیت الخلاء میں جانے کے وقت تو عورات بنی آدم کے درمیان اور جنوں کی آنکھوں کے درمیان دیوار سکندری حائل ہو جائے گی۔ آپ کو نظر آئے یا نہ آئے بس تسلیم کرلو صادق المصدوق کا فرمان ہے۔

وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ غُفْرَانَکَ۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلتے تو فرماتے غفرانک روایت کیا اسکو ترمذی نے اور ابن ماجہ اور دارمی نے۔

(رواہ جامع ترمذی و ابن ماجۃ والدارمی)

تشریح: حاصل حدیث:۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے غفرانک۔

غفرانک منصوب کیوں ہے؟ دو وجہیں ہیں (۱) یہ مفعول مطلق ہونے کی بناء پر منصوب ہے اغفر غفرانک.

(۲) یہ مفعول بہ ہے فعل محذوف کا ای اطلب غفرانک۔ الراجح ھو الاول۔

دوسرا مسئلہ۔ سوال یہ موقعہ طلب استغناء کا تو نہیں ہے۔ اس موقعہ پر مغفرت طلب کرنا بظاہر مربوط نہیں ہوتا اس لئے کہ طلب مغفرت تو گناہ کے ارتکاب کے بعد ہوتی ہے اور بیت الخلاء میں جانا یہ تو کوئی گناہ نہیں ہے؟

جواب-۱: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حق تو یہ ہے کہ ہر وقت ذکر لسانی ہو تو چونکہ قضائے حاجت کے وقت ذکر لسانی کو عمل میں نہیں لایا جاسکتا۔ اس حالت میں ذکر لسانی کا حالت قضائیہ میں انقطاع ہو جاتا ہے تو اس انقطاع کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذم اور خطاء قرار دے کر اس پر طلب مغفرت کی۔

سوال۔ بیت الخلاء میں بول کے وقت جو ذکر لسانی کا انقطاع ہوا وہ بھی تو اپنے قصد و اختیار سے نہیں ہوا۔ یہ بھی شارع کے حکم سے ہوا تو پھر طلب مغفرت کیوں؟۔ جواب-۱: چونکہ عام طور پر انسان ضرورت سے زیادہ کھالیتا ہے۔ جو سبب بنتا ہے بار بار بیت الخلاء میں جانے کا فی الجملہ اسی انسان کی کمی کوتاہی کو اس میں دخل ہے اس لئے طلب مغفرت کا حکم دیا۔ جواب-۲: اس حالت میں نجاست حسیہ کا خروج ہوا اور نجاست حسیہ کے خروج سے نفوس سلیمہ کا ذہن منتقل ہوتا ہے نجاست معنویہ کی طرف (اور ازالہ نجاست معنویہ طلب مغفرت سے ہوگا) تو چونکہ قضائے حاجت کے وقت نجاست معنویہ کے خروج کا موقع منقطع ہو گیا۔ تو اس کوتاہی کو دور کرنے کے لئے طلب مغفرت کا حکم دیا۔

جواب-۳: مادہ سمیہ (زہریلا مادہ) کا اخراج یہ بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ پتہ چلتا ہے جب پیشاب بند ہو جائے تو حق یہ تھا کہ فوراً اس نعمت کا شکر ادا کرتے لیکن چونکہ وہ موقعہ اور محل نہیں تھا تو اس لئے شکر یہ فوراً ادا نہیں کیا تو کمی کوتاہی ہوگئی تو اس کوتاہی کو دور کرنے کے لئے طلب مغفرت کا حکم دیا۔

سوال۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب مغفرت کیوں کی؟ جواب۔ آپ کا مغفرت طلب کرنا لنفسہ نہیں تھا بلکہ تعلیماً للامت تھا۔ اظہار عبودیت پر محمول ہے امت کو بتلانے کیلئے طلب مغفرت کی کہ تمہیں یہ دعا پڑھنی چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَی الْخَلَاءَ اَتَیْتُہٗ بِمَاءٍ فِیْ تَوْرٍ اَوْرَکْوَۃٍ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت پاخانہ کیلئے آتے میں آپ کے پاس پیالے یا چھاگل میں پانی لاتا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم استنجا

فَاسْتَنْجٰی ثُمَّ مَسَحَ یَدَہٗ عَلَی الْاَرْضِ ثُمَّ اَتَیْتُہٗ بِاِنَاءٍ اٰخَرَ فَتَوَضَّأَ۔ (رواہ ابوداؤد وروی الدرامی و السنن نسائی معناہ)

کرتے پھر اپنا ہاتھ زمین پر ملتے پھر میں دوسرے برتن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی لاتا پس وضو کرتے روایت کیا اسکو ابوداؤد نے اور روایت کیا دارمی اور نسائی نے اسکا معنی

تشریح: حاصل حدیث:۔ تور پیتل کا برتن یا پتھر کا برتن رکوۃ چمڑے کا برتن مشکیزہ پانی ان برتنوں میں پانی کیوں لے جاتے تھے۔ تاکہ استنجا بالماء کریں سوال۔ حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ استنجا بالماء فرماتے تھے؟ جواب۔ یہاں قید معتبر ہے کہ استنجا بالاحجار کے بعد استنجاء بالماء فرماتے کیونکہ افضل یہی ہے اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل افضلیت پر ہوگا۔

قولہ' ثم مسح یدہ علی الارض۔ یا تو مبالغہ فی النظافۃ کے لئے یا ازالہ رائحہ کریہہ کے لئے مسح علی الارض فرماتے (رگڑتے) باقی یہ مسح یدعلی الارض فرمانا۔ لنفسہ نہیں تھا بلکہ تعلیماً للامت تھا۔ اور آج کے موجودہ زمانے میں صابن وغیرہ سے ہاتھ دھو لئے جائیں تو یہی کافی ہے پھر دوسرا برتن پانی کا کیوں لے جاتے تھے۔ بعض نے کہا دوسرے برتن میں پانی لانا وضو کے لئے ہوتا تھا (لیکن اس پر بعض نے کہا کہ اناء استنجا سے وضو کرنا مکروہ ہے) لیکن محققین نے اس قول کو پسند نہیں کیا اس لئے کہ اس میں کراہت ہے لیکن اس حدیث سے کراہت پر استدلال صحیح نہیں ہے۔ دوسرے برتن میں پانی لانا اس وجہ سے ہوتا تھا کہ پہلے برتن میں موجود شدہ پانی وضو کے لئے ناکافی ہوتا تھا۔ خلاف اولیٰ اور چیز ہے اور کراہت اور چیز ہے۔ اس حدیث سے کئی مسئلے معلوم ہوئے۔

(۱) خدمت گزاری کا مسئلہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی (۲) استنجاء بالماء کا مسئلہ

(۳) استنجاء کے بعد مسح یدعلی الارض (۴) اگر ایک برتن میں پانی کم ہوجائے تو دوسرے برتن سے پانی لانیکا مسئلہ بھی معلوم ہوا۔

وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا بَالَ تَوَضَّأَ وَنَضَحَ فَرْجَهُ.
حضرت حکمؓ بن سفیان سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب کرتے وضو کرتے اور اپنی شرمگاہ کو چھینٹا دیتے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

(رواہ ابوداؤد و السنن نسائی)

تشریح: حاصل حدیث:۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب فرماتے تو وضو فرماتے استحبابی طور پر اگر نماز کا وقت نہ بھی ہوتا۔ اگر نماز کا وقت ہوتا تو وجوبی طور پر وضو فرماتے تھے اور جب فارغ ہوجاتے تھے تو ازار پر پانی کے چھینٹے مارتے۔ یہ چھینٹے مارنا لنفسہ نہیں تھا بلکہ تعلیماً للامت اور دفع وساوس کے لئے تھا یا بطور علاج کے تھا شرمگاہ کی محاذات میں ایسا کرنا جائز ہے۔

وَعَنْ اُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَؓ قَالَتْ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَحٌ مِنْ عِيْدَانٍ تَحْتَ سَرِيْرِهٖ
حضرت امیمہ بنت رقیقہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لکڑی کا ایک پیالہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے (پڑا رہتا)
يَبُوْلُ فِيْهِ بِاللَّيْلِ. (رواہ ابوداؤد و السنن نسائی)
رات کو اس میں پیشاب کرتے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک لکڑی کا پیالہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے رکھا ہوتا تھا رات کے وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں پیشاب کیا کرتے تھے۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر جانے کی ضرورت نہ پڑے اور صبح وہ پیشاب خادم کے ذریعہ پھینکوا دیتے تھے تو معلوم ہوا کہ یہ عمل کرنا شرعاً جائز ہے کوئی ممنوع نہیں۔

قولہ' عیدان اس کا معنی کیا ہے۔ اس کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے بکسر العین۔ (۲) بفتح العین۔ اگر بکسر العین ہو تو عیدان عود کی جمع ہے بمعنی لکڑی لکڑی کو کرید کر پیالہ بنایا جاتا ہے۔ اگر بفتح العین ہو تو عیدان جمع ہے عیدانۃ کی کھجور کی لکڑی۔ بہرصورت و بتقدیر کھجور کے تنے کو کرید کر پیالہ بنایا جائے۔

اشکال ایک پیالہ ایک لکڑی سے بنتا ہے۔ اس ایک لکڑی کو کرید کر پیالہ بنالیا جاتا ہے۔ اس میں لکڑیاں نہیں ہوتیں۔ الغرض عیدان جمع کا صیغہ منطبق نہیں ہوتا۔

جواب۔ جمع لانا باعتبار اجزاء کے ہے۔ عیناً شمالاً طولاً عرضاً وغیرہ یہ اجزاء ہیں۔ جیسے سراویل۔ جمع سرولۃ کی اس میں بھی کئی اجزاء ہوتے ہیں اس اعتبار سے سراویل کہتے ہیں۔ دوسری صورت اس پر اشکال حدیث میں آتا ہے اکرمو النخل نخلہ کا اکرام کرو کیونکہ یہ تو تمہاری پھوپھی ہے وہ اس طرح کہ جس مادے سے آدمؑ کو پیدا کیا گیا اس مادہ سے بچے ہوئے جو قطرات و اجزاء تھے اس سے نخلہ کو بنایا گیا اور آدم ہمارے والد ہیں تو گویا یوں سمجھ لو کہ نخلہ انہی سے بنی ہوئی ہے تو بہن ہے اس لحاظ سے پھوپھی ہوئی۔ اور یہاں حدیث میں اس کو بول کا محل بنایا جارہا ہے۔

جواب-۱: جب تک کھجور کا درخت منتفع بہ ہونے کے قابل ہو اس کو نقصان نہ پہنچایا جائے بلکہ اس کا اکرام کیا جائے پانی وغیرہ رکھی کی جائے اور ہاں اگر گر چکا ہے منتفع بہ کے قابل نہیں رہا تو اس سے پیالہ بنایا جاسکتا ہے۔ بول کا محل بنایا جاسکتا ہے۔

جواب-۲: اکرمو النخل والی حدیث سنداً ضعیف ہے اس کا معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

نیز اس حدیث کا ان حدیثوں میں تعارض ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قضائے حاجت کیلئے باہر صحرا میں تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔

جواب: وہ احادیث عمل پر محمول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گاہے گاہے ایسا بھی کرتے تھے یا وہ احادیث بغیر عذر کی حالت پر محمول ہیں اور یہ حالت عذر پر محمول ہے۔ نیز اس کا ان حدیثوں سے تعارض ہے جن میں ہے کہ بول کو گھر میں جمع نہ ہونے دیا جائے۔ نقع البول فی البیت۔

جواب۔ نہی کا مدلول بطور دوام اور استمرار کے ہے یا یہ ہے کہ عادت نہیں بنانی چاہئے یہ نہی کا مصداق ہے۔ اور آپ گا جو گھر میں پیشاب فرماتا تھا وہ صبح کو باہر گرادیا جاتا تھا اور وہ بطور عادت کے بھی نہیں تھا۔

وَعَنْ عُمَرَؓ قَالَ رَاٰنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبُوْلُ قَائِمًا فَقَالَ يَا عُمَرُ لَا تَبُلْ قَائِمًا فَمَا بُلْتُ

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ کھڑا ہو کر پیشاب کر رہا تھا مجھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا اور فرمایا اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔ اسکے بعد

قَائِمًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحْيِي السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَدْ صَحَّ عَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ

میں نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ روایت کیا اسکو ترمذی نے اور ابن ماجہ نے کہا شیخ امام محی السنہؒ نے حذیفہؓ سے یہ روایت ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے

اَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)، قِيْلَ كَانَ ذٰلِكَ لِعُذْرٍ.

کوڑے کرکٹ کی جگہ پر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ متفق علیہ۔ کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کی وجہ سے اس طرح کیا تھا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو قائماً بول کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کر۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے بعد کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ بار بار کہنے کی نوبت نہیں آنے دی۔ بس اس نہی کے بعد میں نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیوں کیا؟ اس لئے کہ زمانہ جاہلیت میں رجال کے لئے بول قائماً کی عادت تھی اور اب شرف باسلام ہوئے۔

قولہ' قال الشیخ الخ سے صاحب مشکوٰۃ کی غرض کیا ہے۔ ایک وہم کا ازالہ وہ وہم یہ تھا کہ لاتبل قائماً کی نہی تحریم کے لئے ہو تو قال الشیخ سے اس کا ازالہ کر دیا کہ یہ نہی تحریم کے لئے نہیں بلکہ تنزیہی ہے دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوم کے کوڑے پر آئے اور آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

مسئلہ: بول قائماً کا شرعی حکم کیا ہے؟ حنابلہ کے نزدیک علی الاطلاق مکروہ نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے۔ احناف کے نزدیک تفصیل ہے عذر نہ ہو تو مکروہ ہے۔ عذر ہو تو کوئی حرج نہیں۔ قیل. کان ذالک لعذر۔ یہ عبارت رفع تعارض کے لئے ہے کہ حدیث نہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں تعارض ہے۔ حدیث ابن عمر سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بول قائماً نہیں فرمایا اور حدیث حذیفہؓ سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بول قائماً فرمایا تو تعارض کو دفع کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بول قائماً عذر کی بناء پر تھا۔ اب اس عبارت کا تعارض ہو گیا حدیث ابن عمرؓ سے لاتبل قائماً وہاں مطلقاً نہی ہے۔ جواب وہ نہی تحریم کے لئے نہیں بلکہ تنزیہی ہے اور عمل بیان جواز کے لئے ہے۔

باقی وہ عذر کیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ بول فرمانا چاہتے تھے وہ مقام قعود کے مناسب نہیں تھی۔ اس مقام میں ملوث بالنجاست ہونے کا اندیشہ تھا۔ (بارش وغیرہ آجاتی ہے تو کوڑی وغیرہ پر نجاست زیادہ ہو جاتی ہے) بعض نے کہا کہ وہ عذر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ میں درد تھا اور اہل عرب کے ہاں (وجع الصلب) اس کا علاج بول قائماً سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کے لئے بول قائماً فرمایا اور اس کے بارے میں مختلف تقریریں کی گئی ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُوْلُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوْهُ مَا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ جو شخص تمہیں بیان کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے اس کو سچا نہ جانو

كَانَ يَبُوْلُ اِلَّا قَاعِدًا. (رواه مسند احمد بن حنبل و الجامع ترمذی و السنن نسائی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔روایت کیا اس کو احمد نے اور ترمذی اور نسائی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جو تم کو یہ بات بیان کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بول قائماً فرماتے تھے تو تم اس کی تصدیق نہ کرو بلکہ اس کو رد کردو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر پیشاب فرمایا کرتے تھے (الاحصر کے ساتھ) اب اس حدیث کا تعارض۔ حدیث حذیفہ کے ساتھ۔ ماکان یبول الاقاعداً رفع تعارض کی کئی صورتیں ہیں۔ رفع تعارض (۱) حضرت عائشہؓ نے نفی فرمائی اپنے علم کی وجہ سے اور حضرت حذیفہ کا اثبات اپنے علم کی وجہ سے ہے اور شخصین مختلفین کے علمین میں کوئی منافات نہیں۔ رفع تعارض (۲) نفی گھر میں مقیم ہونے کے اعتبار سے ہے اور اثبات خارج عن البیت (حضر) کے اعتبار سے ہے۔ رفع تعارض (۳) حضرت حذیفہؓ ایک واقعہ جزئیہ بیان کر رہے ہیں (اتی سباطة قوم فبال قائماً) اور حضرت عائشہؓ نے نفی کی۔ اور واقعہ جزئیہ یہ عادت کے منافی نہیں۔ (۴) اثبات عذر کی وجہ سے اور نفی بغیر عذر کی وجہ سے ہے۔

وَعَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ جِبْرِيْلَ اَتَاهُ فِيْ اَوَّلِ مَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ فَعَلَّمَهُ الْوُضُوْءَ

حضرت زید بن حارثہؓ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جبرئیل اول اول جب وحی کی گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے

وَالصَّلٰوةَ فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْوُضُوْءِ اَخَذَ غُرْفَةً مِّنَ الْمَآءِ فَنَضَحَ بِهَا فَرْجَهُ. (رواه مسند احمد بن حنبل والدارقطنی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرنا سکھایا اور نماز پڑھنا۔ جب وضو سے فارغ ہوئے پانی کا ایک چلو لیا اور شرمگاہ پر چھینٹا مارا۔ روایت کیا اس کو احمد اور دارقطنی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔قوله فلما فرغ ...... الخ سے لے کر آگے تک ضمیر کا مرجع جبرئیل ہے اشکال ان کو کیسے پتہ چلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے جبرئیل امین انسانی شکل میں آئے ہوئے تھے یا پھر فلما فرغ سے ضمیروں کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس حدیث نے ایک بڑی کام کی بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ ابتداً زمانہ وحی میں جس موقع پر جبرئیل امین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی تعلیم دی اسی موقعہ پر وضوء کی تعلیم بھی فوراً دی گئی اگرچہ وضو کی آیت تو اخیر زمانہ میں نازل ہوئی۔ تو یہ آیت وضوء ان آیات میں سے ہے کہ حکم تو پہلے نازل ہو چکا اور آیت بعد میں نازل ہوئی۔ یہ آیت وضو سورۃ المائدۃ میں ہے اور مائدۃ اخیر زمانہ میں آخری سورت یہی نازل ہوئی۔ جب وضو سے فارغ ہوئے تو پانی کا ایک چلو لیا پس اس کو شرمگاہ کے محاذات میں ماردیا۔ تعلیماً الامة برفع الوسواس یا قطع البول کے لئے کیونکہ پانی مارنے سے پیشاب رک جاتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ جِبْرِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِذَا تَوَضَّاْتَ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرئیل آئے پس کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

فَانْتَضِحْ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِی الْبُخَارِیَّ يَقُوْلُ الْحَسَنُ

جب تو وضو کرے پس چھڑک لے پانی۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے اور میں نے محمد یعنی بخاری سے

بْنُ عَلِيٍّ الْهَاشِمِیُّ التَّرَّاوِیُّ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ.

سنا فرماتے تھے حسن بن علی راوی منکر الحدیث ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یا محمد نداء باسمہ کیونکہ فرشتے اس سے مستثنیٰ ہیں انتفاخ کا حکم استحبابی تھا۔ (اب بھی استحباب باقی رہے گا) باقی یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔ جواب۔ ایک حدیث کے سنداً ضعیف ہونے سے پورے مضمون کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ مضمون دوسری روایات میں بھی مذکور ہے۔ لہٰذا استحباب باقی رہے گا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ بَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عُمَرُ خَلْفَهُ بِكُوْزٍ مِنْ مَّاءٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب کیا حضرت عمرؓ پانی کا لوٹا لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
عُمَرُ قَالَ مَاءٌ تَتَوَضَّأُ بِهٖ قَالَ مَا اُمِرْتُ كُلَّمَا بُلْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ وَلَوْ فَعَلْتُ لَكَانَتْ سُنَّةً. (رواہ ابوداؤد و ابن ماجة)
اے عمرؓ یہ کیا ہے کہا پانی ہے اس سے وضو کر لیں فرمایا مجھے اس بات کا حکم نہیں ہے کہ جب بھی پیشاب کروں وضو کروں۔ اگر کرتا تو البتہ یہ سنت ہوتا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ سنایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا حضرت عمرؓ پانی کا مشکیزہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہے اے عمر۔ عمرؓ نے کہا یہ پانی ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وضو فرمادیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ جب بھی پیشاب کروں تو وضو کروں۔ اگر میں اس پر عمل کرنا شروع کردوں تو یہ سنت موکدہ بن جائے گی۔ یعنی اگر ہر حدث کے لاحق ہونے کے بعد میں وضو کرنا شروع کردوں تو یہ حکم وجوبی ہو جائے گا اور یہ سنت لازم ہو جائے گی۔ اور امت اس پر عمل نہیں کر سکے گی۔ تو اس لئے یہ عمل کر کے بتلایا کہ یہ حکم استحبابی ہے۔ وجوبی نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ وَ جَابِرٍ وَاَنَسٍ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللهُ يُحِبُّ
حضرت ابوایوبؓ جابرؓ اور انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت جس وقت نازل ہوئی۔ اس میں مرد ہیں جو دوست رکھتے ہیں کہ خوب پاک رہیں اور اللہ تعالیٰ پاک رہنے
الْمُطَّهِّرِيْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللهَ قَدْ اَثْنٰى عَلَيْكُمْ فِي
والوں کو دوست رکھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ انصار اللہ تعالیٰ نے پاکیزگی کی وجہ سے تمہاری تعریف کی ہے تمہاری طہارت کیا ہے انہوں نے کہا
الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُكُمْ قَالُوْا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَنَسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ قَالَ فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ.
ہم نماز کیلئے وضو کرتے ہیں جنابت کا غسل کرتے ہیں اور پانی کے ساتھ استنجا کرتے ہیں فرمایا یہی ہے پس اس کو لازم پکڑو۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

(رواہ ابن ماجة، التوبہ ۱۰۸)

تشریح: حاصل حدیث:۔ قولہ رجال یحبون یہ ھذہ الآیۃ سے بدل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انصار کی جماعت اللہ نے تمہاری تعریف کی ہے پاکیزگی تم بتلاؤ تو سہی تمہاری پاکیزگی کیا ہے؟ انہوں نے کہا نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور جنابت کی وجہ سے غسل کرتے ہیں اور استنجاء بالماء کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فھو ذالک یہی وہ چیز ہے جو تمہاری تعریف کا سبب بنی ہے۔ یعنی استنجاء بالماء استنجاء بالاحجار کے بعد۔ پس تم اسکو لازم پکڑو بطور استحباب کے۔ علی وجہ التاکید بتلانا مقصود ہے۔ و الله الموفق وماتوفيقى الا بالله.

وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ بَعْضُ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُوَ يَسْتَهْزِئُ اِنِّیْ لَاَرٰی صَاحِبَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ حَتّٰى الْخِرَاءَةَ
حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہا کہ مجھے ایک مشرک نے بطور استہزاء کہا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا صاحب تمہیں ہر چیز سکھلاتا ہے۔ یہاں تک کہ
قُلْتُ اَجَلْ اَمَرَنَا اَنْ لَّا نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ وَلَا نَسْتَنْجِيَ بِاَيْمَانِنَا وَلَا نَكْتَفِيَ بِدُوْنِ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ لَيْسَ
پاخانہ بیٹھنا بھی۔ میں نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ قبلہ کی طرف منہ نہ کریں اپنے دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کریں اور تین
فِيْهَا رَجِيْعٌ وَلَا عَظْمٌ. (رواہ صحيح مسلم) واَحْمَدُ وَ اللَّفْظُ لَهٗ
پتھروں سے کم کے ساتھ کفایت نہ کریں ان میں نجاست اور ہڈی نہ ہو۔ روایت کیا اس کو مسلم اور احمد نے لفظ حدیث کے احمد کے ہیں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ مشرکین میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم تمہارے ساتھی کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے یہ بطور استہزاء کے کہا۔ حتیٰ کہ قضائے حاجت کے وقت بیٹھنے کی بھی تعلیم دیتا ہے حالانکہ ان امور کی تعلیم دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ امور تو ایسے ہیں کہ فطرت سلیمہ بھی ان کو پہچان لیتی ہے اس کو سیکھ لیتی ہے اس کی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ اس پر حضرت سلمانؓ نے فرمایا ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر چیز کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ ہمیں ان باتوں کا حکم دیا ہے...... الخ آگے چند قضائے حاجت کے آداب بتلائے الخ۔ چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت سلمانؓ اس مشرک کو ڈانٹتے یا خاموش رہتے۔ یا اس کا استہزاء کرتے۔ لیکن انہوں نے بجائے ان اسلوب کو اختیار کرنے کے یہ جواب انہوں نے اسلوب حکیمانہ کی قبیل سے دیا کہ ہاں ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں۔ لیکن یہ باعث استہزاء نہیں بلکہ یہ ہمارے لئے باعث فخر ہے۔

دوسرا جواب:۔ سلمانؓ نے اس مشرک کے مقصد اور منشاء کو سمجھ کر دیا۔ مشرک کا منشاء صورۃً استہزاء تھا مگر حقیقتاً انکار نبوت تھا۔ وہ اس طرح کہ نبی تو ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی تعلیم دینے کے لئے نہیں ہوتا۔ یہ نبی تو ان امور کی بھی تعلیم دیتا ہے جو قابل تعلیم ہیں اور ان امور کی بھی تعلیم دیتا ہے جو قابل تعلیم نہیں۔ تو مشرکین کا مقصد یہ تھا کہ جب وہ ایسے امور کی تعلیم دیتا ہے جو قابل تعلیم نہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی نہیں۔ حضرت سلمانؓ نے اس مقصد کو سمجھتے ہوئے جواب دیا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہمیں ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے لیکن تم اس کو انکار نبوت کی دلیل نہیں بنا سکتے بلکہ یہ تو دلیل نبوت ہے۔ میرے نزدیک جس کو تم انکار نبوت کی دلیل بنا رہے ہو وہی چیز نبوت کی دلیل ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ان امور کی تعلیم دیتے ہیں جو انسان کی طبعی تقاضے ہیں۔ اب یہ امور ہم اپنی مرضی سے کریں تو ہمیں اس پر اجر و ثواب نہیں ملے گا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے طریقے پر عمل کریں گے تو اس پر اجر و ثواب ملے گا۔ تو یہ امور شرعیہ بن جائیں گے تو امور طبعیہ کو امور شرعیہ بنا دینا یہ نبی کا کام ہے غیر نبی ایسے کام نہیں کر سکتا تو یہ ہمارے نبی کا کمال ہوا۔ یہ تو دلیل نبوت ہے لہذا تمہارا انکار نبوت پر دلیل بنانا غلط ہے۔

وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَسَنَةَؓ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدِهِ الدَّرَقَةُ
حضرت عبدالرحمان بن حسنہؓ سے روایت ہے کہا کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے آپ کے ہاتھ میں ڈھال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے
فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَلَسَ فَبَالَ اِلَيْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ اُنْظُرُوْا اِلَيْهِ يَبُوْلُ كَمَا تَبُوْلُ الْمَرْاَةُ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى
رکھا پھر اس کی طرف پیشاب کیا۔ ایک مشرک نے کہا ان کی طرف دیکھو عورت کی طرح پیشاب کرتے ہیں۔ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا فرمایا
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيْحَكَ اَمَا عَلِمْتَ مَا اَصَابَ صَاحِبَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانُوْا اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَوْلُ
تیرے لئے افسوس ہو کیا تو جانتا نہیں اس چیز کو جو بنی اسرائیل کے صاحب کو پہنچی جس وقت ان کو پیشاب پہنچتا قینچی سے کاٹ دیتے تھے اس نے انکو
قَرَضُوْهُ بِالْمَقَارِيْضِ فَنَهَاهُمْ فَعُذِّبَ فِيْ قَبْرِهٖ. (رواه ابوداؤد وابن ماجة ورواه السنن نسائی عن ابی موسی)
روک دیا تو قبر میں عذاب کیا گیا۔ روایت کیا ہے اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اور روایت کیا ہے نسائی نے عبدالرحمان سے اس نے ابوموسیٰ سے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عبدالرحمنؓ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ڈھال تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ڈھال کو آڑ بنا کر پیشاب کیا تو مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورت کی طرح پیشاب کر رہے ہیں۔ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ویحک اماعلمت ما اصاب صاحب بنی اسرائیل الخ** ۔(یعنی جب بنی اسرائیل کو نجاست پہنچتی تھی تو وہ کپڑے کو کاٹ دیتے تھے۔ اب کاٹنے کا حکم ختم ہو گیا لیکن پھر کوئی نجاست سے نہیں بچے گا تو قبر کا عذاب ہوگا) کہنے والا وہ رجل کون تھا کہ **انظروا الیه یبول کماتبول المرأة**۔ بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ گستاخی ہے۔ جواب۔ ممکن ہے منافقین میں سے کوئی ہو مجلس میں منافقین بھی ملے جلے رہتے تھے۔ اور منافقین سے ایسی بات کا صادر ہونا یہ کوئی مستبعد نہیں۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ کہنے والے صحابی تھے تو کلا ہر گز یہ

استہزاء کے طور پر نہیں تھا بلکہ تعجب کے طور پر تھا۔ باقی منشاء تعجب کیا تھا۔ وہ یہ کہ عرب کے اندر رجال کے لئے بول قائماً کی عادت تھی تو یہ صحابی چونکہ نئے مشرف باسلام ہوئے تھے اس لئے فوراً انہوں نے کہہ دیا انظروا الیہ الخ کما تبول المرأۃ۔ یہ تشبیہ کس بات میں ہے۔

پہلا قول۔ بول مستتراً میں ہے یعنی باپردہ ہونے میں جیسے عورت باپردہ ہو کر پیشاب کرتی ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باپردہ ہو کر پیشاب کر رہے ہیں۔ دوسرا (۲) قول بول جالساً میں ہے یعنی جس طرح عورت بیٹھ کر پیشاب کرتی ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیٹھ کر پیشاب کر رہے ہیں۔ تیسرا (۳) قول تشبیہ دونوں میں ہے کسی ایک کے ساتھ تخصیص نہ کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ویک۔ یہ کلمہ ویحک ہے یا ویل۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ویل کا کلمہ ایسے شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ہلاکت کا مستحق ہو چکا ہو۔ اور ویل کا حکم ایسے شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو ہلاکت کا مستحق نہ ہو لیکن ہلاکت والے کام میں پڑ جائے۔ اگر قائل منافق ہو تو یہ مقام ویلک کا تھا۔ اس سے کم درجے والے لفظ ویک کو کمال شفقت کی وجہ سے ذکر کیا۔

قولہ' ماا صاب صاحب بنی اسرائیل۔ اس میں ما موصولہ ہے اور یہ عبارت ہے عذاب سے۔ اور صاحب کے بارے میں دو قول واحتمال ہیں۔ منصوب یا مرفوع۔ پہلا احتمال اگر منصوب ہو تو یہ اصاب صاحب احداًمن بنی اسرائیل کے معنی میں ہوگا۔ معنی یہ ہوگا کہ تیرا ستیاناس ہو کیا نہیں معلوم تجھ کو وہ عذاب جو پہنچا بنی اسرائیل میں سے ایک اسرائیلی کو پہنچا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مرفوع ہو صاحب بنی اسرائیل اب عبارت یوں ہوگی۔ (۱) ماا صابہ صاحب احد من بنی اسرائیل عائد کو محذوف مانیں گے جو راجع بسوئے ما ہوگی۔ اب معنی یہ ہوگا کہ کیا تجھ کو معلوم نہیں وہ عذاب جس عذاب میں مبتلا ہوا ایک بنی اسرائیلی شخص۔ سوال وہ بنی اسرائیلی معذب فی القبر کیوں ہوا۔ جواب۔ بنی اسرائیل کو حکم یہ دیا تھا کہ اگر ان کے کپڑے پر کوئی نجاست لگ جائے تو اس کپڑے کو کاٹ دیا جائے لیکن بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے لوگوں کو اس سے روک دیا اس وجہ سے وہ معذب ہوا اس نے کہا کہ نہیں نہیں کاٹنے کی کوئی ضرورت نہیں صرف دھولیا کرو۔ صرف دھونا کافی ہے۔ تو گویا اس نے ایک حکم شرعی کا انکار کیا۔ اے شخص تو بھی یہ کہہ کر (انظروا الیہ یبول کما تبول المرأۃ) گویا کہ دوسرے لوگوں کو روک رہا ہے۔ بول مستتراً اور بول قاعداً سے اور یہ حکم شرعی ہے اور تو حکم شرعی سے روک رہا ہے اور جس طرح بنی اسرائیل کا ایک شخص ایک حکم شرعی کا انکار کرنے کی وجہ سے لوگوں کو روکنے کی وجہ سے معذب ہوا تو بھی اس بول مستتراً قاعداً والے حکم سے روکنے کی وجہ سے معذب ہو سکتا ہے بلکہ بطریق اولیٰ معذب ہو سکتا ہے اس لئے کہ بنی اسرائیل کو جو حکم تھا وہ محض تعبدی اور شرعی تھا اور یہ حکم جو میں نے دیا جس کا تو انکار کر رہا ہے یہ حکم شرعی ہونے کے ساتھ ساتھ عقلی بھی ہے اس لئے کہ عقل کا بھی مقتضی یہی ہے کہ بول قائماً نہ ہو بلکہ قاعداً ہو (قائماً کی صورت میں چھینٹے پڑیں گے) نیز طبیعت تقاضا کرتی ہے کہ انسان کے پیشاب کرنے میں اور جانور کے پیشاب کرنے میں فرق ہونا چاہئے بلکہ بکری بھی جھک کر نیچے ہو کر پیشاب کرتی ہے اس لئے تم بطریق اولیٰ معذب ہو سکتے ہو)

بنی اسرائیل کو قطع ثوب کا حکم تھا یا قطع عضو کا حکم تھا۔ اس میں دو قول ہیں (۱) قطع ثوب کا حکم تھا۔ (۲) قطع عضو کا حکم تھا دلیل وہ روایات ہیں جن میں جسد یا جلد کا ذکر آتا ہے جواب لیکن اس کا جلد سے مراد وہ جلود ہیں جو خاص قسم کے لباس ہوتے ہیں جانوروں کی کھال کے بنے ہوئے وغیرہ پوستین باقی جسد احدھم والی روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت بالمعنی کی قبیل سے ہے ورنہ یہ تو تکلیف ومالایطاق ہے بخلاف اقتلوا انفسکم کے کہ اس میں صرف وقتی طور پر اپنی جان کو ختم کرنا تھا اور اس کے اندر ایک عضو کو کاٹنا پھر نجاست لگ جائے تو پھر کاٹنا یہ تکلیف مالایطاق ہے ویسے بھی عقل کا تقاضا یہی ہے کہ قطع ثوب کا حکم ہو۔ اس کی وجہ ماقبل میں گزر چکی ہے۔

وَعَنْ مَرْوَانَ الْاَصْفَرِ قَالَ رَاَیْتُ ابْنَ عُمَرَ اَنَاخَ رَاحِلَتَهٗ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ جَلَسَ یَبُوْلُ اِلَیْهَا فَقُلْتُ

حضرت مروان اصفرؒ سے روایت ہے کہا کہ میں نے ابن عمر کو دیکھا کہ اپنی اونٹنی بٹھائی قبلہ کے سامنے پھر بیٹھ کر اس کی طرف پیشاب کیا۔

یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَلَیْسَ قَدْنُهِیَ عَنْ هٰذَا قَالَ بَلْ اِنَّمَا نُهِیَ عَنْ ذٰلِکَ فِی الْفَضَآءِ فَاِذَا کَانَ بَیْنَکَ

میں نے کہا اے ابوعبدالرحمان کیا ہم کو قبلہ کی طرف منہ کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔ کہا نہیں منع کیا گیا ہے جنگل میں جس وقت تیرے اور قبلے کے
وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ شَيْءٌ يَسْتُرُكَ فَلا بَأْسَ. (رواہ ابوداؤد)
درمیان کوئی چیز پردہ کرے کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ ابن عمرؓ نے اپنی سواری کو قبلہ رخ کر کے بٹھلایا بٹھلا کر پیشاب کرنے لگے حضرت مروانؒ فرماتے ہیں میں نے کہا اے ابوعبدالرحمانؓ کیا اس عمل سے روک نہ دیا گیا کہ قبلہ رخ ہو کر پیشاب کیا جائے (کہیں تم منہی عنہ کا ارتکاب تو نہیں کر رہے) ابن عمرؓ کہنے لگے نہیں نہیں وہ صحرا کے بارے میں روکا گیا ہے یہ تو بنیان میں ہے۔ اس میں کوئی ممنوع نہیں بنیان کے اندر اگر کوئی چیز رکاوٹ کے طور پر کھڑی کر دی جائے تو جائز ہے۔ یہ حضرت ابن عمرؓ کا اپنا اجتہاد تھا کہ استقبال قبلہ جائز ہے اجتہاد کا منشاء وہ روایت ہے جس میں ہے کہ یہ حضرت حفصہؓ کے گھر کی چھت پر چڑھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ مستقبل القبلہ اور مستدبر الشام ہو کر پیشاب کر رہے تھے۔ لہٰذا یہ منہی عنہ کا ارتکاب نہ ہوا۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلاءِ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِى اَذْهَبَ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت بیت الخلاء سے نکلتے یہ دعا پڑھتے سب تعریف اللہ کیلئے جس نے یہ ایذا مجھ سے
عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِى (ابن ماجه)
دور کی اور مجھ کو عافیت دی۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے۔

تشریح: حاصل حدیث: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے الحمد للہ الذی اذہب عنی الاذی وعافانی. شکر ہے اس اللہ کا جس نے دور کر دیا مجھ سے تکلیف دہ چیز کو اور روکا اس نے مجھ کو جبکہ دوسری حدیث میں غفرانک کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں تعارض نہیں بہتر یہ ہے کہ دونوں کو جمع کر لے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ الْجِنِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ
حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہا جب جنوں کی جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ انہوں نے کہا
اِنْهَ اُمَّتَكَ اَنْ يَسْتَنْجُوْا بِعَظْمٍ اَوْرَوْثَةٍ اَوْحُمَمَةٍ فَاِنَّ اللهَ جَعَلَ لَنَا فِيْهَا رِزْقًافَنَهَانَا رَسُوْلُ اللهِ
اپنی امت کو منع کر دیں کہ استنجا نہ کریں ہڈی کے ساتھ یا لید یا کوئلے کے ساتھ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ہمارے لئے ان چیزوں میں رزق۔
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ. (رواہ ابوداؤد)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے روک دیا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنوں کا وفد آیا انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت (امت سے مراد انسان ہیں) کو ان چیزوں سے استنجاء کرنے سے روک دیں۔ ہڈی سے لید سے اور حمہ کوئلے سے استنجا کرنے سے روک دیں۔ کیونکہ اللہ نے ان میں ہماری روزی بنائی ہے۔ پس رسول اللہ نے ان مذکورہ چیزوں کے ساتھ استنجا کرنے سے روک دیا۔ ہڈی اور روث سے نہی کی علت تو گزر چکی۔ باقی کوئلہ سے استنجا کرنے سے اس لئے روکا کہ کوئلہ بھی رزق ہے بایں معنی کہ یہ نفع کی چیز ہے۔ اس سے وہ آگ روشن کرتے ہیں اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے استنجا کرنے سے جنوں کے کہنے کی وجہ سے رد کا باقی حدیثوں میں مطلق آیا ہے تو مبہم کو مفسر پر محمول کر لیا جائیگا۔

بَابُ السِّوَاکِ
مسواک کرنے بیان

سواک اس کے دو معنے ہیں۔ (۱) معنی مصدری مسواک کرنا۔ (۲) مادہ مسواک وہ آلہ جس سے مسواک کیا جائے۔ جس کو ہماری زبان میں مسواک کہتے ہیں لکڑی وغیرہ۔ اگر پہلا معنی مراد ہو تو اس صورت میں کوئی لفظ محذوف ماننے کی ضرورت نہیں معنی یہ ہوگا یہ باب مسواک کرنے کے فضائل کے بیان میں ہے اور اگر دوسرا معنی مراد ہو تو اس صورت میں مضاف محذوف ہو گا۔ باب استعمال السواک۔ (آلہ مسواک) کو استعمال کرنے کے فضائل کے بیان میں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اپنی امت پر مشکل نہ جانتا
بِتَاخِیْرِ الْعِشَآءِ وَبِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوةٍ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
البتہ حکم کرتا انکو عشاء کی تاخیر کرنے اور ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں وجوبی طور پر عشاء کو ثلث اللیل تک موخر کرنے کا حکم دیتا اور ہر نماز کے وقت مسواک کا وجوبی طور پر حکم کرتا چونکہ مجھے امت پر مشقت کا اندیشہ ہے اس لئے میں وجوبی طور پر حکم نہیں کرتا۔

سوال۔ لولا انتفائے ثانی موجود الاول پر دلالت کرتا ہے جیسے لو لا علی لھلک عمر۔ اب معنی یہ ہوگا کہ امر بالسواک منتفی ہے وجود مشقت کی وجہ سے حالانکہ یہاں امر اول تو مشقت ہے جس کا وجود ہی نہیں چہ جائیکہ امر ثانی منتفی ہو کیونکہ مشقت کا وجود تب ہوگا جب امر ہو یہاں تو امر ہی نہیں۔ جواب۔ یہاں جو اول دکھائی دے رہا ہے وہ واقعہ میں اول نہیں اور جو واقعہ میں اول ہے وہ دکھائی نہیں دے رہا۔ واقعہ میں اول خوف مشقت ہے ای لو لا خوف المشقت لہذا امر ثانی خوف مشقت کے وجود کی وجہ سے منتفی ہے اور ظاہر ہے کہ خوف مشقت تو تھا ہی۔

سوال۔ امر منتفی تو نہیں سواک عند کل صلوٰۃ اور تاخیر عشاء کا تو حکم ہے؟

جواب۔ جو منتفی ہے وہ دو قسم کا ہے اور جو موجود ہے وہ اور قسم کا ہے۔ منتفی وجوب ہے اور موجود مستحب ہے۔

مسئلہ اختلافی۔ مسواک سنن الوضوء میں سے ہے یا سنن الصلوٰۃ میں سے ہے؟ احناف کے نزدیک سنن الوضوء میں سے ہے اور شوافع کے نزدیک سنن الصلوٰۃ میں سے ہے۔ دلائل احناف۔ (۱) وہ احادیث متعلقہ بالمسواک ہیں جن میں عند کل وضوء کے الفاظ یا عند کل طہور کے الفاظ یا مع کل وضوء کے الفاظ ہیں۔ پہلی اور دوسری قسم کے لفظ بخاری اور مسلم میں ہیں اور تیسری قسم کے لفظ طحاوی میں ہیں۔ خصوصاً تیسری قسم کے الفاظ تو نص ہیں اس بات پر کہ مسواک کی مقارنت حقیقۃً ہے وضوء کے ساتھ اس سے معلوم ہوا کہ مسواک سنن وضو میں سے ہے نہ کہ سنن صلوٰۃ میں سے ہے۔ (۲) اسی مشکوٰۃ میں ہے باب سنن الوضوء کی فصل ثالث کی پانچویں حدیث ص ۴۷ بھی ہمارا مستدل ہے

امام شافعیؒ کی دلیل وہ احادیث جس میں عند کل صلوۃ جس میں عند کل صلوۃ کے الفاظ آئے ہیں ان کے مستدل ہیں۔

امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ سنت الدین ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ اور شافعیہ فریقین کی کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ مسواک کرنا وضو کے وقت بھی مستحب ہے اور نماز کے وقت بھی اگر کسی نے وضو کرتے ہی نماز پڑھ لی اور وضو کے ساتھ مسواک کی تو وضو کی سنت بھی ادا ہوگئی اور نماز کی بھی اگر وضو کے وقت مسواک کی تھی لیکن وضو کے کافی دیر کے بعد نماز پڑھتا ہے تو فریقین کے نزدیک مستحب ہے کہ نماز کے وقت مسواک پھر کر لینی چاہئے۔ امام نوویؒ نے وہ مواضع شمار کئے ہیں جن میں مسواک مستحب ہے ان مواضع میں عند الوضو بھی ذکر کیا ہے اور عند الصلوۃ بھی اور محقق ابن ہمام اور دیگر فقہائے حنفیہ نے کئی مواقع پر مسواک کو مستحب قرار دیا ہے۔ مثلاً عند الوضو۔ عند الصلوۃ عند اصفرار السن۔ عند تغییر الرائحۃ۔ عند القیام من النوم۔ عند دخول البیت۔ عند اجتماع الناس۔ عند تلاوت القرآن۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جب ہمارے ہاں اجتماع الناس کے موقع پر بھی مسواک مستحب ہے تو نماز کے موقع پر جو مناجات باری کا موقع ہے مسواک کیسے مستحب نہ ہوگی۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ مسواک کے استحباب کو فریقین نے عند الوضو بھی تسلیم کیا ہے عند الصلوۃ بھی۔ (رد المختار ص ۸۴ ج ۱)

وَعَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍؒ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يَبْدَأُ رَسُوْلُ اللّٰهِ
حضرت شریح بن ہانیؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کس چیز کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شروع کرتے تھے جب گھر
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ قَالَتْ بِالسِّوَاكِ (صحیح مسلم)
میں داخل ہوتے۔ اس نے کہا شروع کرتے مسواک کیساتھ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: حاصل حدیث: اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ گھر میں تشریف لانے کے بعد جو کام بھی کرنا ہوتا تو مسواک کرنے کے بعد کرتے (راجح دوسرا ہے) دوسرا مطلب یہ ہے کہ امور متعلقہ بالطہارۃ میں سے پہلا عمل مسواک ہوتا تھا بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ شادی شدہ گھر میں جانے سے پہلے مسواک کرے باقی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تعلیما للامت تھا۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ.
حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت رات کو تہجد کیلئے کھڑے ہوتے اپنے منہ کو مسواک سے ملتے۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنا چاہئے حتیٰ کہ جب تہجد کے لئے اٹھے تو مسواک کرے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل تعلیما للامۃ تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس چیزیں فطرت سے ہیں۔
الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، وَالسِّوَاكُ، وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ، وَقَصُّ الْأَظْفَارِ، وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ، وَنَتْفُ
لبوں کا کم کرنا' ڈاڑھی کا بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی دینا' ناخن ترشوانا' جوڑوں کی جگہ کا دھونا'
الْإِبِطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ، وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الْاِسْتِنْجَاءَ قَالَ الرَّاوِيُّ وَنَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ
بغلوں کے بال دور کرنے زیر ناف بال مونڈنے اور کم کرنا پانی کا یعنی پانی کے ساتھ استنجا کرنا۔ راوی نے کہا دسویں بات میں بھول گیا ہوں مگر
الْمَضْمَضَةُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ.) وَفِي رِوَايَةٍ اَلْخِتَانُ بَدَلَ إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ لَمْ أَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَايَةَ فِي
میرے خیال میں کلی کرنا ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے اور ایک روایت میں ختنہ کرنا ہے۔ بدلے ڈاڑھی بڑھانے کے میں نے یہ روایت

الصَّحِيحَيْنِ وَلَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ وَكَذَا الْخِطَابِيُّ فِيْ مَعَالِمِ
صحیحین اور کتاب حمیدی میں نہیں پائی۔ لیکن صاحب جامع الاصول نے اور اسی طرح خطابی سے معالم
السُّنَنِ عَنْ اَبِیْ دَاوٗدَ. (بروایة عمار بن یاسر)
السنن میں اسے ذکر کیا ہے ابوداؤد سے عمار بن یاسر کی روایت سے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہ حدیث حدیث خصال الفطرۃ کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔اس حدیث میں فطرۃ کا معنی کیا ہے۔

۱-فطرۃ بمعنی دین کے ہے معنی دس باتیں دین میں سے ہیں۔

۲- فطرۃ بمعنی سنت کے ہے۔معنی دس سنن جیسا کہ بعض روایات میں عشر من السنن کے الفاظ ہیں۔

۳-فطرۃ بمعنی سنت ابراہیمؑ معنی دس باتیں سنت ابراہیم میں سے ہیں۔

۴-فطرۃ بمعنی سنن انبیاء کے ہے۔معنی دس باتیں سنن انبیاء میں سے ہیں جیسا کہ مابعد میں اربع من سنن المرسلین کے الفاظ ہیں۔

۵-فطرۃ بمعنی فطرۃ سلیمہ کے ہے۔معنی دس باتیں فطرۃ کا مقتضیٰ ہیں ان معنوں میں کوئی منافات نہیں۔جو نبی کی سنت وہ دین ہے جو ابراہیم کی سنت ہیں وہ بھی دین ہیں اور انبیاء کا سنن بھی دین ہیں اسی طرح یہ سب فطرۃ سلیمہ کا مقتضیٰ ہیں۔تعبیرات مختلف ہیں مال سب کا ایک ہے۔

سوال۔اس حدیث میں مذکور ہے کہ خصال فطرۃ ہیں۔ میں جبکہ مابعد والی حدیث میں چار کا ذکر ہے اور بعض میں پچاس سے بھی زائد کا ذکر ہے۔تو یہ حصر کیسے۔　　　جواب-۱: عدد اقل عدد اکثر کے لئے منافی نہیں ہوتا۔

جواب-۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خصال کا علم تدریجی طور پر دیا گیا جتنی مقدار کا علم ہوا وہ بیان کر دیا۔

جواب-۳: طالبین کے حالات کے لحاظ سے مختلف بیان کئے گئے۔مقصود یہ بتلانا ہے کہ خصال فطرۃ امور متعددہ میں حصر مقصود نہیں جس کا مقتضیٰ پایا گیا بیان کر دیا۔وہ خصال فطرۃ یہ ہیں۔(۱) قص الشارب (۲) اعفاء اللحیہ (۳) مسواک (۴) استنشاق المآء (۵) مضمضہ (جس کا ذکر مابعد میں ہے) ان پانچ کا تعلق وجہ کے ساتھ ہے۔باقی پانچ کا تعلق جسم کے ساتھ ہے۔(۱) قص الاظفار۔(۲) غسل البراجم (۳) نتف الابط (۴) حلق العانہ (۵) انتقاص الماء۔اس کے دو معنی ہیں۔(۱) استنجاء بالماء یا شرمگاہ کے محاذات پر پانی سے کپڑے پر چھینٹے مارنا۔(۲) قص الشوارب سوال۔اس کے متعلق دو قسم کی روایات ہیں بعض میں لفظ قص سے اور بعض میں لفظ جذ بعض میں اعفوا اور بعض میں ارخاء اور بعض میں اوفو ہے۔قص میں مبالغہ نہیں۔باقی تین میں مبالغہ ہے۔اس میں تعارض ہو گیا۔

جواب-۱: کوئی تعارض نہیں سنت کی ادائیگی کا ادنیٰ درجہ نفس قص اور مبالغہ فی الاعفاء اعلیٰ درجہ ہے نمبر (۱) نفس قص کہتے ہیں کہ جس سے اوپر والے ہونٹوں کی سرخی ظاہر ہو جائے۔

جواب-۲: قص رخصت پر محمول ہے اور اعفاء عزیمت پر محمول ہے۔احناف کے نزدیک یہی راجح ہے۔امام طحاوی فرماتے ہیں امام شافعی کے متعلق تو علم نہیں البتہ ان کے شاگردوں کا عمل مبالغے کا ہی تھا۔اور ظاہر ہے کہ انہوں نے امام شافعی کے عمل کو دیکھ کر عمل کیا ہوگا۔مالکیہ کی طرف منسوب ہے کہ حلق جائز نہیں اعفاء اللحیۃ داڑھی کو چھوڑنا اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا داڑھی رکھنا دین ہونے کی حیثیت سے تھا یہ نظر سے غلط ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا داڑھی رکھنا یہ عادت کے طور پر تھا نہیں بلکہ یہ دین کے طور پر تھا عشر من الفطرۃ۔

مسئلہ: کتنی مقدار داڑھی رکھنا واجب ہے ایک قبضہ طولاً عرضاً واجب ہے اس سے کم رکھنا کاٹنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

مازاد علی القبضہ میں قص جائز ہے یہ جمہور کا مذہب ہے۔

سوال: اعفاللحیۃ تو واجب ہے اس کو سنت کیوں کہا۔　　جواب: اس کو سنت کہنا اس لئے ہے کہ اس کا وجوب سنت سے ہے ورنہ اسکا درجہ تو واجب کا ہے۔یا یوں تعبیر کرو کہ عملاً داڑھی رکھنا سنت ہے اور اعتقاداً واجب ہے۔دلیل اس پر کہ اطالہ لحیۃ مقصود ہے قص جائز نہیں۔

احادیث متعلقہ باللحیۃ واعفو۔اوفرو۔اوفو۔ارخو چاروں کا مدلول اطالہ لحیہ ہے اور قص کے مخالف ہے۔

واعفو کہا جاتا ہے **عفو الشعر اذاادرک و کثیر وطال**۔معنی یہ ہے کہ داڑھیوں کو بڑھاؤ۔

دوسرا لفظ وفرہ. وفرہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو کانوں تک پہنچے ہوئے ہوں۔ایک یادوانچ بالوں پر وفرہ تو صادق نہیں آتا۔کثرۃ بھی ہو اور لمبائی بھی ہو۔

تیسرا لفظ ہے **اعفاء الشعر التام**۔کامل مکمل بال کامل مکمل وہی ہوگا جس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ارخاء۔داڑھیوں کو لٹکاؤ ظاہر ہے کہ لٹکانا ایک یادوانچ پر صادق نہیں آتا۔بلکہ قبضہ پر صادق آئے گا۔لہٰذا ان احادیث کی بناء پر جمہور فقہاء کا قول ہے کہ مقدار قبضہ واجب ہے البتہ زائد علی القبضہ کا حکم افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ باقی رہے اس کا قص نہ ہو۔البتہ قص جائز ہے۔دلیل جواز ابن عمرؓ کا عمل کہ وہ مقدار قبضہ سے زائد کو لے لیتے تھے اور نیز انبیاء وصلحاء کا تواتر عملی ہے وہ **قص لحیہ مادون القبضہ** اس کے بھی منافی ہے۔

مودودی کہتا ہے کہ مادون القبضہ جائز ہے قبضہ ضروری نہیں۔**دلیل الاسماء و الرجال** میں کسی راوی کی لحیہ کو زیر بحث نہیں لایا گیا اس لئے کہ یہ ضروری نہیں ہے۔

جواب۔کسی شئی کو زیر بحث نہ لانا یہ دووجہوں سے ہوتا ہے۔

(۱) عدم اہمیت کی وجہ سے (۲) غایت ظہور کی وجہ سے۔ایمان زیر بحث نہ لانا غایت ظہور کی وجہ سے ہے نہ کہ عدم اہمیت کی وجہ سے۔

کسی راوی کے متعلق یہ بحث نہ کرو کہ وہ پانچ نمازیں پڑھتے تھے یا نہیں اس کو زیر بحث کہیں بھی نہ لایا گیا اس وجہ سے کہ یہ ظاہر ہے۔

تیسری چیز مسواک کرنا ہے اس کے متعلق پہلے ہی بتایا جاچکا ہے کہ مسواک کرنا بالاتفاق علماء کے نزدیک سنت ہے بلکہ داؤد نے تو اسے واجب کہا ہے۔حضرت شاہ اسحاق نے اس سے بھی بڑھ کر یہ بات کہی ہے کہ اگر کوئی شخص مسواک کو قصداً چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہوگی۔

چوتھی چیز ناک میں پانی دینا ہے۔اس کا مسئلہ یہ ہے کہ وضو کیلئے ناک میں پانی دینا مستحب ہے اور غسل کیلئے ناک میں پانی دینا فرض ہے یہی حکم کلی کا بھی ہے کہ وضو میں کلی کرنا سنت ہے اور غسل میں فرض ہے۔

پانچویں چیز ناخن کا کٹوانا ہے۔ناخن کسی طرح بھی کٹوائے جائیں اصل سنت ادا ہو جائے گی لیکن اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ ناخن کٹوانے کے وقت یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ سب سے پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کے ناخن کٹوائے جائیں اس کے بعد بیچ کی انگلی کے اس کے بعد اس کے پاس کی انگلی کے پھر چھنگلیا کے پھر بعد میں انگوٹھے کے ناخن کٹوائے جائیں۔اس کے بعد بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخن اس طرح کٹوائے جائیں کہ سب سے پہلے چھنگلیا کے اس کے بعد اس کے پاس کی انگلی اس کے بعد بیچ کی انگلی اس کے بعد شہادت کی انگلی اور پھر بعد میں انگوٹھے کے ناخن کٹوائے جائیں۔

بعض علماء نے یہ طریقہ بھی لکھا ہے کہ سب سے پہلے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے ناخن کٹوانا شروع کرے اور چھنگلیا پر پہنچ کر روک دے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کرے اور اس کے انگوٹھے تک پہنچ کر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کر دے۔

اسی طرح پیر کے ناخن اس طرح کٹوانا چاہئے کہ پہلے دائیں پیر کی چھنگلیا سے کٹوانا شروع کرے اور آخر میں بائیں پیر کی چھنگلیا پر لے جا کر ختم کرے بعض علماء نے لکھا ہے کہ جمعہ کے روز ناخن کتروانا مستحب ہے۔کچھ حضرات نے ناخن کٹوا کر ان کو زمین میں دفن کر دینے کو بھی مستحب لکھا ہے اگر ناخن پھینک دیئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن ان کو پاخانہ میں یا غسل کی جگہ میں پھینکنا مکروہ ہے۔

چھٹی چیز براجم یعنی جوڑوں کی جگہ کو دھونا ہے' براجم کہتے ہیں انگلیوں کی گانٹھوں (جوڑوں) کو اور اس کے اوپر کی کھال کو جو چنٹ دار ہوتی ہے اس میں اکثر میل جمع ہوتا ہے۔خصوصاً جو لوگ ہاتھ سے کام کاج زیادہ کرتے ہیں ان کی انگلیاں سخت ہو جاتی ہیں اور ان میں میل جم جاتا ہے۔لہٰذا ان کو دھونے کی تاکید فرمائی جارہی ہے۔اسی طرح بدن کے وہ اعضاء جن میں میل جم جانے کا گمان ہو جیسے کان' بغل' ناف' ان کو بھی دھونے کا یہی حکم ہے۔

ساتویں چیز بغل کے بالوں کو صاف کرنا ہے۔اس سلسلہ میں لفظ نتف استعمال فرمایا گیا ہے۔نتف بال اکھاڑنے کو کہتے ہیں۔چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ بغل کے بالوں کو منڈوانا سنت نہیں ہے بلکہ ان کو ہاتھ سے اکھاڑنا سنت ہے مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ بغل کے بالوں کو ہاتھ سے اکھاڑنا اس شخص کیلئے افضل ہے جو اس کی تکلیف کو برداشت کرسکتا ہو۔ویسے بغل کے بالوں کا منڈوانا یا نورے سے صاف کرنا بھی جائز ہے۔

آٹھویں چیز زیرناف بالوں کو مونڈنا ہے یہ بھی سنت ہے۔زیرناف بال اگر منڈانے کی بجائے اکھاڑے جائیں یا نورے سے صاف کئے جائیں تو بھی ان کے حکم میں شامل ہوں گے مگر قینچی سے کاٹنے میں سنت ادا نہیں ہوتی۔مقعد(پاخانہ کے مقام) کے گرد جو بال ہوتے ہیں ان کو بھی صاف کرنا مستحب ہوتا ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زیرناف بال نورے سے صاف کیا کرتے تھے واللہ اعلم۔

عورتوں کو زیرناف بال اکھاڑنا اولیٰ ہے کیونکہ اس سے خاوند کو رغبت زیادہ ہوتی ہے۔نیز عورت کے اندر چونکہ خواہشات نفسانی اور شہوت ننانوے حصہ ہوتی ہے اور مرد میں صرف ایک حصہ ہوتی ہے اور یہ طے ہے کہ زیرناف بال اکھاڑنے سے شہوت کم ہوتی ہے اور مونڈنے سے قوی ہوتی ہے۔لہٰذا عورت کے مناسب حال یہی ہے کہ وہ بال اکھاڑے اور مرد کے مناسب حال یہ ہے کہ وہ مونڈے۔

زیرناف بال مونڈنے،بغل کے بال اکھاڑنے،مونچھیں کتروانے اور ناخن کٹوانے کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہونی چاہئے،چالیس دن کے اندر اندر ان کو صاف کرلینا چاہئے اس سے زیادہ مدت تک انہیں چھوڑے رکھنا مکروہ ہے۔

نویں چیز پانی کا کم کرنا یعنی پانی کے ساتھ استنجا کرنا ہے۔**انتقاص الماء** کے دو مطلب ہیں ایک تو یہی جو راوی نے بیان کئے ہیں۔یعنی پانی کے ساتھ استنجاء کرنا چونکہ استنجاء کرنے میں پانی خرچ ہوتا ہے اور کم ہوجاتا ہے اس لئے اس انتقاص الماء(پانی کا کم کرنا) سے تعبیر کیا گیا ہے دوسرے معنی یہ ہیں کہ پانی کے استعمال یعنی استنجاء کرنے کی بناء پر پیشاب کو کم کرنا مطلب یہ ہے کہ پانی سے استنجاء کرنے کی وجہ سے پیشاب کے قطرے رک جاتے ہیں اس طرح پیشاب میں کمی ہوجاتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں انتقاص کی جگہ لفظ انتقاض آیا ہے اس کے معنی ہیں ستر کے اوپر پانی چھڑکنا جیسا کہ پہلی حدیثوں میں گزر چکا ہے۔بہرحال یہ دونوں چیزیں بھی سنت ہیں۔ختنہ کرنا امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے اکثر علماء کے نزدیک مرد وعورت دونوں کو امام اعظمؒ کے نزدیک مرد کو ختنہ کرنا سنت ہے عورت کو مکرمۃ یعنی اولیٰ ہے۔

ختنہ چونکہ شعائر اسلام میں سے ہے اس لئے اگر کسی شہر کے تمام ہی لوگ ختنہ ترک کردیں تو امام وقت کو ان کے ساتھ جنگ کرنی چاہئے تا آنکہ وہ لوگ اس اسلامی شعائر کو اختیار کرلیں جیسے اذان کے بارے میں حکم ہے۔

ختنہ کرنے کی عمر اور وقت کے تعین میں علماء کے یہاں اختلاف ہے۔بعض علماء کے نزدیک پیدائش کے ساتویں دن ختنہ کردینا چاہئے جیسے عقیقہ ساتویں دن ہوتا ہے۔بعض حضرات کے نزدیک سال اور بعض کے نزدیک نو سال کی مدت ہے۔بعض علماء کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قید نہیں ہے۔جب چاہے ختنہ کردیا جائے گویا بالغ ہونے سے پہلے پہلے جب بھی وقت اور موقع ہو ختنہ کرایا جاسکتا ہے۔امام اعظمؒ کے نزدیک اس صورت میں بلوغ سے پہلے کی شرط بطور خاص ہے کیونکہ ختنہ کرنا سنت ہے اور بالغ ہونے کے بعد ستر چھپانا واجب ہے اس لئے اگر کوئی شخص بالغ ہونے کے بعد ختنہ کرائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے ایک سنت کو ادا کرنے کیلئے واجب کو ترک کردیا حالانکہ سنت کی ادائیگی کیلئے واجب کو ترک کردینا جائز نہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمانا کہ چار چیزیں رسولوں کے طریقہ میں سے ہیں اکثر کے اعتبار سے ہے کیونکہ بعض انبیاء ایسے بھی تھے جن کے یہاں ان میں سے کچھ چیزیں نہیں پائی جاتی تھیں مثلاً حضرت یحییٰؑ نے نکاح نہیں کیا تھا۔

یہاں حیا سے مراد ہے کہ بندہ اپنے نفس کو برائی سے الگ رکھے اور بری باتوں سے بچتا رہے۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت آدمؑ حضرت شیثؑ حضرت نوحؑ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ حضرت لوطؑ حضرت شعیبؑ حضرت یوسفؑ حضرت موسیٰؑ حضرت سلیمانؑ حضرت زکریاؑ حضرت عیسیٰؑ حنظلہ بن صفوان جو "اصحاب الرس" کے نبی تھے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مختون ہی اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔ یعنی انبیاء ورسول ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے تھے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض علماء کا قول ہے کہ پیدا ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ختنہ ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ نظامت ولطافت کے انتہائی بلند مقام پر تھے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو زیادہ مرغوب تھی۔ چنانچہ منقول ہے کہ آپ خوشبو کیلئے مشک استعمال فرماتے تھے۔

شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں نکاح کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمادیا ہے کہ جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا یعنی نکاح نہیں کرے گا تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔

حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے نکاح کے فضائل ومناقب میں منقول جو احادیث جمع کی ہیں ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔

آگے صاحب مشکوٰۃ اعتراض کررہے ہیں کہ الختان کے لفظ بخاری ومسلم کے ماسوا کے الفاظ ہیں صاحب مصابیح کو الصحاح عنوان کے تحت ختان والے لفظ کو ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ عَآئِشَةَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسِّوَاكُ مُطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسواک منہ کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا باعث ہے۔
رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيْحِهٖ بِلَا اِسْنَادٍ.
روایت کیا اس کو شافعی' احمد' دارمی اور نسائی نے اور روایت کیا اس کو بخاری نے اپنی صحیح میں بغیر سند کے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ مطہرۃ مرضاۃ دونوں مصدر میمی ہیں۔ بخاری نے اس کو تعبیر سنت کے ذکر کیا ہے جس کو تعلیمات بخاری کہتے ہیں۔ باقی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِّنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ اَلْحَيَاءُ
حضرت ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں رسولوں
وَيُرْوٰى اَلْخِتَانُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ. (رواہ الجامع ترمذی)
کی سنت ہیں۔ حیا کرنی اور روایت کیا گیا ہے ختنہ کرنا خوشبو لگانا۔ مسواک کرنا اور نکاح کرنا روایت کیا اس کو ترمذی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ قولہ' تعطر نکاح۔ حیا تین اور کا بیان کل تیرہ ہو گئے تو معلوم ہوا کہ دس میں حصر درست نہیں۔ تعطر بشرطیکہ سنت کی نیت سے ہو اجنبیات کے میلان کے لئے ناجائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد فرمانا کہ چار چیزیں رسولوں کے طریقہ میں سے ہیں اکثر کے اعتبار سے ہے کیونکہ بعض انبیاء ایسے بھی تھے جن کے یہاں ان میں سے کچھ چیزیں نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً حضرت یحییٰؑ نے نکاح نہیں کیا تھا۔ یہاں حیا سے مراد ہے کہ بندہ اپنے نفس کو برائی سے الگ رکھے اور بری باتوں سے بچتا رہے

وَعَنْ عَآئِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَّلَا نَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ اِلَّا يَتَسَوَّكُ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن کو نہ سوتے مگر وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے۔

قَبۡلَ اَنۡ یَتَوَضَّأَ. (رواہ مسند احمد بن حنبل و ابوداؤد)
روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسواک کرنا تعلیما للامۃ تھا رائحہ کریہہ کے ازالے کے لئے نہیں تھا۔ یتسواک قبل ان یتوضا اس سے احناف کی دلیل معلوم ہوئی کہ مسواک من سنن الوضوء ہے۔

وَعَنۡهَا قَالَتۡ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَسۡتَاكُ فَيُعۡطِيۡنِيۡ السِّوَاكَ لِاَغۡسِلَهٗ فَاَبۡدَأُ بِهٖ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرتے مجھے دھونے کیلئے دیتے میں شروع کرتی اور مسواک کرتی
فَاَسۡتَاكُ ثُمَّ اَغۡسِلُهٗ وَاَدۡفَعُهٗ. (رواہ ابوداؤد)
پھر میں دھوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرنے کے بعد اپنا مسواک حضرت عائشہؓ کو دے دیتے اور حضرت عائشہؓ اس مسواک کو پہلے خود استعمال کر کے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھو کر دے دیتیں۔ حضرت عائشہؓ کا ایسا کرنا کمال محبت کی وجہ سے تبرک حاصل کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر دوبارہ کیوں دیتیں۔ اس میں دو احتمال ہیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک والا عمل پورا کر لیں یہ دوسرے وقت میں دیتی جب مسواک کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ دینا اس وجہ سے نہیں ہوتا تھا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مناسب جگہ پر رکھ دیں اس لئے کہ یہ آداب کے خلاف ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاں ایسا تعلق ہو تو بغیر اجازت کے اس کا مسواک استعمال کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ ناراض نہ ہو۔

اَلۡفَصۡلُ الثَّالِثُ

وَعَنِ ابۡنِ عُمَرَؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرَانِيۡ فِي الۡمَنَامِ اَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ، فَجَاءَنِيۡ
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں
رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا اَكۡبَرُ مِنَ الۡاٰخَرِ فَنَاوَلۡتُ السِّوَاكَ الۡاَصۡغَرَ مِنۡهُمَا فَقِيۡلَ لِيۡ كَبِّرۡ فَدَفَعۡتُهٗ
میرے پاس دو آدمی آئے ایک بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا۔ میں نے چھوٹے کو مسواک دینا چاہا پس کہا گیا بڑے کو مقدم کر
اِلَى الۡاَكۡبَرِ مِنۡهُمَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيۡهِ)
میں نے مسواک بڑے کو دے دی۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث سے مسواک کی فضیلت معلوم ہوئی کہ مسواک اتنی عظیم اور مہتم بالشان چیز ہے کہ بڑے کو دینی چاہئے چھوٹی عمر والے اس کے مستحق نہیں کہ کہیں ناقدری نہ کریں۔ سوال۔ جب یہ حکم دیا گیا کہ مسواک بڑے کو دو تو پھر وحی کا کیا مطلب؟ جواب۔ ثانی کے حکم کی تاکید کے لئے ایسا کیا گیا۔ سوال۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑی عمر والے کو دینا باعث فضیلت ہے حالانکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اور دائیں جانب بیٹھے تھے اور بائیں جانب اکابر شیوخ صحابہ بیٹھے تھے کوئی چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس کو فرمایا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت ہو تو میں بائیں جانب والوں کو دے دوں انہوں نے اجازت نہ دی تو معلوم ہوا کہ ترجیح الایمن فالایمن ہے۔ جواب (۱): جب غیر مرتب بیٹھے ہوں تو وجہ ترجیح الایمن فالایمن اور جب سارے دائیں جانب بیٹھے ہوں تو

وجہ ترجیح الاکبر فالاکبر سے ہوتی ہے۔ جواب (۲): کھانے پینے کی اشیاء میں الایمن فالایمن اورسوائے اکل و شرب میں الاکبر فالاکبرسوال۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے وجہ ترجیح اصغر ہونا ہے چنانچہ جب کوئی بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اس کو کھلاتے جواب (۳): یہ کھانے پینے کی اشیاء میں سے ہے۔

وَعَنْ اَبِی اُمَامَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَاءَ نِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَطُّ
حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہا بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں آئے میرے پاس جبرئیل کبھی بھی مگر مجھے مسواک کرنے کا حکم دیا۔
اِلَّا اَمَرَنِیْ بِالسِّوَاکِ لَقَدْ خَشِیْتُ اَنْ اُحْفِیَ مُقَدَّمَ فِیَّ۔ (رواہ مسند احمد بن حنبل)
تحقیق میں ڈرا کہ چھیل لوں گا اپنے منہ کے اگلے حصہ کو روایت کیا اس کو احمد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث سے مسواک کی فضیلت معلوم ہوئی کہ مسواک اتنی ذا فضیلت ہے کہ اسکا حکم دینے کے لئے براہ راست حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے۔ لقد خشیت الخ البتہ تحقیق میں ڈرتا تھا یہ کہ میرے منہ کا اگلا حصہ چھلنی ہو جائے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اَکْثَرْتُ عَلَیْکُمْ فِی السِّوَاکِ۔ (رواہ البخاری)
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق بہت بیان کیا میں نے تم پر مسواک کے بارہ میں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے کثرت سے بیان کیا مسواک کے بارے میں فضائل کی اہمیت کو بتلانے کیلئے۔

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتَنُّ وَعِنْدَہٗ رَجُلَانِ اَحَدُھُمَا اَکْبَرُ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی تھے ان دونوں میں ایک بڑا تھا دوسرے
مِنَ الْاٰخَرِ فَاُوْحِیَ اِلَیْہِ فِیْ فَضْلِ السِّوَاکِ اَنْ کَبِّرْ اَعْطِ السِّوَاکَ اَکْبَرَھُمَا۔ (رواہ ابوداؤد)
سے پس وحی کی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مسواک کی فضیلت میں کہ بڑے کو مقدم کردے تو مسواک بڑے کو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کررہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا پس وحی کی گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مسواک کی فضیلت کے بارے میں کہ مسواک بڑے کو دو۔ اعط السواک اکبر هما یہ راوی کی تفسیر ہے۔ سوال۔ ابن عمرؓ والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رؤیا ہے اور اس حدیث عائشہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بیداری کا ہے۔ بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔ جواب:۔ (۱) کوئی تعارض نہیں اصل واقعہ تو رؤیا کا تھا راوی نے تعبیر ایسی کردی کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بیداری کا ہے۔ جواب (۲) دونوں واقعے الگ الگ ہیں۔

وَعَنْھَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَفْضُلُ الصَّلَاۃُ الَّتِیْ یُسْتَاکُ لَھَا عَلَی
اور اسی (حضرت عائشہؓ) سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضیلت میں بڑھ جاتی ہے
الصَّلَاۃِ الَّتِیْ لَایُسْتَاکُ لَھَا سَبْعِیْنَ ضِعْفًا۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)
وہ نماز جس کیلئے مسواک کی گئی ہے۔ اس نماز پر جس کیلئے مسواک نہیں کی گئی۔ ستر درجے روایت کیا ہے اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نماز با مسواک کی فضیلت کا بیان۔ جو نماز مسواک کے وضو کے ساتھ ادا کی گئی ہو تو اجر وثواب کے اعتبار سے دیگر نمازوں پر ستر گنا بڑھی ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ اس کا فائدہ نظر نہیں آتا اس لئے اس پر عمل نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ بھی مسواک کے علماء نے ستر سے زائد فوائد لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ مرتے وقت کلمہ نصیب ہو جاتا ہے خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَؓ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ
حضرت ابو سلمہؓ سے زین بن خالد جہنی روایت کرتے ہیں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے
لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِيْ لَاَ مَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَلَاَخَّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ اِلٰى
اگر یہ بات نہ ہو کہ مشقت میں ڈال دوں گا۔ میں اپنی امت کو ان کو ہر نماز کیلئے مسواک کرنے کا حکم کرتا اور عشاء کی نماز ایک
ثُلُثِ اللَّيْلِ قَالَ فَكَانَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ يَّشْهَدُ الصَّلَوٰتِ فِي الْمَسْجِدِ وَسِوَاكُهُ عَلٰى اُذُنِهٖ مَوْضِعَ
تہائی رات تک موخر کرتا۔ کہا پس زید بن خالدؓ جب نماز کیلئے آتے مسجد میں ان کا مسواک کان پر رکھا ہوا ہوتا جس طرح لکھنے والا
الْقَلَمَ مِنْ اُذُنِ الْكَاتِبِ لَا يَقُوْمُ اِلَى الصَّلٰوةِ اِلَّا اسْتَنَّ ثُمَّ رَدَّهُ اِلٰى مَوْضِعِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ
قلم رکھ لیتا ہے۔ نہ کھڑے ہوتے نماز کی طرف مگر مسواک کرتے پھر رکھ لیتے اس کو اس کی جگہ پر روایت کیا
اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَ لَاَخَّرْتُ صَلَاةَ الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ
اس کو ترمذی نے اور ابو داؤد نے مگر ابوداؤد نے ذکر نہیں کیا ولاخرت العشاء الی الثلث اللیل اور کہا ترمذی نے
حَسَنٌ صَحِيْحٌ. (رواہ ابوداؤد الجامع ترمذی)
یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ شوافع اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ مسواک سنن الصلوٰۃ میں سے ہے۔ احناف کی طرف سے جواب اس حدیث کا اگر مسواک سنن الصلوٰۃ میں سے ہوتی تو پھر صرف زید بن خالد کی تخصیص کیوں کی سب صحابہؓ کا ذکر ہوتا تو معلوم ہوا عام صحابہؓ کا یہ معمول نہیں تھا اگر عام صحابہ کا معمول ہوتا تو اور صحابہ کا ذکر ہوتا اور صحابہ کا ذکر نہ ہوتا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سنت نماز کی نہیں بلکہ وضو کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بَابُ سُنَنِ الْوُضُوْءِ

وضو کی سنتوں کا بیان

مسواک بھی سنن الوضوء سے ہے صاحب مشکوۃ نے اس کی اہمیت کو بتلانے کیلئے مستقل باب قائم کیا یہ احناف کے نزدیک ہے اور شوافع کے نزدیک چونکہ مسواک سنن صلوٰۃ ہے۔ اس لئے اس باب کو مصنف نے ذکر نہیں کیا۔ اس باب کے اندر سنن کا بھی بیان ہوگا واجبات کا بیان ہوگا ارکان کا بھی بیان ہوگا۔ لیکن سنن کا باب قائم کیا یا تو سنن کو ارکان پر غلبہ دے کر سنن وضو فرمایا یا سنن کا لغوی معنی مراد ہے یعنی اچھا طریقہ خواہ وہ سنت ہو یا واجب ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سْتَیْقَظَ أَحَدُکُمْ مِنْ نَّوْمِهٖ فَلَا یَغْمِسَنَّ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے ایک اپنی نیند سے بیدار ہو اپنے ہاتھ کو
یَدَهٗ فِی الْاِنَاءِ حَتّٰی یَغْسِلَهَا ثَلٰثًا فَاِنَّهٗ لَا یَدْرِیْ اَیْنَ بَاتَتْ یَدُهٗ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
برتن میں نہ ڈالے۔ یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھولے تحقیق وہ نہیں جانتا کہاں رات گزاری ہے اس کے ہاتھ نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو ہاتھوں کو دھولے۔ ہاتھوں کو بغیر دھوئے برتن میں نہ ڈالے۔ اس لئے کہ اس کو معلوم نہیں کہ اس کا ہاتھ کہاں کہاں تک پہنچا۔ این باتت ای این بلغت یدہ۔

سوال۔ احدکم میں کم ضمیر کا اضافہ کیوں کیا۔

جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو خارج فرمار ہے ہیں کہ یہ حکم امت کی نوم کا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نوم ناقض وضوء نہیں۔

سوال قولہ، من نومہ. ہر شخص نوم ہی سے بیدار ہوتا ہے پھر نوم کی قید کیوں لگائی۔ جواب۔ اس قید کو لگا کر غشی کی حالت کو خارج کرنا ہے۔

مسئلہ: نوم میں تخصیص ہے یا نہیں۔

پہلا قول: جمہورؒ کہتے ہیں کوئی تخصیص نہیں خواہ نوم لیلی ہو یا نہاری ہو ناقض وضو ہے۔

دوسرا قول: حنابلہ کا ہے یہ فرماتے ہیں کہ نوم لیلیٰ ہو۔ تو ناقض وضو ہے اگر نوم نہاری ہو تو ناقض وضو نہیں۔

دلائل: جمہورؒ کی دلیل یہی حدیث باب ہے اس میں مطلق آیا ہے نوم نہاری اور لیلی کی کوئی تخصیص نہیں۔ حنابلہ کی دلیل۔ حنابلہ بھی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اس سے مراد نوم لیلیٰ ہے۔ اس میں دو قرینے ہیں۔ قرینہ (۱) باتت کا لفظ ہے۔ (۲) دوسرا قرینہ اس سے متعلق دوسری روایات میں لیل کا لفظ آیا ہے۔ پہلے قرینہ کا جواب یہ ہے کہ باتت کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہے یعنی این بلغت یدہ دوسرے قرینہ کا جواب لیل کا لفظ اکثر روایات میں نہیں ہے۔

غسل ایدی کا حکم وجوبی ہے یا استحبابی۔ جمہورؒ کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور حنابلہ کے نزدیک وجوبی ہے۔ جمہورؒ کی دلیل غسل ایدی کا حکم تو نجاست کی علت کے ساتھ معلول ہے یعنی ایدی کے تلوث بالنجاستہ ہونے کا اندیشہ ہے اور علت موہومہ سے حکم

استحبابی ثابت ہوتا ہے وجوبی ثابت نہیں ہوتا۔ سوال۔ یہ علت موہومہ کیوں ہے؟ جواب:۔علت موہومہ نجاست اس طرح ہے کہ پہلے زمانے میں لوگ استنجا بالاحجار کرتے اور اس کا عام رواج تھا اور ظاہر ہے کہ استنجاء بالاحجار سے نجاست کا زوال بالکلیہ تو نہیں ہوتا بلکہ کچھ نہ کچھ اجزاء باقی رہ جاتے ہیں اور چونکہ بلاد بلاد حارۃ تھے (گرم شہر تھے) جس سے سونے کے وقت پسینہ آتا ہے اور اجزاء کا انتشار ہوتا ہے جس سے (اجزاء) نجاست کے ساتھ ہاتھ کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہے تو یہ علت موہومہ ہے تو اس سے حکم استحبابی ثابت ہوگا۔ نہ کہ وجوبی۔ سوال۔ نوم ناقض للوضوء ہے اس لئے کہ خروج ریح کا احتمال ہے لیکن نوم کے بعد وضوء کا حکم وجوبی ہے۔ یہاں بھی تو علت موہومہ پائی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ شبہ ہوسکتا ہے کہ وضو ٹوٹا ہے یا نہیں ٹوٹا اس سے بھی وضو کا حکم استحبابی ہونا چاہئے وجوبی نہیں ہونا چاہئے۔

جواب: توہم: توہم میں فرق ہے۔نوم میں خروج ریح کا احتمال قوی ہے لہذا حکم وجوبی ثابت ہوگا اور بخلاف ید کے کہ اس میں احتمال ضعیف ہے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ ہاتھ کا وصول محل نجاست تک نہ ہوا ہو۔اس لئے یہ حکم استحبابی ہوگا۔سوال۔اس حکم کا مقتضی تو یہ ہے کہ محل نجاست کے محاذات میں جو کپڑا ہے ازار اور تہبند وغیرہ تو اس کو تو پہلے دھونا چاہئے۔جواب۔اگر ہر بار دھونے کا حکم دیں تو اس میں حرج لازم آتا ہے اور وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔اس میں حرج سے بچنے کیلئے یہ حکم نہیں رہا۔

یہ حکم مسائل ماء سے ہے یا باب وضوء سے ہے۔صاحب مشکوٰۃ کی رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق باب وضوء کے ساتھ ہے اور محققین کے ہاں اس حدیث کا تعلق مسئلہ ماء کے ساتھ ہے۔اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ بدون تغیر اوصاف کے بھی پانی نجس ہوجاتا ہے۔نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اس محل نجاست پر نجاست بول یا پاخانہ ہوگا۔تو اس کو تین مرتبہ دھونے سے طہارت حاصل ہوجاتی ہے تو باقی نجاستوں سے تو بطریق اولیٰ تین مرتبہ دھونے سے طہارت حاصل ہوجائے گی۔حدیث استیقاظ سے یہ مستیقظ کا حکم ہوا۔اگر غیر مستیقظ ہو تو اس کے لئے بھی یہی حکم ہے۔یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں اگر کوئی اور برتن نہ ہو جس سے پانی نکال کر ہاتھ کو دھویا جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں کپڑا بھگو کر ہاتھ دھوئے پھر پانی میں ہاتھ ڈالے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَّنَامِهِ فَتَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ
ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت ایک تمہارا نیند سے بیدار ہو پس وضو کرے تو اپنی ناک کو
ثَلَاثًا فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَبِيْتُ عَلٰى خَيْشُوْمِهٖ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
تین مرتبہ جھاڑے۔پس تحقیق شیطان رات گزارتا ہے اس کی بانس پر۔

تشریح: حاصل حدیث:۔فان الشیطان الخ پس بے شک شیطان رات گزارتا ہے اس کے ناک کے سوراخ میں۔بیوتۃ شیطان علی خشومہ یا تو حقیقت پر محمول ہے۔یا پھر مجازی معنی پر محمول ہے۔کیونکہ جب انسان سوتا ہے تو مواد غلیظہ اس کے ناک میں جمع ہوجاتے ہیں جس سے انسانی عقل کے کما ینبغی ادراک سے مانع بن جاتا ہے جس کی وجہ سے دینی امور کو ادا کرنے میں سستی ہوتی ہے اور وہ کچھ خلاف شرع کام کرتا ہے جس سے شیطان خوش ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو بیبوبۃ الشیطان علی الخیشوم سے تعبیر کیا۔باقی یہاں بھی نوم لیل یا نہار کی قید نہیں لگائی گئی۔من منامہ میں قید جو نوم ہیئت صلوٰۃ کے ماسوا ہو وہ معتبر ہے۔

وَقِيْلَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ فَدَعَا بِوَضُوْءٍ
اور کہا گیا عبداللہؓ بن زید بن عاصم کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے اس نے پانی منگوایا
فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ
اپنے دونوں ہاتھوں پر ڈالا اور دو دو مرتبہ ان کو دھویا پھر کلی کی اور ناک جھاڑی تین بار پھر اپنا چہرہ تین بار دھویا

غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهٗ بِيَدِهٖ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ ثُمَّ

پھر اپنے دونوں ہاتھ دو دو بار دھوئے کہنیوں تک پھر دونوں ہاتھوں سے سر کا مسح کیا پس آگے سے لے گئے پیچھے تک

ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى رَجَعَ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِىْ بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ رَوَاهُ

اور پیچھے سے آگے سر کی اگلی جانب سے شروع کیا پھر دونوں ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر پھرا ان کو یہاں تک پھر آئے اس جگہ سے شروع کیا تھا۔

مَالِكٌ وَالنَّسَائِىُّ وَلِاَبِىْ دَاؤدَ نَحْوُهٗ ذَكَرَهٗ صَاحِبُ الْجَامِعِ وَفِى الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قِيْلَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ

پھر دونوں پاؤں دھوئے۔ روایت کیا اس کو مالک' نسائی' ابوداؤد نے ذکر کیا اس کی مانند۔ ذکر کیا اس کو جامع الاصول والے نے اور بخاری اور مسلم

زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ تَوَضَّأْ لَنَا وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِاِنَاءٍ فَاَكْفَأَ مِنْهُ عَلٰى يَدَ

میں ہے عبداللہ بن زید بن عاصم کیلئے کہا گیا وضو کرو ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سا پس منگوایا برتن

يْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ فَفَعَلَ

اس نے اور اپنے دونوں ہاتھوں پر جھکا دیا اور ان کو تین بار دھویا پھر اپنا ہاتھ داخل کیا پس نکالا اس کو پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا ایک چلو سے اس

ذٰلِكَ ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَغَسَلَ

طرح تین بار کیا پھر اپنا ہاتھ داخل کیا پس نکالا اور منہ تین بار دھویا پھر اپنے ہاتھ کو داخل کیا

يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فَاسْتَخْرَجَهَا فَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ فَاَقْبَلَ بِيَدَيْهِ

پھر نکالا دونوں ہاتھ کہنیوں تک دو دو مرتبہ دھوئے پھر اپنے ہاتھ کو داخل کیا پھر نکالا اور اپنے سر کا مسح کیا پس آگے سے پیچھے لے گئے دونوں ہاتھ اور پیچھے سے آگے

وَاَدْبَرَ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

پھر دھوئے۔ اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک پھر کہا اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو تھا۔

وَسَلَّمَ وَفِىْ رِوَايَةٍ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا حَتّٰى

ایک روایت میں ہے آگے سے لے گئے اپنے ہاتھوں کو پیچھے کی طرف اور پیچھے سے آگے کی طرف لائے شروع کیا سر کی

رَجَعَ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِىْ بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثًا

اگلی جانب سے پھر لے گئے اپنی گدی کی طرف پھر لوٹایا ان دونوں کو طرف اس جگہ کی کہ شروع کیا تھا اس سے پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

بِثَلٰثِ غَرَفَاتٍ مِنْ مَّاءٍ وَّفِىْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ كَفَّةٍ وَّاحِدَةٍ فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثًا وَفِىْ

ایک روایت میں ہے کلی کی ناک میں پانی دیا اور ناک جھاڑی تین مرتبہ پانی کے تین چلوؤں سے اور دوسری روایت میں ہے کلی کی اور ناک میں

رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِىِّ فَمَسَحَ رَأْسَهٗ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ مَرَّةً وَّاحِدَةً ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَفِىْ رِوَايَةٍ

پانی ڈالا ایک چلو سے تین بار ایسا کیا بخاری کی ایک روایت میں ہے پس اپنے سر کا مسح کیا آگے سے لے گئے۔ دونوں ہاتھ پیچھے اور پیچھے سے

اُخْرٰى لَهٗ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ مِّنْ غُرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ۔

آگے لائے ایک بار پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کلی کی اور ناک جھاڑی تین مرتبہ ایک چلو سے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ عبداللہ بن زید بن عاصمؓ کی وہ روایت نقل کر رہے ہیں جو رسول اللہ کے وضو کی کیفیت کے متعلق ہے۔

یہ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ کی پہلی روایت ہے جو مشکوۃ شریف میں مذکور ہے۔ سائل ابوالحسن ان کے شاگرد محمد بن یحیی ابوعمرو ہیں۔ انہو ں نے ایسے ہی کیوں نہ بتلادیا۔ زبانی کیفیت بیان کردیتے۔ جواب عملی تعلیم دینا مقصود تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوء مخلوط بھی ہوتا تھا۔

سوال۔ تین مرتبہ اعضائے مغسولہ کو دھوتے اور انہوں نے بعض کو تین اور بعض کو دو مرتبہ دھویا۔ یہ مخصوص صفت والا وضو کیوں کیا؟

جواب۔ سائل کو اسی کے بارے میں شبہ ہو کہ آیا نبی کریمؐ سے ایسا وضو ثابت ہے یا نہیں ہے۔ اس شبہ کو دور کرنے کیلئے ایسا مخصوص صفت والا وضو کیا۔

قولہ' فاقبل بھما الخ۔ اقبال کہتے ہیں پیچھے سے آگے کو ہاتھ لے آنا۔ اور ادبار کہتے ہیں آگے سے پیچھے ہاتھ لے جانا

سوال: یہاں اجمال میں اقبال کا ذکر پہلے ہے اور ادبار کا ذکر بعد میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اقبال پہلے اور ادبار بعد میں ہے اور تفصیل میں اس کا عکس ہے۔ ادبار پہلے اور اقبال بعد میں تو تفسیر اور مفسر میں' اجمال و تفصیل میں مطابقت نہیں رہی۔

جواب-۱: احنافؒ کے نزدیک واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہوتی بلکہ مطلق جمع کے لئے آتی ہے تو اجمال میں اقبال وادبار ذکر کیا۔ کوئی تقدیم و تاخیر نہیں۔ تو یہ امر مبہم ہے پھر بعد میں تفصیل سے اس کو بیان کردیا کہ ادبار پہلے ہوا اور اقبال بعد میں ہوا۔

جواب-۲: اور اگر یہ مان لیا جائے کہ واؤ ترتیب کے لئے ہے تو اقبال کا وہ معنی نہیں جو متبادر الی الذھن ہے۔ جو بظاہر معروف ہے۔ بلکہ اقبال کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح قبل کی جانب سے شروع کیا۔ اور تفصیل میں بھی مقدم راس ہے اور ادبار کا مطلب یہ ہے کہ پیچھے کی جانب سے شروع کیا اور تفصیل میں بھی یہی ہے۔

جواب-۳: عربوں کے اندر متانت اور سنجیدگی ہوتی ہے جب دو لفظ ایسے آجائیں جن میں سے ایک کا تذکرہ اچھا سمجھا جاتا ہو اور دوسرے کا تذکرہ قبیح سمجھا جاتا ہے۔ تو جو اچھا سمجھا جاتا تو اس کو ذکر میں بھی مقدم کردیتے ہیں اور قبل دبر میں سے قبل کا لفظ اچھا سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کو مقدم کردیا۔ (یہاں لف ونشر غیر مرتب ہے)

مسح میں استیعاب کا مسئلہ۔ احنافؒ کے نزدیک استحباب کو بتلانے کے لئے ذکر کیا اور مالکیہؒ کے نزدیک وجوب کو بتلانے کے لئے ذکر کیا ہے۔

وفی المتفق علیہ قیل لعبداللہ بن زیدؓ...... الخ سے دوسری روایت عبداللہ بن زید بن عاصمؓ کی جو بخاری و مسلم میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کی کیفیت کے متعلق اس کو بیان کیا اور **و فی روایۃ** الخ سے تیسری روایت الفاظ کا کچھ فرق ہے۔ **و فی روایۃ** الخ سے چوتھی روایت **و فی اخری** الخ سے پانچویں روایت **وفی روایۃ للبخاری** سے چھٹی روایت۔ **و فی اخری لہ** الخ سے ساتویں روایت ہے۔ ان روایات کو لانے سے مقصود کچھ الفاظ کا تفاوت بیان کرنا ہے اور نیز ان سے مقصود عبداللہ بن زید بن عاصم والی روایت کے (جو مالک ونسائی اور ابوداؤد کے حوالے سے ہے) مضمون کی توثیق کرنی ہے۔

چنانچہ الفاظ کے تفاوت کی وجہ سے مسئلہ اختلافی ظاہر ہوا مضمضہ اور استنشاق میں فصل اولیٰ ہے یا وصل اولیٰ ہے۔

احناف کے نزدیک فصل اولیٰ ہے (دوسرا عنوان مسئلہ غرفات ثلث یا غرفات سداس اولیٰ ہے) یعنی فصل بالغرفات الستہ۔ بایں طور کہ پہلے تین چلو لے کر ان کے ساتھ مضمضہ کرے اور پھر مستقل تین چلو لے کر اس کے ساتھ استنشاق کرے وعلی ھذا القیاس۔

شوافع نزدیک وصل اولیٰ ہے **بالغرفات الثلثہ** بایں طور کہ ایک غرفہ لیا جائے اس کے کچھ حصے سے مضمضہ کرے اور کچھ حصے سے استنشاق کرے یعنی تین چلو کے ساتھ مضمضہ بھی کرے اور استنشاق بھی کرے۔ شوافع کا راجح مذہب یہی ہے احناف اور شوافع کا یہ اختلاف (روایات کا اختلاف) اولویت اور عدم اولویت کا ہے جواز عدم جواز کا نہیں۔ پھر ان احادیث سے شوافع کی تائید ہوتی ہے۔

شوافع کے دلائل کے جوابات۔ **جواب (۱):** یہ بیان جواز پر محمول ہے۔

جواب (۲): مضمضہ اور استنشاق کا تنازع ہو رہا ہے ثلثاً میں لہذا اس کا ہر ایک کے ساتھ تعلق ہوگا تو اس صورت میں مجموعہ چھ غرفات بنیں گے۔ نیز **من کفۃ واحدۃ** سے بھی فصل معلوم ہوتا ہے۔ بایں طور کہ دخول کو اکٹھے ذکر کیا ایک وہم کو دور کرنے کیلئے وہ وہم یہ ہو سکتا تھا جو۔ تھ مضمضہ کے لئے استعمال کرتا وہی استنشاق کے لئے استعمال کرتا نہ ہو۔ اس وہم کو دفع کرنے کے لئے فرمایا **من کفہ**

واحدۃ کہ دونوں کے لئے ایک ہی ہاتھ استعمال نہیں کرنا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت کے متعلق یہ سوال عبداللہ بن زید سے کیوں ہوا۔ جواب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کی کیفیت کا علم رکھنے میں صحابہ میں مشہور تھے انہیں صاحب وضورسول اللہ کہا جاتا ہے مابعد والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضوء چار قسم کا ہے۔ مرۃ مرۃ. مرتین مرتین' ثلثا ثلثا۔ مخلوط جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ تَوَضَّاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ عَلٰى هٰذَا
حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے بے شک وضو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو کیا۔ اس سے زیادہ نہیں کیا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

(صحیح البخاری)

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں مرۃ مرۃ کا ذکر ہے۔ ایک ایک مرتبہ ہر عضو کو دھونا بیان جواز کے لئے ہے یا مقدار فرضیت کو بتلانے کیلئے ہے کہ اگر کسی نے مقدار فرضیت پر اکتفا کرلیا تو یہ جائز ہے۔ لم یزد علیٰ ھذا ۔ اس موقعہ پر مرۃ پر اضافہ علی الاطلاق نہیں کیا گیا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ. (صحیح البخاری)
حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے بے شک وضو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو بار۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں ہے کہ ہر عضو مغسولہ کو دو مرتبہ دھویا۔ نفس فضیلت کو بتلانے کیلئے ان دونوں حدیثوں میں نفس فرضیت کا بیان ہے۔

وَعَنْ عُثْمَانَؓ اَنَّهُ تَوَضَّاَ بِالْمَقَاعِدِ فَقَالَ اَلَا اُرِيْكُمْ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت عثمانؓ سے روایت ہے تحقیق اس نے مقاعد میں وضو کیا کہا کیا میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
فَتَوَضَّاَ ثَلٰثًا ثَلٰثًا. (صحیح مسلم)
وضو نہ دکھلاؤں پس تین تین بار وضو کیا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: حاصل حدیث:۔ قوله' ثلثا ثلثا کا مطلب یہ ہے کہ اعضاء مغسولہ میں سے ہر ایک عضو کو تین تین مرتبہ دھویا جائے۔ یہ افضلیت پر محمول ہے۔ مسئلہ: اختلاف یہ مسح کتنی بار کیا جائے۔ آئمہ ثلثہ کے نزدیک سر کا مسح صرف ایک مرتبہ کرنا چاہئے امام شافعیؒ کی مشہور روایت میں تثلیث مسنون ہے یعنی تین پانیوں کے ساتھ تین دفعہ سر کا مسح کرنا۔

جمہور حضرات کے دلائل۔ دلیل-۱: حدیث عبداللہ بن زید بن عاصمؓ ہے و مسح براسه فاقبل بهما و ادبر مرةً واحدةً (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۴۵ ج ۱)۔

دلیل-۲: حدیث ابی حیه قال رأیت علیاً و مسح براسه مرةً رواہ الترمذی والنسائی مشکوٰۃ (ص ۴۶ ج ۱)

شوافع کی دلیل-۱: حضرت شقیق بن سلمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے وضو میں تین بار سر کا مسح کیا اور پھر فرمایا رایت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل هذا ابوداؤد (ص ۱۵)

شوافع کی دلیل کا جواب-۱: یہاں تین مرتبہ خالی ہاتھ پھیرنا مراد ہے تاکہ کامل استیعاب ہوجائے۔

جواب-۲: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ حضرت عثمانؓ کی تمام صحیح روایات میں عدد ثلاث کا ذکر نہیں چنانچہ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں واحادیث عثمان الصحاح کلها تدل علیٰ مسح الراس انه مرةً (ابوداؤد ص ۱۵)

دلیل ثانی شوافع کہتے ہیں کہ ہم مسح کو غسل اعضاء پر قیاس کرتے ہیں۔

جواب-۱: نص کے مقابلے میں قیاس غیر معتبر ہے۔

جواب-۲: یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ غسل سے مقصود تنظیف ہے اور تکرار اس کے لئے مفید ہے بخلاف مسح کے کہ اس سے مقصود تخفیف ہے اور تکرار اس کے منافی ہے نیز تثلیث سے تو مسح نہیں رہتا بلکہ غسل بن جاتا ہے حالانکہ مقصود مسح ہے۔

وجہ ترجیح مذہب حنفی قیاس اور وجہ نظر کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ ہو جیسا کہ اس کے دیگر نظائر میں ہے مثلاً مسح فی التیمم مسح علی الخفین مسح علی الجبیرہ.وعلی ھذا القیاس.

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ رَجَعْنَامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَّكَّةَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ
حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے
حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِمَآءٍ بِالطَّرِيْقِ تَعَجَّلَ قَوْمٌ عِنْدَالْعَصْرِ فَتَوَضَّأُوْا وَهُمْ عُجَّالٌ فَانْتَهَيْنَا اِلَيْهِمْ وَاَعْقَابُهُمْ
جس وقت ہم راستہ میں ایک پانی پر پہنچے ایک جماعت نے وضو کرنے میں جلدی کی عصر کی نماز کا وقت تھا۔ انہوں نے وضو کیا اور وہ
تَلُوْحُ لَمْ يَمَسَّهَا الْمَآءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا
جلد باز لوگ تھے۔ ہم ان کے پاس پہنچے ان کی ایڑھیاں چمکتی تھیں۔ ان کو پانی نہیں پہنچا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہلاکت ہے
الْوُضُوْءَ. (صحیح مسلم)
ایڑیوں کیلئے آگ سے۔ پورا وضو کرو۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہ قصہ فتح مکہ یا عمرۃ القضاء کے موقعہ کا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹے تو راستے میں ایک پانی کی جگہ تھی وہاں آئے وہاں کی قوم وضو کر رہی تھی۔ جلدی جلدی عصر کا وقت تھا (یعنی عصر کی نماز کے لئے نکلے) تو ہم ان تک پہنچے اس حال میں کہ ان کی ایڑیاں خشک ظاہر ہو رہی تھیں ان کو پانی تک نہیں پہنچا تھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء۔

یہ حدیث حدیث ویل للاعقاب کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ویل مبتداء ہے الاعقاب اس کی خبر ہے۔

سوال۔ ویل نکرہ مبتدا ہے نکرہ تو مبتدا نہیں بن سکتا جب تک کہ اس میں تخصیص نہ ہو۔

جواب-۱: کچھ مقام ایسے ہیں کہ وہاں بغیر تخصیص کے نکرہ مبتدا بن سکتا ہے ان میں سے ایک مقام دعا ہے تو یہ مقام دعا ہے۔ مقام دعا میں بغیر تخصیص کے بھی نکرہ مبتدا بن سکتا ہے پھر عام از یں وہ دعا للنفع ہو للضرر نہ ہو۔

جواب-۲: اگر تخصیص ہی کا شوق ہے تو ویل کی تنوین تعظیم کی مان لو ای ویل عظیم۔ باقی اعقاب سے مراد اصحاب اعقاب مراد ہیں بحذف مضاف یا ذکر کیا۔ اعقاب کو اور مراد لیا۔ اصحاب اعقاب کو مجاز مرسل کے طور پر ویل الاعقاب میں الف لام عہد کا ہے صرف ایڑیاں مراد نہیں ایڑیوں والے مراد ہیں راجح قول یہی ہے اصحاب اعقاب۔ اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی ایڑیوں کے دھونے میں کمی کوتاہی کی۔ اس حدیث سے دلالۃ النص کے طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ ارجل کا حکم غسل ہی ہے (کہ وضو کے اندر پاؤں کو دھونا فرض ہے) مسح نہیں۔ اس لئے کہ اگر ارجل کا حکم مسح ہوتا تو وعید شدید وارد نہ ہوتی کیونکہ مسح میں استیعاب شرط نہیں تو وعید شدید کا ورود دلیل ہے کہ ارجل کا حکم غسل ہے لامسح۔

پاؤں کا حکم جب کہ موزے نہ پہنے ہوئے ہوں تو کیا ہے۔ **پہلا قول** اہل سنت اور روافض کا اختلاف ہے۔ ارجل کا حکم جبکہ موزے نہ پہنے ہوئے ہوں اہلسنت والجماعت کے نزدیک غسل ہی متعین ہے (لامسح) **دوسرا قول** روافض کے نزدیک مسح متعین ہے یہی دو قول اصل میں مقابل ہیں ان کو بیان کرنا ہے۔ **تیسرا قول** حضرت حسن بصریؒ اور جریر طبری کی طرف منسوب ہے کہ اختیار ہے۔ لیکن محققین

نے اس نسبت کو تسلیم نہیں کیا۔ابن جریر یہ دو ہیں۔ایک اہل سنت میں سے اور ایک روافض میں سے ہے ہوسکتا ہے کہ اصل نسبت ابن جریر رافضی کی طرف ہو لیکن حسن بصریؒ کی طرف تو نسبت صحیح نہیں ہے اس کا تذکرہ ہم نہیں کریں گے۔

اہل سنت کے دلائل۔دلیل-۱: حدیث ویل للاعقاب من النار۔اس میں وعید شدید کا بیان ہے معلوم ہوا کہ غسل ہی ہے۔

دلیل-۲: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل المنقول بالنقل التواتر۔صحابہ سے زائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کو نقل کرنے والے ہیں وہ سب کے سب متفق ہیں اس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل غسل ہی کا تھا تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حکم الٰہی بھی غسل کا ہے اگر رجل کا حکم مسح ہوتا تو کہیں نہ کہیں کبھی تو پاؤں پر مسح کرتے چنانچہ اپنے مقام پر ان صحابہؓ کی فہرست آجائے گی۔

دلیل-۳: احادیث خروج خطایا عن اعضاء الوضوء اذاغسل رجلیه خرج منهما خطیئۃ خروج خطایا کو غسل رجلین پر مرتب کیا گیا ہے نہ کہ مسح پر نیز اگر ارجل کا حکم مسح ہوتا تو پھر ارجل کے غسل میں اجر وثواب نہیں ہونا چاہئے تھا جیسے سر کا مسح ہے اگر اس کو کوئی دھوڈالے تو وضو تو ہوجائے گا لیکن غسل کا ثواب نہیں ملے گا بلکہ ثواب مسح پر ملے گا لیکن ارجل کے غسل کے اجر وثواب کا ہونا مذکور فی الاحادیث ہے۔اس قیاس کا حاصل۔لو کان حکم الرجلین هو المسح لم یکن فی غسلهما ثواب لکن التالی باطل.

بطلان تالی کی دلیل۔ احادیث خطایا عن اعضاء الوضوء۔وہ احادیث جن میں وضو کرنے کے ساتھ اعضاء وضو سے گناہ معاف ہونے کا تذکرہ ہے۔

دلیل-۴: اجماع صحابہ۔صحابہ کا اجماع غسل ارجل پر ہے۔چنانچہ طحاوی شریف میں مذکور ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے سوال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے کسی ایک صحابیؓ کے بارے میں بھی آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے پاؤں پر مسح کیا ہو۔عطاء بن ابی رباح اجلہ تابعین میں سے ہیں۔انہوں نے کہا نہیں۔پس معلوم ہوا کہ صحابہؓ کا اس پر اجماع تھا کہ غسل ہی متعین ہے۔

دلیل-۵: تعامل امت۔اس امت کا عمل پاؤں پر غسل کا ہے۔

دلیل-۶: قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔جو عضو ابعد عن التراب ہے (چہرہ) اس کا حکم تو غسل ہو اور جو عضو اقرب الی اقراب ہے (گرد وغبار ہے) اس کا حکم مسح ہو یہ حکم کی حکمت کے خلاف ہے۔

۱۰اصل اختلاف کا منشا یہ ہے۔آیت وضو میں و ارجلکم میں نصب والی قرات کا ہونا ہے اس کا عطف ایدی اور وجوهکم پر ہے لہٰذا جو حکم معطوف علیہ کا ہوگا وہی معطوف کا بھی ہوگا۔اور ظاہر ہے کہ ایدی اور وجہ کا حکم تو غسل ہے لہذا ارجلین میں بھی غسل ہوگا۔زیادہ سے زیادہ یہ اشکال ہوگا کہ درمیان میں مسح کا تذکرہ ہے۔ممسوح کو داخل کیوں کیا؟ شوافع کے مذہب کے مطابق اس کا جواب چونکہ ان حضرات کے نزدیک ترتیب واجب نہیں اس لئے ترتیب کے وجوب کو بتلانے کے لئے ممسوح کو داخل کیا اور احنافؒ کے مذہب کے مطابق یہ جواب نہیں چل سکتا اس لئے احناف کی طرف سے جواب مسح کے بعد غسل اس لئے لائے تاکہ غسل رجلین میں مآء کے استعمال میں احتیاط کرنی چاہئے ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ جو بچہ ہوا پانی ہو وہ سارا گرادیا جائے بلکہ بقدر ضرورت استعمال کرنا چاہئے۔

روافض کا استدلال: رواض آیت وضو میں وارجلکم میں جر والی قراۃ لیکر اس سے استدلال کرتے ہیں۔اہل حق اس میں قراۃ نصب کو اصل قرار دے کر جر والی قرأت کی مناسب تاویلات کرتے ہیں اور اہل روافض جر والی قرات کو اصل قرار دے کر نصب والی قراۃ کی مناسب تاویلات کرتے ہیں۔روافض کہتے ہیں جر والی قرات بھی متواتر ہیں۔اور اس کا عطف ہے وامسحوا برؤوسکم پر ہے اور رأس یہ ممسوح ہے لہذا ارجلین بھی ممسوح ہوں گے (چنانچہ اہل سنت نے جو جر والی قرات کی توجیہات کی ہیں ان میں سے جو بعض اقرب الی الفہم ہیں ان کو بیان کیا جائے گا تفصیل کیلئے روح المعانی اور تفسیر خازن کا مطالعہ کریں۔

اہل حق کی طرف سے جوابات۔جواب (۱): ارجلکم کا عطف وجوهکم پر ہے رؤسکم پر نہیں جو حکم وجہ کا ہے وہی حکم

رجلین کا ہے یعنی دونوں اعضا کا مغسول ہونا۔ سوال: پھر اس کو مجرور کیوں پڑھتے ہو اگر اس کا عطف وجوھکم پر ہے۔
جواب۔ یہ جر جوار کی وجہ سے مجرور ہے یعنی پڑوس میں رؤس کا لفظ ہے جو باحرف جار کی وجہ سے مجرور ہے اس وجہ سے اس کو مجرور پڑھتے ہیں۔
پہلا اعتراض۔ جر جوار ثابت تو ہے لیکن یہ ضرورت شعری کی وجہ سے ہوتی ہے اور کلام اللہ میں آیت کریمہ تو کلام منظوم میں جر جوار ثابت نہیں۔ دوسرا اعتراض اگر جر جوار کا جواز تسلیم کرلیا جائے تو پھر یہ مقام عطف کے ماسوا میں ہوتا ہے مقام عطف میں جر جوار ثابت نہیں ہوتا۔
تیسرا اعتراض۔ جر جوار وہاں جائز ہوتا ہے جہاں کوئی اشتباہ اور التباس تعیین پر پیدا نہ ہو۔ اور یہاں جر جوار سے اشتباہ پیدا ہو رہا ہے؟
پہلے اعتراض کا جواب۔ جر جوار صرف ضرورت شعری کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ضرورت شعری کے ماسوا میں بھی پائی جاتی ہے۔ کلام منظوم میں بھی پائی جاتی ہے۔ جیسے ماء شن بارد اسمیں بارد ماء کی طرح اس پر رفع ہونا چاہئے تھا لیکن اس کو مجرور پڑھا گیا ہے (شن) کی جوار کی وجہ سے۔ اسی طرح محاورات عرب میں کہا جاتا ہے۔ حجر ضب خرب اس میں خرب ترکیب کے اعتبار سے حجر مبتدا کی خبر بن رہا ہے اس کو مرفوع ہونا چاہئے تھا مگر اس کو مجرور پڑھا گیا ضب کے جوار کی وجہ سے اس طرح قرآن پاک میں ہے انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم اس میں الیم یہ عذاب کی صفت ہے اس کو منصوب ہونا چاہئے تھا لیکن اس کو مجرور پڑھتے ہیں یوم کے جوار کی وجہ سے اور اسی طرح حدیث میں ہے من ملک ذارحم محرم۔ اس کو بھی نحوی حضرات جوار کی وجہ سے مجرور پڑھتے ہیں۔
دوسرے اعتراض کا جواب۔ (دوسرا اعتراض یہ تھا کہ جر جوار مسلم ہے لیکن عطف کے ماسوا میں ہے چنانچہ نحومیر کے اخیر میں اس کے ساتھ رسالہ عبدالرسول لگا ہوا ہے۔ جس میں ابتدا ہی میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جر جوار عطف کے ماسوا میں جائز ہے۔ اور یہاں آیت کریمہ میں عطف ہے اور تم نے جو مثالیں پیش کی ہیں یہ عطف کی ماسوا ہیں (چونکہ مصنف شیعہ تھا اس وجہ سے اس نے یہ ضابطہ لکھا) لیکن اس ضابطے کو محققین نے تسلیم نہیں کیا بلکہ کہتے ہیں کہ اس میں تعمیم ہے) آپ کا یہ محض دعویٰ ہے اور دلیل اس پر جر جوار عطف غیر عطف دونوں صورتیں میں جائز ہے چنانچہ قرآن مجید میں آیت کریمہ ہے وحور عین ایک قرات وحور ہے جر کے ساتھ۔ اس کو مجرور پڑھا گیا ہے۔ وکاس من معین کے پڑوس کی وجہ سے اگر اس کا عطف کریں واباریق وکاسٍ پر تو معنی صحیح نہیں بنتا۔ تو اس کا عطف یطوف علیھم ولدان پر ہوگا لیکن اس کو مجرور پڑا گیا ہے کاس کے جوار کی وجہ سے یہ مقام عطف ہے۔ دوسری مثال یرسل علیکما شواظ من نار ونحاس الخ ایک قرات میں جر ہے۔ اور اسی طرح سبعہ معلقہ میں جو پہلا معلقہ ہے امراء القیس کا اس میں بھی بعض اشعار ایسے ہیں جن میں جر جوار ہے۔ عبدالرسول نے پس یہ قاعدہ محض مذہبی تعصبی بناء پر بیان کیا ہے۔ الغرض ہم قطعاً اس کو تسلیم نہیں کرتے غیر عطف کے ساتھ جر جوار کا جائز ہونا مخصوص ہے۔ بلکہ عطف میں بھی جائز ہے۔
تیسرے اعتراض کا جواب (۱)۔ جب قرینہ دافعۃ الالتباس موجود ہو تو جر جوار جائز ہے اور یہاں قرینہ دافعہ موجود ہے اور وہ دو ہیں (۱) الی الکعبین یہ تو متعین ہے کہ مسح مقید بالغایہ نہیں بلکہ غسل مقید بالغایہ ہے۔ (۲) یہ سورۃ مائدہ کی آیت ہے یہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور تقریباً دس بارہ برس پہلے نمازیں ہوتی رہیں اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے نمازیں بلا وضو تو نہیں تھیں جیسا کہ حدیثوں میں مذکور ہے تو معلوم ہوا کہ طریقہ وضوء کی تعلیم پہلے ہی دی گئی یہ وضوء کا طریقہ دس بارہ سال پہلے صحابہؓ کو معلوم تھا۔ تو جو چیز پہلے سے چلی آ رہی ہے۔ اس کے تعیین اور مراد میں کیا شبہ ہوسکتا ہے واضح رہے قرآء کا یہ اختلاف تلفظ کا ہے حکم کا نہیں جر کی صورت میں بھی حکم غسل رجلین کا ہے جبکہ موزے نہ پہنے ہوں۔
جواب-۲: ہم تسلیم کرلیتے ہیں کہ ارجلکم کا عطف روؤس پر ہے۔ عامل باء ہے جو معطوف علیہ میں عامل ہے وہی معطوف میں بھی ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں مسح کے دو معنے ہیں (۱) حقیقی معنی امرار الید المبتلة علی العضو (۲) معنی مجازی مسح بمعنی غسل خفیف یعنی بقدر ضرورت دھونے پر اکتفا کرنا۔ سوال۔ مسح بمعنی غسل خفیف ثابت ہے یا نہیں۔ جواب۔ طحاوی میں حدیث مذکور ہے جس میں ہے کہ حضرت علیؓ نے وضوء کیا مسح وجھہ و یدیہ (یعنی چہرے اور ہاتھوں کا مسح کیا) اس میں ید اور وجہ کے ساتھ مسح کا لفظ ہے بالاتفاق یہ مسح بمعنی غسل

خفیف کے ہے اس لئے کہ مسح علی الوجه کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے نیز کہا جاتا ہے محاورات عرب میں مسحت المطر الارض اور اسی طرح کہا جاتا ہے تمسحت الصلوٰۃ ای توضات للصلوٰۃ اب ہم کہتے ہیں کہ وامسحوا کا تعلق رؤس سے ہوا تو حقیقی معنی اور ارجل سے ہوا تو مجازی معنے مراد ہے باقی غسل خفیف کا حکم دینے کی وجہ یہ ہے کہ پاؤں دھونے سے پہلے آدمی پانی کو بچاتا ہے لیکن پاؤں پر آ کر چونکہ وضوختم کر رہا ہوتا ہے اس لئے یہ مقام اسراف ہے اس لئے حکم دیا کہ غسل خفیف کرو بقدر ضرورت پانی استعمال کرو۔

سوال: آپ نے جمع بین الحقیقت والمجاز کرلیا اور جمع بین الحقیقۃ والمجاز تو ممنوع ہے؟

جواب: یہاں جمع بین الحقیقت والمجاز لازم نہیں آتا اس لئے کہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز وہ ممنوع ہے جس میں ایک ہی لفظ سے معنی حقیقی بھی مراد لیا جائے اور معنی مجازی بھی مراد لیا جائے یہاں پر ایسا نہیں۔ بلکہ یہاں پر دو فعل ہیں ایک وامسحوا مذکور اور دوسرا وامسحوا محذوف ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے۔ وامسحو برؤسکم وامسحوا بارجلکم۔ ہم کہتے ہیں کہ حقیقی معنی وامسحوا مذکور سے مراد لے رہے ہیں اور مجازی معنی وامسحوا محذوف سے مراد لے رہے ہیں یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے قرآن میں ہے لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکری حتی تعلموا ماتقولون ولا جنباً او عابری سبیل الآیۃ اس میں لاتقربوا الصلوٰۃ کے اندر اجماع ہے کہ صلوٰۃ کا حقیقی معنی مراد ہے اور ولاجنباً کا اس پر عطف ہو رہا ہے اس پر اجماع ہے کہ یہاں مجازی معنی محل صلوٰۃ مراد ہے۔ صلوٰۃ کا تو اول حصہ میں حقیقی معنی اور اخیری حصہ میں مجازی معنی مراد ہے اس کو جمع بین الحقیقۃ والمجاز نہیں کہتے۔

جواب-۳: ارجلکم میں قراتیں حالتیں دو قراتیں ہیں۔ تخفف اور عدم تخفف۔ تخفف کا حکم (جر والی قراۃ میں) اور عدم تخفف کا حکم (نصب والی قراۃ میں) لیکن محققین نے اس کو پسند نہیں کیا اس لئے کہ محققین نے مسح علی الخفین کو حدیث سے ثابت کیا ہے آیت کریمہ سے نہیں نیز الی الکعبین کا لفظ اس کے مناسب نہیں۔

سوال: مغسولات کے ساتھ اس کو ذکر کیوں نہیں کیا گیا جب کہ ارجل کا حکم غسل تھا۔

جواب: عندالشوافع ترتیب کو بتلانے کے لئے اور عندالاحناف اسراف سے بچنے کیلئے مسح کے ساتھ مغسول کو ذکر کیا مقام اسراف کی وجہ سے۔

روافض کی دوسری دلیل عقلی: قیاس سے دیتے ہیں کہ وجود ماء کی صورت میں اعضاء وضوء اربعہ ہیں۔ وجه یدین رجلین سر اور عدم ماء کی صورت میں ان اعضاء اربعہ میں سے دو کا حکم ساقط ہو گیا اور ان کی جگہ مسح آیا اور دو کا حکم ساقط ہوا الی بدل۔ قیاس سے دیتے ہیں کہ عدم وجود ماء کی حالت میں رأس کا حکم ساقط ہو رہا ہے لاالی بدل اسی طرح ارجل کا حکم ساقط ہو رہا ہے لاالی بدل اس سے ایک قاعدہ معلوم ہوا کہ ''ہر وہ عضو جس کا حکم عدم وجود ماء کی حالت میں ساقط لاالی بدل ہو اس عضو کا حکم وجود مآء کی صورت میں مسح ہے'' جیسے رأس اور یہی علت ارجل میں بھی پائی جاتی ہے تو ارجل کا حکم مشابہ ہو گیا رأس کے حکم کے جب عدم وجود ماء کی حالت میں رجلین کا حکم رأس والا ہے تو وجود ماء کی حالت میں بھی رجلین کا حکم رأس والا ہوگا جو کہ مسح ہے لہذا رجلین کا حکم بھی مسح کا ہے۔ جواب۔ ہم قطعاً اس تلازم کو تسلیم نہیں کرتے کہ اگر کسی عضو کا حکم عدم وجود ماء کی حالت میں ساقط الی بدل ہو تو وجود ماء کی حالت میں اس کا حکم مسح ہو (یہ بصورت منع جواب ہے) اس لئے کہ مثلاً جنبی شخص کا حکم وجود ماء کی صورت میں وجہ اور یدان کا حکم ساقط ہوا الی بدل اور ان کے ماسوا بقیہ سارے بدن کا حکم ساقط ہوا الی بدل اور تم نے بتایا کہ کسی عضو کا حکم عدم وجود ماء میں ساقط لاالی بدل ہو تو وہ محسوس ہوتا ہے۔ لہذا جنبی ہونے کی صورت میں تمہارے نزدیک پورے جسم پر مٹی ملو حالانکہ ایسا نہیں۔ لہذا تمہارا ضابطہ درست نہیں۔

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهٖ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ. (رواه صحيح مسلم)

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے روایت ہے کہا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنی پیشانی کے بالوں اور پگڑی اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ مسئلہ مسح رأس اس پر تو اجماع ہے کہ مسح راس فرض ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنی مقدار فرض ہے اس میں تین قول ہیں (۱) **پہلا قول** احناف کے نزدیک ربع رأس فرض ہے (۲) **دوسرا قول** امام شافعیؒ کے نزدیک ادنیٰ مایطلق علیہ اسم المسح یعنی اتنی مقدار پر مسح فرض ہے جتنی مقدار پر مسح کا اطلاق ہو سکے پھر اس میں دو قول ہیں۔(۱) شعرۃ او شعرتین او ثلثۃ شعرات۔ محقق قول یہی ہے کہ تین بالوں کے بقدر بھی اگر مسح ہو جائے تو فرض ادا ہو جائے گا۔(۳) **تیسرا قول** امام مالک کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے۔(استیعاب رأس) سب حضرت کی دلیل آیت کریمہ **وامسحوا برؤسکم الایۃ** سے ہے۔

شوافع کا استدلال۔ اس آیت میں مسح کا حکم دیا گیا ہے اور مسح کہتے ہیں امرار الید المبتلۃ لھذا راس کی اتنی مقدار جس پر امرار الید المبتلۃ صادق آجائے تو اتنی ہی مقدار کا مسح فرض ہوگا۔ اور لہذا اگر تین بالوں کا بھی مسح ہو جائے تو اس پر امرار الید المبتلۃ صادق آتا ہے لہٰذا تین باتوں پر مسح فرض ہے۔

مالکیہ کا طریق استدلال۔ آیت کریمہ میں ممسوح رأس ہے اور رأس کہتے ہیں۔ منتھی قامۃ الانسان کے مجموعے کو۔ لہٰذا پورے عضو کا (پورے راس کا) مسح فرض ہوگا۔

احنافؒ کا طریقہ استدلال۔ احنافؒ کہتے ہیں راس اور مسح کو تو دیکھ لیا درمیان میں جو 'با' ہے اس کو تو دیکھو اور 'با' میں اصل یہ ہے کہ با آلے پر داخل ہوتی ہے اور آلہ سے اتنی مراد لی جاتی ہے جتنی مقدار سے ضرورت پوری ہو جائے۔ جیسے **مسحت بالحائط بالید** اس میں بایدپر داخل ہوئی ہے اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ پورا ہاتھ یعنی انگلیوں سے لے کر بغل تک سارا ہاتھ اور پورے عضو کے ساتھ دیوار کا مسح کیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف جتنی مقدار سے ضرورت پوری ہو گئی یعنی صرف ہاتھ کے ساتھ مسح کیا اس پر مسح کا اطلاق کیا اور اسی طرح **کتبت بالقلم** ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف جتنی مقدار قلم سے ضرورت پوری ہو گئی یعنی نب کی نوک سے اتنی مقدار کے ساتھ کتابت کی گئی۔ لیکن یہاں با محل پر داخل ہے۔ گویا کہ محل کو آلے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو جس طرح آلے کا بعض حصہ مراد ہے اسی طرح محل کا بھی بعض حصہ مراد ہوگا۔ اب اس بعض میں دو احتمال ہیں۔ **مبہم یا معین مبہم** تو ہو نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وجہ کو دھوتے وقت کچھ نہ کچھ بالوں کو پانی لگ جاتا ہے اس لحاظ سے تو مسح فرض ہونا ہی نہ چاہئے لامحالہ وہ بعض معین ہوگا اب وہ معین کونسا ہے ربع ہے سدس ہے خمس ہے ثلث ہے یا مکمل ہے۔ اس بعض کے افراد متعدد ہیں تو اس اعتبار سے آیت کریمہ مجمل ہے اور خبر واحد مجمل کیلئے مبین بن سکتی ہے لہذا حدیث مغیرہ مبین ہوئی اور اجمال کے لئے مبین خبر واحد حدیث مغیرہ بن شعبہؓ ہے۔ مقدار ناصیۃ مقدم رأس وغیرہ یہ تعبیریں ہیں ربع رأس کی لہذا ربع رأس فرض ہوگا۔

سوال: یا تو ناصیۃ پر بھی داخل ہے۔ اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ناصیہ کا بعض مراد ہو۔

جواب: اس حدیث کو مبین بنانے کے بجائے اس حدیث کو یہاں بنایا جائے جس میں ہے مسح مقدم رأسہ یہ مقدم رأس تعبیر ہے ربع راس کی اس حدیث کو قرینہ بنا کر ہم کہتے ہیں کہ یہاں با زائدہ اصل میں مسح ناصیۃ ہے اور ناصیۃ یہ تعبیر ہے ربع راس کی۔

سوال: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے سر کا مسح نہیں کیا بلکہ استیعاب کو ترک فرمایا۔ اگر بالفرض استیعاب فرض ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ترک نہ فرماتے مالکیہ کی طرف سے۔

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ پر بھی تو مسح کیا تمہیں نظر نہیں آتا۔ یہ عمامہ پر مسح اس لئے کیا تا کہ استیعاب ہو جائے باقی اس کا جواب من جانب الاحنافؒ آگے آئے گا۔ وہ یہ ہی کہ عمامہ والا مسح بدل ہے مسح راس کا۔

دوسرا مسئلہ عمامہ پر مسح کا کیا حکم ہے؟ محل نزاع یہ ہے کہ صرف عمامہ پر مسح کیا جائے (بدوں رأس کا مسح کرنے کے) تو یہ مسح علی الراس کے قائم مقام ہوگا یا نہیں۔ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ مسح علی العمامہ مسح علی الرأس کے قائم مقام نہیں ہوگا اور حنابلہ اس بات کے قائل ہیں کہ مسح علی العمامہ جائز ہے۔ یہ مسح رأس کے قائم مقام ہو جائے گا۔ بشرطیکہ مسح علی العمامہ یہ وضو کے بعد ہو۔ مسح علی الخفین کی طرح کہ جس طرح ایک مرتبہ طہارت

حاصل کرنے کے بعد خفین کو پہنا جاتا ہے پھر اگر ناقض وضو ہو جائے تو اس پر مسح کیا جاتا ہے۔اسی طرح یہاں پر بھی ایسے ہی ہے کہ پہلے سر پر مسح کرے پھر اگر ناقض وضو پایا جائے تو اسی کی وجہ سے عمامہ پر مسح کرے تو یہ مسح راس کے قائم مقام ہو جائے گا۔ پہلی دلیل یہی حدیث مغیرہ ہے۔

جواب اس حدیث کو مسح علی العمامہ کے مسئلے میں دخل نہیں ہے اس لئے کہ اس موقعہ پر فرض مسح کو ناصیہ پر مسح کرنے سے پورا ہو گیا تھا اور ہماری کلام تو صرف مسح علی العمامہ میں ہے۔لہٰذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں۔

دوسری دلیل۔ وہ احادیث ہیں جن سے حنابلہ استدلال کرتے ہیں یعنی جس میں صرف مسح علی العمامہ مذکور ہے۔ تو اس کا جواب **مسح علی العمامه** ابتداءِ اسلام میں تھا۔اب یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے۔اس کے لئے ناسخ آیت کریمہ **وامسحوا بروؤسکم** ہے۔

حدیث مغیرہ بن شعبہؓ کا دوسرا جواب ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار ناصیہ پر مسح کے بعد عمامہ کو درست کیا ہو اور رائی نے سمجھا ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح علی العمامہ کیا جس نے جیسے سمجھا ویسے ہی بیان کر دیا۔

تیسرا مسئلہ۔مسح علی الخفین کا ہے۔یہ غزوۂ تبوک کا قصہ ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپس آ رہے تھے تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ خدمت سرانجام دے رہے تھے اسی موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خفین پر مسح فرمایا۔باقی مسح علی الخفین والا مسئلہ مابعد میں آ جائے گا ان شاء الله۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تک ممکن ہوتا ہے دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے
فِيْ شَأْنِهٖ كُلِّهٖ فِيْ طُهُوْرِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ وَتَنَعُّلِهٖ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
اپنے سب کاموں میں اپنی طہارت میں، اپنا کنگھا کرنے میں اور جوتی پہننے میں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔جن کاموں میں یمین یسار متحقق ہو سکتا ہے ان میں ابتداء بالیمین فرماتے چنانچہ آگے بطور تمثیل کے تین اشیاء کا تذکرہ فرمایا وضو میں کنگھی کرنے میں اور جوتا پہننے میں یہ اشارہ کر دیا کہ سر سے لے کر پاؤں تک بدایت بالیمین ہونی چاہئے حتیٰ کہ سر منڈوانے میں بھی بدایۃ بالیمین ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ سر منڈوانے میں خالق کی دائیں جانب کا اعتبار ہوگا یا مخلوق کی جانب کا اعتبار ہوگا راجح یہ ہے کہ مخلوق کی دائیں جانب کا اعتبار ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَبِسْتُمْ وَاِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَأُوْا
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت تم لباس پہنو اور جب وضو کرو دائیں طرف سے شروع کرو۔
بِاَيَامِنِكُمْ. (رواه مسند احمد بن حنبل و ابوداؤد)
روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔فرمایا کپڑا پہننے کے وقت اور وضو کرنے کے وقت میں بھی دائیں جانب کو اختیار کرو یعنی دائیں جانب سے شروع کرو۔

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ
حضرت سعیدؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کا وضو نہیں جو نہیں ذکر کرتا اس پر اللہ کا نام۔
عَلَيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِيْ
روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے اور روایت کیا اس کو احمد اور ابو داؤد نے ابو ہریرہؓ سے اور دارمی نے

سَعِیۡدِ الۡخُدۡرِیِّ عَنۡ اَبِیۡهِ وَزَادَ فِیۡ اَوَّلِهٖ لَا صَلَاةَ لِمَنۡ لَّاوُضُوۡءَ لَهٗ)
ابوسعید خدریؓ سے اس نے اپنے باپ سے اور زیادہ کہا احمد وغیرہ نے اس کے اول میں کہ نہیں نماز اس شخص کیلئے جس کا وضو نہیں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں کاتب سے دو تسامح ہوئے ہیں۔ پہلا تسامح عن ابیه کا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عن ابی سعید الخدریؓ ہے اور دوسرا تسامح والدارمی الخ سے ہے کہ مشکوٰۃ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ لاصلوٰۃ لمن لاوضوء له کا سب محدثین نے اضافہ کیا ہے حالانکہ یہ اضافہ صرف دارمی نے کیا ہے۔

مسئلہ:۔ تسمیہ فی الوضوء کی حیثیت ۔ یہاں پر دو لفظ ہیں۔ (۱) تسمیہ یعنی مطلق ذکر اللہ کرنا اس میں کوئی کلمہ متعین نہیں (۲) بسملہ ای بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا۔ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ پہلا قول احناف کا ہے پھر اس میں احناف کے دو قول ہیں۔

قول اول تسمیہ مسنون ہے قول ثانی تسمیہ مستحب ہے صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور احنافؒ میں سے ابن ہمام کہتے ہیں کہ میرے نزدیک واجب ہے لیکن یہ ان کا تفرد ہے۔ دوسرا قول باقی ائمہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ یہ مستحب ہے۔ البتہ حنابلہ کو ایک روایت اور اہل ظواہر کا مذہب یہ ہے کہ فرض وواجب ہے۔ جمہورؒ اور احنافؒ کی دلیل ۔ دلیل (۱) اسی باب کی فصل ثالث کی آخری سے پہلے والی حدیث۔ حدیث ابو ہریرہ وابن مسعودؓ الخ ہے۔ ص ۴۷ اور بقیہ دلائل آگے حدیث کے تحت آرہے ہیں۔

وَعَنۡ لَقِیۡطِ بۡنِ صَبِرَةَؓ قَالَ قُلۡتُ یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ اَخۡبِرۡنِیۡ عَنِ الۡوُضُوۡءِ قَالَ اَسۡبِغِ الۡوُضُوۡءَ وَخَلِّلۡ
حضرت لقیط بن صبرہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے اے اللہ کے رسول مجھے وضو کے متعلق خبر دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
بَیۡنَ الۡاَصَابِعِ وَ بَالِغۡ فِیۡ الۡاِسۡتِنۡشَاقِ اِلَّا اَنۡ تَکُوۡنَ صَائِمًا.(رَوَاهُ اَبُوۡدَاؤُدَ وَ التِّرۡمِذِیُّ
فرمایا پورا وضو کرو۔ اپنی انگلیوں کے درمیان خلال کر اور ناک میں اچھی طرح پانی پہنچا مگر یہ کہ تیرا روزہ ہو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد ترمذی
وَالنِّسَائِیُّ وَرَوَی ابۡنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ اِلٰی قَوۡلِهٖ بَیۡنَ الۡاَصَابِعِ).
نسائی نے روایت کیا ہے ابن ماجہ اور دارمی نے بین الاصابع تک

تشریح: حاصل حدیث:۔ لقیط بن صبرۃ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وضو کے متعلق مجھے خبر دیجئے وضو سکھلایئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضوء کو کامل کر اور انگلیوں کا خلال اور ناک میں پانی پہنچا الا یہ کہ تو صائم ہو۔

سوال۔ بظاہر سوال جواب میں مطابقت نہیں اس لئے کہ سائل کا مقصد وضوء کے طریقہ کو معلوم کرنا ہے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسبغ الوضوء الخ جواب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے مقصد کو سمجھ کر جواب دیا سائل کا منشاء یہ تھا کہ مکملات وضوء کیا ہیں یعنی ایسی چیز بتلاؤ جس کے ذریعہ ما بہ الکمال وضو میں کمال پیدا ہو جائے تو جواب میں فرمایا اسبغ الوضوء کیونکہ صحابہ کے ہاں تو وضو کا طریقہ شائع ذائع تھا۔ اسباغ کی تین صورتیں جو ما قبل میں گزر چکی ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) مقدار فرض سے کچھ زائد حصہ دھونا۔ (۲) تین مرتبہ دھونا۔ (۳) مقدار فرض دھونا۔ یہ تینوں صورتیں ہو سکتی ہیں اور ایک چوتھی صورت چار مرتبہ دھونا یہ حرام ہے۔ ایک معنی استیعاب۔

دوسرا مسئلہ تخلیل بین الاصابع کا حکم۔ تخلیل بین الاصابع یہ بھی مکملات وضوء میں سے ہے۔ تخلیل اصابع کا طریقہ یہ ہے کہ ید یسریٰ کے بطن کو ید یمنیٰ کے ظہر پر رکھ کر فوق کی جانب سے انگلیوں کو انگلیوں میں داخل کیا جائے۔ اور رجلین کی اصابع کے خلال کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی خنصر کو پاؤں کی نچلی جانب سے اوپر کی طرف داخل کیا جائے۔ رجل یمنیٰ کی خنصر سے رجل یسریٰ کی خنصر تک۔

تیسرا مسئلہ تخلیل لحیہ کا کیا حکم ہے۔ مستحب یا مسنون یا واجب ہے پہلا قول۔ جمہور کے نزدیک تخلیل اصابع مسنون ہے اور مستحب ہے دوسرا قول۔ اہل ظواہر کے نزدیک تخلیل اصابع واجب ہے۔ اہل ظواہر کی دلیل یہی حدیث ہے جس میں خلل امر کا صیغہ ہے وجوب کیلئے ہے۔

جمہور کی طرف سے اس دلیل کا جواب (۱) یہ خلل کا امر استحباب کے لئے ہے نہ کہ وجوب کیلئے جواب (۲) اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ

امر وجوب کے لئے ہے تو پھر یہ اصابع منضمہ پر محمول ہے۔ یعنی جب پیدائشی طور پر انگلیاں ملی ہوئی ہوں اور عدم وصول ماء کا ظن غالب ہو تو اس صورت میں بالا جماع تخلیل اصابع واجب ہے اور اگر اصابع متفرقہ ہو تو یہ محمول ہے استحباب پر عام حالات میں جمہور مسنون ہونے کے قائل ہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ اَصَابِعَ يَدَيْكَ
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو وضو کرے اپنے ہاتھوں
وَرِجْلَيْكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)
اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر روایت کیا اس کو ترمذی نے اور روایت کیا ابن ماجہ نے اس کی مانند اور کہا ترمذی نے یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ صاحب مشکوٰۃ نے پہلے اصابع خلال کا ذکر کیا کی اصابع مراد ہیں بعد میں اس حدیث میں بتلا دیا کہ دونوں قسم کی انگلیاں مراد ہے تعمیم ہے خواہ رجل کی یا ید کی ہوں۔

وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍؓ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ اَصَابِعَ
حضرت مستورد بن شدادؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب وضو کرتے اپنے پاؤں کی انگلیوں کی چھنگلی کے ساتھ ملتے
رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهٖ. (رواہ الترمذو ابو داؤد و ابن ماجة)
(روایت کیا اس کو ترمذی ابو داؤد و ابن ماجہ نے)

تشریح: حاصل حدیث:۔ قولہ' یدلک ای یخلل ۔ یعنی اخلال کرتے تھے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ساتھ ۔ یدلک بمعنی یخلل پاؤں کی انگلیوں کا بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کے ساتھ خلال کرتے تھے۔ پاؤں کی انگلیوں کے درمیان۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ اَخَذَ كَفًّا مِنْ مَّاءٍ فَاَدْخَلَهٗ تَحْتَ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت وضو کرتے پانی کا ایک چلو لیتے اور اسے ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے پس خلال
حَنَكِهٖ فَخَلَّلَ بِهٖ لِحْيَتَهٗ وَقَالَ هٰكَذَا اَمَرَنِيْ رَبِّيْ. (رواہ ابوداؤد)
کرتے اس کے ساتھ اپنی ڈاڑھی کا اور فرمایا اس طرح مجھ کو میرے رب نے حکم دیا ہے۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث سے تخلیل لحیہ کا مسئلہ معلوم ہوا (باقی اس کا حکم کیا ہے)

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تخلیل لحیہ مسنون ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مستحب ہے۔ خلال کا طریقہ یہ ہے کہ پانی کا ایک چلو لیا جائے اس کو ٹھوڑی کی نچلی جانب سے اوپر کی جانب اصابع سے خلال کیا جائے۔

سوال۔ ھٰکذا امرنی ربی سے معلوم ہوا کہ تخلیل لحیہ واجب ہے۔ جواب۔ یہ امر مستحب ہے اس لئے کہ قرآن کے اندر اس کے علاوہ اور امور مستحبہ بھی تو ہیں۔ مقصد کہنے کا یہ تھا کہ قرآن کے علاوہ بھی وحی الٰہی مجھ پر نازل ہوتی ہے۔

وَعَنْ عُثْمَانَؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهٗ. (رواہ الجامع ترمذی، الدارمی)
حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہا کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی کا خلال کرتے۔ (روایت کیا اس کو ترمذی نے اور دارمی نے)

تشریح: حاصل حدیث۔ یہ حدیث امام ابو یوسفؒ کی تخلیل لحیہ مسنون ہونے کے بارے میں واضح دلیل ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ حَيَّةَؒ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ حَتّٰى اَنْقَاهُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا
حضرت ابوحیہؒ سے روایت ہے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا انہوں نے وضو کیا دونوں ہاتھ دھوئے یہاں تک کہ ان کو صاف کر دیا

وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ
پھر تین بارکلی کی تین بارناک میں پانی ڈالا تین بار منہ دھویا۔ دونوں ہاتھ کہنیوں تک تین بار دھوئے ایک بار اپنے سر کا مسح کیا پھر دونوں پاؤں ٹخنوں
فَضْلَ طَهُوْرِهٖ فَشَرِبَهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ طُهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
تک دھوئے۔ پھر کھڑے ہوئے بچا ہوا پانی لیا اس کو کھڑے ہو کر پی لیا پھر کہا میں نے پسند کیا میں تم کو دکھاؤں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواہ الجامع ترمذی والسنن نسائی)
وضو کیسے تھا۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور نسائی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہ حدیث احناف کے موافق ہے۔

مسئلہ مسح راس میں افراد ہے یا تثلیث ہے؟ احناف افراد کے قائل ہیں یہ حدیث باب امام صاحب کی دلیل ہے۔

دوسرا مسئلہ مضمضہ اور استنشاق میں فصل اولیٰ ہے یا وصل اولیٰ ہے۔ اس سے پہلے مضمضہ اور استنشاق کی کیفیت جانئے۔

مضمضہ واستنشاق کی کیفیت۔ مضمضہ واستنشاق کی پانچ کیفیات ہو سکتی ہیں۔ (۱) فصل بغرفۃ واحدۃ۔ ایک چلو سے تین دفعہ مضمضہ کر کے پھر اسی چلو سے تین بار استنشاق کیا جائے۔ (۲) وصل بغرفۃ واحدۃ ایک چلو سے ایک مضمضہ واستنشاق کیا جائے پھر اسی سے دوسرا مضمضہ واستنشاق پھر اسی سے تیسرا مضمضہ استنشاق کیا جائے۔ (۳) فصل بغرفتین ایک چلو سے تین دفعہ مضمضہ پھر دوسرے چلو سے تین دفعہ استنشاق کیا جائے۔ (۴) وصل بثلاث غرفات۔ ایک چلو سے ایک دفعہ مضمضہ واستنشاق۔ پھر دوسرے سے دوسری مرتبہ پھر تیسرے چلو سے تیسری مرتبہ۔ (۵) فصل بست غرفات۔ چھ چلو سے فصل کریں گے۔ تین چلوؤں سے تین دفعہ مضمضہ پھر تین چلوؤں سے تین دفعہ استنشاق۔

اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ پانچ صورتیں جائز ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ ان میں سے اولیٰ اور افضل کونسی صورت ہے۔ امام مالک وشافعی کی ایک ایک روایت یہ ہے کہ فصل بہتر ہے لیکن حنابلہ اور شافعیہ میں مختار یہ ہے کہ وصل بثلاث غرفات افضل ہے۔ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ فصل بست غرفات افضل ہے۔ باقی چاروں کے حکم میں فقہاء حنفیہ کی دو تعبیریں ہیں۔ ایک یہ کہ پانچوں کیفیات سے سنت ادا ہو جاتی ہے لیکن کمال سنت فصل بست غرفات سے ادا ہوگی۔ دوسری تعبیر یہ ہے کہ فصل بست غرفات سنت ہے۔ باقی چاروں جائز ہیں۔ پہلی تعبیر کے مطابق چار صورتوں میں سنت ادا ہو جاتی ہے۔ دوسری تعبیر کے مطابق ان چار صورتوں سے سنت ادا نہیں ہوگی۔ تعبیرات میں تعارض ہو گیا۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ دو سنتیں الگ الگ ہیں۔ ایک ہے مضمضہ واستنشاق کرنا یہ سنت ہے اور فصل سے مضمضہ واستنشاق کرنا یہ الگ سنت ہے۔ پہلی تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ چار صورتوں میں مضمضہ واستنشاق کی سنت ثابت ہو گئی اور دوسری تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ فصل والی سنت ادا نہیں ہوئی۔ پہلی تعبیر میں اور سنت کا اثبات ہے اور دوسری تعبیر میں نفی اور سنت کی ہے۔ فلا تعارض بینھما۔

قائلین وصل کی دلیل۔ قائلین وصل عبداللہ بن زید کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس کی بعض روایات میں لفظ ہیں "مضمض واستنشق من کف واحد"، بعض روایات میں لفظ ہیں۔ "مضمض واستنشق ثلثا" مضمضہ اور استنشاق دونوں کے بعد ایک مرتبہ ثلثا کہا جس سے بظاہر وصل ہی معلوم ہوتا ہے بعض روایات میں ہے "مضمضہ اور استنشاق دونوں کے بعد ایک مرتبہ ثلثا کہا جس سے بظاہر وصل ہی معلوم ہوتا ہے۔ بعض روایات میں ہے "مضمض واستنشق ثلثا بثلث غرفات من ماء"، بعض میں یہ لفظ ہیں "مضمض واستنشر ثلث مرات من غرفۃ واحدۃ" غرضیکہ عبداللہ بن زیدؓ کی حدیث کے یہ مختلف الفاظ وصل پر دلالت کر رہے ہیں۔

جوابات۔ اس حدیث کے قائلین فصل کی طرف سے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱) یہ عبارت تنازع فعلین کے باب سے ہے دراصل من کف واحد کا لفظ دو دفعہ تھا۔ ایک کو حذف کر دیا دوسرے پر اعتماد کرتے ہوئے

مضمض کے بعد من کف واحد محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ مضمض من کف واحدو اسنشق امن کف واحدۃ مضمضہ الگ چلو سے ہوا اور استنشاق الگ چلو سے۔ ایسے ہی ''مضمض من کف واحدو استنشق ثلثا'' میں مضمض اور استنشق دونوں فعلوں کا ثلثاً'' میں تنازع ہے ایک کا معمول محذوف مانا جائے گا تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ مضمض ثلثا و استنشق ثلثا اب یہ حدیث دال بروصل نہ رہی۔

(۲) من کف واحد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک ہی چلو لیا اس سے مضمضہ اور استنشاق کیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک ہی چلو سے پانی لیتے تھے۔ دو چلو نہیں استعمال فرماتے تھے یعنی ایک ہی ہاتھ استعمال کرتے تھے۔

(۳) من کف واحد کا مطلب یہ ہے کہ مضمضہ واستنشاق دونوں کیلئے دایاں ہاتھ ہی استعمال کیا تھا ہوسکتا تھا کہ کسی کو وہم ہوتا کہ استنشاق بائیں ہاتھ سے کیا ہو۔ اس شبہ کے ازالہ کیلئے فرمادیا من کف واحد کہ دونوں جگہ دایاں ہی استعمال کیا ہے۔

(۴) اگر مان لیا جائے کہ یہ حدیث وصل پر دلالت کررہی ہے۔ تب بھی یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں کیونکہ وصل جائز تو ہمارے ہاں بھی ہے گو افضل نہیں یہ حدیث بیان جواز پر محمول ہوسکتی ہے بلکہ حنفیہ کی دوسری تعبیر کے مطابق وصل سنت بھی ہے اگرچہ کمال سنت فصل ہی ہے۔

دلائل فصل۔ (۱) حافظ ابن السکنؒ نے اپنی صحیح میں شقیق بن سلمہ کی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کو وضو کرتے دیکھا اس روایت میں یہ لفظ بھی ہیں ''افردا المضمضة من الاستنشاق ثم قالا هكذا رأينا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يتوضأ''۔

(۲) سنن ابی داؤد میں طلحہ بن مصرف عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے اس میں یہ لفظ صراحۃً آرہے ہیں۔ ''ورايته يفصل بين المضمضة والاستنشاق'' اس سے صراحۃً فصل ثابت ہوا۔ (۳) معجم طبرانی میں طلحہ عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں یہ لفظ ہیں۔ مضمض ثلثا واستنشق ثلثا ويأخذ لكل واحدة ماء اً جديدا یہ فصل کی اور نیا پانی لینے کی صریح دلیل ہے۔ (۴) احادیث صحیحہ کثیرہ میں یہ لفظ آرہے ہیں۔ مضمض ثلثا واستنشق ثلثا۔ ہر ایک کے ساتھ ثلاثا کا لفظ الگ الگ ہے۔ ایسی روایتیں بظاہر فصل پر ہی دلالت کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ فصل راجح ہونا چاہئے اس لئے کہ ناک اور منہ دو الگ الگ عضو ہیں جیسے دوسرے اعضاء میں فصل کیا جاتا ہے ایسے ہی ان میں بھی فصل ہونا چاہئے۔

اس حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فضل طہور کو قائماً پیا۔

سوال: شرب قائماً کے بارے میں تو نہی آئی ہے جبکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرب قائم جائز ہے۔

جواب: جس طرح نہی عن الشرب قائماً سے ماء زمزم مستثنیٰ ہے اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی مستثنیٰ ہے۔ وجہ شرب قائماً سے پانی زیادہ پیا جاتا ہے یا برکت حاصل کرنے کے لئے کیونکہ یہ وضو للعبادت تھا تو اس سے بچا ہوا پانی بھی متبرک ہوگیا۔ یا اس وجہ سے کہ جسم میں بہت جلدی سرایت کرتا ہے نفوذ جلدی کرتا ہے۔ باقی جوابات ماقبل میں گزر چکے ہیں۔

وَعَنْ عَبدِ خَيْرٍؒ قَالَ نَحْنُ جُلُوسٌ نَنْظُرُ اِلَى عَلِيٍّ حِينَ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى فَمَلَأَ فَمَهُ
حضرت عبدخیرؒ سے روایت ہے کہا کہ ہم بیٹھے ہوئے حضرت علیؓ کے وضو کی طرف دیکھ رہے تھے جس وقت وضو کیا اپنا دایاں ہاتھ داخل کیا
فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَنَثَرَ بِيَدِهِ الْيُسْرٰى فَعَلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَنْظُرَ اِلَى
اپنا منہ بھرا پس کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑی تین مرتبہ اس طرح کیا۔ پھر فرمایا جس کو خوش لگے
طُهُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهٰذَا طُهُوْرُهٗ. (رواه دارمی)
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی طرف دیکھے پس یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے روایت کیا اس کو دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہاں راوی کا مقصد ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنے کی کیفیت کو بیان کرنا تھا اسی لئے اسی پر اکتفاء کیا۔ باقی وضو چونکہ معلوم تھا اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔

وَعَنْ عَبْدِاللہِ بْنِ زَیْدٍؓ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ کَفٍ

حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا

وَّاحِدٍ فَعَلَ ذٰلِکَ ثَلَاثًا۔ (رواہ ابوداؤد، الجامع ترمذی)

ایک چلو سے تین باراس طرح کیا۔روایت کیااس کوابوداؤد نے اور ترمذی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے کہ مضمضہ اور استنشاق میں وصل اولیٰ ہے اس حدیث کا جواب۔یہ بیان جواز کے لئے ایسا کیا یا وہم کا ازالہ کیا کہ شاید مضمضہ اور استنشاق میں دونوں ہاتھ الگ الگ استعمال کئے ہوں فرمایا نہیں ایک ہی ہاتھ سے دونوں کام کرنے چاہئے۔فعل ذالک ثلثا ای کل واحد ثلثا ای مضمضہ واستنشاق۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِہٖ وَاُذُنَیْہِ بَاطِنَہُمَا بِالسَّبَّابَتَیْنِ وَظَاھِرَھُمَا

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے بتحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر اور اپنے کانوں کے اندر شہادت کی دونوں انگلیوں سے اور کانوں کے

بِاِبْھَامَیْہِ۔ (رواہ السنن نسائی)

باہر کے حصے کا دونوں انگوٹھوں سے مسح کیا۔روایت کیااس کونسائی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔آپ نے باطن الاذنین کا مسح کیا مسبحتین کے ساتھ اور ظاہر الاذنین کا مسح کیا ابھامین کے ساتھ۔باطن الاذنین کانوں کا وہ حصہ جو وجہ کی جانب ہے اور ظاہر الاذنین کانوں کا وہ حصہ جو راُس کی جانب ہے معلوم ہوا دونوں کا حکم مسح ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے وضو میں کانوں کا حکم۔وضو میں کانوں کا کیا حکم ہے۔دھونا ہے یا مسح کرنا؟ اگر مسح ہے تو اس کی کیا کیفیت ہے؟ اس میں اختلاف ہوا ہے۔زہری کا مسلک یہ ہے کہ سارے کانوں کو دھونا چاہئے چہرے کے دھونے کے وقت عامر شعبی کے نزدیک ما اقبل من الاذنین کو چہرے کے ساتھ دھونا ہے اور ما ادبر من الاذنین کا مسح ہوگا سر کے مسح کے ساتھ۔اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ پورے کان کا مسح کرنا چاہئے لیکن ما اقبل کا مسح چہرے کے وقت ہوگا اور ما ادبر کا مسح سر کے مسح کے ساتھ ہوگا۔ائمہ اربعہ اور جمہور کے ہاں کانوں کا مسح کرنا اور سر کے مسح کے ساتھ کرنا ہے۔اختلاف اس میں ہے کہ کانوں کے مسح کیلئے ماء جدید لینا چاہئے یا نہیں؟

اس میں نقل مذاہب میں بھی اختلاف ہے۔(۱) بعض کتابوں میں یوں اختلاف نقل کیا ہے۔حنفیہ کے نزدیک ماء جدید نہ لیا جائے۔ سر والا پانی کافی ہے۔ائمہ ثلاثہ کے ہاں ماء جدید لینا چاہئے۔(۲) بعض نے یوں نقل کیا ہے شافعیہ کے ہاں ماء جدید لیا جائے۔باقی آئمہ ثلاثہ کے ہاں نہ لیا جائے۔(۳) بعض نے یوں نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے ہاں ماء جدید نہ لیا جائے۔امام احمد و شافعی کے ہاں لیا جائے۔(۴) حضرت شیخ الحدیث سہارنپوریؒ نے اوجز المسالک میں حوالہ جات ذکر کر ترجیح اس بات کو دی ہے کہ امام احمد اور امام ابو حنیفہ ایک طرف ہیں اور امام مالک اور شافعی دوسری طرف۔

دلیل حنفیہ۔حدیث ابی امامۃ حنفیہ کی دلیل ہے اس میں حکم شریعت بتاتا ہے کہ کانوں کا حکم وہی ہے جو سر کے حصوں کا ہے جیسے سر کے بعض حصوں کیلئے ماء جدید نہیں لیا جاتا تو کانوں کیلئے بھی نہیں لیا جائے گا۔حنفیہ کی اس دلیل پر کچھ اعتراضات کئے گئے ہیں جن کو یہاں مع جواب نقل کیا جاتا ہے۔(۱) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں بیان حکم شریعت نہیں فرمانا چاہتے بلکہ بیان خلقت مقصود ہے۔

جواب-۱: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شارع ہیں خلقت بیان کرنا آپ کا موضوع نہیں۔حکم شریعت بیان کرنا آپ کا مقصد ہے۔

جواب-۲: بیان خلقت ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں خفاء ہو اور کانوں کی خلقت سر سے ہونا یہ تو امر محسوس و مشاہد ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔(۲) اگر مان لیں کہ بیان حکم مقصود ہے لیکن یہ نہیں بتانا چاہتے ہیں کہ ایک ہی پانی کافی ہے بلکہ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ جیسے سر کا مسح

ہے ایسے ہی کانوں کا بھی مسح ہوگا۔ جواب :۔ حدیث کے الفاظ تمہارا ساتھ نہیں دیتے۔ اگر یہ بات کہنی ہوتی کہ کانوں کا مسح کرو تو یوں کہنا چاہئے تھا۔ "الاذنان مثل الرأس" اگر دو عضو حکم میں ایک دوسرے کے شریک ہوں تو ایک کو دوسرے کا مثل تو کہہ سکتے ہیں لیکن جز نہیں کہہ سکتے ہیں پاؤں اور چہرہ حکم غسل میں شریک ہیں۔ ان کو الوجہ مثل الرجلین تو کہہ سکتے ہیں۔ الوجہ من الرجلین نہیں کہہ سکتے کیونکہ من جزئیت بتانے کیلئے ہوتا ہے۔ (۳) یہ جملہ مرفوع نہیں ہے حماد کہتے ہیں کہ لا ادری هذا من قول النبی صلی الله علیه وسلم او من قول ابی امامة۔ جواب یہ جملہ حضرت ابوامامہ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہؓ کی حدیث میں آرہا ہے اور اس کو مرفوع کر کے پیش کیا ہے حافظ جمال الدین زیلعی نے نصب الرایہ میں اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ الاذنان من الرأس والے قول کو آٹھ صحابہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

(۱) حضرت ابوامامۃ۔ (۲) عبداللہ بن زید۔ (۳) ابن عباس۔ (۴) ابوہریرہ۔ (۵) انس۔ (۶) ابوموسیٰ الاشعری۔ (۷) ابن عمر۔

(۸) عائشہ۔ ان آٹھ صحابہؓ کی حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فعلی حدیث بھی نقل کی ہے جو اس قولی حیدث کی مؤید ہے ان سے حضرت کا قول الاذنان من الرأس نقل کیا گیا ہے۔ ان سب حدیثوں میں سب سے زیادہ اصح عبداللہ بن زیدؓ کی حدیث ہے۔ حافظ زیلعی نے چار صحابہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل ثابت ہوتا ہے کہ کانوں کے مسح کیلئے نیا پانی نہیں لیا تھا وہ چار حدیثیں یہ ہیں۔

(۱) حدیث ابن عباس۔ (۲) حدیث ربیع بنت معوذ۔ (۳) حدیث صنابحی۔ (۴) حدیث علی۔ اس لئے اتنی احادیث سے ثبوت مل جانے کے بعد رفع میں تردد نہ ہونا چاہئے۔

وَعَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّهَارَاتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ قَالَتْ فَمَسَحَ رَأْسَهُ مَا اَقْبَلَ
حضرت ربیعؓ بنت معوذ سے روایت ہے اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وضو کرتے ہیں اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح
مِنْهُ وَمَا اَدْبَرَ وَصُدْغَيْهِ وَاُذُنَيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَفِي رِوَايَةٍ اَنَّهُ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِي جُحْرَيْ اُذُنَيْهِ
کیا اگلی جانب سے اور پچھلی جانب سے اور اپنی کنپٹیوں کا اور دونوں کانوں کا۔ ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اپنی دونوں
رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَى التِّرْمَذِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ الثَّانِيَةَ
انگلیاں کانوں کے سوراخ میں ڈالیں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور روایت کیا ترمذی نے پہلی روایت کو اور احمد اور ابن ماجہ نے دوسری کو

تشریح: حاصل حدیث :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کا مسح فرمایا آگے سے اور پیچھے سے اور اپنی کن پٹیوں کا مسح فرمایا اور کانوں کا ایک مرتبہ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں کے سوراخ میں داخل کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح راس میں استیعاب فرمایا۔ اس کا جواب (یہ استحباب پر محمول ہے) یا بطور فضیلت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَعَنْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍؓ اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَاَنَّهُ مَسَحَ رَأْسَهُ بِمَاءٍ غَيْرِ
حضرت عبداللہؓ بن زید سے روایت ہے کہا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے ہیں اور مسح کیا اپنے سر کا اس
فَضْلِ يَدَيْهِ. (رواه صحيح مسلم)
پانی سے جو ہاتھوں سے بچا ہوا نہ تھا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور روایت کیا مسلم نے کچھ زیادتی سے

تشریح: حاصل حدیث :۔ حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو فرماتے ہوئے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی کے علاوہ کے ساتھ سر کا مسح کیا۔ مسئلہ: مسح راس کیلئے ماء جدید لینا ضروری ہے یا ضروری نہیں۔

قول اول: ۔ احنافؒ کے نزدیک ماء جدید لینا ضروری نہیں اگرچہ اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ ماء جدید لیا جائے لیکن اگر ہاتھوں پر بچے ہوئے پانی کے ساتھ مسح کر لیا تو فرض ادا ہو جائے گا۔ **قول ثانی** امام شافعی کے نزدیک ماء جدید لینا ضروری ہے یہ حدیث شوافعؒ کے موافق

ہے اور بظاہر احناف ؒ کے خلاف ہے۔ اس لئے حدیث مذکور کے جوابات احناف نے دیئے ہیں۔

جواب-۱: یہ افضلیت پر ہے اس سے ماء جدید کی شریعت معلوم نہیں ہوتی۔ اتنا معلوم ہوا کہ ماً جدید لیا تو یہ بیان افضلیت کے لئے لیا۔

جواب-۲: بعض روایات میں لفظ یوں ہیں بماء غیر فضل یدیہ (غیر کے لفظ نہیں) اس صورت میں فضل یدیہ کی ترکیب میں تین احتمال ہیں۔

۱-فضل یدیہ بدل ہو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ انہوں نے مسح کیا بچے ہوئے پانی سے مسح کیا۔ یعنی ہاتھوں کے بچے ہوئے پانی سے۔ لہٰذا یہ احناف کی دلیل بنے گی۔

۲-فضل یدیہ یہ خبر ہو مبتدا محذوف کی تقدیری عبارت یوں ہوگی فضل یدیہ۔ معنی یہ ہوگا کہ آپ نے سر کا مسح کیا باقی ماندہ پانی سے اور وہ باقی ماندہ پانی ہاتھوں کا بچا ہوا پانی تھا۔

۳-یہ مفعول بہ ہو اعنی فعل محذوف کا۔ معنی یہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح کیا باقی ماندہ پانی سے۔ (میں مراد لیتا ہوں باقی ماندہ پانی سے ہاتھوں کے پانی کو) ان تینوں صورتوں میں بماء غیر فضل یدیہ والی حدیث احناف کی مستدل ہوجائے گی الحدیث یفسر بعضہ کے تحت الخ۔

عقلاً سر کے مسح کی چار صورتیں بنتی ہیں۔ (۱) ماء جدید کے ساتھ سر کا مسح ہو (۲) ہاتھوں پر بچی ہوئی تری کے ساتھ ہو (۳) کسی اور عضو مغسول سے تری لے کر سر کا مسح ہو (۴) عضو ممسوح سے تری لے کر مسح کیا جائے۔ پہلی صورت بالاجماع جائز ہے تیسری اور چوتھی صورت بالاجماع ناجائز ہے۔ دوسری صورت محل نزاع ہے۔

وَعَنْ اَبِی اُمَامَۃَ ذَکَرَ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَکَانَ یَمْسَحُ الْمَاقَیْنِ وَقَالَ
حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملتے تھے آنکھوں کے کو
اَلْاُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَذَکَرَا قَالَ حَمَّادٌ لَا اَدْرِیْ اَلْاُذُنَانِ مِنَ
یوں کو اور کہا کان سر میں سے ہیں۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے اور ابوداؤد نے اور ترمذی نے اور ان دونوں نے ذکر کیا حماد نے کہا میں نہیں
الرَّأْسِ مِنْ قَوْلِ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَمْ مِنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
جانتا کہ الاذنان من الراس ابوامامہ کا قول ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت ابوامامہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کی کیفیت ذکر فرماتے ہوئے کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں آنکھوں کے دو کناروں کا مسح کیا اور فرمایا کہ کان راس سے ہیں۔

مسئلہ:۔ اذنین کے مسح کیلئے ماء جدید ضروری ہے یا نہیں۔

قول اول:۔ احناف ؒ کے نزدیک بغیر ماء جدید لئے ہوئے اسی پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کرنا جو سر کے مسح کے لئے لیا ہو یہی مسنون ہے۔ قول ثانی شوافعؒ کے نزدیک ماء جدید سے سنت ادا ہوگی۔ وگرنہ سنت ادا نہ ہوگی۔ دلائل۔ احناف ؒ کی دلیل یہی حدیث ابوامامہؓ ہے الاذنان من الراس کان سر کا حصہ ہیں۔ جس طرح سر کے بقیہ حصص کے لئے ماء جدید کی ضرورت نہیں اسی طرح کانوں کے مسح کے لئے بھی ماء جدید کی ضرورت نہیں چونکہ یہ حدیث احناف ؒ کے موافق ہے۔ صاحب مشکوٰۃ احناف کی اس دلیل پر اعتراضات کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض قال الحماد سے حماد کے قول سے نقل کررہے ہیں اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ حماد فرماتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یا ابوامامہؓ کا قول ہے۔ اس میں دونوں احتمال ہیں۔ پہلا احتمال۔ دوسرے قال کا عطف پہلے قال پر ہو تو ابو امامہ کا قول ہے۔ دوسرا احتمال۔ دوسرے قال کا عطف کان پر ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے حدیث کے موقوف و مرفوع ہونے میں احتمال پیدا ہوگیا اس لئے اس حدیث سے استدلال تام نہیں۔

دوسرا اعتراض۔ اس میں ایک راوی شہر بن خوشب ہیں جوضعیف ہیں۔

تیسرا اعتراض: الاذنان من الراس محمول ہے بیان خلقۃ پر یعنی خلقۃً پیدائشی طور پر کان کا تعلق سر کے ساتھ ہے۔

چوتھا اعتراض: الاذنان من الراس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کان اور سر کو ملا کر چوتھائی حصے کا مسح کرلیا تو مقدار فرض کا مسح ہونا چاہئے حالانکہ تم بھی کہتے ہو کہ نہیں ہوتا۔

اعتراضات کے جوابات۔ **پہلے اعتراض کا جواب** الاذنان من الراس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہونا متعین ہے دلیل تعیین سنن ابن ماجہ میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الاذنان من الراس مبہم کو مفسر پر محمول کرلو۔ الحدیث یفسر بعضہ خلاصہ جواب کا یہ ہوا کہ یہاں دوسرا احتمال مراد ہے۔ **دوسرے اعتراض کا جواب۔** شہر بن خوشب کے علاوہ بہت سی سندوں سے ثابت ہے جن میں سے کوئی سند بھی متخلل نہیں۔ **تیسرے اعتراض کا جواب۔** یہ بیان حکمت ہے نہ کہ بیان خلقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت احکام خلقت کو بیان کرنے کے لئے نہیں ہوئی بلکہ احکام تشریعی کو بیان کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ **چوتھے اعتراض کا جواب۔** کانوں کا راس کا حصہ ہونا دلیل ظنی سے ثابت ہے اور سر کے مسح کا فرض ہونا دلیل قطعی سے ثابت ہے اس کے لئے ایسا محل ہونا چاہئے جو دلیل قطعی سے ثابت ہو۔

وَعَنْ عَمْرِوؓ ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهٗ
حضرت عمروؓ بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہا ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ
عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ وَ تَعَدّٰى وَظَلَمَ
علیہ وسلم سے وضو کے متعلق دریافت کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین تین بار اعضا کا دھونا سکھایا۔ پس کہا وضو اس طرح ہے جو شخص زیادہ
(رواہ السنن نسائی و ابن ماجۃ وروی ابوداؤد و معناہ)
کرے اس پر تحقیق اس نے برا کام کیا اور تعدی کی ظلم کیا۔ روایت کیا ہے اس کو نسائی نے اور ابن ماجہ نے اور روایت کیا ہے ابوداؤد نے معنی اس کا

تشریح: حاصل حدیث:۔ **قولہ' فاراہ ثلثا ثلث** یہ مسح راس کے ماسوا اعضائے مغسولہ کے بارے میں ہے اس پر قرینہ وہ روایت ہیں جن میں مسح کے بعد مرۃ کے لفظ ہیں۔ **فمن زاد علی ھذا فقد اساء و تعدیٰ۔**

سوال۔ بعض روایات میں اونقص کے الفاظ بھی ہیں اس صورت میں اشکال ہوگا کہ تین مرتبہ سے کم اعضاء مغسولہ کو دھونا بھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو پھر **او نقص فقدا ساء و تعدی** کا ترتب کیسے صحیح ہوگا۔

جواب۔ صحیح حدیث یہی ہے جس میں صرف **فمن زاد** کے الفاظ ہیں۔ یا اس کو اونقص میں تاویل کرلو۔ (۱) مقدار فرض سے کم مسح کیا فقد اساء (۲) ثلث مرات کو سنت نہ سمجھنا کہ فقد اساء و تعدیٰ۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْمُغَفَّلِؓ اَنَّهٗ سَمِعَ ابْنَهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ الْقَصْرَ الْاَبْيَضَ عَنْ يَمِيْنِ الْجَنَّةِ
حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ اس نے سنا اپنے بیٹے کو کہہ رہا ہے اے اللہ میں تجھ سے سفید محل جو جنت کی دائیں جانب ہو مانگتا ہوں
قَالَ اَىْ بُنَىَّ سَلِ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَتَعَوَّذْ بِهٖ مِنَ النَّارِ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ
کہا اے بیٹے اللہ سے جنت مانگ اور اس کے ساتھ آگ سے پناہ پکڑ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے تحقیق
اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِىْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَوْمٌ يَّعْتَدُوْنَ فِى الطُّهُوْرِ وَالدُّعَآءِ. (رواہ مسند احمد بن حنبل و ابوداؤد ابن ماجۃ)
اس امت میں ایک جماعت ہوگی جو طہارت اور دعا میں زیادتی کریں گے۔ (روایت کیا اس کو احمد نے اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے)

تشریح: حاصل حدیث:۔ **قولہ' عن یمین الجنۃ۔** وسط جنۃ کے اعتبار سے نہ کہ خارج کے اعتبار سے ہے۔

قولہ' اعتداء فی الطھور تین مرتبہ سے زائد ہر عضو کو دھونا اعضائے مغسولہ میں سے یہ اسراف ہے۔ اور یہ جائز نہیں **اعتداء فی**

الدعاء جنت کی دائیں جانب قصرابیض یہ ایک ایسا مقام ہے جس کوانسان اپنے عمل کی وجہ سے حاصل نہیں کرسکتا۔اس لئے یہ مخصوص ہے انبیاء کے ساتھ اور ظاہر ہے کہ ایسا سوال کرنا اعتداء فی الدعاء ہے۔ **جواب-۱:** لیکن یہ تقریر تب ہی چل سکتی ہے جب دلائل سے یہ ثابت ہو جائے کہ قصرابیض ہے اور مخصوص بالانبیاء ہے۔ **جواب-۲:** کیا معلوم بغیر مانگنے کے اللہ تعالیٰ نے جو مراتب عطا کرنے ہوں وہ مانگے ہوئے مراتب سے ہزاروں گنا زیادہ ہوں ایسی صورت میں تخصیصات کا سوال کرنا اپنا ہی نقصان کرنا ہے۔ **جواب-۳:** **سدالباب الفساد** منع فرمایا۔ **اعتداء فی الدعاء** کی اور صورتیں بھی ہیں۔حد سے زیادہ شور مچانا اشعار پڑھنا مقفی مسجع دعا کرنا بتکلف وغیرہ۔

وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَيْطَانًا يُقَالُ لَهُ الْوَلْهَانُ فَاتَّقُوْا
حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا وضو کا ایک شیطان ہے جس کا نام ولہان ہے۔
وَسْوَاسَ الْمَآءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ
پانی کے وسواس سے بچو۔روایت کیا اس کو ترمذی نے اور ابن ماجہ نے اور کہا ترمذی نے یہ حدیث غریب ہے اہل حدیث کے نزدیک اس کی سند
بِالْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ لِاَنَّا لَا نَعْلَمُ اَحَدًا اَسْنَدَهٗ غَيْرَ خَارِجَةَ وَهُوَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَاَصْحَابِنَا
قوی نہیں ہے۔اس لئے کہ ہم کسی کو نہیں جانتے کہ خارجہ کے سوا اس کو کسی نے مرفوع بیان کیا ہو اور وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے

تشریح: حاصل حدیث:۔کا یہ ہے کہ ایک شیطان مخصوص ہے جو وضو کے دوران وسوسہ اندازی کرتا ہے اس کا نام ولہان ہے ولہان ولہ یلہ سے لیا گیا ہے اس کا معنی ہے متحیر کرنا۔یہ شیطان ایسا ہے جو وضو کرنے والے کو متحیر کر کے رکھ دیتا ہے اس لئے اس کا لقب ہی ولہان ہے۔اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان کے وساوس سے بچو۔سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی کے وسوسے سے بچو یہ تو منطبق نہیں ہوتا اس لئے کہ موسوس تو شیطان ہے نہ کہ پانی۔ جواب۔اس کا مطلب یہ ہے کہ بچو شیطان کے ان وسوسوں سے جو وسوسے سبب ہیں پانی کو کثرت سے استعمال کرنے کے (کیونکہ وساوس شیطانی مفضی ہوتے ہیں کثرت استعمال ماء کی طرف اس لئے ادنی مناسبت کی وجہ سے اس کی نسبت ماء کی طرف کردی) باقی حدیث پر سنداً کلام کی گئی ہے ہم کہتے ہیں قول ابی بن کعب کا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سنا ہوگا۔نیز فضائل میں بشرائط ضعیف حدیث قابل استدلال ہے۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِطَرَفِ
حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جس وقت وضو کرتے اپنے منہ کو کپڑے کے کنارے سے
ثَوْبِهٖ. (رواہ الجامع ترمذی)
پونچھتے۔روایت کیا اس کو ترمذی نے

تشریح: حاصل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضوء کرنے کے بعد اعضاء وضو کو کپڑے سے صاف کر لیتے معلوم ہوا کہ تولیہ رومال وغیرہ کے ساتھ منہ وغیرہ صاف کرنا جائز ہے (باقی اس کی شرعی حیثیت کیا ہے) اس کی تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَؓ قَالَتْ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِرْقَةٌ يُنَشِّفُ بِهَا اَعْضَاءَهٗ بَعْدَ الْوُضُوْءِ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کپڑا تھا اس کے ساتھ وضو کے بعد اپنے اعضا پونچھتے۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ بِالْقَائِمِ وَاَبُوْ مُعَاذِنِ الرَّاوِيُّ ضَعِيْفٌ عِنْدَاَهْلِ الْحَدِيْثِ.
روایت کیا اس کو ترمذی نے کہا یہ حدیث قوی نہیں ہے۔ابومعاذ راوی اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے

تشریح: حاصل حدیث:۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے تولیہ رومال وغیرہ سے اعضاء کو صاف کرنا پونچھنا مباح ہے۔

باقی سنداً کلام ہے مضمون ضعیف نہیں اور روایات سے مضمون ثابت ہے۔

مسئلہ وضوکے بعد کپڑا استعمال کرنے کا حکم۔ یعنی وضو کے بعد کسی کپڑے رومال وغیرہ سے وضو کا پانی پونچھنا جائز ہے کہ نہیں اس میں اختلاف ہے۔ پہلا قول احنافؒ اور جمہور علماءؒ کے نزدیک وضو اور غسل دونوں کے بعد رومال وغیرہ سے پانی خشک کرنا بقول شامی مستحب ہے اور بقول قاضی خان مباح ہے یعنی نہ مستحب نہ مکروہ اور یہی قول معتمد علیہ اور حق ہے دوسرا قول امام شافعیؒ کے نزدیک خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

احناف کے دلائل۔ دلیل (۱) حدیث باب ہے۔

دلیل (۲) حدیث عائشہؓ قالت كان لرسول الله صلے الله عليه وسلم خرقة ينشف بها اعضاء ه' بعد الوضوء (رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۴۷ ج ۱)

دلیل (۳) حدیث سلمان فارسیؓ ان النبی صلے الله عليه وسلم توضأ فقلب جبة كانت عليه و مسح بهاوجهه' (رواہ ابن ماجۃ)

دلیل ثانی پر اعتراض قال الترمذی هذا حديث ليس بالقائم وابومعاذ الراوی ضعیف عنداهل الحديث (مشکوٰۃ ص ۴۷ ج ۱)
یعنی امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے۔ جواب فضائل میں ضعیف حدیث حجت اور معتمد علیہ ہے۔

شوافع حضرات کے دلائل۔ دلیل اول حدیث میمونہؓ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا تو حضرت میمونہؓ نے غسل کے بعد بدن خشک کرنے کیلئے رومال پیش کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرمادیا اور پھر بدن کے پانی کو ہاتھوں سے جھاڑنے لگے متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۴۸ ج ۱)

امام شافعی کی دلیل کے جوابات۔ جواب-۱: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رومال کو رد فرمانا کسی عذر کی وجہ سے تھا مثلاً یہ کہ گرمی کی وجہ سے ٹھنڈک کا حاصل کرنا مقصود ہو یا کسی کام کی وجہ سے جلدی ہوگی اس تاویل کا قرینہ علاوہ دلائل مذکورہ کے یہ ہے کہ حضرت میمونہؓ کا رومال پیش کرنا اس کے معمول ہونے پر دال ہے۔

جواب-۲: بیان جواز کے لئے رد فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں عمل فرمائے تاکہ جواز امرین معلوم ہو جائے۔

دلیل ثانی عن انسؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يكن يمسح و جهه' بالمنديل بعد الوضوء ولا ابوبكرؓ ولا عمرؓ ولا علیؓ ولا ابن مسعودؓ كتاب الناسخ والمنسوخ لابن شاهين. کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کے بعد اپنے چہرے کو رومال کے ساتھ صاف نہیں فرماتے تھے اور نہ خلفاء اربعہ اور ابن مسعودؓ نے وضو کے پانی کو خشک فرمایا۔ اس دلیل کا جواب حافظ ابن حجر شافعی فرماتے ہیں اسناده' ضعيف بذل المجهود (ص ۱۰۰ ج ۱۰)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

وَعَنْ ثَابِتِ ابْنِ اَبِی صَفِيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ جَعْفَرٍ هُوَ مُحَمَّدُ الْبَاقِرُ حَدَّثَکَ جَابِرٌ اَنَّ النَّبِیَّ

حضرت ثابتؓ بن ابی صفیہ سے روایت ہے کہا کہ میں نے ابوجعفر محمد باقر سے پوچھا کیا جابرؓ نے تم کو حدیث بیان کی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ مَرَّةً مَرَّةً وَمَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ. (رواه الجامع ترمذی و ابن ماجة)

ایک ایک بار اور دو دو بار اور تین تین بار وضو کیا فرمایا ہاں روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ محدثین کے ہاں طریقہ یہ ہوتا ہے کہ تلمیذ اپنی سند کو عالی بنانے کے لئے اپنے شیخ سے یہ پوچھتا ہے کہ آپ نے فلاں محدث سے یہ حدیث سنی ہے اگر وہ نعم کہہ دے تو اس کی سند عالی بن جاتی ہے کیونکہ اس کے واسطے کم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہاں ثابت بن ابی صفیہ نے ابوجعفر سے سوال اس لئے کیا تاکہ میری سند عالی ہو جائے ثابت کا اپنی سند کو عالی بنانا واسطوں کو کم کرنا ہے۔ یہی حدیث ان کو معلوم ہوگی لیکن کئی واسطوں سے اب ابوجعفر سے سوال کرنے کی وجہ سے واسطے کم ہو گئے۔ اب صرف دو واسطے رہ گئے جابر اور ابوجعفر کا۔

وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ زَیْدٍؓ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ مَرَّتَیْنِ مَرَّتَیْنِ وَقَالَ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ.

حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مرتبہ وضو کیا اور فرمایا یہ نور ہے اوپر نور کے

تشریح: حاصل حدیث:۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ اعضاء وضو کو دھویا تو اس سے فرض ادا ہوا اور وہ ایک نور ہوا پھر اس کے بعد جب دوسری مرتبہ دھویا تو سنت ادا ہوئی اور چونکہ یہ بھی نور ہے اس لئے نور کے اوپر نور فرمایا۔

وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَقَالَ هٰذَا وُضُوْئِیْ

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین مرتبہ وضو کیا اور فرمایا یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا

وَوُضُوْءُ الْاَنْبِیَاءِ قَبْلِیْ وَوُضُوْءُ اِبْرَاهِیْمَ رَوَاهُمَا رَزِیْنٌ وَالنَّوَوِیُّ ضَعَّفَ الثَّانِیَ فِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ.

وضو ہے اور وضو ہے ابراہیم علیہ السلام کا۔روایت کیا ان دونوں کو رزین نے اور نووی نے دوسری کو شرح مسلم میں ضعیف کہا ہے

تشریح: حاصل حدیث:۔وضو اس امت کی خصوصیت نہیں اس وضو پر مرتب ہونے والا اثر اس امت کی خصوصیت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر عطف الخاص علی العام ہے حضرت ابراہیمؑ کی عظمت شان کو بیان کرنے کیلئے ان کا ذکر فرمایا۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَوَضَّاُ لِکُلِّ صَلٰوةٍ وَکَانَ اَحَدُنَا یَکْفِیْهِ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کیلئے وضو کرتے تھے اور تھا ایک ہمارا کفایت کرتا اس کو وضو جب تک

الْوُضُوْءُ مَالَمْ یُحْدِثْ. (رواہ الدارمی)

وضو نہ ٹوٹتا۔روایت کیا اس کو دارمی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل وضو لکل صلوٰۃ کا ہونا اور صحابہ کا عمل وضو واحد کے ساتھ متعدد نمازیں ادا کرتا جب تک حدث لاحق نہ ہوتا۔

سوال۔صحابہؓ کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف کیوں تھا۔ جواب۔صحابہ کرامؓ یہ سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو لکل صلوٰۃ فرمانا یہ استحباباً ہے۔وجوباً نہیں۔اور استحباب میں توسع ہے کوئی کرے یا نہ کرے نیز صحابہؓ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ایسا کرنا وجوبی طور پر ہے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔

سوال۔اس حدیث کا تعارض ہے ماقبل والی حدیث سوید بن نعمان ص ۴۰ کے ساتھ۔اس لئے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل وضو لکل صلوٰۃ پر نہیں تھا چنانچہ اس میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی اور پھر کھانے کی چند چیزیں منگوائی ستولایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستو پیا پھر مغرب کی نماز پڑھی تو معلوم ہوا کہ وضو لکل صلوٰۃ کا عمل نہیں تھا اور نیز ایک اور واقعہ جو فتح مکہ کے سفر کے ساتھ متعلق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وضوء کے ساتھ متعدد نمازیں پڑھیں تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسا عمل دیکھا ہے جو پہلے نہیں دیکھا تھا الخ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وضو لکل صلوٰۃ کا عمل نہیں تھا۔

جواب۔یہاں حدیث انسؓ میں اکثر عادت کا بیان ہے اور وہاں واقعہ جزئیہ کا بیان ہے۔بایں معنیٰ کہ زمانے کا قصہ ہے جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وضو لکل صلوٰۃ کے وجوب کا حکم نہیں ہوا تھا۔

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ یَحْیَی بْنِ حَبَّانَ قَالَ قُلْتُ لِعُبَیْدِ اللهِ بْنِ عَبْدُ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَاَیْتُ وُضُوْءَ عَبْدِاللهِ ابْنِ عُمَرَ لِکُلِّ

حضرت محمد بن یحیٰی بن حبانؒ سے روایت ہے کہا کہ میں نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ سے کہا خبر دے کہ عبداللہ بن عمرؓ ہر نماز کیلئے وضو کرتے ہیں

صَلٰوةٍ طَاهِرًا کَانَ اَوْغَیْرَ طَاهِرٍ عَمَّنْ اَخَذَهُ فَقَالَ حَدَّثَتْهُ اَسْمَآءُ بِنْتُ زَیْدِ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ عَبْدَاللهِ

وضو ہو یا نہ ہو یہ کس سے لیا ہے پس کہا اس کو اسماء بنت زید بن خطابؓ نے خبر دی کہ عبداللہ بن

بُنَ حَنۡظَلَةَ بُنِ اَبِی عَامِرِ الۡغُسَيۡلِ حَدَّثَهَا اَنَّ رَسُوۡلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ كَانَ اُمِرَ بِالۡوُضُوۡءِ
حنظلہؓ بن ابی عامر غسیلؓ نے اسے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرنماز کیلئے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا تھا خواہ باوضو ہوں یا بے وضو
لِكُلِّ صَلَاةٍ طَاهِرًا كَانَ اَوۡغَيۡرَ طَاهِرٍ فَلَمَّا شَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى رَسُوۡلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اُمِرَ
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ مشکل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرنماز کیلئے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور وضو آپ سے موقوف کردیا گیا۔ مگر
بِالسِّوَاكِ عِنۡدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَوُضِعَ عَنۡهُ الۡوُضُوۡءُ اِلَّا مِنۡ حَدَثٍ قَالَ فَكَانَ عَبۡدُاللهِ يَرٰى اَنَّ بِهٖ قُوَّةً
بے وضو ہونے کے وقت کہا عبیداللہ نے پس عبداللہ گمان کرتے تھے کہ ان کو اس پر قوت ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کرتے
عَلٰى ذٰلِكَ فَفَعَلَهٗ حَتّٰى مَاتَ. (راوه مسند احمد بن حنبل)
رہے یہاں تک کہ وفات پائی روایت کیا اس کو احمد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت محمد بن یحییٰ بن حبان نے اپنے استاذ عبیداللہ بن عبداللہ بن عبداللہ سے پوچھا کہ آپ کے والد عبداللہ کا عمل وضو لکل صلوٰۃ کا جو ہے اس کی سند کا ماخذ کیا ہے؟

حضرت عبیداللہؓ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن حنظلہؓ نے حضرت اسماء بنت زید بن الخطاب کہ ایک حدیث سنائی اور میرے ابا جان عبداللہ کو حضرت اسماء نے وہ حدیث سنائی اس سے استنباط کرتے ہوئے میرے والد نے وضو لکل صلوٰۃ والا عمل شروع کیا ہے اور یہی اس کا ماخذ ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ حدیث کونسی ہے؟ وہ حدیث یہ ہے کہ اولاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو لکل صلوٰۃ کا حکم وجوبی طور پر تھا جب یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشقت کا باعث بنا تو یہ حکم وجوبی منسوخ ہو گیا اور اس کی جگہ مسواک عند وضو کل صلوٰۃ کا حکم دیا گیا میرے والد نے یہ سمجھا کہ حکم کا وجوب ہی منسوخ ہوا ہے۔ استحباب زبانی ہے۔ اور اس استحباب پر عمل کرنا میرے لئے کوئی دشوار نہیں ہے اس لئے اس سے استنباط کرتے ہوئے آپ کا یہ عمل تا وفات رہا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل وضو لکل صلوٰۃ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم وجوبی تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں ابتداء ہی سے استحباب تھا۔

وَعَنۡ عَبۡدِاللهِ بۡنِ عَمۡرِو بۡنِ الۡعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعۡدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا هٰذَا
حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سعدؓ کے پاس سے گزرے اور وہ وضو کرتے تھے فرمایا اے سعدؓ یہ
السَّرَفُ يَا سَعۡدُ قَالَ اَفِی الۡوُضُوۡءِ سَرَفٌ قَالَ نَعَمۡ وَاِنۡ كُنۡتَ عَلٰى نَهۡرٍ جَارٍ. (رواه مسند احمد بن حنبل و ابن ماجة)
کیا اسراف ہے کہا سعدؓ نے کیا وضو میں بھی اسراف ہے فرمایا ہاں اگر یہ تو جاری نہر پر ہو (روایت کیا اس کو احمد نے اور ابن ماجہ نے)

تشریح: حاصل حدیث:۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ کے پاس سے گزرے اور حضرت سعد وضو میں اسراف کر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیوں اسراف کر رہے ہو ان کے ذہن میں یہ جملہ راسخ تھا لا خیر فی الاسراف والاسراف فی الخیر۔ تو انہوں نے کہا کہ کیا وضو میں بھی اسراف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں وضو میں بھی اسراف ہے اگر تو نہر جاری کے پانی کے ساتھ وضو کر رہا ہو تو اس میں بھی اسراف ہے۔ معلوم ہوا اسراف سے بچنا چاہئے نہر جاری پر بھی اسراف جائز نہیں تو اس کے علاوہ تو بطریق اولیٰ جائز نہیں ہوگا۔

سوال: ایک جگہ مسئلہ اس کے خلاف ہے۔ اس میں ہے کہ اگر نہر جاری کے پانی سے وضو کرے تو اس میں کوئی اسراف نہیں۔

جواب: یہاں بیان افضلیت ہے اور وہاں بیان جواز ہے۔ یا یہ کہو کہ چلو پانی کو ضائع کرنے میں اسراف نہیں لیکن وقت کو ضائع کرنے میں تو اسراف ہے۔

وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن مسعودؓ اور ابن عمر سے روایت ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا جس نے وضو کیا اور اللہ کا نام لیا

اسْمَ اللهِ فَاِنَّهٗ يُطَهِّرُ جَسَدَهٗ كُلَّهٗ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ لَمْ يُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ.

تحقیق اس نے اپنے سارے جسم کو پاک کرلیا اور جس نے وضو کیا اور اللہ کا نام ذکر نہیں کیا نہ پاک کیا اس نے مگر اعضائے وضو کو

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اللہ کا ذکر کیا تو پس اس کا سارا جسم پاک ہوگیا اور جس نے وضو کیا اور اللہ کا نام نہیں لیا تو اسکے مواضع وضو پاک ہو گئے ہیں سارا جسم نہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو بالتسمیہ سارے جسم کے ذنوب کی تکفیر کا ذریعہ ہے اور تسمیہ کے بغیر وضو یہ صرف اعضاء وضو سے ذنوب کی تکفیر کا ذریعہ ہے لیکن وضو بلا تسمیہ وضو تو ہو گیا۔

دلیل-۲: آیت کریمہ **اذا قمتم الی الصلوۃ فاغلسلوا وجوھکم وایدیکم** الخ اس سے معلوم ہوا کہ امور اربعہ کو عمل میں لانے سے وضو متحقق ہو جائے گا کسی امر آخر پر موقوف نہیں۔ اگر وضو کو تسمیہ پر موقوف قرار دیں تو خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی ہو جائے گی۔ یہ جائز نہیں ہے۔

دلیل-۳: ناقلین وضوء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام طور پر اسی کو نقل نہیں کرتے۔

دلیل-۴: نیز **وانزلنا من السماء ماء طھورا**۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطہریت پانی کی ذاتیات میں سے ہے اگر کسی شخص نے وضو کیا تو پانی استعمال کیا اور باوجود اس کے اس کو طہارت حاصل نہ ہوئی تو معلوم ہوگا کہ طہوریت امر آخر پر موقوف ہے اور ضابطہ ہے شئی کی ذاتیات کا ثبوت شئی کیلئے بلا واسطہ ہوتا ہے کہ امر آخر پر موقوف نہیں ہوتا۔ اگر ماء مطہر کو استعمال کرنے کے بعد بھی متوفی کیلئے طہوریت ثابت نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ طہوریت موقوف ہوئی تسمیہ پر اور بلا واسطہ اثر بالواسطہ ہو تو یہ مجہول ذاتی ہے تو اس سے مجعولیت ذاتیہ کی دلیل یہی حدیث ہے اور **وضو لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ**۔ طریق استدلال یہ ہے کہ اس میں نفس وضو اور حقیقت وضو کی نفی ہے کیونکہ یہ لا روئے نفی جنس کا ہے۔ احناف و جمہور کی طرف سے جواب۔ بسا اوقات کی نفی کو ذکر کیا جاتا ہے مراد لیا جاتا ہے کمال شئی کی نفی کو۔ جیسے حدیث میں آتا **لا ایمان لمن لا امانۃ لہ**۔ اس میں کما میں ایمان کی نفی ہے۔ اسی طرح **لا صلوۃ الا فی المسجد لا سیف الا ذوالفقار** اس میں بھی کمال سیف کی نفی ہے۔ الغرض بہت سی کلام عربی میں محاورات عرب میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نفی کمال کی ہوتی ہے۔ بسا اوقات اسی طرح یہاں بھی کمال وضو کی نفی ہے نفس وضو کی نفی نہیں۔

جواب-۲: یہ الحاق الناقص بالمعدوم کی قبیل سے ہے یعنی ناقص کو بمنزل معدوم کے قرار دیتے ہیں۔ مابعد میں ہماری ادلہ مذکور ہیں۔ ورنہ تو تعارض ہو جائے گا۔ بس یہ جواب ہے ذکر سے مراد ذکر لسانی نہیں بلکہ ذکر قلبی ہے یعنی نیت کے بغیر وضو نہیں یہ جواب من جانب شوافع ہے۔

وَعَنْ اَبِی رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلَاةِ حَرَّكَ خَاتَمَهٗ

حضرت ابو رافعؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے نماز کا وضو اپنی انگوٹھی کو اپنی انگلی میں ہلاتے۔

فِی اِصْبَعِهٖ رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ الْاٰخِيْرَ.

روایت کیا ان دونوں کو دار قطنی نے اور روایت کیا ابن ماجہ نے فقط دوسری حدیث کو

تشریح: حاصل حدیث:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے دوران اپنی انگشت کو حرکت دیتے۔ اگر تحت الخاتم بغیر حرکت کے پانی پہنچانے کا ظن غالب ہو تو تحریک مستحب ہے اور اگر نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو تو تحریک واجب ہے۔

بَابُ الْغُسْلِ

نہانے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ بَيْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک تمہارا عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے
ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ وَاِنْ لَّمْ يُنْزِلْ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
پس غسل واجب ہوگیا اگرچہ منی نہ نکلے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔الغسل پر الف لام عہد کا ہے اس سے واجب غسل مراد ہے اس پر قرینہ صفحہ نمبر ۵۵ پر باب الغسل المسنون کا عنوان ہے۔ اگر غسل (بضم الغین) ہوتو اس کا مطلب سارے جسم کو دھونا اور اگر غسل (بفتح الغین) ہوتو اس کا مطلب مطلق دھونا اور اگر غسل (بکسر الغین) ہوتو وہ پانی جس کے ساتھ غسل کیا جائے۔

اطراف اربع سے کیا مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔(۱) یدان رجلان۔(۲) فخذان کے درمیان والا حصہ

(۳) فخذان فرج کا فوق وتحت (۴) فرج ہی کو اطراف اربعہ فوق کی جانب یمیناً شمالاً تحت کی جانب یمیناً شمالاً بہر تقدیر یہ جماع سے کنایہ ہے۔ مطلقاً جماع کہ جب غسل ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو فقہاء کا اس بات پر اجماع ہو گیا ہے کسی کا کوئی اختلاف نہیں البتہ اہل ظواہر کہتے ہیں کہ اگر انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔ جواب۔ اس پر صحابہؓ کا اس پر اجماع ہو گیا تھا کہ غسل مطلقاً واجب ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْمَآءُ مِنَ الْمَآءِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)
حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوا اس کے نہیں پانی پانی سے ہے روایت کیا اس کو مسلم نے کہا
قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَا مَنْسُوْخٌ وَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ اِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ فِی
شیخ امام محی السنہؒ نے یہ منسوخ ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا سوا اس کے نہیں الماء من الماء کا تعلق احتلام سے ہے۔ روایت کیا اور اس کو
الْاِحْتِلَامِ رَوَاهُ الْجَامِعُ تِرْمِذِیُّ وَلَمْ اَجِدْهُ فِی الصَّحِيْحَيْنِ.
ترمذی نے اور میں نے اس کو صحیحین میں نہیں پایا

تشریح: حاصل حدیث:۔ پہلے ماء سے مراد غسل ہے اور ماء مطہر ہے۔ اور دوسرے ماء سے مراد منی ہے اور کلمہ انما حصر ہے اور جہاں حصر ہو وہاں دو چیزیں ہوتی ہیں مثبت اور منفی۔ پہلا جز مثبت انزال ہو تو غسل واجب ہے جز منفی انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں (جز مثبت کی صورت میں معنی یہ ہوگا انما یجب استعمال ماء طاھر من خروج ماء الدفق) جز منفی کے اعتبار سے ماقبل والی روایت سے تعارض ہو گیا (اور یہی دلیل

ہے اہل ظواہر کی اس لئے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انزال موجب غسل ہے اور ماقبل والی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انزال ہو یا نہ ہو بس غیبوبۃ حشفہ سے غسل واجب ہوجائے گا۔ جماع بدون الانزال کو اکسال کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اکسال موجب غسل ہے یا نہیں۔

اس میں اختلاف ہے اهل ظواهر کے نزدیک غسل واجب نہیں باقی ائمه کے نزدیک۔ موجب غسل ہے۔

اہل ظواہر کی دلیل یہی انما الماء من الماء ہے۔

قوله' قال الشیخ......الخ سے مقصود رفع تعارض ہے جس کا پہلا جواب اور اہل ظواہر کی دلیل کا پہلا جواب دے رہے ہیں

(۱) یہ حدیث جز منفی کے اعتبار سے منسوخ ہے۔ اس کے لئے ناسخ حدیث ابو ہریرۃ ہے اور منسوخ سے استدلال صحیح نہیں ہوسکتا۔

دوسرا جواب قوله' قال ابن عباس انما الماء من الماء کے دو معنے ہیں۔ ایک یہ کہ بیداری میں جماع ہو اور دوسرا یہ کہ حالت نوم میں جس کو احتلام کہتے ہیں ہو۔ اس حدیث کا مصداق جماع فی حالت النوم ہے اور اہل ظواہر کا استدلال تب تام ہوتا ہے جب انما الماء من الماء کا مصداق جماع فی حالت الیقظہ ہو۔ **رفع تعارض** اس طرح ہوا کہ پہلی حدیث کا مصداق جماع فی حالت الیقظہ ہے اور دوسرا مصداق جماع فی حالۃ النوم ہے فافترقا۔ سوال ابن عباس والے جواب پر سوال ہوگا کہ انما الماء من الماء کا شان ورود جماع فی حالۃ الیقظہ ہے کہ ایک انصاری شخص حضرت خطبان بن مالک کے گھر کے پاس سے گزرے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور اس سے پانی ٹپک رہا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید کہ تو نے جماع کیا ہے اس نے کہا جی ہاں پھر انہوں نے یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی سے جماع کر رہا ہو اور ذکر کو باہر نکال لے اور ابھی انزال نہ ہوا ہو تو اس پر غسل واجب ہے یا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما الماء من الماء.

جواب۔ انما الماء من الماء کے دو فرد ہیں (۱) جماع فی حالۃ الیقظہ (۲) جماع فی حالۃ النوم۔ جماع فی حالۃ الیقظہ کے حق میں اس کا حکم منسوخ ہے اور فی حالۃ النوم کے حق میں باقی ہے۔

ابن عباس یہ نہیں کہنا چاہتے کہ اس حدیث کا مصداق صرف جماع فی حالۃ النوم میں بند ہے۔

فائدہ: یاد رکھو ابتداء صحابہؓ میں یہ مسئلہ اکسال مختلف فیہ رہا۔ انصار کا نظریہ یہ تھا کہ اکسال موجب غسل نہیں اور اکثر مہاجرین کا نظریہ یہ تھا کہ اکسال موجب غسل ہے دور فاروقی میں یہ مسئلہ اختلاف نمودار ہوا تو حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہؓ کو جمع کیا اور اس مسئلہ کا کوئی حل نکالنا چاہا انہوں نے کہا کہ اس کا کوئی حل نہیں سوائے اس کے کہ ازواج مطہراتؓ کی طرف رجوع کیا جائے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اولاً حضرت حفصہؓ کی طرف قاصد بھیجا انہوں نے معذرت کردی اس کے بعد حضرت عائشہؓ کی طرف بھیجا انہوں نے فرمایا اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل (اوکما قالت) اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کے بعد اگر کوئی اکسال کے بعد غسل نہیں کرے گا تو میں اس کو عبرتناک سزا دوں گا۔ امام طحاوی نے اس پر کئی سندوں سے اجماع نقل کیا ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہا کہ ام سلیم نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے شک اللہ تعالیٰ حق سے
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ
حیا نہیں کرتا پس کیا عورت پر غسل واجب ہے جب اس کو احتلام ہو فرمایا ہاں جس وقت دیکھے پانی۔
فَغَطَّتْ اُمُّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَ تَحْتَلِمُ
پس ام سلمہؓ نے اپنا منہ ڈھانپ لیا اور کہا اے اللہ کے رسول کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں تیرا داہنا
الْمَرْاَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِيْنُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَزَادَ مُسْلِمٌ بِرِوَايَةِ اُمِّ سُلَيْمٍ
ہاتھ خاک آلود ہو پس کس کے سبب سے بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے۔ متفق علیہ اور مسلم نے زیادہ بیان کیا ام سلیم کی روایت سے کہ مرد کی منی گاڑھی

اَنَّ مَآءَ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ اَبْيَضُ وَمَآءَ الْمَرْاَةِ رَقِيْقٌ اَصْفَرُ فَمِنْ اَيِّهِمَا عَلَا اَوْ سَبَقَ يَكُوْنُ مِنْهُ الشَّبَهُ.

سفید ہوتی ہے اور عورت کی منی پتلی اور زرد ہوتی ہے پس ان دونوں میں سے جو غالب ہو یا سبقت کرے اس سے مشابہت ہوتی ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت ام سلیمؓ حضرت انسؓ کی والدہ ہیں۔ انہوں نے مسئلہ پوچھنے کے لئے پہلے تمہید بیان کی کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیاء نہیں کرتے۔ حق بات فرماتے ہیں پھر انہوں نے سوال کیا کہ کیا عورت پر بھی احتلام کی وجہ سے غسل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ سوال۔ ام سلیمؓ نے عورت کے حق میں احتلام کو مستبعد کیوں سمجھا۔

جواب۔ ازواج مطہراتؓ میں سے ہونے کی برکت کے سبب اللہ نے ان کو اس بیماری سے محفوظ رکھا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مستبعد نہیں سمجھنا چاہئے اس لئے کہ اس کی دلیل موجود ہے اور وہ ہے بچے کا ماں کے مشابہ ہونا۔ مطلب یہ ہے کہ مرد اور عورت میں سے جس کی منی مقدار کے اعتبار سے یا انزال کے اعتبار سے غالب آجائے تو بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے۔

قوله' ولم اجده ' في الصحيحين ضمیر کا مرجع ابن عباس ہے۔ حدیث انما الماء من الماء نہیں یعنی یہ قول ترمذی میں ہے بخاری ومسلم میں نہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کے غسل کا ارادہ کرتے دونوں ہاتھ دھوتے پھر وضو کرتے

بَدَأَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِي الْمَآءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعْرِهٖ

جیسا کہ نماز کیلئے وضو کرتے پھر پانی میں اپنی انگلیاں داخل کرتے اپنے بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے پھر اپنے سر پر پانی ڈالتے۔

ثُمَّ يَصُبُّ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلٰثَ غَرَفَاتٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَآءَ عَلٰى جِلْدِهٖ كُلِّهٖ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَفِيْ رِوَايَةٍ

اپنے دونوں ہاتھوں سے تین چلو پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہاتے۔ متفق علیہ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے شروع کرتے

لِّمُسْلِمٍ يَبْدَأُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ قَبْلَ اَنْ يُّدْخِلَهُمَا الْاِنَآءَ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَيَغْسِلُ فَرْجَهٗ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ.

اپنے دونوں ہاتھ دھوتے برتن میں داخل کرنے سے پہلے پھر اپنے دائیں ہاتھ بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اپنی شرمگاہ دھوتے پھر وضو کرتے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل کا طریقہ بتلایا گیا ہے وہ غسل جنابۃ کی حالت کا تھا۔ غسل سے پہلے ہاتھوں کو دھونا مسنون ہے اور وضو کرنا مسنون ہے پاؤں کے دھونے میں تفصیل ہے اگر جگہ مجتمع الماء ہے کہ پاؤں بعد غسل الجنابت کے دھونے چاہئے اور اگر خروج ماء کا کوئی راستہ ہے تو پھر پہلے دھو لینے چاہئیں۔ سر کا مسح بعض روایات میں کرنے کا ذکر اور بعض روایات میں نہ کرنے کا ذکر ہے۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد پانی پہلے کس پر ڈالے۔ اس میں مختلف اقوال ہیں (۱) پہلے سر پر پھر دائیں کندھے پر پھر بائیں کندھے پر (۲) پہلے دائیں کندھے پر پھر بائیں کندھے پر پھر سر پر (۳) (پہلے دائیں کندھے پر پھر سر پر پھر بائیں کندھے پر)

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَتْ مَيْمُوْنَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ میمونہؓ نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے غسل کا پانی رکھا کپڑے کے ساتھ میں نے پردہ کر دیا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا فَسَتَرْتُهٗ بِثَوْبٍ وَصَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا (ثُمَّ صَبَّ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈالا ان کو دھویا پھر دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں ہاتھ پر پانی ڈالا اپنا ستر دھویا

ثُمَّ صَبَّ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَغَسَلَ فَرْجَهٗ فَضَرَبَ بِيَدِهِ الْاَرْضَ فَمَسَحَهَا ثُمَّ غَسَلَهَا فَمَضْمَضَ

پھر زمین پر اپنا ہاتھ ملا پھر دھویا اس کو پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور اپنا چہرہ اور دونوں ہاتھ دھوئے پھر اپنے سر پر پانی ڈالا

وَاسْتَنْشَقَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ ثُمَّ صَبَّ عَلٰى رَأْسِهٖ وَاَفَاضَ عَلٰى جَسَدِهٖ ثُمَّ تَنَحّٰى فَغَسَلَ
اور اپنے جسم پر بہایا پھر ایک طرف ہوئے پھر دونوں پاؤں دھوتے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا پکڑایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ لیا پس
قَدَمَيْهِ فَنَاوَلْتُهُ ثَوْبًا فَلَمْ يَاْخُذْهُ فَانْطَلَقَ وَهُوَ يَنْفُضُ يَدَيْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ.
چلے اور جھاڑتے تھے اپنے دونوں ہاتھ۔ متفق علیہ اور لفظ اس کے بخاری کے ہیں۔

تشریح: مضمضہ واستنشاق کا حکم۔مضمضہ اور استنشاق کی وضو اور غسل میں حیثیت کیا ہے اس میں تین مذاہب ہیں۔(۱) امام مالک اور امام شافعی کے ہاں دونوں دونوں میں سنت ہیں۔(۲) دونوں دونوں میں واجب ہیں۔ یہ امام احمدؒ ابن ابی لیلیٰ۔ اسحاق اور عبداللہ بن مبارک کا مذہب ہے۔(۳) غسل جنابۃ میں دونوں فرض ہیں۔ وضو میں سنت ہیں۔ یہ سفیان ثوریؒ اور ابوحنیفہؒ اور سلف کی ایک جماعت کا مسلک ہے۔

پہلے اور دوسرے مذہب والوں نے دونوں کو مساوی رکھا ہے۔ احناف نے تفریق کی ہے غسل میں فرض کہا اور وضو میں سنت۔ اب ہم سے وجہ فرق کا مطالبہ ہوگا وجہ فرق یہ ہے کہ قرآن میں غسل اور وضو میں تعبیر الگ الگ قسم کی ہے۔ وضو میں مخصوص اعضا کے دھونے کا حکم ہے غسل وجہ کا حکم ہے اور ناک اور منہ کا اندر والا حصہ وجہ میں داخل نہیں ہے کیونکہ ان کا مواجہت میں کوئی دخل نہیں ہے لیکن غسل میں تعبیر یہ ہے کہ ''ان كنتم جنبا فا طهروا'' اطہر کا حکم ہے اس میں مبالغہ ہے۔ مبالغہ کے ساتھ تطہیر کا حکم ہے۔''مبالغہ فی الطہارۃ'' کیسے ہوگا۔ جو اعضاء من کل الوجوہ ظاہر ہیں ان کو تو دھونا ہی پڑے گا۔ ان کو دھونا مبالغہ نہیں سمجھا جائے گا۔ مبالغہ تب ہوگا جب ان اعضاء کو بھی دھولیں جو من وجہ ظاہر ہیں من وجہ باطن ہیں۔ ایسے اعضاء منہ اور ناک کا اندر کا حصہ یہ من وجہ ظاہر ہے اسی لئے منہ کے اندر پانی چلا جائے لیکن حلق سے اوپر رہے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور اگر قے منہ کے اندر سے واپس چلی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا تو اس مسئلے کو باطن سمجھا ہے تو مبالغہ تب ہوگا جب ان کو بھی دھویا جائے۔

قوله' فضرب بيده الارض الخ رائحة کریھہ کے ازالے کے لئے زمین پر ہاتھ ملا۔ غسل کے بعد حضرت میمونہؓ نے کپڑا دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں لیا۔ کپڑا نہ لینا کراہۃ کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ کسی اور وجہ سے تھا مثلاً برودۃ کو باقی رکھنے کے لئے۔ جلدی کی وجہ سے یا اباحت کو بتلانے کے لئے رد فرمایا۔

وهو ينفض يديه۔ سوال۔ دوسری حدیث میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے بعد نفض الیدین سے منع فرمایا ہے اور اس سے جواز معلوم ہوجاتا ہے؟ جواب۔ نفض الیدین سے نہی والی روایات سنداً کمزور ہیں۔ معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ (یا نہی تنزیہ کے لئے ہے)

وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ امْرَاَةً مِنَ الْاَنْصَارِ سَاَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ انصار کی ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل حیض کے متعلق پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ فَاَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ ثُمَّ قَالَ خُذِيْ فِرْصَةً مِّنْ مِّسْكٍ فَتَطَهَّرِيْ بِهَا قَالَتْ
اسے حکم دیا کیسے نہائے پھر فرمایا مشک کا ٹکڑا لے اور اس کے ساتھ پاکی حاصل کر کہا کیسے پاکی حاصل کروں میں فرمایا پاکی
كَيْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا فَقَالَ تَطَهَّرِيْ بِهَا قَالَتْ كَيْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِيْ بِهَا فَاجْتَذَبْتُهَا
حاصل کر اس کے ساتھ اس نے کہا کیسے اس کے ساتھ پاکی حاصل کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ پاکی حاصل
اِلَيَّ فَقُلْتُ تَبْتَغِيْ بِهَا اَثَرَ الدَّمِ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
کر تو میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں نے کہا اس کو خون کی جگہ رکھ دے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ ایک مرأۃ انصاریہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل حیض کے متعلق سوال کیا۔ کہ انقطاع حیض کے بعد غسل کیسے کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح غسل کر۔ یعنی غسل

کی تعلیم دی پھر فرمایا کہ روئی کے ٹکڑے کو لے کر اس کو خوشبو کے ساتھ لت پت کر کے اس کے ساتھ طہارت حاصل کر لیکن مراۃ انصاریہ کو یہ بات سمجھ میں نہ آئی اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مرتبہ سوال کیا لیکن عار محسوس نہیں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیا مانع ہو رہی تھی تفصیل سے اور امراۃ انصاریہ کو بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ قولہ' فاجتذبتها یہ حضرت عائشہؓ کا مقولہ ہے کہ میں نے اس کو کھینچ لیا اور اس کو سمجھایا کہ غسل کرنے کے بعد روئی کے خوشبو لگے ہوئے ٹکڑے کو استعمال کر لے رائحہ کریحہ کے ازالے کے لئے محل دم میں اس کو رکھ لے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّی امْرَاَةٌ اَشُدُّ
حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں
ضَفْرَ رَاْسِی اَفَاَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ فَقَالَ لَا اِنَّمَا یَکْفِیْکِ اَنْ تَحْثِیَ عَلٰی رَاسِکِ ثَلٰثَ
عورت ہوں خوب گوندھتی ہوں اپنے سر کے بال۔ کیا غسل جنابت کے وقت ان کو کھول لوں فرمایا نہیں تجھ کو یہی کافی ہے
حَثَیَاتٍ ثُمَّ تُفِیْضِیْنَ عَلَیْکِ الْمَآءَ فَتَطْهُرِیْنَ. (صحیح مسلم)
کہ اپنے سر پر تین لپیں پانی ڈال لے پھر اپنے جسم پر پانی بہا پس پاک ہو جائے گی۔ روایت کیا اس کو مسلم نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی مینڈھیوں کو مضبوطی سے باندھتی ہوں غسل جنابت کے وقت اس کا کھولنا ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ضروری نہیں۔ یہ حکم مخصوص ہے عورتوں کے ساتھ۔ کہ ان کا اکثر معمول یہ ہے جب پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچنے کا یقین ہو تو مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں۔ اور اگر پانی نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو تو کھولنا ضروری ہے۔ ورنہ حرج لازم آئے گا۔ مرد کے لئے احناف کے نزدیک کشف الضفائر ضروری ہے۔

قولہ' ان تحثی۔ اصل میں تحثین تھا۔ نون اعرابی ان کی وجہ سے ساقط ہو گیا اس لئے یا پر اعراب نہیں آئے گا۔

سوال۔ پھر تفیضین میں نون کیوں باقی ہے۔ اس کو گرنا چاہئے کیونکہ ان تحثی پر اس کا عطف ہو رہا ہے۔ جواب۔ یہ عطف الجملہ علی الجملہ کی قبیل سے ہے نہ کہ عطف المفرد علی المفرد کی قبیل سے معنی یہ ہے انت تفیضین۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَوَضَّاُ بِالْمُدِّ وَیَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلٰی خَمْسَةِ اَمْدَادٍ.
حضرت انس سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مد کے ساتھ وضو اور صاع سے لے کر پانچ مد تک کے ساتھ غسل کرتے تھے۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو اور غسل کے پانی کی مقدار کو بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد پانی کے ساتھ وضو کرتے اور پانچ مدوں تک کی مقدار میں غسل کرتے اسی پر اجماع ہے کہ وضو اور غسل کے لئے پانی کی کوئی مقدار متعین نہیں۔ حدیث میں مقدار کا بیان استحبابی ہے (مد اور صاع کا مسئلہ باب صدقۃ الفطر کا مسئلہ ہے)

قولہ و یغتسل بالصاع ۔ احنافؒ کے نزدیک صاع تین سیر چھ چھٹانک اور مد ساڑھے تیرہ چھٹانک اور رطل پونے سات چھٹانک کا ہے اور ائمہ ثلثہ کے نزدیک صاع دو سیر دو چھٹانک اور مد ساڑھے آٹھ چھٹانک ہے۔

وَعَنْ مُعَاذَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَتْ عَآئِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ
حضرت معاذہؓ سے روایت ہے کہا کہ عائشہؓ نے میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے نہاتے جو میرے
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَآءٍ وَّاحِدٍ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ فَیُبَادِرُنِیْ حَتّٰی اَقُوْلَ دَعْ لِیْ دَعْ لِیْ قَالَتْ وَهُمَا
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوتا پس جلدی کرتے مجھ سے حتیٰ کہ میں کہتی میرے لئے چھوڑیں میرے لئے چھوڑیں۔

جُنُبان. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
معاذہ نے کہا اور وہ دونوں جنبی ہوتے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ ایک برتن سے پانی لے کر استعمال کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے غسل کرتے تو میں کہتی میرے لئے بھی پانی بچانا۔ معلوم ہوا مرد عورت کا اور عورت مرد کا بچا ہوا پانی استعمال کر سکتا ہے۔

روایات میں تعارض:۔ مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے لئے کتنی مقدار پانی استعمال کرتے تھے۔ روایات مختلف ہیں ایک مد تین مد نصف مد اور ایک صاع وغیرہ بظاہر روایات میں تعارض ہے **جواب**۔ یہ روایات مختلف اوقات پر محمول ہیں۔ لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہ رہا۔

صاع کی مقدار کیا ہے؟ یہاں کل تین باتیں ہیں ایک اجماعی دو اختلافی۔(۱) اس بات پر اجماع ہے کہ صاع چار مد کا ہوتا ہے (۲) اس بات میں اختلاف ہو گیا ہے کہ مد کی مقدار کیا ہے۔

عندالاحناف۔ ایک مد دو رطلوں کا ہوتا ہے (ایک رطل تقریباً ۳۴ تولے کا) ۲ رطل ۶۸ تولوں کے بنتے ہیں۔

عندالشوافعؒ۔ ایک مد ایک رطل اور ایک رطل کی تہائی کا ہوتا ہے رطل وثلث رطل چونکہ مد کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو اس میں بھی اختلاف ہو گیا کہ صاع کتنے رطل کا ہے۔ احنافؒ کے نزدیک ۲ x ۴ ۸ ارطال کا اور شوافع کے نزدیک ۳۳.۵ رطلوں کا احنافؒ والے صاع کو صاع کوفی اور صاع حجازی اور اس کو صاع عمری بھی کہتے ہیں۔ بعض یہ عمر بن عبدالعزیز کی طرف منسوب ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی طرف منسوب ہے۔ استصحاب حال کی بناء پر یہ بھی کہنے کی گنجائش ہے کہ یہی صاع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور شوافع والے صاع کو صاع حجازی سے تعبیر کرتے ہیں۔ **احناف کی دلیل**۔ حضرت انسؓ ہی کی دوسری روایت بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے برتن سے وضو کرتے تھے جس میں دو رطل پانی سما سکتا تھا۔ لفظوں میں اختلاف ہے مقدار میں اختلاف نہیں ہے۔ دو رطل مساوی ایک مد ہے۔ طحاوی میں روایت مجاہد تابعیؒ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور کتنی مقدار پانی استعمال کرتے تھے تو فرمایا ثمانیہ ارطال تسعة ارطال یا عشرہ ارطال تو مافوق الثمانیہ میں ستہ ہوا اور اقل متعین ہے۔ لہٰذا ایک صاع ۸ رطلوں کا ہوا۔

دلیل احنافؒ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ایک برتن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا **كان النبی صلی الله عليه وسلم يغتسل بمثل هذا**۔ موسیٰ جہنی کہتے ہیں کہ میں نے اس برتن کا اندازہ کیا تو آٹھ رطل نکلا (رواہ النسائی بسند جید ص ۴۶)۔

دلیل شوافع: بیہقی میں ہے کہ ابو یوسفؒ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو وہاں کے بوڑھے جو مہاجرین و انصار کی اولاد میں سے تھے اپنے اپنے صاع ابو یوسفؒ کے پاس لائے اور کہا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کے مطابق ہیں۔ ابو یوسفؒ نے ان کو ناپا تو پانچ ارطال اور تہائی رطل نکلے اس پر ابو یوسفؒ نے امام مالکؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

شوافع کی دلیل کا جواب-۱: ابن ہمام کہتے ہیں کہ دراصل یہ نزاع لفظی ہے کیونکہ رطل عراقی بیس استار کا ہے اور رطل حجازی تیس استار کا ہے۔ (فتح القدیر ص ۱۴۱ ج ۱ فتح الملہم ص ۱۷۱ ج ۱)

جواب-۲: احناف کے نزدیک صاع میں احتیاط ہے۔ **جواب-۳:** یہ واقعہ ہی صحیح نہیں ہے کیونکہ امام محمدؒ نے جو بیہقی سے زیادہ ابو یوسف کے مذہب سے واقف ہیں یہ واقعہ اور رجوع نقل نہیں کیا۔ بذل المجہود (ص ۱۴۷، ۱۶۱ ج ۱)

اور شوافع دلیل بھی دیتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا صاعنا اصغر الصعان۔ اب تم ہی بتلاؤ آٹھ رطلوں والا صاع چھوٹا ہے یا ۳۳.۵ رطلوں والا چھوٹا ہے۔

جواب: صحابہ کرامؓ کے زمانے میں مختلف قسم کے صاع رائج تھے ایک صاع ہاشمی بھی تھا جس کی مقدار ۳۲ رطل تھی یہ اصغر اس کے مقابلے

میں کیوں نہیں ہوسکتا۔ قاضی ابو یوسف بھی شوافع کے ساتھ ہیں۔ ان کا کلام ہوا امام مالک کے ساتھ۔
یہ اختلاف لفظی ہے کیونکہ قاضی ابو یوسف کی مراد رطل سے عام رطل سے بڑا جس کی مقدار ۱/۳ ۵ یعنی سوا ۲۷۰ تولے کا صاع ہے۔
فتویٰ اس پر ہے یہ تقریباً ۸ رطل کے برابر مقدار ہو جاتی ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔
مسئلہ اختلافیہ: پہلے یہ سمجھیں کہ یہاں چار صورتیں بالاتفاق جائز ہیں۔ (۱) مرد مرد کا بقیہ طہور استعمال کرے۔
(۲) عورت عورت کا باقی پانی استعمال کرے۔ (۳) عورت مرد کا فضل الطہور استعمال کرے۔ (۴) دونوں اکٹھے پانی استعمال کریں۔
اختلافی صورت یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کا وضو اور غسل سے بچا ہوا پانی استعمال کرے یہ جائز ہے یا نہیں؟

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا يَذْكُرُ اِحْتِلَامًا
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو پاتا ہے تری کو اور احتلام کو یاد
قَالَ يَغْتَسِلُ وَعَنِ الرَّجُلِ يَرَى اَنَّهُ قَدِ احْتَلَمَ وَلَا يَجِدُ بَلَلاً قَالَ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ هَلْ
نہیں رکھتا فرمایا غسل کرے اور ایک آدمی جو احتلام کو یاد رکھتا ہے اور نہیں پاتا تراوت فرمایا اس پر غسل نہیں ہے۔ ام سلیمؓ نے کہا کیا
عَلَى الْمَرْاَةِ تَرَى ذٰلِكَ غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ اِنَّ النِّسَآءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ
عورت پر بھی غسل واجب ہوتا ہے جس وقت دیکھے یہ فرمایا ہاں عورتیں بھی مردوں کی مانند ہیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابو داؤد نے
وَرَوَى الدَّارِمِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ لَا غُسْلَ عَلَيْهِ)
اور روایت کیا دارمی اور ابن ماجہ نے اس کے قول لا غسل علیہ تک

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں احتلام کی دو صورتوں کا ذکر ہے۔ مزید تفصیل۔ مستیقظ اگر بلل کو محسوس کرے تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔ (۱) اس کو بلل کے منی ہونے کا یقین ہو۔ (۲) اس کو بلل کے مذی ہونے کا یقین ہو۔
(۳) اس کو بلل کے ودی ہونے کا یقین ہو۔ (۴) اس کو بلل کے منی اور مذی ہونے کے بارے میں شک ہو۔
(۵) اس کو بلل کے ودی اور منی ہونے کے بارے میں شک ہو۔ (۶) اس کو ودی اور مذی ہونے کے بارے میں شک ہو۔
(۷) اس کو بلل کے تینوں کے ہونے کے بارے میں شک ہو۔
ہر صورت دو حال سے خالی نہیں احتلام یاد ہوگا یا نہیں تو پھر یہ کل ۱۴ صورتیں ہو گئیں جن میں سے آٹھ صورتوں کا حکم بالاجماع غسل واجب ہے ۷ صورتیں تو وہی تذکرہ احتلام کی صورت میں اور آٹھویں صورت منی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔ تین صورتوں میں بالاجماع غسل واجب نہیں (۱) مذی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔ (۲) ودی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔ (۳) مذی اور ودی دونوں کے بارے میں شک ہو۔ باقی تین صورتوں میں اختلاف ہے۔ (۱) مذی اور منی کے ہونے کے بارے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو
(۲) منی اور ودی کے ہونے کے بارے میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو (۳) تینوں میں شک ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔
امام ابو یوسفؒ کے نزدیک واجب نہیں باقیوں کے نزدیک واجب ہے۔ جواب حدیث میں بعض صورتوں کا بیان ہے سب کا بیان نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَاوَزَ الْخِتَانُ الْخِتَانَ وَجَبَ الْغُسْلُ
اوراسی (حضرت عائشہؓ) سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تجاوز کر جائے محل ختنہ کا عورت کے محل ختنہ سے واجب ہوگا غسل۔
فَعَلْتُهُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاغْتَسَلْنَا. (رواه الترمذی و ابن ماجة)
کہا میں نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا پس نہائے ہم دونوں روایت کیا اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہ روایت اذاالتقی الختانان والی روایت کے لئے مفسر ہے مجاوزت اور ادخال سے غسل واجب ہوگا محض محاذات سے نہیں۔

وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوْا
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بال کے نیچے جنابت ہے
الشَّعْرَ وَانْقُوْاالْبَشَرَةَ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ
پس دھوو بالوں کو اور پاک کرو بدن کو روایت کیا اس کو ابو داؤدؒ ترمذیؒ ابن ماجہ نے اور کہا ترمذی نے یہ حدیث غریب ہے
وَالْحَارِثُ بْنُ وَجِيْهِ الرَّاوِى وَهُوَ شَيْخٌ لَيْسَ بِذٰلِكَ)
اور حارث بن وجیہؒ راوی جو کہ ایک شیخ ہے اس قدر معتبر نہیں

تشریح: حاصل حدیث:۔ تحت کل شعرة سارے بدن میں جنابت کے سرایت کر جانے سے کنایہ ہے۔ جنابت بھی تجزی نہیں ہے۔

قوله وهو شيخ . سوال ليس بذاک اس پر اشکال ہے کہ شیخ کا لفظ یہ الفاظ تعدیل میں سے ہے اور لیس بذاک یہ الفاظ جرح میں سے ہے تو یہ اجتماع المتنافیین ہے۔

جواب (ا) یہاں شیخ کا لغوی معنی مراد ہے یہ کوئی الفاظ تعدیل میں سے ہے بلکہ ادنیٰ لفظ ہے اور یہ بھی اس وقت ہوگا جب الفاظ تعدیل میں سے کسی کے ساتھ مقرون ہو۔ لہذا اگر الفاظ جرح ہونے پر قرینہ پایا جائے تو وہی مراد ہوگا۔

وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایک بال جتنی جگہ غسل
جَنَابَةٍ لَّمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِيْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ
جنابت سے چھوڑ دی اس کو نہ دھویا اس کے ساتھ ایسا اور ایسا آگ کے عذاب سے کیا جائے گا۔ علیؓ نے کہا اس لئے میں نے اپنے سر کے ساتھ
رَاْسِيْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِيْ ثَلَاثًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَاَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ اِلَّا اَنَّهُمَا لَمْ يُكَرِّرَا فَمِنْ
دشمنی کی اسی وجہ سے میں نے اپنے سر کے ساتھ دشمنی کی تین بار فرمایا روایت کیا ہے اس کو ابو داؤد نے احمد اور دارمی نے مگر احمد اور دارمی نے فمن
ثَمَّ عَادَيْتُ رَاْسِيْ.
ثم عاديتُ راسي تکرار کے ساتھ ذکر نہیں کیا

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت علیؓ حلق کراتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زلفیں رکھتے تھے تطبیق کیا ہے۔ زمانہ طالب علمی میں حضرت علیؓ کی سنۃ پر عمل کرتے اور بعد میں تحمل ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہیں کیا کرتے تھے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے

تشریح: مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل سے پہلے جو وضو غسل کیلئے فرماتے تھے غسل کے بعد پھر دوبارہ وضو نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ مسئلہ بھی یہی ہے کہ غسل کیلئے جو وضو کیا جاتا ہے وہ کافی ہوتا ہے غسل کے بعد اگر نماز وغیرہ پڑھی جائے تو دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے غسل کے وضو سے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ (ترمذی و ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجه)

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ بِالْخِطْمِيِّ وَهُوَ جُنُبٌ يَجْتَزِئُ بِذٰلِكَ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر خطمی کے ساتھ دھویا کرتے تھے اور آپ جنبی ہوتے اس پر کفایت کرتے اور

وَلَا يَصُبُّ عَلَيْهِ الْمَاءَ. (رواه ابوداؤد)

سر پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ قوله: ولا يصب عليهم الماء خالص باقی کو نہیں بہاتے تھے۔ اس کی کئی وجہیں ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں (۱) جواز بتلانے کے لئے (۲) برودت کو باقی رکھنے کے لئے (۳) قلت ماء کی وجہ سے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی طاہر چیز پانی میں مل جائے تو وہ اس کو مطہر ہونے سے خارج نہیں کرتی۔ جب تک کہ غالب نہ آ جائے۔

وَعَنْ يَعْلٰى قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ

حضرت یعلیٰؓ سے روایت ہے کہا کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ میدان میں نہا رہا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اللہ کی حمد کی اور ثنا

اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالتَّسَتُّرَ فَاِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ.

کہی پھر فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ حیا والا بہت پردہ پوش ہے حیا اور پردہ کرنے کو پسند کرتا ہے جس وقت تم میں سے کوئی نہائے پس چاہئے کہ پردہ کرے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ سِتِّيْرٌ فَاِذَا اَرَادَ اَحَدُكُمْ اَنْ يَغْتَسِلَ فَلْيَتَوَارَ بِشَيْءٍ)

نسائی نے۔ نسائی کی ایک روایت میں ہے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ بہت پردہ پوش ہے جس وقت تم میں سے کوئی نہانے کا ارادہ کرے پس چاہئے کہ کسی چیز کے ساتھ پردہ کرلے

تشریح: حاصل حدیث:۔ فقہاء کا اجماع ہے کہ کھلی فضاء میں کپڑے لٹکا کر غسل کرنا چاہئے اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ستر اور حیا یہ تخلق ماخلق الله ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ اِنَّمَا كَانَ الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ رُخْصَةً فِيْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ نُهِيَ عَنْهَا.

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہا کہ منی کے نکلنے سے نہانا اسلام کے ابتدا میں رخصت تھی پھر اس سے منع کیا گیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی ابوداؤد اور دارمی نے

(رواه ترمذی و ابوداؤد والدارمی)

تشریح: حاصل حدیث: اکسال سے غسل نہ ہونا یہ قوی دلیل ہے اس بات کی کہ یہ حکم پہلے تھا اور غسل کے واجب ہونے کا حکم موخر ہے کمامر۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اغْتَسَلْتُ مِنَ الْجَنَابَةِ

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میں نے جنابت کا غسل کیا ہے اور فجر کی نماز پڑھی

وَصَلَّيْتُ الْفَجْرَ فَرَأَيْتُ قَدْرَ مَوْضِعِ الظُّفُرِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَآءُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
میں نے ایک ناخن کی مقدار جگہ دیکھی اس کو پانی نہیں پہنچا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
لَوْ كُنْتَ مَسَحْتَ عَلَيْهِ بِيَدِكَ اَجْزَاكَ. (رواہ ابن ماجۃ)
اگر تو اس پر اپنا ہاتھ پھیر دیتا تجھے کافی تھا۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے

تشریح: حاصل حدیث:۔قولہ' لم یصبرہ الماء الخ ہوسکتا ہے جسم پر کوئی چیز چپکی ہوئی ہوا گر غسل خفیف بھی ہو جاتا تو کافی ہو جاتا اعادے کی ضرورت نہ رہتی۔ قولہ' لو کنت مسحت علیہ۔ مسح بمعنی غسل خفیف کے ہے۔ صلوۃ کے اعادے کا حکم مذکور نہیں۔ لیکن مذکور نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم بھی نہ دیا ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتِ الصَّلَاةُ خَمْسِيْنَ وَالْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَةِ سَبْعَ مَرَّاتٍ وَغُسْلُ الْبَوْلِ مِنَ
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ نمازیں پچاس فرض تھیں۔ جنابت سے نہانا
الثَّوْبِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَلَمْ يَزَلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ حَتّٰى جُعِلَتِ الصَّلَاةُ خَمْسًا
سات مرتبہ اور پیشاب سے کپڑے کا دھونا سات مرتبہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سوال کرتے رہے یہاں تک کہ نمازیں
وَغُسْلُ الْجَنَابَةِ مَرَّةً وَغُسْلُ الثَّوْبِ مِنَ الْبَوْلِ مَرَّةً. (رواہ ابوداؤد)
پانچ جنابت سے غسل ایک بار اور پیشاب سے کپڑے کا دھونا ایک بار کر دیا گیا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔احنافؒ کے نزدیک اگر نجاست غیر مرئی ہو تو تین دفعہ دھونا چاہئے اور شوافعؒ کے نزدیک ایک مرتبہ دھونا ہے۔ ائمہ کرام کے دلائل حدیث الباب شوافع کے موافق ہے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ محمول ہے زوال نجاست کے یقینی ہونے پر۔ احنافؒ کی دلیل ماقبل میں گزر چکی کہ جب نوم سے نائم بیدار ہو تو ہاتھوں کو تین دفعہ دھونے سے پہلے برتن میں نہ ڈالے جب نجاست موہومہ کی بنا پر غسل ثلاث مرات ہے تو نجاست متحققہ اور متیقنہ کی بنا پر تو بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا۔

سوال۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احکام کی تبلیغ نہیں کی قبل از تبلیغ نسخ لازم آیا۔ جواب۔ (قبل العمل نسخ بالاجماع جائز ہے قبل از تبلیغ جائز نہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک حکم کا پہنچنا گویا امت تک پہنچنا ہے۔

باقی تین مرتبہ کیوں دھوئے عمومی طور پر ازالہ نجاست کا ظن غالب تین مرتبہ دھونے سے ہوتا ہے تو یہ حدیث ظن غالب پر محمول ہے۔

واللہ اعلم بالصواب. وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

بَابُ مُخَالَطَةِ الْجُنُبِ وَمَا يُبَاحُ لَهُ

جنبی آدمی سے ملنے جلنے اور جنبی کیلئے جو اموز جائز ہیں انکا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَقِيَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جُنُبٌ فَاَخَذَ بِيَدِیْ فَمَشَيْتُ مَعَهُ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور میں جنبی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا۔
حَتّٰى قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَاَتَيْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ اَيْنَ كُنْتَ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ
یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔ میں چپکے سے نکل گیا پس میں نہایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے
فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ وَزَادَ بَعْدَ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ تو کہاں تھا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ذکر کیا پس فرمایا سبحان اللہ مومن بے شک ناپاک نہیں ہوتا یہ لفظ
قَوْلِهٖ فَقُلْتُ لَهُ لَقِيْتَنِیْ وَاَنَا جُنُبٌ فَكَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ حَتّٰى اَغْتَسِلَ وَكَذَا الْبُخَارِیُّ
بخاری کے ہیں اور مسلم میں ہے اس کا معنی اور ان کے قول فقلت لہ کے بعد زیادہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ملے میں جنبی تھا میں نے مکروہ سمجھا کہ آپ
فِیْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى.
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھوں یہاں تک کہ غسل کروں۔ اسی طرح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں میری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی میں حالت جنابت میں تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور چلتے رہے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ بیٹھ گئے تو میں آہستہ سے وہاں سے کھسک گیا۔ پھر میں غسل کر کے واپس آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہیں بیٹھے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوہریرہؓ کہاں گئے تھے میں نے پورا قصہ سنایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن تو نجس نہیں ہوتا۔

سوال۔ مجلس سے اٹھنا یہ تو خلاف ادب ہے۔ تو حضرت ابوہریرہؓ صحابی رسول ہونے کے باوجود ایسا کس طرح کر سکتے ہیں۔

جواب۔ آہستہ سے جانا اس وجہ سے تھا کہ پاک صاف ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں اور یہ تو ادب ہے نہ کہ بے ادبی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مجلس سے اٹھنے پر باز پرس ہونی چاہئے۔ اور پھر بہانہ نہیں بنانا چاہئے جس مقصد کے لئے جائے پورا کر کے فوراً واپس آئے اور عذر بیان کرے۔

سوال۔ ان المومن لاینجس مومن نجس تو ہوتا ہے جنبی ہونے کی حالت میں اس وجہ سے کہ حالت جنابت میں تلاوت القرآن اور دخول فی المسجد منع ہے۔ تو یہاں پر کیسے فرما دیا کہ مومن نجس نہیں ہوتا۔

جواب۔ نجاست مزعومہ کے ساتھ نجس نہیں ہوتا۔ اے ابوہریرہؓ جس نجاست سے نجس ہونے کو تم سمجھے ہوئے ہو اس قسم کی نجاست سے مومن نجس نہیں ہوتا۔ تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ حالت جنابت کے اندر (کی وجہ سے) مصافحہ کرنا بیٹھنا بات کرنا جائز نہیں (حالانکہ یہ جائز ہے) تو نجاست مخصوصہ کی نفی سے عام نجاست کی نفی لازم نہیں آتی۔ سوال۔ اس قسم کی نجاست سے تو کافر بھی نجس نہیں ہوتا تو پھر مومن کی تخصیص کیوں کی؟

جواب۔ مومن کی تخصیص اس بات کو بتلانے کے لئے کہ مومن کو چاہئے کہ نجاست سے احتراز کرے۔ باقی کافر نجاست سے احتراز

کرے یا نہ کرے وہ اس میں داخل ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَیطھر کم مومنوں کیلئے ہے۔ کافر شریعت کے مکلّف نہیں۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِؓ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ عمرؓ بن خطاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ رات کے وقت
تُصِيْبُهُ الْجَنَابَةُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ ثُمَّ نَمْ.
ان کو جنابت پہنچتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو کر اپنا ذکر دھو ڈال پھر سو جا۔

(صحيح البخاری و صحيح مسلم)

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنابت کی حالت میں سونا جائز ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ مسئلہ حضرت ابن عمرؓ کے لئے پوچھا انہ' کی ضمیر کا مرجع ابن عمرؓ ہے۔ پھر توضاء کا خطاب یا تو حضرت عمرؓ کو ہے کہ اے عمر تم اپنے لئے یہ کہہ دو کہ وضو کرلے اور اوزا اپنے ذکر کو دھولے پھر سو جائے یا خطاب حضرت ابن عمرؓ کو ہے۔ پھر یہ اسی مجلس میں موجود ہوں گے۔ تو خطاب ابن عمرؓ کو ہوا۔ جمہور کے بارے حکم استحبابی ہے بلا وضو بھی سونا جائز ہے۔ اہل ظواہر کہتے ہیں بے وضو سو سکتا ہی نہیں۔ توضا و اغسل ذکرک یہ واؤ ترتیب کیلئے نہیں۔ بلکہ مطلق جمع کے لئے ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ جُنُبًا فَاَرَادَ اَنْ يَّاْكُلَ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جنبی ہوتے پس ارادہ کرتے یہ کہ کھائیں
اَوْ يَنَامَ تَوَضَّأَ وُضُوْئَهُ لِلصَّلٰوةِ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
یا سوئیں۔ وضو کرتے جیسا کہ نماز کیلئے وضو کیا جاتا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں کھانا بھی کھا سکتا ہے۔

وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمْ اَهْلَهُ ثُمَّ
حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی تم میں سے اپنی بیوی کے پاس آئے پھر ارادہ کرے
اَرَادَ اَنْ يَّعُوْدَ فَلْيَتَوَضَّأْ بَيْنَهُمَا وُضُوْءً. (صحيح مسلم)
کہ دوبارہ آئے پس چاہئے کہ وضو کرے۔ درمیان دونوں کے روایت کیا اس کو مسلم نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ جب ایک مرتبہ بیوی سے جماع کرنے کے بعد دوسری مرتبہ اس بیوی سے یا کسی اور بیوی سے جماع کرنا چاہے تو وضو کرے۔ یہ وضو بین الجماعین کا حکم عند الاحناف سے استحباباً ہے اور جمہور اہل ظواہر کے نزدیک وجوباً ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ نجاست میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ دوسری یہ کہ نشاط اور لذت زیادہ ہوتی ہے۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَآئِهِ بِغُسْلٍ وَّاحِدٍ. (صحيح مسلم)
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے پاس ایک غسل کے ساتھ آتے تھے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

تشریح: حاصل حدیث:۔ سوال اس حدیث کا اور حدیث ابو رافع (فصل ثالث) کے ساتھ تعارض ہے اس لئے کہ حدیث ابو رافع میں ہے ان رسول الله طاف ذات یوم علی نسائه یغتسل عند هذه و عندهذه اور اس حدیث انس سے برعکس معلوم ہوتا ہے۔

جواب-۱: حدیث انس میں اور وقت کا قصہ ہے اور حدیث رافع میں اور وقت کا قصہ ہے وقتین مختلفین فلا تعارض.

جواب-۲: حدیث انس راجح ہے حدیث ابو رافع کے مقابلے میں تعارض تب پیدا ہوتا جب قوت مساوی ہوتی۔

سوال۔ ایک رات کے اندر خاوند ایک بیوی سے جماع کرسکتا ہے دوسری سے نہیں کیونکہ قسمت واجب ہے؟

جواب-۱: قسمہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی واجب تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا فرمانا صاحب نوبۃ کی اجازت ورضا مندی سے ہوگا۔
جواب-۲: ایسا فرمانا پہلا دور ختم ہونے کے بعد اور دوسرا دور شروع ہونے سے پہلے ہے جب باری متعین نہیں تھی۔
جواب-۳: آپ کا ایسا فرمانا حالت حضر میں تھا اور سفر میں باری کا وجوب نہیں ہے۔
جواب-۴: یہ اس وقت کا قصہ ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دن رات میں ایک ساعۃ منجانب اللہ ایسی تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب بیویوں سے جماع کر سکتے تھے۔

سوال: متعدد بیویوں سے بیک وقت جماع کیسے ممکن ہے؟ جواب۔ پیغمبر کی طاقت کو اپنی طاقت پر قیاس نہ کر خصوصاً اگر سفر کا واقعہ ہو۔ پیغمبر کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت حاصل ہوتی ہے اور ایک جنتی مرد کو دنیا کے ۱۰۰ مردوں کی طاقت حاصل ہوتی ہے اس لحاظ سے ہمارے پیغمبر کی طاقت ۴۰۰۰ مردوں کے برابر ہوئی اور ایک عام مرد کے لئے ۴ بیویوں کی اجازت ہے تو اس اعتبار سے ہمارے پیغمبر کے لئے ۱۶۰۰۰ بیویوں کی اجازت ہونی چاہئے۔

پھر نو بیویوں میں کیا اشکال رہا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواجی زندگی پر غور کیا جائے تو اس میں شہوت پرستی کی بو تک نہیں ملتی بلکہ پوری زندگی سراپا تقدس ہی تقدس نظر آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں پہلی شادی کی اس وقت آپ اپنے حسن وجمال، بے پناہ صلاحیتوں اور صداقت وامانت جیسے اخلاق کی وجہ سے عرب میں مشہور تھے جس کی وجہ سے آپ کو نکاح کیلئے بڑی بڑی حسینہ وجمیلہ نوجوان لڑکیوں کے رشتے مل سکتے تھے لیکن آپ نے محض ان چیزوں کو شروع ہی سے کبھی معیار انتخاب نہیں بنایا بلکہ آپ نے پچیس سال کی عمر میں ایک چالیس سالہ خاتون سے نکاح کیا جو دو خاوندوں سے بیوہ تھیں۔ اپنی قوت وشباب کا زمانہ انہی کے ساتھ گزارا تقریباً پچاس سال کی عمر تک کوئی اور شادی نہیں کی اور نہ ہی اس دوران کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ جس پر کوئی مخالف انگلی بھی نہ اٹھا سکے۔ آپ کی تعدد ازواج کا دور اس وقت شروع ہوتا ہے جبکہ زمانہ شباب گزر کر کہولت کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے اور اب بھی جن سے نکاح کیا حضرت عائشہؓ کے علاوہ سب بیوہ تھیں جس شخص نے قوت شباب کا زمانہ ایک بیوہ کے ساتھ گزار دیا اور نکاح کیلئے اکثر بیوہ عورتوں ہی کو ترجیح دی۔

کیا ایسی شخصیت کے بارے میں (نعوذ باللہ) شہوت پرستی جیسے الزام سراسر بے انصافی نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواجی زندگی کی تاریخ واضح شہادت دے رہی ہے کہ آپ نے اتنی عورتوں سے نکاح نفسانی اغراض کیلئے نہیں کیا تھا بلکہ اس میں بہت سے دینی مقاصد پیش نظر تھے۔ مثلاً یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ہدایات دینے کیلئے مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ آپ کا ہر ہر قول وفعل پوری انسانیت کیلئے نمونہ ہدایت ہے۔ انسانی زندگی دو اہم شعبوں پر منقسم ہے ایک باہر کی زندگی ایک خانگی زندگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیرونی زندگی کے متعلق اقوال وافعال یاد کر کے امت تک پہنچانے والے سینکڑوں جانثار صحابہؓ موجود تھے لیکن خانگی امور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طرز عمل کیا تھا؟ یہ بات صرف ازواج مطہراتؓ ہی ضبط کر کے امت تک پہنچا سکتی ہیں۔ اگر ازواج مطہراتؓ کی تعداد چار تک محدود رکھی جاتی تو اس مستقل شعبہ زیست کے متعلق بہت سی ہدایات ضائع ہو جاتیں اور امت ان سے محروم رہتی۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی۔

اس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا تقدس بھی معلوم ہو گیا۔ عام طور پر خانگی امور چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن یہاں ان کی نشرواشاعت کی کوشش کی جا رہی ہے یہ آپ کی زندگی کے انتہائی پاکیزہ ہونے کی دلیل ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ. (رواہ صحیح مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو یاد کرتے تھے ہر وقت اور ابن عباس کی حدیث، ہم کتاب الاطعمہ میں ذکر کرینگے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

تشریح: حاصل حدیث:۔ سوال۔ کل احیان کا عموم صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ایسے اوقات بھی ہیں جن میں ذکر اذکار کرنا سرے سے جائز ہی نہیں۔ مثلاً جنبی ہونے کی حالات میں تلاوت القرآن اور قضاء حاجت کے وقت مطلق ذکر بھی جائز نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر کیسے کرتے تھے۔

جواب-۱: کل احیانه میں ضمیر کا مرجع ذکر ہے ذکر کے اوقات یعنی اوقات مناسبہ للذکر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر فرماتے تھے۔
جواب-۲: ذکر سے مراد ذکر لسانی نہیں ذکر قلبی مراد ہے۔ یعنی توجه الی الله اور اگر ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو یہ عام مخصوص منہ البعض کی قبیل سے ہے یا بعض اوقات اوقات غیر مناسبہ سے مستثنیٰ ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اغْتَسَلَ بَعْضُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَفْنَةٍ فَاَرَادَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی نے ایک لگن میں غسل کیا۔

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَوَضَّاَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَقَالَ اِنَّ الْمَآءَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو کرنے کا ارادہ کیا اس نے کہا اے اللہ کے رسول میں جنبی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تحقیق پانی جنبی

لَا يَجْنُبُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ نَحْوَهٗ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ

نہیں ہوتا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اور روایت کیا ہے دارمی نے اس کی مانند اور شرح السنہ میں ابن عباسؓ سے ہے

عَنْ مَيْمُوْنَةَ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ.

اس نے میمونہؓ سے روایت کیا ہے مصابیح کے لفظ کے ساتھ

تشریح: حاصل حدیث:۔ ازواج مطہرات میں سے کسی نے ایک برتن سے پانی لے کر غسل کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو کرنے کا ارادہ فرمایا تو بعض ازواج مطہرات نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو جنبی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جنبی تھی پانی تو جنبی نہیں ہوتا۔
معلوم ہوا کہ عورت کی طہارۃ حاصل کردہ پانی سے (باقی ماندہ پانی سے) مرد کا طہارۃ حاصل کرنا جائز ہے۔ اگرچہ عورت نے مرد کی عدم موجودگی میں پانی استعمال کیا ہو۔ (مسئلہ فضل طہور المراۃ اس مسئلہ کی صورتیں ماقبل میں گزر چکی ہیں اور آگے فصل ثالث کی حدیث نمبر ۴ کے تحت یہ مسئلہ تفصیل سے آرہا ہے) نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے طہارۃ حاصل کرنے سے جونہی ہوئی ہے یہ پہلے ہوئی۔ تب ہی تو زوجہ مطہرہ محترمہ یہ کہہ رہی ہیں کہ اس سے میں نے غسل جنابت کیا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ زوجہ کا عقیدہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ يَسْتَدْفِئُ بِيْ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے جنابت کا پھر میرے ساتھ گرمی حاصل کرتے اس سے

قَبْلَ اَنْ اَغْتَسِلَ . (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ)

پہلے کہ میں غسل کروں۔ روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے اور روایت کیا ہے ترمذی نے شرح السنۃ میں مصابیح کے لفظ کے ساتھ

تشریح: حاصل حدیث:۔ جنابت کی وجہ سے نجاست حکمی ہوتی ہے حقیقی اور ظاہری نہیں۔ اور پسینہ بھی جنبی کا پاک ہوتا ہے اللہ پوری امت کی طرف سے ازواج مطہرات کو اپنے شایان شان اجر عظیم عطا فرمائیں۔ ان کا ایسی باتوں کو بیان کرنا دین ہونے کی وجہ سے تھا۔ اگر بیان نہ فرماتیں تو ہمیں کیسے یہ باتیں معلوم ہوتیں۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَيُقْرِئُنَا الْقُرْاٰنَ وَ يَاْكُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے نکلتے ہم کو قرآن پڑھاتے ہمارے ساتھ گوشت کھالیتے۔ آپ کو قرآن پڑھنے

يَكُنْ يَحْجُبُهُ اَوْ يَحْجُرُهُ عَنِ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ لَيْسَ الْجَنَابَةَ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ النِّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهُ)
سے جنابت کے سوا کوئی چیز منع نہیں کرتی تھی یا روکتی نہ تھی۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے اور روایت کیا ہے ابن ماجہ نے اس کی مانند)

تشریح: حاصل حدیث:۔ حدث اصغر کی حالت میں جمیع اذکار حتی کہ قرآن کی تلاوت بھی جائز ہے لیکن حدث اکبر جنبی ہونے کی حالت میں تلاوت قرآن جائز نہیں۔

سوال: جماع کی حالت اور بول و براز کی حالت میں بھی تو قرآن کی تلاوت سے منع فرمایا ہے جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مانع صرف جنابت ہے۔ جواب: حدث کی انواع میں سے کوئی نوع بھی مانع نہیں ہوتی تھی تلاوت قرآن سے بجز جنابت کے یہ حصر احوال کے اعتبار سے نہیں بلکہ احداث کی انواع و اقسام کے اعتبار سے ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَءُ الْحَائِضُ وَ لَا الْجُنُبُ شَيْئًا
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حائضہ اور جنبی
مِنَ الْقُرْاٰنِ. (رواہ الجامع ترمذی)
قرآن نہ پڑھیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ جنبی اور حائض کیلئے قرأۃ قرآن کا حکم: امام بخاری، طبری، ابن المنذر اور داؤد کے نزدیک جنبی اور حائض کیلئے قرأت القرآن جائز ہے۔ امام مالک جنبی کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ آیات یسیرہ تعوذ کے لئے پڑھ سکتا ہے حائضہ کے بارے میں ان کی دو روایتیں ہیں۔ ایک تقرأ ایک لاتقرأ اور ایک روایت ان کی مطلق جواز کی بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد اور جماہیر سلف کا مذہب یہ ہے کہ جنبی اور حائض کیلئے قرأۃ القرآن جائز نہیں۔

دلائل احناف۔ حدیث زیر بحث ''لاتقرأ الحائض و لا الجنب شیئا من القرآن'' اس حدیث میں لاتقرأ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ ایک یہ کہ نہی کا صیغہ ہو اس صورت میں ہمزہ کے نیچے کسرہ ہوگا۔ دوسرا یہ کہ یہ نفی کا صیغہ پڑھا جائے اس صورت میں ہمزہ پر پیش ہوگا۔ یہ نفی نہی کے معنی میں ہوگی۔ (۲) دوسری دلیل ماقبل والی حدیث ہے۔ مذہب حنفی کی چند وضاحتیں۔ حنفیہ اور جمہور کے نزدیک جنب اور حائض کیلئے تلاوت قرآن جائز نہیں پوری آیت کا پڑھنا تو سب حنفیہ کے نزدیک جائز ہے۔ مادون الآیۃ کے جواز یا عدم جواز میں امام کرخی اور امام طحاوی کا اختلاف مشہور ہے۔ امام کرخی کے نزدیک مادون الآیۃ کا پڑھنا بھی دونوں کیلئے جائز نہیں اس لئے جن نصوص میں نہی وارد ہے۔ وہ مطلق ہیں آیت یا مادون الایت کی کوئی تفصیل نہیں امام طحاوی کے نزدیک مادون الایت کا پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ اتنی مقدار میں نظم اور معنی کے اعتبار سے قرآنیت کا تحقق یقینی نہیں یعنی اتنی مقدار پڑھنے والے کو یقینی طور پر قرآن خواں نہیں کہہ سکتے۔ صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اور قاضیخان نے شرح جامع صغیر میں اور ولوالجی نے اپنے فتاوی میں اور صاحب کنز نے اپنے مستصفی اور کافی میں قول کرخی کو ترجیح دی ہے صاحب بدائع نے اس قول کو اکثر مشائخ کی طرف منسوب کیا ہے۔ بہت سے مشائخ نے طحاوی کے قول کو بھی ترجیح دی ہے تو تصحیح اور ترجیح میں بھی اختلاف ہوا احتیاط کرخی کے مذہب میں ہے۔

اگر کوئی عورت معلمہ قرآن ہو اور حیض کے دن آجائیں تو کیا کرے چونکہ حیض کئی دن تک چلتا ہے تعلیم کے ناغہ میں حرج ہے فقہاء کہتے ہیں کہ اس کو اپنی تعلیم مخصوص طریقہ سے جاری رکھنی چاہئے۔ قول طحاوی پر طریقہ تعلیم یہ ہے کہ وہ نصف آیۃ تک ایک سانس میں سبق پڑھا سکتی ہے۔ آیت کا تھوڑا سا حصہ پڑھے پھر رک جائے پھر تھوڑا سا حصہ پڑھے پھر رک جائے یوں وقفات میں پڑھائے۔ متواتر پوری آیت نہ پڑھے کرخی کے مسلک پر طریقہ تعلیم یہ ہے کہ ایک ایک کلمہ کر کے پڑھائے پہلے ایک کلمہ کی تلقین کرے پھر ٹھہر جائے علی ہذا القیاس کرخی کے مذہب پر صاحب بحر نے یہ اشکال کیا ہے کہ یہ مادون الآیۃ کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں اور ایک کلمہ بھی مادون الآیۃ میں داخل ہے تو ان کے مسلک پر

اس طریقہ تعلیم کی تفریع کیسے ہوسکتی ہے۔

سید محمد امین شامی نے البحر الرائق کے حاشیہ میں اس اشکال کا جواب دیا ہے وہ یہ کہ کرخی کے نزدیک اگرچہ مادون الآیۃ بھی جائز نہیں لیکن وہ مادون الآیۃ کو ناجائز تب کہتے ہیں جبکہ اتنا اور اس طرح سے پڑھے کہ اس کو تالی اور قاری سمجھا جاسکے ایک ایک کلمہ پڑھنے میں یہ بات نہیں ہے اس لئے یہ انداز ان کے مسلک پر جائز ہونا چاہئے۔ پھر علامہ شامی نے یعقوب پاشا کا حوالہ دیا ہے انہوں نے کرخی کے مذہب کی تقریریوں کی ہے کہ ان کے نزدیک مادون الآیۃ جب مرکبات ہوں تو ناجائز ہے۔ مفردات ناجائز نہیں ہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَاِنِّي
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان گھروں کے دروازے مسجد سے پھیرلو میں مسجد کو حائضہ نے
لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّلَا جُنُبٍ. (رواہ ابوداؤد)
اور جنبی کیلئے حلال نہیں کرتا۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد

تشریح: دخول الحائض والجنب في المسجد۔ حائض اور جنب کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے یا نہیں؟ مسئلہ: قول اول داؤد اور ابن المنذر اور مزنی کے نزدیک ان دونوں کو مسجد میں داخل ہونا مطلقاً جائز ہے۔ قول ثانی امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ سفیان ثوری اور جمہور فقہاء کے نزدیک ان دونوں کو مسجد میں داخل ہونا مطلقاً ناجائز ہے۔ علی وجہ المرور والعبور بھی اور علی وجہ المکث بھی۔ قول ثالث امام شافعی کے نزدیک جنبی کیلئے مسجد سے عبور اور مرور جائز ہے مکث جائز نہیں۔ حائضہ کے بارے میں ان سے دو روایتیں ہیں۔ ایک جمہور کے مطابق کہ اس کا دخول مطلقاً ناجائز ہے اور دوسری یہ کہ عبور جائز ہے۔ مکث جائز نہیں۔ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ حائض کیلئے تو دخول مطلقاً جائز نہیں اور جنبی کیلئے مرور اور مکث دونوں جائز ہیں بشرطیکہ رفع الحدث کیلئے وضو کرے۔

دلیل حنفیہ۔ حضرت عائشہؓ کی زیر بحث حدیث جس کو صاحب مشکوۃ نے بحوالہ ابوداؤد نقل کیا ہے اس کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے۔ **فانی لا احل المسجد لحائض ولا جنب**۔ سنن ابن ماجہ میں ام سلمہؓ کی حدیث ہے۔ **ان المسجد لایحل لحائض ولا جنب**۔ دونوں صراحۃ ہمارے مذہب کی تائید کررہی ہیں ان میں مرور اور مکث کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

امام شافعی نے جو عبور للجنب کو جائز رکھا ہے۔ انہوں نے استدلال کیا ہے۔ سورہ نساء کے ساتویں رکوع کی پہلی آیت سے۔ ''**یایها الذین لاتقربوا الصلوة وانتم سکریٰ حتی تعلموا ما تقولون ولا جنبا الا عابری سبیل حتی تغتسلوا**''۔ انہوں نے اس کی تفسیر یوں کی ہے صلوٰۃ سے مراد مواضع الصلوۃ ہیں یعنی مسجدیں تو مطلب یہ ہوا کہ مسجدوں کے قریب نہ جاؤ جبکہ تم نشہ کی حالت میں ہو جب تک کہ نشہ اتر نہ جائے ایسے ہی مسجدوں کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم جنبی ہو حتی کہ غسل کرو **الا عابری سبیل**۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مگر جبکہ صرف راستے کو عبور کرنا مقصود ہو تو پھر یہ ممانعت نہیں۔ جنابۃ کی حالت میں مسجد سے عبور کرسکتے ہو۔

حنفیہ اور جمہور کے نزدیک اس کی تفسیر یہ ہے کہ صلوٰۃ سے مراد خود نماز ہے۔ نماز کی جگہیں مراد نہیں۔ نماز کے متعلق دو حکم دینے مقصود ہیں ایک یہ کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو۔ دوسرا یہ کہ جنابت کی حالت میں نماز مت پڑھو۔ یہاں تک کہ نہالو۔ ''**الا عابری سبیل**'' مگر یہ کہ تم راستہ عبور کرنے والے ہو۔ یعنی تم مسافر ہو۔ مسافر ہونے کی حالت میں اگر جنابت ہو اور پانی نہ ملے تو پھر حکم الگ ہے۔ یتیم کرلیا جائے جیسا کہ اس کے ساتھ ہی یتیم کا حکم مذکور ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ وَّلَا
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا
كَلْبٌ وَّلَا جُنُبٌ. (رواہ ابوداؤد ونسائی)
کتا یا جنبی ہو۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ سوال۔اس حدیث میں اور ماقبل والی حدیث جس میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر غسل کئے جنابت کی حالت میں سوجاتے تھے۔تو اس میں تعارض لازم آیا۔کیا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے تھے۔جواب۔اس جنبی کا مصداق وہ شخص ہے جس نے جنابت کی حالت میں رہنے کو اور تاخیر سے غسل کرنے کو عادت بنالیا ہو اس کے گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔یا اس سے مراد وہ شخص ہے جس پر ایک وقت نماز کا گزر جائے۔واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلاثَۃٌ لا تَقْرَبُھُمُ الْمَلَائِکَۃُ جِیْفَۃُ
حضرت عمارؓ بن یاسر سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص ہیں فرشتے ان کے نزدیک نہیں جاتے
الْکَافِرِ وَالْمُتَضَمِّخُ بِالْخَلُوْقِ وَالْجُنُبُ اِلَّا اَنْ یَتَوَضَّأَ۔ (رواہ ابو اؤد)
کافر کا لاشہ' خلوق لگانے والا اور جنبی مگر یہ کہ وہ وضو کرے۔روایت کیا اس کو ابوداؤد نے

تشریح: حاصل حدیث تین شخص ایسے ہیں کہ ان پر ملائکہ رحمت نازل نہیں فرماتے بلکہ ملائکہ کا غضب نازل کرتے ہیں۔

(۱) مردہ کافر۔کافر کی میت پر۔(۲) اس شخص پر جو خلوق کے ساتھ لت پت ہو۔خلوق وہ خاص قسم کی خوشبو جس میں زعفران کی آمیزش ہو یہ مختص ہے عورتوں کے ساتھ جس کا استعمال مردوں کے لئے جائز نہیں۔وجہ عدم قرب ملائکہ اس میں تشبہ بالنساء ہے اور یہ جائز نہیں (اسی طرح جو شخص ہونٹ کو سرخ کرتا ہے اس سے جس کو عورتیں استعمال کرتی ہیں اس کا بھی یہی حکم ہے) اور جو عورتیں مردوں کی خوشبو لگاتی ہیں اس کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ اس میں تشبہ بالرجال ہے و ذالک لایجوز۔(۳)۔جنبی آدمی جب تک کہ وہ وضو کرلے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّ فِی الْکِتَابِ الَّذِیْ کَتَبَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ
حضرت عبداللہؓ بن ابی بکر بن محمد بن عمرؓ وبن حزم سے روایت ہے بے شک وہ خط جو رسول اللہ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنْ لَّا یَمَسَّ الْقُرْاٰنَ اِلَّا طَاھِرٌ۔ (رواہ موطا امام مالک والدار قطنی)
صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو لکھا تھا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ قرآن پاک کو ہاتھ نہ لگائے مگر پاک روایت کیا اس کو مالک اور دار قطنی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔عمرو بن حزم یمن کے حاکم تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کی طرف والا نامہ لکھا اس کا بیان ہے اس میں لکھا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگائے مگر طاہر یہ اجماعی مسئلہ ہے کوئی اختلاف نہیں ہے۔بے وضو آدمی تلاوت کرسکتا ہے لیکن قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ انْطَلَقْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِیْ حَاجَۃٍ کَانَ مِنْ حَدِیْثِہٖ یَوْمَئِذٍ اَنْ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ فِیْ سِکَّۃٍ
حضرت نافعؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ ابن عمرؓ کے ساتھ قضائے حاجت کیلئے چلا۔ابن عمرؓ نے فراغت حاصل کی اور اس دن
مِنَ السِّکَکِ فَلَقِیَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَرَجَ مِنْ غَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ فَسَلَّمَ عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ
ان کی حدیث سے یہ بھی ہے ایک شخص ایک گلی میں سے گزرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ملاقات کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاخانے یا
حَتّٰی اِذَا کَادَ الرَّجُلُ اَنْ یَّتَوَارٰی فِی السِّکَّۃِ ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِہٖ عَلَی
پیشاب سے فارغ ہوئے تھے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب نہ دیا۔جب قریب ہوا کہ وہ آدمی گلی
الْحَائِطِ وَمَسَحَ بِھِمَا وَجْھَہٗ ثُمَّ ضَرَبَ ضَرْبَۃً اُخْرٰی فَمَسَحَ ذِرَاعَیْہِ ثُمَّ رَدَّ عَلَی الرَّجُلِ السَّلَامَ
میں چھپ جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ہاتھ دیوار پر مارے اور ان دونوں سے اپنے چہرہ کا مسح کیا۔پھر ہاتھ مارے اور اپنے دونوں ہاتھوں پر

وَقَالَ اِنَّهٗ لَمْ يَمْنَعْنِيْ اَنْ اَرُدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ اِلَّا اَنِّيْ لَمْ اَكُنْ عَلٰى طُهْرٍ. (رواہ ابوداؤد)

مسح کیا۔ پھر اس آدمی کو سلام کا جواب دیا اور فرمایا میں نے تیرے سلام کا اس لئے جواب نہیں دیا تھا کہ میں پاکی پر نہ تھا۔ (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت نافعؒ نے یہ واقعہ سنایا کہ ابن عمرؓ کسی کام کے لئے جارہے تھے میں بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ ابن عمرؓ نے اپنی حاجت کو پورا کیا کام وغیرہ کیا اور اس دن مجھے ابن عمرؓ نے کچھ احادیث سنائیں اس دن جو احادیث سنائیں ان میں سے ایک حدیث یہ سنائی تھی کہ ایک آدمی راستہ پر جارہا تھا تو راستے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تھے تو اس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ جب وہ شخص راستے سے غائب ہونے لگا تو فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیمم کیا اور سلام کا جواب دیا۔ چونکہ وہ آدمی بھی پریشان ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا کیا وجہ ہے اس لئے شفقت فرماتے ہوئے فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر بیان کیا کہ میں نے سلام کا جواب تاخیر سے اس لئے دیا کہ میں اس وقت طہارت سے نہیں تھا۔

سوال۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کا جواب دینے کیلئے بھی طہارۃ ضروری ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے غائب ہونے سے قبل بعد التیمم سلام کا جواب دیا۔ اس لئے کہ سلام کا جواب بھی ذکر اللہ ہے سلام بھی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے تو اس سے بظاہر معلوم ہوا کہ مطلق ذکر اللہ کے لئے بھی طہارت شرط ہے۔

جواب-۱: یہ اس زمانے کا قصہ ہے جب کہ مطلقاً ذکر اللہ کے لئے بھی طہارۃ کا ہونا شرط تھا اور جب آیت کریمہ نازل ہوئی **اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا** الخ تو آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد نماز کے لئے طہارت والی شرط کو باقی رکھا گیا۔ اذکار کے لئے حکم طہارت کو منسوخ کردیا گیا مگر تلاوت قرآن کے لئے طہارت کبریٰ کی شرط باقی رہی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا فرمانا اولیت اور افضلیت کی بناء پر تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذکر اللہ کے لئے طہارت پسند فرماتے تھے۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کا جواب طہارۃ کے بعد دینا چاہئے تو پھر ان اذکار کو کیسے عمل میں لایا جائے گا جن وضو کے بعد اور قضاء حاجت سے پہلے یا قضا حاجت کے بعد وضو سے پہلے جن اذکار کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ بلا طہارت ہوں گی۔ تو گویا اس حدیث کا تعارض ہوگیا ان احادیث کے ساتھ کہ جن میں آیا کہ وضوء سے پہلے اذکار کو عمل میں لایا جائے اور اسی طرح ان احادیث سے جن میں بعد الخلاء کی ادعیہ مذکور ہیں۔

جواب-۱: الجواب ھو الجواب (پہلے سوال کا جو جواب ہے وہی اسی سوال کا جواب ہے)

جواب-۲: اذکار دو قسم پر ہیں۔ (۱) اذکار موقتہ (۲) اذکار غیر موقتہ۔ موقتہ اس کو کہتے ہیں کہ جن کا کوئی وقت متعین ہے جیسے خروج مسجد دخول مسجد بیت الخلاء سے دخول وخروج کے وقت میں اذکار یہ موقتہ ہیں اور غیر موقتہ یہ ہے کہ جن کا کوئی وقت متعین نہ ہو۔ جیسے تسبیح تلاوت قرآن وغیرہ یہ غیر موقتہ ہیں۔ بس موقتہ کے لئے اصول فقہاء نے یہ طے کیا کہ ان کے لئے کوئی طہارت شرط نہیں۔ جس وقت ان کا وقت آئے گا ان کو عمل میں لایا جائے گا خواہ طہارت ہو یا نہ ہو اور غیر موقتہ کے لئے یہ اصول طے کیا کہ طہارۃ شرط ہے یعنی ضروری ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ وضوء اور بیت الخلاء کی دعائیں اذکار موقتہ کی قبیل سے ہیں۔ اور سلام کا جواب غیر موقتہ کی قبیل سے ہے بظاہر تو موقت ہے اس لئے کہ سلام کا جواب اسی وقت دیا جائے گا جب کہ پہلے کوئی سلام کرے لیکن چونکہ اس میں وسعت ہے کہ مجلس کے اختتام تک جواب دے سکتا ہے تو اس توسع اور امتداد کی وجہ سے غیر موقتہ قرار دیا۔ لہذا یہ غیر موقتہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد از طہارۃ سلام کا جواب دیا۔

سوال: تیمم تو تب جائز ہے جب کہ تیمم کی شرائط پائی جائیں اور ان شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ پانی کو تلاش کیا جائے اور یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کو تلاش نہیں کیا۔ فوراً تیمم کرلیا؟

جواب: عبادات دو قسم کی ہیں۔ (۱) جن کا فوات لاالی بدل ہے یعنی اگر وقت پر ادا نہ ہو اس کا کوئی بدل نہ ہو اس کی قضاء نہ ہو مثلاً نماز

جنازہ نماز عیدین وغیرہ۔فقہاء نے جو ضابطہ بیان کیا (کہ تیمم تب جائز ہے جب تیمم کی شرائط پائی جائیں) یہ ان عبادات کے متعلق ہے جن کا فوات الی بدل ہو۔اور جن کا فوات لا الی بدل ہو وہاں شرائط ضروری نہیں اور یہاں سلام کا جواب ان عبادات میں سے ہے جن کا فوات لا الی بدل ہے کیونکہ مجلس کے ختم ہونے کے بعد یہ دعا ہے سلام کا جواب نہیں۔

وَعَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ قُنْفُذٍ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَبُوْلُ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ
حضرت مہاجر بن قنفذؓ سے روایت ہے کہا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے پس اس نے سلام کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا
حَتّٰى تَوَضَّأَ ثُمَّ اعْتَذَرَ إِلَيْهِ وَقَالَ إِنِّيْ كَرِهْتُ أَنْ أَذْكُرَ اللّٰهَ إِلَّا عَلٰى طُهْرٍ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى
یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ پھر اس کی طرف عذر بیان کیا اور فرمایا میں نے برا جانا کہ میں اللہ کا ذکر کروں مگر پاکی پر روایت کیا
النَّسَائِيُّ إِلٰى قَوْلِهِ حَتّٰى تَوَضَّأَ وَقَالَ فَلَمَّا تَوَضَّأَ رَدَّ عَلَيْهِ.
اس کو ابو داؤد نے اور روایت کیا ہے۔نسائی نے حتی توضا تک اور کہا جب وضو کیا جواب دیا

تشریح: حاصل حدیث:۔قولہ' وھو یبول فلم یرد ......الخ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب فرما رہے تھے تو سلام کیا حالانکہ حالت بول میں تو کسی کو سلام کرنا جائز نہیں۔اور نہ ہی جواب دینا جائز ہے۔

سوال: تو پھر صحابیؓ نے کیسے سلام کیا؟ جواب-۱: بول ذکر کر کے اور بول کے مابعد والی حالت کو مراد لیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب سے فارغ ہو چکے تھے تو اس صحابی نے سلام دیا۔

جواب-۲: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب فرما ہی رہے تھے حالت بول ہی میں سلام کیا۔اشکال تو پھر بھی باقی رہا۔

جواب-۳: (سلام کرنے والے صحابیؓ نے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ادا کرنے میں جلدی کی اور بسا اوقات عظیم کی عظمت کے حق کو ادا کرنے کا جذبہ حالت مناسبہ غیر مناسبہ کا امتیاز کرنے سے مانع ہو جاتا ہے۔جیسے کسی بزرگ سے مصافحہ کرنے کے وقت لوگوں کی بھرمار ہوتی ہے ٹوٹ پڑتے ہیں مصافحہ کرنے کے لئے یہ نہیں دیکھتے کہ بزرگ کو تکلیف بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ایسے ہی صحابیؓ کی جونہی نظر پڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو فوراً کہہ دیا السلام علیکم حالت مناسبہ وغیر مناسبہ کا امتیاز نہیں کیا۔سوال۔ حدیث نافع اور حدیث مہاجر میں تعارض ہے۔حدیث نافع میں آیا کہ تیمم کر کے جواب دیا اور حدیث مہاجر میں ہے کہ وضو کر کے جواب دیا۔

جواب واقعات دو قسم کے ہیں الگ الگ واقعات ہیں ایک میں وضو کر کے اور ایک میں تیمم کر کے جواب دیا۔باقی دو سوال ماقبل والے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجْنِبُ ثُمَّ يَنَامُ ثُمَّ يَنْتَبِهُ ثُمَّ يَنَامُ. (رواہ احمد بن حنبل)
حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہوتے پھر سوتے پھر بیدار ہوتے پھر سوتے۔ روایت کیا اس کو احمد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے سے پہلے حالت جنابت میں وضو کیا یا نہیں۔دونوں احتمال ہیں حالت جنابت میں وضو کرنے کے بعد سوئے۔(۲) وضو کرنے سے پہلے سو گئے۔آپ کو پہلے احتمال پر محمول کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر کے سوتے تھے اگر دوسرا احتمال ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تارۃً ایسا کیا۔

وَعَنْ شُعْبَةَ قَالَ إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يُفْرِغُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى
حضرت شعبہؓ سے روایت ہے کہا کہ بے شک ابن عباسؓ سے جب جنابت کا غسل کرتے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر ڈالتے

سَبعَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَغسِلُ فَرجَهُ فَنسِيَ مَرَّةً كَمْ اَفرَغَ فَسَأَلَنِي فَقُلْتُ لَا اَدرِي فَقَالَ لَا اُمَّ لَکَ وَمَا

سات بار پھر اپنا سر دھوتے ایک مرتبہ بھول گئے کہ کتنی مرتبہ پانی ڈالا ہے مجھ سے پوچھا میں نے کہا میں نہیں جانتا کہا تیری ماں نہ رہے

يَمْنَعُکَ اَنْ تَدْرِيَ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوءَهُ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يُفِيضُ عَلٰى جِلْدِهِ الْمَآءَ ثُمَّ يَقُولُ هٰكَذَا كَانَ

کس چیز نے منع کیا تجھ کو کہ تو جانے پھر وضو کرتے وضو نماز کا پھر اپنے جسم پر پانی بہاتے پھر کہتے اس طرح

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَطَهَّرُ. (رواه ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طہارت کرتے تھے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت شعبہؒ یہ قصہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ جب غسل جنابت کرتے تھے تو سات مرتبہ دائیں ہاتھ میں پانی کا چلو بھر کے بائیں ہاتھ پر ڈالتے تھے پھر اپنی فرج کو دھوتے تھے استنجا کرتے تھے۔ ایک ایسا ہی چلو بھر کے ڈال رہے تو مرارت بھول گئے میں پاس بیٹھا ہوا تھا تو مجھ سے پوچھا کہ کتنے مرات ہو گئے ہیں میں نے کہا لا ادری اس پر انہوں نے کہا لا امّ لک کتنا سخت کلمہ ہے۔ اس کے دو مطلب ہیں۔ (۱) ایک مطلب تو یہ ہے کہ تو کسی لقیطہ کا بیٹا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ تیری ماں مربیہ نہیں ہے اگر مربیہ موجود ہوتی تو اتنی غفلت اس میں نہ کرتا۔ (۲) یہ بددعا ہے کہ تیری ماں مرجائے (جیسا کہ محاورہ میں کہا جاتا ہے) کہ تو تعلیم میں غفلت کرتا ہے آیا تو تو تعلیم حاصل کرنے کے لئے ہے میرے پاس پھر اتنی غفلت مرات کا بھی علم نہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ غفلت پر سزا ہو گی جھڑکا جائے گا۔

سوال: اس حدیث میں ہے کہ ہاتھوں کا دھونا غسل جنابت میں سات مرات کیا اور دوسری حدیث میں ہے کہ سبع مرات والا حکم منسوخ ہو گیا تھا۔

جواب-۱: یہ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ کو یہی علم تھا کہ غسل جنابت سات مرتبہ تھا اور اس کے بعد آپؓ کو نسخ کا علم نہ ہوا ہو (یہ ممکن ہے)

جواب-۲: یہ حدیث ان احادیث صحیحہ کے مقابلے میں مرجوح ہے جن میں یہ آتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے طریقے کو بیان کیا لیکن انس میں غسل سبع مرات کا ذکر نہیں۔

جواب-۳: بعض نے دیا کہ رطوبات کو زائل کرنے کے لئے حضرت ابن عباسؓ نے سات مرتبہ ہاتھ دھوئے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس پر سیاق منطبق نہیں ہوتا کیونکہ اس میں وہ تعلیم دے رہے ہیں اپنے تلمیذ کو اور تعلیم کا اتنی مقدار سے حاصل ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِي رَافِعٍ قَالَ اِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى نِسَآئِهِ يَغْتَسِلُ

حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اپنی تمام بیویوں پر پھرے غسل کرتے اس کے پاس اور غسل کرتے اس کے پاس میں نے کہا اللہ کے

عِنْدَ هٰذِهٖ وَعِنْدَ هٰذِهٖ قَالَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ اَلَا تَجْعَلُهُ غُسْلًا وَّاحِدًا اٰخِرًا قَالَ هٰذَا اَزْكٰى وَاَطْيَبُ وَاَطْهَرُ

رسول کیوں نہ غسل کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اخیر میں فرمایا یہ خوب پاک کرتا ہے اور بہت خوش آئند ہے اور بہت ستھرا کرنا ہے۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے

(رواہ مسند احمد بن حنبل ابوداؤد)

تشریح: حاصل حدیث:۔ سوال۔ اس حدیث میں آیا کہ متعدد ازواج مطہراتؓ کے ساتھ جماع متعدد غسل سے کیا۔ اور ماقبل میں ایک حدیث گزری ہے اس سے معلوم ہوا کہ متعدد ازواج مطہراتؓ کے ساتھ جماع کرنے کے بعد ایک ہی مرتبہ غسل کیا بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔ جواب گزر چکا کہ دونوں واقعہ الگ الگ ہیں۔ نیز جماعین کے مابین غسل انبساط کے لئے تھا جس پر قرینہ مابعد والی کلام ہے۔ هذا ازکی واطیب واطهر۔

وَعَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّتَوَضَّأَ الرَّجُلُ بِفَضْلِ طُهُوْرِ

حضرت حکم بن عمروؓ سے روایت ہے کہا کہ منع کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ وضو کرے آدمی عورت کے بچے

الْمَرْاَةِ.(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرمِذِيُّ وَ زَادَاَوْقَالَ بِسُوْرِهَا وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)
ہوئے پانی سے۔روایت کیا اس کوابوداؤد وابن ماجہ اور ترمذی نے اور زیادہ کیا اس نے بقیہ پانی عورت کے سے اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے
وَعَنْ حُمَيْدِ نِ الْحِمْيَرِى قَالَ لَقِيْتُ رَجُلًا صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ سِنِيْنَ كَمَا صَحِبَهٗ
حضرت حمید حمیری سے روایت ہے کہا میں ایک آدمی سے ملا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چار سال تک رہا۔جیسے ابوہریرۃؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم
اَبُوْهُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَغْتَسِلَ الْمَرْاَةُ بِفَضْلِ الرَّجُلِ اَوْيَغْتَسِلَ الرَّجُلُ
کی صحبت میں رہے۔اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ مردعورت کے بچے ہوئے پانی سے یا عورت مرد کے بچے ہوئے
بِفَضْلِ الْمَرْاَةِ زَادَ مُسَدَّدٌ وَّلْيَغْتَرِ فَاجَمِيْعًا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنِّسَائِيُّ وَزَادَ اَحْمَدُ فِي اَوَّلِهٖ نَهٰى اَنْ يَّمْتَشِطَ
پانی سے نہائے مسدد نے زیادہ کیا چاہئے کہ چلو بھریں اکٹھا روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے اور زیادہ کیا احمد نے اس کے شروع میں منع کیا
اَحَدُنَا كُلَّ يَوْمٍ اَوْ يَبُوْلَ فِي مُغْتَسَلِ وَّرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسٍ.
کہ ایک ہمارا ہرروز کنگھی کرے یا غسل خانہ میں پیشاب کرے روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے عبداللہ بن سرجس سے

تشریح: حاصل حدیث:۔اس حدیث میں عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو طہارت حاصل کرنے سے منع فرمایا اور ایسے ہی مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کو طہارۃ حاصل کرنے سے منع فرمایا چنانچہ ان دونوں حدیثوں کے متعلق یہ مسئلہ ہے کہ آیا عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد طہارت حاصل کرسکتا ہے یا نہیں۔

فضل طهور المراة اس کا حکم کیا ہے؟ اس مسئلے کی کل صورتیں چار ہیں۔(۱) مرد اور عورت اکٹھے ایک ہی وقت میں ایک ہی حالت میں ایک ہی برتن سے پانی لے کر اکٹھے طہارت حاصل کریں۔(۲) مرد نے طہارۃ حاصل کی ہو اور اس کے بچے ہوئے پانی سے عورت طہارۃ حاصل کرے۔(۳) عورت نے مرد کے سامنے طہارۃ حاصل کی ہو اس کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا طہارۃ حاصل کرنا۔(۴) عورت نے مرد کی عدم موجودگی میں طہارۃ حاصل کی ہو تو اس کے بچے ہوئے پانی سے مرد کا طہارۃ حاصل کرنا جائز ہے۔

البتہ چوتھی صورت میں اختلاف ونزاع ہے۔جمہور کے نزدیک جائز ہے۔مرد کی عدم موجودگی میں عورت نے طہارۃ کی ہو اور پھر مرد اس کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کرے یہ جائز ہے اور حنابلہ کے نزدیک جائز نہیں۔

جمہور کی دلیل حدیث ابن عباسؓ اسی باب کی فصل ثانی کی پہلی حدیث جس میں یہ بات مذکور ہے کہ ایک زوجہ مطہرہؓ نے جفنہ سے پانی لے کر طہارۃ حاصل کی اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کا ارادہ فرمایا تو اس نے عرض کیا کہ میں نے جنابت کی وجہ سے اس سے غسل کیا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی تو نجس نہیں ہوتا اور یہ مرد کی عدم موجودگی میں تھا۔تو معلوم ہوا کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے جو اس نے خلوت میں طہارۃ کے لئے استعمال کیا ہو اس کا استعمال مرد کے لئے جائز ہے۔

حنابلہ کی یہی دو حدیثیں دلیل ہیں کہ اس میں فضل طہورۃ المراۃ سے منع فرمایا گیا۔

جمہور کی طرف سے فریق مخالف کے دلائل کے جوابات:۔جواب-۱: اس نہی پر عمل کرنے کے لئے تو دوسری حدیثیں بھی ہیں۔جس طرح مرد کو عورت کے بچے ہوئے پانی سے طہارۃ حاصل کرنے سے منع فرمایا اسی طرح دوسری حدیث میں عورت کو بھی مرد کے بچے ہوئے پانی سے طہارۃ حاصل کرنے سے منع فرمایا (مرد کے فضل طہور کے استعمال کرنے سے منع فرمایا) حالانکہ یہ صورت تمہارے نزدیک بھی جائز ہے یہ اجماعی ہے فماهو جوابكم فهو جوابنا لامحالہ یہی کہو گے کہ یہ نہی تنزیہی ہے۔

جواب-۲: حدیث ابن عباسؓ کی روایت میں نہی متقدم ہے اور اباحت متاخر ہے اور بوقت تعارض متاخر متقدم کے لئے ناسخ ہوتی ہے لہذا حدیث ابن عباس ناسخ باقی اس کے متاخر ہونے پر قرینہ یہ ہے کہ زوجہ مطہرہ کا یہ کہنا کہ میں نے اس سے غسل جنابت کیا ہے یہ قرینہ ہے اس بات کا کہ نہی والی حدیث پہلے سنی ہوئی ہوگی اس لئے اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی نجس نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اباحت متاخر ہے۔

جواب-۳: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود حسن معاشرت کی تعلیم دینا ہے کوئی ضابطہ شرعیہ بتلانا مقصود نہیں مطلب یہ ہے کہ تکلف نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ **ولیغترفا جمیعاً** کے الفاظ سے سمجھا جارہا ہے۔

جواب-۴: بعض حضرات نے کہا اس سے مراد وہ پانی ہے جو وضوء کے دوران اعضاء سے گرتا رہا ہو۔ **ماء تساقط عن اعضاء الوضوء** اسی ماء مستعمل کو استعمال کرنا نہ مرد کے لئے جائز ہے اور نہ عورت کے لئے اور اس حدیث کے آخر میں ہر دن کنگھی کرنے سے بھی منع فرمایا اس لئے کہ اس میں محض تکلف ہے۔ اور غسل خانہ میں جا کر غسل خانے میں پیشاب کرنے سے بھی منع فرمایا اس لئے کہ اس سے وہم کی بیماری ہو جاتی ہے۔

بَابُ اَحْکَامُ الْمِیَاہِ

پانی کے احکام کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِی الْمَاءِ الدَّآئِمِ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں
الَّذِیْ لَا یَجْرِیْ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَ لَا یَغْتَسِلُ اَحَدُکُمْ فِی الْمَآءِ
جو جاری نہ ہو پیشاب نہ کرے پھر غسل کرے اس میں۔ متفق علیہ۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ فرمایا کوئی تم میں سے ٹھہرے ہوئے پانی میں
الدَّآئِمِ وَهُوَ جُنُبٌ قَالُوْا کَیْفَ یَفْعَلُ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ یَتَنَاوَلُهٗ تَنَاوُلًا.
غسل نہ کرے اس حال میں کہ وہ جنبی ہو لوگوں نے کہا کیسے کرے اے ابوہریرہؓ کہا علیحدہ لے

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں سب سے پہلا مسئلہ۔ الدائم کے بعد **الذی لایجری** اس کو بطور وصف کے ذکر کیا گیا ہے اس وصف کی کیفیت کیا ہے۔ اس کا دارومدار الدائم کے معنے پر ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ **الدائم** کے دو معنے ہیں۔

(۱) ماء غیر جاری ٹھہرا ہوا پانی۔ (۲) **الذی یدوم فی الاصل**۔ جس کا اصل دائمی ہو اس میں انقطاع نہ ہو۔ اگر پہلا معنی مراد ہو تو متعین ہے زیر صفت کاشفہ ہے۔ جو دائم سے مراد ہے وھی **الذی لایجری** سے مراد ہے صرف اجمال تفصیل کا فرق ہے الدائم میں اجمال اور **الذی لایجری** میں تفصیل ہے۔ اگر دوسرا معنی مراد ہو یعنی جس کا اصل دائمی ہو اس میں انقطاع نہ ہو۔ تو اس صورت میں اس کے آگے دو فرد ہیں۔

(۱) (مائے کثیر ہو) ٹھہرا ہوا ہو۔ (۲) (مآء کثیر ہو اور) جاری ہو۔ تو **الذی لایجری** کو لا کر دوسرے فرد کو خارج کر دیا اور پہلا فرد متعین ہے تو اس صورت میں یہ صفت مقیدہ اور مخصصہ ہوگی۔

دوسرا مسئلہ۔ ان دونوں معنوں کے درمیان نسبت کونسی ہے تو پہلے معنے کے اعتبار سے ان کے درمیان نسبت مساوات کی ہوگی۔ جو دائم سے مراد ہے۔ وہی الذی لایجری سے مراد ہے اور جو الذی لایجری سے مراد ہے وہی الدائم سے مراد ہے۔

اور دوسرے معنے کے اعتبار سے تو پھر عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہوگی۔ جہاں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہو وہاں تین مادے ہوتے ہیں ایک مادہ اجتماعی اور دو افتراقی۔(۱) اصل منقطع نہ ہوا ہو۔اور ٹھہرا ہوا ہو(۲) اصل منقطع نہ ہو اور ٹھہرا ہوا بھی نہ ہو۔(۳) اصل منقطع ہو اور ٹھہرا ہوا ہو۔مادہ اجتماعی ایسا پانی جو ٹھہرا ہوا ہو اور اصل منقطع نہ ہو یہ دائم بھی اور الذی لایجری بھی ہے۔

مادہ انفرادی (۱) اصل منقطع ہو لیکن ٹھہرا ہوا ہو یہ الذی لایجری تو ہے لیکن دائم نہیں۔

مادہ انفرادی (۲) اصل منقطع نہ ہو لیکن ٹھہرا ہوا نہ ہو۔ یہ دائم تو ہے لیکن الذی لایجری نہیں۔لیکن مشہور یہ ہے کہ ان کے درمیان نسبت مساوات کی ہے اور آگے صفت کاشفہ ہے۔

حاصل حدیث ماء دائم کے اندر اور ماء غیر جاری کے اندر پیشاب کرنے سے منع فرمایا گیا ہے باقی (دوسری بات) رہی یہ بات کہ ماء دائم کے اندر اور ماء غیر جاری کے اندر نہی عن البول آیا یہ محض تعبدی ہے یا یہ معلول بالعلت ہے۔

فیہ قولان عندالجمھور الفقھاء معلول بالعلت ہے اور عنداہل ظواہر نہی محض تعبدی ہے۔پھر جمہور فقہاء کے اس میں دو قول ہیں کہ وہ علت کیا ہے(۱) پانی کا بالفعل نجس ہو جانا۔ (۲)افضاء الی تنجس المآء۔یعنی مآل کے اعتبار سے پانی کا نجس ہو جانا مطلب یہ ہے کہ اگر پانی میں پیشاب کرنے سے نہ روکا جائے تو لوگ اس میں پیشاب کرتے رہیں گے حتیٰ کہ پانی کی اوصاف متغیر ہو جائیں گی۔اور پانی ناپاک ہوگا۔

ثمرہ اختلاف۔اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ بول کسی برتن میں ڈال کر پانی میں ڈال دو۔اہل ظواہر کے نزدیک حیرت کی بات ہے وہ کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں اور جمہور کہتے ہیں کہ یہ معلول بالعلت ہے خواہ برتن میں پیشاب کر کے پانی میں ڈالو۔یا پانی میں پیشاب کرو دونوں صورتوں میں پانی نجس جائے گا۔

تیسری بات۔ یہ نہی حرمت کے لئے ہے یا نہی تنزیہ کے لئے ہے۔

احناف کے نزدیک یہ نہی حرمت کے لئے ہے تنزیہی نہیں۔

اہل ظواہر کے نزدیک یہ نہی تنزیہ کے لئے ہے باقی اس حدیث میں بول کا ذکر بطور تمثیل کے ہے نجاست کے سیال اور عدم سیال نجاست کے ثقیف اور عدم ثقیف میں کوئی فرق نہیں۔اور ماء دائم کا تذکرہ بھی بطور تمثیل کے ہے ہر وہ چیز جس سے پانی نجس ہو جائے وہ مراد ہے مثلاً کسی نے کسی برتن میں بول کر کے اس کو پانی میں گرا دیا یا پانی کے باہر کیا لیکن وہ گر کر یا بہہ کر پانی میں چلا جائے تو اس سے بھی پانی ناپاک ہو جائے گا۔

ثم یغتسل: اس کا اعراب کیا ہے۔اس میں تین احتمال ہیں۔تین اعراب ہیں رفع نصب جزم۔

(۱) یہ مرفوع ہے اور یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے ثم ھو یغتسل اس صورت میں اس کا عطف ہوگا لا یبولن کے پورے جملے پر یہ عطف الجملہ علی الجملہ کی قبیل سے ہو جائے گا اور ثم استبعاد یہ ہوگا معنی یہ ہوگا کہ ماء دائم میں بول کرنا اور پھر اس میں غسل کرنا یہ عقل مند کی شان سے انتہائی بعید ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے حدیث میں آیا لایضرب.........الخ کہ تم اپنی بیوی کو لامۃ کی طرح نہ مارو پھر اس سے جماع کرو (مار کر) یعنی یہ عاقل کی شان سے بعید ہے۔کہ دن کے وقت اس کو مارے اور رات کے وقت اس کے پاس جائے کہ بہر تقدیر ماء دائم میں بول سے بھی نہی اور غسل سے بھی نہی مقصود ہے۔

(۲)ثم یغتسل: یہ مجزوم ہے اس کے مجزوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عطف ہے یبولن کے محل پر اور یبولن یہ لائے نہی کی وجہ سے مجزوم ہے لہذا معطوف یغتسل یہ بھی مجزوم ہوگا کیونکہ معطوف اور معطوف علیہ کا اعراب ایک ہوتا ہے۔سوال:۔ یبولن معطوف علیہ کی جانب میں نون مؤکد ہے اور معطوف کی جانب میں نون موکد نہیں۔(بعنوان آخر معطوف علیہ مؤکد بنون تاکید ہے اور معطوف موکد بنون تاکید نہیں) جواب۔معطوف علیہ کی جانب میں نون موکد کا ہونا اور معطوف کی جانب میں نون مؤکدہ نہ ہونا عطف کی صحت کے منافی نہیں ہے۔اس صورت میں دونوں سے نہی ہوگی اصطلاح میں اس کو نہی عن الجمیع سے تعبیر کرتے ہیں یعنی کل واحد اغتسال سے بھی اور بول سے بھی سے نہی ہوگی۔

(۳) ثم یغتسل۔اس کو منصوب پڑھا جائے اس کے منصوب پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ۔ان مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔تقدیری

عبارت یوں ہوگی ثم ان یغتسل۔ اس پر مختلف اشکال وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اشکال:۔ جن حروف کے بعدان مقدر ہوتا ہے ان میں سے ثم تو نہیں ہے تو ثم کے بعد ان مقدر نہیں ہوتا۔ آپ نے اس کو نصب کیسے دے دی؟ جواب۔ جس طرح حروف جارہ ایک دوسرے کے معنے میں استعمال ہوتے ہیں اسی طرح حروف عاطفہ بھی ایک دوسرے کے معنے میں استعمال ہوتے ہیں یہاں ثم واؤ یا فاء عاطفہ کے معنے میں ہے اور فاء یا واؤ کے بعدان مقدر ہوتا ہے۔

دوسرا اشکال۔ اس صورت میں عبارۃ کا مدلول نہی عن الجمع ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے محاورۃ عرب میں کہا جاتا لاتاکل السمکۃ و لاتشرب اللبن یہاں پر نہی عن الجمع ہے یعنی مچھلی اور دودھ اکٹھے نہ کھاؤ پیو اس لئے کہ ان کو جمع کرنے کھانے پینے میں یہ طب کے لحاظ سے نقصان دیتا ہے ہاں تنہا مچھلی کھاؤ اور تنہا لبن پیتے رہو دونوں کو جمع نہ کرو اس سے نقصان نہ ہوگا اس طرح حدیث میں نہی عن الجمع ہے کہ اغتسال اور بول دونوں کو جمع نہ کرو حالانکہ جس طرح بول اور اغتسال کے مجموعے سے نہی ہے اسی طرح نھی عن الجمیع کل واحد بھی ہے جیسے نہی عن الجمع ہے اسی طرح نہی عن الجمیع ہے حدیث سے ایک چیز ساقط ہو رہی ہے۔

جواب-۱: اس نصب والے احتمال میں صرف نہی عن الجمع والا احتمال متعین نہیں ہے بلکہ جس طرح نہی عن الجمع کا احتمال ہے اسی طرح نھی عن الجمیع (کل واحد) کا بھی احتمال ہے۔ جبکہ مذکور مثال میں امر خارج کی وجہ سے یہی احتمال متعین ہے۔ وہ یہ کہ منشاء فساد صرف مجموعہ امرین ہے کل واحد نہیں ہے۔ یعنی اگر دونوں کا اجتماع نقصان دے گا کل واحد نہیں دے گا اور حدیث میں منشاء فساد جس طرح دونوں کا مجموعہ ہے اسی طرح منشا فساد کل واحد بھی ہے جیسے بول اور اغتسال کے مجموعہ سے پانی نجس ہو جاتا ہے اسی طرح کل واحد سے بھی پانی نجس ہو جاتا ہے تنہا بول کرنا تنہا غسل کرنا لہذا اس حدیث کو محاورۃ عرب میں قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

جواب-۲: علی سبیل التسلیم ہم کہتے ہیں کہ شارع کے تین مقاصد ہیں۔ (۱) تنہا بول سے نہی (۲) تنہا اغتسال سے نہی (۳) مجموعے سے نہی۔ ہمارے تینوں مدعیٰ ہیں۔ اب ہم کہتے ہیں کہ دونوں کے مجموعے سے نہی اس حدیث سے ثابت ہوگئی اور حدیث مسلم سے (وفی روایۃ الخ) تنہا اغتسال سے نہی اور آگے مابعد والی حدیث جابرؓ سے تنہا بول سے نہی ثابت ہوگئی تو ہمارے تینوں مدعی تھے۔ اور مقاصد تھے ہر مقصد و مدعی الگ الگ روایت سے حاصل ہے۔ شاید اسی حکمت کی بناء پر صاحب مشکوٰۃ الگ الگ پے در پے احادیث لائے تو مقاصد مختلفہ کے اثبات کے لئے ایک نص کا ہونا ضروری نہیں یہ ثبوت نصوص مختلفہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّبَالَ فِي الْمَآءِ الرَّاكِدِ. (صحیح مسلم)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرے۔ (روایت کیا اس کو مسلم نے)

وَعَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدٍؓ قَالَ ذَهَبَتْ بِيْ خَالَتِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِيْ وَجِعٌ فَمَسَحَ رَاْسِيْ وَدَعَالِيْ بِالْبَرَكَةِ ثُمَّ تَوَضَّاَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَّضُوْئِهٖ ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَنَظَرْتُ اِلٰى خَاتِمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)

حضرت سائبؓ بن یزید سے روایت ہے کہا کہ میری خالہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی اور کہا اے اللہ کے رسول میرا یہ بھانجا بیمار ہے آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی سے پیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی طرف کھڑا ہوا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کو دونوں کندھوں کے درمیان دیکھا وہ چھپر کھٹ کی گھنڈی کی مانند تھی۔

تشریح: حاصل حدیث حضرت سائب بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ مجھے میری خالہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا بھانجا بیمار ہے۔

قولہ' وجع اس کو دوطرح ضبط کیا گیا ہے اگر بفتح الواؤ بکسرالجیم ہوتو وجع کو اس کا معنی ہوگا مریض بیمار صیغہ صفت کا ہوگا۔اور اگر بفتح الجیم ہو وجع تو اس کا معنیٰ ہوگا بیماری کی مرض ظاہر ہے کہ سائب بن یزید بیمار تو نہیں تھے اس لئے مضاف محذوف مانیں گے ای ذو وجع یعنی بیماری والے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا۔سر پر تکلیف کو دور کرنے کے لئے ہاتھ پھیرا؟محل وجع محل تکلیف کیا تھا۔ تکلیف سر میں تھی یا پاؤں میں صحیح یہ ہے کہ پاؤں میں تکلیف تھی جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح بھی موجود ہے۔

سوال۔ جب تکلیف پاؤں میں تھی تو پھر سر پر ہاتھ کیوں پھیرا پاؤں پر ہاتھ پھیرنا چاہئے تھا۔

جواب-۱: سر پر ہاتھ پھیرنا بطور علاج کے نہ تھا بلکہ بطور شفقت کے تھا اور تبرک دینا (پانی کا) یہ علاج کے لئے تھا۔ یہ شیخ الحدیث صاحب کا جواب ہے۔

جواب-۲: اس میں کیا استبعاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سر پر ہاتھ رکھیں اور اس کا اثر پاؤں تک پہنچ جائے۔آپ کے بازو پر ٹیکہ لگتا ہے اس کا اثر سارے جسم پر اثر پہنچتا ہے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اتنا اثر بھی نہیں ہے۔اشکال کہ یہ تو ماء مستعمل تھا اور ماء استعمال شدہ کا استعمال جائز نہیں۔جواب احناف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماء مستعمل کے طاہر ہونے کے قائل ہیں۔الغرض اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماء مستعمل طاہر ومطہر ہے۔

ثم قسمت الخ پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کے پیچھے کھڑا ہوگیا یہ کھڑا ہونا یا تو اختیار تھا یا غیر اختیاری تھا۔پس دیکھا میں نے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت مہر کی طرف جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان تھا۔یہاں پر بین تقریبی ہے حقیقی نہیں۔

مثل زر الحجلة کے مہر نبوت کو تشبیہ دی گئی ہے کہ زر الحجلة کے ساتھ یعنی دلہن کی ڈولی کے اوپر جو کپڑا باندھا جاتا ہے اور اس کو گرہیں لگائی جاتی ہیں۔تو ہیئت میں ان کی طرح تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَآءِ يَكُوْنُ فِي الْفَلَاةِ مِنَ الْاَرْضِ وَمَا
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے متعلق سوال کیا گیا جو جنگل میں ہوتا ہے
يَنُوْبُهُ مِنَ الدَّوَابِ وَ السِّبَاعِ فَقَالَ اِذَا كَانَ الْمَآءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ
اور نوبت بنوبت چار پائے اور درندے اس میں آتے ہیں۔فرمایا جس وقت پانی دو قلہ ہونا پاکی کو نہیں اٹھاتا روایت کیا اس کو احمد' ابوداؤد'
وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنِّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَفِي اُخْرٰى لِاَبِي دَاوٗدَ فَاِنَّهٗ لَا يَنْجَسُ)
ترمذی' نسائی' دارمی' ابن ماجہ نے ابو داؤد کی ایک دوسری روایت میں ہے۔ ناپاک نہیں ہوتا
وَعَنْ اَبِي سَعِيْدِ نِالْخُدْرِيِّ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ وَهِيَ بِئْرٌ يُلْقٰى فِيْهَا
حضرت ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے کہا گیا اے اللہ کے رسول کیا ہم بضاعہ کنویں سے وضو کرلیں اور وہ کنواں ہے اس میں
الْحِيَضُ وَلُحُوْمُ الْكِلَابِ وَالنَّتْنُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهٗ
حیض کے کپڑے کتوں کے گوشت ڈالے جاتے ہیں اور گندگی پھینکی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی پاک ہے
شَيْءٌ. (رَوَاهُ احمد بن حنبل و الترمذی و ابوداؤد والنسائی)
اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔روایت کیا اس کو احمد ترمذی' ابوداؤد اور نسائی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ ہم بئر بضاعہ سے وضو کرلیں (کیسے ہے؟) اس بئر بضاعہ کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں القاء قذا وقذا ہوتا ہے یعنی اس میں عورتیں ماہواری کے ایام میں جو روئی کے ٹکڑے شرمگاہ میں رکھتی ہیں ڈالے جاتے ہیں اور حیضوں کے چیتھڑے اور کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں اس میں ڈالی جاتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان الماء طهور لاینجسه شئی۔ کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی شئے نجس نہیں کرتی۔

سوال۔ ان الماء طهور لاینجسه شئی اس کا مطلب تو یہ ہے کہ پانی وقوع نجاست کے بعد متغیر الاوصاف ہو یا نہ ہو نجس نہیں ہوتا جبکہ مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر پانی متغیر الاوصاف ہو جائے تو نجس ہو جاتا ہے۔ تو تقریب تام نہیں ہوئی۔

جواب۔ یہاں ایک قید معتبر ہے تقریب کی تمامیت کے لئے وہ ہے مالم یتغیر اوصافہ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی لاینجسه شئی مالم لتغیر احداو صافه۔ باقی اس قید کے معتبر ماننے پر دلیل کیا ہے؟

دلیل (۱) دلیل اجماعی۔ اس پر اجماع ہے کہ پانی جب متغیر الاوصاف ہو جائے تو نجس ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسری دلیل سنن ابن ماجہ کی روایت میں استثناء والا مضمون ہے جو کہ اسی حدیث بئر بضاعہ کے اندر ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں الاماغیر طعمه اولونه او ریحه' لیکن یہ سنداً ضعیف ہے اس کو مستقل دلیل تو نہیں بنا سکتے البتہ پہلی دلیل اجماعی کی تائید میں نقلی دلیل پیش کر سکتے ہیں اصل دلیل دلیل اجماعی ہے۔

سوال: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انظف الکائنات تھے تو پھر ان سے کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ وہ حیض کے چیتھڑے خون سے لت پت روئی کے ٹکڑے اور کتوں کا گوشت اور بدبودار چیزیں اس کنویں میں ڈالیں حالانکہ کوئی غیر مسلم قوم بھی پانی کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کرتی؟ جواب۔ یہ القاء من الصحابہ نہیں تھا بلکہ من السیال اور من الامطار اور من الریاح تھا۔ جس کی صورت حال یہ تھی کہ یہ کنواں نشیبی جگہ میں تھا اور لوگ یہ چیزیں گھروں کے باہر پھینک دیتے تھے اور بارشوں اور آندھیوں اور ہواؤں کی وجہ سے یہ چیزیں اس کنویں میں گر جاتی تھیں۔ بعض نے کہا کہ یہ القاء یہود کی جانب سے ہوتا تھا وہ دشمنی کرتے تھے یہ چیزیں ڈال دیتے تھے تاکہ مسلمان اس سے نفع نہ اٹھا سکیں لیکن اس کو پسند نہیں کیا گیا۔ پہلا قول راجح ہے۔

مسئلہ وقوع النجاسة فی الماء۔ پانی نجاست گرنے کی صورت میں کب ناپاک ہوتا ہے؟ اس میں مذاہب بہت مختلف ہیں صاحب سعایہ وغیرہ نے پندرہ تک اقوال ذکر کئے ہیں۔ یہاں اہم مذاہب خصوصاً مذاہب ائمہ اربعہ نقل کرنے پر اکتفاء کیا جائے گا۔

قول اول:۔ بعض اصحاب ظواہر کا مذہب یہ ہے کہ پانی میں نجاست پڑنے سے جب تک نجاست کا پانی پر غلبہ بالذات نہ ہو جائے۔ اس وقت تک یہ پانی طاہر ہے اس سے وضو اور غسل جائز ہے۔ نجاست کے پانی پر غلبہ بالذات ہونے کا معنی یہ ہے کہ پانی میں اتنی نجاست پڑ جائے۔ جس سے پانی کی رقت اور سیلان ختم ہو جائے اس مذہب کا حاصل یہ ہوا کہ وقوع نجاست سے جب پانی کی رقت اور سیلان ختم ہوگئی تو پانی کی ذات اور ماہیت باقی نہ رہی اس لئے اس سے غسل وضو جائز نہیں یہ ناپاک ہے۔ اگر وقوع نجاست کے باوجود پانی کی رقت اور سیلان باقی ہے تو یہ پاک ہے اگرچہ پانی کے اوصاف میں تغیر ہو چکا ہو۔ رقت اور سیلان کو پانی کی طبع' ذات اور ماہیت سمجھا جاتا ہے اور اوصاف سے مراد رنگ بو اور مزہ ہوتا ہے۔ دوسرا قول امام مالک کا مذہب اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ جب پانی میں اتنی ناپاکی پڑ جائے جس سے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ بدل جائے تو پانی ناپاک ہوگا۔ اگر ناپاکی کے پڑنے سے پانی کے کسی وصف میں تغیر نہ ہوا تو یہ پانی پاک ہوگا۔ اس مذہب میں پانی کے پاک ہونے کا مدار ناپاکی کے پڑنے سے تغیر اوصاف ہونے یا نہ ہونے پر ہے۔ تیسرا قول امام شافعی کا مذہب اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ پانی جب دو قلے یا اس سے زیادہ ہو تو وقوع نجاست سے ناپاک نہیں ہوگا جب تک کہ پانی کا کوئی وصف نہ بدلے۔ اگر پانی قلتین سے کم ہے تو وقوع نجاست سے ناپاک ہو جائے گا خواہ اس کا کوئی وصف نہ بدلا ہو۔ چوتھا قول امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ پانی کی دو قسمیں ہیں۔ کثیر اور قلیل ماء کثیر میں ناپاکی پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا جب تک کسی وصف کا تغیر نہ ہوا ہو۔ اگر قلیل ہو تو وقوع نجاست سے ناپاک ہو جائے گا۔ خواہ کسی وصف کا تغیر نہ ہو۔ قلیل وکثیر میں حنفیہ کے نزدیک فرق کا مدار مبتلیٰ بہ کا ظن اور رائے

ہے جس پانی کے بارے میں مبتلیٰ بہ کاظن یہ ہو کہ اس میں ایک طرف کی ناپاکی سرایت کر کے دوسری طرف نہیں پہنچ سکتی وہ کثیر ہے اور جس پانی کے بارے میں مبتلیٰ بہ کاظن یہ ہو کہ اس میں پڑی ہوئی ناپاکی کا اثر سرایت کر کے دوسری طرف پہنچ سکتا ہے یہ قلیل ہے۔

خلاصہ۔ائمہ اربعہ کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ ماء قلیل اور کثیر کے حکم میں فرق ہے وہ یہ کہ کثیر بدون تغیر وصف ناپاک نہیں ہوتا اور قلیل وقوع نجاست سے ہی ناپاک ہوجاتا ہے خواہ تغیر وصف ہو یا نہ ہو۔ائمہ کا اختلاف اس بات میں ہے کہ قلیل وکثیر میں حد فاصل کیا ہے؟ امام مالک تغیر وصف ہی کو فاصل قرار دیتے ہیں۔یعنی جس پانی میں وقوع نجاست سے تغیر وصف نہ ہو وہ کثیر ہے اور جس میں ہوجائے وہ ماء قلیل ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک قلتین حد فاصل ہے۔حنفیہ کے نزدیک قلیل وکثیر میں امتیاز مبتلیٰ بہ کے ظن سے ہوگا یہ بات بھی یاد رہے کہ جب وقوع نجاست سے تغیر وصف ماء ہوجائے تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ یہ ناپاک ہے۔

دلائل۔مذہب اول والوں کا استدلال حدیث بئر بضاعۃ سے ہے۔ان الماطھور لاینجسہ شی یہ حضرات کہتے ہیں کہ ماء پر الف لام جنسی ہے اور شئی عام ہے۔اس لئے کہ یہ نکرہ تحت النفی ہے۔مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ جنس پانی طہور ہے جب تک وہ پانی ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کرسکتی۔البتہ جب اتنی نجاست پڑگئی کہ پانی کی رقت اور سیلان ہی ختم ہوگیا تو یہ پانی پانی ہی نہ رہا کیونکہ پانی کی ذات اور ماہیت اور طبیعت تو سیلان ہی ہے جب یہ نہ رہا تو ذات الماٗ ہی ختم ہوگئی۔

مالکیہ کی دلیل۔امام مالک کے مذہب کی دلیل بھی یہی حدیث ہے۔لیکن مالکیہ پر یہ سوال ہوگا کہ ان کے نزدیک تغیر وصف سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔یہ اس حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ پانی بالکل ناپاک ہوتا ہی نہیں خواہ تغیر وصف ہو یا نہ ہو۔تغیر وصف کی اس حدیث میں کوئی قید نہیں۔مالکیہ کی طرف سے استدلال کو تام کرنے کیلئے اس سوال کے جواب میں دو باتیں کہی جاسکتی ہیں۔ایک جواب ابن ماجہ وغیرہ کی روایت میں اس حدیث میں ایک ذاتی ہے۔الا ماغلب علی ریحہ وطعمہ ولونہ مطلب یہ بنا کہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی مگر جب ناپاکی کی بو اور مزہ اور رنگ پر غالب آجائے تو ناپاک ہوجائے گا۔دوسرا جواب تغیر وصف کے بعد پانی کا ناپاک ہوجانا اجماعی مسئلہ ہے۔تغیر وصف کے بعد ناپاک ہوجانا انہوں نے اجماع سے ثابت کیا ہے یہی جواب بہتر ہے۔اس لئے کہ پہلے جواب میں جس زیادتی کا ذکر کیا گیا ہے وہ ضعیف ہے ایسے مسئلہ میں قابل استدلال نہیں۔

شافعیہ وحنابلہ کی دلیل۔شافعیہ اور حنابلہ کا استدلال القلتین سے ہے۔اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث۔یعنی جب پانی دو قلے ہوجائے تو ناپاکی کو نہیں اٹھاتا۔نہ اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا پانی ناپاکی کی پرواہ ہی نہیں کرتا۔یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔لم یحمل الخبث لم ینجس کے معنی میں ہے جیسا کہ حدیث کی بعض روایتوں میں اس کی جگہ لاینجس کے لفظ ہیں وہ روایت اس کیلئے مفسر ہے۔شافعیہ نے حدیث القلتین کو تحدید حقیقی پر محمول کیا ہے۔یعنی انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ یہ حدیث ماقلیل اور ماکثیر میں حد فاصل بیان کرنے کیلئے ضابطہ کلیہ ہے۔

دلائل احناف۔حنفیہ کو اس مسئلہ میں دو نقطوں پر دلائل پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ایک یہ کہ ماء قلیل کے وقوع نجاست سے ناپاک ہونے کیلئے تغیر اوصاف کی ضرورت نہیں۔ماء قلیل بغیر تغیر اوصاف کے بھی نجاست گرنے سے ناپاک ہوجاتا ہے۔دوسرا یہ کہ قلیل اور کثیر میں حد فاصل مبتلیٰ بہ کے ظن کو قرار دیا جائے۔

پہلے نقطہ پر دلائل۔(۱) متفق علیہ روایت میں ہے۔اذا ستیقظ احد کم من نومہ فلا یغمس یدہ فی الاناء (الحدیث) سوکر اٹھنے کے بعد بغیر دھونے کے ہاتھ اگر پانی کے برتن میں ڈال دے ظاہر ہے کہ اس سے پانی کے وصف میں تغیر نہ ہوگا پھر بھی ہاتھ ڈالنے سے منع کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ پانی کے ناپاک ہونے کا مدار صرف تغیر وصف نہیں۔تغیر وصف کے بغیر بھی پانی ناپاک ہوسکتا ہے۔(۲) شیخین کی حدیث میں ہے۔اذا شرب الکلب فی اناء احد کم فلیغسلہ سبع مرات۔ظاہر ہے کہ کتے کے منہ ڈالنے سے تغیر وصف نہیں ہوتا۔پھر بھی اس چیز کو ناپاک قرار دیا اور سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا معلوم ہوا کہ تغیر وصف کے بغیر بھی وقوع نجاست سے پانی ناپاک ہوسکتا ہے۔(۳) اس باب کی پہلی حدیث میں ماء راکد میں پیشاب کرنے سے نہی ہے ماء راکد میں پیشاب کرنے سے تغیر وصف لازم نہیں پھر بھی بول کرنے سے مطلقا روک دیا گیا ہے۔

دوسرے نقطہ پر دلائل۔(۱) سنن ابی داؤد میں حدیث ہے۔ **اذا وقعت الفارة فی السمن فان کان جامداً فالقوھا وما حولھا وان کان مائعا فلا تقربوہ**۔ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئی ایک یہ کہ چوہے کے مرجانے سے گھی ناپاک ہوجاتا ہے حالانکہ اس سے تغیر اوصاف نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ گھی کے جامد ہونے کی صورت میں حکم دیا گیا ہے کہ چوہے کو بھی پھینک دو اور اس کے ارد گرد والے گھی کو بھی۔ اس ''ما حولھا'' کی حدیث میں کوئی تحدید نہیں کی گئی کہ کتنی دور تک گھی نکالا جائے گا۔ بلکہ اس کو مبتلیٰ بہ کے ظن پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ کہ مبتلیٰ بہ خود تحری کرے اور سوچے کہ اس چوہے کا اثر کہاں تک سرایت کر گیا ہوگا۔ بس اتنا گھی نکال دے۔ شریعت نے اس مسئلہ میں اور اس جیسے اور مسائل میں مبتلیٰ بہ کے ظن کو معیار قرار دیا ہے۔(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماء راکد میں خصوصیت کے ساتھ بول سے نہی فرمائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ نظر شارع میں ماء راکد اور ماء جاری کے حکم میں فرق ہے۔ یہ فرق نصوص سے ثابت ہے اس کا کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ جاری اور غیر جاری میں وجہ امتیاز صرف یہی ہوسکتی ہے کہ ماء جاری میں ایک جگہ کی ناپاکی دوسری جگہ تک اثر انداز نہیں ہوتی۔ مدار احکام علل ہوتی ہیں۔ اگر کسی ماء راکد میں یہی علت پائی گئی یعنی وہ اس قدر ہوا کہ ایک جگہ کی ناپاکی دوسری جگہ نہیں پہنچ سکتی تو اشتراک علت سے اس کا حکم بھی جاری والا ہونا چاہئے اسی پانی کو جو اس بات میں جاری جیسا ہو ماء کثیر کہا جاتا ہے۔ یہ وقوع نجاست سے ناپاک قرار نہیں دیا جائے گا۔ جب تک کہ تغیر وصف نہ ہوجائے جیسا کہ جاری پانی کا حکم ہے اور جس ماء راکد میں ایک طرف ناپاکی دوسری طرف پہنچ سکتی ہے۔ یہ جاری جیسا نہ ہوا اس کو قلیل کہا جاتا ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ پانی کی دو قسمیں ہیں جاری اور غیر جاری اور غیر جاری دو قسم کا ہے۔ ایک وہ جو بمنزلہ سے معلوم ہوا کہ پانی کی دو قسمیں ہیں جاری اور غیر جاری دو قسم کا ہے۔ ایک وہ جو بمنزلہ جاری کے ہے ایک وہ جو منزلہ جاری کے نہیں۔ اب یہ بات رہ گئی یہ کیسے معلوم ہو کہ یہ پانی جاری کی طرح اور یہ غیر جاری کی طرح تو اس میں شریعت کا مزاج یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ظن مبتلیٰ بہ کو معیار قرار دیا جائے۔ شریعت نے ایسے مسائل میں ظن مبتلیٰ بہ کا اعتبار کیا ہے اور ظن مبتلیٰ بہ کو فیصل بنانا اسہل بھی ہے۔ اس لئے کہ اس سے ہر مقام پر کام لیا جاسکتا ہے۔ بخلاف قلتین وغیرہ کے کہ اتنے بڑے برتن سفر میں آدمی کے پاس نہیں ہوتے ان کو مدار بنانا شریعت کے مزاج تسہیل کے بھی خلاف ہے۔

جوابات: حدیث بئر بضاعۃ۔(۱) **ان الماطھور** میں الف لام جنسی نہیں عہد خارجی ہے اس سے مراد خاص پانی ہے۔ یعنی بئر بضاعۃ کا پانی علامہ تفتازانی اور سید شریف نے لکھا ہے کہ الف لام کی قسموں میں اصل عہد خارجی پر محمول کرنا ضروری ہے اس لئے کہ یہ جملہ سوال کے جواب میں واقع ہوا ہے۔ جس پانی کے متعلق سوال تھا۔ جواب میں وہی خاص پانی مراد ہوگا۔ اب مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ یہ خاص پانی طہور ہے۔ جس قسم کے خیالات تمہارے دلوں میں ہیں ان سے ناپاک نہیں ہوا بئر بضاعۃ کا پانی نکال کر باغوں کو دیا جاتا تھا اگر اس میں ناپاکی پڑی بھی ہو تو بساتین کو پانی دینے کی وجہ سے یہ ناپاکیاں بھی نکل چکیں اور گندہ پانی بھی بارہا نکل چکا۔ صحابہ کرامؓ کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ اگر چہ نجاسات اور نجس پانی اس سے نکل چکا ہے لیکن پھر بھی یہ اشکال ہے کہ نیچے کچھ نہ کچھ گندا پانی رہ جاتا ہے۔ کیچڑ بھی گندہ ہو چکا ہے اور دیواریں بھی گندی ہو چکی تھیں۔ جب کنوئیں کا اور پانی نکلے گا تو ان گندی چیزوں سے مل کر وہ بھی ناپاک ہوگا۔ تو پھر اس سے وضو کیسے کیا جاسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ نجاست اور نجس پانی نکالے جانے کے بعد شریعت کی نظر میں طہور سمجھا جاتا ہے۔ جس قسم کے خیالات تمہارے دلوں میں ہیں۔ شریعت ان کی وجہ سے پانی کے ناپاک رہ جانے کا فتویٰ نہیں دیتی بلکہ جب نجاسات نکل گئیں اور بقدر واجب پانی بھی نکالا جاچکا تو شریعت اس قسم کے خیالات سے قطع نظر کرکے کنوئیں کو پاک قرار دیتی ہے۔(۲) سائلین کا یہ سوال بنا بر احتمال اور توہم کے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ محض احتمال وقوع نجاست کی بنا پر پانی کو ناپاک نہیں کہا جاسکتا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ سائلین کا یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ ناپاکیاں کنوئیں میں ڈالی ہوئی اور پڑی ہوئی ہم نے خود مشاہد کی ہیں اس سے وضو کریں یا نہ کریں؟ بلکہ مطلب یہ تھا کہ ہوسکتا ہے کہ کبھی ہواؤں سے ایسی چیزیں اڑ کر کنوئیں میں پڑ جاتی ہوں ایسی حالت میں اس سے وضو جائز ہے یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ پانی طہور ہے نجاست گرنے کے ایسے احتمالات کی وجہ سے اس کو ناپاک

قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (۳) اگر حدیث کے یہ محمل قبول نہ کئے جائیں اور حدیث کو بالکل اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو یہ حدیث خود مالکیہ کے بھی خلاف ہوگی۔ اس لئے کہ ظاہر لفظوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیض کے چیتھڑے اور کتوں کے گوشت اور بدبودار چیزیں ٹوکرے بھر بھر کر اس میں ڈالی جاتی تھیں۔ جب اتنی مقدار ناپاکیوں کی کنوئیں میں ڈال دی جائے گی تو بالکل بدیہی بات ہے کہ اس کنوئیں کے پانی کے سب اوصاف نمایاں طور پر بدل جائیں گے بلکہ اتنے ٹوکرے پڑنے کے بعد تو پانی کی رقت اور سیلان باقی رہنی بھی مشکل ہے۔ بہر کیف تغیر وصف اس صورت میں لازمی ہے اور تغیر وصف کے بعد تو مالکیہ بھی اس کو پاک نہیں کہتے اس لئے اس حدیث کو اپنے ظاہر پر نہیں رکھا جاسکتا۔ (۴) اس حدیث کو اپنے ظاہر پر اس لئے بھی محمول نہیں کیا جاسکتا کہ "یلقی فیہ" سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نجاست بالقصد پانی میں ڈالی جاتی تھیں۔ حالانکہ مسلمان اور کافر سب ہی پینے کے پانی کو نجاسات سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ خاص طور پر جہاں پانی کی قلت ہو صحابہؓ طاہرین کی طہارت اور نظافت کا مقام تو بہت اونچا ہے وہ خود اس میں کیسے گندگیاں ڈال سکتے ہیں اور یہ بھی محال ہے کہ گندگیوں کا ڈھیر کنوئیں میں پڑا ہوا نظر آئے ایسی حالت کے متعلق سوال کریں کہ اس سے وضو کرنا ہے یا نہیں اور اگر بالفرض یہ ایسی حالت میں سوال کر ہی بیٹھیں تو نبی طاہر کے متعلق یہ بات محال ہے کہ وہ اس حالت میں اس سے وضو کی اجازت دے دیں۔ اس لئے اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ صحابہؓ پوچھتے ہوں کہ اتنی گندگیاں اس میں پڑی ہوئی ہم اس میں مشاہدہ کرتے ہیں اور ابھی وہ نکالی نہیں گئیں۔ بدستور پڑی ہیں اس حالت میں اس سے وضو کریں یا نہ کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمادیں کہ کرلو اس لئے یہ بات متعین ہے کہ یا تو سوال احتمال کی بناء پر تھا اور یا ناپاکی پڑنے کا یقین تھا اور ناپاکی اور ناپاک پانی کے نکل جانے کا بھی یقین تھا بساتین کی طرف جاری ہونے کی وجہ سے لیکن سوال کیا ہے بقیۃ الماء اور طین اور رج دران کی ناپاکی کی وجہ سے۔ (۵) اگر تسلیم کرلیا جائے کہ پانی میں نجاست پڑنے کے باوجود طہور ہی رہتا ہے تو جواب یہ ہے کہ حقائق مذکورہ سے قطع نظر کرکے آپ اس پانی کو طہور تو کہہ سکتے ہیں لیکن جائز الاستعمال نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ قلیل پانی میں جب نجاست مل جاتی ہے تو پانی کے ہر حصہ میں اجزاء نجاست کا اختلاط ہوجاتا ہے۔ پانی کے جس حصے کو استعمال کیا جائے گا اس کے ساتھ اجزائے نجاست کا استعمال بھی لازم آئے گا اور شریعت مطہرہ میں استعمال نجاست کی گنجائش نہیں۔ نبی طاہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب قرآن نے بیان کیا ہے۔ **ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث**۔ خبائث کو حرام کرنے کیلئے آپ تشریف لائے اور نجاست یقیناً خبائث میں سے ہے جس پانی میں اجزائے نجاست مخلوط ہوں تو نماز کی تیاری کیلئے اس کے استعمال کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے تو اگر حدیث کے ظاہری لفظوں پر نظر رکھتے ہوئے تسلیم بھی کرلیا جائے کہ وقوع نجاست پانی کو ناپاک نہیں کرسکتا۔ وہ طہور ہی رہے گا لیکن دوسری نصوص اور کلیات کے پیش نظر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ پانی جائز الاستعمال ہے۔ اصل نزاع تو اس کے استعمال کے جائز ہونے یا ناجائز ہونے میں ہے اس کا استعمال ناجائز ہونا ثابت ہوگیا۔ یہی ہمارا مقصود ہے۔ اس جواب کی تفصیل فتح الملہم میں ملاحظہ فرمایئے۔

حدیث القلتین کے جوابات۔ امام شافعی نے حدیث قلتین کو تحدید حقیقی پر محمول کیا ہے یعنی قلیل اور کثیر پانی میں فرق کرنے کیلئے قلتین کو حد حقیقی اور معیار فاصل سمجھتے ہیں اور ہم اسے تحدید حقیقی پر محمول نہیں کرتے ان کا استدلال تام ہونے کیلئے ایک بات تو یہ ضروری ہے کہ یہ حدیث ایسے اہم مسئلہ میں قابل استدلال ہو اور دوسرے یہ کہ علی تقدیر تسلیم صحت یہ ثابت کیا جائے کہ اس سے مقصود حد حقیقی بیان کرنا ہے ہم جوابات کی شکل میں جو باتیں کہیں گے۔ ان سے بعض کا تعلق پہلی بات سے ہے اور بعض کا تعلق دوسری بات سے سب جوابات کا حاصل یہ ہے کہ ہم وہ عذر بتانا چاہتے ہیں جن کی بناء پر ہم نے اسے تحدید حقیقی پر محمول نہیں کیا۔ اب جوابات مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) یہ حدیث سند کے لحاظ سے مضطرب ہے آثار السنن کے حاشیہ میں اس اضطراب کی تفصیل موجود ہے۔ اس کی سند کبھی کسی طرح سے نقل کی جاتی ہے کبھی کسی طرح سے تفصیل تعلیق آثار السنن میں ملاحظہ فرمایئے سند کا اضطراب موجب ضعف ہوتا ہے۔

(۲) اس کے متن میں بھی اضطراب ہے اس متن میں **اذا كان الماء قلتين** کے لفظ ہیں اور اس حدیث کی بعض روایتوں میں

اذا کان الماء قلتین اوثلاثا کے لفظ ہیں۔اوثلاثا نقل کرنیوالے بھی کافی راوی ہیں۔اس لئے اس اوکوشرک راوی پرمحمول کرنا مشکل ہے۔ظاہر یہی ہے کہ اوثلاثا کے لفظ صاحب رسالت سے ثابت ہیں اور او تنویع کیلئے ہے تو جب اس میں یہ فرمادیا کہ جب پانی دو قلے ہوں یا تین تو معلوم ہوا کہ یہ حدحقیقی بتانے کیلئے نہیں حدحقیقی تو ایک متعین مقدار ہوسکتی ہے۔اس میں یا کہنے کا کیا مطلب عبداللہ بن عمرو سے ایک موقوف روایت میں اربعین قلۃ کے لفظ ہیں یہ روایت سنداً صحیح ہے متن کا یہ اختلاف حدحقیقی پر محمول کرنے سے مانع ہے۔

(۳) اس حدیث کے معنی میں اضطراب ہے اس لئے کہ قلہ کے لغت عرب میں بہت سے معانی آتے ہیں اس کا معنی پہاڑ کی چوٹی کا بھی آتا ہے۔آدمی کی قامۃ کا بھی آتا ہے اور مٹکے کا بھی آتا ہے اگر یہ ثابت ہوجائے کہ یہاں مٹکا ہی مراد ہے تو نامعلوم کس شہر کا مٹکا مراد ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ قلال ہجر مراد ہیں۔اگر ثابت ہوجائے کہ قلاں ہجر مراد ہیں تو اس کی کیا دلیل ہے کہ ہجر میں ایک ہی مقدار کے مٹکے بنتے تھے۔حدحقیقی بیان کرنے کیلئے کوئی ایسی مقدار بتانی چاہئے جو واضح اور متعین ہو۔اس میں کمی بیشی نہ ہوسکتی ہو۔تینوں جوابوں کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے سنداً بھی متناً بھی معناً بھی۔ایک اضطراب بھی احتجاج میں قادح ہوتا ہے جب تینوں اضطراب مل جائیں گے تو اس سے استدلال اور بھی کمزور ہوجائے گا۔

(۴) حدیث قلتین کی صحت یا عدم صحت میں علماء کا کافی اختلاف ہے۔بہت سے محققین نے اس کی تصحیح کی ہے اور مذاہب اربعہ کے بہت سے نجوم نے اس کی تضعیف بھی کی ہے۔بہرحال اتنی بات ثابت ہوگئی کہ اس کی صحت مختلف فیہ ضرور ہے اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ صحیح ہے اس میں جو اسباب ضعف ہیں ان کو نظرانداز کردیا جائے تب بھی دین کے اس بڑے ضابطہ میں اس سے استدلال نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ پانیوں کے مسئلہ کی ضرورت عام ہے۔اگر کثیر اور قلیل پانی میں فرق کرنے کا ضابطہ یہی ہوتا تو تمام صحابہ اور بعد کے علماء میں یہ مشہور ہوتا سب اس کی تلقی کرتے جتنی کسی مسئلہ کی ضرورت زیادہ ہو جتنا کسی مسئلہ میں ابتلاء زیادہ اتنی ہی اس کی تعلیم عام ہونی چاہئے اور شہرت بھی عام ہونی چاہئے اور حدیث قلتین کا حال یہ ہے کہ صحابہؓ میں اس کو روایت کرنے والے صرف عبداللہ بن عمر ہیں اور عبداللہ بن عمر سے اس کو نقل کرنے والے صرف ان کے دو صاحبزادے عبیداللہ اور عبداللہ ہیں کوئی تیسرا ان سے ناقل نہیں اگر یہ اتنے بڑے مسئلہ میں دین کا ضابطہ ہے تو عبداللہ بن عمرو کے اجلہ تلامذہ کیوں اس سے ساکت ہیں نافع کہاں ہیں سالم کہاں ہیں تو اب کہاں ہیں سعید بن جبیر کہاں ہیں اہل مدینہ کہاں ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنے بڑے مسئلہ میں ایک صاف ضابطہ ان کے ہاتھ لگ سکتا ہے وہ اپنا عمل اور فتوے اس کے مطابق کیوں نہیں رکھتے۔غرض یہ کہ اگر اس کی سند صحیح ہو تب بھی اس کی نقل اتنی مستفیض نہیں ہے جتنی ایسے عام ابتلاء والے مسئلہ میں ہونی چاہئے تھی معلوم ہوا کہ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور ضابطہ ارشاد نہیں فرمائی۔

(۵) بعض حنفیہ نے جواب یہ دیا کہ لم یحمل الخبث کا معنی یہ ہے کہ دو قلے پانی اتنا کم ہے کہ ناپاکی کو برداشت نہیں کرسکتا اتنے پانی میں جب ناپاکی گرجائے تو ناپاک ہوجاتا ہے۔یعنی لم یحمل الخبث ینجس کے معنی میں ہے۔شافعیہ کا استدلال ساقط ہوگیا اس جواب پر یہ شبہ ہے کہ بعض روایتوں میں لم یحمل کی جگہ لاینجس ہے اس توجیہ کے منافی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حدیث کے اصل لفظ لم یحمل الخبث ہوں اور اس کا معنی ینجس ہی ہو۔لیکن کسی راوی نے اس کا معنی لاینجس سمجھا اور اپنے فہم کے مطابق بطور روایات بالمعنی لاینجس نقل کردیا۔

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ جواب علی اسلوب الحکیم ہے سائلین کا سوال بنابر احتمال اور توہم کے تھا انہوں نے درندوں کو ان پانیوں میں منہ ڈالتے دیکھا نہیں تھا صرف احتمال تھا کہ شاید منہ ڈال جاتے ہوں۔جواب میں اصل بات یہ کہنی مقصود ہے کہ وہم اور احتمال کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔لیکن جواب میں اسلوب ایسا حکیمانہ اختیار فرمایا کہ وہم کٹ جائے کہ بھائی اگر سچ مچ منہ ڈال بھی دیتے ہوں تو بھی اتنے پانی میں ان کے منہ ڈالنے سے کیا ہوتا ہے۔حدیثوں میں اس کی مثالیں بکثرت ملیں گی کہ بہت سے عنوانات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہم کو کاٹنے کیلئے اختیار فرمائے مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کسی نے عرض کیا کہ ہمارے سامنے ذبح کئے ہوئے گوشت آتے ہیں۔

نامعلوم ان پر اللہ کا نام بھی لیا گیا ہے یا نہیں؟ اس سوال کا منشاء بھی تو ہم تھا اصل بات تو جواب میں یہ کہنی تھی کہ بھائی ایسے وہموں کا اعتبار نہ کیا کرو لیکن اس سے مادہ وہم منقطع نہ ہوتا۔ آپ نے ایسے اسلوب میں جواب دیا کہ جو قاطع للوہم ہو آپ نے فرمایا بھائی تم کھاتے وقت اللہ کا نام لے لیا کرو حالانکہ اگر ذبح کے وقت بسم اللہ نہیں پڑھی تھی تو کھانے کے وقت کی بسم اللہ اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ یہ بات صرف قطع وہم کیلئے فرمائی ہے۔

ایسے ہی احادیث میں آرہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کسی عورت نے سوال کیا کہ راستہ میں چلتے ہوئے میرا کپڑا زمین پر گھسٹتا ہے اور نجاست پر لگ جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **یطهره مابعده** حالانکہ کپڑے کو اگر ناپاکی لگ جائے تو کسی کے نزدیک بھی وہ زمین پر رگڑنے سے وہ پاک نہیں ہوتا دھونا ہی پڑے گا۔ یہ عنوان صرف وہم دور کرنے کیلئے ہے۔ عوت کا یہ سوال بنا بر تو ہم تھا کہ شاید کپڑے کو ناپاکی لگ جاتی ہو۔ اگر جواب میں اتنا ہی فرما دیتے ہیں کہ وہم کا کوئی اعتبار نہیں تو اس کا وہم دور نہ ہوتا اور تسلی نہ ہوتی۔ آپ نے ازالہ وہم کیلئے یہ فرمایا کہ اگر تیرے دامن کو ناپاکی لگتی ہوگی تو بعد میں جھڑ بھی تو جاتی ہوگی اس لئے تیرا کپڑا پاک ہو گیا۔ ایسے نظائر احادیث میں بہت ملیں گے ۔حاصل اس جواب کا یہ نکلا کہ سوال بنا بر تو ہم تھا اصل بات یہ کہنا ہے کہ ایسے تو ہم کا کوئی اعتبار نہیں۔ قطع وہم کیلئے یہ عنوان اختیار فرمایا ہے۔

(۷) قلتین کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے نہیں فرمایا کہ یہ بطور ضابطہ قلیل وکثیر کے درمیان حد فاصل ہے بلکہ قلتین کا ذکر اس لئے فرمایا کہ سائل اور مبتلیٰ بہ کے ظن میں قلتین کثیر سمجھا جاتا تھا کیونکہ قلہ عرب کے برتنوں میں سے سب سے بڑا ظرف ہے جب وہ بھی تعدد کی حد تک پہنچ جائے گا تو مخاطب کی نظر میں یہ ضرور کثیر ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ جنگلوں کا یہ پانی کم از کم دو قلے ہوتا ہی ہے اور یہ تیرے ظن میں بھی کثیر ہے تو پھر اس میں درندوں کے منہ ڈالنے سے کیا ہوتا ہے تو اس میں کثیر اس پانی کو کہا گیا جس کو مبتلیٰ بہ کثیر سمجھتا ہے یہ حدیث حنفیہ کے مذہب کے بالکل مطابق ہے۔

(۸) حضرت عالی گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ جب ہم نے یہ حدیث پڑھی تھی تو گڑھا کھود کر دو قلے اس میں پانی ڈال کر دیکھا کہ آیا حنفیہ کے مذہب پر یہ غدیر عظیم بنتا ہے یا نہیں؟ تو دیکھا گیا کہ اس میں ایک طرف کی ناپاکی دوسری طرف تک اثر انداز نہیں ہوتی تھی تو یہ دو قلے پانی ہمارے مسلک پر بھی کثیر میں داخل ہوا۔ اس لئے یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں ہم بھی اس پر عامل ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہم نے اس کو تحدید حقیقی پر حمل نہیں کیا۔ انہوں نے ایسا کیا ہے جس کے موانع ہم پیش کر چکے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مد پانی سے وضو اور ایک صاع پانی سے غسل کرتے تھے۔ اس حدیث کے ماتحت امام ترمذی نے امام شافعی احمد اور اسحاق کا قول نقل کیا ہے کہ یہ حدیث توقیت اور تحدید پر محمول نہیں ہے۔ اس سے کم وبیش بھی جائز ہے۔ ہم بھی حدیث قلتین میں صرف اتنی بات ہی کہتے ہیں یہ توقیت اور تحدید پر محمول نہیں ہے اور توقیت اور تحدید پر محمول کرنے کیلئے موانع شرعیہ ہم پیش کر چکے ہیں۔

اہم فائدہ۔ قلیل اور کثیر پانی میں فرق کرنے کیلئے اصل مذہب حنفی یہی ہے کہ مبتلیٰ بہ کے ظن پر مدار ہے۔ جس پانی کے بارے میں اس کی غالب رائے یہ ہو کہ ایک طرف پڑی ہوئی ناپاکی کا اثر دوسری طرف تک پہنچ جائے گا یہ قلیل ہے اور اس کے خلاف کثیر ہے حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہی ہے۔ بعض متون متاخرین کے اندر جو یہ مسئلہ لکھ دیا گیا ہے کہ کثیر پانی وہ ہے جو عشر فی عشر ہو یہ اصل مذہب حنفی نہیں ہے یہ اس طرح سے شہرت پا گیا کہ امام محمد سے کسی نے پوچھا کہ غدیر عظیم کتنا ہوتا ہے تو آپ نے فرمایا میری مسجد کے برابر لوگوں نے مسجد کو ماپنا شروع کیا اندر سے وہ ثمانیہ فی ثمانیہ اور باہر سے عشر فی عشر تھی اس سے سمجھ لیا گیا کہ ان کے نزدیک غدیر عظیم کی حد عشر فی عشر ہے حالانکہ امام محمد کا مقصود تحدید نہیں تھا بلکہ تقریب تھا اور اگر مان لیا جائے کہ ان کی مقصود تحدید تھا تو اس سے ان کا رجوع ثابت ہے نیز انہوں نے غدیر عظیم کی حد بتائی ہے یہ اپنے ظن سے بتائی ہے مطلب یہ ہے کہ میرے ظن میں اتنا پانی کثیر سمجھا جاتا ہے۔ ظن مبتلیٰ بہ کے مطابق فیصلہ کیا ہے ایک مبتلیٰ بہ کا ظن دوسروں کیلئے لازم نہیں ہوتا۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ امام محمد بھی اس مسئلہ میں شیخین کے ساتھ ہیں۔ تینوں میں سے کوئی بھی تحدید حقیقی کے قائل نہیں ہیں۔ حنفیہ کا اصل مذہب تفویض الی المبتلیٰ بہ ہی ہے۔ عشر فی عشر اصل مذہب حنفی نہیں۔ بعد کے مشائخ متاخرین نے اسے سہولۃ کیلئے اختیار کیا ہے ہر آدمی ذی رائے

نہیں ہوتا۔ عام آدمی کو ایسے موقعہ پر فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے عوام کی آسانی کیلئے عشر فی عشر کی تحدید کی ہے اس لئے کہ جو پانی دہ دردہ ہوگا۔ اس میں ایک طرف کی ناپاکی کا اثر اور دوسری طرف تک نہیں پہنچتا۔ جب عشر فی عشر اصل مذہب حنفی نہیں ہے۔ تو ہم دلائل سے اس بات کو ثابت کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم پر ذمہ داری صرف اصل مذہب حنفی کے اثبات کی ہے حنفیہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ عشر فی عشر کا مذہب کسی حدیث سے ثابت نہیں اس کا جواب یہی ہے جو عرض کیا گیا کہ اصل مذہب ہے ہی نہیں لہٰذا ہم اس کے اثبات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

شارح وقایہ نے عشر فی عشر کو حدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حدیث میں آتا ہے من حفر بئرا فلہ اربعون ذراعا عطنا لماشیتہ یعنی جو شخص کسی مباح زمین میں کنواں کھودے تو اس کا حریم چالیس ذراع ہوگا۔ اس حریم کے اندر کسی اور شخص کو نہ پانی کا کنواں کھودنے کی اجازت ہوگی نہ بئر بالوعہ کھودنے کی۔ اس حدیث میں حریم چالیس ذرائع بتایا گیا ہے۔ چالیس ذراع کا مطلب شارح وقایہ نے یہ لیا ہے کہ چاروں طرف دس دس ذراع ہو۔ اس مطلب کے لحاظ سے دس ذراع کے اندر دوسرا آدمی بئر الماء اور بئر بالوعہ کھودنے کا مجاز نہ ہوگا۔ دس ذراع سے باہر کھود سکتا ہے۔ یہاں سے شارح وقایہ نے استدلال کیا ہے کہ دیکھو شریعت دس ذراع تک بئر بالوعہ کھودنے کی اجازت نہیں دیتی اس سے آگے اجازت دس ذراع یا اس سے آگے بئر بالوعہ ہوا تو نجاست کا اثر پانی تک نہ آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں دس ذراع سے نیچے نیچے تک ایک طرف کی ناپاکی دوسری طرف تک اثر کرتی ہے۔ لہٰذا دس ذراع سے کم حوض کو قلیل کہیں گے اور دس ذراع اور اس سے زیادہ کو کثیر کہیں گے۔

صاحب بحر نے شارح وقایہ کے اس استدلال پر اعتراضات کئے ہیں۔

پہلا اعتراض حدیث میں جو اربعون ذراعا حریم آتا ہے۔ شارح وقایہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دس ذراع ہر طرف حریم ہوگا صاحب بحر کہتے ہیں کہ یہ مطلب ٹھیک نہیں صحیح مطلب یہ ہے کہ اس کنوئیں کا حریم چالیس ذراع ہر طرف ہوگا۔ لہٰذا وہ استدلال ختم ہوگیا۔

دوسرا اعتراض یہ بات جو کہی گئی ہے کہ دس ذراع تک بئر بالوعہ نہیں کھود سکتا اس کے آگے کھود سکتا ہے یہ اصل مذہب حنفی نہیں ہے بلکہ مذہب حنفی یہ ہے کہ زمین کی تاثیر سمجھنے والے دو عادل تجربہ کاروں سے پوچھا جائے کہ ایسی زمین میں کتنی دور تک نجاست کا اثر کنوئیں میں پہنچ سکے گا۔ جہاں تک اثر پہنچنے کا خطرہ ہے۔ وہاں تک بئر بالوعہ نہ کھودنے دیا جائے اور جتنی دور سے اثر پہنچنے کا خطرہ نہیں ہے وہاں تک کھودنے کی اجازت ہوگی یہ مقدار زمین کے سخت یا نرم ہونے کے اعتبار سے بدل سکتی ہے۔

تیسرا اعتراض پانی کو زمین پر قیاس کرنا قیاس مع الفاروق ہے زمین کثیف چیز ہے اور پانی کی نسبت لطیف ہے۔ زمین میں نجاست کا اثر اس قدر سرایت نہیں کر سکتا جس قدر تیزی سے پانی میں سرایت کرے گا دس ذراع سے بئر بالوعہ کا اثر زمین میں سے ہوتا ہوا اگر کنوئیں تک پہنچے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پانی کے تالاب میں سے بھی ایک طرف کی ناپاکی کا اثر اتنی دور ہی سے دوسری طرف پہنچے گا بلکہ پانی کی لطافت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں اس سے کم ساخت سے ایک طرف کی ناپاکی کا اثر دوسری طرف پہنچ جائے گا۔

وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَرْكَبُ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيْلَ مِنَ الْمَآءِ فَاِنْ تَوَضَّأْنَا بِهٖ عَطِشْنَا اَفَنَتَوَضَّأُ بِمَآءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

ہم سمندر پر سوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا تھوڑا پانی اٹھا کر لے جاتے ہیں اگر ہم اس سے وضو کریں تو پیاسے رہیں کیا ہم وضو کریں سمندر

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الطَّهُوْرُ مَاؤُهٗ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهٗ. (رواہ مالک و الجامع ترمذی و ابوداؤد

کے پانی سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ پاک کرنے والا ہے پانی اس کا اور حلال ہے مردار اس کا روایت کیا اس کو مالک، ترمذی، ابوداؤد

ونسائی و ابن ماجة و الدارمی)

نسائی اور ابن ماجہ اور دارمی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔اس حدیث میں یہ بات مذکور ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماء البحر کے متعلق سوال کیا۔سائل کون تھا۔راجح قول کے مطابق سائل کا نام عبداللہ تھا۔ان کا تعلق قبیلہ بنو مدلج سے تھا۔

سوال: ماء البحر کے متعلق سائل کو سوال کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور منشاء سوال کیا تھا اس میں علماء کے تین قول ہیں۔

ا-پہلا قول۔ایک حدیث میں ہے **لاتر کب البحر الاحاجًا او معتمراً او نمازیاً فان تحت البحر ناراً**۔اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ماء البحر کا تلبس و تعلق ہے نار جہنم کے ساتھ اور سائل کو یہ حدیث معلوم تھی۔اس لئے صحابی کو خیال ہوا کہ ماء البحر پاک ہے یا نہیں اس لئے سوال کیا۔

۲-دوسرا قول۔منشاء سوال یہ بات بنی کہ ماء البحر کے اوصاف میں تغیر ہے۔رنگ، بو، مزہ مختلف ہوتے ہیں۔تو سائل کو قیاس ہوا کہ اوصاف کے تغیر کی وجہ سے ماء البحر پاک نہیں ہوگا اس لئے سوال کیا۔

۳-تیسرا قول۔سمندری جانوروں کا توالد اور تناسل اور ان کی موت بھی ہزاروں کی تعداد میں سمندر ہی میں ہوتی ہے اور ان کا بول و براز اور باہر کی گندگیوں کے ڈھیروں کے ڈھیر سمندر میں ڈالے جاتے ہیں۔یہ منشاء بنا اس سوال کا کہ شاید سمندر کے پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز نہ ہو۔اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الطهور ماء ہ والحل میتہ**۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایجاز واختصار سے کام کیوں نہ لیا۔جواب: میں نعم ہونا کافی تھا ایجاز کو چھوڑ کر اطناب والا کلام کیوں اختیار کی۔

جواب: اگر ایجاز پر اکتفا کیا جاتا ہے تو شبہ ہوتا کہ شاید ماء البحر سے طہارت حاصل کرنا مقید ہے ضرورت کی قید کے ساتھ کیونکہ سائل نے اس کا سوال ضرورت کی بناء پر کیا تھا (کہ ہم سمندروں کا سفر کرتے ہیں اور ہمارے پاس پینے کے لئے پانی بہت کم ہوتا ہے اور اگر اسی پانی کو پی لیں تو وضو کے لئے نہیں بچتا اور اگر اس سے وضو کریں تو پیاسے مرتے ہیں) اس غلط فہمی کا اندیشہ تھا اس لئے ایجاز کو چھوڑ کر یہ جواب اختیار کیا **الطهور ماءُ ہ**، تاکہ معلوم ہو جائے کہ ماء البحر طاہر و مطہر ہے ضرورت ہو یا نہ ہو۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب حصر پر مشتمل ہے اس لئے کہ قید اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو یہ حصر کا فائدہ دیتا ہے اور معنیٰ یہ ہوگا کہ ماء البحر ہی طاہر ہے اس کے علاوہ کوئی اور پانی طاہر نہیں۔حالانکہ ماء العین بھی تو طاہر ہے تو یہ حصر درست نہیں۔

جواب: جب مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو کبھی خبر کا قید پر حصر ہوتا ہے اور کبھی مبتدا کا خبر پر حصر ہوتا ہے یا کبھی مسند کا مسندالیہ پر حصر ہوتا ہے اور کبھی مسندالیہ کا مسند پر حصر ہوتا ہے اور یہاں مسند کا حصر ہے مسندالیہ پر اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ماء البحر طاہر و مطہر ہی ہے یعنی متجاوز نہیں ہے نجس ہونے کی طرف (یعنی طاہر و مطہر سے نجس کی طرف متجاوز نہیں)

سوال: سائل نے مقید کی علت کا سوال تو نہیں کیا تھا۔تو والحل میتۃ کا اضافہ کیوں کیا جبکہ جواب ہوا **لطهور ماء ہ**، سے پورا ہو گیا تھا۔اس کے تین جواب ہیں۔

جواب-ا: اس جملے کو زائد کرنا اسلوب حکیمانہ قبیل سے ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دیکھا کہ یہ بھی سائل کی ضرورت کی چیزوں میں سے ہے (سائل کی ضرورت کی چیزیں دو ہیں) پانی کی ضرورت طہارۃ کے لئے اور اسی طرح کھانے پینے کے لئے تو پانی کے بارے میں فرمایا **هو الطهور ماء ہ** اور فرمایا کہ جب کھانے پینے کی ضرورت پیش آئے تو اس کا میتۃ بھی حلال ہے۔سائل نے ایک ضرورت کا اظہار کیا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرماتے ہوئے دوسری ضرورت کا بھی علاج بتلا دیا۔

جواب-۲: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ اس سائل کو ماء البحر کے طاہر مطہر ہونے کا پتہ نہیں تو یہ سمجھا کہ اسے سمندری جانوروں کے حلت و حرمت کا پتہ بطریق اولیٰ معلوم نہیں ہوگا جبکہ یہ بھی سائل کی ضروریات میں سے ہے تو ساتھ حیوانات البحر کی حلت و حرمت کا مسئلہ بھی بتا دیا کہ ان کا میتۃ بھی حلال ہے۔

جواب-۳: یہ اضافہ قضایا قیاساتھا منھا کی قبیل سے تھا۔یعنی ان قیاسات کی قبیل سے ہے۔جن کی ادلہ بھی ساتھ ہوتی ہیں۔یعنی

دعویٰ ہے۔دلیل کی طرح ہے۔(جیسے شرح تہذیب کے شروع میں الحمدللہ) پہلا جملہ بمنزل دعویٰ کے ہےاوردوسراجملہ بمنزلہ دلیل کے ہے۔
بایں طور کہ پہلے دعویٰ کیا کہ ماءالبحر طاہر مطہر ہی ہے دوسرے جملے میں دلیل دی کہ میتۃ البحر پاک ہےاور منشاء اشکال کوزائل کرنا پہلے جملے کی دلیل پیش کرنی ہے کیونکہ اشکال وشبہ یہ تھا کہ ماءالبحر پاک ہے لیکن اس میں جانور مرتے ہیں اور گندگیوں کے ڈھیر بسااوقات ڈالے جاتے ہیں تو شاید یہ ناپاک ہوتواس شبہ کاازالہ کردیا کہ والحل میتتہ' کہ اس کا میتہ پاک ہے (یہاں حل یعنی پاک ہے حلال کے نہیں) لہذا جو جانور پانی میں مرتے ہیں ان کا مرنا ان کی حلت کوختم نہیں کرسکتا۔باقی اس پر کیا دلیل ہے کہ حل بمعنی پاک کے ہے؟ حدیث میں ہے کہ حضرت صفیہؓ ماہواری کے ایام میں تھیں جب اس مقام پر پہنچیں تو پاک ہوگئیں اپنے حیض سے یہاں حلت کا معنی پاک ہے۔تو معلوم ہوا کہ حل بمعنی طہارت کے استعمال ہوتا ہے(یہاں پر بھی ایسے ہی ہے اب معنی ہوگامیتۃ البحر حلال اور حلال کا حلال کے ساتھ اختلاط ہوتو پانی نجس نہیں ہوتا۔

مسئلہ کہ کونسے حیوانات البحر حلال ہیں اور کونسے حرام ہیں؟اس میں تین قول ہیں۔

پہلاقول:۔مالکیہ اوراصحاب ظواہر کاقول ہے کہ جمیع حیوانات البحر حلال ہیں۔ دوسرا قول:۔شوافع کا قول اس میں شوافع کے تین قول ہیں ضفدع البحر کے ماسوامیں یعنی ضفدع البحر سمندر کا مینڈک حرام ہے۔اس کے ماسوامیں تین قول ہیں۔(۱) جمیع حلال ہیں (۲) سمک کے ماسواجمیع حرام ہیں (۳) نظیر کو دیکھا جائے گا جن کی نظیر بر میں حلال بحر میں بھی حلال جن کی نظیر بر میں حرام بحر میں بھی حرام۔

تیسرا قول:۔احنافؒ کا ہے کہ سمک غیر طافی کے علاوہ جمیع حرام ہیں۔

ائمہ ثلثہ کی دلیل۔(۱) اس مسئلہ میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔والحل میتتہ سے وہ کہتے ہیں کہ میتۃ کی جواضافت ہے بحر کی طرف یہ اضافت استغراق کیلئے ہے۔معنی یہ ہوا کہ سمندر کے سب میتات حلال ہیں۔اس کو حنفیہ کے خلاف پیش کرتے ہیں کہ تم صرف مچھلی کو حلال کہتے ہو باقیوں کو حرام کہتے ہو۔یہ حدیث کے خلاف ہے۔(۲) آیت قرآنی احل لکم صید البحر اس آیت میں صید بمعنی ''مصید'' ہے یعنی شکار کئے ہوئے جانور۔آیت سے سمندر کے شکار کردہ جانوروں کا جواز مطلقاً ثابت ہورہا ہے سمک کی کوئی تخصیص نہیں۔

(۳) احادیث میں واقعہ آرہا ہے کہ ایک سفر بحر میں صحابہؓ کو بہت سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔کھانے کے لئے پاس کچھ نہ تھا۔قدرت نے یہ انتظام فرمایا کہ سمندری جانوروں میں سے العنبر ان کے ہاتھ لگا جس کو یہ کئی دن تک کھاتے رہے۔تو عنبر کا کھانا بھی صحابہؓ سے ثابت ہوگیا۔

جوابات: پہلی دلیل کے جوابات۔میتۃ کی اضافت استغراقی نہیں عہدی ہے اس سے مراد مخصوص میتۃ ہے یعنی سمک جیسا کہ دوسرے دلائل کا تقاضا ہے۔اگر یہ تسلیم کرلیں کہ یہ اضافت استغراق کیلئے ہے۔تب بھی یہ ہمارے خلاف نہیں اس لئے کہ یہاں حل کا معنی ہے طاہر حل کے دو معنی آتے ہیں ایک کسی چیز کھانا ہونا۔دوسرا کسی چیز کا پاک ہونا نجس نہ ہونا خواہ اس کا کھانا حلال ہو یا نہ۔یہاں حل دوسرے معنی میں ہے یعنی طاہر اس سے یہ بات نکلی کہ سمندر کے سب میتات طاہر ہیں۔یعنی نجس نہیں ہیں۔طاہر ہونے سے حلت اکل لازم نہیں آتی جیسے مٹی طاہر ہے۔اس کے باوجود اس کا کھانا ٹھیک نہیں۔حل کو یہاں طاہر کے معنی میں لینا سیاق کے زیادہ مطابق ہے۔اس صورت میں اس جملے کا ربط ماقبل سے بالکل ظاہر ہوجاتا ہے پہلے فرمایا تھا کہ سمندر کا پانی طہور ہے۔اس پر یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ سمندر میں اتنے جانور مرتے ہیں تو یہ کیسے طہور ہے اس پر یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ سمندر میں اتنے جانور مرتے ہیں تو یہ کیسے طہور رہا تو جواب یہ ہوا کہ اس کے سب میتے طاہر ہیں۔اس لئے ان سے سمندر کا پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

دوسری دلیل کا جواب۔آیت میں صید بمعنی ''مصید'' نہیں ہے بلکہ یہ اپنے مصدری معنی پر ہے۔اس لئے کہ اس کا حقیقی معنی یہی ہے صدی بمعنی مصید مجاز ہے اس سے حالت احرام میں فعل اصطیاء کا جواز ثابت ہوتا ہے۔اس سے اس کے کھانے کی حلت ثابت نہیں ہوتی۔

تیسری دلیل کا جواب۔عنبر والی حدیث سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ عنبر انواع سمک میں سے ہی ایک نوع ہے۔اس کا حکم سمک والا ہی ہے دلیل اسکی یہ ہے کہ اس واقعہ کی بعض روایتوں میں عنبر کی جگہ حوت کا لفظ آیا ہے۔جیسا کہ بخاری شریف کی ایک روایات میں فالقی البحر حوتا

میتا لم نر مثله یقال له العنبر اس میں تصریح ہوگئی کہ عنبر بھی مچھلی ہی کی ایک قسم ہے۔اگر بالفرض تسلیم کرلیں کہ جس عنبر کو صحابہؓ نے کھایا تھاوہ غیر سمک ہے۔تب بھی ہمارے لئے مضر نہیں۔اس سے غیر سمک کا حلال ہونا ثابت نہیں ہوگا۔اس لئے کہ ان احادیث میں تصریح ہے کہ جب یہ کھائی گئی تھی اس وقت انکوشدید بھوک اور کچھ کھانے کیلئے نہ تھاتو یہ حالت اضطرار ہوئی۔اسکا جواز حالت اضطرار میں ثابت ہوا۔گفتگو حالت اختیار میں ہے۔

حنفیہ کی دلیل۔حنفیہ کہتے ہیں کہ مچھلی کے علاوہ تمام میتات البحر حرام ہیں۔دلیل اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید کی نص قطعی میں میتہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔حرمت علیکم المیتۃ اوراس میں اطلاق ہے خواہ میتہ البحر ہوخواہ میتہ البر ہو۔اطلاق آیت سے معلوم ہوا کہ بحر اور بر کا ہر میتہ حام ہے البتہ حدیث مشہور سے دو میتہ کی تخصیص ثابت ہے۔ احلت لنا المیتتان السمک و الجراد ۔باقی میتات کاحکم وہی رہے گا حرمت والا۔

ان دونوں میتوں کی تخصیص پر اجماع بھی ہے۔مچھلی کے علاوہ کسی بحری جانور کا کھانا صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے۔یہ تعامل بھی دلیل ہے کہ صرف مچھلی حلال ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ زَیْدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ لَیْلَةَ الْجِنِّ مَا فِیْ
حضرت ابوزیدؓ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جنوں کی رات فرمایا تیری چھاگل میں کیا ہے۔
اِدَاوَتِکَ قَالَ قُلْتُ نَبِیْذٌ قَالَ تَمْرَةٌ طَیِّبَةٌ وَّمَآءٌ طُهُوْرٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَزَادَ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ فَتَوَضَّاَ
میں نے کہا نبیذ ہے فرمایا کھجور پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا ہے روایت کیا اسکو ابوداؤد نے اور زیادہ کیا اور احمد ترمذی نے
مِنْهُ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ اَبُوْزَیْدٍ مَجْهُوْلٌ وَصَحَّ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمْ اَكُنْ لَیْلَةَ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو کیا اور کہا ترمذی نے ابوزید مجہول ہے۔صحیح ثابت ہے علقمہؓ سے وہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے
الْجِنِّ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ . (رواہ مسلم)
ہیں کہ میں جنوں کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھا۔روایت کیا اس کو مسلم نے

تشریح: حاصل حدیث:۔قولہ' لیلۃ الجن۔وہ رات جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنات کو وعظ ونصیحت کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے اس کولیلۃ الجن سے تعبیر کرتے ہیں۔اسی لیلۃ الجن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا کہ تمہارے برتن میں کیا ہے۔انہوں نے کہا نبیذ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو پاکیزہ کھجور ہیں اور پانی پاک ہے۔اورایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو بھی فرمایا۔

مسئلہ:نبیذ تمر سے وضو جائز ہے یا نہیں؟ اس پر تو اجماع ہے کہ ماء مطلق کے موجود ہونے کی صورت میں نبیذ تمر سے وضو جائز نہیں۔البتہ ماء مطلق کے موجود نہ ہونے کی صورت میں اختلاف ہے۔اس مسئلے کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور مٹھاس کے پیدا ہونے سے پہلے پہلے نکال دیا جائے۔(۲) کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور مٹھاس بھی پیدا ہو جائے لیکن رقت وسیلان اپنے حال پر باقی ہو اور غیر مطبوخ ہو یعنی اس کو پکایا نہ گیا ہو اور غیر مسکر ہو۔(۳) کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور مٹھاس بھی آ گئی ہو اور رقت وسیلان اپنے حال پر باقی ہو لیکن مطبوخ ہو آگ پر پکایا گیا ہو۔(۴) سکر نشے کی حدتک پہنچ گیا ہو یا اتنا گاڑھا ہو گیا ہو کہ رقیت اور سیلان ختم ہو گیا ہو خواہ مطبوخ ہو یا غیر مطبوخ صورت اولیٰ میں بالاتفاق اس سے وضو جائز ہے۔تیسری اور چوتھی صورت میں بالاتفاق جائز نہیں۔اگر چہ تیسری صورت میں دوسرا قول یہ بھی ہے کہ جائز ہے لیکن علامہ ابن نجیمؒ صاحب بحرالرائق فرماتے ہیں کہ تیسری صورت میں اصح قول کے مطابق وضو جائز نہیں صورت ثانیہ میں امام صاحب کی تین روایتیں ہیں۔(۱) وضو کرنا واجب اور تیمم مستحب ہے۔(۲) وضو اور تیمم دونوں واجب ہیں۔(۳) تیمم ہی واجب ہے وضو سرے سے جائز ہی نہیں۔دوسری روایت کو امام محمدؒ نے اختیار کیا کہ وضو اور تیمم دونوں واجب ہیں اگر چہ یہ عمل نزاع بھی ہے۔قاضی ابو یوسف اور جمہور نے تیسری روایت کو اختیار کیا کہ تیمم ہی واجب

ہے دنسوسرے سے جائز ہی نہیں۔ محققین کے قول کے مطابق امام صاحب کا تیسری روایت کی طرف رجوع بھی ثابت ہے اب اتفاق ہو گیا اس بات پر کہ تیسری صورت میں وضو نبیذ تمر سے جائز نہیں (اب اشکال ہوا کہ جب تیسری صورت پر اتفاق ہو گیا تو پہلی صورت کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن چونکہ بعض لوگوں نے امام صاحب پر یہ الزام لگایا ہے کہ امام صاحب کا پہلا قول بے دلیل ہے تو اولاً ہم کہتے ہیں کہ رجوع کر لیا تھا اور نہ ہم کہتے ہیں اگر پہلا قول ثابت بھی ہو تو امام صاحب کا یہ قول اول بلا دلیل نہیں بلکہ مع الدلیل ہے۔ اور وہ دلیل یہی حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **تمرة طيبة و ماء ه طهور۔**

تو یہ حدیث امام صاحب کے موافق ہے اور باقی ائمہ کے مخالف ہے۔ تو چونکہ امام صاحب کے موافق تھی تو اس لئے امام صاحب پر صاحب مشکوٰۃ نے دو اعتراض کر دئے۔ کہ امام صاحب کا استدلال اس حدیث سے تام نہیں۔

قوله قال الترمذی اعتراضات کو بیان کر رہے ہیں **پہلا اعتراض (۱)** امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس میں راوی ابوزید ہیں اور یہ ابوزید مجہول ہیں۔ راوی مجہول ہونے کی وجہ سے حدیث قابل استدلال نہیں۔

(۲) دوسرا اعتراض۔ اس روایت سے استدلال فرع ہے اس بات کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی معیت لیلۃ الجن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت ہے۔ حالانکہ یہ ثابت نہیں باقی لیلۃ الجن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت عبداللہ بن مسعودؓ کو ثابت نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حدیث علقمہ عن عبداللہ بن مسعودؓ جس میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں **لم اكن ليلة الجن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم**۔ میں تو لیلۃ الجن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا ہی نہیں پس جب معیت ثابت نہ ہوئی تو استدلال تام نہ ہوا۔

پہلے اعتراض کا جواب (۱) ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ابوزید مجہول ہیں اس لئے کہ ابن عربی شارح ترمذیؒ نے تفریح کی ہے کہ ابوزید سے آگے روایت کرنے والے دو ہیں۔ (۱) راشد ابن کیسان (۲) ابوروق العجلی۔ اور ضابطہ اور قانون یہ ہے کہ جب کسی شیخ سے روایت کرنے والے دو ہوں تو استاذ کا مجہول ہونا ختم ہو جاتا ہے۔

جواب (۲): اگر بالفرض جہالت کو تسلیم بھی کر لیں تو بھی یہ جہالت استدلال سے مانع نہیں اس لئے کہ ابوزید کے چودہ متابع موجود ہیں یعنی ابوزید کے علاوہ عبداللہ بن مسعودؓ سے ۱۴ راوی اس کو نقل کرنے والے ہیں چنانچہ علامہ بدرالدین عینیؒ نے ان چودہ متابعین کی فہرست بھی اپنے مقام میں پیش کر دی ہے تو جس کے اتنے متابع ہوں کیا وہ حدیث حسن کے درجے تک نہیں پہنچے گی کیا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا؟ لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا درست ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب (۱): زیادہ سے زیادہ دونوں حدیثوں کے مدلول میں تعارض ہو گیا۔ حدیث ابوزید عن عبداللہ بن مسعود کا مدلول ہے اثبات معیت اور حدیث علقمہ عن عبداللہ بن مسعودؓ کا مدلول نفی معیت ہے اور جب اثبات اور نفی میں تعارض ہو جائے تو تعارض کے وقت اثبات کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ اثبات کا مناط علم پر ہے اور نفی کا مناط علم پر ہے۔ لہٰذا حدیث ابوزید عن عبداللہ بن مسعودؓ کو ترجیح ہو گی۔

جواب (۲): تعارض تو تب پیدا ہو جب تطبیق کی صورت نہ ہو حالانکہ یہاں تطبیق کی صورتیں موجود ہیں۔ **تطبیق کی پہلی صورت**۔ معیت ابتدائے سفر کے اعتبار سے ہے۔ اور نفی معیت مخصوص مقام کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا تعارض نہیں۔ اصل میں واقعہ یہ ہوا کہ ابتدائے سفر میں لیلۃ الجن میں عبداللہ بن مسعودؓ ساتھ تھے اور جب مدینہ کے باہر پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دائرہ کھینچ کر عبداللہ بن مسعودؓ کو اس میں بٹھا دیا اور فرمایا کہ اس سے باہر نہیں نکلنا۔ چنانچہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں میں ڈراؤنی آوازیں سنتا رہا لیکن باہر نہیں نکلا (روکنے کی وجہ سے) تو نفی اس مقام تبلیغ کے اعتبار سے ہے مطلق معیت کی نفی نہیں۔

تطبیق کی دوسری صورت۔ لیلۃ الجن (والا واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا) چھ مرتبہ پیش آئی۔ کسی موقع پر عبداللہ بن مسعودؓ ساتھ تھے اور کسی موقع پر نہیں تھے تو اثبات معیت اور توقع کے لحاظ سے نفی معیت اور موقع کے لحاظ سے ہے اور تناقض کی شرائط میں سے ایک شرط ہے وحدت وہ یہاں موجود نہیں جیسا کہ شاعر کا قول ہے۔ بلا تناقض **در تناقض هشت وحدت شرط دان۔**

اعتراض۔ یہ خبر واحد ہے اور معارض ہے آیت کریمہ کے وان لم تجدو اماء فتیمموا الخ۔ اس میں مطلق آیا کہ جب مطلق پانی نہ ملے تو صرف تیمم کرو۔ آپ وضو کی بھی تقیید کر رہے ہیں۔ اور خبر واحد سے آیت کی تقیید جائز نہیں؟

جواب (۱) اس کا خبر واحد ہونا مسلم نہیں۔ بلکہ یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ کی تقیید جائز ہے۔ بدائع الصنائع کے اندر اس کے مشہور ہونے کی تصریح موجود ہے۔

جواب (۲) اس کا ماء مطلق نہ ہونا تسلیم نہیں بلکہ کلام عرب کے محاورات کے اعتبار سے یہ بھی ماء مطلق ہے۔ کلام عرب میں کہا جاتا ہے پانی لاؤ تو اگر وہ نبیذ تمر لے آیا تو اس کو پانی سمجھا جاتا ہے اگرچہ ہمارے عرف میں یہ شربت سمجھا جاتا ہے۔

سوال: یہ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ تو منسوخ ہے۔ اس لئے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ مکہ کا واقعہ ہے اور آیت کریمہ فلم تجدوماء سورۃ مائدہ کی مدنی ہے۔ اور سورۃ مائدہ بھی اخیر زمانے میں جا کر نازل ہوئی۔ تو آیت کریمہ اور حدیث میں تعارض ہوا تو تعارض کے وقت متاخر متقدم کے لئے ناسخ ہوتی ہے۔ لہٰذا حدیث ابوزید منسوخ اور آیت کریمہ اس کے لئے ناسخ ہوئی۔ متقدم منسوخ اور متاخر ناسخ ہوئی۔

جواب: جناب ہم اس تقدم و تاخر کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت کریمہ مدینہ میں پہلے نازل ہوئی ہو اور لیلۃ الجن کا واقعہ بعد میں ہو کیونکہ یہ واقعہ متعدد مرتبہ ہوا تو جب تک اس تقدم و تاخر پر دلیل قطعی نہ ہو تو ناسخ کا قول نہیں کیا جا سکتا۔ اذ جاء الاحتمال بطل الاستدلال الحاصل امام صاحب کا یہ استدلال اس حدیث سے اپنے حال پر باقی رہا۔

وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَ كَانَتْ تَحْتَ ابْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّ اَبَا قَتَادَةَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَسَكَبَتْ
حضرت کبشہ بنت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے اور وہ ابن ابی قتادہ کی بیوی تھی کہ ابوقتادہ اس کے پاس آیا کبشہ نے ان کیلئے وضو کا
لَهٗ وَضُوْءً فَجَائَتْ هِرَّةٌ تَشْرَبُ مِنْهُ فَاَصْغٰى لَهَا الْاِنَاءَ حَتّٰى شَرِبَتْ قَالَتْ كَبْشَةُ فَرَاٰنِيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ
پانی ڈالا ایک بلی آئی اور اس سے پینے لگی پس ٹیڑھا کیا اس کیلئے برتن جہاں تک کہ اس سے پیا کبشہ نے
فَقَالَ اَتَعْجَبِيْنَ يَا ابْنَةَ اَخِيْ قَالَتْ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّهَا
کہا ابوقتادہؓ نے مجھ کو دیکھا میں تعجب سے ان کی طرف دیکھ رہی ہوں پس کہا اے بھتیجی تو تعجب کرتی ہے کہا میں نے کہا ہاں۔ کہا
لَيْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ. (رواہ مالک و مسند احمد بن حنبل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تحقیق بلی پلید نہیں وہ تم پر پھرنے والی ہے یا لفظ طوافات کہا روایت کیا اس کو مالکؒ احمدؒ
والترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجۃ و الدارمی)
ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ اور دارمی نے

تشریح: حدیث کے ابتدائی حصہ میں حضرت کبشہ بنت کعب بن مالک کا تعارف سوال جواب کی صورت میں کرایا:۔

سوال: اجنبی عورت کو اجنبی مرد کے ساتھ کیسے بات چیت ہو رہی ہے۔

جواب: اجنبی نہیں بہو ہے۔ حاصل حدیث حضرت کبشہؓ فرماتی ہیں کہ ابوقتادہؓ میرے گھر میں تشریف لائے میں نے ان کے وضو کے لئے پانی برتن میں ڈال کر رکھا اسی اثناء میں بلی آ گئی وہ بلی اس برتن سے پانی پینے لگی تو ابوقتادہؓ نے برتن کو جھکا دیا تا کہ وہ آسانی سے پی سکے اس پر حضرت کبشہؓ بنت کعبؓ کو تعجب ہوا تو جب سسر نے دیکھا کہ میں ان کی طرف دیکھ رہی ہوں انہوں نے سمجھا کہ یہ تعجب کر رہی ہے تو کہا اے بھتیجی تم تعجب کر رہی ہو (اے بھتیجی کہنا یا تو محاورات عرب کی وجہ سے تھا یا اخوت اسلامی کے اعتبار سے تھا)۔ حضرت کبشہؓ نے کہا ہاں میں تعجب سے دیکھ رہی ہوں۔ تعجب کی وجہ لوگ اپنے برتنوں کو اور اپنی چیزوں کو بلیوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اور میرے سسر اس سے پانی پلا

رہے ہیں تعجب تو ہونا ہے تو حضرت ابوقتادہؓ نے فرمایا تعجب کرنے کی کوئی بات نہیں تو تعجب نہ کر۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انھا لیست بنجس الخ کہ بلی نجس نہیں ہے۔ عدم نجس کی علت۔ انھا من الطوافین علیکم او الطوافات کہ یہ گھر میں آنے جانے والے خدام یا خادمات میں سے ہیں۔ اس حدیث سے سور الھرۃ طاہر ہونا معلوم ہوا۔ اختلافی مسئلہ اگلی حدیث کے تحت آرہا ہے۔

وَعَنْ دَاوٗدَ بْنَ صَالِحِ بْنِ دِيْنَارٍؒ عَنْ اُمِّهٖ اَنَّ مَوْلَا تَهَا اَرْسَلَتْهَا بِهَرِيْسَةٍ اِلٰى عَائِشَةَ قَالَتْ فَوَجَدْتُّهَا
حضرت داؤد بن صالح بن دینارؒ اپنی والدہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ اس کی مالکہ نے اسے ہریسہ دے کر عائشہؓ کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا کہ میں
تُصَلِّيْ فَاَشَارَتْ اِلَيَّ اَنْ ضَعِيْهَا فَجَآئَتْ هِرَّةٌ فَاَكَلَتْ مِنْهَا فَلَمَّا انْصَرَفَتْ عَائِشَةُ مِنْ صَلَاتِهَا اَكَلَتْ
نے اسے پایا کہ وہ نماز پڑھ رہی ہے۔ میری طرف اشارہ کیا کہ اسے رکھ دے۔ ایک بلی آئی اور اس سے کھانے لگی۔ جب عائشہؓ اپنی نماز سے فارغ ہوئی
مِنْ حَيْثُ اَكَلَتِ الْهِرَّةُ فَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ اِنَّهَا مِنَ
کھایا جہاں سے بلی نے کھایا تھا اور کہنے لگی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بلی پلید نہیں تحقیق وہ پھرنے والوں میں سے ہے تم پر اور
الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ وَاِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِفَضْلِهَا. (رواہ ابوداؤد)
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرتے ہیں روایت کیا اس کو ابوداؤد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت داؤد بن صالح بن دینارؒ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی ماں ان کے گھر پہنچی تو حضرت عائشہؓ نماز پڑھ رہی تھیں انہوں نے اشارہ کیا کہ رکھ دو۔ میں نے رکھ دیا۔ اسی اثناء میں بلی آئی اور اس نے اس سے کھایا۔ جب حضرت عائشہؓ نماز سے فارغ ہوئیں تو جہاں سے بلی نے کھایا تھا وہیں سے لقمے اٹھا کر کھانا شروع کر دیا تو ظاہر ہے کہ ان کو تعجب کچھ نہ کچھ ہوا ہوگا کہ بلی نجس ہے اس کا جھوٹا کیسے کھا رہی ہیں۔ تو اس لئے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انھا لیست بنجس انھا من الطوافین علیکم اور میں نے دیکھا کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ الھرۃ کے پانی سے وضو بھی فرمایا۔ رواہ ابوداؤد۔

مسئلہ سور ھرہ کا کیا حکم ہے؟ طرفین کے نزدیک سور الھرۃ طاہر ومکروہ ہے۔ اس میں کراہت کس قسم کی ہے۔ اس میں دو قول ہیں۔ امام کرخیؒ کے نزدیک کراہت تنزیہی ہے۔ (۲) اور امام محمدؒ کی عبارت سے امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ کراہت تحریمی ہے۔

قول فیصل یہ ہے اور اگر کراہت کی علت اور وجہ بلی کے منہ کے متلوث بالنجاست ہونے کا احتمال ہو تو کراہت تنزیہی ہے اور اگر کراہت کی علت اور وجہ حرمِ لحم کو بیان کیا جائے تو کراہت تحریمی ہے کہ بلی کا گوشت حرام ہے اسی وجہ سے سور الھرۃ بھی حرام ہے کیونکہ لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے۔ تو جب لحم حرام ہے تو لعاب بھی حرام ہوا یعنی جب لعاب پانی کے ساتھ ملے گا تو پانی بھی نجس ہو جائے گا۔ باقی رہی یہ بات کہ راجح کیا ہے؟ کراہت تنزیہی راجح ہے اس لئے کہ یہ محض احتمال ہی ہے کوئی یقین تو نہیں۔

دوسرا قول:۔ امام قاضی ابو یوسف اور ائمہ ثلٰثہ کا مذہب یہ ہے کہ سور الھرۃ طاہر بلا کراہت ہے۔

طرفین کی دلیل (۱) وہ حدیث ابو ہریرۃؓ ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر بلی برتن کے اندر منہ کو داخل کر دے تو یغسل مرۃ ایک مرتبہ دھویا جائے۔ ظاہر ہے کہ غسل کا حکم مرتا (ایک مرتبہ دھونا) کراہت کی وجہ سے ہے۔

دلیل (۲) حدیث میں آیا الھرۃ سبع یہ صغریٰ ہے کبریٰ یہ ہے کہ سور السباع نجس تو نتیجہ نکلے گا سور الھرۃ نجس۔

سوال۔ نجاست کے تو تم قائل نہیں ہو جب کہ بلی کا جھوٹا نجس ثابت ہوا۔

جواب۔۱: کثرت طواف کی وجہ سے استخفاف ہے۔ یعنی جس طرح کثرت طواف کی وجہ سے حکم استیذان کے اندر تخفیف ہو گئی اسی طرح یہاں بھی اس علت کثرت طواف کی وجہ سے سور الھرۃ میں تخفیف ہو گئی۔ کہ نجس نہیں رہا۔

جواب-۲: نیز جو حکم لحم کا ہوگا وہی سور کا ہوگا۔ کیونکہ سور پیدا ہوتا ہے لعاب سے اور لعاب پیدا ہوتا ہے لحم سے۔ جیسے لحم شاۃ طاہر ہے سورشاۃ بھی طاہر ہے اور جیسے لحم خنزیر و کلب حرام ہے سور خنزیر و کلب بھی حرام ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ لحم ہرہ حرام ہے لیکن چونکہ علت کثرت طواف موجود ہے اس لئے سور الهرة میں کراہت ہوگی۔

قاضی ابو یوسف اور ائمہ ثلثہ کی دلیل یہی حدیث ابوقتادہؓ اور حدیث عائشہؓ سے ہے طریق استدلال یہ ہے کہ حضرت ابوقتادہؓ نے برتن آگے کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذکر کیا اگر سور ہرۃ نجس ہوتا تو اصغاء الاناء نہ فرماتے۔ اور اسی طرح حدیث عائشہؓ میں حضرت عائشہؓ نے وہیں سے کھایا جہاں سے بلی نے کھایا اور یہ کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو فرمایا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی نقل کیا۔

طرفین کی طرف سے جواب:۔ جواب نمبر (۱) حدیث ابوقتادہؓ کے دو حصے ہیں۔ (۱) فعل ابی قتادہؓ (یعنی انہوں نے برتن کو ٹیڑھا کیا) (۲) حدیث مرفوع۔ انها ليست بنجس۔ یہ حصہ مرفوع ہے۔ فعل ابوقتادہؓ کی دلالت ہے سور هرة کے طاہر ہونے پر لیکن یہ قابل استدلال نہیں ہے اس لئے کہ یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے۔ باقی حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ مرفوع اس کی معنے پر دلالت واضح نہیں ہے کیونکہ اس کے دو معنے ہیں۔

(۱) سور ہرۃ ناپاک نہیں۔ (۲) خود بلی کا جسم وجثہ یہ ناپاک نہیں کہ اگر بلی کا جسم کپڑے وغیرہ پر لگ جائے تو کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نماز کے اندر بلی کو اٹھائے ہوئے ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی یہ نہیں سمجھا جائے کہ یہ حامل نجاست ہے۔ تو یہ حدیث محمول ہے مماسہ ثیاب پر اور نیز اس سے مقصود هرة کے گھر میں رہنے کو مباح قرار دیتا ہے۔

سوال؟ ابوقتادہؓ کا اس موقعہ پر اس فرمان کو بیان کرنا کیسے صحیح ہوگا اس لئے کہ یہ تو بہت درست ہوگا جب کہ پہلا معنی مراد ہو۔ جواب۔ اس کو پہلے معنی پر محمول کرنا یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے حدیث میں تصریح نہیں۔ لیکن یہ تو نہیں کہ دوسرے احتمال بھی نہیں۔ بلکہ احتمال ہے۔ تو لہذا یہ قابل استدلال نہیں۔ اذاجاء الاحتمال بطل للاستدلال قوله انها ليست بنجس الخ۔ نجس اس کو دو طرح ضبط کیا گیا ہے۔ جیم کے فتح کے ساتھ نجس مصدر ہے بمعنی نجاست یعنی بلی نجاست نہیں ہے۔

سوال:۔ بلی تو نجاست نہیں یہ معنی تو صحیح نہیں؟ جواب یہاں مضاف محذوف ہے ای انها ليست بذات نجس بلی کا جسم نجاست نہیں ہے یعنی بلی نجاست والی نہیں ہے۔ سوال پھر انها ليست بنجسه ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ ھا ضمیر مونث کی ہے۔ جواب۔ انہا یہ مؤول ہے سور کے ساتھ یعنی سور الهرة پلید نہیں ہے دوسری صورت جیم کے کسرہ کے ساتھ نجس یہ صفت کا صیغہ ہے معنی یہ ہے کہ بلی نجاست والی نہیں ہے۔

حدیث عائشہؓ کا جواب حدیث عائشہؓ کے تین حصے ہیں۔ (۱) فعل عائشہؓ (۲) حدیث مرفوع (۳) عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ فعل عائشہؓ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کا سور طاہر ہے لیکن چونکہ ان کا اپنا اجتہاد ہے لہذا یہ دوسرے کیخلاف حجت نہیں اور حدیث مرفوع کا بھی وہی جواب ہے جو حدیث ابوقتادہؓ کا ہے اور تیسری چیز عمل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب۔ اگر کراہت تنزیہی کا قول کیا جائے تو اس صورت میں بھی جواب آسان ہوگا کہ بیاناً للجواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا عمل فرمایا۔

(۱) یہ محمول ہے بیان جواز پر اور یہ کراہت تنزیہہ کے منافی نہیں اور کراہت تنزیہہ امت کے حق میں ہوتی ہے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہوتی ہے۔ لیکن اگر کراہت تحریمی مراد لی جائے تو اس صورت میں جواب مشکل ہو جائے گا کیونکہ فعل حرام کا ارتکاب تو جائز ہی نہیں فكيف فعل رسول الله لیکن ہوسکتا ہے کہ لحوم سباع کی حرمت سے پہلے کا قصہ ہو کہ لحوم سباع کا حکم ابھی تک نازل نہیں تھا۔ اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سور الهرة سے وضو فرمایا۔ ایک اور جواب کوئی پتہ نہیں ام داؤد صاحب عدالت ہے یا نہیں۔ لہذا جب تک اس کا صاحب عدالت ہونا ثابت نہیں ہوتا اس وقت تک یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔ والله اعلم۔

قوله' بهريسة۔ اس کا معنی ہے دودھ کے اندر کھجور اور گندم کے دانے ڈال کر بنایا جائے۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَتَوَضَّأُ بِمَا اَفْضَلَتِ الْحُمُرُ قَالَ نَعَمْ
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کیا ہم وضو کریں اس پانی سے جو بچا ہے گدھوں سے فرمایا ہاں اور اس
وَبِمَا اَفْضَلَتِ السِّبَاعُ کُلُّھَا. (رواہ فی شرح السنۃ)
پانی سے بھی جو درندوں کا جھوٹا ہے۔ روایت کیا ہے شرح السنہ میں

تشریح: حاصل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے بچے ہوئے پانی کے متعلق سوال ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں تم گدھوں کے بچے ہوئے پانی سے یعنی سور الحمار سے وضو کر سکتے ہو۔ اور یہ صرف تخصیص نہیں بلکہ سور الحمار سے بھی اور تمام درندوں کے بچے ہوئے پانی سے سور السباع سے بھی وضو کر سکتے ہو۔ سوال؟ سوال تو صرف سور حمار کے متعلق تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کے اندر سور السباع کا تذکرہ کیوں فرمایا۔ جواب تو نعم پر پورا ہو گیا تھا۔ بما افضلت السباع کلھا یہ اضافہ علی الجواب کیوں کیا؟

جواب-۱: اضافہ علی الجواب کوئی ممنوع نہیں۔ جواب-۲: یہ اسلوب حکیمانہ کی قبیل سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ جب سائل کو سور حمار کے مسئلہ کا پتہ نہیں تو سور السباع کے مسئلے کا بطریق اولیٰ علم نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ اضافہ علی الجواب فرمایا۔ (شفقت فرماتے ہوئے)۔

وَعَنْ اُمِّ ھَانِیءٍؓ قَالَتْ اِغْتَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ وَ مَیْمُوْنَۃُ فِیْ قَصْعَۃٍ فِیْھَا اَثَرُ الْعَجِیْنِ.
حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور میمونہؓ نے ایک ایسے پیالہ میں غسل کیا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کا نشان تھا روایت کیا اس کو نسائی اور ابن ماجہ نے

(رواہ النسائی و ابن ماجۃ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

وَعَنْ یَحْیَی بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِؒ قَالَ اِنَّ عُمَرَ خَرَجَ فِیْ رَکْبٍ فِیْھِمْ عَمْرُو ابْنُ الْعَاصِ حَتّٰی وَرَدُوْا
حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰنؒ سے روایت ہے کہا کہ بے شک عمرؓ ایک قافلہ میں نکلے ان میں عمرو بن عاصؓ بھی تھے وہ ایک حوض پر آئے عمروؓ نے کہا
حَوْضًا فَقَالَ عَمْرُوْ یَا صَاحِبَ الْحَوْضِ ھَلْ تَرِدُ حَوْضَکَ السِّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ یَا
اے حوض والے کیا تیرے حوض پر درندے آتے ہیں۔ عمر بن خطابؓ نے کہا اے حوض والے ہم کو نہ بتلا
صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرْنَا فَاِنَّا نَرِدُ عَلَی السِّبَاعِ وَ تَرِدُ عَلَیْنَا رَوَاہُ مَالِکٌ وَّ زَادَ رَزِیْنٌ قَالَ زَادَ
کیونکہ بے شک ہم درندوں پر آتے ہیں اور درندے ہم پر آتے ہیں۔ روایت کیا اس کو مالک نے اور رزین نے کہا رزین نے بعض راویوں نے
بَعْضُ الرُّوَاۃِ فِیْ قَوْلِ عُمَرَ وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَھَا مَا اَخَذَتْ فِیْ
حضرت عمرؓ کا قول زیادہ روایت کیا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم سے سنا ہے۔ فرماتے تھے ان درندوں کیلئے ہے جو وہ اپنے پیٹوں میں
بُطُوْنِھَا وَمَا بَقِیَ فَھُوَلَنَا طَھُوْرٌ وَ شَرَابٌ.
لے جاتے ہیں اور جو باقی رہے وہ ہمارے لئے پاک ہے اور قابل پینے کے ہے

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عمرؓ باہر تشریف لے گئے اور عمرو بن العاصؓ بھی تھے تو ایک حوض پر وارد ہوئے تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا اے حوض کے مالک کیا تمہارے حوض پر درندے آتے جاتے رہتے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا اے حوض کے مالک ہمیں یہ خبر نہ دینا ہمیں نہ بتلانا کیونکہ اگر بتلا دیا تو ہم مشقت میں پڑ جائیں گے۔ پس بے شک ہم آتے جاتے ہیں درندوں پر اور وہ آتے جاتے ہیں ہم پر اور حضرت عمرؓ کے فرمان میں بعض رواۃ نے یہ اضافہ کیا کہ (قال عمرؓ) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرما رہے تھے کہ

درندوں کے لئے وہ ہے جوانہوں نے اپنے پیٹ میں لے لیایعنی جس کوکھالیااور جونچ گیاوہ ہمارے لئے ہے پاک ہے پینے کے قابل ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْحِیَاضِ الَّتِیْ بَیْنَ
حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے متعلق سوال کیا گیا جومکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں
مَکَّۃَ وَالْمَدِیْنَۃِ تَرِدُھَا السِّبَاعُ وَالْکِلَابُ وَالْحُمُرُ عَنِ الطُّھْرِ مِنْھَا فَقَالَ لَھَا مَا حَمَلَتْ فِیْ بُطُوْنِھَا
ان پر درندے آتے ہیں اور کتے اور گدھے۔ان کی طہارت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاان کیلئے ہے جوان کے پیٹوں نے اٹھایااور
وَلَنَا مَا غَبَرَ طَھُوْرٌ. (رواہ ابن ماجۃ)
جوباقی بچ رہاوہ ہمارے لئے پاک ہے روایت کیااس کوابن ماجہ نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے متعلق سوال کیا گیا جومکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں کہ ان پر درندے آتے جاتے رہتے ہیں اور کتے اور گدھے بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔آیا یہ پاک ہے یاناپاک ما حکم ھذا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایالھاما حملت فی بطونھا اور جوان سے بچ گیاوہ پاک ہے ہمارے لئے۔ یہ تین حدیثیں ہوگئیں۔

(۱) حدیث جابرؓ (۲) حدیث صاحب الحوض (۳) حدیث ابوسعیدؓ۔ان تینوں حدیثوں سے ایک مسئلہ متعلق ہے۔

مسئلہ:سورالحمارکا کیاحکم ہے؟ یہ عام سورسباع کا کیاحکم ہے؟

سورالحمار کے متعلق مسئلہ احناف کا قول فیصل یہ ہے کہ یہ ادلہ کے تعارض کی وجہ سے مشکوک ہے۔مثلاً حدیث جابرؓ دال ہے اس کی طہارت پراورحدیث اکفاء القدور(وہ حدیث جس میں ہے کہ ہنڈیوں میں گدھوں کا گوشت پک رہاتھاتو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہنڈیوں کوالٹادینے کاحکم دیا) کامدلول حرمت کاہےاس لئے کہ اس سے معلوم ہوتاہے کہ لحم حمارحرام ہے۔اورسورلحم کے تابع ہوتاہے۔

اسی طرح آثارصحابہ کے درمیان بھی تعارض ہے۔اگرابن عباسؓ کے اثرکولیں تو طہارت معلوم ہوتی ہےاوراگرابن عمرؓ کے اثروفتوی کو لیں تو نجس حرمت معلوم ہوتی ہے اوراسی طرح قیاسوں میں بھی تعارض ہے اگران کے پسند پرقیاس کروتو طہارت اگرلبن پرقیاس کروتو نجس و حرمت معلوم ہوتی ہے۔اس لئے احناف کہتے ہیں کہ سورالحمارمشکوک ہے۔

دوسرامسئلہ سورالسباع نجس ہے یا طاہر۔احناف کے نزدیک نجس ہےقول ثانی شوافع کے نزدیک طاہر ہے۔

احناف کی دلیل (۱):اس پرتو اجماع ہے کہ سباع کالحم حرام ہےاورسورلحم کے تابع ہوتاہےلہذا یہ بھی نجس ہوگا۔اس لئے کہ سورتابع ہوتاہےلعاب کےاورلعاب یولد من الحم۔

دلیل (۲): حدیث صاحب الحوض کا پہلا حصہ اس میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے حوض کے مالک سے پوچھا کہ تیرے حوض پر درندے آتے ہیں توان کا یہ سوال کرنا دلیل ہےاس بات کی سورسباع نجس ہےاوراسی طرح حضرت عمرؓ کا صاحب حوض کوجواب دینے سے منع کرنایہ بھی دلیل ہےاس بات کی کہ سورالسباع نجس ہے۔باقی حضرت عمرؓ کاروکنااس وجہ سے تھاکہ اگربتادیاکہ درندے آتے جاتے ہیں توہم تنگی میں مبتلا ہوجائیں گے۔اورظاہرہے کہ جب مستورالحال پانی میں اصل طہوریت ہےلہذا اس کواستعمال کرسکتے ہیں۔

دلیل (۳): حدیث القلتین میں ہے صحراؤں اورجنگلوں کے پانی کے متعلق سوال کیا گیااوراسی طرح ان کنویں کے پانی کے متعلق بھی سوال کیا گیاجن پردرندے آتے جاتے ہیں۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشادفرمایاکہ اگرپانی قلتین کی مقدار ہوتولم یحمل الخبث تواس حدیث کامدلول یہ ہواکہ اگرپانی قلتین کی مقدار ہوتو نجس وناپاک نہیں ہوتاتو مفہوم مخالف یہ نکلا کہ اگر(دوقلتوں) قلتین کی مقدارسے کم ہوتو سباع کے ورود کی وجہ سے ناپاک ہوجاتاہےتواس سے معلوم ہواکہ سورالسباع نجس ہے۔حضرات شوافع کہتے ہیں

کہ یہ ہمارا مستدل ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ اگر مسئلہ ماء میں تمہارے موافق ہے تو سور سباع کے مسئلے میں ہمارے موافق ہے تمہارے مخالف ہے اگر شوافع یہ کہیں کہ آپ کا استدلال تو مفہوم مخالف سے ہے جواب مفہوم مخالف آپ کے ہاں تو معتبر ہے۔اس کے مفہوم مخالف کو مخالف بھی تسلیم کررہا ہے۔لہٰذا یہ دلیل الزامی ہے۔

شوافع کے دلائل۔دلیل (۱): یہی حدیث باب ہے۔اس میں ہے وبماافضلت اسباع کلھا جمیع سباع کے فضل سے طہارت جائز معلوم ہے۔

دلیل (۲) حدیث صاحب الحوض کا اخیری حصہ **شوافع** کہتے ہیں تمہارے استدلال میں تو اجمال تھا یہاں تو اجمال نہیں۔یہ حدیث ہمارے مذہب کے اثبات میں واضح ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں جو ان سے بچ جائے وہ طاہر و مطہر ہے پینے کے قابل ہے کتنی واضح ہے۔

دلیل (۳): حدیث ابوسعید ن الخدریؓ اس میں بھی یہی مضمون ہے۔

جوابات من جانب الاحناف۔**پہلی دلیل حدیث جابرؓ کی روایت۔**

جواب-۱: بما افضلت اسباع یہ محمول ہے حیاض کبیرہ پر محمول ہے۔(مطلب یہ ہے کہ اگر دوسرا پانی نہ ملے اور بڑے حوضوں کے اندر فضل سباع یا فضل حمر ہو تو اس سے وضو وغیرہ کرسکتے ہو)اور بڑے حوضوں کا پانی ماء جاری کے حکم میں ہوتا ہے۔

جواب-۲: یہ احتمال ہے کہ یہ لحوم سباع کی حرمت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہو۔جب لحوم طاہر تھا تو سور بھی طاہر تھا لیکن جب لحوم سباع کی حرمت آ گئی تو نجس ہو گیا۔

جواب-۳: اگر ہم دونوں باتوں کو تسلیم کرلیں تو پھر جواب یہ ہے کہ ہم اس کی سند پر کلام کرتے ہیں۔حدیث جابرؓ (حاشیہ نصیریہ میں ہے) میں اس کی دوسندیں ہیں۔(۱): **عن الشافعی عن ابراھیم بن محمد . (۲): عن الشافعیؒ عن ابراھیم عن اسماعیل وقال النووی ابراھیمان ضعیفان فکیف الاستدلال** (امام نووی خود شافعی ہیں ان کی وکالت کررہے ہیں)

دوسری دلیل کا جواب: حدیث صاحب الحوض میں ہی جواب مذکور ہے۔

قال بعض الرواۃ الخ اس اضافے کو نقل کرنے پر سب رواۃ کا اتفاق نہیں ہے۔اور استدلال تو تب ہوتا جب اضافے کا ثبوت متفق ہوتا۔

تیسری دلیل کا جواب-۱: حیاض کبیرہ پر یہ محمول ہے۔ **جواب-۲:** لحوم سباع کے حکم کے نازل ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔

جواب-۳: اس کی سند میں کلام ہے۔اس میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید ہیں۔اس پر جرح کی گئی ہے لہذا یہ حدیث دلیل بھی ضعیف ہے سنداً۔

وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ لَا تَغْتَسِلُوْا بِالْمَآءِ الْمُشَمَّسِ فَاِنَّهٗ يُوْرِثُ الْبَرَصَ. (رواہ الدارقطنی)

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے فرمایا دھوپ کے ساتھ جو پانی گرم ہو اس سے وضو نہ کرو کیونکہ وہ برص کی بیماری کا موجب ہے۔روایت کیا اس کو دارقطنی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ماء شمس یعنی جو دھوپ میں پڑے پڑے گرم ہو جائے۔ ماء شمس سے نہی طباً ہے شرعاً نہیں۔سوال۔کم از کم کراہت تو ہونی چاہئے اس لئے کہ نہی آ گئی ہے لاتغتسلوا؟ جواب یہ نہی طباً ہے تشریعاً نہیں بالاجماع اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے اور نیز دوام و استمرار کی نہی ہے۔یعنی بطور دوام کے استعمال نہیں کرنا چاہئے ورنہ احیاناً ایسا ہو جائے تو فلا حرج اس میں اغتسال یہ بطور تمثیل کے ہے۔عام طہارت حاصل کرنے کا بھی یہی حکم ہے واللہ اعلم بالصواب.

بَابُ تَطْهِيرِ النَّجَاسَاتِ

نجاستوں کے پاک کرنے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِیْ اِنَآءِ اَحَدِكُمْ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے برتن سے کتا پی لے
فَلْیَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ طُهُوْرُ اِنَآءِ اَحَدِكُمْ اِذَا وَلَغَ فِیْهِ الْكَلْبُ
اس کو سات مرتبہ دھوئے۔ متفق علیہ مسلم کی ایک روایت میں ہے تم میں سے کسی کے برتن کا پاک ہونا جس وقت اس میں کتا منہ ڈال جائے یہ ہے کہ
اَنْ یَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلٰهُنَّ بِالتُّرَابِ.
اس کو سات مرتبہ دھوئے۔ پہلی مرتبہ مٹی کے ساتھ

تشریح: حاصل حدیث:۔ مسئلہ سور کلب سے متعلق شدہ مسائل میں سے چند مسائل کا بیان ہوگا۔

پہلا مسئلہ سور کلب فی نفسہ طاہر ہے یا نجس۔ قول اول جمہور کے نزدیک نجس قول ثانی مالکیہ کے نزدیک طاہر ہے۔ جمہور کی دلیل یہی حدیث ابی ہریرہؓ ہے مسلم والی روایت تطہیر اناء ولوغ کلب کی بناء پر۔ یہ فرع ہے اس بات کی کہ ولوغ کلب سے برتن نجس ہوگیا ہے۔ اور نجس ہونا یہ فرع ہے اس بات کی کہ سور کلب نجس ہے (یا یوں تعبیر کرلے وہ احادیث جن میں **طھور اناء کم اذا ولغ** الخ کے الفاظ ہیں۔

مالکیہ کی دلیل۔ آیت کریمہ جس میں کلب معلم کے شکار کے حکم کو بیان کیا گیا ہے کہ مباح ہے۔

وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن الخ۔

یہاں مطلق آیا ہے کوئی غسل کا حکم نہیں دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ طاہر ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں شکار کی وجہ سے لعاب کا شکار کے ساتھ اختلاط ہوگیا لیکن اس کے باوجود غسل کا حکم نہیں دیا۔ **جواب**۔ عدم ذکر سے عدم وجود تو لازم نہیں آتا۔ آپ کو کس نے کہا کہ نہ دھوؤ دھو کر کھالو چونکہ یہ غسل بدیہی تھا۔ اس لئے ذکر نہیں کیا۔

دوسرا مسئلہ۔ (طریقہ تطہیر) ولوغ کلب سے طہارت کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

قول اول:۔ احناف کے نزدیک جو طریقہ دیگر نجاستوں سے طہارت حاصل کرنے کا ہے وہی طریقہ ہے سور کلب سے طہارت حاصل کرنے کا یعنی تین مرتبہ برتن دھونے سے پاک ہوجائے گا۔

قول ثانی:۔ **شوافع حنابلہ** اور مالکیہ تسبیع کے قائل ہیں یعنی برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے تو پھر طہارت حاصل ہوگی۔ شوافع اور حنابلہ پر تو کوئی اشکال نہیں البتہ مالکیہ پر اعتراض ہوگا کہ جناب تم تو کہتے ہو کہ سور کلب طاہر ہے تو پھر تسبیع کا کیا مطلب کہ برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے۔ مالکیہ کہتے ہیں یہ حکم تعبدی ہے معلول بالعلت نہیں۔ **جمھور** کے نزدیک حکم معلول بالعلت ہے۔

دلائل احناف۔ دلیل (۱): حدیث ابو ہریرہؓ جس میں ولوغ کلب کی بنا پر غسل ثلث مراۃ کا حکم ہے اور نیز دیگر نجاسات پر قیاس کا مقتضاء بھی یہی ہے کہ تثلیث ہو کہ پاخانہ اور پیشاب اغلظ النجاسات ہیں اس لئے کہ ان کی نجاست پر سب متفق ہیں لہذا یہ اغلظ النجاست ہیں اور حدیث

استیقاظ من النوم سے معلوم ہوا کہ اگر بالفرض عزرہ یا بول تک ہاتھ پہنچ جائے تو تین مرتبہ ہاتھ دھویا جائے برتن میں داخل کرنے سے پہلے تو جب تین مرتبہ دھونے سے اغلظ النجاست سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے مقابلے میں سور الکلب سے بطریق اولی طہارت حاصل ہو جائے گی۔ اور نیز سور الکلب اور سورء الخنزیر میں سے زیادہ اغلظ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سور خنزیر زیادہ اغلظ ہے اس لئے کہ خنزیر بالاتفاق نجس العین ہے۔ اور کلب کے نجس العین ہونے میں اختلاف ہے جب سور خنزیر کی وجہ سے غسل ثلاث مراۃ سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے تو سور کلب سے بطریق اولی تثلیث کافی ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ اگر کتا خود پیشاب کر دے کسی کپڑے وغیرہ پر تو بالاجماع بول وغیرہ سے غسل ثوب ثلاث مراۃ کافی ہے۔ آئمہ کی دلیل یہی حدیث یعنی حدیث ابی ہریرۃؓ احادیث متعلقہ بسور الکلب جن میں تسبیع کا حکم ہے۔ وہ روایات ان کی دلیل ہیں۔

الجوابات من جانب الاحناف۔ (ا) یہ اس زمانے کا قصہ ہے جس زمانے میں کلاب کے بارے میں تشدیدی احکام تھے۔ حتیٰ کہ کلب کے قتل کا حکم دیا گیا پھر جب تھوڑی سی سہولت ہوئی تو صرف کلب اسود کے قتل کا حکم دیا بعد میں یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا جب یہ حکم باقی نہ رہا تو غسل سبع مرات کا حکم بھی باقی نہ رہا۔ حاصل یہ نکلا کہ یہ حکم منسوخ ہے۔

سوال:۔ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ اس زمانے کا قصہ ہے کیونکہ اس کے رواۃ میں سے ایک راوی ابو ہریرۃؓ ہیں اور ابو ہریرۃ سات ہجری میں مشرف با اسلام ہوئے تو پھر یہ حکم منسوخ کیسے ہو سکتا ہے۔

جواب-۱: نسخ کی قوی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل سبع مرات نقل کر رہے ہیں اور خود ابو ہریرۃؓ کا فتویٰ غسل ثلث مرات کا ہے۔ جناب کسی صحابی کا اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دینا یہ تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ اس کو اپنی روایت کے منسوخ ہونے کا کسی دلیل قطعی سے علم ہوا اس لئے کہ اگر یہ اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو **سقطت عدالته' ولاتقبل رواية'** اور صحابہ سب کے سب عادل ہیں الصحابہ کلھم عدول لہذا یہ نہیں ہو سکتا کہ ابو ہریرہ روایت کچھ کریں اور فتویٰ کچھ دیں۔

سوال:۔ جناب ابو ہریرۃؓ سے دونوں قسم کے فتووں میں غسل ثلث اور غسل سبع مرات بھی منقول ہے۔

جواب-۱: یہ اس زمانے پر محمول ہے جس میں نسخ کا علم نہیں ہوا تھا۔

جواب-۲: اور نیز ابو ہریرۃ سے دو طرح کی روایات ہیں۔ غسل سبع مرات اور غسل ثلث مرات۔ اور جب کوئی صحابی دو متعارض روایتیں کر رہا ہو اور عمل و فتویٰ ایک کے موافق ہو تو یہ دلیل ہو گی اس بات کی کہ عمل والی روایت راجح ہے لہذا ثلث مرات والی حدیث راجح ہو گی۔

جواب-۳: ثلاث مرات وجوب پر اور سبع مرات استحباب پر محمول ہے۔

جواب-۴: یہ حکم تسبیع طباً ہے تشریعی نہیں کہ اس میں زہریلے مادہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سائنس دانوں نے بھی دوربینوں کے ذریعہ دیکھ لیا کہ اس میں زہریلے مادہ ہوتے ہیں ہمارے پیغمبر نے چودہ سو سال پہلے سے دوربین کے بغیر بتلا دیا سبحان اللہ۔

تیسرا مسئلہ: سور کلب سے طہارت حاصل کرنے کے لئے ترتیب کا کیا حکم ہے؟ یعنی مٹی کے ساتھ برتن کو مانجھنا احناف اور شوافع کے نزدیک ترتیب ضروری نہیں اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ضروری ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کی دلیل حدیث ہے اولھن بالتراب۔

شوافع اور احناف کی طرف سے جواب۔ احادیث متعلقہ اس ترتیب کو روایت کرنے پر متفق نہیں اور نیز یہ ترتیب کا حکم جراثیم سے ازالہ کے لئے ہے طہارت کے حصول کے لئے۔ کب دھویا جائے۔ اس میں مختلف روایات ہیں بعض میں پہلی مرتبہ بعض میں ساتویں مرتبہ بعض میں آٹھویں مرتبہ مٹی کے ساتھ مانجھنے کا ذکر ہے تو اس میں اضطراب کی وجہ سے احناف کہتے ہیں کہ یہ حکم استحبابی ہے۔

بہتر یہ ہے کہ برتن کو ساتویں مرتبہ مٹی کے ساتھ مانج کر آٹھویں مرتبہ پانی کے ساتھ دھو لیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْهُ قَالَ قَامَ اَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوْهُ

اور اسی (ابو ہریرۃؓ) سے روایت ہے کہا کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اسکے پیچھے پڑے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو کہا کہ اسے چھوڑ دو اور اسکے پیشاب پر ایک ڈول پانی

وَهَرِيْقُوْا عَلٰى بَوْلِهٖ سَجْلًا مِّنْ مَّآءٍ اَوْ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّآءٍ فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ .

بہادو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذنوبا من ماء فرمایا۔ سوائے اس کے نہیں کہ تم آسانی کرنیوالے بنا کر بھیجے گئے ہو اور نہیں بھیجے گئے تم مشکل کرنیوالے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے

(صحیح البخاری)

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہ حدیث۔ حدیث اعرابی البائل فی المسجد کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ یہ اعرابی کون تھا۔ تو اس پر تو اتفاق ہے کہ اس کا لقب ذوالخویصرہ تھا۔ اور ذوالخویصرۃ دو گزرے ہیں ایک یمانی تھے اور ایک تمیمی۔ راجح قول یہ ہے کہ یہ یمانی تھے اور یہی ذوالخویصرہ یمانی ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی تیاری بھی کی ہے اس نے کہا اللہ اور رسول کی محبت دل میں ہے یہ ذوالمناقب ہیں۔ اور جو ذوالخویصرہ تمیمی ہے اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کیا تھا کہ کسی کو کچھ اور کسی کو کچھ دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں عدل وانصاف نہیں کرتا تو مجھ سے بڑا انصاف کرنے والا کون ہوگا۔ (او کما قال) چنانچہ یہ بعد میں خوارجیوں کا رئیس بنا۔ باقی اس یمانی کا نام کیا تھا اس میں نام کے متعلق متعدد اقوال میں ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام اقرع بن حابس تھا۔ الغرض اس نے مسجد میں پیشاب کیا۔ لوگوں نے اس کا پیچھا کیا یہ تناول لسانی مراد ہے نہ کہ تناول ایدی صحابہؓ نے ان کا پیچھا کیا۔ بھائی کیا کر رہے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔

اشکال صحابہ کرامؓ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ اور مسجد کے ملوث بالنجاسۃ ہونے کی اجازت دی یہ دونوں باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہیں۔

جواب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے ملوث بالنجاسۃ ہونے کی اجازت نہیں دی بلکہ مسجد کو زیادہ ملوث بالنجاسۃ ہونے سے بچایا ہے۔ اس لئے کہ اگر صحابہؓ روکتے اور وہ اٹھ کر ادھر ادھر جاتا تو مسجد کے کئی حصے ملوث بالنجاسۃ ہوتے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روک کر تلوث بالنجاسۃ سے مسجد کے زیادہ حصہ کو بچایا ہے۔ باقی رہا نہی عن المنکر والا سوال تو اس کا جواب تو یہ بتلایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ایک محل ہوتا ہے۔ یہاں محل نہیں تھا۔ اور نیز شفقت بھی اسی میں تھی۔ اس لئے کہ اگر یکدم پیشاب روک دیا جائے تو اس کی وجہ سے بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ روکا نہیں کہ کہیں مرض کے ضرر میں مبتلا نہ ہو۔ ایک ہے مسجد کا تلوث بالنجاسۃ اور ایک ہے آدمی کا بیمار ہونا تو اہون کو قبول کر لیا۔ تو تلوث مسجد اہون ہے اس لئے کہ اس کا تدارک آسان ہے ممکن ہے آدمی سے بیماری کا تدارک مشکل ہو جاتا ہے اگر یامن ابتلی مصیبتین فلیخیر باهوتمهما کی طرح ہو جائیگا اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اهراق الماء علی الارض کا حکم دیا کہ اس پر پانی بہادو۔

سوال: محل بول پر پانی بہانے کا حکم دیا تو جب پانی گرے گا تو ناپاک ہو جائے گا جب وہ چلے گا تو باقی جگہ بھی ملوث بالنجاسۃ ہو جائے گی۔ اس سے تو مسجد اور نجس ہو جائے گی۔

جواب: ابوداؤد وغیرہ کی روایات میں ہے کہ یہ محل بول ناحیۃ المسجد تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جب پانی بہائیں گے تو وہ باہر چلا جائے گا اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ محل بول وسط مسجد میں تھا تو جواب یہ کہ اولاً ہم کہتے ہیں کہ پیشاب شروع کرنے کے وقت لوگوں نے آوازیں دینی شروع کر دیں جس کی وجہ سے پیشاب کا خروج کما ینبغی نہ ہوا ہوگا۔ اور نیز مسجد کچی تھی زمین میں جذب بھی ہوا ہوگا اور جو کچھ باقی بچا تھا جب اس پر پانی سے بھرا ہوا ڈول بہا دیا تو پانی ملاقی بالنجاسۃ متغیر الاوصاف نہ ہوا نجاسۃ کے قلیل ہونے کی وجہ سے بلکہ یہ ماء جاری کے حکم میں ہوگا۔ پس جب پانی نجس نہ ہوا تو مسجد پاک ہو گئی۔

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صب الماء کا حکم کس وجہ سے دیا۔ جواب۔ طہارت کی وجہ سے صب الماء کا حکم دیا۔

چنانچہ اس مسئلے میں اختلاف ہو گیا کہ اگر مسجد ناپاک ہو جائے تو اس کا طریقہ تطہیر کیا ہے۔

احناف کے نزدیک زمین کی پاکی کے تین طریقے ہیں (۱) الجفاف۔ خشک ہونے سے زمین پاک ہو جائے گی۔ لیکن مباح للصلوۃ

ہوگی یعنی اس زمین کے سوکھ جانے کے بعد نماز پڑھنا تو جائز ہے لیکن تیمم کرنا جائز نہیں۔ (۲) صب الماء۔ پانی بہادینے سے۔
(۲) حفر گڑھا کھود کر اس مٹی کو نکال دیا جائے۔
شوافع صرف صب الماء کے قائل ہیں صرف اسی سے تطہیر الارض ہوگی اس کے علاوہ زمین پاک نہ ہوگی۔ دلیل یہی حدیث ہے۔
جواب: من جانب الاحناف۔ یہاں تطہیر کے تین طریقوں میں سے ایک کو اختیار کیا گیا ہے۔ مقصود کو حاصل کرنے کے ایک طریقے کو اختیار کرنے سے دوسرے طریقوں کی نفی تو نہیں ہوتی۔
سوال: اس صب الماء والے طریقہ کو کیوں منتخب کیا۔ جواب-۱: فرد کامل ہونے کی وجہ سے تطہیر کا فرد کامل یہی ہے کہ اس کو پانی کے ساتھ دھویا جائے۔ یا اس وجہ سے کہ نماز کا وقت ہونے والا تھا اور جفاف میں تاخیر ہوتی ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صب الماء کا حکم فرمادیا۔
جواب-۲: یہ صب الماء کا حکم طہارۃ حاصل کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ دیگر روایات سے (معلوم ہوتا ہے کہ) اس میں حفر کا ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفر کا حکم دیا تو طہارت حفر سے ہوگئی تھی۔ بعد میں صب الماء کا حکم اس لئے دیا کہ مبالغہ فی النظافۃ ہو جائے اور رائحہ کریہہ کا ازالہ ہو جائے اور اس جگہ پر کھڑے ہونے والے نمازی کو طبعی ناگواری نہ ہو وغیرہ۔ ان مقاصد کے لئے صب الماء تھا باقی اس حدیث میں سجل اور ذنوب کا لفظ آیا وہ ڈول جس میں پانی ہو پھر فرق سجل یہ ہے کہ وہ ڈول جو بھرنے کے قریب ہو اور ذنوب وہ ڈول جو پانی سے بھرا ہوا ہو اور بعض نے کہا بالعکس اور دلو مطلق ڈول کو کہتے ہیں خواہ پانی اس میں اولاً ہو۔
قولہ' فانما بعثتم الخ سوال اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ بھی مبعوث ہوئے جب صحابہؓ مبعوث ہوئے تو امت بھی مبعوث ہوئی۔ حالانکہ مبعوث تو انبیاء ہوتے ہیں تو ان صحابہ کرامؓ پر مبعوث کا اطلاق کیسے۔
جواب-۱: صحابہ کا مبعوث ہونا من جانب اللہ نہیں من جانب الرسول تھا۔
جواب-۲: صحابہ نائب تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو مبعوث تھے اور کبھی کبھی منسوب عنہ کی صفت کو نائب پر جاری کر دیا جاتا ہے مجازی طور پر صحابہ کرامؓ دعوت و تبلیغ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناظمین تھے تو اس لئے مجازی طور پر بعثتم فرمایا۔ باقی رہی یہ بات کہ انما بعثتم الخ کا منشاء کیا ہے وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد فرمایا؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں
(۱) تناولہ' الناس اس کا منشا بنا تھا صحابہ کرامؓ اس بائل فی المسجد کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنا چاہا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور فرمایا انما بعثتم الخ یہ سختی اس کا منشاء نہیں یعنی (خصوصاً اس شخص نے ساتھ جس کو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کا علم نہ ہو اس کے ساتھ تو بطریق اولیٰ سختی کا معاملہ نہیں کرنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کی رائے دو قول یہ ہو کہ ہر صورت میں صرف زمین کو کھودا ہی جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ صرف صب الماء کی وجہ سے بھی طہارت حاصل ہو جائے گی۔

وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَآءَ اَعْرَابِيٌّ
حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا کہ ہم ایک مرتبہ مسجد میں تھے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اعرابی آیا
فَقَامَ يَبُوْلُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْ مَهْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
اور کھڑا ہوکر مسجد میں پیشاب کرنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے کہا باز رہ رک جا۔ رسول اللہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزْرِمُوْهُ دَعُوْهُ فَتَرَكُوْهُ حَتّٰى بَالَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کا پیشاب بند نہ کرو اس کو چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ اس نے پیشاب کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ اِنَّ هٰذِهِ الْمَسَاجِدَ لَا تَصْلُحُ لِشَيْءٍ مِّنْ هٰذَا الْبَوْلِ وَالْقَذْرِ اِنَّمَا هِيَ لِذِكْرِ اللّٰهِ
اس کو بلایا اور فرمایا یہ مسجدیں اس پیشاب اور گندگی کے لائق نہیں ہیں۔ سوائے اس کے نہیں یہ اللہ کے ذکر

وَالصَّلٰوةِ وَقِرَآةِ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاَمَرَ رَجُلًا مِّنَ الْقَوْمِ

اور نماز اور قرآن پڑھنے کیلئے ہیں یا اس کی مانند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں سے ایک آدمی کو حکم دیا

فَجَآءَ بِدَلْوٍ مِّنْ مَّآءٍ فَشَنَّهُ عَلَيْهِ (صحيح البخاری و صحيح مسلم)

وہ پانی کا ایک ڈول لایا اور اس پیشاب پر ڈالا۔

تشریح: حاصل حدیث اس حدیث کا مضمون ماقبل والی حدیث کے مضمون کی طرح ہے۔

قوله' مه مه پر اس حدیث میں تناول کے مصداق کو متعین کرایا کہ تناول لسانی تھا معنی رک جا رک جا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ روکو۔ اس حدیث شن کا لفظ آیا اس کا معنی ہے پانی کو آہستہ آہستہ بہا دینا اور صب کا معنی ہے زور سے ڈالنا۔

عَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَاَلَتِ امْرَاَةٌ رَّسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہا کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا

فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَءَيْتَ اِحْدٰنَا اِذَا اَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُوْلُ

پس کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خبر دو کہ جس وقت ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے وہ کیا کرے رسول اللہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصَابَ ثَوْبَ اِحْدٰكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَآءٍ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے اس کو چٹکیوں سے ملے پھر

ثُمَّ لِتُصَلِّ فِيْهِ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)

پانی کے ساتھ دھوئے پھر اس میں نماز پڑھ لے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت نے سوال کیا حیض کے متعلق کہ جب وہ کپڑے کو لگ جائے تو کیا کریں اس سے پاکی کا کیا طریقہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو رگڑے اور پھر اس کو پانی سے دھوئے۔ پھر نماز پڑھ اس میں اگر چاہے۔ سوال۔ سائلہ نے اس امر بدیہی کے متعلق سوال کیوں کیا؟ دم حیض کا نجس ہونا تو بہت پہلے سے چل رہا ہے تو منشاء سوال کیا ہے۔

جواب۔ اس میں دو قول ہیں قول اول اس عورت سائلہ نے یہ سمجھا کہ اس دم حیض میں عورتوں کا ابتلائے عام ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جن چیزوں میں ابتلائے عام ہو ان کے احکام میں تخفیف ہو جاتی ہے تو شاید اس وجہ سے دم حیض سے طہارت میں بھی تخفیف ہو جائے گی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اس کے حکم میں کوئی تخفیف نہیں اس ضابطے سے دم حیض مستثنیٰ ہے باوجودیکہ اس میں ابتلائے عام ہے پھر بھی یہی حکم ہے کہ اس کو پانی سے دھویا جائے سوال۔ مردوں کا منی کے خروج کی وجہ سے نجاست میں ابتلائے عام ہے اس میں تو تخفیف ہے کہ اگر صرف رگڑ لیا جائے تو اس میں نماز پڑھ سکتا ہے تو عورتوں کے حق میں تخفیف کیوں نہیں۔

قول اول بعض نے کہا کہ امراۃ سائلہ یہ سمجھی ہوئی تھیں کہ دم حیض سے کپڑے کو پاک کرنے کا کوئی طریقہ نہیں بجز کاٹنے کے ممکن ہے کہ وہ غسل سے پاک نہ ہوتا ہو بلکہ کاٹ دینا ضروری سمجھتی ہو۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ دم حیض کے متعلق جتنی شدت تم ذہن میں اختیار کئے ہوئے ہو شریعت میں اتنی شدت نہیں صرف دھو دینا کافی ہے۔ قوله' متنضحه. اس حدیث اسماء بنت ابی بکرؓ المتعلق بدم الحیض میں سارے جہان کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس میں نضح کا معنی غسل ہے۔ چھینٹے مارنا نہیں۔

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍؒ قَالَ سَاَلْتُ عَآئِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ الْمَنِىِّ يُصِيْبُ الثَّوْبَ فَقَالَتْ كُنْتُ

حضرت سلیمان بن یسارؒ سے روایت ہے کہا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے منی کے متعلق سوال کیا جو کپڑے کو لگ جائے۔

اَغۡسِلُهُ مِنۡ ثَوۡبِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فَيَخۡرُجُ اِلَى الصَّلٰوةِ وَاَثَرُ الۡغَسۡلِ فِيۡ ثَوۡبِهٖ
کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے دھویا کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے نکلتے اور دھونے کا نشان کپڑے پر ہوتا۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت سلیمان بن یسارؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے منی کے متعلق مسئلہ پوچھا منی اگر کپڑے کو لگ جائے تو طہارت کا کیا طریقہ ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو منی لگی ہوتی تو میں اس کو دھو دیتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے اس حال میں کہ گیلے پن کے آثار باقی ہوتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اضعاً امت کو تعلیم دینے کے لئے اس بات کا انتظار نہیں فرمایا کہ کپڑا خشک ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعلیم دی کہ اسلام میں سادگی ہے تکلف نہیں ظاہر ہے کہ یہ دھونا اس لئے ہوتا کہ منی نجس ہے۔

وَعَنِ الۡاَسۡوَدِؒ وَهَمَّامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا عَنۡ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهَا قَالَتۡ كُنۡتُ اَفۡرُكُ الۡمَنِيَّ مِنۡ
حضرت اسودؒ سے اور ہمامؒ دونوں حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ
ثَوۡبِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ مُسۡلِمٌ وَبِرِوَايَةِ عَلۡقَمَةَ وَالۡاَسۡوَدِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا
صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی رگڑتی۔ روایت کیا اس کو مسلم نے علقمہ سے اور اسودؒ نے بھی
عَنۡ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهَا نَحۡوَهُ وَفِيۡهِ ثُمَّ يُصَلِّيۡ فِيۡهِ.
عائشہؓ سے اسی طرح روایت کیا اور اس میں ہے پھر اس میں نماز پڑھتے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو منی لگی ہوتی تو میں اس کو کھرچ دیتی رگڑ دیتی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کپڑے میں نماز پڑھتے۔ یعنی اس ثوب مفروک میں نماز پڑھتے۔ ان دونوں حدیثوں کے تفاوت کی وجہ سے مسئلہ میں اختلاف ہو گیا۔

مسئلہ انسان کی منی طاہر ہے یا نجس؟ پہلا قول:۔ احناف و مالکیہ کہتے ہیں نجس ہے البتہ طریقہ تطہیر میں اختلاف ہے۔ احناف کہتے ہیں اگر منی رطب ہے تو غسل تطہیر ہوگی اور اگر یابس ہے تو فرک سے بھی تطہیر ممکن ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں غسل ہے۔ غسل سے ہی طہارت حاصل ہوگی۔ دوسرا قول۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک منی طاہر ہے۔

احناف کی دلیل:۔ احادیث غسل منی ہیں طریقہ استدلال یہ غسل اس لئے تھا کہ منی لگنے کی وجہ سے ناپاک ہو گیا۔ اور غسل سے محل ملوث بالمنی پاک ہو جاتا ہے۔

سوال:۔ یہ احتمال موجود ہے کہ منی کا غسل طہارت کے لئے نہ ہو بلکہ نظافت اور رائحہ کریہہ کے ازالے کے لئے ہو۔ جواب۔ حضرت عائشہؓ کا غسل پر مداومت کرنا یہ دلیل اس بات کی کہ غسل طہارت کے لئے ہوتا تھا نظافت کے لئے نہیں سوال یہ تو فعل عائشہؓ ہے اور استدلال تب تام ہوتا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوتا یا نبی کے علم میں ہوتا۔

جواب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا۔ دلیل وقرینہ بھیگے ہوئے کپڑے کے ساتھ نماز کے لئے تشریف لے جانا اگر نظافت کے لئے ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کو روکتے اور فرماتے عائشہؓ منی تو پاک ہوتی ہے کیوں تکلف کرتی ہو اور کیوں پانی ضائع کر رہی ہو اور نیز قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ منی نجس ہو۔ بالاجماع منی کا خروج حدث اکبر کا سبب ہے۔ باقی اشیاء جن کا خروج بدن سے ہوتا ہے ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ آیا وہ فی نفسہ طاہر ہے یا نجس ہے ہم نے ایک ایک کو دیکھا سب کو نجس پایا مذی ودی اور بول کو دیکھا ان کا خروج فی نفسہ نجس ہے۔ (سبیلین سے جو چیز نکلے وہ تو نجس ہے) دم کو دیکھا وہ بھی نجس ہے فی نفسہ تو اس سے ہمیں ایک ضابطہ معلوم ہوا کہ **کل ما کان خروجه حدث فهو فی نفسه نجس** یہ کبریٰ ہے المنی خروجہ حدث یہ صغریٰ ہے۔ قیاس کا حاصل۔ **المنی خروجه حدث و کل ما کان خروجه حدث فهو فی نفسه نجس نتیجه فالمنی فی نفسه نجس۔**

شوافع اور حنابلہ کی دلیل:۔ احادیث فرک ہیں۔طریقہ استدلال۔ظاہر ہے کہ فرک سے بالکلیہ اجزائے نجاست زائل نہیں ہوتے کچھ نہ کچھ اجزائے نجاست رہ جاتے ہیں اب اگر اس منی کو نجس کہیں تو لازم آئے گا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کپڑے کا اجزائے نجاست کے موجود ہوتے ہوئے اس کپڑے میں نماز پڑھنا اور یہ لازم اور باطل ہے لہذا ملزوم بھی باطل ہے۔پس معلوم ہوا کہ منی طاہر ہے۔

احناف کی طرف سے جواب ہم تسلیم کرتے ہیں کہ صرف فرک پر اکتفا کرتے۔لیکن فرک پر اکتفا کرنا یہ دلیل طہارت کے منی کی نہیں۔فرک مسلم ہے لیکن اس کا دلیل طہارت ہونا غیر مسلم ہے۔جس طرح اس نجاست سے طہارت حاصل کرنے کا ایک طریقہ غسل ہے۔اسی طرح شریعت نے منی کے یابس ہونے کی صورت میں طہارت حاصل کرنے کا ایک طریقہ بتلایا ہے فرک اس کی نظیر جوتے اور چھری تلوار وغیرہ کو نجاست لگے اور خشک ہو جائے تو زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ظاہر ہے کہ دلک علی التراب پر اکتفا کرنا۔کیا اس بات کی دلیل ہے کہ نجاست نجاست ہی نہیں؟ یہ بلکہ دلک علی التراب کو شریعت نے طہارت کا ایک طریقہ قرار دیا ہے۔

شوافع اور حنابلہ کی ایک اور دلیل۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ منی ماء الخارج من الانف کی طرح ہے تو ماء خارج من الانف طاہر ہے لہذا منی بھی طاہر ہوئی۔

اس دلیل کا جواب وجہ تشبیہ طہارت میں نہیں بلکہ وجہ تشبیہ طبیعت کے ناپسندیدہ اور چکناہٹ وغیرہ میں ہے کہ جیسے ماء الخارج من الانف طبیعت کو ناپسند سمجھا جاتا ہے اور اس میں چکناہٹ ہوتی ہے منی کا بھی یہی حال ہے۔**تیسری دلیل۔** منی ذوات قدسیہ کی تخلیق کا مادہ ہے۔انبیاء مرسلین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق کا اور اولیاء تخلیق کا مادہ ہے ان سب کی تخلیق منی ہے اگر منی کو نجس قرار دیں تو یہ سوء ادبی ہے۔

احناف کی طرف سے اس کا جواب۔ جس طرح ذوات قدسیہ کی تخلیق کا مادہ ہے اسی طرح نفوس خبیثہ کی تخلیق کا مادہ بھی تو ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ منی نجس ہونی چاہئے بلکہ اصل یہ ہے کہ جب تک کوئی نجاسۃ اپنے محل میں موجود ہو اس وقت تک اس پر نجس ہونے کا حکم نہیں لگایا جا سکتا جب ایسے محل کی طرف سرایت کر جائے جس کا غسل واجب ہے تو پھر نجس کا حکم ہوگا۔واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍؓ اَنَّهَا اَتَتْ بِابْنٍ لَّهَا صَغِيْرٍ لَّمْ يَاكُلِ الطَّعَامَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
حضرت ام قیس بنت محصنؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک چھوٹے بچے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْلَسَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حِجْرِهٖ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ
خدمت میں حاضر ہوتیں جو ابھی کھانا بھی نہیں کھاتا تھا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی گود میں بٹھا لیا پس پیشاب کر دیا اس نے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
کپڑوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس پر چھینٹا مارا اور اس کو دھویا نہیں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔حضرت ام قیسؓ اپنے چھوٹے بچے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی گود مبارک میں بٹھا لیا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور پس معمولی سا دھو دیا مبالغہ کے ساتھ نہیں دھویا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ
حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس وقت چمڑا (کچا)
اِذَا دُبِغَ الْاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ. (صحيح مسلم)
رنگ دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔روایت کیا اسکو مسلم نے

تشریح: حاصل حدیث:۔اس پر اجماع ہے کہ دباغت کے بعد جلود میتہ سے انتفاع جائز ہے لیکن اکل جائز نہیں اگر چہ اس میں شوافع اور مالکیہ کا اختلاف نقل کیا گیا ہے۔مگر راجح اتفاق ہے کہ دباغت کے بعد چمڑا پاک ہو جاتا ہے ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے مصلے بنا سکتے ہیں مشکیزہ وغیرہ بنا سکتے ہیں پاکی اور کام میں لگا سکتے ہیں (البتہ انسان کا چمڑا کرامتاً اور خنزیر کا چمڑا نجس العین ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰى مَوْلَاةٍ لِّمَيْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا

اور اسی ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا حضرت بریرہؓ پر جو کہ میمونہؓ کی آزاد کردہ لونڈی تھی بکری صدقہ کی گئی وہ مرگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکے پاس سے گزرے پس

اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ قَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ اِنَّمَا حُرِّمَ اَكْلُهَا. (صحيح البخاري و صحيح مسلم)

فرمایا کیوں نہ تم نے اس کا چمڑا اتار لیا اس کو رنگ لیتے اس سے فائدہ اٹھاتے انہوں نے کہا وہ تو مردار ہے فرمایا سوائے اس کے نہیں اس کا کھانا حرام کیا گیا ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔حضرت میمونہؓ کی مولاۃ کو کسی نے ایک بکری صدقہ کر دی پس وہ مرگئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر گزر ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کے چمڑے کو اتار لیتے اور اس کو دباغۃ دے دیتے اور اس سے نفع حاصل کرتے۔انہوں نے عرض کیا یہ بکری تو مردہ تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا کھانا حرام ہے اس سے انتفاع تو حرام نہیں۔اس حدیث کا مدلول بھی یہی ہے کہ دباغہ کے بعد جلود میتہ پاک ہو جاتے ہیں ان سے انتفاع جائز ہے لیکن اکل حلال نہیں۔

وَعَنْ سَوْدَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاةٌ فَدَبَغْنَا مَسْكَهَا ثُمَّ مَا زِلْنَا

حضرت سودہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں، سے روایت ہے کہا ہماری ایک بکری مرگئی ہم نے اس کے چمڑے کو رنگ لیا پھر ہم اس میں

نَنْبِذُ فِيْهِ حَتّٰى صَارَ شَنًّا. (رواه البخاري)

نبیذ ڈالتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانی مشک ہو گئی۔روایت کیا اس کو بخاری نے

تشریح: زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے معلوم ہوا کہ زوج کا اطلاق بغیر تاء کے عورت پر بھی ہوتا ہے اصل لغت کے لحاظ سے یہی ہے حدیث میں زوج کا اطلاق عورت پر ہوا اور فقہاء عورت کے لئے تاء بیوی کیلئے معرفۃ کے لئے لگاتے ہیں **حاصل حدیث:**۔ حضرت سودہؓ فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری تھی وہ مرگئی ہم نے اس کا چمڑا اتار کر اس کو دباغۃ دے دی اور اس میں نبیذ بناتے رہے حتیٰ کہ وہ پرانی ہو گئی۔اس کا مدلول بھی وہی ماقبل والا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

عَنْ لُبَابَةَ بِنْتِ الْحَارِثِؓ قَالَتْ كَانَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ فِيْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت لبابہ بنت حارثؓ سے روایت ہے کہا کہ حسین بن علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے پس انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر

فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَقُلْتُ اِلْبَسْ ثَوْبًا وَاَعْطِنِيْ اِزَارَكَ حَتّٰى اَغْسِلَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْاُنْثٰى

پیشاب کر دیا میں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور کپڑا پہن لیں اور اپنی چادر مجھ کو دیں کہ میں دھو ڈالوں۔فرمایا سوائے اسکے نہیں لڑکی کے پیشاب کو دھویا جاتا

وَيُنْضَحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاؤدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنْ

ہے اور لڑکے کے پیشاب کو چھینٹے مارے جاتے ہیں۔ روایت کیا اس کو احمدؒ ابو داؤد اور ابن ماجہ نے۔ ابو داؤد

اَبِي السَّمْحِ قَالَ يُغْسَلُ مِنْ بَوْلِ الْجَارِيَةِ وَيُرَشُّ مِنْ بَوْلِ الْغُلَامِ.

اور نسائی کی ایک روایت میں ابوالسمح سے کہا لڑکی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب کو چھینٹا دیا جاتا ہے

تشریح: حاصل حدیث:۔حضرت لبابہ بنت الحارثؓ فرماتی ہیں کہ حضرت حسین بن علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں تھے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو میں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرا کپڑا پہن لیں یہ ازار مجھے دے دیں تا کہ میں اس کو دھو دوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکی کے پیشاب کو دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جاتے ہیں۔

ان دونوں حدیثوں کا تعلق شیر خوار بچے کے پیشاب کے ساتھ ہے۔شیر خوار جو صرف دودھ پر اکتفا کرتا ہو کھانا کھانا شروع نہ کیا ہو۔

مسئلہ شیر خوار بچے یا بچی کے پیشاب کا حکم کیا ہے (اور تطہیر کا طریقہ کیا ہے) اس بات میں تو سب آئمہ کا اتفاق ہے کہ شیر خوار بچوں کا پیشاب نجس ہے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو۔لیکن طریقہ تطہیر میں اختلاف ہے۔احناف کے نزدیک طریقہ تطہیر غسل متعین ہے البتہ لڑکے کے پیشاب سے غسل خفیف اور لڑکی کے پیشاب سے مبالغہ فی الغسل ضروری ہے یعنی دلک ہو۔

احناف نے بچے اور بچی میں یہ فرق کیوں کیا؟ اس کی کئی وجہیں ہیں

(۱) پہلی وجہ۔لڑکے کے مخرج بول میں تضیق ہوتی ہے جس کی وجہ سے پیشاب ایک مقام پر گرتا ہے اسی وجہ سے اس میں غسل خفیف ہے اور لڑکی کے مخرج بول میں وسعت ہوتی ہے جس کی وجہ سے بول ونجاست زیادہ پھیل جاتی ہے اسی وجہ سے اس میں غسل من وجہ المبالغہ ہے۔

(۲) دوسری وجہ۔بچی کے پیشاب میں رطوبت کا غلبہ ہوتا ہے تو رطوبۃ کے غلبہ کی وجہ سے عفونت اور رائحہ کریہہ زیادہ ہوتی ہے اسی وجہ سے غسل فی المبالغہ کا حکم اور بخلاف لڑکے کے اسکے پیشاب میں رطوبت کی بجائے یبوست کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے اسی لئے اس میں غسل خفیف کا حکم دیا۔

(۳) تیسری وجہ۔لڑکوں میں ابتلائے عام نہیں اس لئے کہ جن مجالس میں لڑکوں کو لے جا سکتے ہیں ان میں لڑکیوں کو تو نہیں لے جا سکتے تو جس میں ابتلائے عام ہے اس میں تخفیف کا حکم دیا اور جس میں ابتلائے عام نہیں اس میں علی وجہ المبالغہ غسل کا حکم دیا۔

(۴) چوتھی وجہ۔سنن ابن ماجہ میں ایک اور وجہ مذکور ہے کہ امام شافعیؒ نے وجہ حدیث بیان فرمائی تو شاگرد نے وجہ فرق پوچھی تو امام شافعیؒ نے بتلائی اور پوچھا کہ سمجھ میں آئی تو تلمیذ نے صاف کہہ دیا سمجھ میں نہیں آئی تو امام صاحب نے دوبارہ بتلائی اور پوچھا سمجھ میں آئی تو اس نے کہا ہاں آ گئی لیکن محشی لکھتے ہیں ہماری سمجھ میں ابھی تک نہیں آئی۔باقی وہ وجہ کیا ہے؟ اس کا ذکر عنقریب آنے والا ہے۔

شوافع اور باقی ائمہ کے نزدیک لڑکی کے پیشاب میں غسل ہی متعین ہے۔اور لڑکے کے پیشاب میں نضح ورش یعنی چھینٹے مارنا کافی ہے۔

احناف کی دلیل۔عام نجاسات کے قاعدہ کے مطابق غسل ہی ہونا چاہئے کیونکہ دونوں ہی نجس ہیں۔جب آپ نے تسلیم کر لیا کہ لڑکی کے پیشاب میں غسل ہے تو لڑکے کے پیشاب میں بھی غسل ہونا چاہئے۔کھانا شروع کر دینے کے بعد اجماع ہے کہ بچے اور بچی کے پیشاب سے طہارت کا حکم غسل ہے تو کھانے سے پہلے بھی یہی ایک حکم ہونا چاہئے۔

باقی شوافع کی ادلہ الخ۔یہی مذکور دونوں احادیث ہیں۔پہلی حدیث میں اثبات نضح اور نفی غسل ہے اور دوسری حدیث میں انما کا کلمہ حصر کے لئے ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بول انثی میں مخصوص غسل ہے اور بول ذکر میں نضح اور رش کافی ہے۔

جوابات من الاحناف جواب ان دونوں حدیثوں میں نضح کا معنی غسل ہے۔سوال۔نضح بمعنی غسل استعمال بھی ہوتا ہے یا نہیں اس پر دلیل وقرینہ کیا ہے؟

جواب: حدیث اسماء بنت ابی بکرؓ المتعلقہ بدم الحیض میں نضح کے لفظ کے متعلق اجماع ہے کہ اس سے غسل مراد ہے۔

سوال: اس صورت میں تو حدیث میں صریح تعارض ہے نضح سے اثبات غسل معلوم ہو رہا ہے اور لم یغسل سے نفی غسل معلوم ہوتا ہے؟ غسل اور لم یغسل یہ محو تعارض ہے؟

جوابات: جو غسل منفی ہے وہ علی وجہ المبالغہ ہے اور جو مثبت ہے وہ مطلق غسل ہے غسل منفی اور قسم کا ہے اور غسل مثبت اور قسم کا ہے فلا تعارض اس پر کیا دلیل ہے کہ جو غسل منفی ہے وہ علی وجہ المبالغہ ہے۔

جواب۔مسلم کی روایت میں ہے فنضحه' ولم یغسله' غسلاً یہ مفعول مطلق تاکید کے لئے ہے جب نفی موکد تاکید پر داخل ہو (جب مقید پر قید داخل ہو) تو نفی کا تعلق تاکید کے ساتھ ہوتا ہے اور قید کے ساتھ ہوتا ہے لہذا یہاں پر بھی نفی غسل موکد کی ہوگی یعنی غسل علی وجہ

المبالغہ کی نفی ہوگی ۔ و اللہ اعلم بالصواب ۔ اب تقریباً دس احادیث ایسی ہیں جن کا مضمون ایک ہے (دباغۃ کے متعلق) تو پہلے ان کو ذکر کیا جائے گا اکٹھے اور بعد میں دوسری احادیث باقی ماندہ کو ذکر کیا جائے گا۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَطِئَ اَحَدُ كُمْ بِنَعْلِهِ الْاَ ذٰى فَاِنَّ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت تم میں سے کوئی ایک اپنی جوتی کے ساتھ گندگی پر چلے پس تحقیق مٹی اس
التُّرَابَ لَهٗ طَهُوْرٌ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَلِا بْنِ مَاجَةَ مَعْنَاهُ)
کیلئے پاک کر دینے والی ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور ابن ماجہ کیلئے ہے۔ اس کا معنی

تشریح: حاصل حدیث:۔ اگر جوتا راستہ پر چلنے کی وجہ سے متلوث بالنجاسۃ ہو جائے (وطئ بمعنی روندنا دیا گیا) تو دلک علی الارض کی وجہ سے پاک ہو جائے گا۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر جوتے پر نجاسۃ لگ جائے تو دو حال سے خالی نہیں۔ نجاسۃ متجسدہ ہوگی یا غیر متجسدہ ہوگی۔ اگر غیر متجسدہ ہو تو اس کا حکم غسل ہے۔ متجسدہ جیسے لید وغیرہ اور غیر متجسدہ جیسے بول وغیرہ اگر متجسدہ ہو تو پھر دو حال سے خالی نہیں (اگر ذی جرم وجسم) ہو تو رطبہ ہوگی یا یابسہ ہوگی۔ قاضی ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں خواہ رطبہ ہو یا یابسہ ہو دلک علی التراب سے طہارۃ حاصل ہو جائے گی۔

امام صاحب کے نزدیک اگر یابسہ ہو تو دلک علی التراب سے طہارۃ حاصل ہو جائے گی اور رطبہ ہو تو غسل ہی متعین ہے۔ تو پس حدیث کا حکم عام نہیں ہے حدیث کا مضمون قاضی ابو یوسفؒ کے زیادہ موافق ہے اس لئے کہ اس میں تخصیصات کم کرنی پڑتی ہیں۔ امام صاحب کے مذہب میں تخصیصات زیادہ ہیں۔ متجسدہ ہو پھر متجسدہ ہو کر رطبہ نہ ہو پھر حکم دلک علی التراب کا ہے۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَؓ قَالَتْ لَهَا امْرَ أَةٌ اِنِّیْ اُطِيْلُ ذَيْلِیْ وَاَمْشِیْ فِی الْمَكَانِ الْقَذِرِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہا اس کو ایک عورت نے کہ میں اپنا دامن دراز رکھتی ہوں اور ناپاک جگہ میں چلتی ہوں۔ ام سلمہؓ نے کہا کہ رسول
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطَهِّرُهٗ مَا بَعْدَهٗ. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَحْمَدُ وَ التِّرمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ الدَّارِمِیُّ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو پاک کر دے گا مابعد اس کا روایت کیا اس کو مالک احمد ترمذی ابوداؤد اور دارمی نے اور کہا ابوداؤد اور دارمی نے
وَقَالَا الْمَرْاَةُ اُمُّ وَلَدٍلِا بْرَاهِيْمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ)
وہ عورت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کی ام ولد تھی

تشریح: حاصل حدیث:۔ ایک عورت نے حضرت ام سلمہؓ سے کہا کہ میں لمبے دامن والی عورت ہوں اور میں گندگی اور نجاسۃ والی جگہ میں چلتی ہوں جس کی وجہ سے کچھ نہ کچھ نجاست لگ جاتی ہے تو انہوں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاک کر دیتا ہے اس کو وہ جو اس کے بعد ہوتا ہے یعنی اگر کپڑا راستہ میں نجاست لگنے کی وجہ سے نجس ہو جائے تو مابعد مین پاک راستہ پر گھسٹنے اور چلنے کی وجہ سے پاک ہو جائے گا۔ یہ حکم بالا جماع نجاست متجسدۃ یابسہ پر محمول ہے۔ ابوداؤد اور دارمی نے کہا ہے۔

وقالا المراۃ سے امراہ سائلہ کے مصداق کی تعین کر دی کہ وہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن کی ام ولد ہو۔

وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يْكَرِبَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ جُلُوْدِ السِّبَاعِ
حضرت مقدام بن معدیکربؓ سے روایت ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کے چمڑے پہننے اور ان پر سوار ہونے سے منع کیا ہے
وَالرُّكُوْبِ عَلَيْهَا. (رواہ ابوداؤد و نسائی)
روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس میں جلود سباع کے لبس سے منع فرمایا گیا۔ سوال یہ حدیث باقی احادیث مذکورہ کے معارض ہے۔

جواب:۔ یہ افضلیت پر محمول ہے یا پھر محمول ہے نہی تنزیہی پر یا یہ محمول ہے قبل از دباغۃ (یہ حرام ہے) اور اس پر سواری سے بھی منع فرمایا اس لئے کہ اس پر سواری کرنا یہ متکبرین اور بادشاہوں کا اور منہمکین فی الدنیا کا طریقہ ہے لہذا صلحاء کو اس سے بچنا چاہئے۔

وَعَنْ اَبِي الْمَلِيحِ بْنِ اُسَامَةَ عَنْ اَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ جُلُوْدِ السِّبَاعِ.
حضرت ابوالملیح بن اسامہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کے چمڑوں سے منع کیا ہے۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوُدَ وَ النِّسَائِيُّ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ اَنْ تُفْتَرَشَ)
روایت کیا اس کو احمد ابوداؤد اور نسائی نے اور زیادہ کیا نسائی اور ترمذی نے یہ کہ بچھائے جائیں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ نہی تنزیہی ہے یا قبل از دباغۃ پر محمول ہے۔

وَ عَنْ اَبِي الْمَلِيحِ اَنَّهُ كَرِهَ ثَمَنَ جُلُودِ السِّبَاعِ (ترمذی)
حضرت ابوالملیح سے روایت ہے کہ انہوں نے مکروہ رکھا ہے درندوں کے چمڑے کی قیمت کو۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ ابوالملیح درندوں کے چمڑے کی قیمتوں کو مکروہ سمجھتے تھے۔ یعنی اس کی خرید وفروخت مکروہ سمجھتے تھے۔ یہ مکروہ سمجھنا یا تو تنزیہہ کے درجے میں تھا یا پھر ان کا اپنا اجتہاد تھا۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍؓ قَالَ اَتَانَا كِتَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ
حضرت عبداللہ بن عکیمؓ سے روایت ہے کہا کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آیا کہ مردار کے
بِاِهَابٍ وَّلَا عَصَبٍ. (رواه الترمذی وابوداؤد و النسائی و ابن ماجة)
چمڑے یا پٹھے سے فائدہ نہ اٹھاؤ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور ابوداؤد ونسائی اور ابن ماجہ نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ عبداللہ بن عکیمؓ فرماتے ہیں ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ پہنچا بالواسطہ چلتے چلتے جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ میتہ سے انتفاع حاصل کرو اور نہ پٹھوں سے یہ بھی باقی احادیث کے معارض ہے۔ جواب:۔ خود حدیث میں موجود ہے اس میں اھاب کا لفظ ہے اھاب کہتے ہیں قبل از دباغۃ چمڑے کو جو کہ متنفع للمنفع ہے۔

سوال:۔ (حضرت عبداللہ بن عکیمؓ کہتے ہیں کہ) کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث اخیری زمانہ کی ہے۔ مثلاً تقریباً وفات سے چالیس دن پہلے کی ہے تو یہ متاخر ہے اور باقی متقدم ہیں تو متاخر متقدم کے لئے ناسخ ہوتی ہے تو لہذا یہ جلود سباع سے انتفاع کے لئے ناسخ ہوئی۔

جواب:۔ شرح وقایہ کے حاشیہ میں مولانا اعزاز علیؒ نے اس کی سند پر کلام کی ہے کہ اس حدیث میں سنداً بھی اضطراب ہے اور متناً بھی اضطراب ہے لہذا یہ ناسخ نہیں بن سکتی۔

وَعَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَنْ يُّسْتَمْتَعَ بِجُلُوْدِ الْمَيْتَةِ اِذَا دُبِغَتْ.
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مردار کے چمڑے سے فائدہ اٹھایا جائے جبکہ رنگ لیا جائے۔ روایت کیا اس کو مالک اور ابوداؤد نے

(رواه مالک و ابوداؤد)

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جلود میتہ سے نفع حاصل کیا جائے جب کہ اسکو دباغۃ دی جائے۔ اسکا مضمون ماقبل والا ہے۔

وَعَنْ مَيْمُوْنَةَؓ قَالَتْ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِجَالٌ مِنْ قُرَيْشٍ يَجُرُّوْنَ شَاةً لَّهُمْ مِثْلَ
حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے قریش کے کچھ آدمی گزرے وہ ایک مردہ بکری کو جو گدھے

الْحِمَارِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا قَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ
جیسی تھی کھینچ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کاش کہ تم اس کا چمڑا اتار لیتے انہوں نے کہا کہ وہ مردار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطَهِّرُهَا الْمَآءُ وَالْقُرَظُ. (رواہ احمد و ابوداؤد)
نے فرمایا اس کو پانی اور کیکر کے پتے پاک کر دیتے ہیں۔ روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر قریش کے آدمیوں پر ہوا جو مری ہوئی بکری کو گھسیٹے جا رہے تھے جو گدھے کی طرح پھولی ہوئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا تم اس کے چمڑے کو اتار لیتے۔ انہوں نے عرض کیا یہ تو مردہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاک کر دے گا اس کو پانی اور بیری کے پتے۔ اس حدیث میں مخصوص دباغۃ کا ذکر فرد کامل ہونیکی حیثیت سے ہے اس میں کوئی انحصار نہیں بلکہ دھوپ میں خشک ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے دباغت ہو جائے تو بھی پاک ہو جائے گا۔

وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبِّقِ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ عَلٰى اَهْلِ
حضرت سلمہ بن محبق سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی جنگ میں ایک شخص کے گھر تشریف لائے ایک مشک
بَيْتٍ فَاِذَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَسَأَلَ الْمَآءَ فَقَالُوْا لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ
وہاں لٹکی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی مانگا۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول یہ مردار تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
دِبَاغُهَا طُهُوْرُهَا. (رواہ احمد بن حنبل و ابوداؤد)
دباغت اس کو پاک کرنے والی ہے روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر غزوہ تبوک میں ایک گھر والوں کے پاس تشریف لے گئے پس اچانک ایک مشکیزہ لٹکایا ہوا تھا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا پانی منگوایا اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت استعمال کی چیز کو مانگ لینا کوئی حرج نہیں۔ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو مردہ ہے یعنی جس چمڑے میں پانی ہے وہ مردار کا چمڑا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دباغها طهورها۔ ان تمام مذکورہ بالا احادیث کا مضمون ایک ہے کہ دباغت کے بعد جلود میتة پاک ہیں ان سے انتفاع مباح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِيْ عَبْدِالْاَشْهَلِ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لَنَا طَرِيْقًا اِلَى
حضرت بنو عبدالاشہل کی ایک عورت روایت کرتی ہے کہا کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق مسجد کی طرف ہمارا راستہ گندا ہے پس ہم کس
الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً فَكَيْفَ نَفْعَلُ اِذَا مُطِرْنَا قَالَتْ فَقَالَ اَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيْقٌ ؟ هِيَ اَطْيَبُ مِنْهَا قُلْتُ بَلٰى
طرح کریں جب مینہ برسائے جائیں۔ کہا اس عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اسکے بعد اس سے اچھا راستہ نہیں ہے۔ میں نے کہا کیوں نہیں
قَالَ فَهٰذِهٖ بِهٰذِهٖ. (رواہ ابوداؤد)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس کے بدلے میں ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ امراۃ اشھلہ کہتی ہیں میں نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ ہمارا مسجد کی جانب ایک راستہ ہے جو بدبودار ہے نجاستہ والا ہے جب بارش ہو جائے تو ہم کیسے کیا کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد کوئی پاک راستہ نہیں ہے

اس نے کہا کیوں نہیں ہے۔فرمایا یہ اس کے بدلہ میں ہوجائے گا یعنی پاک راستہ پر چلنے کی وجہ سے وہ کپڑا پاک ہوجائے گا۔

سوال۔اس حدیث میں مطرنا کے لفظ ہیں جس سے معلوم ہوا کہ وہ نجاست یابسہ نہ ہوگی بلکہ رطبہ ہوگی تو مطرنا کے لفظ نجاست یابسہ پر محمول کرنے سے مانع ہیں۔(کما قال فی حدیث ام سلمہؓ) جواب-۱: اس عورت کو کپڑے پر نجاست لگنے کا یقین نہیں تھا۔ بلکہ یہ وہم تھا کہ گندی فضا پر چلنے سے اس کا اثر کپڑوں پر ہوجائے گا۔رائحہ کریہہ سے ملوث ہوجائے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھبرانے کی بات نہیں اس رائحہ کریہہ کا ازالہ اس پاک راستہ پر چلنے کی وجہ سے ہوجائے گا۔ پاک فضا میں چلے گی تو نجس نہیں رہے گا بلکہ پاک ہوجائے گا۔

جواب-۲: حدیث ام سلمہؓ میں ام ولدہ عبدالرحمٰنؓ الخ یہ مجہولہ ہیں نہ معلوم ساقط العدالت ہے ثابتہ العدالت اور نیز اس حدیث میں امراء اشھلہ پر بھی کلام کیا گیا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ کُنَّا نُصَلِّی مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا نَتَوَضَّأُ مِنَ
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور زمین پر چلنے سے وضو نہیں کرتے
الْمَوْطِیءِ. (رواہ الترمذی)
تھے۔روایت کیا اس کو ترمذی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔الموطی صیغہ کیا ہے؟ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے معنی الذی موطوءہ وہ نجاست جس کو روندا گیا ہو اس کے مصداق میں تین احتمال ہیں۔(۱) نجاست رطبہ (۲) نجاست یابسہ (۳) کیچڑ وغیرہ۔اگر نجاست رطبہ اس کا مصداق ہو تو وضو منفی وضو اصطلاحی ہے۔

قولہ' لانتوضأ یعنی پورا پورا وضو نہیں کرتے تھے بلکہ صرف پاؤں کے دھونے پر اکتفا کرتے تھے۔ وضو لغوی کرتے تھے۔اور اگر نجاست یابسہ ہو تو دونوں قسم کے وضو کی نفی ہے وضوء لغوی بھی اور وضو اصطلاحی بھی اگر کیچڑ وغیرہ ہو تو اس کا مصداق وضوء اصطلاحی کی نفی تو ہے ہی ہر حال میں اور یہ بھی احتمال ہے کہ وضوء لغوی بھی منفی ہو لیکن احتیاط و راجح یہ ہے کہ صرف وضو اصطلاحی منفی ہو۔(مطلب حدیث کا یہ ہے کہ باوضو ہونے کے بعد نجاسۃ پر ہمارا مرور ہوتا تھا لیکن ہم وضو نہیں کرتے تھے الخ)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ' قَالَ کَانَتِ الْکِلَابُ تُقْبِلُ وَ تُدْبِرُ فِی الْمَسْجِدِ فِی زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰہِ
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتے مسجد میں آتے اور جاتے تھے۔
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَکُوْنُوْا یَرُشُّوْنَ شَیْئاً مِنْ ذٰلِکَ. (صحیح البخاری)
صحابہ اس کی وجہ سے کسی چیز کو نہ دھوتے تھے روایت کیا اس کو بخاری نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کتے آتے جاتے تھے مسجد میں لعاب گرتی رہتی ہوگی اور نیز احتمال ہے کہ کبھی پیشاب بھی کردیتے ہوں گے تو اس کے باوجود ابن عمرؓ فرماتے ہیں اس کی وجہ سے ہم مسجد کو دھوتے نہیں تھے بلکہ جفاف سے پاک ہوجاتی تھی۔اس میں رش بمعنی غسل کے ہے۔یہ حدیث احناف کی دلیل ہے اس مسئلے میں کہ اگر زمین پر نجاست ہو تو جفاف کی وجہ سے پاک ہوجاتی ہے۔یہ روایت احناف کے موافق اور شوافع کے خلاف ہے۔سوال مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتے آتے جاتے تھے تو صحابہؓ نے ان کو روکنے کا انتظام کیوں نہ کیا۔جواب۔یہ ابتدا اسلام کا قصہ ہے جب تک تنظیف المساجد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔اس وقت کا اہتمام نہیں تھا اور بعد میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک کو بھی پسند نہ فرمایا۔

وَعَنِ الْبَرَآءِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِبُوْلِ مَا یُوْکَلُ لَحْمُہٗ وَفِیْ رِوَایَۃٍ
حضرت براءؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے پیشاب سے کوئی مضائقہ نہیں۔

جَابِرٍ قَالَ مَا اُكِلَ لَحْمُهُ فَلَا بَأْسَ بِبَوْلِهٖ. (رواه احمد بن حنبل والدارقطنی)

جابرؓ کی روایت میں ہے وہ جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کے پیشاب کا مضائقہ نہیں۔ روایت کیا اس کو احمد اور دار قطنی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ ان دونوں حدیثوں سے بول مایوکل لحمہ کا حکم معلوم ہوا۔

بول مایوکل لحمہ کا حکم۔ غیر ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب اور آدمی کا پیشاب بالاتفاق ناپاک ہے۔ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب کے حکم میں اختلاف ائمہ ہے۔

پہلا قول۔ امام مالکؒ امام محمدؒ اسحاقؒ ابراہیم نخعیؒ سفیان ثوریؒ کا مذہب اور امام احمدؒ کی مشہور روایت یہ ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب طاہر ہے۔

دوسرا قول۔ امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ کا مذہب اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ نجس ہے۔

تیسرا قول۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ بول مایوکل لحمہ کو نجس سمجھتے ہیں لیکن ان کے مذہب میں فرق یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کا تداوی کیلئے پینا مطلقاً حلال ہے خواہ حالت اضطرار ہو یا نہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پینا تداوی کیلئے صرف حالت اضطرار میں جائز ہے۔ اضطرار کی تفسیر یہ ہے کہ کوئی ایسا مرض لاحق ہو جائے جس کے بارے میں دیندار حاذق طبیب کی رائے یہ ہو کہ اس مرض کا علاج اس جانور کے پیشاب پینے میں منحصر ہے اور اس کی کوئی اور دوا نہیں ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ امام صاحب کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب نجاست غلیظہ نہیں خفیفہ ہے۔

دلیل قائلین طہارت۔ قائلین طہارت اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں نیز حدیث عرینین سے استدلال کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کا اظہار کیا۔ مدینہ کی آب و ہوا ان کو موافق نہیں آئی بیمار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ باہر چلے جاؤ صدقہ کے اونٹوں کے البان وابوال پیو۔ انہوں نے البان اور بول کو پیا صحت یاب ہو گئے۔ اس کے بعد صدقہ کے اونٹوں کے چرواہے کو بری طرح قتل کر دیا اور صدقہ کے اونٹ لے کر فرار ہو گئے۔ ان کو پکڑا گیا ان کی آنکھوں میں سلائیاں ماری گئیں اور قتل کیا گیا۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کو اونٹوں کے ابوال پینے کا حکم دینا اس کے پاک ہونے کی دلیل ہے۔

قائلین نجاست کی دلیل۔ قائلین کی نجاست کا استدلال ان احادیث عامہ سے ہے جن میں مطلقاً پیشاب سے بچنے کا حکم ہے۔ مثلاً یہ حدیث استنزهوا عن البول فان عامة عذاب القبر منه۔ اس میں بول مطلق ہے خواہ ماکول اللحم کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا۔ یہاں بھی بول مطلق ہے۔

حدیث عرینین کے جوابات۔ جواب-۱: پہلے یہ پیشاب پاک تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ قرینہ اس کا یہ ہے کہ عرینین کی حدیث میں مثلہ کرنا بھی آرہا ہے اور یہ بالاتفاق منسوخ ہے۔ جیسا مثلہ کا حکم منسوخ ہے پہلے جائز تھا پھر نہی کر دی گئی ایسے ہی پہلے بول یا یوکل لحمہ پاک تھا پھر اس کو ناپاک کر دیا گیا۔

جواب-۲: بعض حضرات نے اس کا جواب دیا کہ روایتیں تداوی پر محمول ہیں یعنی دوا کیلئے پینا جائز ہے۔ عند البعض مطلقاً اور عند البعض حالت اضطرار میں۔ عرینین کو پیشاب پینے کا حکم اس لئے کیا ہو گا کہ آپ کو وحی سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ان کا علاج صرف اسی سے ہے۔

شیخین کی طرف سے جواب-۳: حدیث استنزہوا عن البول مشہور ہے اور یہ دونوں خبر واحد ہیں اور تعارض کے وقت حدیث مشہور راجح ہوتی ہے۔

جواب-۴: استنزهوا الخ والی حدیث محرم ہے اور یہ دونوں مبیح ہیں اور تعارض کے وقت محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب-۵: حدیث استنزہوا عن البول راجح ہے اور یہ دونوں مرجوح ہیں۔ وجہ ترجیح استنزهوا عن البول والی حدیث موافق قیاس ہے اور یہ دونوں مخالف قیاس ہیں (قیاس) بنی آدم میں دو اشیاء ہیں۔ (۱) لحوم (۲) دماء۔ لحم بنی آدم طاہر ہے اور دماء نجس ہے اور ایک تیسری چیز ہے بول۔ یہ حکم کے اعتبار سے دم کے تابع ہے اسی طرح شاۃ میں تین اشیاء ہیں تو اگر اس میں بول کو لحم کے تابع قرار دیں تو طاہر اور اگر دماء کے تابع قرار دیں تو نجس ہونا چاہئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسانوں میں ابوال دم کے تابع ہیں لہٰذا یہاں بھی بول دم کے تابع ہو گا۔

جواب-٦: یہ دونوں حدیثیں اس کا معارض بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں حدیث استنز ہو سنداً صحیح ہے اور حدیث براء بن عازب اور حدیث جابر کی سند پر کلام کی گئی ہے۔ حدیث براء بن عازبؓ کی روایت میں سوار بن مصعب راوی متکلم فیہ ہے۔ امام احمد نے مسند احمد میں اور نسائی اور ابن معین کا کہنا ہے کہ یہ متروک الحدیث ہے اور حدیث جابرؓ مسند پر یہ کلام کیا گیا کہ یحییٰ ابن علاء کے بارے میں امام احمد نے کہا کہ یہ حدیث بنانے والا ہے۔

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍؒ قَالَ سَاَلْتُ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ جَعَلَ رَسُوْلُ

حضرت شریح بن ہانیؒ سے روایت ہے کہا کہ میں نے علی بن ابی طالبؓ سے موزوں پر مسح کے متعلق دریافت کیا کہا علیؓ نے کہ رسول اللہ

اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَّلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِّلْمُقِيْمِ. (صحیح مسلم)

صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تین راتیں مسافر کیلئے اور ایک دن ایک رات مقیم کیلئے مدت مقرر کی ہے روایت کیا اس کو مسلم نے

تشریح: خفین۔ تثنیہ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ مسح تب جائز ہوگا جب کہ دونوں موزں پر ہو اگر ایک کا مسح اور ایک کا غسل ہو تو جائز نہیں۔

مسئلہ (۱): قرآن مجید میں تو مسح علی الخفین کا ذکر نہیں تو پھر جواز کیسے؟ جواب۔ جواز مسح الی الخفین اتنی روایات سے ثابت ہے جس کا قدر مشترک تواتر ہے اور احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ اسی سے زائد صحابہ مسح علی الخفین کو روایت کرنے والے ہیں اسی وجہ سے امام صاحب نے فرمایا اہلسنت کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ مسح علی الخفین کے جواز کا قائل ہو۔

مسئلہ (۲): مسح افضل ہے یا غسل۔ جہاں ایسا موقعہ و محل ہو کہ مسح کے جواز کے قائلین نہ ہوں تو مسح افضل ہوگا تا کہ ان کو پتہ چل جائے کہ یہ جائز ہے ورنہ غسل افضل ہے۔ حاصل حدیث: اگر شریح بن حانی کا سوال مدت مسح کے بارے میں تھا تو آنے والی عبارت سے عبارۃ النص کے طور پر جواب ہوگا۔ اگر شریح بن حانیؒ کا سوال جواز مسح کے بارے میں تھا تو آنے والی عبارت سے جواب دلالۃ النص کے طور پر ہوگا کہ جب مسح علی الخفین کی مقدار و حدت معلوم ہوگئی تو جواز بطریق اولیٰ معلوم ہوگیا۔

مسئلہ (۳): موقت ہے یا غیر موقت۔ جمہور کے نزدیک موقت ہے مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن تین رات۔ (مقیم اور مسافر کے فرق کے ساتھ) اور مالکیہ کے نزدیک غیر موقت ہے۔

جمہور کے دلائل:۔ صاحب مشکوۃ کی روایت کردہ احادیث یہ سب کی سب عام توقیت کے قائلین کی دلیل ہیں۔

مالکیہ کی دلیلیں یہاں مشکوۃ میں تو نہیں ہے عمومی طور پر تین دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔

پہلی دلیل۔ طحاوی کی روایت حدیث خزیمہ انصاریؓ جس میں یہ بات مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں مقرر فرمائیں۔ راوی کہتے ہیں ولو استزدناہ لزادنا۔ معلوم ہوا کہ توقیت نہیں ہے۔

دوسری دلیل۔ حدیث ابی بن عمارۃ جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسح علی الخفین کے بارے میں سوال ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اور ایک رات مدت بیان فرمائی۔ دوسرے دن دو دن دو راتیں بیان فرمائیں۔ سوال و جواب کا

سلسلہ چلتے چلتے سات دن تک پہنچا پھر فرمایانعم و ماشئت۔ تو معلوم ہوا کہ کوئی موقت نہیں۔

تیسری دلیل حدیث عقبہ بن عامرؓ۔ ملک شام کے حاکم نے حضرت عمرؓ کے پاس قاصد بھیجا مدینہ منورہ میں تو اس نے موزے پہن رکھے تھے جب حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا تو حضرت عمرؓ نے پوچھا موزے پہنے ہوئے کتنی مدت گزر گئی ہے۔ اس نے عرض کیا سات دن تو حضرت عمرؓ نے فرمایا تو نے نبی کی سنت کو پالیا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ مسح موقت نہیں ہے۔

فریق مخالف کے دلائل کے جوابات پہلی دلیل کا جواب ا: لوانتفائے ثانی للا نتفاء الاول۔ نہ کمی کا مطالبہ ہوا نہ زیادتی کا مطالبہ ہوا۔

جواب-۲: استزدنا الخ اس سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ واقعہ میں ایسا ہو جاتا یہ تو صحابیؓ کا اپنا گمان وخیال ہے۔

دوسری دلیل کا جواب۔ نعم و ماشئت یعنی اگر قاعدہ شرعی کے مطابق پہنے رکھے تو یہ جائز ہے وہ قاعدہ شرعی یہ ہے کہ مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات جب یہ مدت پوری ہو جائے تو موزے اتار کر پاؤں دھو کر پھر پہن لے اسی طرح چاہے تو سال پورا کر لے یہ تو جائز ہے۔ تیسری دلیل کا جواب۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ ایسے راستے سے چل کر آئے تھے جن پر پانی نہیں تھا گویا ان کے لئے تیمّم کا حکم تھا یہ متیمم تھے اور تیمّم کے اندر پاؤں کی طرف کوئی تعرض ہی نہیں ہوتا۔

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَؓ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ تَبُوْكَ قَالَ الْمُغِيْرَةُ

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں شمولیت کی۔ مغیرہ نے کہا

فَتَبَرَّزَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ الْغَائِطِ فَحَمَلْتُ مَعَهٗ اِدَاوَةً قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَمَّا رَجَعَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر سے پہلے نکلے پاخانہ کیلئے میں نے اٹھائی چھاگل۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے میں چھاگل سے پانی آپ صلی

اَخَذْتُ اُهَرِيْقُ عَلٰى يَدَيْهِ مِنَ الْاِدَاوَةِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهٗ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنَ الاحاوةِ فغسل يديه

اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر ڈالنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اور منہ دھویا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اونی جبہ تھا ہاتھوں کو کھولنا شروع

وَوَجْهَهٗ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ مِنْ صُوْفٍ ذَهَبَ يَحْسِرُ عَنْ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ فَاَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنْ تَحْتِ

کیا۔ جبہ کی آستینیں تنگ ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبہ کے نیچے سے ہاتھ نکال لئے اور جبہ اپنے کندھوں پر رکھ لیا اور دونوں بازو دھوئے

الْجُبَّةِ وَاَلْقَى الْجُبَّةَ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثُمَّ مَسَحَ بِنَاصِيَتِهٖ وَعَلَى الْعِمَامَةِ ثُمَّ اَهْوَيْتُ

پھر پیشانی کا مسح کیا اور پگڑی پر بھی مسح کیا پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزے اتارنے کیلئے جھکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو چھوڑ دو میں نے

لِاَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَاِنِّيْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَيْنَا

ان کو پہنا تھا جبکہ یہ پاک تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پر مسح کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے میں بھی سوار ہوا ہم لوگوں کے پاس پہنچے وہ

اِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَيُصَلِّيْ بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَّقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً

نماز کی طرف کھڑے ہو چکے تھے اور ان کو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نماز پڑھا رہے تھے اور ایک رکعت ان کو پڑھا چکے تھے۔ جب ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا

فَلَمَّا اَحَسَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ يَتَاَخَّرُ فَاَوْمٰى اِلَيْهِ فَاَدْرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

معلوم ہوا تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ یوں ہی کھڑے رہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت پالی اسکے ساتھ جب

وَسَلَّمَ اِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ مَعَهٗ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْتُ مَعَهٗ فَرَكَعْنَا الرَّكْعَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْنَا (صحیح مسلم)

انہوں نے سلام پھیرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑا ہوا ہم نے وہ رکعت پڑھ لی جو ہم سے رہ گئی تھی روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے قصہ سنایا کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا تو صبح سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور میں لوٹا اٹھائے ہوئے پانی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گیا تا کہ اس سے استنجاء وضو وغیرہ کریں اور جب وہ واپس لوٹے تو وضو کرانے کے لئے میں نے پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر گرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ دھوئے اور اپنے چہرہ مبارک کو دھویا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ادنیٰ جبہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنے بازوؤں کو نکالنا اور کھولنا چاہا تو آستین تنگ ہوگئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبہ کے نیچے سے ہاتھ نکال کر اس کو اتار کر رکھ دیا اپنے کندھوں پر اور اپنی کلائیوں کو دھویا پھر مسح کیا ناصیہ کا اور عمامہ پر بھی مسح کیا۔ یہ رائی نے ایسے ہی سمجھا درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کے بعد عمامہ کو درست کیا ہوا اور رائی نے سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے **مسح علی العمامه** فرمایا یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح علی الرأس کے بعد **مسح علی العمامه** فرمایا یہ کوئی مختلف فیہ نہیں ہے۔ اختلاف وہ **مسح علی العمامه** ہے جو صرف عمامہ پر ہو پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزوں کو اتارنے کا ارادہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو ان کو میں نے ان کو طاہر ہونے کی حالت میں پہنا تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مسح کیا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ **مسح علی الخفین** آیت کریمہ **یایها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا** الخ (الایۃ) سے منسوخ ہوگیا۔ حالانکہ یہ نسخ نہیں اس لئے کہ آیت کریمہ پہلے نازل ہوئی تھی۔ اور غزوۂ تبوک بعد میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر مسح علی الخفین فرمایا۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ منسوخ نہیں۔ **اخذت اهریق علی یدیه**۔ سوال۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ وضوء کا کام خود کرنا چاہئے دوسروں سے لینا مکروہ ہے؟ جواب۔ یہ اعانۃ فی الوضوء تھا نہ کہ استعانۃ فی الوضوء اور نیز فقہاء لکھتے ہیں کہ ایسی استعانۃ ممنوع ہے جس میں ہاتھ وغیرہ بھی دوسرا دھوئے۔ اس حدیث کے اندر اصل مسئلہ تو مسح علی الخفین والا تھا اور اس حدیث کے تحت باقی بہت سے مسئلے معلوم ہوئے مثلاً کسی کو وضو کرانا جائز ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امتی کے پیچھے نبی کی نماز ہو جاتی ہے۔ مفضول کی امامت افضل کے لئے جائز ہے۔ سوال۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو حکم دیا کہ برقرار رہو وہ برقرار رہے اور اسی طرح کا واقعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بھی پیش آیا (مرض الوفات میں) وہ تو پیچھے ہٹ گئے تو ان دونوں میں وجہ فرق کیا ہے؟

جواب-۱: امام نووی نے یہ وجہ فرق بیان کیا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک رکعت پڑھا چکے تھے اور حضرت ابوبکرؓ نے ابھی ایک رکعت بھی نہیں پڑھائی تھی۔

جواب-۲: دونوں کا اجتہاد ہے۔ اجتہاد کے فرق پر مبنی ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امر کو فوقیت دی ادب کے مقابلے میں اور حضرت ابوبکرؓ نے اس امر کے مقابلے میں جو امر نہ وجوب کے لئے تھا اور نہ استحباب کے لئے تھا ادب کی ترجیح دی ہر ایک کا اپنا اپنا مقام ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ مسبوق کی نماز امام کے ساتھ آخری ہوتی ہے اس سے احناف کی تائید ہوتی ہے اور یہ شوافع کے اس مسئلے کے خلاف ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ رَخَّصَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیَالِیَھُنَّ وَلِلْمُقِیْمِ یَوْمًا وَلَیْلَۃً اِذَا تَطَھَّرَ فَلَبِسَ خُفَّیْہِ اَنْ یَّمْسَحَ عَلَیْھِمَا. (رَوَاہُ الْاَثْرَمُ فِیْ سُنَنِہٖ وَابْنُ خُزَیْمَۃَ وَالدَّارَ قُطْنِیُّ وَقَالَ الْخَطَّابِیُّ ھُوَ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ ھٰکَذَا فِی الْمُنْتَقٰی)

حضرت ابو بکرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کو تین راتیں مقیم کو ایک دن اور ایک رات رخصت دی جس وقت وضو کیا ہو اور موزے پہن لے یہ کہ ان پر مسح کرلے۔ روایت کیا اس کو اثرم نے اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ اور دار قطنی نے خطابی نے کہا وہ صحیح الاسناد ہے اسی طرح کہا منتقی میں۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ مسئلہ (۴): طہارت کاملہ کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ احناف کے نزدیک طہارت کاملہ کا ہونا ضروری نہیں بلکہ نئے حدث کے طاری ہونے سے پہلے طہارت کاملہ کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً بول و براز کرنے کے بعد پاؤں کو دھو کر موزے پہن لئے بعد میں وضو مکمل کرلیا نئے حدث کے طاری ہونے سے پہلے تو اس پر مسح جائز ہے۔

شوافع کے نزدیک طہارت کاملہ کا ہونا ضروری ہے یعنی مکمل وضو کرے پھر موزے پہن کر اگر حدث لاحق ہوجائے تو اس پر مسح جائز ہے یہ حدیث شوافع کے موافق ہے کیونکہ اس میں اذ تطہر کے الفاظ ہیں۔

احناف کی طرف سے جواب یہ قید بیان اولویت کے لئے ہے۔ اور ہم بھی قائل ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ طہارت کاملہ کے بعد لبس ہو۔

وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنَا اِذَا كُنَّا سَفْرًا اَنْ لَّا نَنْزِعَ

حضرت صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے جب ہم مسافر ہوں کہ اپنے موزے

خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ اِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَّلٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَّنَوْمٍ. (رواه الترمذی و النسائی)

تین دن اور تین راتیں نہ اتاریں مگر جنابت سے لیکن نہ اتاریں پاخانہ اور پیشاب اور سونے سے روایت کیا اس کو ترمذی اور نسائی نے۔

تشریح: اس میں سفراً خلاف قیاس جمع ہے مسافر کی۔ (گویا کہ دفع دخل مقدر کہ کنا میں نا عبارت ہے ذوات سے اور سفراً کا حمل ہے اس پر یہ تو صحیح نہیں ہے جواب سفراً مسافر کی جمع ہے خلاف قیاس۔ اور مسافر بھی ذات ہے) الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکم کرتے تھے کہ ہم اپنے موزوں کو غائط اور بول کی وجہ سے نہیں اتارتے تھے مگر جنابت کی وجہ سے اتارتے تھے۔

اشکال (۱) ہے لکن:۔ پہلی کلام سے پیدا شدہ وہم کے ازالے کے لئے آتا ہے یہاں کونسا وہم ہے۔

جواب:۔ ماقبل میں جنابت کی وجہ سے موزوں کو اتارنے کا حکم تھا۔ اس سے وہم پیدا ہوا کہ باقی انواع حدث کی وجہ سے بھی موزوں کو اتارنے کا حکم ہے تو لکن سے وہم کو دور کردیا کہ نہیں نہیں یہ موزوں کے اتارنے کا حکم انواع حدث میں سے جنابت کے ساتھ خاص ہے باقی انواع حدث سے موزوں کے اتارنے کا حکم نہیں۔ خواہ بول ہو غائط ہو یا کوئی اور حدث ہو۔

سوال (۲): لکن کا مدخول جملہ ہوتا ہے یہاں جملہ نہیں؟ سوال (۳): کلمہ لکن ہمیشہ ایسی دو کلاموں کے درمیان آتا ہے جو نفی اور اثبات کے اعتبار سے آپس میں مختلف ہوں۔ اگر پہلا جملہ مثبت ہے تو دوسرا منفی اگر پہلا منفی تو دوسرا اثبت ہو اور یہاں دونوں جملے مثبت ہیں اس لئے کہ پہلے نفی آرہی تھی اور نفی اور کی وجہ سے ٹوٹ گئی اور لکن:۔ کے بعد ہی مثبت ہے۔

جواب تینوں سوالوں کا جواب ایک ہی ہے کہ یہاں عبارت محذوف ہے۔ لکن لا ننزع اب لکن کا مدخول بھی جملہ ہے اور لکن کا مابعد منفی اور ماقبل مثبت ہے فلا اشکال۔

وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ وَضَّأْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَمَسَحَ اَعْلَى الْخُفِّ

حضرت مغیر بن شعبہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تبوک کے غزوہ میں وضو کرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزہ کے اوپر اور نیچے

وَاَسْفَلَهٗ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا الْحَدِيْثُ مَعْلُوْلٌ وَ سَاَلْتُ اَبَازُرْعَةَ

مسح کیا روایت کیا اس کو ابو داؤد نے اور ترمذی ابن ماجہ نے ترمذی نے کہا یہ حدیث معلول ہے۔ میں نے ابو زرعہ

وَمُحَمَّدَ يَعْنِي الْبُخَارِيَّ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ لَيْسَ بِصَحِيْحٍ وَ كَذَا ضَعَّفَهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

اور محمد یعنی بخاری سے اس کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح ابوداؤد نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ (ابوداؤد)

وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

مغیرہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ موزوں پر اوپر کی جانب مسح کرتے تھے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے

تشریح: مسئلہ محل مسح کیا ہے؟ احناف کے نزدیک محل مسح الخفین ہے یعنی فوقانی حصہ اور شوافع اور مالکیہ کے نزدیک محل مسح اعلی الخفین اور اسفل الخفین ہے یعنی فوقانی حصہ بھی تحتانی حصہ بھی لیکن فرق اتنا ہے کہ فوقانی حصہ پر مسح بطور وجوب کے ہے اور تحتانی حصہ پر بطور استحباب کے ہے۔

وَعَنْهُ اَنَّهُ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظَاهِرِ هِمَا. (رواہ الترمذی و ابوداؤد)
مغیرہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ موزوں پر اوپر کی جانب مسح کرتے تھے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے

دلائل: احناف کی دلیل (۱): مابعد والی حدیث مغیرہؓ قال مسح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و عنہ انما قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الخفین علی ظاھرھما۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسح فوقانی حصہ پر ہے۔

دلیل (۲): حدیث علیؓ قال لو کان الدین بالرای لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاہ الخ جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے اگر دین عقل کے تابع ہوتا تو تحتانی حصہ پر مسح کرنا زیادہ اولی ہوتا بنسبت فوقانی حصہ پر مسح کرنے کے اس لئے کہ نجاست نچلے حصہ پر لگتی ہے لیکن چونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ظاہر خف پر مسح فرمایا کرتے تھے پس اس کے لئے یہی ہو گا پس معلوم ہوا کہ مسح فوقانی حصہ پر ہے باقی شوافع اور۔

مالکیہ کی دلیل یہی حدیث مغیرہ ہے۔

دلیل جواب (۱): صاحب مشکوٰۃ نے خود ذکر کیا قال الترمذی الخ سے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث معلول ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں میں نے ابوذرعہ اور امام محمد یعنی امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو ان دونوں نے کہا لیس بصحیح۔ امام ترمذی نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حاشیہ نصیریہ میں اس کے معلول ہونے کی پانچ وجہیں ذکر کی ہیں۔ (۱) اس میں ثور بن یزید کے سب تلامذہ اس کو مرسلاً روایت کر رہے ہیں سوائے ایک کے وہ ولید ابن مسلم وہ اس کو متصلا سنداً روایات کر رہے ہیں۔ (۲) ثور بن یزید کی لقاء ثابت نہیں ہے۔ اپنے شیخ رجاء سے لہذا یہ حدیث منقطع ہوئی (۳) ولید بن مسلم مدلس ہیں اپنے شیخ کا نام چھپا لیتے ہیں اور وہ عن عن سے روایت کرتے ہیں۔ (۴) ولید بن مسلم اور کاتب مغیرہ کے درمیان انقطاع ہے (۵) کاتب مغیرہ خود مجہول ہیں پتہ نہیں کون ہے۔

مسئلہ۵: مقدار مسح کیا ہے۔ احناف کے نزدیک تین انگلیوں کے مقدار طولاً شوافع کے نزدیک اتنی مقدار کہ عامل کو ماسح کہا جا سکے۔

وَعَنْهُ تَوَضَّاَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ وَالنَّعْلَيْنِ. (احمد بن حنبل الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجۃ)
مغیرہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جوربین پر نعلین کے ساتھ مسح کیا۔ روایت کیا اس کو احمدؒ ابوداؤدؒ ترمذی اور ابن ماجہ نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ جورب یہ معرب ہے دراصل یہ فارسی زبان کا لفظ ہے فارسی میں تھا اصل میں گورپا۔ پاؤں کی قبر پھر یہ ہو گیا گورپ پھر عربؑ میں منتقل کیا گیا تو جورب ہو گیا۔

مسئلہ مسح علی الجوربین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔

قول اول اہل ظواہر اور موجودہ زمانے کے غیر مقلدین کا ہے ان کے نزدیک مطلقاً جرابوں پر ہمہ قسم کی جرابوں پر مسح جائز ہے۔

قول ثانی جمہور فقہاء وائمہ کا مطلقاً جرابوں پر مسح جائز نہیں بلکہ اس میں تخصیص ہے بالاتفاق امام صاحب کا مشہور قول یہ ہے کہ جوربین متعلین یا مجلدین پر مسح جائز ہے اور محققین میں سے دوسرا قول: جمہور صاحبین کا ہے کہ جوربین ثخینین پر مسح جائز ہے۔ خواہ منعلین ہوں یا مجلدین ہوں (تو جمہور کے نزدیک ثخانت کا ہونا ضروری ہے) ثخینین کا مطلب یعنی اتنی موٹی ہوں کہ اندر والا حصہ نظر نہ آئے اور کسی پر باندھے بغیر اوپر ٹھہر جائے اور نیز آدمی اس کو پہن کر تقریباً تین میل تک سفر کر سکے یہ مختلف فیہ جورب ہے) کہا یہ جاتا ہے کہ امام

صاحبؒ نے وفات سے ۹ دن یا ۳ دن پہلے مسح علی جوربین ثخینین کیا تھا۔یعنی صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کرلیا تھا اور فرمایا کہ میں جس کو آج تک چھوڑے رکھا آج میں وہ کررہا ہوں تو جوربین کی مجلدین منعلین کے اعتبار سے کل عقلاً چھ قسمیں بنی ہیں رقیق محض۔رقیق منعل۔رقیق مجلد۔ثخین محض۔ثخین منعل۔ ثخین مجلدان میں سے پہلی پر مسح بالا جماع جائز ہیں۔اور ۳، ۴، ۵، ۶ صورتوں میں اگر امام صاحبؒ کے رجوع کا لحاظ کیا جائے تو بالا جماع مسح جائز ہے البتہ قسم (۲) یعنی رقیق متصل میں اختلاف ہے احناف کے اس میں دو قول ہیں۔مشہور قول جواز کا ہے لیکن شرح وقایہ کے چلپی والے حاشیہ میں لکھا ہے۔رقیق منعل پر مسح جائز نہیں۔

سوال: ثخانت والی وصف کیوں ضروری قرار دی۔

جواب۔صحیح احادیث سے جو غسل رجلین کے علاوہ ثابت ہے وہ مسح علی الخفین ہے اور مطلق جوربین تو خفین کے حکم میں نہیں ہوسکتیں صرف جوربین ثخینین ہی خفین کی طرح ہوسکتی ہیں اس لئے ثخانت والی وصف کو ضروری قرار دیا۔اہل ظواہر اور غیر مقلدین کی دلیل یہی حدیث ہے جس میں جوربین کا لفظ آیا ہے۔اس میں ثخینین مطلق آیا دلیل ثخانت ہونے پر فقہاء کا اجماع ہے۔ثخینین یا غیر ثخینین کی قید نہیں۔

جواب-۱: اس سے مراد مطلقاً جوربین نہیں فقہاء کا اجماع سے مراد ثخینین خاص مراد ہیں۔

جواب-۲: جوربین موصوف اور نعلین صفت ہے۔معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوربین منعلین پر مسح فرمایا۔نعلین بمعنی منعلین ہے۔باقی زیادہ سے زیادہ یہ موصوف صفت کے درمیان دائر کا ہونا لازم آئے گا۔یہ کوئی حرام وناجائز نہیں۔

جواب-۳: یہ حدیث سنداً وزنی نہیں یہ اس قابل نہیں کہ اس سے استدلال کیا جاسکے۔امام بیہقی فرماتے ہیں حدیث منکر عبدالرحمٰن بن مہدی، امام احمد بن حنبل، یحیٰی ابن معین، علی ابن مدینی، امام مسلم بن الحجاج۔

جواب-۴: روافض حضرات کہتے ہیں یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔**لایحتج لهذا الحدیث** لیکن امام ترمذی نے اس کی تحسین وتصحیح کی ہے اور ھذا حدیث حسن صحیح کہا ہے۔

جواب امام نوویؒ فرماتے ہیں ان **جبال العلم** ائمہ جرح وتعدیل اور جلیل القدر محدثین کے ضعیف قرار دینے کے بعد جرح کرنے کے بعد امام ترمذی کی تحسین وتصحیح قابل التفات نہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں اس حدیث مغیرہ بن شعبہ کو نقل کرنے والے ساٹھ راوی ہیں ان ساٹھ میں سے ۵۹ راوی یہ نقل کرتے ہیں کہ حدیث میں خفین کا لفظ ہے اور صرف ایک راوی ساٹھواں ہذیل بن شرحبیل جوربین کا لفظ نقل کرتے ہیں تو اس حدیث میں جوربین کا لفظ شاذ ہے۔باقی حدیث میں نعلین کا لفظ آیا۔سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح علی النعلین فرمایا حالانکہ اس کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے؟

جواب-۱: نعلین صفت ہے جوربین کی ایسے نعلین جو جوربین ہوں تو اس پر مسح درست ہے۔

جواب-۲: حدیث سنداً ضعیف ہے یہ قابل استدلال نہیں۔جوربین کے لفظ اس میں شاذ ہیں۔

جواب-۳: یہ مسح اس زمانے میں ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوربین پہنے ہوئے تھے تو جوربین پر مسح ہوا اصالۃً فرض کو ادا کرنے کے لئے اور نعلین پر مسح کیا تبعاً جیسے ناصیہ پر مسح ہوا اصالۃً اور عمامہ پر مسح ہوا تبعاً۔

جواب-۴: ہم تسلیم کرتے ہیں یہ مسح علی النعلین تو یہ پہلے تھا لیکن بعد میں منسوخ ہوگیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنِ الْمُغِيْرَةِؓ قَالَ مَسَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَسِيْتَ

حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا میں نے کہا اللہ کے رسول آپ بھول گئے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

قَالَ بَلْ اَنْتَ نَسِيْتَ بِهٰذَا اَمَرَنِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ. (رواہ احمد بن حنبل و ابوداؤد)
نہیں بلکہ تو بھولا ہے۔میرے رب عزوجل نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے۔روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔امرنی ربی عزوجل۔آیۃ کریمہ وارجلکم کو جر والی قرأت پر محمول کریں تو یہ وحی جلی ہوگی اور اگر نصب والی قرات پر محمول کریں تو وحی خفی ہوگی۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ قرآن کے علاوہ اور بھی مجھ پر وحی نازل ہوتی رہتی ہے۔

وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّهٗ قَالَ لَوْ کَانَ الدِّيْنُ بِالرَّاْیِ لَکَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰی بِالْمَسْحِ مِنْ اَعْلَاهُ وَقَدْ رَاَيْتُ
حضرت علیؓ سے روایت ہے اس نے کہا کہ اگر دین عقل کے ساتھ ہوتا تو موزہ کی نیچے کی جانب پر مسح کرنا بنسبت اوپر کی بہتر ہوتا اور میں نے نبی
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلٰی ظَاهِرِ خُفَّيْهِ. (رواہ ابوداود وللدارمی معناہ)
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ موزہ کی اوپر کی جانب مسح کرتے تھے۔روایت کیا ہے اس کو ابوداؤد نے اور دارمی نے معنی اس کا۔

تشریح:۔حضرت علیؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ناپاکی اور گندگی چونکہ موزوں کے نیچے کی جانب لگ سکتی اس لئے عقل یہی تقاضا کرتی ہے کہ جس طرف ناپاکی اور گندگی لگنے کا شبہ ہو اسی طرح پاکی اور ستھرائی کیلئے مسح بھی کرنا چاہئے مگر چونکہ شرع میں صراحتہ یہ آگیا ہے کہ مسح اوپر کی جانب کرنا چاہئے اس لئے اب عقل کو دخل دینے کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کے مسائل واحکام میں عقل کو دخل دینا چاہئے کیونکہ عقل کامل شریعت کے تابع ہوتی ہے اس لئے کہ خدا کی حکمتوں اور اس کے مراد ومفہوم کو معلوم کرنے میں عقل مطلقاً عاجز ہوتی ہے۔لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ وہ بہرنوع شریعت کا تابع وپابند بن کر رہے عقل کا تابع نہ بنے اس لئے کہ کفار اور اکثر فلاسفہ وحکماء اور اہل ہوا وہوس اپنی عقلوں پر بھروسہ وپندار کرنے کے سبب اور عقلوں کے تابع ہونے ہی کی وجہ سے گمراہی وضلالت کے غار میں گرتے ہیں۔

چونکہ اس باب کی یہ آخری حدیث ہے اس لئے مناسب ہے کہ اس کے ضمن میں مسح سے متعلق چند مسائل ذکر کئے جائیں۔

(۱) اگر موزہ کسی جگہ سے پاؤں کی تین انگلیوں کے برابر پھٹ جائے تو اس پر مسح درست نہیں ہوتا۔اس طرح اگر ایک موزہ تھوڑا تھوڑا کئی جگہ سے اتنی مقدار میں پھٹ جائے کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو وہ تین انگلیوں کے برابر ہو تو اس پر بھی مسح درست نہیں ہوتا اور اگر دونوں موزے تھوڑے تھوڑے اتنی مقدار میں پھٹے ہوں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو وہ تین انگلیوں کے برابر ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اس پر مسح درست ہوگا۔(۲) جن چیزوں سے وضوٹوٹتا ہے اس سے مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔(۳) حدیث کے بعد موزہ اتارنے سے مسح ٹوٹ جاتا ہے۔(۴) مسح کی مدت ختم ہوجانے کے بعد مسح ٹوٹ جاتا ہے۔بشرطیکہ سردی کی وجہ سے پاؤں کے ضائع ہونے کا خوف نہ ہو۔یعنی اگر سردی کی شدت اور کسی بیماری کی وجہ سے یہ خوف ہو کہ موزہ اتارنے سے پاؤں ضائع ہوجائے گا تو مسح کی مدت ختم ہونے کے بعد مسح نہیں ٹوٹے گا جب تک خوف باقی رہے گا مسح بھی باقی رہے گا۔(۵) اگر موزہ اتارنے یا مدت ختم ہونے کیوجہ سے مسح ٹوٹ جائے اور وضو باقی ہو تو ایسی شکل میں از سر نو وضو کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف پیر دھوکر موزہ پہن لینا کافی ہوگا۔(۶) اگر آدھے سے زیادہ پیر موزہ سے باہر نکل آئے تو بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے۔(۷) اگر مقیم نے مسح کیا اور ایک رات اور ایک دن گزرنے سے پہلے مسافر ہوگیا تو وہ مسح کیلئے سفر کی مدت پوری کرے یعنی تین دن اور تین رات تک مسح کرتا رہے۔اسی طرح اگر مسافر نے مسح کیا اور پھر وہ مقیم ہوگیا تو اسے چاہئے کہ ایک دن ایک رات کے بعد موزہ اتار دے کیونکہ اس کی مدت پوری ہوگئی ہے۔(۸) اگر کوئی معذور مثلاً ظہر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنے تو جس عذر کی وجہ سے وہ معذور ہے اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے اس کا وضوٹوٹ جائے تو اس کیلئے مسح کی مدت موزوں پر مسح کرنا جائز ہوگا اور پھر مسح کی مدت ختم ہوجانے کے بعد مسح ٹوٹ جائے گا۔

بَابُ التَّيَمُّمِ
تیمّم کا بیان

''تیمّم'' وضواور غسل کا قائم مقام ہے۔لغت میں تیمّم کے معنی ''قصد'' کے آتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں تیمّم سے مراد ہے پاک مٹی کا قصد کرنا یا اس چیز کا قصد کرنا جو مٹی کے قائم مقام ہو جیسے پتھر اور چونا وغیرہ اور طہارت کی نیت کے ساتھ اسے ہاتھ اور منہ پر ملنا۔ **مسئلہ تیمّم کیلئے دو ضربیں یا ایک ضرب قول اول** حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ حضرت امام ابو یوسفؒ حضرت امام مالک اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ تیمّم کیلئے دو ضربیں ہیں یعنی پاک مٹی یا اس کے قائم مقام مثلاً پاک چونے اور پتھر وغیرہ پر دو دفعہ ہاتھ مارنا چاہئے ایک ضرب تو منہ کیلئے ہے اور دوسری ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کیلئے۔حضرت امام شافعیؒ کا بھی مختار مسلک یہی ہے اور بعض حنابلہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

قول ثانی حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور مسلک اور حضرت امام شافعیؒ کا قدیم قول یہ ہے کہ تیمّم ایک ہی ضرب ہے یعنی تیمّم کرنے والے کو چاہئے کہ ایک ہی مرتبہ پاک مٹی وغیرہ پر ہاتھ مار کر اسے منہ پر اور کہنیوں تک دونوں ہاتھوں پر پھیر لے۔حضرت امام اوزاعی' عطاء اور مکحولؒ سے بھی یہی منقول ہے۔دونوں فریقین کے مذہب ومسلک کی تائید میں احادیث منقول ہیں جو آگے ان شاءاللہ آئیں گی اور جن کی حسب موقع تشریح وتوضیح بھی کی جائے گی۔اس موقعہ پر مناسب ہے کہ تیمّم کے کچھ احکام اور وہ صورتیں ذکر کردی جائیں جن میں تیمّم جائز ہے تیمّم حسب ذیل صورتوں میں جائز ہوتا ہے۔(۱) اتنا پانی جو وضو اور غسل کیلئے کافی ہو اپنے پاس موجود نہ ہو بلکہ ایک میل یا ایک میل سے زائد فاصلہ پر ہو۔(۲) پانی جو موجود تو ہو مگر کسی کی امانت ہو یا کسی سے غصب کیا ہوا ہو۔(۳) پانی کے نرخ کا معمول سے زیادہ گراں ہو جانا۔(۴) پانی کی قیمت کا موجود نہ ہونا خواہ پانی قرض مل سکتا ہو یا نہیں' قرض لینے کی صورت میں اس پر قادر ہو یا نہ ہو ہاں اگر اپنی ملکیت میں مال ہو اور ایک مدت معینہ کے وعدہ پر قرض مل سکتا ہو تو قرض لے لینا چاہئے۔(۵) پانی کے استعمال سے کسی مرض کے پیدا ہو جانے کا خوف ہو یا یہ خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کیا جائے تو صحت یابی میں دیر ہوگی۔(۶) سردی اس قدر شدید ہو کہ پانی کے استعمال سے کسی عضو کے ضائع ہو جانے یا کسی مرض کے پیدا ہو جانے خوف ہو اور گرم پانی ملنا ممکن ہو۔(۷) کسی دشمن یا درندہ کا خوف ہو مثلاً پانی ایسی جگہ ہو جہاں درندے وغیرہ آتے ہوں یا موجود ہوں یا راستہ میں چوروں کا خوف ہو یا' اپنے اوپر کسی کا قرض ہو یا کسی سے عداوت ہو اور یہ خیال ہو کہ اگر پانی لینے جائے گا تو قرض خواہ اس کو پکڑ لے گا یا کسی قسم کی تکلیف دے گا یا پانی کسی غنڈے اور فاسق کے پاس ہو اور عورت کو اس کے حاصل کرنے میں اپنی بے حرمتی کا خوف ہو۔(۸) پانی کھانے پینے کی ضرورت کیلئے رکھا ہو کہ اسے وضو یا غسل میں خرچ کر دیا جائے تو اس ضرورت میں حرج ہو مثلاً آٹا گوندھنے یا گوشت وغیرہ پکانے کیلئے رکھا ہو۔یا پانی اس قدر ہو کہ اگر وضو یا غسل میں صرف کر دیا جائے تو پیاس کا خوف ہو خواہ اپنی پیاس کا یا کسی دوسرے کی پیاس کا یا اپنے جانوروں کی پیاس کا بشرطیکہ کوئی ایسی تدبیر نہ ہو سکے کہ مستعمل پانی جانوروں کے کام آسکے۔(۹) کنوئیں سے پانی نکالنے کی کوئی چیز نہ ہو اور نہ کوئی کپڑا ہو کہ اسے کنوئیں میں ڈال کر تر کرے اور پھر اس سے نچوڑ کر طہارت حاصل کرے یا پانی مٹکے وغیرہ میں ہو اور کوئی چیز پانی نکالنے کیلئے نہ ہو اور نہ مٹکا جھکا کر پانی لے سکتا ہو۔نیز ہاتھ نجس ہوں اور کوئی دوسرا ایسا شخص نہ ہو جو پانی نکال کردے یا اس کے ہاتھ دھلا دے۔(۱۰) وضو یا غسل کرنے میں ایسی نماز کے چلے جانے کا خوف ہو جس کی قضا نہیں ہے جیسے عیدین یا جنازہ کی نماز۔(۱۱) پانی کا بھول جانا مثلاً کسی شخص کے پاس پانی تو ہے مگر وہ اسے بھول گیا ہو اور اس کا خیال ہو کہ میرے پاس پانی نہیں ہے۔

تیمّم کرنے کا مسنون ومستحب طریقہ درج ذیل ہے۔پہلے بسم اللہ پڑھ کر تیمّم کی نیت کی جائے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کسی ایسی مٹی پر

جس کو نجاست نہ پہنچی ہو یا اس کی نجاست دھو کر زائل کر دی گئی ہو۔ ہتھیلیوں کی جانب سے کشادہ کر کے مار کر ملے اس کے بعد ہاتھوں کو اٹھا کر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور پھر پورے دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ پر ملے اس طرح کہ کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہ جائے جہاں ہاتھ نہ پہنچے۔ پھر اسی طرح دونوں ہاتھوں کو مٹی پر مار کر ملے پھر ان کی مٹی جھاڑ ڈالے اور بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں سوائے کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے سرے پر پشت کی جانب رکھ کر کہنیوں تک کھینچ لائے اس طرح کہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی بھی لگ جائے اور کہنیوں کا مسح بھی ہو جائے پھر باقی انگلیوں کو اور ہاتھ کی ہتھیلی کو دوسری جانب رکھ کر انگلیوں تک کھینچا جائے۔ اسی طرح بائیں ہاتھ کا بھی مسح کرے۔ وضو اور غسل دونوں کے تیمّم کا یہی طریقہ ہے اور ایک ہی تیمّم دونوں کیلئے کافی ہے اگر دونوں کی نیت کر لی جائے۔ تیمّم کے کچھ احکام و مسائل یہ ہیں۔

(۱) تیمّم کے وقت نیت کرنا فرض ہے اور نیت کی شکل یہ ہے کہ جس حدیث کے سبب سے تیمّم کیا جائے تو اس سے طہارت کی نیت کی جائے یا جس چیز کیلئے تیمّم کیا جائے اس کی نیت کی جائے مثلاً اگر نماز جنازہ کیلئے تیمّم کیا جائے یا قرآن مجید کی تلاوت کیلئے تیمّم کیا جائے تو اس کی نیت کی جائے مگر نماز اسی تیمّم سے صحیح ہوگی جس میں حدث سے طہارت کی نیت کی جائے یا کسی ایسی عبادت مقصودہ کی نیت کی جائے جو بغیر طہارت کے نہیں ہو سکتی۔ (۲) تیمّم کرتے وقت اعضاء تیمّم سے ایسی چیزوں کو دور کر دینا فرض ہے جس کی وجہ سے مٹی جسم تک نہ پہنچ سکے جیسے روغن یا چربی وغیرہ۔ (۳) تنگ انگوٹھی تنگ چھلوں اور چوڑیوں کو اتار ڈالنا واجب ہے۔ (۴) اگر کسی قرینہ سے پانی کا قریب ہونا معلوم ہو تو اس کی تلاش میں سو قدم تک خود جانا یا کسی کو بھیجنا واجب ہے۔ (۵) اگر کسی دوسرے شخص کے پاس پانی موجود ہو اور اس سے ملنے کی امید ہو تو اس سے طلب کرنا واجب ہے۔ (۶) اس ترتیب سے تیمّم کرنا سنت ہے جس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیمّم کیا ہے یعنی پہلے منہ کا مسح پھر دونوں ہاتھوں کا مسح۔ (۷) منہ کے مسح کے بعد داڑھی کا خلال کرنا سنت ہے۔ (۸) جس شخص کو اخیر وقت تک پانی ملنے کا یقین یا گمان غالب ہو تو اس کو نماز کے اخیر وقت تک پانی کا انتظام کرنا مستحب ہے مثلاً کنوئیں سے پانی نکالنے کی کوئی چیز نہ ہو اور یہ یقین یا گمان غالب ہو کہ اخیر وقت رسی اور ڈول مل جائیں گے یا کوئی شخص ریل پر سوار ہو اور یہ بات یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ نماز کے اخیر وقت ریل ایسے سٹیشن پر پہنچ جائے گی جہاں پانی مل سکتا ہے۔ (۹) تیمّم کے وقت کے تنگ ہو جانے کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ شروع وقت میں واجب نہیں ہوتا۔ (۱۰) نماز کا اس قدر وقت ملے کہ جس میں تیمّم کر کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہو تو تیمّم واجب ہوتا ہے اور اگر وقت نہ ملے تو تیمّم واجب نہیں۔ (۱۱) جن چیزوں کیلئے وضو فرض ہے ان کیلئے وضو کا تیمّم بھی فرض ہے۔ اور جن چیزوں کیلئے وضو واجب ہے ان کیلئے وضو کا تیمّم بھی واجب ہے اور جن چیزوں کیلئے وضو سنت یا مستحب ان کیلئے وضو کا تیمّم بھی سنت اور مستحب ہے یہی حال غسل کا بھی ہے۔ (۱۲) اگر کوئی شخص حالت جنابت میں ہو اور مسجد میں جانے کی اسے سخت ضرورت ہو تو اس پر تیمّم کرنا واجب ہے۔ (۱۳) جن عبادتوں کیلئے حدث اکبر (یعنی جنابت) اور حدث اصغر (یعنی جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے) سے طہارت شرط نہیں ہے۔ جیسے سلام وسلام کا جواب وغیرہ ان کیلئے وضو و غسل دونوں کا تیمّم بغیر عذر کے ہو سکتا ہے اور جن عبادتوں میں صرف حدث اصغر سے طہارت شرط نہ ہو جیسے تلاوت قرآن مجید اور اذان وغیرہ ان کیلئے صرف وضو کا تیمّم بغیر عذر ہو سکتا ہے۔ (۱۴) اگر کسی شخص کے پاس مشکوک پانی ہو جیسے گدھے کا جھوٹا پانی تو ایسی حالت میں پہلے اگر وضو کی ضرورت ہو تو وضو اور غسل کی ضرورت ہو تو غسل کیا جائے اس کے بعد تیمّم کیا جائے۔ (۱۵) اگر وہ عذر جس کی وجہ سے تیمّم کیا گیا ہے آدمیوں کی طرف سے ہو تو جب وہ عذر جاتا رہے تو جس قدر نمازیں اس تیمّم سے پڑھی ہیں سب کو دوبارہ پڑھنا چاہئے۔ مثلاً کوئی شخص جیل میں ہو اور جیل کے ملازم اس کو پانی نہ دیں یا کوئی شخص اس سے کہے کہ اگر تو وضو کرے گا تو میں تجھ کو مار ڈالوں گا۔ (۱۶) ایک جگہ سے اور ایک ڈھیلہ سے چند آدمی یکے بعد دیگر تیمّم کریں تو درست ہے۔ (۱۷) جو شخص پانی اور مٹی دونوں پر قادر نہ ہو خواہ پانی یا مٹی نہ ہونے کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے تو اس کو چاہئے کہ نماز بلا طہارت پڑھ لے پھر اس نماز کو طہارت سے لوٹا لے مثلاً کوئی شخص ریل میں سوار ہے اور نماز کا وقت ہو گیا مگر نہ تو پانی موجود ہے کہ وہ وضو کرے اور نہ مٹی یا اس قسم کی کوئی دوسری چیز ہے جس سے وہ تیمّم کر سکے ادھر نماز کا وقت بھی ختم ہوا جا رہا ہے تو اسے چاہئے کہ ایسی حالت میں بلا طہارت نماز پڑھ لے۔ اسی طرح کوئی شخص جیل میں ہو اور وہ پاک مٹی پر قادر نہ ہو تو وہ بے وضو اور بے تیمّم نماز پڑھ لے گا مگر ان دونوں صورتوں میں نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ حُذَیْفَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فُضِّلْنَا عَلَی النَّاسِ بِثَلٰثٍ جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا
حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتوں کے ساتھ ہم کو لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ ہماری صفیں فرشتوں
کَصُفُوْفِ الْمَلٰئِکَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ کُلُّهَا مَسْجِدًا وَّجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا اِذَا لَمْ نَجِدِ
کی صفوں کی مانند شمار کی گئی ہیں اور تمام زمین ہمارے لئے مسجد بنادی گئی ہے اور اس کی مٹی ہمارے لئے پاک کرنے والی ہے جس وقت ہم پانی نہ
الْمَآءَ. (صحیح مسلم)
پائیں۔ روایت کیا اس کو مسلم نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ تیمم اس امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے اور وضو یہ اس امت کی خصوصیت نہیں البتہ اس وضوء پر مرتب ہونے والے اثرات اس امت کی خصوصیت ہے۔ باقی اس حدیث کے اندر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین خصوصیتیں ذکر کی ہیں۔ ان تین کا ذکر بطور حصر کے نہیں۔ تقریباً ۳۰ خصوصیات بیان کی گئی ہیں جس مقام پر جس خصوصیت کو مناسب سمجھا ان کو بیان کر دیا واللہ اعلم۔

وَعَنْ عِمْرَانَؓ قَالَ کُنَّا فِیْ سَفَرٍ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی بِالنَّاسِ فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلٰوتِهٖ
حضرت عمرانؓ سے روایت ہے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب اپنی نماز
اِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُّعْتَزِلٍ لَّمْ یُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَا مَنَعَکَ یَا فُلَانُ اَنْ تُصَلِّیَ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ اَصَابَتْنِیْ
سے فارغ ہوئے ایک آدمی کو دیکھا وہ الگ بیٹھا ہے اس نے لوگوں کیساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھے کس چیز نے روکا ہے
جَنَابَةٌ وَّلَا مَآءَ قَالَ عَلَیْکَ بِالصَّعِیْدِ فَاِنَّهٗ یَکْفِیْکَ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
کہ تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھے اے فلاں آدمی اس نے کہا مجھ کو جنابت پہنچی ہے اور پانی نہیں ہے فرمایا کہ لازم پکڑ تو مٹی پس وہ کافی ہے تجھ کو۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عمرانؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پس جب نماز سے فارغ ہوئے تو ایک آدمی الگ تھلگ بیٹھا ہوا تھا اس نے قوم کے ہمراہ نماز نہیں پڑھی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا مجھے کس چیز نے نماز پڑھنے سے روکا ہے اس نے عرض کیا مجھے جنابت لاحق ہوگئی ہے اور میرے پاس پانی نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لازم پکڑ مٹی کو یہ تجھے کافی ہو جائے گی۔ یعنی تیمم کرلے۔ جنبی کے لئے تیمم کے جواز پر اتفاق ہے۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو طریقہ نہیں بتلایا۔ بس اشارہ کر دیا کہ جو حدث اصغر کے لئے جو طریقہ ہے وہی حدث اکبر کے لئے ہے۔ کوئی فرق نہیں۔

وَعَنْ عَمَّارٍؓ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی عُمَرَؓ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنِّیْ اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ الْمَآءَ فَقَالَ عَمَّارٌ
حضرت عمارؓ سے روایت ہے ایک آدمی عمر بن خطابؓ کے پاس آیا پس کہا۔ تحقیق میں جنبی ہوا میں نے پانی نہ پایا۔ عمارؓ نے
لِعُمَرَؓ اَمَا تَذْکُرُ اَنَّا کُنَّا فِیْ سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّکْتُ فَصَلَّیْتُ فَذَکَرْتُ
عمرؓ کو کہا کیا آپؓ کو یاد نہیں ہم ایک مرتبہ سفر میں تھے میں اور آپؓ پس آپؓ نے نماز نہ پڑھی۔ میں خاک میں لوٹا اور نماز پڑھی۔
ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا کَانَ یَکْفِیْکَ هٰکَذَا فَضَرَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
میں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ذکر کی آپ نے فرمایا تجھ کو صرف اتنا ہی کافی تھا۔

وَسَلَّمَ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهُ وَفِيْهِ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا پھر اس میں پھونک ماری۔ پھر اپنے منہ اور دونوں ہاتھوں پر مسح کیا۔ روایت کیا اس کو بخاری نے
قَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ اَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ الْاَرْضَ ثُمَّ تَنْفُخَ ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ وَكَفَّيْكَ.
اور مسلم کیلئے اسی طرح ہے اور اس میں ہے تجھ کو کافی تھا کہ دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارتا پھر ان میں پھونک مارتا اور اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کر لیتا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ فتمعکت۔ ''لوٹ پوٹ کی میں نے مٹی میں'' یہ حدیث حدیث عمارؓ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت عمارؓ کہتے ہیں ایک شخص حضرت عمر بن الخطابؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ مجھے جنابت لاحق ہوگئی ہے پانی نہیں ہے میں کیا کروں میرے بارے میں کیا حکم ہے۔ تو یہاں تو حضرت عمرؓ کا جواب مذکور نہیں دوسری روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس رجل کو کہا تمہارے لئے تیمم کرنا جائز نہیں۔ جب تک پانی نہ پاؤ نماز نہیں پڑھ سکتے جب عمرؓ نے یہ عدم جواز تیمم کا فتویٰ دیا تو حضرت عمارؓ نے اپنا پچھلا پیش آنے والا واقعہ یاد دلایا۔ کہ آپ کو یاد ہے میں اور تم دونوں سفر میں تھے اور ہم دونوں کو جنابت لاحق ہوگئی۔ تو آپؓ نے نماز نہ پڑھی میں نے یہ خیال کیا کہ جیسے وجود ماء کی حالت میں سارے جسم کا غسل ضروری ہوتا ہے اسی طرح عدم وجود ماء کی حالت میں سارے جسم کا تیمم ضروری ہوگا تو میں نے سارا جسم مٹی سے بھرا۔ میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہوا اور میں نے نماز پڑھی اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مٹی میں لوٹ پوٹ ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ بس یوں تیمم کر لیتے تو کافی ہو جاتا اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً تیمم کا طریقہ بتلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ایک مرتبہ ہاتھ زمین پر مارا اس کو چہرہ مبارک پر ملا (مسح کیا) اور دوسری ضرب لگائی اس سے یدین کا مسح کیا الی المرفقین۔

سوال:۔ جب جنبی کے لئے تیمم جائز تھا تو حضرت عمرؓ نے اس کو تیمم کی اجازت کیوں نہ دی؟

جواب۔ حضرت عمرؓ کے ہاں بھی تیمم جائز تھا لیکن اس کے باوجود تیمم کی اجازت نہیں دی۔ سداً للباب الفساد تا کہ جنبی لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہانے بنا کر معمولی اعذار کی بناء پر تیمم نہ شروع کر دیں۔ سوال۔ جب حضرت عمارؓ نے پچھلا واقعہ یاد دلایا تو حضرت عمرؓ نے کیا کہا۔

جواب۔ یہاں تو مذکور نہیں بعض دوسری روایات میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا عمارؓ خدا سے ڈرو کیا کہہ رہے ہو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو واقعہ یاد نہ آیا لیکن صحیح یہ ہے کہ واقعہ یاد تھا لیکن فتویٰ نہ دیا سداً للباب الفساد۔ اس حدیث کے متعلق مسائل میں سے سب سے پہلا اہم مسئلہ یہ ہے۔

مسئلہ-۱: تیمم میں کتنی چیزیں ہیں۔ ضربة واحدة یا ضربتین۔ عند الجمہور ضربتین اور عند الحنابلہ ضربة واحدة۔

دوسرا اہم مسئلہ:۔ یدین کے تیمم میں مقدار ممسوح کتنی ہے؟ جمہور کے نزدیک الی المرفقین یعنی کہنیاں سمیت اور حنابلہ کے نزدیک الی الرسغین پہنچوں تک مقدار مسح ہے۔

جمہور کی دلیل ان دونوں مسئلوں میں دلیل (۱) دلیل نمبر باب فی مخالطة الجنب ص ۵۰ حدیث نافعؒ ہے ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدیه علی الحائط و مسح بهاوجهه، ثم ضرب ضربةً فمسح ذراعیه۔ اس سے معلوم ہوا کہ تیمم میں ضربتیں ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ممسوح مرفقین تک ہے۔ اس لئے کہ اس میں ذراع کا لفظ ہے اور ذراع کا اطلاق مرفقین تک ہوتا ہے۔

دلیل-۲: طحاوی میں حدیث جابرؓ کی مرفوع روایت ہے جس میں التیمم ضربتان ضربة للوجه و ضربة للیدین الی المرفقین کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ دلیل-۳: حدیث اسلعؓ نے یہ بھی طحاوی میں ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسلع کو دو ضربوں کا حکم دیا اور ضرب ثانی میں ذراعین تک کا حکم دیا۔

دلیل-۴: عقلی دلیل۔ وجود ماء کی حالت میں وجہ کے لئے مستقل ماء ہے اور یدین کے لئے مستقل ماء ہے تو عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عدم وجود ماء کی حالت میں وجہ کے لئے مستقل ضرب اور یدین کے لئے مستقل ضرب ہو۔ نیز وضو کا تعلق چار اعضاء کے ساتھ ہے اور

تیمّم میں دو اعضاء بالکلیہ ساقط ہیں اب ہم دیکھتے ہیں کہ وجہ وجود ماء کی صورت میں جتنی مقدار طولاً عرضاً غسل واجب تھا راس اور رجلین اتنی ہی مقدار عدم وجود ماء کی حالت میں اتنی ہی مقدار ضروری ہے۔ اس سے ایک اصول معلوم ہوا کہ عدم وجود ماء کی حالت میں جو عضو ساقط ہوا وہ بتمامہ ساقط ہوا اور جو عضو باقی ہے وہ بتمامہ باقی ہے اور اس پر تو اجماع ہے کہ اس کا عدم وجود ماء کی حالت میں یدان کا حکم باقی ہے لہذا وجہ پر قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ پورا مرفقین تک تیمّم ہو۔ یدان کی جتنی مقدار وجود ماء کی حالت میں غسل تھا اتنی ہی مقدار عدم وجود ماء کی حالت میں تیمّم ہوگی۔ اور وجود ماء کی حالت میں الی المرفقین تک غسل تھا لہذا تیمّم بھی الی المرفقین تک ہوگا۔

حنابلہ کی دلیل۔ دونوں مسئلوں میں یہی حدیث عمارؓ ہے۔ اس میں ایک ضرب کا ذکر ہے اور اس میں کف کا لفظ آیا ہے اور کف کا اطلاق راغ تک ہوتا ہے۔

جوابات من جانب الجمھور۔ جواب-۱: حدیث عمارؓ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود طریقہ تیمّم کی تعیم نہیں بلکہ طریقہ تیمّم کی تذکیر مقصود ہے یعنی جو طریقہ پہلے سے سائل کو معلوم تھا اس کی یاددہانی ہے کہ جو طریقہ تیمّم کا حدث اصغر کے ازالہ کا ہے وہی حدث اکبر کے ازالہ کا ہے۔

جواب-۲: یہ ضرب ثانی کے لئے نافی ہے اور دوسری احادیث مثبت للزیادۃ ہیں اور اسی طرح یہ حدیث خفین سے آگے مرفقین تک کے لئے نافی ہے اور دوسری احادیث مثبت ہیں اور یہ زیادتی زیادۃ الثقہ کی قبیل سے ہے ایسی حدیث میں مثبت للزیادۃ کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب-۳: اور نیز احتیاط کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ دو ضربیں ہوں اور مسح الی المرفقین تک ہو اس لئے کہ اگر واقع میں دو ضربیں ہوں اور آپ نے ایک ضرب ماری تو تیمّم تو نہ ہوگا اور اگر واقع میں ایک ہو آپ نے دو ماریں تو اس میں کیا حرج ہے۔ تیمّم تو ہو جائے گا۔ اور اسی طرح اگر واقع کے اندر الی الرسغین تک نہ ہو بلکہ مرفقین تک مسح ہو آپ نے رسغین تک مسح کیا تو فرض تو ادا نہ ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر الی الرسغین ہوں۔ آپ نے الی المرفقین مسح کرلیا تو کوئی گناہ کا کام تو نہیں کیا۔ فرض بھی ادا ہو جائے گا جن احادیث میں احتیاطی پہلو ہو وہ راجح ہوتی ہیں۔ بس معلوم ہوا کہ احتیاط اسی میں ہے کہ دو ضربیں ہوں اور مسح الی المرفقین ہو۔

جواب-۴: نیز حدیث عمارؓ خلاف قیاس ہے (وجہ ظاہر ہے) اور دوسری احادیث موافق قیاس ہیں لہذا موافق قیاس کو ترجیح ہوگی۔

دوسری دلیل نیز حنابلہ کی ایک دوسری دلیل ہے اس بات پر کہ یدین کا مسح رسغین تک ہے۔ قرآن پاک میں ایدی کا لفظ آیا ہے۔ فتیمموا صعیداً طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم اور غایۃ مذکور نہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں جہاں ایدی کا لفظ مطلق آیا ہے اس میں غایت مذکور نہیں۔ اس کا مصداق کیا ہے۔ مثلاً والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما۔ تو یہاں بالاجماع الی الرسغ ہے تو آیت تیمّم میں بھی اس کی غایۃ مذکور نہیں تو یہاں بھی اس کا مصداق الی الرسغ ہوگا۔

اس دلیل کا جواب۔ فاقطعوا الخ قطع ید کا تعلق حدود کے ساتھ ہے اور حدود کے اندر ماامکن جتنا ہو سکے ساقط کیا جاتا ہے اور کم از کم قطع کیا جائے اور آیت تیمّم کا تعلق عبادت کے ساتھ ہے اور از قبیل طہارت ہے۔ اور طہارت کے اندر احتیاط کرنی چاہئے اور احتیاط اسی میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس پر تعمیم کیا جائے۔ ہر مقام کو اس کا حق دینا چاہئے۔

وَعَنْ اَبِی الْجُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ قَالَ مَرَرْتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یَبُوْلُ

حضرت ابوالجہیم بن حارث بن صمہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کر رہے تھے میں نے سلام کہا

فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیَّ حَتّٰی قَامَ اِلٰی جِدَارٍ فَحَتَّهٗ بِعَصًا کَانَتْ مَعَهٗ ثُمَّ وَضَعَ یَدَیْهِ عَلَی الْجِدَارِ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ ایک دیوار کی طرف کھڑے ہوئے اسے لاٹھی کے ساتھ کھرچا جو ان کے پاس تھی پھر دیوار پر دونوں ہاتھ

فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَیْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَیَّ (وَلَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَلَا فِی کِتَابِ الْحُمَیْدِیِّ

رکھے۔ اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا۔ پھر مجھ کو سلام کا جواب دیا۔ صاحب مشکوۃ نے کہا میں نے یہ حدیث صحیحین میں اور حمیدی کی کتاب میں نہیں پائی۔

وَلٰکِنْ ذَکَرَہٗ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ.
لیکن اس کومحی السنہ نے شرح میں ذکر کیا ہے اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔اس حدیث کا مضمون ماقبل میں گزر چکا اور سوال و جواب بھی گزر چکے۔ یہاں پر ایک اشکال اور اس جواب کا ذکر ہوگا۔

اشکال:۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاٹھی کے ذریعہ دیوار کو کیوں کھرچا اس سے تو دیوار بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ جواب (۱): ممکن ہے وہ دیوار گری ہوئی ہو نہ تو دیوار کو نقصان پہنچا ہو اور نہ مالک ناراض ہوا ہو۔

جواب (۲) یا ممکن ہے وہ دیوار ایسے شخص کی ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''حت بعصا'' کی وجہ سے اس کا مالک خوش ہوتا ہو۔ دیوار سے مٹی کو کیوں کھرچا تاکہ شئی من التراب کا حصول ہو سکے۔

اس مسئلے میں اختلاف ہو گیا کہ تیمم کے لئے شئی من التراب کا ہونا متیمم کے ہاتھ پر ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ شوافع کہتے ہیں شئی من التراب کا ہونا ضروری ہے احناف کہتے ہیں ضروری نہیں۔ بلکہ اگر شئی من التراب نہ ہو بلکہ شئی من جنس الارض ہو تو اس سے بھی تیمم ہو جائے گا۔

احناف کی دلیل آیت تیمم میں صعید کا لفظ اور اسی طرح علیکم بالصعید وغیرہ والی احادیث اور صعید وجہ الارض کو کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ شئی من التراب کا ہونا ضروری نہیں۔

شوافع کی دلیل یہی حدیث ہے یہ حدیث حدیث الحت کے نام سے مشہور ہے۔ یہ حت العصاء اس لئے ہوا تھا تاکہ شئی من التراب کا وصول ہو جائے۔

احناف کی طرف سے جواب-۱: اولویت پر محمول ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ شئی من التراب ہو۔

جواب-۲: یہ حت شئی من التراب کے وصول کے لئے نہیں تھا بلکہ کسی تکلیف دہ چیز کے ازالے کے لئے تھا۔

جواب-۳: حاشیہ نصیریہ میں مذکور ہے کہ اس کی سند پر بحث کی گئی ہے اس میں راوی متکلم فیہ ہے یہ اس وزن کی نہیں کہ اس سے استدلال کیا جا سکے۔ اس کی سند امام شافعیؒ سے آگے یوں بیان کی گئی ہے۔ **عن الشافعیؒ عن ابراھیم بن محمد عن ابو الحویرث عن الاعراج عن ابی الجھیم بن الحارث بن حمۃ**۔ اس میں امام شافعیؒ کے شیخ اور ان کے شیخ یعنی ابراہیم بن محمد اور ابوالحویرث ھما ضعیفان۔ یہ دونوں ضعیف ہیں۔ نیز ابراہیم بن محمد کا ابوالحویرث سے سماع ثابت نہیں نیز اس حدیث کے رواۃ میں سے کوئی راوی بھی اس حت کا اضافہ نہیں کرتا گو ہونے نہ ہونے میں تردد ہوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ
حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاک مٹی مسلمان آدمی کی طہارت ہے
یَجِدِ الْمَآءَ عَشَرَ سِنِیْنَ فَاِذَا وَجَدَ الْمَآءَ فَلْیَمَسَّہٗ بَشَرَہٗ فَاِنَّ ذٰلِکَ خَیْرٌ. (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ
اگرچہ دس سال تک اس کو پانی نہ ملے جس وقت پائے پانی اپنے بدن کو لگائے۔ پس تحقیق یہ بہتر ہے۔ روایت کیا اس کو احمد ترمذی
وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَی النِّسَائِیُّ نَحْوَہٗ اِلٰی قَوْلِہٖ عَشَرَ سِنِیْنَ)
ابوداوٗد نے اور روایت کیا نسائی نے عشر سنین تک

تشریح: حاصل حدیث:۔ مسئلہ۔ تیمم طہارت مطلقہ کاملہ ہے یا طہارۃ ضروریہ ہے۔ قول اول احناف کے

نزدیک طہارت مطلقہ ہے۔قول ثانی شوافع کے نزدیک طہارت ضروریہ ہے۔ثمرہ اختلاف اس طرح نکلے گا وقت کے دخول سے پہلے تیمم کرنیکی صورت میں طہارت حاصل ہو جائے گی یا نہیں۔احناف کے نزدیک طہارت حاصل ہو جائے گی جیسے کہ وضو سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے اس طرح تیمّم سے طہارت فاصل ہو جائے گی اور شوافع کے نزدیک طہارت حاصل نہیں ہوگی۔اس لئے کہ وقت سے پہلے طہارت ضروری نہیں۔اس حدیث سے احناف کی تائید ہوتی ہے۔اس حدیث میں عشر سنین کا لفظ بطور تمثیل کے ہے۔بیان تکثیر کے لئے ہے بیان تحدید کے لئے نہیں۔ورنہ قاعدہ شرعی یہی ہے کہ تراب مسلمان کے لئے کالماء ہے۔

قولہ فان ذالک خیر سوال۔خیر اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وجود ماء کی صورت میں وضو کرنا پانی استعمال کرنا زیادہ بہتر ہے اور وجود ماء کی صورت میں اگر تیمّم کرلیا تو نفس خیر و بہتر یہ بھی ہے حالانکہ ایسا کرنا درست ہے۔جواب یہاں اسم تفضیل اپنے اصلی معنے میں نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ مطلق خیر ہے جیسے **اصحب الجنه خیر مقاماً** میں خیر اپنے اصلی معنے میں نہیں ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ خَرَ جْنَا فِيْ سَفَرٍ فَا صَابَ رَجُلًا مِنَّا حَجَرٌ فَشَجَّهٗ فِيْ رَأْسِهٖ فَا حْتَلَمَ فَسَأَلَ اَصْحَابَهٗ
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہا کہ ہم ایک سفر میں نکلے ایک شخص کو ہم میں سے سر پر پتھر لگا اور اسے زخمی کر دیا اس کو نہانے کی حاجت ہوئی اس نے
هَلْ تَجِدُوْنَ لِيْ رُخْصَةً فِي التَّيَمُّمِ قَالُوْ امَا نَجِدُلَکَ رُخْصَةً وَاَنْتَ تَقْدِرُ عَلَى الْمَآءِ فَاغْتَسَلَ
اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا تم میرے لئے تیمم کرنے کی رخصت پاتے ہو۔انہوں نے کہا ہم رخصت نہیں پاتے جبکہ تو پانی پر قدرت رکھتا ہے اس
فَمَاتَ فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخْبِرَ بِذٰلِکَ قَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ اَلَا سَأَلُوْا اِذَا
نے غسل کیا پس وہ مر گیا۔جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اس کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے
لَمْ يَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ اَنْ يَّتَيَمَّمَ وَيُعَصِّبَ عَلٰى جُرْحِهٖ خِرْقَةً ثُمَّ يَمْسَحَ
اسے مار ڈالا اللہ انہیں مارے اگر وہ نہیں جانتے تھے تو کیوں نہ پوچھ لیا نادانی کی۔بیماری کی شفا پوچھنا ہے اس کو کافی تھا یہ کہ وہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر
عَلَيْهَا وَيَغْسِلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَطَآءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ)
کپڑا باندھتا۔پھر اس پر مسح کرتا اور تمام جسم دھو لیتا۔روایت کیا اس کو ابوداؤد نے اور روایت کیا اس کو ابن ماجہؒ نے عطاؒ بن ابی رباح عن ابن عباسؓ سے

تشریح: حاصل حدیث:۔حضرت جابرؓ نے واقعہ سنایا کہ ہم چند آدمیوں کی جماعت سفر پر نکلی ہم میں سے ایک آدمی کو پتھر لگا جس کی وجہ سے اس کو سر میں زخم ہو گیا اور اس کو احتلام بھی ہو گیا اب اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ میرے لئے کیا حکم ہے میرے تیمم کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔انہوں نے کہا کہ تجھے تیمم کی اجازت نہیں تو پانی پر قدرت رکھتا ہے بس تو غسل کر اس نے غسل کیا تو پانی کے زخم میں پہنچنے کی وجہ سے ٹھنڈک وغیرہ کی وجہ سے اس کی تاب نہ لا سکا اور مر گیا۔بس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی یہ خبر و اطلاع دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ انہوں نے اس کو مار دیا ہے کیونکہ ان کا فتویٰ دینا اس کے مرنے کا باعث بنا ہے اگر یہ فتویٰ تیمّم کا دے دیتے تو نہ مرتا۔انہوں نے کسی دوسرے بڑے عالم سے کیوں نہ پوچھ لیا جب کہ ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا۔تو فرمایا بیمار کی شفاء سوال ہے فرمایا یہ اگر تیمّم کر لیتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور باقی سارے جسم کو دھو لیتا تو یہ اس کے لئے کافی ہو جاتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فتویٰ دینے میں جلدی کرے تو عتاب غلطی کی وجہ سے کیا جائے گا۔

مسئلہ:۔اگر آدمی کا کچھ حصہ زخمی ہو اور کچھ تندرست ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔اگر اکثر حصہ جریح (زخمی) ہے اور قلیل حصہ صحیح ہے تو تیمّم ہی متعین ہے اور اگر اکثر حصہ صحیح اور قلیل حصہ جریح ہے تو غسل متعین ہے۔زخمی حصہ پر پٹی باندھے پٹی پر مسح کرے اگر مسح نہیں کر سکتا تو

چھوڑ دے اور اگر مساوی ہو تو اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ احناف کا صحیح راجح قول یہ ہے کہ تیمم کرلے البتہ تیمم مع الغسل نہیں کرسکتا۔ تیمم اور غسل کے جمع کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

سوال: اس حدیث میں تیمم اور غسل دونوں کا ذکر ہے تو جمع بین التیمم والغسل لازم آتا ہے یہ تو احناف کے خلاف ہے؟

جواب-۱: اس حدیث سے متعلق شدہ دوسری روایات میں تیمّم کا لفظ نہیں صرف غسل کا لفظ ہے معلوم ہوتا ہے یہ راوی کی زیادتی ہے راوی کا تصرف ہے۔

جواب-۲: اگر تیمّم کا لفظ بھی ہو تو پھر یہاں واؤ اور کے معنے میں ہے مطلب یہ ہے کہ تیمم کرے یا غسل کرے۔ دونوں میں سے ایک کرے۔

جواب-۳: یہ حدیث سنداً وزنی نہیں کہ اس سے استدعا کیا جاسکے۔ اس میں ایک راوی زبیر بن فریق نامی ہیں لہذا یہ حدیث سنداً ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں خصوصاً یہ مخالف قیاس بھی ہے کیونکہ اس صورت میں عوض اور معوض عنہ کا اجتماع لازم آتا ہے۔

سوال۔ جہالت کا مقابل تو علم ہے سوال تو نہیں۔ جواب:۔ چونکہ سوال ذریعہ ہے علم کا اس لئے سوال کو ذکر کردیا۔ شفاء بیماری کے لئے ہوتی ہے معلوم ہوا جہالت مرض ہے اور علم حاصل کرنا اس کی دوا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ خَرَجَ رَجُلَانِ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ وَلَیْسَ مَعَهُمَا مَآءٌ فَتَیَمَّمَا
حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہا کہ دو آدمی سفر پر نکلے نماز کا وقت آیا ان کے پاس پانی نہ تھا۔ انہوں نے تیمم کیا مٹی پاک سے
صَعِیْدًا طَیِّبًا فَصَلَّیَا ثُمَّ وَجَدَا الْمَآءَ فِی الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُ هُمَا الصَّلٰوةَ بِوُضُوْءٍ وَلَمْ یُعِدِ الْاٰخَرُ ثُمَّ
اور نماز پڑھ لی پھر وقت کے اندر ہی انکو پانی مل گیا ایک شخص نے وضو کرکے نماز دہرالی اور دوسرے نے نہ دہرائی۔ پھر
اَتَیَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَا ذٰلِكَ فَقَالَ لِلَّذِیْ لَمْ یُعِدْ اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَأَتْكَ
دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس بات کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا جس نے نماز نہیں دہرائی تھی
صَلَاتُكَ وَقَالَ لِلَّذِیْ تَوَضَّأَ وَ اَعَادَ لَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَیْنِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِیُّ رَوَی وَالنَّسَائِیُّ
تو نے سنت پالی ہے اور تیری نماز نے تجھے کفایت کی اور اس شخص کیلئے فرمایا جس نے وضو کرکے نماز دہرائی تھی تجھ کو دہرا اجر ہے روایت کیا اس کو
نَحْوَهٗ وَ قَدْرَوٰی هُوَ وَاَبُوْدَاوُدَ اَیْضًا عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ مُرْسَلًا)
دارمی نے اور روایت کیا نسائی نے اسی طرح اور روایت کیا ہے اس نسائی نے اور ابوداؤد نے عطاء بن یسار سے مرسل

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں کل چار صورتیں ہیں۔

۱- وقت کے داخل ہونے کے بعد عدم وجود ماء کی صورت میں تیمم کیا اور نماز شروع نہیں کی کہ ماء پر قادر ہو گیا۔

۲- وقت کے دخول کے بعد عدم وجود ماء کی حالت میں تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی تو وقت کے بعد وجود ماء پر قادر ہوا

۳- وقت کے اندر تیمم کیا نماز کے دوران وجود ماء پر قادر ہو گیا۔

۴- نماز سے فارغ ہونے کے بعد وقت کے اندر اندر وجود ماء پر قادر ہو گیا۔

پہلی صورت میں بالاجماع تیمم باطل ہے۔

دوسری صورت میں بالاجماع نماز کا اعادہ نہیں

تیسری صورت میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک تیمم باطل ہے۔ اور شوافع کے نزدیک تیمم جائز ہے۔

چوتھی صورت میں نماز کا اعادہ نہیں حدیث میں تیسری صورت مذکور ہے۔ اب جس شخص نے نماز کا اعادہ کیا اس کو فرمایا ایک فرض ادا

کرنے کی وجہ سے اور دوسرا نفل پڑھنے کی وجہ سے تو دہرے اجر کو پالیا۔لیکن یہ اس وقت کا قصہ ہے کہ ابھی تک احکام شرع میں تقریر نہیں ہوئی تھی ان کو معلوم نہیں تھا۔اس زمانے میں اب اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو دوہرا اجر نہیں ملے گا۔اس لئے کہ جہالت عذر ختم ہوگئی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

وَعَنْ اَبِی الْجُهَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ قَالَ اَقْبَلَ النَّبِیُّ مِنْ نَحْوِبِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِیَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ فَلَمْ
حضرت ابوالجہیم بن حارث بن صمہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمل کنویں کی طرف سے تشریف لائے۔ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اس نے
یَرُدَّ النَّبِیُّ حَتّٰی اَقْبَلَ عَلَی الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَیَدَیْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
سلام کہا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب نہ دیا۔یہاں تک کہ دیوار کے پاس آئے اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کیا۔پھر سلام کا جواب دیا۔

تشریح: اس کا مضمون ماقبل میں گزر چکا ہے۔جمل ایک جگہ کا نام ہے۔

وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ اَنَّهٗ کَانَتْ یُحَدِّثُ اَنَّهُمْ تَمَسَّحُوْا وَهُمْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے مٹی سے تیمم کیا اس حال میں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔
بِالصَّعِیْدِ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ فَضَرَبُوْا بِاَکُفِّهِمُ الصَّعِیْدَ ثُمَّ مَسَحُوْا بِوُجُوْهِهِمْ مَسْحَةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَادُوْا
نماز فجر کے لئے اپنے ہاتھ مٹی پر مارے اپنے چہروں کا مسح کیا۔ایک مرتبہ پھر دوبارہ اپنے ہاتھ مٹی میں مارے۔
فَضَرَبُوْا بِاَکُفِّهِمُ الصَّعِیْدَ مَرَّةً اُخْرٰی فَمَسَحُوْا بِاَیْدِیْهِمْ کُلِّهَا اِلَی الْمَنَاکِبِ وَالْاٰبَاطِ مِنْ بُطُوْنِ
پھر اپنے ہاتھوں پر کندھوں اور بغلوں تک مسح کیا ہاتھوں کے اندر کی جانب سے روایت کیا اس کو
اَیْدِیْهِمْ. (رواہ ابوداؤد)
ابوداؤد نے۔(ابوداؤد)

تشریح: حاصل حدیث:۔تمسحوا بمعنی تیمموا۔اس حدیث میں ہے کہ ہاتھوں کا تیمم ظہور کے اعتبار سے مناکب تک اور بطون کے اعتبار سے رباط تک تھا۔حالانکہ ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔البتہ امام زہری تابعین میں سے ہیں ان کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ اس کے قائل تھے۔

جواب فعلوا مافعلوا باجتهاد هم انہوں نے یہ ہاتھوں کا تیمم اپنے اجتہاد سے کیا تھا۔ابھی صرف تیمم کا حکم نازل ہوا تھا۔ابھی کیفیت اور طریقہ تیمم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا تھا۔نیز قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ ماوراء المرفقین ساقط ہو کیونکہ وجود ماء کی صورت میں ماوراء المرفقین ساقط ہیں تو عدم وجود کی حالت میں تو بطریق اولی ساقط ہونا چاہئے اس لئے کہ تیمم کی بناء تو تخفیف پر ہے تیمم میں سہولت ہے کیونکہ اس میں تو اعضاء مغسولہ بھی ساقط ہورہے ہیں تو زائد پر کیسے تیمم جائز ہے۔اور نیز یہ خلاف قیاس ہے اور الی المرفقین والی احادیث موافق قیاس ہیں۔لہذا موافق قیاس کو ترجیح ہوگی۔

بَابُ الْغُسْلِ الْمَسْنُوْنِ
غسل مسنون کا بیان
اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَ اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ
حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آئے تم میں سے کوئی ایک جمعہ کیلئے۔ پس چاہیے کہ غسل کرے۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس پر اجماع ہے ائمہ اربعہ کا جمعہ کے دن غسل واجب نہیں ہے اور جن احادیث کے اندر امر کے صیغے آئے ہیں یا واجب کے الفاظ آئے ہیں وہ سب کے سب استحباب علی وجہ التاکید پر محمول ہیں۔ یعنی جمعہ کا غسل علی وجہ التاکید مستحب ہے۔ وجوب غسل الجمعہ کا کوئی بھی قائل نہیں۔ یہاں واجب بمعنی ثابت ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ
حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن غسل کرنا
عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
ہر بالغ پر واجب ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَّغْتَسِلَ فِیْ كُلِّ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر حق ہے کہ غسل کرے
سَبْعَةِ اَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيْهِ رَاْسَهٗ وَجَسَدَهٗ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
ہر سات دن کے بعد ایک دن اس میں اپنے سر اور بدن کو دھوئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا
حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن وضو کیا پس فرض ادا کیا اور خوب فرض
وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ. (رواہ احمد بن حنبل و ابو داؤدو الترمذی و النسائی والدارمی)
ہے۔ اور جس نے غسل کیا پس غسل افضل ہے روایت کیا اس کو احمد ابو داؤد ترمذی نسائی دارمی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہ حدیث نص ہے یہ کہ جمعہ کا غسل مستحب ہے نہ کہ واجب اگر واجب ہوتا تو نعمت سے تعبیر نہ کرتے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ.
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مردہ کو نہلائے پس چاہیے کہ غسل کرے

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ زَادَ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤُدَ وَ مَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ)
روایت کیااس کوابن ماجہ نے اور زیادہ کیا احمد نے اور ترمذی نے اور ابوداؤد نے اور جو کوئی اسے اٹھائے پس چاہئے کہ وضو کرے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔اس حدیث میں ہے کہ غاسل میت کو غسل دے ائمہ اربعہ کا اس پر اجماع ہے کہ غاسل میت کے حق میں غسل واجب نہیں بلکہ مستحب ہے پھر استحباب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ہاتھوں کا غسل کرے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ غسل کر لے۔

دوسرا مسئلہ حامل میت کے بارے میں بھی اجماع ہے کہ اس کے حق میں بھی وضو واجب نہیں۔ (ناقض للوضوء نہیں) بلکہ وضو کرنا مستحب ہے باقی یہ مستحب کیوں ہے۔اس میں حکمت یہ ہے کہ میت کو غسل دینے سے اور میت کو اٹھانے سے وحشت و دہشت طاری ہو جاتی ہے۔تو اس وحشت و دہشت کا علاج یہ کیا کہ شریعت نے وضو اور غسل کے ذریعہ سے۔غسل اور وضو کے ذریعہ طبیعت میں نشاط پیدا ہو جاتی ہے فرحت پیدا ہو جاتی ہے اور نیز نظافت بھی حاصل ہو جائیگی۔اگر کہیں غسالہ میت کے قطرات لگ گئے ہوں تو اس کا ازالہ بھی ہو جائے گا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْتَسِلُ مِنْ اَرْبَعٍ مِنَ الْجَنَابَةِ وَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمِنَ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا چار چیزوں سے غسل کرنے کا جنابت سے جمعہ کے دن سینگی کھچوانے سے
الْحِجَامَةِ وَمِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ. (رواہ ابوداؤد)
اور میت کے غسل دینے سے روایت کیا اسکو ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔قولہ کان یغتسل ای یامر بالاغتسال۔یہ تعبیر اس لئے اختیار کرنے کی ضرورت پڑی کہ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قسم رابع بالفعل ثابت نہیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں کی وجہ سے غسل کا حکم دیتے تھے۔

(۱) جنابت کی وجہ سے (۲) حجامۃ کی وجہ سے اس سے مراد پچھنے لگوانا ہے (۳) یوم الجمعۃ کی وجہ سے

(۴) غسل میت کی وجہ سے۔لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ جنابت سے غسل واجب اور باقی تینوں صورتوں میں مستحب ہے۔

وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ اَنَّهُ اَسْلَمَ فَاَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّغْتَسِلَ بِمَآءٍ وَسِدْرٍ.
حضرت قیس بن عاصمؓ سے روایت ہے کہ وہ مسلمان ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ بیری کے پتوں اور پانی کیساتھ غسل کرے۔روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

(رواه الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

تشریح: حاصل حدیث:۔قولہ اسلم ای اراد ان اسلم۔اسلام لانے کا ارادہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل کرو۔

جمہورؒ کے نزدیک اسلام لانے کے لئے غسل مستحب ہے واجب نہیں اور حنابلہ کے نزدیک واجب ہے دلیل دونوں کی یہی ہے فامرہ کی کیفیت مختلف ہے۔جمہورؒ کے نزدیک امر استحباب کے لئے اور حنابلہ کے نزدیک وجوب کے لئے ہے اس غسل میں حکمت یہ ہے کہ اسلام لانے سے طہارت قلبی حاصل ہوگی تو طہارت قلبی سے پہلے طہارت ظاہری حاصل ہوگی تو ظاہر کا باطن پر اثر پڑتا ہے۔ہاں اگر جنابت کی حالت میں کوئی مسلمان ہوا تو اس کو وجوبی طور پر حکم دیا جائے گا کہ غسل کرے۔اس جنبی کے لئے غسل کرنا بالاتفاق واجب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ اِنَّ اُنَاسًا مِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ جَاءُوْا فَقَالُوْا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اَتَرَى الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ
حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے اہل عراق کے کچھ آدمی آئے اور کہنے لگے اے ابن عباسؓ کیا تیرے خیال میں جمعہ کے دن غسل کرنا

وَاجِبًا قَالَ لَا وَلٰكِنَّهُ اَطْهَرُ وَ خَيْرٌ لِّمَنِ اغْتَسَلَ وَمَنْ لَمْ يَغْتَسِلْ فَلَيْسَ عَلَيْهِ بِوَاجِبٍ وَ سَأُخْبِرُكُمْ
واجب ہے کہا نہیں لیکن بہت پاک کرنے والا اور بہتر ہے جو شخص غسل کرے اور جو شخص غسل نہ کرے اس پر واجب نہیں ہے۔
كَيْفَ بَدْءُ الْغُسْلِ كَانَ النَّاسُ مَجْهُوْدِيْنَ يَلْبَسُوْنَ الصُّوْفَ وَيَعْمَلُوْنَ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ وَكَانَ
میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ غسل کیسے شروع ہوا لوگ فقیر تھے۔ اون پہنتے اپنی پیٹھوں پر کام کرتے تھے۔ ان کی
مَسْجِدُهُمْ ضَيِّقًا مُقَارِبَ السَّقْفِ اِنَّمَا هُوَ عَرِيْشٌ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ
مسجد تنگ اور قریب چھت والی تھی۔ سوائے اس کے نہیں وہ چھپر ہی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ گرمی کے
يَوْمٍ حَارٍّ وَ عَرِقَ النَّاسُ فِيْ ذٰلِكَ الصُّوْفِ حَتّٰى صَارَتْ مِنْهُمْ رِيَاحٌ اٰذٰى بِذٰلِكَ بَعْضُهُمْ
دن نکلے اور لوگ اونی کپڑوں میں پسینہ سے تر ہوگئے۔ ان سے بو پھیلی اس کے سبب بعض نے بعض کو ایذا دی۔
بَعْضًا فَلَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الرِّيَاحَ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِذَا كَانَ
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بو محسوس کی فرمایا اے لوگو جب یہ دن آئے
هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ اَحَدُكُمْ اَفْضَلَ مَا يَجِدُ مِنْ دُهْنِهٖ وَطِيْبِهٖ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ جَآءَ
پس نہاؤ اور ایک تم میں سے ہر اپنی بہترین خوشبو لگائے اور تیل استعمال کرے ابن عباسؓ نے کہا پھر اللہ تعالیٰ نے
اللّٰهُ بِالْخَيْرِ وَ لَبِسُوْا غَيْرَ الصُّوْفِ وَكُفُوا الْعَمَلَ وَوُسِّعَ مَسْجِدُهُمْ وَ ذَهَبَ بَعْضُ الَّذِيْ
مال دیا اور اون کے علاوہ سوتی کپڑے پہننے لگے اورکام سے کفایت کیے گئے۔ مسجد کشادہ کردی گئی اور وہ چیز جاتی رہی
كَانَ يُؤْذِيْ بَعْضُهُمْ بَعْضًا مِنَ الْعِرَقِ. (رواه ابوداؤد)
جوایذا کا سبب بنتی تھی پسینہ وغیرہ سے۔روایت کیا اس کو داؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ یہ حدیث بھی نص ہے اس بات پر کہ غسل الجمعۃ مستحب ہے واجب نہیں۔

قوله' ساخبر كم میں سین تاکید کے لئے ہے استقبال کے لئے نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں تم کو خبر دیتا ہوں کہ غسل کی ابتداء کیسے ہوئی اس طرح کہ لوگ فقراء ہوتے تھے اون کے کپڑے پہن کر محنت مزدوری کرتے تھے اور **یعملون علی ظهورهم** یہ کنایہ ہے کہ خود کام کیا کرتے تھے اوران کی مسجد یعنی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تنگ تھی قریب چھت والی تھی یعنی چھتر قریب تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گرمی کے دن میں حجرہ مبارک سے ہمارے پاس تشریف لائے۔اورلوگ جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کام کررہے تھے وہ پسینہ پسینہ ہوئے تھے۔حتیٰ کہ ان کی بو بھی بعض کو تکلیف دے رہی تھی۔تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدبو کو پایا تو فرمایا اس دن یعنی جمعہ کے دن غسل کرو یہ غسل کا دن ہے۔اوراچھی خوشبو اور تیل لگاؤ جو میسر ہو۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ نے مال عطا کیا اورانہوں نے صوف کے علاوہ دوسرے کپڑے پہننا شروع کردیئے اوراب تو خدام نوکر چاکر آگئے ان سے کام کرواتے ہیں اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر بھی خوب وسیع ہوگئی اب وہ پسینہ کی بو بھی ختم ہوگئی۔مسئلہ رائحہ کریہہ کو محسوس کرنے کے بعد غسل کا حکم وجوبی تھا یا استحبابی۔اس میں دونوں احتمال ہیں۔

(۱) یہ حکم وجوبی تھا بعد میں علت کے ختم ہوجانے کے بعد وجوب کا حکم بھی ختم ہوگیا۔انتفائے حکم انتفائے علت یعنی ابتداء واجب تھا بعد میں وجوب باقی نہ رہا۔نیز یہ معلول بالعلت تھی۔(۲) ابتداء بھی حکم استحبابی تھا البتہ علی وجہ التاکید تھا۔

بَابُ الْحَیْضِ

حیض کا بیان

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ اِنَّ الْیَهُوْدَ کَانُوْا اِذَا حَاضَتِ الْمَرْاَۃُ فِیْهِمْ لَمْ یُؤَاکِلُوْهَا وَلَمْ یُجَامِعُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہا تحقیق یہود جب انکی کوئی عورت حیض والی ہوجاتی نہ ان کے ساتھ کھاتے اور نہ گھروں میں

فَسَاَلَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّبِیَّ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ

ان کے ساتھ جمع رہتے۔ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی۔ سوال کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْاٰیَۃَ (البقرہ۲۔ ۲۲۲) فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا کُلَّ شَیْءٍ اِلَّا النِّکَاحَ فَبَلَغَ

سے حیض کے متعلق آخر آیت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کروتم سب کچھ سوا اجماع کے یہ خبر یہود کو پہنچی انہوں نے

ذَالِکَ الْیَهُوْدَ فَقَالُوْا مَا یُرِیْدُ هٰذَا الرَّجُلُ اَنْ یَّدَعَ مِنْ اَمْرِنَا شَیْئًا اِلَّا خَالَفَنَا فِیْهِ فَجَآءَ اُسَیْدُ بْنُ

کہا نہیں ارادہ کرتا یہ شخص کہ ہمارے دین کے کسی امر کو چھوڑے مگر اس میں ہماری مخالفت کرتا ہے۔ اسید بن

حُضَیْرٍ وَّعَبَّادُ ابْنُ بِشْرٍ فَقَالَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْیَهُوْدَ تَقُوْلُ کَذَا وَکَذَا اَفَلَا نُجَامِعُهُنَّ فَتَغَیَّرَ وَجْهُ

حضیرؓ اور عباد بن بشرؓ آئے اور کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہود ایسا اور ایسا کہتے ہیں کیا ہم ان سے جماع بھی نہ کریں۔

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَیْهِمَا فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَتْهُمَا هَدِیَّۃٌ مِّنْ لَّبَنٍ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر خفا ہوگئے ہیں۔ وہ دونوں نکلے ان کو دودھ کا تحفہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَرْسَلَ فِیْ اٰثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا فَعَرَفَا اَنَّهٗ لَمْ یَجِدْ عَلَیْهِمَا۔ (صحیح مسلم)

کی طرف سامنے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے بھیجا پس ان کو بلایا پس ان دونوں نے جان لیا کہ آپ خفا نہیں ہوئے روایت کیا اس کو مسلم نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حیض کی تعریف:۔ حیض وہ خون ہے جو بالغہ عورت کو اس کے رحم سے آئے بغیر کسی بیماری کے اور بغیر کسی ولادت وغیرہ کے۔ زمانہ جاہلیت میں حائضہ عورت سے بڑی سختی کا معاملہ لوگ کیا کرتے تھے۔ حائضہ عورت سے الگ تھلگ رہنا سہنا اور کھانا پینا الگ کر دیتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کا کمرہ بھی علیحدہ کر دیتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے مدینہ منورہ میں یہ کام یہودی کرتے تھے تو وہاں کے مسلمان بھی اس سے متاثر تھے وہ بھی یہی کام کرتے تھے کیونکہ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ یہی عالم لوگ ہیں۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوگوں نے رجوع کیا تو لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم حائضہ سے کیا معاملہ کریں تو اللہ نے یہ آیت کریمہ اتاری ویسئلونک عن المحیض الآیۃ۔ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصنعوا کل شئی الا النکاح۔تم اپنی حائضہ عورت کے ساتھ ہر فعل مبیح کر سکتے ہو۔لیکن جماع نہیں کر سکتے کھانا پینا رہنا سہنا میل جول سلام کرنا ملامسہ حتیٰ کہ مضاجعت یعنی اس کے ساتھ لیٹ بھی سکتے ہو بجز جماع کے جماع نہیں کر سکتے۔ یہ خبر یہودیوں کو پہنچ گئی۔یہودی کہنے لگے کہ یہ شخص تو ہمارے ہر معاملہ میں مخالفت کرتا ہے۔ہم حائضہ کے ساتھ بڑی سختی کا معاملہ کرتے تھے لیکن یہ کہتا ہے کہ اس کے ساتھ کھا پی بھی سکتے ہو اور حتیٰ کہ مضاجعت بھی کر سکتے ہو الخ یہ نرمی کا معاملہ کرنے کا حکم دیتا ہے حائضہ کے ساتھ تو یہود کی یہ بات اسید بن حضیرؓ اور عباد بن بشرؓ نے سن لی یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یارسول اللہ۔یہود اس طرح اس طرح کہتے ہیں۔یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص ہماری ہر معاملہ میں مخالفت کرتا ہے۔

قولہ' افلانجامعھن ۔اس کے دو مطلب ہیں۔(۱) **پہلا مطلب**:۔کیا ہم حائضہ عورتوں سے الگ تھلگ نہ ہو جائیں کیا ہم نہ رہیں سہیں ان حائضہ عورتوں کے ساتھ۔(ای افلانساکنھن) یعنی یہود کی تالیف قلبی کے لئے ان کی موافقت کرلیں ممکن ہے وہ ایمان لے آئیں۔

(۲) **دوسرا مطلب**:۔کیا ہم جماع بھی نہ شروع کر دیں تا کہ یہود کی مخالفت مکمل ہو جائے۔اچھی طرح مخالفت ہو جائے اور یہی دوسرا معنی راجح ہے۔بعض دوسری احادیث میں افلانکحھن کے الفاظ آتے ہیں۔اس صورت میں پہلے معنے کا احتمال نہیں۔**الحدیث یفسر بعضه بعضاً**۔

قولہ' فتغیر وجه رسول الله صلی الله علیه وسلم . الخ الغرض ان کا یہ قول سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے غصہ کا سبب بنا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وجہ سے بہت سخت غصہ آیا چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔وجہ غضب پہلی صورت میں اس وجہ سے کہ حکم شرعی کا نقض تھا کہ تالیف قلبی اتنی نہ ہو کہ جس سے شرعی حکم کا نقض لازم آتا ہو وہ شرعی حکم یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ رہو سہو کھاؤ پیو الخ۔اور تم کہتے ہو کہ اس کی بجائے حائضہ عورتوں سے دور رہیں تا کہ یہود کی موافقت ہو تالیف قلبی ہو ایسا کرنا جائز نہیں اور دوسرے معنی کی صورت میں بھی نقض حکم شرعی ہے۔فرمایا یہود کی مخالفت تو ٹھیک ہے لیکن اتنی مخالفت کہ جس سے شرعی حکم کا نقض ہو وہ بھی جائز نہیں اور یہاں وہ حکم شرعی ہے کہ جماع نہ کرو۔

قولہ' فخرجا فاستقبلتھما ھدیة من لبن الی النبی صلی الله علیه و سلم ۔الخ الغرض جب انہوں نے سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو رہے ہیں تو دونوں مجلس سے اٹھ کر باہر چلے گئے یہ قیاس کرتے ہوئے کہ کہیں ہمارے سامنے موجود ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ میں اضافہ نہ ہو جائے یعنی غصہ میں استمرار نہ ہو جائے اسی اثناء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا پیالہ ہدیۃً آیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرماتے ہوئے قاصد کو بھیج کر ان دونوں کو بلایا اور وہ ان کو دے دیا فرمایا پیو۔پس انہوں نے اس کو پیا۔راوی کہتے ہیں کہ ان دونوں صحابہ نے سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غصے نہیں ہوئے یعنی غصہ میں استمرار نہیں رہا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اصنعوا کل شئی الا النکاح**۔

مسئلہ استمتاع بالحائض کا حکم۔حائضہ عورت سے کس قسم کا استمتاع جائز ہے اور کس قسم کا استمتاع جائز نہیں استمتاع کی کئی صورتیں ہیں۔(۱) استمتاع فی الفرج یہ بالاجماع حرام ہے۔اس کا مستحل کافر ہے۔(۲) استمتاع مافوق الازار۔یہ ایک اصطلاح ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے مثلاً **الصاق البدن بالبدن وضع الخد علی الخد تقبیل** وغیرہ یہ استمتاع بالاجماع جائز ہے۔

(۳) استمتاع ماتحت الازار۔یعنی ناف سے نیچے اور گھٹنوں سے اوپر فرج کے ماسوا کا جو حصہ ہے اس سے استمتاع یہ تیسری صورت فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے۔اگر کوئی استمتاع کر رہا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

پہلا قول: جمہور شیخین شوافع مالکیہ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔دوسرا قول: احناف میں سے امام محمد اور حنابلہ اس کے مباح ہونے کے قائل ہیں۔

جمہور کی دلیل (۱) احادیث اتزار (حدیث عائشہ مابعد والی) یعنی وہ احادیث جن میں حائضہ عورت کو (الصاق البدن بالبدن سے پہلے) ازار پہننے کا حکم دیا گیا اگر ماتحت الازار استمتاع جائز ہوتا تو ازار کے حکم کا کیا فائدہ۔یہ تب ہی مفید ہو سکتا ہے جب کہ استمتاع ماتحت الازار کو ناجائز قرار دیا جائے۔

دوسری دلیل:۔ فصل ثالث کی پہلی حدیث حضرت زید بن اسلمؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مایحل لی الخ کہ حالت حیض میں بیوی سے کتنی مقدار نفع حاصل کرنا میرے لئے جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو کہ اس پر اس کا ازار باندھ پھر اس کے اوپر جو کچھ چاہے کر تو یہاں بھی ازار کا حکم دیا۔ اس میں مایحل لی میں کلمہ ماؔ عموم کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تمام اشیاء و منفعتیں جو مافوق الازار جائز ہیں وہ تیرے لئے جائز ہیں۔

تیسری دلیل فصل ثانی کی دوسری حدیث معاذ بن جبلؓ اس کا مضمون بھی وہی ہے اسی طرح کا سوال کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مافوق الازار والتعفف عن ذالک افضل۔ بلکہ اس سے بھی بچنا افضل ہے۔ تو پس معلوم ہوا کہ ماتحت الازار استمتاع جائز نہیں۔ اس کو تائید کے درجے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ بطور دلیل کے نہیں اس لئے کہ اس کی اسناد میں بقوی۔ نیز قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ مافوق الازار استمتاع ہی جائز ہو نہ کہ استمتاع ماتحت الازار۔ اس لئے کہ جب ماتحت الازار استمتاع کرے گا تو ممکن ہے کہ وہ جماع تک پہنچ جائے اس لئے کہ جب شیطان آتا ہے انسان گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

امام محمد اور حنابلہ کی دلیل یہی حدیث انسؓ ہے اس میں فرمایا اصنعوا کل شئی الا النکاح اس میں النکاح وطی کے معنی میں ہے معنی یہ ہے کہ وطی کے ماسوا استمتاع کی جتنی صورتیں ہیں وہ جائز ہیں اور کل شئی میں استمتاع ماتحت الازار بھی داخل ہے پس معلوم ہوا کہ یہ بھی جائز ہے۔

جمہور کی طرف سے جواب-۱: الا النکاح کے اندر وطی کی بھی تعمیم ہے خواہ وطی حقیقی ہو یا وطی حکمی ہو اور وطی حکمی میں استمتاع ماتحت الازار داخل ہے۔ تو لہٰذا جیسے وطی حقیقی مستثنیٰ ہے اسی طرح حکمی استمتاع ماتحت الازار یہ بھی مستثنیٰ ہے۔ دیگر نصوص اس پر قرینہ بھی ہیں۔

جواب-۲: اگر مستثنیٰ نہ بھی ہو تو یہ حدیث زیادہ سے زیادہ استمتاع ماتحت الازار کے لئے صادق ہے۔ اور دوسری احادیث حدیث ازار محرم ہیں اور بوقت تعارض محرم اور مبیح میں سے محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب-۳: نیز اس حدیث انس میں افعال کے عموم کو بتلاتا ہے۔ (یعنی کھانا پینا گھروں میں رہنا سہنا وغیرہ) باقی رہا استمتاع ماتحت الازار جائز ہے یا نہیں۔ اس کے بارے میں حدیث مسکوت عنہ کے درجے میں ہے (اس میں تو ان افعال کی اباحت کو بیان کیا جن کو یہود جائز نہیں سمجھتے تھے) تو ساکت اور ناطق میں بوقت تعارض ناطق کو ترجیح ہوتی ہے۔

وَعَنْ عَآئِشَةَؓ قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَآءٍ وَّاحِدٍ وَّكِلَانَا جُنُبٌ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی برتن سے غسل کیا اور ہم دونوں جنبی تھے اور مجھ کو فرماتے
وَكَانَ يَاْمُرُنِيْ فَاَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِيْ وَاَنَا حَآئِضٌ وَّكَانَ يُخْرِجُ رَاْسَهٗ اِلَيَّ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَاَغْسِلُهٗ وَاَنَا
میں تہ بند باندھ لیتی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے مباشرت کرتے اور میں حائض ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر میری طرف نکالتے اور
حَآئِضٌ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
آپ حالت اعتکاف میں ہوتے پس میں دھوتی اس کو اور میں حائض ہوتی۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ وکان یامرنی فاتزر۔ سوال۔ کیا حضرت عائشہؓ پہلے ازار نہیں باندھے ہوئے تھیں۔ اب حکم دیا کہ ازار پہن لو حالانکہ ازار تو پہلے سے پہنا ہوا تھا تو پھر وکان یامرنی الخ کا کیا مطلب؟

جواب۔ اس کے دو مطلب ہیں (۱) ایک مطلب عام طور پر عورتوں کا ماہواری کے ایام میں لباس و ازار اور ہوتا ہے اور ایام طہر کا لباس و ازار اور ہوتا ہے۔ تو معنے یہ ہے کہ زمانہ طہارت کا ازار اتار کر زمانہ حیض کا ازار پہن لو۔ (۲) دوسرا مطلب جو ازار پہنا ہوا ہے اس کو خوب سخت مضبوطی سے کس لو یہ کنایہ ہے کہ بہت زیادہ محتاط رہو اس سے مقصود امت کو تعلیم دینی ہے۔

قولہ' فیباشرنی اس کا معنی ہے پس میرے ساتھ لیٹ جاتے تھے۔ یہاں عبارت (فاتزر) پر ایک صرفی اشکال ہے۔

سوال: صرف کا قاعدہ ہے کہ جب باب افتعال ے فاءکلمہ کے مقابلے میں ہمزہ آ جائے تو اس کو تاء کر کے تاء کو تاء میں ادغام کرتے ہیں لیکن یہ قاعدہ شاذ ہے چنانچہ اس لئے باب اتخذ کو شاذ قرار دیا گیا ہے تو یہاں ادغام نہ ہونا چاہئے تھا۔

جواب-۱: جمہور تو اسی کے قائل ہیں البتہ غالباً ابن مالک کہتے ہیں یہ اگر سماعی ہو تو یہ شاذ ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں تو حضرت عائشہؓ سے سماع ہو گیا اس میں تو شیوذ ہی نہ رہا کیونکہ حضرت عائشہؓ افصیحۃ العرب تھیں۔

جواب-۲: قواعد ہمیشہ فصحاء بلغاء کی کلام کے تابع ہوتے ہیں۔ نہ کہ فصحاء بلغاء کی کلام قواعد کے تابع ہوتی ہے۔

جواب-۳: ممکن ہے کہ یہ لفظ نچلے راوی کا ہو اور روایت بالمعنی کی قبیل سے ہو تو اس صورت میں بھی عائشہؓ کا دامن پھر بھی بچ جائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا جسم پاک ہے اور پسینہ وغیرہ لگے تو وہ بھی پاک ہے۔

اور دوسری بات حضرت عائشہؓ نے بتلائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے اپنے سر کو باہر نکالتے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھو دیتی تو اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا حالت حیض میں خاوند کی خدمت کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں سر کو مسجد سے باہر نکالنا جائز ہے اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ عرف میں اس کو خروج نہیں کہتے بلکہ اگر پاؤں نکالے تو یہ منقض للاعتکاف ہوگا کیونکہ عرف میں اس کو خروج کہتے ہیں۔

وَعَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَشْرَبُ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ میں پانی پیتی تھی اور میں حیض والی ہوتی۔ پھر وہ پانی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتی پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم
مَوْضِعِ فِيَّ فَيَشْرَبُ وَاَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ
اپنا منہ رکھتے جس جگہ میں نے منہ رکھا تھا۔ پس پیتے اور میں ہڈی چوستی اور میں حائضہ ہوتی پھر میں وہ ہڈی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی وہ اپنا منہ
فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ (صحیح مسلم)
اس جگہ رکھتے جہاں میں نے رکھا تھا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ قولہ' ثم اناولہ پھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طلب پر دے دیتی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا لعاب بھی پاک ہے۔ باقی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کرنا (یضع فاہ علی موضع فی) مسئلہ بتلانے کے لئے یا کمال محبت کی وجہ سے تھا۔ عرق کہتے ہیں پر گوشت ہڈی اور عراق کہتے ہیں بغیر گوشت والی ہڈی اور بعض نے کہا کلاھما واحد.

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَّكِئُ فِيْ حِجْرِيْ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ.
اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں تکیہ کرتے میں حائضہ ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حاصل حدیث:۔ معلوم ہوا کہ حائضہ کا جسم بھی پاک ہے اگر جسم ناپاک ہوتا تو کیا ایسا کرتے؟ کیا آدمی نجاست پر سر رکھ کر قرآن کی تلاوت کر سکتا ہے نہیں یہ ایسے کہا اس بات کو بتلانے کے لئے کہ جسم حائضہ طاہر ہے یہ ساری باتیں یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہیں تا کہ جو سختی یہود کرتے تھے ذہنوں سے نکل جائے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاوِلِيْنِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ اِنِّيْ حَائِضٌ
اور حضرت عائشہؓ نے روایت ہے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو مسجد سے چھوٹا بوریا پکڑا۔ میں نے کہا میں حائضہ ہوں۔
فَقَالَ اِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِيْ يَدِكِ. (صحیح مسلم)
فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے

تشریح: حاصل حدیث:۔اس حدیث میں خمرۃ کا لفظ آیا۔خمرۃ اتنی مقدار کپڑا جس پر زیادہ سے زیادہ آدمی سجدہ کر سکے پھر وسعت کر کے مصلے پر بولا جاتا ہے جس پر ایک آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکے۔اور جس پر کئی آدمی نماز پڑھ سکیں اس کو حصیر کہتے ہیں۔یہاں خمرۃ بمعنی حصیر کے ہے مجازاً۔

قولہ'حیضتک یہ لفظ کیا ہے۔بالفتح یا بالکسر۔بالفتح ہو تو اس کا معنی ہے دم حیض۔بالکسر ہو اس کا معنی ہے دم حیض کے جریان کی وجہ سے اور سیلان کی وجہ سے جسم میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کیفیت کا نام حیض ہے۔امام نوویؒ نے بفتح دال کو لیا حضرت عائشہؓ یہ سمجھے ہوئے تھیں کہ جس طرح حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی اسی طرح بدن کا کوئی حصہ بھی ہاتھ بھی داخل نہیں کر سکتی۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سمجھائی کہ صرف ہاتھ داخل کرنے کو شرعاً دخول فی المسجد نہیں کہتے۔یہ دخول فی المسجد نہیں سمجھا جاتا جبکہ پورے بدن کو داخل نہ کرے وجہ فرق عرف ہے۔عرف میں عضو کے داخل کرنے کو دخول فی المسجد نہیں کہتے۔

قولہ' من المسجد۔اس کا متعلق کیا ہے۔اس میں دو احتمال ہیں۔(ا)من المسجد کا متعلق ناولینی ہو اسی صورت میں معنی ناولینی الخمرۃ اخذمن المسجد ہوگا اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خارج مسجد یعنی حجرہ شریفہ میں ہوں گے اور خمرۃ مسجد میں ہوگا۔اب مطلب یہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ تیرے قریب جو مسجد میں خمرۃ پڑا ہے مصلی پڑا ہے وہ مجھے اٹھا کر دے دو اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ انا حائض حضرت عائشہؓ یہ سمجھے ہوئی تھیں کہ جس طرح جمیع بدن کا دخول فی المسجد جائز نہیں اسی طرح عضو کا دخول فی المسجد بھی جائز نہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان حیضتک لیست فی یدک اس کا حاصل یہ ہے کہ اے عائشہؓ جریان دم کی وجہ سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کے ساتھ پورے جسم کا اتصاف نہیں ہوتا ہے۔عضو کا اتصاف نہیں ہوتا۔لہٰذا تم اپنے ہاتھ کو مسجد میں داخل کر کے مجھے خمرۃ اٹھا کر دے دو کیونکہ ہاتھ کو داخل کرنے کو عرف میں دخول فی المسجد نہیں سمجھا جاتا۔

دوسرا احتمال من المسجد کا متعلق قال ہو اس کا تعلق قال کے ساتھ ہو(معنی قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حال کونہ کائنا'' فی المسجد ناولینی الخمرۃ)اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہوں گے اور خمرۃ حجرے شریفہ میں ہوگا۔اب معنی یہ ہوگا کہ اے عائشہ جو خمرۃ حجرہ میں ہے وہ مجھے اٹھا کر دے دوالخ ان دونوں معنوں میں سے پہلا معنی راجح ہے کیونکہ دوسرے معنے کی صورت میں مابعد والی عبارت کما ینبغی منطبق نہیں ہوتی۔کیونکہ جو مسجد میں موجود ہے وہ اپنے ہاتھ کو باہر نکال کر خمرہ لے سکتا ہے نہ یہ کہ وہ دوسرے کو کہے اپنا ہاتھ مسجد میں داخل کر۔واللہ اعلم بالصواب۔

سوال: پہلے احتمال پر اشکال ہوگا کہ مسجد کا ساز وسامان حجرے میں استعمال کرنا کیسے جائز ہے۔

جواب: یہ خمرۃ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی تھا۔جب مسجد میں تشریف لے جاتے تو مسجد کے اندر بچھا لیتے اور جب حجرہ میں تشریف لے آتے تو وہاں بچھا لیتے۔یہی وجہ ہے کہ حدیث میں الخمرۃ کے لفظ میں خمرۃ المسجد کے لفظ نہیں ہیں کہ یہ سمجھا جائے کہ خمرۃ مسجد کا ہی تھا۔

سوال:۔پھر کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتی اور مسجد میں ہاتھ کو داخل کر سکتی ہے۔ جواب۔دونوں میں وجہ فرق قرآن کا مس تو ہاتھ ہی سے ہوتا ہے اس لئے حکم جزو سے ہی متعلق ہوگا نہ کہ کل کے ساتھ اور بخلاف دخول کے کہ دخول کلی سے ہی ہوتا ہے۔

وَعَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ مِرْطٍ بَعْضُهُ
حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر میں نماز پڑھتے اور اس کا بعض حصہ مجھ پر ہوتا
عَلَيَّ وَبَعْضُهُ عَلَيْهِ وَاَنَا حَائِضٌ. (صحیح البخاری و صحیح مسلم)
اور بعض حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور میں حائضہ ہوتی۔

تشریح: حاصل حدیث:۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا بدن جسم پاک ہے کیونکہ نمازی کا کچھ کپڑا نجاست پر ہو اور کچھ نمازی پر ہو تو نماز جائز نہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوِ امْرَأَةً فِی دُبُرِهَا اَوْ
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی عورت کے ساتھ حیض کی حالت میں یا
کَاهِنًا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَفِی رِوَایَتِهِمَا
پیچھے سے صحبت کرے یا کاہن کے پاس جائے اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اتارا گیا ہے اس کے ساتھ کفر کیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے۔ ابن
فَصَدَّقَهُ بِمَا یَقُوْلُ فَقَدْ کَفَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ لَا نَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِیْثَ اِلَّامِنْ حَکِیْمِ الاثْرَمِ عَنْ اَبِی
ماجہ دارمی نے اور ان دونوں کی روایت میں ہے کاہن جو کچھ کہتا ہے اس کی تصدیق کرے پس وہ کافر ہوا۔ ترمذی نے کہا ہم اس حدیث کو نہیں
تَمِیْمَةَ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ)
جانتے مگر حکیم اثرم عن ابی تمیمہ عن ابی ہریرہ کی روایت ہے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ اس حدیث میں اتی کے مفعول متعدد ہیں۔

(۱) حائضا (۲) امراة فی دبرها (۳) کاهنا، چنانچہ مفاعیل مختلفہ کی بناء پر معنی بھی مختلف ہوگا۔ چنانچہ مثلاً اس کا مفعول حائضا ہو تو اتی کا معنی ہوگا جامع. اور اگر اس کا مفعول امراة فی دبرها ہو تو اس کا معنی ہوگا وطی اگر اس کا مفعول کاهنا ہو تو اس کا معنی ہوگا صدق یعنی تصدیق۔

سوال: اس صورت میں تو عموم مشترک لازم آیا جو کہ جائز نہیں۔

جواب-۱: بعض حضرات کے نزدیک عموم مشترک جائز ہے۔

جواب-۲: یہ عموم مجازہ ہے۔ اتی بمعنی تلبس کے ہے۔ پھر تلبس کے تین فرد ہیں۔ (۱) حائضہ کے ساتھ التباس جماع کی صورت میں۔ بصورت جماع (۲) عورت کے ساتھ اس کے دبر میں التباس ہو وطی کی صورت میں۔ (۳) کاھن کے ساتھ التباس بصورت تصدیق۔

جواب نمبر (۳) یا پھر ہر ایک کا عامل معمول کے مناسب محذوف مان لیا جائے۔ (۱) مثلاً حائضا کا جامع اور امراة کا وطی اور کاهنا کا صدق اس میں اشکال نہیں رہا۔ کاھن کس کو کہتے ہیں۔ نجومی اگر کوئی شخص مستقبل کی خبریں بتانے والا ہو جنات کے علم کی مدد سے تو اس کو کاھن کہا جاتا ہے۔ نجومی اگر مستقبل کی خبریں بتانے والا ہو ستاروں کے ذریعہ تو اس کو نجومی اور جو مستقبل کی خبریں بتانے والا ہو بواسطہ خطوط کے تو اس کو اقال اور جو مستقبل کی خبریں بتانے والا ہو بواسطہ علامات مخصوصہ کے تو اس کو قیاف یا قائف کہتے ہیں۔ یہاں کاھن کا حقیقی معنے مراد نہیں بلکہ مطلقاً مستقبل کی خبریں دینے والا مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایسا کرے گا فقد کفر اس نے کفر کیا۔

سوال۔ زیادہ سے زیادہ یہ گناہ کبیرہ ہیں کفر تو نہیں تو پھر فقد کفر کا کیا مطلب ہے۔ جواب:۔ اس کی کئی توجیہات ہیں۔ (۱) کفر سے مراد کفر حقیقی ہے لیکن مستحل پر محمول ہے۔ (۲) حقیقی کفر مراد ہے لیکن زجر علی وجہ المبالغہ فرمایا۔ (۳) کفر سے کفران نعمت مراد ہے۔ (۴) کفر حقیقی مراد ہے لیکن فقد فعل فعل الکافر پر۔ یہ محمول ہے یعنی اس نے کافروں جیسا کام کیا کافر نہیں ہوا۔ (۵) اس سے مراد قارب الکفر۔

وَعَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍؓ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا یَحِلُّ لِیْ مِنْ اِمْرَاَتِیْ وَهِیَ حَائِضٌ
حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول میرے لئے اور میری عورت جب حیض والی ہو کیا حلال ہے
قَالَ مَافَوْقَ الْاِزَارِ وَ التَّعَفُّفُ عَنْ ذٰلِکَ اَفْضَلُ.) رَوَاهُ رَزِیْنٌ وَقَالَ مُحْیِ السُّنَّةِ اِسْنَادُهُ لَیْسَ بِقَوِیٍّ)
فرمایا وہ چیز جو تہبند کے اوپر ہے اور اس سے بچنا افضل ہے۔ روایت کیا اس کو رزین نے محی السنہ نے کہا اس کی سند قوی نہیں ہے

تشریح: حاصل حدیث:۔اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر حائضہ عورت سے جماع ہو جائے تو آدھا دینار صدقہ کرے۔ یہ احناف کا مستدل ہے کما مر۔ الخ۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَ الرَّجُلُ بِاَهْلِهِ وَهِيَ حَائِضٌ
حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرے
فَلْيَتَصَدَّقْ بِنِصْفِ دِيْنَارٍ. (رواه الترمذی و ابوداؤد و النسائی و الدارمی و ابن ماجة)
جب وہ حیض والی ہو پس چاہیے کہ آدھا دینار صدقہ کرے۔روایت کیا اس کو ترمذی' ابوداؤد' نسائی' دارمی اور ابن ماجہ نے

تشریح: حاصل حدیث:۔اس زمانے میں آدھے دینار کی مقدار رقم صدقہ کرے وغیرہ۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ دَمًا اَحْمَرَ فَدِيْنَارٌ وَ اِذَا كَانَ دَمًا اَصْفَرَ
حضرت ابن عباسؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اگر خون حیض کا سرخ ہے پس ایک دینار اور جب زرد ہو تو
فَنِصْفُ دِيْنَارٍ. (رواه الجامع ترمذی)
نصف دینار۔روایت کیا اس کو ترمذی نے

تشریح: حاصل حدیث:۔حائضہ عورت سے جماع کے وقت اگر دم حیض سرخ رنگ کا ہے تو ایک پورا دینار صدقہ کرے اور اگر دم حیض زرد رنگ کا ہے تو آدھا دینار صدقہ کرے۔ وجہ فرق کیا ہے۔سرخ رنگ کا خون ابتدائے زمانہ حیض میں ہوتا ہے اور انتہائے زمانہ حیض میں زرد رنگ کا ہوتا ہے ابتدائے زمانہ حیض میں جرم زیادہ ہے اس لئے کہ ابھی قریبی مدت میں طہر کا زمانہ گزرا ہے ابھی حیض کا زمانہ شروع ہوا تو اس میں جماع کرتا ہے تو چونکہ وقت زیادہ نہیں گزرا اور یہ صبر نہ کر سکا۔چونکہ جرم زیادہ ہے اس لئے ایک دینار صدقہ کرے۔اور انتہائے زمانہ میں حیض میں جرم کم ہے اس لئے کہ اس کو اس سے وطی کرنے میں زمانہ زیادہ گزر چکا ہے شریعت نے اس کی رعایت کر دی کہ نصف دینار صدقہ کرے۔یا یہ کہ ابتدائے زمانہ میں حیض ضرر اور تکلیف عورت کو زیادہ ہوتی ہے اس لئے ایک دینار اور انتہائے زمانہ حیض میں تکلیف کم ہوتی ہے اس لئے نصف دینار صدقہ کرے۔

بہر تقدیر کفارہ مالی ضروری ہے یا نہیں۔کونسا امر ہے جمہور کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور حنابلہ کے نزدیک صدقہ کا حکم وجوبی ہے ان کا مستدل یہی حدیث باب ہے۔جمہورؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ حدیث سنداً وزنی نہیں ہے۔اور اس میں اضطراب بھی ہے بعض احادیث میں خمسین کے الفاظ ہیں اور بعض میں کچھ اس اضطراب کی وجہ سے جمہور کہتے ہیں یہ صدقہ کا حکم استحبابی ہے البتہ توبہ استغفار پر اجماع ہے تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مالی جرمانہ مقرر کرے تو وہ نامناسب کاموں سے بچ جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَؓ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَايَحِلُّ لِيْ مِنِ
حضرت زید بن اسلمؓ سے روایت ہے کہا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا پس کہا کیا چیز میرے لئے حلال ہے
امْرَاَتِيْ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشُدُّ عَلَيْهَا اِزَارَهَا ثُمَّ شَانُكَ
میری بیوی سے جب وہ حیض والی ہو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر مضبوطی کے ساتھ تہبند باندھ لے پھر کام
بِاَعْلَاهَا. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا)
تیرا اس کے اوپر سے ہے۔روایت کیا اس کو مالک اور دارمی نے مرسل۔

وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کُنْتُ اِذَا حِضْتُ نَزَلْتُ عَنِ الْمِثَالِ عَلَی الْحَسِیْرِ فَلَمْ یَقْرُبْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا جس وقت میں حیض ہوتی اترتی بچھونے سے بوریئے پر پس ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ ہوتیں اور
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَمْ نَدْنُ مِنْہُ حَتّٰی نَطْھُرَ. (رواہ ابوداؤد)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک نہ ہوتیں یہاں تک کہ پاک ہوجاتیں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں جب حائضہ ہوتی تو میں بستر سے چٹائی پر یا بوریا پر اتر آتی اور نہ ہم ازواج مطہراتؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اس وقت جاتی یہاں تک کہ ہم پاک نہ ہوجاتیں اس میں لم ندن یہ لم نقرب کی تاکید ہے۔

سوال اس حدیث کا ماقبل والی ساری احادیث سے تعارض ہے۔

جواب-۱: خاص قرب کی نفی ہے یعنی جماع اور جن حدیثوں میں قرب کا اثبات ہے وہ جماع کے ماسوا ہے۔ یعنی اب قرب کی دو قسمیں ہوگئی قرب جماع قرب جماع کے ماسوا اول کی نفی ثانی کا اثبات فلا تعارض۔ جواب-۲: یہ حدیث عائشہؓ منسوخ ہے اور ماقبل والی روایات ناسخ ہیں۔

جواب-۳: ازواج مطہراتؓ اپنی حالت کا بیان کر رہی ہیں کہ ہماری طرف سے معاملہ عدم قرب والا ہوتا تھا البتہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرب چاہتے تو ہم قریب ہوجاتیں (کیونکہ ہم اپنے آپ کو ان ایام حیض میں قابل قرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں سمجھتی تھیں باقی اگر دم حیض کا انقطاع پوری مدت کے بعد ہو تو بغیر غسل کے جماع کرسکتا ہے اور اگر اکثر مدت پر ہو تو پاک ہونا ضروری ہے اس کے بعد جماع جائز ہے۔

باب المستحاضۃ

مستحاضہ کا بیان

ماقبل میں دم حیض کا ذکر تھا اور اس کے بعد دم نفاس ہوتا ہے صاحب مشکوۃ نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ دم نفاس وہ خون جو بچہ کے پیدا ہونے کے بعد آئے۔ اور ایک تیسرا خون استحاضہ کا ہے۔ استحاضہ وہ خون جو دم حیض اور دم نفاس کے ماسوا ہو۔ لاولا ای لایکون حیضا ولایکون نفاساً۔ دم استحاضہ میں جو عورت مبتلا ہو اس کو مراۃ مستحاضہ کہتے ہیں۔

مراۃ مستحاضہ کا حکم۔ اس کا حکم معذور والا ہے یہ ہے کہ وقت کے آنے پر نئی طہارت حاصل کرے اور نماز وغیرہ پڑھے۔ یہ دم استحاضہ نہ صلوۃ کے لئے مانع اور نہ جماع وغیرہ کے لئے مانع ہوتا ہے۔ سب کام جائز ہوتے ہیں۔ استحاضہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس مادے سے جتنے لفظ ذکر کئے جائیں گے وہ مجہول ہوں گے لیکن معنی معروف والا کریں گے۔ صیغے مجہول معنی معروف۔ جیسے اور الفاظ بھی ایسے ہیں لفظ جن مجنون ہوگیا اور اغمی اسی طرح استحیضت حائضہ ہوگئی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ جَآءَ تْ فَاطِمَۃُ بِنْتُ اَبِیْ حُبَیْشٍ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہا کہ فاطمہ بن ابی حبیشؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہا
فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ امْرَاَۃٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْھُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلٰوۃَ فَقَالَ لَا
اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں عورت ہوں کہ استحاضہ کی جاتی ہوں اور کبھی پاک نہیں ہوتی کیا میں نماز چھوڑ دوں

اِنَّمَا ذَالِكِ عِرْقٌ وَّلَيْسَ بِحَيْضٍ فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ خون ایک رگ کا ہے حیض نہیں ہے۔ جب تیرا حیض آئے نماز چھوڑ دے اور جس وقت
عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّيْ. (صحيح البخاری و صحيح مسلم)
جاتا رہے پس اپنے سے خون دھو پھر نماز پڑھ۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی جیش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اورعرض کیا اے اللہ کے رسول میں مستحاضہ عورت ہوں۔ میں پاک نہیں ہوتی۔

سوال:فلا اطھر حالانکہ مستحاضہ تو پاک ہوتی ہے۔جواب-۱: ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا اپنے خیال کے مطابق اس نے کہا کہ میں پاک نہیں ہوتی۔

جواب-۲: یہ کہ میں حسیا پاک نہیں ہوتی۔ جسم پاک نہیں رہتا۔ جسم کے اندر ایک رگ ہوتی ہے وہ پھٹ جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ خون استحاضہ جاری رہتا ہے۔ اہل طب نے لکھا ہے کہ اس رگ کو" عاذل" کہتے ہیں۔ الغرض انہوں نے (عورت فاطمہ بنت ابی حبیش نے) سمجھا کہ جیسے دم حیض صلوٰۃ کے لئے مانع ہے اسی طرح دم استحاضہ بھی صلوٰۃ کے لئے مانع ہوگا اس لئے سوال کیا کہ میں نماز کو چھوڑ دوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نہ چھوڑ نماز کو وہ تو ایک دم عرق ہے رگ کا خون ہے۔ یہ دم حیض نہیں ہے۔ پس جب ایام حیض آئیں تو نماز کو چھوڑ دینا اور جب ایام حیض ختم ہو جائیں تو اپنے خون کو دھولے پھر اس میں نماز پڑھ لے۔

سوال۔ انقطاع دم کے بعد صرف دم کا دھونا نماز کے لئے مباح ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ غسل بھی فرض ہے۔ جبکہ حدیث سے صرف یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ دم کا دھونا کافی ہے۔

جواب-۱: چونکہ غسل جانی پہچانی چیز تھی اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔

جواب-۲: یا یہ کہ راوی کا اختیار ہے اس مضمون کی دوسری روایات جو فاطمہ بنت ابی جیش کے واقعہ سے متعلق ہیں ان میں اغتسال کا ذکر بھی موجود ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِؓ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَبِي حُبَيْشٍؓ اَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ
حضرت عروہ بن زبیر فاطمہ بنت ابی حبیشؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اسے استحاضہ آتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَاِنَّهُ دَمٌ اَسْوَدُ يُعْرَفُ فَاِذَا كَانَ ذٰلِكَ فَاَمْسِكِي عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِذَا
اسے کہا جس وقت حیض کا خون ہو تحقیق وہ خون سیاہ ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے۔ جب خون ایسا ہو تو نماز سے بندرہ اور جب
كَانَ الْاٰخَرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي فَاِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ. (رواه ابوداؤ و النسائی)
دوسرا ہو پس وضو کر اور نماز پڑھ وہ خون رگ کا ہے۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد اور نسائی نے۔

تشریح: مسئلہ (۱): دم حیض کا لون دون لون کے ساتھ اختصاص ہے یا نہیں۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ قول اول احناف ؒ کہتے ہیں دم حیض کا لون دون لون کے ساتھ اختصاص نہیں بلکہ بیاض خالص کے علاوہ ہمہ قسم کے رنگ دم حیض بن سکتے ہیں۔ خواہ احمر ہو یا اسود ہو یا اصفر ہو یا مٹیالا ہو وغیرہ۔ دوسرا قول باقی ائمہ ؒ کہتے ہیں دم حیض کا لون دون لون کے ساتھ اختصاص ہے۔ بالکل سیاہ رنگ کا خون اور بالکل سرخ رنگ کا خون دم حیض بن سکتا ہے اس کے علاوہ نہیں۔

احناف ؒ کی دلیل (۱):۔ آیت کریمہ یسئلونک عن المحیض قل ھو اذیٰ۔ اس میں دم حیض کا اذی ہونا لون دون لون کے

ساتھ کوئی مختص نہیں۔البتہ سفید رنگ کا خون دم تیقن نہیں کیونکہ وہ درحقیقت دم نہیں ہوتا بلکہ ماء ہوتا ہے۔

دلیل (۲):۔ فصل ثانی کی اخیری حدیث ابن عباسؓ۔اس حدیث میں جس طرح دم احمر کو حیض قرار دیا اسی طرح دم اصفر کو بھی حیض قرار دیا تو دم احمر کی تخصیص تو نہ رہی۔

دلیل (۳):۔ نیز قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ دم حیض لون دون لون کے ساتھ مختص نہ ہو۔اس لئے کہ غذاؤں کے بدلنے سے بھی خون کی رنگت بدلتی رہتی ہے لہذا حکم کا مناط لون پر نہیں رکھا جاسکتا۔

مسئلہ (۲):۔ کیا تمیز بالالوان کا شرعاً اعتبار ہے یا نہیں۔یعنی عورت اپنی عقل کے ذریعہ اپنے ایام حیض کے اندر جو خون ہے اس کا اور دوسرے ایام میں جو اس کو خون آتا ہے اس کے رنگ کا اعتبار ہے کہ نہیں دونوں رنگوں کے اعتبار سے دم حیض کے تمیز پر قادر ہو تو آیا اس کا اعتبار ہے یا نہیں۔احنافؒ کے نزدیک شرعاً تمیز بالالوان کا اعتبار نہیں صرف عادۃ ہی کا اعتبار ہے ایام کا اعتبار ہے۔

شوافعؒ اور مالکیہؒ کہتے ہیں کہ عادۃ کے ساتھ ساتھ تمیز فی الالوان کا بھی اعتبار ہے۔

احنافؒ کی دلیل (۱) حدیث ام سلمہؓ والی روایت جو بعد میں آنیوالی ہے۔اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مراۃ سائلہ کو عادت میں غور وفکر کرنے کا حکم دیا اور عادۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا نہ کہ بغیر استفسار کئے تمیز بالالوان پر عمل کرنے کا حکم دیا کہ آیا مراۃ سائلہ رنگت کے درمیان تمیز کرسکتی ہے یا نہیں۔تو اس سے معلوم ہوا کہ عادۃ کا ہی اعتبار ہے۔

دلیل (۲) اسی طرح حدیث عدی بن ثابت الخ اس میں بھی بغیر استفسار کے عادۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا۔اس لئے کہ شریعت میں اسی کا اعتبار ہے۔

دلیل (۳) اور نیز عادۃ کی دلالت اپنے مدلول پر قوی ہے۔جبکہ تمیز بالالوان کی دلالت اپنے مدلول پر قوی نہیں ہے۔مثلاً ایک عورت کو اکثر مدت سے زیادہ دم حیض آیا تو اس میں جو رنگ ہے جب اکثر مدت سے وہی رنگ متجاوز ہو جائے تو اس کو دم استحاضہ سمجھیں گے تو دال ہے مدلول نہیں بخلاف عادت کے اس میں دال اور مدلول دونوں اشیاء ہیں۔

دلیل (۴) بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں عادت کا اعتبار بالاجماع ہے اور تمیز بالالوان کی کوئی صورت بھی ایسی نہیں جس پر تمام فقہاء کا اجماع ہو تو ظاہر ہے کہ ایسی صورتحال کے اندر مناط عادت پر رکھنا چاہئے اس میں احتیاط ہے۔باقی دلائل آگے آرہے ہیں۔

فریق مخالف کی دلیل۔ ہر دونوں مسئلوں میں باقی ائمہ کی دلیل یہی حدیث عروۃ بن زبیر ہے۔پہلے مسئلے میں اس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت ابی حبیش کو فرمایا **فانہ اسود یعرف** دم اسود حیض ہے جانا پہچانا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ رنگت کا اعتبار ہے اور دوسرے مسئلے میں اس طرح کہ جب دم اسود حیض ہو تو یہ حیض ہے لہذا نماز سے رک جا۔تو معلوم ہوا کہ تمیز بالالوان کا شرعاً اعتبار ہے۔

احنافؒ کی طرف سے جواب-۱: اس میں یہ احتمال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مراۃ سائلہ کے دم حیض کا لون اسود میں منحصر ہونا وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا ہو اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیز بالالوان پر عمل کرنے کا حکم دیا ہو لہٰذا **فلا قیاس علیھا غیرھا**۔یہ ان کی خصوصیت ہے اس پر کسی دوسرے کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

جواب-۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا اکثر احوال کے اعتبار سے ہے۔اس وجہ سے نہیں کہ دم حیض کا تمیز مفید ہے۔

جواب-۳: فاطمہ بنت ابی حبیش کے واقعہ کی صحیح احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تمیز پر عمل کرنے کا حکم نہ دیا۔بلکہ عادۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا۔اس لئے یہ حدیث دوسری احادیث صحیحہ کے معارض پر ہے۔لہٰذا قابل استدلال نہیں۔باقی وہ صحیح روایات کونسی ہیں۔ایک تو اگلی حدیث ام سلمہؓ اس میں عادہ پر عمل کا حکم دیا۔

سوال۔اس حدیث میں مراۃ سائلہ تو مبہم ہے؟ جواب۔اس کا مصداق فاطمہ بنت ابی جیش ہی ہیں یہی متعین ہے چنانچہ امام ابوداؤد نے بعض محدثین کا قول نقل کرکے اس کی تعیین کردی ہے۔

سوال۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امراۃ مبهمہ نے ام سلمہؓ کے واسطہ سے سوال کیا تھا جبکہ پہلی روایت عن عائشہؓ میں تو صراحۃً خود سوال کرنا مذکور ہے پھر کیسے مصداق ایک ہے۔

جواب-۱: روایات میں کوئی تعارض نہیں ابتداً ام سلمہ کے واسطہ سے پوچھا اور پھر مزید تسلی حاصل کرنے کے لئے براہ راست خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔

جواب-۲: یہ حدیث اس وزن کی نہیں کہ اس پر استدلال کی بنیاد رکھی جا سکے۔ حاشیہ نصیریہ میں لکھا ہے۔ ضعفہ الطحاوی

(۱) اپنی کتاب مشکل الآثار میں امام طحاوی نے اس کو ضعیف قرار دیا۔ (۲) علله النسائی۔ امام نسائی نے اس کو معلول قرار دیا۔

(۳) ابن ابی حاتم کہتے ہیں سالت ابی حاتم میں نے اپنے ابا حاتم سے اس حدیث کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بھی جرح کی فرمایا **هذا حديث منكر**۔ (۴) اور نیز **اذا كان دم الحيض** الخ اس اضافے کو نقل کرنے والے فقط ایک ہی راوی ہیں ابن عدی اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس کو نقل کرنے میں بھی اضطراب ہے کبھی تو **عن ابن شهاب عن عروة عن فاطمه بنت ابی جیش** نقل کرتے ہیں اور کبھی **عن ابن شهاب عن عروة عن عائشةؓ** نقل کرتے ہیں جب اتنی باتیں ہیں جو قادح ہیں اس سے استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے۔ چونکہ تمیز کے معتبر ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہو گیا تو اس وجہ سے فقہاء کا اس مسئلے میں بھی اختلاف ہو گیا۔

کہ مراۃ مستحاضہ کی اقسام کتنی ہیں۔ اصل مسئلہ یہی ہے پہلے دو مسئلے متفق علیہ ہیں۔ احنافؒ کے نزدیک مراۃ مستحاضہ کی تین اقسام ہیں۔

(۱) **مبتداء** (۲) **معتادة** (۳) **متحيرة** اس کو **حفلة** بھی کہتے ہیں۔

(۱) **مبتدء** وہ عورت جس کو ابتدائے بلوغ ہی سے خون جاری ہو گیا اور اکثر مدۃ حیض سے متجاوز ہو گیا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ ہر ماہ کے ابتدائی دس دن اپنے آپ کو حائضہ سمجھے اور اپنے اوپر حائضہ والے احکام کا التزام کرے اور باقی ۱۹ یا ۲۰ دن یہ عورت اپنے آپ کو مراۃ مستحاضہ سمجھے اور اپنے اوپر مراۃ مستحاضہ والے احکام کا التزام کرے۔

(۲) **معتاده** وہ عورت جس عورت کو انضباط کے ساتھ حیض ایک یا دو مرتبہ آ چکا ہو مثلاً پانچ یا چھ دن وغیرہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ ایام عادۃ کے دن حیض پر شمار ہوں گے اور اس سے زائد دم استحاضہ لہٰذا ان دونوں میں مراۃ مستحاضہ والے احکام کا التزام کرے۔

(۳) **متحيرة**۔ انضباط کے ساتھ اس کو ایک یا دو مرتبہ حیض آ چکا ہو وہ عورت جو اپنے ایام عادۃ بھول گئی ہو اس کا اجمالی حکم یہ ہے کہ تحری کرے جن کے متعلق میں ظن غالب یہ ہے چونکہ یہ ایام حیض میں تو دم حیض والے احکام اور جن کے متعلق یہ ظن غالب ہو کہ مستحاضہ ہے تو مراۃ مستحاضہ والے احکام کا التزام کرے۔ اگر تحری کسی جانب نہ ہو تو پھر حکم **غسل لكل صلوة** کا ہے۔ اس لئے کہ ہر لحہ یہ احتمال موجود ہے کہ دم حیض کیا انقطاع ہو رہا ہو اور دم استحاضہ کی ابتداء ہو رہی ہو۔ آگے احناف کی بقیہ دلائل ذکر کریں گے۔

دلیل (۵)۔ دم حیض کو دم نفاس پر قیاس کر لو۔ دم نفاس کے اندر بالاجماع تمیز کا اعتبار نہیں لہذا دم حیض کے اندر بھی تمیز بالالوان کا اعتبار نہیں ہو گا۔

دلیل (۶):۔ تمیز بالالوان کا اعتبار کرنا صحیح احادیث کراسیف کے بھی خلاف ہے۔ یعنی وہ احادیث جن میں مذکور ہے کہ عورتیں اپنے کراسیف یعنی روئی کا وہ ٹکڑا جس کو عورتیں دم حیض کے ساتھ لت پت کر کے ڈبیہ کے اندر رکھ کر حضرت عائشہؓ کی طرف بھیج دیتی تھیں تاکہ یہ پتہ چل جائے دم حیض کا انقطاع ہوا ہے یا نہیں۔ تو حضرت عائشہؓ جواب میں فرماتی۔ **لاتعجلن حتى ترين القصة البيضآء**۔ یعنی جب تک تم خالص سفیدی کو نہ دیکھ لو تو جلدی نہ کرو یعنی ابھی تم حیض والی ہو جب خالص سفید خون ہو تو تم حائضہ نہیں تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ تمیز بالالوان کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

دلیل (۷)۔ تمیز بالالوان پر کوئی صحیح صریح حدیث دال نہیں ہاں ہماری زیر بحث حدیث صریح تو ہے لیکن صحیح نہیں ہے کیوں صحیح نہیں حاشیہ نصیریہ کا مضمون ملاحظہ ہو۔

شوافع کی ایک دلیل تو گزر چکی۔ دلیل (۲): اور شوافع کا دوسرا استدلال اسی باب کی فصل اول کی پہلی روایت سے ہے کہ اس میں اقبلت اور ادبرت کے الفاظ ہیں۔ اقبال کا معنی مراد ہے۔ حیض کے رنگ والے خون کا آنا اور ادبار کا معنی مراد ہے حیض کے رنگ والے خون کا چلے جانا تو ایسی اقبال وادبار سے معلوم ہوا کہ رنگت کا اعتبار ہے۔

جواب کا حاصل یہ حدیث اپنے مقام میں اس پر نص نہیں یہ دلالت صریح نہیں بلکہ احتمال ہے اس سے مراد ایام حیض ہوں۔ کما نقول اقبال کا معنی ہے جب ایام حیض آجائیں اور ادبرت کا معنی جب ایام حیض چلے جائیں (ختم ہو جائیں)۔ اس پر دلیل اگر تمیز بالالوان کا اعتبار کریں تو منتظر عدداللیالی کے الفاظ اور اسی طرح فاذا ذهب قدرها کے الفاظ اس کا کیا مطلب ہوگا۔ تو یہ الفاظ لتنظر عدداللیالی اور فاذا ذهب قدرها (جب اتنی مقدار ایام گزر جائیں) کے الفاظ دلیل ہیں اس بات کی ہے کہ اس سے مراد ایام حیض ہیں۔ تو جو صحیح ہے وہ صریح نہیں اور جو صریح ہے وہ صحیح نہیں۔ چونکہ تمیز بالالوان کے معتبر نہ ہونے میں اختلاف ہو گیا تو اس لئے اس میں بھی اختلاف ہو گیا کہ مراۃ مستحاضہ کی اقسام کتنی ہیں۔ احناف کے نزدیک تین قسمیں ہیں۔ متحیرہ کی تین قسمیں ہیں (۱) متحیرہ بحسب الزمان (۲) متحیرة بحسب المکان (۳) متحیرة بحسب بکلیهما (۲) متحیرہ بحسب الزمان کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو یہ بات تو معلوم ہے کہ میرے ایام حیض مہینہ کے ابتدائی عشرہ میں تھے یا درمیان عشرہ میں تھے یا اخیری عشرہ میں تھے لیکن یہ معلوم نہیں کہ کتنے ایام تھے۔ پانچ یا چھ تعیین بھول گئی۔ (۲) متحیرہ بحسب المکان کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عکس یہ تو معلوم ہے کہ میرے حیض کے پانچ یا چھ دن تھے لیکن یہ معلوم نہیں کہ ایام حیض کی تعیین کا اور نہ کونسے عشرہ میں تھے۔ اس کی تعیین کا علم نہیں۔

لاولا پر لطیفہ۔ امام صاحب کے پاس ایک شخص آیا اس نے سوال کیا بواواو بواوین؟ امام صاحب نے جواب میں فرمایا بواوین اس نے خوش ہو کر کہا بارک اللہ کی جگہ بارک فی لاولا۔ پاس بیٹھنے والے حضرات حیران ہو گئے یہ کیا مسئلہ ہے تو امام صاحبؒ نے فرمایا اس نے مسئلہ تشہد کے بارے میں پوچھا کہ ابن مسعود والا تشہد ہے یا دوسرا۔ ایک واؤ والا یا دو واؤں والا تو نے فرمایا دو واؤں والا بمعنی ابن مسعود والا۔ اس نے دعا دی جس میں کیا لاولا اس سے اشارہ کر دیا لاشرقیہ ولاغربیہ۔ جیسے اس میں برکت دی ہے اللہ ایسے ہی آپ کو برکت دے) بہر تقدیر اس متحیرہ کی مجموعی صورتیں متعدد بن جاتی ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) متحیرہ کو ان ایام میں اپنے طاہر ہونے کا یقین ہو۔ (۲) متحیرہ کو اپنے ان ایام میں اپنے حائضہ ہونے کا یقین ہو۔

(۳) متحیرہ کو اپنے ایام میں خروج عن الحیض ہونے کا یقین ہو (۴) اولین میں یعنی طاہرہ وحائضہ ہونے میں تردد ہو۔

(۵) اخیرین میں یعنی حائضہ ہونے اور خروج عن الحیض ہونے میں تردد ہو (۶) طرفین میں یعنی اول وثالث میں تردد ہو۔ یعنی طاہر ہونے میں اور خروج عن الحیض ہونے میں تردد ہو (۷) تینوں میں تردد ہو۔

ان صورتوں کا حکم ان سات صورتوں میں سے پہلی حالت میں اجماعی حکم وضو لکل صلوٰۃ کا ہے اور دوسری صورت میں اجماعی حکم نماز روزہ چھوڑ دے یعنی اپنے آپ کو حائضہ سمجھے۔ تیسری صورت میں حکم غسل ہے۔ چوتھی صورت میں ایک مرتبہ غسل کے بعد وضو لکل صلوٰۃ کا حکم ہے۔ پانچویں چھٹی اور ساتویں صورت میں حکم غسل لکل صلوٰۃ کا ہے (مسائل متحیرہ صرف اسی میں بند نہیں) شوافع اور جمہور حضرات کے نزدیک مراءۃ مستحاضہ کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) پہلی صورت ممیزہ غیر معتادۃ جو عورت دم حیض اور دم استحاضہ کے درمیان رنگت کے اعتبار سے (کے ساتھ) تمیز کرنے پر قدرت رکھتی ہو یہ اپنی تمیز پر عمل کرے یہ صورت صرف شوافع اور جمہور ائمہ کے نزدیک ہے۔ ان کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ جن ایام میں دم حیض والی رنگت باقی ہے ان میں حائضہ اور جن میں دم حیض والی رنگت باقی نہیں ان میں اپنے آپ کو مستحاضہ سمجھے۔

دوسری صورت:۔ یہ احناف کے نزدیک بھی ہے اسکا حکم کیا ہے احناف کے نزدیک اس کے ایام متعین ہے ایام حیض میں عادۃ پر عمل کرے اور حنابلہ اور شوافع کا بھی راجح قول یہی ہے کہ ایام حیض میں عادۃ پر عمل کرے اور مالکیہ کی اس بارے میں متعدد روایات ہیں ایک روایت یہی ہے کہ عادۃ پر عمل کرے اور مشہور قول مالکیہ یہ ہے کہ استظہار پر عمل کرے۔ یعنی ایام عادۃ گزرنے کے بعد مزید تین دن تک انتظار

کرے بشرطیکہ مجموعی مدت اکثر مدۃ حیض سے متجاوز نہ ہو جائے۔ اور اگر اکثر مدۃ حیض سے متجاوز ہو جائے تو استظہار والے تین دن میں کمی کرے۔ اور اکثر مدۃ حیض ان کے نزدیک پندرہ دن ہے۔ لہٰذا اگر پندرہ دن سے متجاوز ہو جائے تو تین دن استظہار والے کم کردے۔

تیسری صورت: دو حال سے خالی نہیں عادۃ اور رنگت میں موافقت ہوگی یا مخالفت ہوگی اگر موافقت ہے تو صحیح ہے۔ ہم احناف یوں تعبیر کریں گے عادۃ پر عمل کرے اور باقی ائمہ کہیں گے تمیز پر عمل کرے۔ دونوں ایک چیز ہیں صرف لفظی اختلاف ہے مآل کے اعتبار سے فرق نہیں اور اگر رنگت اور عادۃ میں اختلاف ہو جائے تو احناف کے نزدیک عادۃ ہی کا اعتبار ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک تمیز ہی کا اعتبار ہے۔

چوتھی صورت: یعنی غیر معتادہ غیر معینہ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مبتداہ ہو تو اکثر مدت حیض ہے تو ایام حیض میں حیض شمار ہوگا اور اس سے زائد میں دم استحاضہ شمار ہوگا اگر متحیرہ ہے تو تحیری والا حکم یا پھر غسل لکل صلوٰۃ کا حکم ہوگا۔

وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اِنَّ امْرَاَةً كَانَتْ تُهْرَاقُ الدَّمَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْ
حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خون ڈالتی تھی۔ ام سلمہؓ نے
لَهَا اُمُّ سَلَمَةَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِتَنْظُرْ عَدَدَ اللَّيَالِيْ وَ الْاَيَّامِ الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُهُنَّ مِنَ
اس کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دنوں اور راتوں کی گنتی شمار کرے جن میں اسے
الشَّهْرِ قَبْلَ اَنْ يُصِيْبَهَا الَّذِيْ اَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَاِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ
ہر مہینہ اس بیماری لگنے سے پہلے خون آتا تھا پس وہ اس کا اندازہ ہر مہینہ میں نماز چھوڑ دے۔ جب وقت گزر جائے غسل کرے
فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ بِثَوْبٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاوُدَ وَ الدَّارِمِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ مَعْنَاهُ)
پھر لنگوٹ باندھے پھر نماز پڑھے۔ روایت کیا اس کو مالک ابوداؤد دارمی نے اور روایت کیا نسائی نے معنی اس کا۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ تھراق الدم۔ اس کو مرفوع پڑھا گیا اور منصوب بھی۔ مرفوع ہوگا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے ای تھراق دمھا اگر منصوب ہو تھراق الدم اس صورت میں تھریق کے معنے میں ہوگا۔ یا الدم کا عامل فعل مقدر ہے یعنی فعل مقدر کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا تو اس صورت میں سوال کا جواب ہوگا تھراق ماء تھریق۔

قوله' استثفار الخ. کا معنی یہ ہے کہ محل خروج دم پر طویل عریض پٹی کی جائے پھر اس کو کمر پر باندھی ہوئی ڈوری کے ساتھ قداماً خلفاً باندھ لیا جائے لنگوٹ باندھنے کی صورت بن جاتی ہے اس طرح کرنے سے خروج دم میں تقلیل ہو جاتی ہے۔ یہ علاجاً کیا جاتا ہے اور بعض احادیث میں اس کو تلجم کے لفظ کے ساتھ بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ حدیث احناف کا مستدل ہے کہ عادۃ ہی کا اعتبار ہے واللہ اعلم بالصواب۔

وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ جَدُّ عَدِيٍّ اسْمُهُ دِيْنَارٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
حضرت عدی بن ثابتؓ اپنے باپ سے اور اس کا باپ عدی کے دادا سے روایت کرتا ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا عدی کے دادا کا نام دینار تھا۔
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ فِي الْمُسْتَحَاضَةِ تَدَعُ الصَّلَاةَ اَيَّامَ اَقْرَائِهَا الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُ فِيْهَا ثُمَّ
وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضے والی عورت کے متعلق فرمایا۔ اپنے حیض کے دن جن میں وہ حیض گزارتی ہے
تَغْتَسِلُ وَتَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ وَ تَصُوْمُ وَتُصَلِّيْ. (رواه الجامع ترمذی و ابوداؤد)
چھوڑ دے پھر غسل کرے اور ہر نماز کیلئے وضو کرے اور روزے رکھے اور نماز پڑھے۔ روایت کیا اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ عدی کے دادا کے نام کے بارے میں اختلاف ہو گیا ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ان کے دادے کا

نام دینار ہے لیکن یہ کوئی اتفاقی چیز نہیں۔ امام ترمذی نے اپنے استاد امام بخاریؒ سے پوچھا کہ عدی بن ثابتؒ کے دادے کا نام کیا ہے۔ انہوں نے سکوت فرمایا پھر ان کے سامنے یحییٰ بن معین کا قول پیش کیا۔ پھر بھی وہ خاموش رہے اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کو بھی اس پر تسلی نہیں تھی۔

مراۃ مستحاضہ کا وضو لصلوٰۃ ہوتا ہے یا لوقت صلوٰۃ ہوتا ہے؟ احناف کے نزدیک مراۃ مستحاضہ کا وضو لوقت صلوٰۃ ہوتا ہے اور شوافع کے نزدیک لصلوٰۃ ہوتا ہے۔ کہ وقت کے اندر وضو کرنے کے بعد احناف کے نزدیک وقتی نماز بھی ادا کرنا صحیح اور قضاء کو ادا کرنا بھی صحیح ہے۔ وقت کے ختم ہونے کے بعد طہارت ختم یعنی خروج وقت ناقض للوضوء ہوگا اور بر مذہب شوافع وقت میں وضو کرنے کے بعد وقتی فرض نماز اور سنت وغیرہ ادا کر سکتی ہے لاغیر تو ان کے نزدیک فراغ عن الصلوٰۃ ناقض للوضوء ہوگا۔

شوافع کی دلیل (۱)۔ یہی حدیث باب ہے۔ وتتوضأ عند کل صلوٰۃ کے الفاظ ہیں۔

احناف کی طرف سے جواب۔ یہاں عند ظرف کے معنے میں ہے۔ ای لوقت کل صلوٰۃ اور نیز دیگر روایات میں صراحۃً وقت کے الفاظ آتے ہیں اور نیز کئی اجماعی مسئلوں سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ وضو لوقت صلوٰۃ پر اجماع ہے کہ اگر مراۃ مستحاضہ نے وقت کے اندر اندر وضو کیا اور نماز ادا نہ کی وقت ختم ہوگیا تو اس وضوء سے دوسرے وقت کی نماز ادا نہیں کر سکتی۔ حالانکہ اگر اس کا وضو لصلوٰۃ تھا تو دوسرے وقت میں نماز جائز ہو جانی چاہئے تھی کہ اس کے حق میں فراغ عن الصلوٰۃ نہیں بلکہ خروج وقت نماز ہوا پس معلوم ہوا کہ وضوء لوقت صلوٰۃ ہے لا لصلوٰۃ اور نیز شریعت کے اندر اس بات کے تو نظائر ہیں کہ وقت کا خروج ناقض طہارت ہو لیکن اس کی کوئی نظیر نہیں کہ فراغ علی الصلوٰۃ ناقض طہارت ہو جیسے مسح علی الخفین کی مدت و وقت گزرنے کے بعد مسح باقی نہیں رہتا۔ تو پس جس کی نظائر موجود ہیں اس پر قیاس کیا جائے گا پس معلوم ہوا کہ مراۃ مستحاضہ کا وضو لوقت صلوٰۃ ہوگا لا لصلوٰۃ۔

وَعَنْ حَمْنَةَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَتْ كُنْتُ أُسْتَحَاضُ حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَاَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت حمنہ بنت جحشؓ سے روایت ہے کہا مجھے بہت زیادہ استحاضہ کا خون آتا تھا۔ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ اَسْتَفْتِيْهِ وَاُخْبِرُهُ فَوَجَدْتُهُ فِيْ بَيْتِ اُخْتِيْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُسْتَحَاضُ

سے فتویٰ پوچھتی تھی اور خبر دینا چاہتی تھی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بہن زینب بنت جحشؓ کے گھر پایا میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول

حَيْضَةً كَثِيْرَةً شَدِيْدَةً فَمَا تَاْمُرُنِيْ فِيْهَا قَدْ مَنَعَتْنِي الصَّلَاةَ وَ الصِّيَامَ قَالَ اَنْعَتُ لَكِ الْكُرْسُفَ فَاِنَّهُ

مجھے سخت استحاضہ کا خون آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں اس نے مجھ کو نماز اور روزے سے روک دیا ہے فرمایا۔

يُذْهِبُ الدَّمَ قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَتَلَجَّمِيْ قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَاتَّخِذِيْ ثَوْبًا

میں تیرے لئے روئی بیان کرتا ہوں تحقیق وہ لے جاتی ہے خون کو میں نے کہا وہ اس سے زیادہ ہے۔ فرمایا لگام کی مانند کپڑا باندھ

قَالَتْ هُوَ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ اِنَّمَا اَثُجُّ ثَجًّا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاٰمُرُكِ بِاَمْرَيْنِ اَيَّهُمَا

اس نے کہا وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ پس فرمایا رکھ تو کپڑا اس نے کہا وہ اس سے زیادہ ہے سوائے اس کے نہیں میں ڈالتی ہوں اس خون کو ڈالنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں

صَنَعْتِ اَجْزَاَ عَنْكِ مِنَ الْاٰخَرِ وَاِنْ قَوِيْتِ عَلَيْهِمَا فَاَنْتِ اَعْلَمُ قَالَ لَهَا اِنَّمَا هٰذِهٖ رَكْضَةٌ مِّنْ

تجھے دو باتوں کا حکم کرتا ہوں ان میں سے جو تو کرے گی تجھے کفایت کرے گی اور اگر تو دونوں پر قدرت رکھے تو

رَكَضَاتِ الشَّيْطَانِ فَتَحَيَّضِيْ سِتَّةَ اَيَّامٍ اَوْسَبْعَةَ اَيَّامٍ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ ثُمَّ اغْتَسِلِيْ حَتّٰى اِذَا رَاَيْتِ اَنَّكِ

خوب جاننے والی ہے۔ فرمایا یہ شیطان کا لات مارنا ہے۔ تو حیض کے چھ یا سات دن شمار کر اللہ کے علم میں

قَدْ طَهُرْتِ وَاسْتَنْقَاتِ فَصَلِّي ثَلَاثًا وَّعِشْرِيْنِ لَيْلَةً اَوْ اَرْبَعًا وَ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَاَيَّامَهَا وَصُوْمِي فَاِنَّ
پھر غسل کر پھر جب تو دیکھے کہ تو پاک ہوچکی ہے اور صاف ہوگئی ہے۔ تئیس دن رات نماز پڑھ یا چوبیس دن رات
ذٰلِكِ يُجْزِئُكِ وَكَذٰلِكِ فَافْعَلِي كُلَّ شَهْرٍ كَمَا تَحِيْضُ النِّسَاءُ وَكَمَا يَطْهُرْنَ مِيْقَاتَ حَيْضِهِنَّ
اور روزے رکھ یہ بات تجھ کو کفایت کرتی ہے۔ اسی طرح ہر ماہ کیا کر جیسے عورتیں حائض ہوتی ہیں
وَطُهْرِهِنَّ وَاِنْ قَوِيْتِ عَلَى اَنْ تُؤَخِّرِيْنَ الظُّهْرَ وَ تُعَجِّلِيْنَ الْعَصْرَ فَتَغْتَسِلِيْنَ وَ تَجْمَعِيْنَ بَيْنَ
اور جس طرح پاک ہوتی ہیں اپنے حیض اور پاک ہونے کے وقت پر اور اگر تو قدرت رکھے یہ کہ تاخیر کردے
الصَّلَاتَيْنِ الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ وَ تُؤَخِّرِيْنَ الْمَغْرِبَ وَ تُعَجِّلِيْنَ الْعِشَاءَ ثُمَّ تَغْتَسِلِيْنَ وَ تَجْمَعِيْنَ بَيْنَ
تو ظہر کو اور جلدی کرے نماز عصر کو پس غسل کر اور دونوں نمازوں کو جمع کر لے اور تاخیر کر تو مغرب میں اور جلدی کرے
الصَّلَاتَيْنِ فَافْعَلِي وَ تَغْتَسِلِيْنَ مَعَ الْفَجْرِ فَافْعَلِي وَصُوْمِي اِنْ قَدَرْتِ عَلَى ذٰلِكِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
عشا میں پھر غسل کر تو اور ان دونوں نمازوں کو جمع کرلے پس اس طرح کر اور غسل کر تو فجر کی نماز کیلئے اور روزے رکھ اگر تجھے طاقت ہے اس پر اور
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هٰذَا اَعْجَبُ الْاَمْرَيْنِ اِلَيَّ. (رواه احمد بن حنبل و ابوداؤد و الترمذی)
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں حکموں میں سے یہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ روایت کیا اس کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے۔

تشریح: حاصل حدیث:۔ حضرت حمنہ بنت جحشؓ فرماتی ہیں کہ میں مستحاضہ عورت تھی۔ بہت زیادہ دم استحاضہ میں مبتلا تھی۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے فتویٰ طلب کیا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری بہن زینب بنت جحشؓ گھر میں تشریف فرما تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بہت زیادہ دم استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس بارے میں کیا حکم دیتے ہیں۔ اس نے تو مجھ کو نماز روزہ سے روک رکھا ہے۔ ان کو چونکہ مسئلہ معلوم نہیں تھا اس لئے انہوں نے کہا کہ اس دم استحاضہ نے مجھ کو نماز روزہ سے روک رکھا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ اور حکم بتانے سے پہلے علاج بتلایا۔ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تقریباً ۱۱ عورتیں ایسی تھیں جو اس مرض میں مبتلا تھیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرسف یعنی روئی کا ٹکڑا محل خروج دم پر رکھ لو اس کی وجہ سے خروج میں تقلیل ہو جائے گی۔ حمنہ بنت جحشؓ نے کہا اس سے بھی زیادہ ہے یعنی اس کی وجہ سے نہیں رکتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لنگوٹ مارلے (باندھ لے)۔ حمنہ بنت جحش نے فرمایا اس سے بھی زیادہ ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر کوئی اور کپڑا رکھ لے۔ حمنہ بنت جحش نے فرمایا اس سے بھی زیادہ ہے۔

قوله انما اثج ثجا۔ دم استحاضہ سے بہنا میں خود بہتی ہی رہتی ہوں۔ (بعض نے کہا کہ سات برس تک اس میں مبتلا رہیں یعنی دم بہت زیادہ آتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو دو باتیں بتلاؤں گا ان میں سے تو جس کو اختیار کرلے گی تیرے لئے کافی ہو جائے گا۔ اگر تو اس پر قوت رکھے تو اپنی حالت کو خود زیادہ جاننے والی ہے۔

قوله رکضة من رکضات الشيطان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ یہ بیماری شیطان کے تصرفات میں سے ایک تصرف ہے یا تو یہ حقیقی معنی پر محمول ہے کہ شیطان کا تصرف ہے۔ یعنی شیطان رگ پھاڑ دیتا ہے جس کی وجہ سے دم استحاضہ شروع ہوجاتا ہے یا پھر مجازی معنی پر محمول ہے کہ ایام دم استحاضہ کے اندر شیطان کو اس مرض کے بعد وسوسہ اندازی کا موقع مل جاتا ہے جس کے ذریعہ تلاوت نماز روزہ چھڑادیتا ہے پھر اس چھوڑنے کی وجہ سے شیطان خوش ہوتا ہے اچھلتا کودتا ہے بس اسی کو حدیث میں رکضۃ الخ سے تعبیر کردیا۔

قوله فتحيضي ستة ايام أوسبعة ايام. الخ پس حیض شمار کر چھ یا سات دن في علم الله۔ یعنی تیری صحیح حالت تو اللہ کے علم میں

ہے۔توبس اندازہ تحری کر کے لگا کر عادت پر عمل کرو۔کلمہ او کون ہے۔

''او'' کے بارے میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ ''او'' شک راوی کیلئے ہو۔یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی لفظ فرمایا تھا۔''ستة ایام'' یا ''سبعة ایام'' لیکن راوی کو شک ہوگیا کہ ان میں سے کون سا لفظ آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔دوسرا احتمال یہ ہے کہ ''او'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا ہو اس صورت میں بھی ''او'' میں دو احتمال ہوں گے۔ایک یہ کہ ''او'' تنویع کیلئے ہو۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اعتبار عادت کی تلقین فرمارہے ہیں۔جتنے حیض کی عادت تھی اتنے حیض شمار کرو۔اگر چھ دن حیض کی عادت تھی تو اب بھی چھ دن حیض کے ہوں گے اور اگر سات دن حیض کی عادت تھی تو سات دن حیض کے شمار ہوں گے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت حمنہ بنت جحشؓ کو عادت میں تردد تھا کہ چھ دن ہے یا سات دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو فرمارہے ہیں کہ تحری کر کے اگر چھ دن پر ظن غالب ہو تو چھ دن اگر سات پر ہو تو سات دن حیض کے شمار کرو باقی استحاضہ۔

سوال۔ پھر ان دو عددوں کی تخصیص کیوں کی۔تحری کا حکم تو عام ہے جتنے ایام کا ظن غالب ہو جائے وہ ایام حیض ہوں گے۔

جواب: دراصل یہ معتادۃ تھیں ان کی عادۃ ۶ دن یا ۷ دن تھی ان دو عددوں میں ان کو تردد تھا تو فرمایا کہ ان دونوں عددی میں تحری کرلو۔

جواب-۱: یا اس لئے کہ پھر معتدل مزاج عورتوں میں عمومی طور پر ایام حیض چھ یا سات دن ہوتے ہیں۔دراصل عورتیں تین قسم کی ہیں۔

(۱) وہ عورتیں جن کے مزاج و جسم میں رطوبت غالب ہوتی ہے تو ان کے ایام حیض عمومی طور پر دس دن ہوتے ہیں۔(۲) جن کے مزاج میں یبوبست غالب ہوتی ہے تو ان کے ایام ۳ دن ہوتے ہیں۔(۳) جن کے مزاج میں اعتدال ہوتا ہے ان کے ایام حیض عموماً چھ یا سات دن ہوتے ہیں۔اس مقام پر لف ونشران ہیں۔ایک لف نشر مرتب اور ایک غیر مرتب۔(۱) **کما تحیض النسآء و کما یطھرن۔**

قولہ' میقات حیضھن و طھرھن (ترجمہ) جیسا کہ کرتی ہیں حائضہ عورتیں اپنے حیض کے اوقات میں اور طاہرہ اپنے طہارت کے اوقات میں۔

و ان قویت علی ان توخرین الظھر الخ اگلی پوری عبارت کا حاصل اغتسالات ثلثہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے **جمع بین الصلوتین بغسل و احد مع غسل مستقل لصلوٰۃ الفجر** جس کا حاصل یہ ہے کہ دن اور رات میں تین غسل کرو بایں طور کہ ظہر کو اس کے اخیری وقت میں غسل کر کے اور عصر کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا کرو اور اسی طرح مغرب کو اس کے اخیری وقت میں غسل کر کے عشاء کو اس کے ابتدائی وقت میں ادا کرو۔اور فجر کے لئے مستقل غسل کرو لیکن ہر دوسری نماز سے پہلے وضو ضروری ہے کیونکہ مذہب شوافع فراغ عن الصلوٰۃ کی وجہ سے اور بر مذہب احناف خروج وقت صلوٰۃ کی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا۔

سامرک بامرین۔دو امروں میں یہ امر ثانی ہوا۔یعنی جمع بین الصلوٰۃ بغسل واحد مع غسل مستقل لصلوٰۃ الفجر ہے (اغتسالات ثلثہ) باقی اس کے مقابلے میں امر اول کیا ہے۔اس کے بارے میں دو احتمال ہیں۔

پہلا قول:۔امر اول **غسل لکل صلوٰۃ** ہے۔اس صورت میں **سامرک بامرین** میں سین استقبال کے لئے ہے معنی یہ ہے کہ میں اولاً مجھے ماھو الفرض کی ادائیگی کے لئے حکم بتلاؤں گا پھر دو امر دو چیزیں ایسے بتلاؤں گا کہ ان میں سے ایک کو اختیار کروگی تو تمہارے لئے کافی ہو جائیں گی۔تقلیل دم کے علاج کیلئے کافی ہو جائے گا۔چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ترتیب کے مطابق اولاً **ماھو الفرض** کی ادائیگی کے لئے تحری کا حکم دیا۔پھر انقطاع حیض غسل کا حکم دیا اور پھر وضو لکل صلوٰۃ کا حکم دیا۔یعنی وضو لکل صلوٰۃ کر کے ۲۳ یا ۲۴ دن جو باقی ہیں ان میں نماز روزہ رکھے وغیرہ تو اس سے تقریر کے مطابق عین مطابق منطبق ہو جائے گا یعنی استقبال کے لئے تھا اس کے بعد امر اول ارشاد فرمایا جو اس حدیث میں مذکور نہیں پھر امر ثانی ارشاد فرمایا (**جمع بین الصلوۃ بغسل واحد مع غسل مستقل لصلوٰۃ الفجر**) اور فرمایا کہ یہ مجھے پسندیدہ ہے۔

پسندیدہ ہونے کی چند وجوہ ہیں۔

وجہ-۱: اس امر ثانی میں سہولت ہے یہ اسہل ہے اور امر ثانی کا اعجب بوجہ سہولت یہ مقتضی ہے اس بات کا کہ امر اول اصعب ہونا چاہیئے اور امر اول اصعب دشوار تب ہوگا جب اس کو غسل لکل صلوٰۃ قرار دیا جائے گا اس لئے کہ اغتسالات ثلثہ کی بنسبت **غسل لکل صلوٰۃ** اصعب ہے پس لہٰذا امر اول **غسل لکل صلوٰۃ** ہوگا کہ اصعب ہے اور امر ثانی اسہل ہے اس لئے اعجب ہے۔

وجہ-۲: **حدیث اسماء بنت عمیس**ؓ کے اخیر میں ہے **روی مجاهد عن ابن عباس**ؓ **لما اسئة عليها الغسل امرها ان تجمع بين الصلوتين** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حکم دیئے اولاً غسل لکل صلوٰۃ کا حکم دیا اور پھر جب یہ مشکل ہوگیا تو جمع بین الصلوٰتین کا حکم دیا۔ تو یہاں دونوں امر مذکور ہیں۔ تو جس حدیث میں مذکور نہیں اس کو مذکور پر محمول کرو تا کہ مذکور اور غیر مذکور میں مطابقت و موافقت ہوجائے تو اس حدیث میں امر اول غسل لکل صلوٰۃ مذکور ہے لہٰذا اس حدیث حمنہ بنت جحش میں بھی امر اول **غسل لکل صلوٰۃ** مراد ہوگا۔

وجہ-۳: **حدیث سهله بنت سهیل**ؓ یہاں نہیں ابوداؤد میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تقریباً دو عورتیں مبتلی بدم الاستحاضہ تھیں ان میں سے ایک سہلہ بنت سہیل بھی تھیں۔ ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دو حکم دیئے۔ (۱) **غسل لکل صلوٰۃ** کا اور (۲) **جمع بين الصلوتين** کا تو حدیثوں کے درمیان موافقت تب ہوگی جب امر اول کو غسل لکل صلوٰۃ قرار دیا جائے تا کہ غیر مذکور مذکور کے موافق ہوجائے۔

دوسرا قول۔ امر اول کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ وہ **وضو لکل صلوٰۃ** ہے جو کہ اسی حدیث میں مذکور ہے اور امر ثانی وہی ہے۔ **اغتسالات ثلثه**۔ اب یہ سین استقبال کے لئے نہیں ہوگا بلکہ سین کا معنی یہ ہے کہ امر اول اور امر ثانی کے بیان کرنے کے درمیان چونکہ کلام ذرا لمبی ہوگئی فاصل بن گئی اس لئے سین کو لائے ورنہ کوئی حاجت نہیں تھی یہ تاثیر کے لئے ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ میں تم کو دو بتلاؤں گا پہلی **ماهو الفرض** کو بجالانے کے لئے (وہ کیا ہے تحری اور انقطاع حیض کے بعد غسل) اور اس کے بعد امر ثانی بتلاؤں گا۔ یعنی **جمع بين الصلوٰتين**۔ ان میں سے جو بھی کرے گی وہ تمہارے لئے کفایت کر جائے گا۔ **ماهو الفرض** کو ادا کرنے میں کس بات میں کفایت کر جائے گا اس قول کے مطابق امر ثانی کے احب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں براۃ ذمہ یقینی ہے اور امر اول میں براۃ ذمہ یقینی نہیں بلکہ ظن غالب کے جب ہوسکتا ہے کہ **خروج دم من الحيض** ہو رہا ہو اور آپ نے وضو پر اکتفا کرلیا تو براۃ ذمہ یقینی تو نہ ہوا۔ دوسرے قول کے قائلین کی ادلہ

دلیل امر اول جس کو تم غسل لکل صلوٰۃ قرار دے رہے ہو وہ حدیث حمنہ بنت جحش میں یہاں مذکور ہی نہیں ہے تو پھر آپ غیر مذکور کو امر اول کیسے قرار دے رہے ہو۔ جو مذکور ہے اس کو امر اول قرار دیا جائے گا۔

دلیل:۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امر ثانی سے پہلے **ان قويت** آگے **ان قدرت** کے الفاظ فرمائے۔ یہ قرینہ ہیں یہ دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ امر ثانی اصعب ہونا چاہیئے اور امر اول اسہل ہونا چاہیئے تو اگر امر اول **غسل لکل صلوٰۃ** ہے تو ان الفاظ کا ذکر اس کے ساتھ ہونا چاہیئے نہ کہ امر ثانی کے ساتھ جبکہ یہاں امر ثانی کے ساتھ ان الفاظ کا ذکر ہے تو پس معلوم ہوا کہ امر ثانی اصعب ہے۔ اور امر ثانی اصعب تب ہوگا جب امر اول **وضو لکل صلوٰۃ** ہو نہ کہ **غسل لکل صلوٰۃ**۔

اس دوسرے قول پر اعتراض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں کا اختیار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسہل کو اختیار فرماتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے۔ لیکن یہاں یہ امر ثانی کو اختیار کیا جو کہ اصعب ہے۔

جواب۔ عام طور پر عام حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسہل کو اختیار فرماتے لیکن یہ کوئی اس بات کے منافی نہیں کہ کسی خاص موقع پر کسی حکمت کی بناء پر اسہل کو اختیار نہ فرمایا چنانچہ یہاں ان وجوہ کی بناء پر امر ثانی کو اختیار فرمایا۔

اس میں براۃ ذمہ یقینی ہے نظافت کی زیادتی کا باعث ہے اور تقلیل دم کا باعث ہے۔ باقی رہی یہ بات ان دو قولوں میں سے راجح کون ہے۔ ملا علی قاری شیخ عبدالحق محدث دہلوی شیخ رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد سہارنپوری یہ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ قول اول صحیح ہے۔

قوله الصيام الصلوٰة۔ منصوب بنزع الخافض ہیں اور ان مخففہ من المثقلۃ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِي حُبَيْشٍ اُسْتُحِيْضَتْ مُنْذُ كَذَا
حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے کہا کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ بنت ابی حبیش کو
وَكَذَا فَلَمْ تُصَلِّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللهِ اِنَّ هٰذَا مِنَ الشَّيْطَانِ لِتَجْلِسْ
استحاضہ کی بیماری ہے اس نے اتنی اتنی مدت سے نماز نہیں پڑھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ! تحقیق یہ شیطان
فِي مِرْكَنٍ فَاِذَا رَأَتْ صَفَارَةً فَوْقَ الْمَاءِ فَلْتَغْتَسِلْ لِلظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَّتَغْتَسِلْ لِلْمَغْرِبِ
کی طرف سے ہے۔ ایک لگن میں بیٹھے۔ جب پانی کے اوپر زردی دیکھے ظہر اور عصر کیلئے ایک غسل کرے اور مغرب
وَالْعِشَاءِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَّ تَغْتَسِلُ لِلْفَجْرِ غُسْلًا وَّاحِدًا وَّتَوَضَّأُ فِيْمَا بَيْنَ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ
اور عشا کیلئے ایک غسل کرے۔ اور فجر کیلئے ایک غسل اور انکے درمیان وضو کر۔ روایت کیا اس کو ابو داؤد نے
قَالَ رَوٰى مُجَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَمَّا اشْتَدَّ عَلَيْهَا الْغُسْلُ اَمَرَهَا اَنْ تَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ)
اور کہا روایت کیا مجاہد نے ابن عباس سے۔ جب اس پر غسل دشوار ہوا اس کو حکم دیا کہ دو نمازوں کو جمع کرلے۔

تشریح: حاصل حدیث اسماء بنت عمیسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ فاطمہ بنت ابی حبیش اتنے اتنے دنوں سے دم استحاضہ میں مبتلا ہے اس نے تو نماز ہی نہیں پڑھی۔ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ بطور تعجب کے کہ اس کو مسئلہ بھی معلوم نہیں ہے۔ فرمایا یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ پس چاہئے کہ بیٹھے وہ ایک بڑے لگن میں پس جب دیکھ لے صفرہ۔ زردی کو پانی کے اوپر تو پس غسل کرے ظہر اور عصر کے لئے ایک ہی غسل اور وضو کرے اس کے درمیان میں۔

قوله' لتجلس فی مرکن فاذارات صفارة فوق الماء۔ تو رویۃ صفارة کا کیا مطلب ہے؟ اس کے دو مطلب ہیں پہلا مطلب (۱) یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ غسل ظہر کے اخیری وقت میں کرے۔ یعنی جب ظہر کا وقت آئے تو بڑا لگن یا ٹب لے کر اس میں پانی لے کر اس میں بیٹھ جائے۔ اور ظہر کے اخیری وقت تک بیٹھی رہے جب اخیری وقت آئے تو نکل کر صاف پانی سے غسل کر کے نماز ظہر اور نماز عصر پڑھ لے جب ظہر کا اخیری وقت ہو تو کچھ نہ کچھ سورج زرد ہو جاتا ہے اگرچہ اصفرار شمس نہیں ہوتا تو اس وقت باہر نکلے اور غسل کرے۔ باقی بیٹھی رہے علاج کے لئے ہے برودت کی وجہ سے دم تقلیل ہو جائے گی۔

دوسرا مطلب (۲) یہ کنایہ ہے کافی دیر تک پانی میں بیٹھے رہنے سے تاکہ برودت کا اثر سارے جسم تک پہنچ جائے (جس کی مقدار یہ ہے اتنی دیر بیٹھے کہ حضرت یعنی دم کا اثر پانی کے اوپر آجائے)

تیسرا مطلب (۳) یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ لگن میں بیٹھی رہے بیٹھی رہے جب تک پانی میں زردی کا رنگ نمودار ہو جائے تو باہر نکل کر غسل کرلے و تتوضا شوافع کے مذہب پر مطلب منطبق نہیں ہوتا کیونکہ وضو ضروری ہے وہ اس کا معنی کرتے ہیں کہ جب احداث میں سے کوئی حدث لاحق ہو جائے تو وضو کرے۔ احناف کے مذہب پر وضو کیوں ضروری ہے تو اس لئے کہ فرد وقت ناقض للوضوء ہے اور شوافع کے مذہب کے مطابق فراغ عن الصلوٰۃ پایا گیا جو کہ ان کے نزدیک ناقض ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(الحمد للہ جلد اوّل ختم ہوئی)